اَلَيْسَ اللّٰهُ بِكَافٍ عَبْدَهٗ

کفایت المفتی

جلد اوّل

کتابُ الایمان والکفر کتابُ العقائد

مکتبہ حقانیہ
ملتان ۰ (پاکستان)

جامع و مؤلف

حفیظ الرحمان واصف

فہرست مضامین کفایت المفتی جلد اول

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

حمد و نعت

از حضرت مفتی اعظم مولانا محمد کفایت اللہ رحمہ اللہ

یَا خَالِقَ الْاَرْوَاحِ وَالْاَبْدَانِ
اے وہ کہ تونے ارواح واجسام کو پیدا کیا

یَا مُنْبِتَ الْاَزْهَارِ فِی الْبُسْتَانِ
اے وہ کہ تونے چمن میں پھولوں کو اُگایا

یَا مُوْدِعَ الْاَلْوَانِ فِی الرَّیْحَانِ
پھولوں کو مختلف رنگ عطا کیے

وَمُزَیِّنَ الْاَفْلَاكِ بِالشُّهْبَانِ
آسمانوں کو ستاروں سے سجایا

یَا مُرْسِلَ النُّشُرِ اللَّوَاقِحِ رَحْمَةً
ہواؤں کو حاملِ رحمت بنا کر بھیجا

یَا مُنْزِلَ الْاَمْطَارِ بِالْهَطَلَانِ
موسلا دھار بارشیں نازل کیں

یَا سَاقِیَ الرَّوْضِ الْبَهِیِّ نَضَارَةً
تر وتازہ گلستانوں کو رعنائی سے سیراب کیا

یَا مُخْرِجَ الْاَثْمَارِ وَالْقِنْوَانِ
پھل اور کھجور کے خوشے پیدا کیے

یَا حَاشِرَ الْاَجْسَادِ مِنْ بَعْدِ الْبِلٰی
بوسیدہ اجسام کو از سرِ نو اٹھانے والا تو ہے

یَا نَافِخَ الْاَرْوَاحِ فِی الْجُثْمَانِ
مجسمے میں روح پھونکنے والا تو ہے

حَمْدًا لَكَ اللّٰهُمَّ رَبِّیْ بَالِغًا
اے اللہ میرے پروردگار تیری ستائش کی

اَقْصَی الْمَدٰی مِنْ قُوَّةِ الْاِنْسَانِ
کوشش کرتا ہوں۔ قوتِ انسانی کے آخری حد تک

حَمْدًا كَمَا اَنْتَ اصْطَفَیْتَ لِنَفْسِكَ
ستائش ہے تیرے لیے جیسی کہ تونے اپنے لئے

اَسْنَی الْمَحَامِدِ مُحْكَمَ الْاَرْكَانِ
پسند کی ہو۔ تمام ستائشوں سے بالاتر پائدار

اَنْتَ الرَّقِیْبُ عَلَی الْعِبَادِ مُقِیْتُهُمْ
تو اپنے بندوں سے باخبر اور ان کا نگراں ہے

اَنْتَ الْعَلِیْمُ بِمَنْ یُّطِیْعُ وَجَانِیْ
تو طاعت شعاروں اور خطاکاروں کو جاننے والا ہے

شَهِدَتْ بِتَوْحِیْدِ الْاِلٰهِ سَمَائُهٗ
گواہ ہیں خدا کی یکتائی پر آسمان

وَبُرُوْجُهَا كَالْجَدْیِ وَالْمِیْزَانِ
اور اس کے برج مثلاً جدی و میزان

وَالشَّمْسُ وَالْقَمَرُ الْمُنِيْرُ بِضَوْئِهَا وَنُجُوْمُهَا وَالْأَرْضُ ذَاتُ حِسَانٍ

اور سورج اور اس کی روشنی سے چمکنے والا چاند اور تمام ستارے اور زمین جو مرکزِ حسن وجمال ہے

وَوِهَادُهَا وَجِبَالُهَا وَبِحَارُهَا وَجَمِيْعُ مَا فِيْهَا مِنَ الْحِيْتَانِ

اور گھاٹیاں اور پہاڑ اور سمندر اور سمندر کی تمام مچھلیاں

شَهِدَتْ بِهٖ ذَرَّاتُ رَمْلٍ عَالِجٍ وَنَبَاتُهَا وَالرَّوْضُ ذُوْ أَفْنَانٍ

گواہ ہیں اس کی یکتائی پر ریگستانوں کے ذرات اور ان کی بوٹیاں اور گھنے باغات

أَوْرَاقُهَا وَغُصُوْنُهَا وَثِمَارُهَا أَزْهَارُهَا وَشَمَائِمُ الرَّيْحَانِ

باغوں کے پتے، شاخیں اور پھل پھول اور پھولوں کی خوشبوئیں

ثُمَّ الصَّلٰوةُ عَلَى الَّذِيْ قَدْ جَاءَنَا بِشَرِيْعَةٍ غَرَّاءَ ذَاتِ أَمَانٍ

اس کے بعد درود وسلام ہو اس پر جو ہمارے لئے ایک روشن اور پُرامن شریعت لے کر آیا

بَيْضَاءَ صَافِيَةٍ نَقِيٍّ لَوْنُهَا عَنْ وَصْمَةِ التَّحْرِيْفِ وَالنُّقْصَانِ

صاف ستھری شریعت جو تحریف اور کمی بیشی کے عیب سے پاک ہے

أَلْهَاشِمِيِّ الْأَبْطَحِيِّ مُحَمَّدٍ مَنْ حَوَّلَ الْأَعْدَاءَ كَالْإِخْوَانِ

محمد ہاشمی مکی (صلی اللہ علیہ وسلم) جس نے دشمنوں کے دل پھیر کر ان کو آپس میں بھائی بھائی بنادیا

أَلْحَامِدِ الْمَحْمُوْدِ أَحْمَدِنَا الَّذِيْ نَجَّى الْوَرٰى مِنْ حُفْرَةِ النِّيْرَانِ

خدا کا حقیقی ثناگر اور خود قابلِ ستائش ہمارا احمد جس نے مخلوق کو جہنم کے گڑھے سے نجات دلائی

ثُمَّ الَّذِيْنَ اخْتَارَهُمْ مَوْلَاهُمْ لِتَحَمُّلِ الْأَخْبَارِ وَالْقُرْآنِ

پھر سلام ہے ان پر جن کو ان کے پروردگار نے حدیث اور قرآن کی امانت برداری کے لئے چُنا

حَازُوا الْفَضَائِلَ ثُمَّ فَازُوْا بِالْمُنٰى

جو اپنے اندر فضائل کو جمع کرکے مقاصد میں کامیاب ہوئے

وَسُقُوْا شَرَابَ الْفَضْلِ وَالرِّضْوَانِ

خدا کی مہربانی وخوشنودی کی شراب سے سرشار ہوئے

دیباچہ

جہاں جہاں نظر آئیں تمھیں لہو کے چراغ
مسافرانِ محبت! ہمیں دُعا دینا

ھوالموفق

سُبحٰنَکَ لَا عِلْمَ لَنَا اِلَّا مَا عَلَّمْتَنَا

بڑے طویل انتظار کے بعد "کفایت المفتی" کی پہلی جلد ہدیۂ ناظرین کی جارہی ہے۔ افسوس ہے کہ اس اہم کام کے انجام پذیر ہونے میں بہت تاخیر ہوئی لیکن بفحوائے کُلُّ اَمْرٍ مَّرْهُوْنٌ بِاَوْقَاتِهَا۔ اس کے لئے یہی وقت مقدر تھا۔

حضرت العلامہ مفتی اعظم مولانا کفایت اللہ نور اللہ مرقدہٗ کی ذاتِ گرامی محتاجِ تعارف نہیں۔ آپ کے علم وفضل اور تفقہ فی الدین کی امتیازی خصوصیت سے کون واقف نہیں۔ مبدأ فیاض نے آپ کو شروع سے ہی افتاء کا ذوق اور تفقہ فی الدین کا ملکۂ فاضلہ عطا فرمایا تھا۔

آپ دار العلوم دیوبند سے شعبان ۱۳۱۵ھ مطابق دسمبر ۱۸۹۷ء میں فارغ التحصیل ہوکر اپنے وطنِ مالوف شاہ جہان پور تشریف لے گئے اور جاتے ہی اپنے اولین استاذ حضرت مولانا عُبید الحق خاں قدس سرہ کے سایۂ عاطفت میں "مدرسہ عین العلم" سے وابستہ ہوگئے۔ درس وتدریس اور افتاء کی خدمت انجام دینی شروع کردی۔ اور پھر مولانا موصوف کی وفات کے بعد شوال ۱۳۲۱ھ مطابق دسمبر ۱۹۰۳ء میں شیخ الحدیث (صدر مدرس) اور مفتی کے عہدے پر ہی دہلی تشریف لائے۔ عمر مبارک کے آخری لمحات تک صبر وتوکل کے ساتھ انھیں مشاغل میں منہمک رہے۔ یعنی پچپن برس آپ نے تمام علوم وفنون کی تعلیم وتدریس کے ساتھ ساتھ خدمتِ افتاء انجام دی۔ اس نصف صدی سے زائد کے زمانے میں آپ کے فتاوی غیر منقسم ہندوستان کے علاوہ جاوا، سماٹرا، برما، ملایا، چین، بخارا، سمرقند، بلخ، بدخشاں، ختن، تاشقند، سمرقند، ترکستان، افغانستان، ایران، عرب، افریقہ، امریکہ، انگلستان، غرضکہ جہاں بھی مسلمانوں کا وجود ہے، وہاں تک پہونچے۔ اندازہ نہیں کیا جاسکتا کہ اس طویل مدت میں آپ نے کتنے فتوے تحریر

فرمائے۔ فتویٰ لکھنے کے لئے آپ نے کبھی کوئی وقت مقرر نہیں فرمایا۔ مدرسے میں، گھر میں، چلتے پھرتے، دن کو، رات کو، سفر میں، حضر میں، غرضکہ ہر وقت میں، ہر حال میں، ہر مقام میں آپ نے فتویٰ لکھا۔ حتیٰ کہ بیماری کی حالت میں بھی فتویٰ لکھنے سے انکار نہ فرمایا۔ اگر کم سے کم ایک فتویٰ روزانہ کا اوسط لگایا جائے، تب بھی بیس ہزار فتوے ہوتے ہیں۔

درس و تدریس کے علاوہ مدرسہ امینیہ اور مدرسہ عالیہ فتحپوری کے انتظام و اہتمام کی ذمہ داریاں اور پھر سیاسی و ملّی خدماتِ جلیلہ، جنگِ آزادی میں شرکت و رہنمائی اور قید و بند کے مصائب۔ یہ سب مجاہدات بھی پورے انہماک سے جاری رہے اور خدمتِ افتا بھی قائم رہی۔ مرضِ وفات میں بھی عیادت کے لئے حاضر ہونے والے حضرات کو مسائل بتانے اور سمجھانے کا مشغلہ جاری رہا۔ یہاں تک کہ وقتِ موعود آپہنچا اور مورخہ ۱۴ ربیع الثانی ۱۳۷۲ھ (۳۱ دسمبر ۱۹۵۲ء) کو علومِ نبویہ کا یہ رازداں اور دینِ الٰہی کا خادم آغوشِ رحمت میں جا سویا۔ بَرَّدَ اللّٰہُ مَضْجَعَہٗ وَنَوَّرَ ضَرِیْحَہٗ۔ آپ کا مزارِ مبارک مہرولی میں ظفر محل کے پھاٹک کے نزدیک درگاہ حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ کے باہر واقع ہے۔

تقسیمِ ہند کے بعد احقر نے حضرت موصوفؒ کی سوانح عمری لکھنے کا ارادہ کیا تھا۔ کافی عرصے تک اس کے لئے مواد اور یادداشتیں جمع کرتا رہا۔ ارادہ یہ تھا کہ سوانح عمری مرتب کرنے کے بعد فتاویٰ کی جمع و تبویب کا اہم کام بھی شروع کیا جائے گا۔ ان دونوں کاموں کے لئے سہ روزہ اخبار الجمعیۃ دہلی کے مکمل فائل کی بھی سخت ضرورت تھی۔ جمعیۃ علمائے ہند کے یومِ تاسیس سے ۱۳۵۸ھ مطابق ۱۹۳۹ء تک تقریباً بیس سال آپ اس کے صدر بھی رہے۔ سہ روزہ الجمعیۃ اسی عہدِ مسعود کی یادگار ہے۔ علاوہ اس کے کہ آپ کی سیاسی و ملّی خدمات کے تذکرے میں اُس سے کافی مدد ملتی ہے۔ ایک مستقل کالم فتاویٰ کے لئے بھی مخصوص تھا۔ "حوادث واحکام" کے عنوان سے آپ کے فتاویٰ اخبارِ مذکور میں شائع ہوتے تھے۔ اس کا مکمل فائل نہ تو اخبار کے دفتر میں موجود تھا، نہ جمعیۃ علمائے ہند کے دفتر میں۔ نہ کسی لائبریری میں۔ بہرحال اللہ کا نام لے کر اخبار کے پرچے جمع کرنے شروع کیے۔ اور کچھ نہ پوچھئے کہ کیسی مشکلوں سے پانچ چھ برس لگاتار دیوانہ وار جستجو میں لگے رہنے اور رقمِ کثیر صرف کرنے کے بعد فائل جمع ہوا۔

سوانح کی تسوید پہلے سے جاری تھی اور ابھی وہ ابتدائی منزلوں میں تھی کہ حضرت کی وفات کا سانحۂ جاں گداز پیش آیا اور دل و دماغ کی دنیا زیر و زبر ہوگئی۔ آپ کی وفات کے بعد مدرسہ امینیہ دہلی کی

مجلس منتظمہ نے احقر کی عزت افزائی فرمائی. نائب مہتمم کا عہدہ تجویز فرماکر انتظامی خدمت تفویض فرمائی۔ اگرچہ ضابطے میں عہدہ نائب مہتمم کا تھا مگر عملی طور پر اہتمام و انتظام کی پوری ذمہ داری احقر کے اوپر تھی۔ پھر تقریباً ڈھائی سال نائب مہتمم رہنے کے بعد باضابطہ مہتمم کا عہدہ تفویض کر دیا گیا۔ بگڑتے ہوئے حالات کی وجہ سے انتظامی مصروفیات میں بے انتہا زیادتی ہو چکی تھی اور سوانح نگاری کا کام پہلے ہی ملتوی ہو چکا تھا

جیسا کہ پہلے عرض کیا جا چکا ہے احقر کا ارادہ تھا کہ فتاوی کی جمع و تبویب کا کام سوانح کی تکمیل کے بعد شروع کیا جائے گا۔ لیکن اب حالات بدل چکے تھے۔ بڑے غور و فکر کے بعد دل نے یہ فیصلہ کیا کہ چوں کہ سوانح بالکل نامکمل حالت میں ہے اگر اس کو جاری رکھا جائے تو طویل مدت درکار ہوگی اور اس سے زیادہ اہم کام یعنی تبویب و جمع فتاوی میں بہت زیادہ تاخیر ہو جائے گی۔ لہٰذا اب پہلے یہی شروع ہونا چاہیے چونکہ یہ کام خالص علمی کام تھا۔ رفقاء و اقران سے استدعا کی کہ اس اہم کام کو شروع کریں یا احقر کے ساتھ تعاون فرمائیں، مگر افسوس کہ ان کے کچھ اور ہی عزائم تھے۔ کسی نے ہامی نہ بھری۔ اپنی کم علمی و بے بضاعتی کی وجہ سے سخت تردد تھا اور ہمت پست ہوئی جا رہی تھی۔ جب یاس اپنے نقطۂ کمال پر پہونچی تو موفق حقیقی کے فضل و کرم نے سہارا دیا۔ اس کی کارسازی پر بھروسہ کر کے فتاوی کو جمع کرنے اور مبوب کرنے کا عزم مصمم کر لیا اور یہ سوچ لیا کہ تبویب صحیح ہو یا غلط کم از کم اتنا تو ہوگا کہ فتاوی کا ذخیرہ یکجا ہو کر سامنے آ جائے گا۔ اس طرح تائید غیبی نے شر میں خیر کی صورت پیدا کر دی. وَلَا خَيْرَ فِي مَنْ لَيْسَ يُعْرَفُ حَاسِدُهٗ

اب سوال یہ پیدا ہوا کہ فتاوی کا ذخیرہ کہاں سے حاصل کیا جائے اور کیونکر مہیا کیا جائے؟ مدرسہ امینیہ میں جو کچھ تھا وہ ناکافی تھا۔ افسوس کہ نقولِ فتاوی کو محفوظ رکھنے کا معقول انتظام کبھی نہیں کیا گیا۔ آپ نے ۱۳۱۶ھ/۱۸۹۸ء سے فتوی لکھنا شروع کیا، اور ۱۳۲۱ھ/۱۹۰۳ء میں دہلی تشریف لائے۔ لیکن مدرسہ امینیہ میں نقولِ فتاوی کا سب سے پہلا رجسٹر ربیع الاول ۱۳۵۲ھ مطابق جون ۱۹۳۳ء سے شروع ہوتا ہے۔ یعنی چھتیس برس فتوی لکھنے کے بعد نقولِ فتاوی کا انتظام ہوا۔ مگر یہ انتظام بھی ناکافی اور ناقص تھا۔ مدرسے میں آپ کے حین حیات میں صرف پانچ عدد رجسٹر نقول فتاوی تیار ہوئے۔ چار رجسٹر بھرے ہوئے ہیں۔ چوتھے رجسٹر میں آخری فتوی مؤرخہ ۷/ ذی قعدہ ۱۳۶۳ھ/۱ اکتوبر ۱۹۴۴ء کا ہے۔ اس کے بعد آپ کی وفات تک آٹھ برس کے زمانے میں پانچویں رجسٹر پر صرف پچیس فتوے درج ہوئے۔ ان رجسٹروں میں حضرت مفتی اعظمؒ کے فتاوی کے علاوہ نائب مفتی حضرت مولانا حبیب المرسلین صاحب اور دیگر نائبین و تلامذہ کے فتاوی بھی مخلوط ہیں۔ کل

فتاویٰ کی تعداد تقریباً ۲۸۱۴ ہے۔

واضح ہو کہ آپ دارالافتاء مدرسہ امینیہ کے بھی اور دارالافتاء جمعیۃ علمائے ہند کے بھی صدر مفتی تھے۔ جب فتاویٰ کی آمد اور آپ کے مشاغل میں زیادتی ہوگئی تو دونوں جگہ نائب مفتی رکھے گئے جو آپ کی نگرانی میں کام کرتے تھے۔

اندراج فتاویٰ کے لئے کوئی مستقل محرر کبھی نہیں رکھا گیا۔ آپ کی خدمت میں جو تلامذہ فن افتاء سیکھنے کے لئے حاضر ہوتے تھے۔ اکثر نقل فتاویٰ کی خدمت وہی انجام دیتے تھے۔ یا دیگر طلبہ سے یا محرر مدرسہ سے نقل کرالیے جاتے تھے۔ روزانہ کی ڈاک میں جو فتاویٰ روانہ ہوتے تھے وہ سب کے سب رجسٹر پر نہیں چڑھائے جاتے تھے۔ صرف اہم اور مفصل فتوے درجِ رجسٹر ہوتے تھے۔ بعض اہم فتاویٰ آپ اپنے قلمِ مبارک سے بھی نقل فرماتے تھے۔ آپ کے قلم مبارک کی کچھ نقول رجسٹروں پر بھی موجود ہیں اور علیحدہ کاغذوں پر بھی ہیں جو گھر کے کاغذات میں سے دستیاب ہوئیں۔

ضروری تھا کہ موجودہ ذخیرے کے علاوہ مزید ذخیرہ جمع کیا جائے۔ چنانچہ بار بار اعلان کیا گیا۔ اشتہار طبع کرایا گیا جو اب تک بھی مدرسے کی روزانہ ڈاک میں رکھ کر مستقل طور پر بھیجا جارہا ہے۔ جب باہر سفر میں جانے کا اتفاق ہوا تو لوگوں کو توجہ دلائی گئی اور اس طرح بھی کچھ فتوے دستیاب ہوئے۔ کچھ نقول فتاویٰ کی کتابیں گھر میں محفوظ تھیں۔ کچھ فتاویٰ مطبوعہ کتب میں تھے۔ غرضکہ جو کچھ بھی جہاں سے ملا مجموعہ میں شامل کیا گیا۔ اور اس مجموعۂ فتاویٰ کا نام کفایت المفتی رکھا گیا۔

حضرت کی وفات کے بعد سے یہ کام اب تک جاری ہے۔ اور قارئین کرام متحیر ہوں گے کہ سولہ برس میں بھی کفایت المفتی منظرِ عام پر نہ آسکا۔ اس کا ایک جواب تو محض اظہارِ ندامت اور اظہارِ افسوس ہے، لیکن کچھ نہ کچھ عذر پیش کرنا ہی پڑتا ہے۔ وَالْعُذْرُ عِنْدَ كِرَامِ النَّاسِ مَقْبُوْلٌ۔

لغزشیں و آصف کی جو مشہورِ دوراں ہوگئیں — خوش نصیبی سے وہی فرصت کا ساماں ہوگئیں
ایک دو گھڑیاں ملی تھیں کام کی اس عمر میں — ناگہاں دیکھا کہ غفلت میں گریزاں ہوگئیں
مل گیا اے ہم نشیں! اخلاص و محنت کا صلہ — کیسی کیسی حسرتیں نذرِ حریفاں ہوگئیں
ہوگیا پامال اپنا جذبۂ فکر و عمل — دل کی ساری قوتیں مصروفِ طوفاں ہوگئیں
جلوہ افگن تھیں یہاں کیا کیا مبارک ہستیاں — دیکھتے ہی دیکھتے نظروں سے پنہاں ہوگئیں

اب کہاں واصف ملیں گی وہ گذشتہ صحبتیں
اب وہ باتیں سربسر خوابِ پریشاں ہوگئیں

حقیقت یہ ہے کہ حضرت والد ماجد کی وفات کے بعد احقر کی ناتواں ہستی پر اس قدر پے در پے آفات و مصائب کا نزول ہوا کہ زندگی کا نظام بالکل درہم برہم ہوگیا۔ اور خاصکر مدرسے کے ساتھ انتظامی تعلق بڑا ہی کٹھن اور حوصلہ شکن ثابت ہوا۔ یہ جرعۂ مرد آزما پینے کو پی تو لیا۔ لیکن اس کے عواقب و نتائج نے دن کا چین اور راتوں کی نیند حرام کردی اور زندگی اجیرن بنادی۔ حالات ایسے پیدا کیے گئے اور حادثات ایسے پیش آئے کہ دل کی ساری قوتیں اور دماغ کی ساری صلاحیتیں مدرسے کو سنبھالنے اور حالات کا مقابلہ کرنے میں صرف ہوتی رہیں۔ اور جسم و روح کی تازگی و توانائی غم و اندوہ اور الم و اضطراب کی نذر ہوتی رہی۔ وقت یہ تماشا دیکھتا رہا اور فاتحانہ مسکراہٹ کے ساتھ گذرتا رہا۔ اِنَّمَآ اَشْکُوْ بَثِّیْ وَ حُزْنِیْٓ اِلَی اللّٰہِ ہ

لیکن ان تمام حوادث و موانع اور تیرہ بختیوں کے باوجود نہاخانۂ دل میں ایک چراغ جل رہا تھا۔ یعنی کفایت المفتی کا فکر ہر وقت تازہ تھا۔ اور یہی وہ فکر تھا جس نے شدید ترین صعوبتیں جھیل لینے اور کڑوے سے کڑوے گھونٹ پی جانے اور ہر قسم کی توہین و تحقیر برداشت کرلینے پر مجبور کردیا۔

یہ دنیا سازگار آئے نہ آئے لیکن اے واصف　　بہر صورت ہمیں جینا یہاں یوں بھی ہے اور یوں بھی

تبویب تو احقر نے حضرت کی وفات کے بعد شروع کردی تھی۔ اور تبویب کے مطابق مسودہ کا کام بھی بہت کچھ نمٹایا جاچکا تھا۔ پانچ سال کام کرنے کے بعد ملتوی کرنا پڑا۔ بہت عرصے تک ملتوی رہا۔ ایک اور صاحب کے بھی سپرد کیا گیا مگر کامیابی نہیں ہوئی۔ شروع ہوا پھر ملتوی ہوا۔ پھر شروع ہوا پھر ملتوی ہوا۔ باربار ایسا ہوتا رہا۔ غرضکہ آٹھ سال تک تسلسل قائم نہیں رہ سکا۔

رفتم کہ خار از پاکشم محمل نہاں شد از نظر　　یک لحظہ غافل بودم و صد سالہ راہم دور شد

آخر میں اب سے چار سال قبل پھر احقر نے بتوفیقِ ایزدی ہمت کرکے کام شروع کیا۔ اور کارسازِ حقیقی کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ پہلی جلد قارئین کے پیشِ نظر ہے۔ اس کے بعد انشاء اللہ بہت جلد دوسری جلد شائع ہوگی۔ پوری کتاب نو جلدوں میں شائع ہوگی، اور جو فتاویٰ اس اثنا میں دستیاب ہوں گے ان کو بھی شامل کرلیا جائے گا۔ اور جو طباعت کے بعد موصول ہوں گے ان کو آئندہ ایڈیشن میں شامل کرنے کے لئے محفوظ رکھا جائے گا۔

فتاویٰ کو مہیا کرنے اور جمع کرنے کے علاوہ تسوید کے وقت بڑی دشواریاں اور مشکلات پیش آئیں رجسٹروں پر جن لوگوں نے فتاویٰ درج کیے تھے اُن میں سے اکثر نہایت بدخط تھے۔ اُن کے لکھے کو پڑھنے میں سخت محنت کرنی پڑی۔ بعض مرتبہ تو ایسا ہوا ہے کہ ایک ہی فتوے کو پڑھنے اور سمجھنے میں کئی کئی گھنٹے لگ گئے۔ عربی عبارتوں میں ناقلین نے اکثر غلطیاں کی ہیں۔ اُن عبارتوں کو اصل کتابوں سے درست کیا گیا۔ حضرت مفتی اعظمؒ نے جہاں حوالہ میں صرف کتاب کا نام تحریر فرمایا ہے صفحہ و باب وغیرہ نہیں لکھا اُن حوالوں کو اصل کتاب سے نکالنے میں بھی بہت وقت صرف ہوا۔ بہرحال جہاں کہیں عربی عبارت میں کچھ شک ہوا یا بدخطی کی وجہ سے صاف پڑھی نہیں گئی حتی الامکان اس کو اصل کتاب میں تلاش کر کے درست کر دیا گیا ہے۔ اور حوالہ کا صفحہ بھی درج کر دیا گیا ہے۔

فتاویٰ کو درج کرنے میں بہت احتیاط برتی گئی ہے۔ جو فتاویٰ باہر سے حاصل ہوئے اُن میں سے صرف اُنھیں فتاویٰ کو شامل مجموعہ کیا گیا ہے جو خاص حضرت مفتی اعظمؒ کے قلم مبارک کے تحریر کیے ہوئے تھے۔ اگر کسی نے نقل بھیجدی تو اس کو مجموعہ میں شامل نہیں کیا گیا۔ حضرت مفتی اعظمؒ کا اندازِ نگارش اور ان کے ہاتھ کی تحریر کو احقر خوب اچھی طرح پہچانتا ہے۔ تالیف کے وقت اگر کسی تحریر کے متعلق پورا یقین حاصل نہیں ہوا اس کو الگ کر دیا گیا۔ جن سوالات کی عبارتیں بہت طویل تھیں ان کو حتی الامکان مختصر کر دیا گیا ہے۔ لیکن صرف اسی قدر کہ سائل کا مقصود فوت نہ ہونے پائے۔ اگر کسی فتوے میں مختلف قسم کے چند سوالات وجوابات تھے تو اُن کو الگ الگ متعلقہ ابواب میں درج کر دیا گیا ہے۔ اس طرح ایک فتوے کے کئی فتوے بن کر شامل میں آئے ہیں۔

جو فتاویٰ عربی یا فارسی زبان میں ہیں اُن کا ترجمہ بھی کر دیا گیا ہے۔ تبویب کے لئے عنوانات قائم کرنے میں اس امر کا خیال رکھا گیا ہے کہ عام فہم ہوں۔ جزئیات کو زیادہ سے زیادہ عنوانات پر تقسیم کیا گیا ہے تاکہ مسائل کو تلاش کرنے میں سہولت ہو۔

اس مجموعے میں سب سے قدیم فتویٰ جو دستیاب ہو سکا وہ ۱۳۱۹ھ (۱۹۰۱ء) کا ہے جب کہ آپ مدرسہ عین العلم شاہجہانپور میں مدرس تھے۔ اس پر آپ کے اولین استاذ مولانا عبیدالحق خاں اور دیگر علمائے شاہجہانپور کے دستخط اور مہریں ثبت ہیں۔ یہ فتویٰ سنتِ فجر کے متعلق ہے۔ جو انشاءاللہ تیسری جلد میں آئے گا۔

جو فتاویٰ جمع کیے گئے ہیں وہ تین قسم کے ہیں۔ اوّل وہ فتاویٰ جو نقولِ فتاویٰ کے رجسٹروں میں سے

لیے گئے ہیں، ایسے فتاویٰ کی پہچان یہ ہے کہ لفظ المستفتی پر نمبر بھی ہے اور مستفتی کا نام ومختصر پتہ اور تاریخ روانگی بھی درج ہے۔ بعض جگہ سوال نقل نہیں کیا گیا ہے بلکہ لفظ ''جواب دیگر'' کے اوپر مستفتی کا نمبر ڈال دیا گیا ہے۔

دوسرے وہ فتاویٰ جو سہ روزہ ''الجمعیۃ'' سے لیے گئے ہیں۔ ان میں لفظِ سوال کے نیچے حوالہ لکھا گیا ہے۔

تیسرے وہ فتاویٰ جو گھر میں موجود تھے یا باہر سے حاصل کیے گئے یا مطبوعہ کتابوں میں سے لیے گئے۔

لفظِ جواب کے شروع میں جو نمبر لکھا گیا ہے وہ مجموعہ میں شامل شدہ فتاویٰ کی کل تعداد ظاہر کرنے کے لئے سیریل نمبر ہے۔

یہ جلد اول جو آپ کے پیشِ نظر ہے اس میں کل فتاویٰ چار سو انیس ہیں۔

تفصیل اقسام یہ ہے:-

رجسٹروں سے ۲۸۴ الجمعیۃ سے ۶۶ متفرق ۶۹ کل ۴۱۹

ابواب وعنوانات کے لئے علیحدہ علیحدہ سادہ کاغذ کی کتابیں بنائی گئی تھیں۔ ہر ایک مسئلے کو اُسی باب وعنوان کے تحت درج کیا گیا جس سے اُس کا تعلق تھا۔ اس طرح مسودہ تیار ہوا جو فلسکیپ سائز کے تین ہزار سے زائد صفحات پر مشتمل ہے۔ اس کے تیار ہونے کے بعد اس کی تصحیح اور مقابلہ بامعان نظر کیا گیا۔

احقر نے مسودہ کو لفظاً لفظاً پڑھا اور مقابل نے اصل کو دیکھا۔ تصحیح اور مقابلہ میں احقر کی رفیقۂ حیات نے باحسن وجوہ شرکت اور پورا تعاون کیا۔ اور کبھی کبھی فرزندِ سعید برخوردار مولوی انیس الرحمٰن فاضلِ دیوبند شریکِ کار رہے۔ اور یہ تصحیح ومقابلہ کا کام تقریباً ایک سال میں مکمل ہوا۔ غرضکہ اب پھر دوبارہ تقریباً چار سال تک مسلسل محنتِ شاقہ اور عرق ریزی کے بعد مسودہ پورا ہوا۔ فَالْحَمْدُ لِلّٰهِ عَلٰى مَنِّهٖ وَكَرَمِهٖ وَالشُّكْرُ لَهٗ اَوَّلًا وَّاٰخِرًا۔

ہنر وآصف کا اس میں کچھ نہیں ہے — وہ کوئی اور ہی خلوت نشیں ہے

وہ اپنا کام لے لے جس سے چاہے — کہ می باید سبد را ہم گیا ہے

بایں کم مایگی اس کا کرم ہے　　　یہاں کیا ہے بزرگوں کا بھرم ہے
تری توفیق سے فائز ہے بندہ　　　خدایا شکر سے عاجز ہے بندہ

اب حضرات اہل علم اور ارباب کمال کی خدمت میں گذارش ہے کہ اگر کہیں ترجمہ میں کوئی لغزش وکوتاہی نظر سے گذرے۔ نیز تبویب میں اگر کوئی مسئلہ غلط جگہ درج ہو گیا ہو یا فرہنگ اصطلاحات میں کوئی غلطی ہو تو احقر کی کم علمی اور قصورِ فہم پر محمول فرمائیں اور احقر کو آگاہ فرمائیں۔

اور نکتہ چینوں سے میں کچھ عرض کرنا نہیں چاہتا۔

دشمنوں کی حرف گیری سے نہ ہو آصفؔ ملول　　　نقدِ دل بازارِ رُسوائی میں پرکھا جائے ہے

آخر میں قارئین کرام سے گذارش ہے کہ حضرت مفتیٔ اعظم رحمۃ اللہ علیہ کی جلیل القدر خدمات کے پیشِ نظر اپنے مخصوص اوقات کی دعاؤں میں ان کی ذاتِ گرامی کو یاد رکھیں اور ایصالِ ثواب فرمائیں۔

اور اگرچہ اس موقع پر اپنا نام لینا بے ادبی ہے مگر حضرت سلیمان علیہ السلام کے تذکرے کے ساتھ ایک مورِ بے مایہ کا تذکرہ حضرت سلیمان علیہ السلام کی عظمت میں کسی قسم کے نقص کا موجب نہیں۔ احقر بے انتہا محتاج ہے آپ حضرات کی دعاؤں کا کہ بالکل بے بضاعت اور فقیر ہے۔

رہے دنیا سے بھی محروم اور عقبیٰ سے بھی غافل　　　یہ عمر چند روزہ رائیگاں یوں بھی گئی اور یوں بھی

البتہ بفحوائے لَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰهِ ایک شمعِ شوق وتمنا سیہ خانۂ دل میں روشن ہے اور انشاء اللہ روشن رہے گی۔ وَآخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ وَالصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلٰى سَيِّدِ الْمُرْسَلِيْنَ۔

احقر حفیظ الرحمان واصفؔ ابن حضرت علامہ مفتی اعظم مولانا کفایت اللہ رح
مدرسہ امینیہ اسلامیہ کشمیری دروازہ دہلی
مورخہ ۲۴ ربیع الاول ۱۳۸۹ھ
(مئی ۱۹۶۹ء)

تاریخ تکمیل مسودہ

اے وہ کہ تیرا دامن ہے بیکسوں کا ماویٰ
اے وہ کہ تیری رحمت ہر درد کا مداوا

تیرے کرم سے میری مشکل ہوئی ہے آسان
سب ہو گئے مرتب بکھرے ہوئے فتاویٰ

عبرت فزا ہیں بیحد اس ناتواں کے حالات
غفلت کا معصیت کا آنکھوں پہ ہے غشاوہ

ہمت بھی ہے شکستہ منزل بھی بے نشاں ہے
چاروں طرف سے غم نے دل پر کیا ہے دھاوا

لیکن یہ ہے کرشمہ تائید ایزدی کا
رحمت نے ہر قدم پر دل کو دیا بڑھاوا

سولہ برس سے پیہم اپنا سفر ہے جاری
کھولا نہیں ہے دم بھر اس راہ میں کجاوہ

بارے بفضل باری مدت کی کاوشوں سے
تیار ہو گیا یہ مجموعۂ فتاویٰ

تخریج و تحشیہ بھی تصحیح و ترجمہ بھی
کافی ہوئی ہے محنت تبویب کے علاوہ

ہے ایک یادگار مفتی کفایت اللہ
۱۳ ھ ۸۵
کیا خوب سال ہجری ہے ارسخ الفتاویٰ
۱۳ ۸۹

کیا لا سکے گا واصفؔ جز تحفۂ ندامت
بایں حیات ہرزہ بایں کلام یاوہ

كِتَابُ الإِيْمَانِ وَالْكُفْرِ

پہلا باب

دارالاسلام اور دارالحرب

سوال

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد للہ رب العلمین والعاقبۃ للمتقین والصلوۃ والسلام علی رسولہ محمد وآلہ واصحابہ اجمعین۔

اما بعد۔ کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین اس مسئلے میں کہ بنک کی وہ ملازمت جس میں سود کا حساب کتاب وعملدرآمد وصول باقی کرنا پڑتا ہے۔ یہ ملازمت اہلِ اسلام کے لئے شرعاً جائز ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

المستفتی۔ احقر العباد محمد یوسف تھانوی گلی لوہاران اجمیری گیٹ دہلی۔ مورخہ ۱ر رمضان المبارک سنہ ۱۳۴۲ھ (۲۲ر اپریل سنہ ۱۹۲۴ء)

(۱) **جواب** سرکاری بنک کی ملازمت اس حیثیت سے کہ اُس میں سودی کاروبار ہوتا ہے ناجائز نہیں ہے۔ کیونکہ بحالت موجودہ گورنمنٹ برطانیہ محارب ہے اور ہندوستان دارالحرب ہے اور اس میں گورنمنٹ سے سود لینا ناجائز نہیں ہے۔ لیکن سرکاری بنکوں میں قصداً روپیہ جمع کرنا اور اس ذریعے سے ایک قسم کی امداد پہنچانی درست نہیں۔ فقط۔

سوال

(از اخبار سہ روزہ الجمعیۃ دہلی مورخہ ۷ر رجب سنہ ۱۳۴۴ھ مطابق ۲۲ر جنوری سنہ ۱۹۲۶ء)

واقعاتِ حاضرہ سے دریائے اِضطراب اس ہستئ ناپائدار میں جس قدر زور وشور سے لہریں مار رہا ہے اس کا خاکہ زمین شعر وسخن ذیل پر کشید کر کے متمنی ہوں کہ از راہِ شفقت مفصل ومشرح

دلائل سے جواب مرحمت فرما کر مضطرب قلوب کو موقع تشکر عطا فرمائیں گے۔ رباعی

مشرک کے جور و ظلم سے مسلم غضب میں ہے بیتاب اہل ہند ہیں خدشہ عرب میں ہے
گھر ہے امن کا ہند کہ دارالحرب ہے ہند اے عالمو! بتادو لکھا کیا کتب میں ہے

پریشان خاطر۔ شاد صابری انبہٹوی از بمبئی۔

(۲) **جواب** بہتر یہ تھا کہ سوال کو نثر کے ایک مختصر فقرے میں کہ "ہندوستان دارالحرب ہے یا دارالامن" ادا کردیا جاتا۔ مگر خیر جواب عرض کیا جاتا ہے۔ ہندوستان کے دارالحرب ہونے نہ ہونے میں علماء کا اختلاف ہے۔ اور میرے نزدیک نہ پورا دارالحرب ہے نہ پورا دارالاسلام۔ بعض احکام میں مثلاً جواز جمعہ وعیدین وغیرہ میں دارالاسلام ہے اور بعض احکام مثلاً محارب گورنمنٹ سے سود لینے میں دارالحرب ہے۔ اگرچہ اختلاف علماء کی وجہ سے احتیاط اسی میں ہے کہ مسلمان سود لینے کا ارادہ کرکے گورنمنٹ کے بنکوں میں روپیہ جمع کرنے کی عادت نہ ڈالیں، تاہم جمع شدہ روپے کا سود گورنمنٹ کے پاس چھوڑیں بھی نہیں۔ محمد کفایت اللہ غفرلہٗ

سوال

دارالاسلام اور دارالحرب کی کیا تعریف ہے؟ دارالحرب میں اہل کتاب کفار وغیرہ سے سود لینا جائز ہے یا نہیں؟ زید اور بکر اخذ ربوا من غیر المسلمین میں باہم مختلف ہیں۔ زید کہتا ہے کہ ہندوستان میں جملہ شعائر کفر بلاخوف کھلم کھلا علی الاعلان کیے جاتے ہیں۔ دوسرے اجرائے حدود و قصاص و قتل مرتد کی طاقت نہیں۔ تیسرے ساردا ایکٹ اور فریضہ حج میں ناجائز قیود کے ذریعہ گورنمنٹ نے مداخلت فی الدین شروع کردی ہے۔ تحریک کشمیر وغیرہ میں محض اعلائے کلمۃ الحق و تبلیغ کلمۃ اللہ کے جرم میں سینکڑوں علمائے راسخین اسیر ہوئے، لہٰذا ہندوستان دارالحرب ہے، اس میں اہل کتاب وغیرہ کفار سے اخذ ربوا جائز ہے۔ عمرو کہتا ہے کہ ہم اذان دیتے ہیں، نماز، جماعت، جمعہ، عیدین ادا کرتے ہیں لہٰذا یہ دارالاسلام ہے اور اخذ ربوا ناجائز ہے۔ زید جواب میں کہتا ہے کہ ان اعمال صالحہ میں اس وقت تک آزادی ہے جب تک کہ یہ امور تعزیرات ہند کے کسی قانون سے نہ ٹکرائیں۔ اگر دفعہ ۱۴۴ وغیرہ

نوٹ:۔ فتاویٰ سے استفادہ کرتے وقت تاریخوں کے تقدم و تاخر کا لحاظ رکھنا ضروری ہے۔ واصف

آرڈی ننس کے ذریعہ حکومت ان کاموں کو روکنا چاہے تو مسلمانانِ ہند میں اتنی سیاسی قوت نہیں جس کے بھروسہ پر وہ مقابلہ کر سکیں۔ جیسا کہ ساردا ایکٹ کے معاملے میں اور احرار کی تحریک میں اور معاملہ فریضۂ حج میں مسلمان باوجود انتہائی کوشش کے کامیاب نہ ہو سکے۔

المستفتی نمبر ۲۹۳ بشیر احمد صاحب خطیب مسجد جامع پسرور۔ ۲۰ محرم ۱۳۵۳ھ ۵ مئی ۱۹۳۴ء

(۳) **جواب** ہندوستان کے دار الحرب ہونے میں تو زید کا بیان صحیح ہے۔ لیکن سود لینے کا فتویٰ علی الاطلاق دینا مسلمانوں کے لئے خطرناک ہے کہ سود کی حرمت کی اہمیت ان کے ذہن سے نکل جائے گی۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ

سوال

زید ایک ہندوستانی مسلمان ہے۔ اس کی خواہش ہے کہ اپنے اہل وعیال کی آئندہ بہبودی کے لئے اپنی جان کا بیمہ کرائے۔ جس بیمہ کمپنی میں وہ بیمہ کرانا چاہتا ہے وہ انگلستان میں ہے کمپنی کے حصہ دار، اس کے ڈائرکٹر وغیرہ بھی انگریز ہیں۔ ہندوستان میں کاروبار کے لئے کمپنی کی ایک شاخ ہے۔ شرعاً کیا حکم ہے؟

المستفتی نمبر ۶۷۱ محمد حسین بی، اے بی ٹی علیگ فراشخانہ دہلی۔ ۱۱ شعبان ۱۳۵۴ھ م ۹ نومبر ۱۹۳۵ء

(۴) **جواب** ہندوستان کے دار الحرب ہونے کی بنا پر زید کو جائز ہے کہ وہ انگلستان کی کمپنی میں زندگی کا بیمہ کرالے۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ

سوال

ہمارے پٹھان لوگ آپس میں جھگڑتے ہیں کہ یہ ملک دار الحرب ہے یا نہیں۔ کیونکہ اگر دار الحرب ہو تو بیاج یا ربوا جو کہ پٹھان لوگ لیتے ہیں آزاد ہے اور اگر دار الاسلام ہو تو بند ہے۔ نیز جمعہ کی نماز اس ملک میں جائز ہے یا نہیں۔ اگر جمعہ کی نماز جائز ہے تو احتیاطی چار رکعات وہ بھی جائز ہیں یا نہیں؟

المستفتی نمبر ۶۱۵ لال محمد خاں پٹھان (بمبئی) ۲۵ شوال ۱۳۵۴ھ مطابق ۲۱ جنوری ۱۹۳۶ء

(۵) **جواب** اگر دار الحرب بھی ہو جب بھی غیر مسلموں سے ربوا لینا (ان کی رضامندی سے) جائز ہے۔ مسلمانوں سے یا جبراً غیر مسلموں سے لینا روا نہیں۔ جمعہ کی نماز جائز ہے۔ ظہر احتیاطی پڑھنا نہیں چاہئے۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ۔

سوال

حضرت امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے مذہب کے لحاظ سے ہندوستان دارالحرب ہے یا دارالاسلام؟ نیز شیخین کی رائے کے لحاظ سے بھی؟ اور فتویٰ کس پر ہے؟

المستفتی نمبر ۴۰ عمر اسحٰق (کاٹھیاواڑ) ۱۴ ذی قعدہ ۱۳۵۴ھ م ۸ فروری ۱۹۳۶ء

(۶) **جواب** اب ہندوستان کے دارالحرب ہونے کی رائے قوی اور راجح ہے اور اسی پر فتویٰ ہے۔

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ،

سوال

(۱) ہندوستان دارالحرب ہے یا نہیں؟

(۲) اگر دارالحرب ہے تو کافروں سے مسلمان سود لے سکتا ہے یا نہیں؟

(۳) جس مسلمان کی رقم ڈاکخانہ میں رکھی ہوئی ہے وہ ۳/۱۵ اپنی رقم کا سود ڈاک خانہ سے لے سکتا ہے یا نہیں؟ (ب) اگر لے سکتا ہے تو اس سود کو اپنی ذات پر یا کسی اسلامی ادارہ پہ یا غیر مستطیع طلبہ پر خرچ کر سکتا ہے یا نہیں؟

المستفتی نمبر ۱۰۱۳ حبیب احمد (کیتھل ضلع کرنال) ۲ ربیع الثانی ۱۳۵۵ھ م ۲۳ جون ۱۹۳۶ء

(۷) **جواب** (۱) ہندوستان بقول راجح دارالحرب ہے۔

(۲) ہاں حربی کافروں سے دارالحرب میں مسلمان کو سود لینا مباح ہے۔ مگر چونکہ ہندوستان کے دارالحرب ہونے میں اختلاف ہے، اس لئے مسلمانوں کو رباخوری سے بچنا احوط ہے۔

(۳) ڈاک خانہ سے ضرور سود کی رقم لے لے اور مساکین و یتامیٰ پر خرچ کردے یا طلبہ کو دیدے

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ،

سوال

کیا ہندوستان اور بلوچستان دارالحرب ہے یا دارالاسلام۔ اور کیا دارالحرب سے مسلمانوں کو الیٰ دارالاسلام ہجرت کرنا واجب اور لازمی ہے یا نہیں۔ اور کیا ربوا یعنی سودی کاروبار کرنا دارالحرب میں بعض مسلمانوں کا بعض مسلمانوں سے جائز ہے یا نہیں؟

المستفتی نمبر ۱۱۱۶ مولوی عطاء اللہ صاحب کوئٹہ (بلوچستان) ۱۹ جمادی الاول ۱۳۵۵ھ م ۸ اگست ۱۹۳۶ء

(۸) **جواب** ہاں ہندوستان اور بلوچستان جو حکومت انگریزی کے ماتحت محکوم ہیں دارالحرب ہیں۔ اور دارالحرب میں عقود ربویہ حربی کافروں کے ساتھ جائز ہیں۔ مگر ہجرت اس لیئے فرض نہیں کہ ادائیگی فرائض ممکن ہے، لیکن مسلمانوں کو عقود ربویہ کی اجازت دو وجہ سے دینا مشکل ہے۔ اول یہ کہ دارالحرب ہونے میں بعض علماء کا اختلاف ہے، اس لیئے شبہ ربوٰا کا تحقق ہو سکتا ہے۔ دوم یہ کہ دارالحرب میں بھی مسلمانوں کو آپس میں سود لینا دینا بقولِ راجح جائز نہیں ہے۔ اور ربوٰا کی مروجہ صورتوں میں مسلمانوں کی شرکت اکثری طور پر لازمی ہے۔ فقط محمد کفایت اللہ کان اللہ لہٗ دہلی۔

سوال

ہندوستان واقعی اس وقت دارالحرب ہے؟ اگر ہے تو کیوں؟ اگر نہیں تو کیسے؟

المستفتی ۔ محمد دانیال صاحب (لاہور) ۲۸ رجادی الثانی ۱۳۵۵ھ م ۱۶ ستمبر ۱۹۳۶ء

(۹) **جواب** ہندوستان دارالحرب ہے۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہٗ۔ دہلی

سوال

(۱) دارالحرب سے کیا مطلب ہے (۲) آیا اس وقت ہندوستان دارالحرب ہے یا نہیں اگر نہیں تو کیوں (۳) اگر ہے تو مسلمانوں پر کیا فرض ہے۔

المستفتی محمد رفیع صاحب (الہ آباد) ۲۴ رجادی الاول ۱۳۵۸ھ م ۱۳ رجولائی ۱۹۳۹ء

(۱۰) **جواب** (۱) دارالحرب وہ ملک ہے جس میں کفار کی خود مختار حکومت ہو جو اپنی مرضی کے موافق احکام جاری کرنے پر قادر ہو۔ (۲) ہندوستان یقیناً دارالحرب ہے (۳) مسلمانوں پر فرض ہے کہ وہ حسب استطاعت امارتِ شرعیہ قائم کرنے اور اسلامی حکومت[1] کے اجراء میں آزادی حاصل کرنے کی کوشش کریں اور مسلسل جدوجہد جاری رکھیں۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہٗ دہلی۔

سوال

(۱) ہندوستان دارالحرب ہے یا نہیں؟

(۲) دارالحرب میں کفار سے بیاج لینا یا ان کو دینا جائز ہے یا نہیں؟

---

[1] یہ نقل مطابق نقل ہے۔ میرا خیال ہے کہ یہاں اصل میں لفظ اسلامی حکومت کے بجائے "اسلامی حدود" ہوگا۔ واصف عفی عنہ۔

(۳) دارالحرب ہونے کی کون کون سی شرط ہے ؟

المستفتی نمبر ۲۶۳۲ محمد ولی شمس الدین صاحب (گجرات) ۱۰ رجمادی الثانی ۱۳۵۹ھ م ۱۷ جولائی سنہ ۱۹۴۰ء

(۱۱) **جواب** (۱) ہندوستان دارالحرب ہے ۔ مگر دارالحرب کے تمام احکام یہاں جاری نہیں ۔

(۲) ہندوستان میں مسلمانوں کو سود لینا یا دینا بوجہ شبہ کے جائز نہیں ۔ یعنی ہندوستان کے دارالحرب ہونے میں علماء کے اختلاف کی وجہ سے شبہ پیدا ہو گیا ہے ۔

(۳) جو ملک ایک بار دارالاسلام ہو چکا ہو اس کے دارالحرب بننے میں امام اعظم رحمہ اللہ کے نزدیک تین شرطیں ہیں ۔ اول یہ کہ اس میں حکومتِ سابقہ کی کوئی شرط امن و ذمہ داری یا معافی باقی نہ رہے دوم یہ کہ احکامِ اسلام جاری نہ رہیں ۔ تیسرے یہ کہ اس کا دارالاسلام سے اتصال باقی نہ رہے ۔

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہٗ ، دہلی

سوال

ہندوستان کے دارالحرب ہونے میں اب تو کوئی شک نہیں معلوم ہوتا ۔ تو کیا اب سود لینا جائز ہوگا ۔ اور اس کا استعمال جائز ہوگا ؟

المستفتی نمبر ۲۸۱۴ سلیمان موسیٰ حافظ جی بارڈولی ضلع سورت ۔ ۱۸ ربیع الاول سنہ ۱۳۶۰ھ م ۲۸ دسمبر سنہ ۱۹۵۱ء

(۱۲) **جواب** ہندوستان اگرچہ پہلی حالت میں نہیں رہا ، مگر دارالحرب نہیں بنا ۔ بلکہ یہاں کی حکومت قانوناً مشترک حکومت ہے ۔ جس میں مسلمان ممبر بھی شامل ہیں ۔ اس لیے سود کا جواز سمجھ میں نہیں آتا ۔

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہٗ ، دہلی

دوسرا باب

اسباب نجات

سوال

ایک شخص خاندانی مسلمان ہے اور خود بھی نہایت پابندِ صوم وصلوٰۃ ہے۔ تہجد گزار ہے ذکر و شغل کا بھی عادی ہے۔ وضع ظاہری بھی شریعتِ اسلام کے مطابق رکھتا ہے۔ لیکن زندگی اس کی مکرو فریب، کذب وافترار، ایذار رسانی و قطع رحم میں بسر ہوتی ہے۔ دوسرا شخص قوم کا برہمن پشتینی کافرو مشرک ہے، اس کے گلے میں بتوں کی ہیکل پڑی رہتی ہے، رات دن پوجا پاٹ کرتا رہتا ہے، مگراسی کے ساتھ اس کی زندگی اُبنائے جنس کی خدمت، یتامیٰ کی پرورش، بیواؤں کی ہمدردی میں بسر ہوتی ہے اور اس کی ذات یکسر امن وسکون ہے۔ براہِ کرم مذہبِ اسلام کے نقطۂ نظر سے بتائیے کہ ان دونوں میں کون ناجی ہے اور کون ناری؟ یا دونوں ناجی ہیں یا دونوں ناری؟ اگر آپ چاہیں تو استناداً قرآن، حدیث واقوالِ اکابر کا حوالہ دے دیں، ورنہ اس کی چنداں ضرورت نہیں ہے۔ مجھے صرف جناب کی رائے بحیثیت ایک عالمِ دین ہونے کے درکار ہے۔ میں پندرہ دن تک جناب کے فتویٰ کا انتظار کروں گا۔ المستفتی نیاز فتحپوری ایڈیٹر رسالہ نگار لکھنؤ۔

(۱۳) **جواب** اسلامی اصول کے موافق نجات کے لیئے ایمان لازم ہے۔ مشرک کے لیئے نجات نہیں ہے۔

قرآن مجید میں ہے:-

ان اللہ لا یغفران یشرک بہ و یغفر مادون ذلک لمن یشاء (نساء) — یعنی اللہ تعالیٰ اس کو نہیں بخشے گا کہ اس کے ساتھ شرک کیا جائے، اور اس کے علاوہ جسے چاہیگا بخش دیگا

یعنی مشرک کی مغفرت کے ساتھ مشیتِ ایزدی متعلق ہی نہ ہوگی۔ خازن میں ہے

ومعنی الآیۃ ان اللہ لا یغفر لمشرک مات علی شرکہ و یغفر مادون ذلک لمن یشاء یعنی و یغفر مادون الشرک — آیتِ کریمہ کے معنی یہ ہیں کہ اللہ تعالیٰ مشرک کو جو مشرک ہونے کی حالت میں مرجائے نہیں بخشے گا۔ اور شرک کے علاوہ دوسرے گناہ اور جرائم والوں میں

لمن یشاء من اصحاب الذنوب والآثام — سے جسے چاہے گا بخش دے گا۔

خازن ص۴۵۳ مطبوعہ مصر ج ا) — (خازن ص۴۵۳ مطبوعہ مصر جلد اول)

اور حدیث میں ہے :-

ثم امر بلالاً فنادیٰ فی الناس انہ لایدخل الجنۃ الا نفس مسلمۃ بخاری جلد ر ص۴۳۱) — یعنی پھر حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت بلالؓ کو حکم دیا تو انھوں نے لوگوں میں پکار کر کہدیا کہ جنت میں صرف نفوسِ مسلمہ داخل ہوں گے۔

ہاں جو مسلمان کہ ایمان و اسلام کے ساتھ گناہوں کا مرتکب بھی ہوگا اگر توبہ کرکے نہ مرے تو اس کو گناہوں کے بدلے جہنم کا عذاب دیا جائے گا۔ یعنی وہ عذاب دیئے جانے کا مستحق ہے مگر حق تعالیٰ چاہے تو اس کو بغیر عذاب دیئے بخش دے اور چاہے عذاب دے کر بالآخر نجات دے۔ کافر اور مشرک کے پاس نجات کی اساسی شرط اور رضائے حق تعالیٰ کی کلید یعنی ایمان نہیں۔ اس لیئے وہ نجات جس کو رضائے مولیٰ کے حصول یا وصول الی اللہ سے تعبیر کیا جاسکتا ہے نہیں پاسکتا۔ نہ نجات کا مستحق قرار دیا جاسکتا ہے۔

انسانی روح کی منزلِ مقصود رضائے مولیٰ یا بالفاظِ دیگر وصول الی اللہ ہے۔ اس منزلِ مقصود تک سفر کے لیئے جس قوت کی ضرورت ہے وہ ایمان کی قوت (اسٹیم) ہے۔ اعمالِ حسنہ اس قوت کے معین ہو سکتے ہیں، لیکن اصل قوت کا کام نہیں دے سکتے۔ مثلاً ایک مقام پر دو ٹرینیں کھڑی ہیں۔ ایک ٹرین کے ڈبے نہایت نفیس صاف شفاف، اعلیٰ درجہ کے ہیں۔ ڈبوں میں ہر قسم کے راحت کے سامان فواکہ الوان طعام سب موجود ہیں۔ اس میں بیٹھنے والے نہایت راحت و آرام پاتے ہیں۔ کھانا کھاتے اور مٹھائیوں اور میووں سے لذت حاصل کرتے ہیں۔ دوسری ٹرین کے ڈبے نہایت میلے کچیلے، خراب خستہ، ٹوٹے پھوٹے۔ نہ کسی قسم کی راحت کا سامان نہ کھانے پینے کا آرام۔ اس کے پُرزے بھی پرانے گھسے ہوئے۔ مگر دونوں میں فرق یہ ہے کہ پہلی ٹرین میں اسٹیم کا انجن نہیں ہے اور دوسری میں اسٹیم والا انجن لگا ہوا ہے۔

ظاہر ہے کہ دوسری خراب خستہ ٹرین باوجود اپنی تمام قباحتوں اور خرابیوں کے واصل الی المقصود (ناجی) ہوگی۔ اور پہلی نفیس اور صاف شفاف ٹرین باوجود اپنی تمام خوبیوں بلکہ راحت

پاشیوں اور فائدہ رسانیوں کے غیر واصل الی المقصود (غیر ناجی) ہوگی، اس میں شک نہیں کہ اگر اس ٹرین میں سٹیم کا انجن لگا دیا جائے تو اس کی سیر الی المقصود اعلیٰ و اکمل ہوگی۔ لیکن جب تک اصل قوت یعنی اسٹیم کا انجن نہ ہو اس کی تمام خوبیاں فائدہ رسانیاں زرپاشیاں، ڈبوں کی صفائی، پرزوں کی خوبی و مضبوطی سب بے کار ہے۔ یہی مطلب اس آیۂ کریمہ کا ہے

ان الذین کفروا و ماتوا وھم کفار فلن یقبل من احدھم ملء الارض ذھبا ولو افتدی بہ (آل عمران) یعنی جو لوگ کافر ہوئے اور کفر کی حالت میں مرگئے تو ان میں سے کسی کی طرف سے زمین بھر سونا بھی قبول نہیں کیا جائے گا۔ اگرچہ اس نے یہ سونا فدیۂ خسران (یعنی فدیۂ عدم نجات) کے طور پر پیش کیا ہو۔

مراد یہ ہے کہ چونکہ اس نے وصول الی اللہ کی اصل قوتِ محرکہ و موصلہ حاصل نہیں کی (یعنی ایمان) تو اگرچہ دنیا میں اس نے زمین بھر سونا بھی خرچ کیا ہو مگر یہ اس کے لئے ایمان (یعنی اصلی قوتِ موصلہ) کے قائم مقام نہ ہوگا۔

جس طرح کہ مثالِ مذکور میں پہلی ٹرین کی خوبصورتی، صفائی، مضبوطی، فائدہ و راحت رسانی وصول الی المقصود کے لئے کام نہ آئی کیونکہ ان میں سے کوئی چیز بھی قوتِ موصلہ کا کام نہیں دے سکتی اور جب تک قوت موصلہ نہ ہو، ہر ایک کا وجود بے کار ہے۔ جو لوگ اللہ تعالیٰ کے وجود اور اس کی صفات مالکیت، خالقیت، ربوبیت، رزاقیت وغیرہ پر ایمان رکھتے ہیں ان کے لئے تو اس امر کا سمجھ لینا کچھ مشکل ہی نہیں کہ اسلام نے نجات کے لئے ایمان باللہ کو کیوں لازم قرار دیا ہے۔

بادشاہ سے بغاوت ایسا جرم ہے کہ اس کے ہوتے ہوئے مجرم کی تمام صفاتِ حسنہ اس کے بچانے کے لئے کافی نہیں ہوتیں بالخصوص جب کہ بادشاہ نے یہ اعلان بھی کر دیا ہو کہ باغی کا جرمِ بغاوت معاف نہیں کروں گا۔ باقی جرائم کو چاہوں گا تو معاف کردوں گا۔

یہ شبہ کہ جس شخص کی زندگی ابنائے جنس کی خدمت یتامیٰ کی پرورش، بیواؤں کی ہمدردی میں بسر ہوئی ہے اس کا ناجی نہ ہونا اس امر کو مقتضی ہے کہ یہ اعمالِ حسنہ بے کار اور ضائع ہو جائیں اور یہ بات غیر معقول ہے، اس امر پر مبنی ہے کہ اعمالِ حسنہ کو نجات کے لئے موجب بالذات مانا جائے اور یہ غلط ہے۔ کیونکہ نجات یعنی وصول الی اللہ کا تصور بغیر اللہ تعالیٰ کے اعتراف اور ایمان باللہ کے

نہیں ہو سکتا اور کافر جبکہ بت پرست عابد صنم ہے مؤمن باللہ اور مصدّق بالصفات موحّد قرار نہیں دیا جا سکتا۔ تو اس کے افعالِ حسنہ بہ نیت تقرب الی اللہ (یعنی سیر الی اللہ) ہو ہی نہیں سکتے اور ان کو حقیقۃً افعالِ حسنہ کہنا ہی صحیح نہیں ہے۔ اس لیے یہ لازم ہی نہیں آیا کہ افعالِ حسنہ بے کار ہو جائیں۔

دوم یہ کہ ایسا شخص جو نیک کام کرتا ہے اس کی منزلِ مقصود حصولِ نیک نامی ہوتی ہے اور یہ مقصد اسے حاصل ہو جاتا ہے۔ من سَمَّعَ سَمَّعَ اللّٰہُ بِہٖ۔ پس اس کے اعمال کا بطلان وضیاع لازم نہیں آیا۔

تیسرے یہ کہ باوجود کفر اور شرک کے اس کے اعمالِ صالحہ میں اگر ادنیٰ سے ادنیٰ شائبہ بھی اعتراف و ایمان باللہ کا ہوگا اور کسی درجہ میں بھی وہ حصول رضائے مولیٰ تعالیٰ کا قصد رکھتا ہوگا تو حضرت حق تعالیٰ اس کے انھیں اعمالِ صالحہ کو اس کے لیے وسیلۂ ایمان باللہ بنا دے گا۔ اور اس کے لیے سیر الی اللہ کی اصلی قوت (سٹیم) مہیا و میسر فرما دے گا۔ جیسا کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد اسلمت علی ما سلف لک من خیر سے مفہوم ہوتا ہے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا تھا کہ اسلام لانے سے پہلے میں نے جو اعمالِ صالحہ (مثلاً صدقہ، غلام آزاد کرنا صلہ رحمی وغیرہ) کیے ہیں کیا مجھے ان کا بھی کچھ ثواب ملے گا؟ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا تھا کہ انھیں اعمال کے صلے اور نتیجے میں تو تم کو ایمان و اسلام کی توفیق نصیب ہوئی۔

اس مختصر تشریح کے بعد آپ کے سوال کا مختصر جواب یہ ہے کہ مؤمن عاصی آخر کار ضرور ناجی یعنی واصل الی اللہ ہے۔ اس کے ایمان کا مقتضیٰ یہ ہے کہ مولیٰ تعالیٰ اس کو اطاعت و انقیاد کے صلے میں آخر کار ضرور رضامندی کا تمغہ عطا فرمائے۔ اگرچہ وصول الی اللہ کے سفر میں اس کو بنی خرابی خستگی کمزوری (جرائم و معاصی) کی وجہ سے کتنی ہی دیر لگے اور کتنی ہی تکلیف اور مصائب برداشت کرنی پڑیں۔ مگر چونکہ قوتِ موصلہ (ایمان کی سٹیم) موجود ہے، اس لیے ایک نہ ایک دن ضرور منزل تک پہنچ کر رہے گا۔

اور کافر نیکو کار ناجی نہیں۔ یعنی واصل الی اللہ و فائز بر رضاء اللہ نہیں ہو سکتا۔ ہاں دنیا میں اس کے اعمالِ صالحہ کا بدلہ یعنی نیک نامی منقبت مقبولیت شہرت یا دولت و ثروت مل جائے لیکن

مَا لَهُمْ فِي الْآخِرَةِ مِنْ خَلَاقٍ۔ آخرۃ میں ان کا کوئی حصہ نہیں۔

محمد کفایت اللہ غفرلہ، دہلی۔ ۱۵ دسمبر ۱۹۲۹ء

مکتوب حضرت مفتی اعظمؒ بنام نیاز فتحپوری ایڈیٹر رسالہ نگار لکھنؤ ۱۶ دسمبر ۱۹۳۱ء

جناب عالی دام مجدہم۔ سلام مسنون!

آپ کا خط اور نومبر و دسمبر کے نگار کے پرچے اور اخبار حقیقت کا کٹنگ مولانا عارف صاحب کی معرفت پہنچا۔ میں نے آپ کی تحریر پر جو اخبار "حقیقت" میں چھپی ہوئی ہے اعتماد کرتے ہوئے مسلمانوں کو تعرض نہ کرنے کا مشورہ دے دیا ہے۔ مرسلہ پرچے تفصیلی طور پر میں نہیں دیکھ سکا۔ اجمالی طور پر بعض مقامات دیکھے۔ میں آپ سے یہ عرض کر دینا ضروری سمجھتا ہوں کہ حضرت حق جل شانہ، انبیائے کرام علی نبینا و علیہم السلام۔ صحابہؓ و اولیائے امت رضوان اللہ علیہم اجمعین۔ دین اسلام و الٰہیات و اسلامیات کا احترام و تقدیس ہر مسلمان کا مذہبی و اخلاقی فریضہ ہے۔ آپ اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے مسلمان ہونے اور مسلمان رہنے کا پُر زور اعلان فرماتے ہیں اور مجھے امید ہے کہ اس اعلان کی ذمہ داری کو بھی آپ اچھی طرح محسوس فرماتے ہوں گے۔ اسلام اور مسلمان قوم آپ کا اصلی سرمایہ اور ذخیرۂ شرف ہے اور یہی ہونا اور رہنا چاہیے۔ مجھے معلوم نہیں کہ مسلمان میرے مشورے کو قبول کریں گے یا نہیں، لیکن یہ یقینی ہے کہ آپ کا آئندہ طرزِ عمل مسلمانوں کے آئندہ طرزِ عمل کا مدار ہوگا۔

محمد کفایت اللہ غفرلہ۔ دہلی۔ ۱۶ دسمبر ۱۹۳۱ء م ۵ شعبان ۱۳۵۰ھ

سوال

اہلِ کتاب میں سے جو شخص آج کل موحد ہو، اچھے کام کرتا ہو بُرے کاموں سے روکتا ہو، پیشتر کے پیغمبروں کو مانتا ہو، ہمارے پیغمبر حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو نہ مانتا ہو اور ہمارے قرآن و حدیث پر عمل نہ کرتا ہو، ایسا شخص اپنے گناہوں کی سزا بھگتنے کے بعد جنتی ہو سکتا ہے یا نہیں؟

المستفتی نمبر ۵۶ مولوی عبدالرحیم کانپور۔ ۲۴ جمادی الاخری ۱۳۵۲ھ م ۱۵ اکتوبر ۱۹۳۳ء

(۴۱) **جواب** جو شخص کہ حضرت نبی آخر الزماں محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان نہ لائے اور حضورؐ

کی تصدیق نہ کرے حالانکہ اس کو حضورؐ کی دعوت پہنچ چکی ہو، آخرت میں اس کی نجات نہیں ہوگی
قرآن مجید میں ہے :۔
ومن اظلم ممن ذکر بآیٰت ربہ ثم اعرض عنھا۔ انا من المجرمین منتقمون۔
دوسری جگہ ہے :۔
ومن اعرض عن ذکری فان لہ معیشۃ ضنکا ونحشرہ یوم القیامۃ اعمٰی۔ الیٰ قولہ تعالیٰ۔ وکذلک نجزی من اسرف ولم یؤمن بآیٰت ربہ ولعذاب الاٰخرۃ اشد وابقیٰ۔
ایک اور جگہ فرمایا :۔
ومن یکفر بہ فاولٰئک ھم الخٰسرون۔

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ

سوال

ایک شخص ہندو ہے اور سخی بہت ہے۔ مردم آزاری سے بچا ہوا ہے۔ اس کو بُو بہشت کی پہونچے گی یا نہیں جو بوئے بہشت مسلمانوں کو پانچ سو کوس دور سے پہونچے گی، اس ہندو کو بھی پہونچے گی یا کہ نہیں ؟۔ المستفتی ۱۴۳۶ چودھری خیر الدین صاحب راجپوت (ضلع انبالہ)، ر ربیع الاول ۱۳۵۶ھ مطابق ۱۸ ارمئی ۱۹۳۷ء۔

(۱۵) **جواب** کافر کے لئے جنت یا جنت کی بُو پہنچنے کی کوئی سبیل نہیں۔ ایمان کے بغیر اعمالِ صالحہ (سخاوت و مداراۃ وغیرہ) بھی جنت تک نہیں پہنچا سکتے۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہٗ دہلی۔

سوال

(۱) مشرک وکافر کے معصوم بچے جو فوت ہوتے ہیں کیا یہ سب بلا حساب وکتاب جنت میں داخل کیئے جائیں گے اور کیا یہی بچے جنت میں ہمارے خدمت گار رہوں گے ؟۔
(۲) زانی کے مجہول النسب ونیز سود خوار کے معصوم بچوں کا کیا حشر ہوگا ؟۔
(۳) ایک مشرک جو پیدائشی مجنون ومختل دماغ ہو اور ایسی ہی حالت میں بالغ ہو کر مر گیا ہو تو ایسی حالت میں اس کا کیا حشر ہوگا ؟۔ المستفتی ۲۰۸۵ شیخ عبداللہ مولا بخش چکی والے (بمبئی ۸) ۲۶ رمضان ۱۳۵۶ھ

مطابق یکم دسمبر ۱۹۳۷ء۔

(۱۶) **جواب** (۱) ہاں قول راجح یہی ہے کہ مشرکین و کفار کے معصوم بچے جنت میں جائیں گے۔

(۲) سود خوار کے معصوم بچے اور ولد الزنا بھی جو قبل بلوغ مرجائیں دوسرے نابالغ بچوں کی طرح جنتی ہوں گے۔

(۳) جو شخص جنون کی حالت میں بالغ ہو کر مرگیا وہ بھی جنتی ہے۔

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہٗ دہلی۔

تیسرا باب

موجباتِ کفر

سوال

ایک مقام پر بہ تقریب شادی منجملہ دیگر اہلِ اسلام کے چند علماء بھی جمع تھے۔ جب دلھن کے مکان پر مولوی صاحبان تشریف لے گئے اور راگ و باجے سے منع فرمانے لگے تو مالک مکان نے کہا کہ ہم برابر راگ و باجہ بجوائیں گے۔ علماء نے کہا کہ قرآن و حدیث میں راگ و باجہ کی سخت ممانعت آئی ہے، یہ فعل ہرگز نہ کرو۔ اس کے جواب میں اُن مسلمانوں نے یہ کہا کہ ہم قرآن و حدیث کو نہیں مانتے ہم راگ و باجہ ضرور بجوائیں گے۔ بعدہٗ وہی شخص دوسرے گاؤں شادی کرنے گیا۔ اور باجہ ہمراہ لیکر دلھن کے مکان پر پہنچ کر باجہ بجوانا شروع کیا۔ دلھن کے والد نے کہا کہ باجہ مت بجواؤ۔ یہ رسم کفار کی ہے تو اس کے جواب میں کہنے لگا کہ ہم کافر ہیں، ہم کافر ہیں، ہم کافر ہیں، تین بار۔ اور جو کوئی ہم سے رشتہ داری و میل رکھے گا وہ بھی کافر ہے۔ لہٰذا شریعت میں ایسے اشخاص کے واسطے کیا حکم ہے؟

(۱۷) **جواب** کسی شخص کا یہ کہنا کہ ہم قرآن و حدیث کو بالکل نہیں مانتے یا کسی ایسی بات کا زبان سے نکالنا جس سے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسل و کتب کی حقارت ہوتی ہو، صریح کفر ہے۔ ایسے الفاظ کے استعمال کرنے سے مسلمان مرتد ہو جاتا ہے۔ ایسے لوگوں سے اہلِ اسلام جیسا برتاؤ رکھنا درست

نہیں۔ فتاویٰ بزازیہ میں ہے اذا وصف اللہ بما لا یلیق بہ او سخر باسم من اسمائہ او بامر من اوامرہ او انکر وعدا او وعیداً کفر ولو قال من خدا یرا یکفر۔ انتہیٰ۔ واللہ اعلم۔

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہٗ

سوال

ایک مسلمان عورت کسی کافر کے ساتھ کفر کے رسم ورواج کے موافق نکاح کرکے رہی اور اس کافر کے ساتھ اس کے بت خانے میں جا جا کر مذہبی رسوم پوجا پاٹ ادا کرتی رہی، ایسی عورت کے مرنے پر نماز جنازہ پڑھنا اور اسے مقابر مسلمین میں دفن کرنا جائز ہے یا نہیں۔ بینوا توجروا۔

(۱۸) **جواب** بت خانہ میں جانا اور بت پرستی کے رسوم ادا کرنا بتوں کو سجدہ کرنا کفر ہے۔ اور چونکہ یہ کام اس نے خوشی اور رضامندی سے کیے ہیں اور رضا بالکفر بھی کفر ہے، اس لیے وہ عورت کافرہ ہے۔ لہٰذا اس کے جنازہ پر نماز پڑھنا اور مقابر مسلمین میں دفن کرنا جائز نہیں۔ وکما لو سجد لصنم او وضع مصحفا فی قاذورۃ فانہ یکفر وان کان مصدقا لان ذلک فی حکم التکذیب کما افادہ فی شرح العقائد الخ (رد المحتار) اور چونکہ یہ مرتدہ ہے اس لیے اسے غسل دینا بھی جائز نہیں۔ ویغسل المسلم ویکفن ویدفن قریبہ کخالہ الکافر الاصلی اما المرتد فیلقی فی حفرۃ کالکلب انتہیٰ (در مختار) ولا یغسل ولا یکفن ولا یدفع الی من انتقل الی دینہم۔ بحر عن الفتح (رد المحتار)

سوال

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس جماعت کے بارے میں جو کچھ عرصے سے مسلمان ہوئے ہیں اور تمام احکام شریعت کو وہ تسلیم کرتے ہیں مگر قانون وراثت شرعی کو بالکل نہیں مانتے اور اپنے آبائے قدیم ہنود کے قانون کو صراحۃً اپنا قانون بتاتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہم اپنے آبائے قدیم ہنود کے اس قانونِ وراثت کو نہیں چھوڑ سکتے۔ اور عدالت میں کہہ دیا ہے کہ ہم مسلمان ہیں مگر شریعت محمدی کے قانونِ وراثت کو ہم نہیں تسلیم کرتے بلکہ ہندو لا یعنی قانونِ وراثت اہلِ ہنود کو اپنا قانون تسلیم کرتے ہیں۔ اس آیۂ شریفہ کا حکم ان پر عائد ہو سکتا ہے یا نہیں؟ ومن لم یحکم بما انزل اللہ فاولٰئک ھم الکٰفرون ۝

(۱۹) **جواب** قانونِ وراثت کا اکثری حصہ نص قرآنی سے ثابت ہے، اس ثابت شدہ حصے کے کسی جزو کو تسلیم نہ کرنا یا کسی دوسرے قانون کو اس پر ترجیح دینا قطعاً کفر ہے۔ پس جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ شریعتِ محمدی کے قانونِ وراثت کو ہم تسلیم نہیں کرتے وہ کافر ہیں، اور جب وہ کافر ہیں تو اوقاف شرعیہ کی تولیت کا انھیں کوئی استحقاق نہیں۔ فی البزازیۃ انکر آیۃ من القرآن او سخر بآیۃ منہ یکفر انتہی۔ وفی اعلام بقواطع الاسلام ویکفر من کذب بشئی مما صرح بہ القرآن من حکم او خبر او جملۃ التوراۃ والانجیل وکتب اللہ المنزلۃ اوکفر بہا اولعنہا اوسبہا اواستخفہا۔ انتہیٰ۔ وفی الفصول العمادیۃ اذا انکر آیۃ من القرآن او سخر بآیۃ منہ کفر الخ

سوال

زید توحید و رسالت اور جمیع ضروریاتِ دین کو تسلیم کرتے ہوئے اور اس پر عمل کرتے ہوئے یہ عقیدہ بھی رکھتا ہے کہ جو شخص صرف توحید کا قائل ہو اور رسالت اور قرآن کو نہ مانتا ہو وہ ہمیشہ ہمیشہ جہنم میں نہیں رہے گا، بلکہ آخر میں اس کی بھی مغفرت ہو جائے گی۔ زید کو امام بنانا جائز ہے یا نہیں؟

المستفتی نمبر ۹۲ محمد ابراہیم خاں ضلع غازی پور ۹ رجب ۱۳۵۲ھ م ۳۰ اکتوبر ۱۹۳۳ء

(۲۰) **جواب** جو شخص آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت و نبوت کو نہ مانے اور قرآن مجید کو اللہ تعالیٰ کی کتاب تسلیم نہ کرے وہ جماہیر امت محمدیہ علی صاحبہا ازکی السلام والتحیہ کے نزدیک ناجی نہیں ہوگا ایسے شخص کو جو اس کی نجات کا عقیدہ رکھتا ہو، امام بنانا جائز نہیں ہے۔

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ'۔

سوال

زید نے (جو مسلمان ہے) اپنے لڑکے کی شادی میں رسم ہنوداں ماتا دیوی کی پوجا باجے کے ساتھ کی۔ جب اہلِ اسلام کی طرف سے متنبہ کیا گیا تو اس نے تین ارکینِ اسلام کے خلاف عدالت میں استغاثہ پیش کر کے مقدمہ چلایا اور خود بھی عدالت میں حلفاً بیان دیا اور بکر سے بھی جو پیش امام ہے حلفیہ بیان دلوایا کہ مسلمان لوگوں میں ضرورت کے وقت ماتا پوجی جاتی ہے اور میں نے ماتا پوجی ہے۔ ایسے آدمیوں سے تعلق رکھنا اور مسلمانوں کے قبرستان میں دفن کرنا جائز ہے یا نہیں؟

المستفتی نمبر ۳۱۷ محبوب خاں ولد مصطفےٰ خاں (مالوہ) ۱۴ ربیع الاول ۱۳۵۳ھ م ۱۷ جون ۱۹۳۴ء

(۲۱) **جواب** زید کا فعل ماتا کی پوجا کرنا اور بکر کا بیان کہ مسلمانوں میں ضرورت کے وقت ماتا پوجی جاتی ہے اسلام کے خلاف ہے اور شریعت میں بُت پرستی اور اللہ کے سوا کسی دوسرے کی عبادت اور پوجا کرنے کی کسی حالت میں اجازت نہیں۔ بکر امامت کے قابل نہیں رہا۔ دونوں سے توبہ کرانی چاہیئے اور دونوں کے نکاح از سرِنو پڑھائے جائیں۔ اگر وہ توبہ نہ کریں اور تجدید نکاح نہ کریں تو مسلمان اُن سے قطع تعلق کرلیں۔

سوال

خدا کے نام کی ہتک و بے عزتی کرنے والے کا کیا حکم ہے؟

المستفتی نمبر ۲۱۴ فقیر محمد (ضلع ہزارہ) ۲۷ رجمادی الثانیہ ۱۳۵۳ھ م ۹ اکتوبر ۱۹۳۴ء

(۲۲) **جواب** خدا کے نام کی ہتک اور توہین کرنی کفر ہے۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہٗ

سوال

ضلع مظفر گڈھ پنجاب قصبہ خان گڈھ کے قریب ایک مشہور بزرگ جناب میراں حیات رحمۃ اللہ علیہ کی خانقاہ شریف کے احاطہ کے اندر ۵۔۶ فٹ کے فاصلہ پر مزار مبارک کے عین سامنے ایک مجسمہ اونٹنی کا بنا رکھا تھا۔ اس بت کی کرامات بیان کرتے تھے۔ ہار سنگار، تیل پھلیل، نذر نیاز، چومنا اور کئی قسم کے چڑھاوے چڑھانا جائز سمجھتے تھے۔ وہ بت میاں میلو کے نام سے بہت متبرک مشہور ہوگیا تھا۔ ایک غیرت مند مسلمان عالم نے وہاں جاکر دیکھا کہ بہت لوگ گمراہ ہورہے تھے۔ اللہ اکبر کا نعرہ کہہ کر اس نے اس بت کو مسمار کرکے صاف زمین کردی۔ اس کی یہ بُت شکنی جائز ہے یا نہیں؟ المستفتی نمبر ۴۳۹ محمد حبیب اللہ (خان گڈھ) ۲۸ ذی الحجہ ۱۳۵۳ھ م ۳ اپریل ۱۹۳۵ء

(۲۳) **جواب** یہ بت بنانا اور اس کی پوجا کرنا، نذر نیاز چڑھانا شریعتِ اسلامیہ کے احکام کی صریح خلاف ورزی اور شرک و بت پرستی کی ترویج ہے۔ ایک بزرگ کے مزار کے پاس یہ مشرکانہ افعال کرنا اور اس بزرگ کے نام کے ساتھ اس کو منسوب کرنا اس مزار اور صاحب مزار کی بھی اسلامی عقیدے کے بموجب توہین ہے۔ اسلامی احکام کے ماتحت وہ بت واجب الہدم اور اس کو بنانے والے مستحقِ ملامت و تعزیر تھے۔ اگر اسلامی حکومت ہوتی تو ڈھانے والے کو انعام اور بنانے والے کو سزا دی جاتی۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہٗ۔ الجواب صحیح۔ حبیب المرسلین عفی عنہ۔

سوال

جو شخص کہتا ہے کہ خدا کیا ہے میرا تو پیر خدا ہے مجھ کو پیر نے بتایا ہے، خدا نے کیا بتایا ہے اور میں اپنے پیر کے حکم سے مردے کو زندہ کر سکتا ہوں۔ اور میں نماز خدا کی نہیں پڑھتا ہوں۔ اور خدا کے ذکر کے بجائے اپنے پیر کا ذکر کرتا ہے یا وارث، یا وارث کرتا ہے۔ غسل میت کے فرض واجب نہیں جانتا ہے۔ اور اپنے آپ کو لوگوں میں ولی ظاہر کرتا ہے۔ ایسے آدمی کو مسجد میں جاروب کش یا مؤذن مقرر کرنا یا اس سے میت کو غسل کرانا جائز ہے یا نہیں؟

المستفتی نمبر ۴۶۲ محمد حسین صاحب (سابرمتی) ۱۵ محرم ۱۳۵۴ھ م ۲۰ اپریل ۱۹۳۵ء

(۲۴) **جواب** یہ کلمات موجب کفر ہیں، اس کو ان کلمات سے توبہ کرنی چاہیئے۔ ورنہ مسلمانوں کو لازم ہے کہ اس کو علحدہ کردیں۔ اگر میت کے غسل کا طریقہ اسے معلوم نہیں تو اس سے میت کو غسل نہ دلوایا جائے فقط۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ۔

سوال

قاضی صاحب نے اپنے گاؤں کے مسلمانوں کو زلزلہ کے موقع پر مجتمع کرکے استغفار و توبہ کی ترغیب دی اور خدا اور رسولؐ کے احکام کی تعمیل کرنے پر متوجہ کیا۔ بعض سود خوار مسلمانوں نے قاضی صاحب کی باتوں پر عمل کرنے اور توبہ کرنے سے انکار کیا۔ بلکہ یہاں تک کہہ دیا کہ ہم خدا اور رسولؐ کا حکم نہیں مانتے۔ قاضی صاحب نے بہت کچھ سمجھایا، مگر وہ شریک نہیں ہوئے۔ لہٰذا ان لوگوں کو وہاں کے مسلمانوں نے جماعت سے خارج کردیا۔ یہ جائز ہے یا نہیں؟

المستفتی نمبر ۵۱۸ قاضی محمد خالق (ضلع بنگلور) ۶ ربیع الثانی ۱۳۵۴ھ م ۸ جولائی ۱۹۳۵ء

(۲۵) **جواب** دعاء و استغفار کے اجتماع میں شریک ہونا فرض و واجب نہیں تھا۔ صرف جائز تھا۔ اس لیے شرکت سے انکار کرنے والوں پر کوئی شرعی مؤاخذہ نہیں تھا۔ مگر نہ شریک ہونے والوں کے یہ الفاظ کہ "ہم خدا رسولؐ کا حکم نہیں مانتے۔" اگر اس سے مراد یہ تھی کہ خدا و رسول کے احکام جو خدا اور رسولؐ کے احکام ہیں انھیں ہم نہیں مانتے، تو یہ لوگ کافر ہوگئے۔ ان کو تجدید ایمان و تجدید نکاح لازم ہے۔ اور اگر یہ مطلب ہو کہ قاضی صاحب جو ہمیں خدا اور رسولؐ کی طرف سے یہ احکام بتاتے ہیں کہ ایک جگہ جمع ہو، توبہ کرو۔ تو ہم ان احکام کو خدا اور رسولؐ کا حکم نہیں مانتے اور اس لیے

اس کی تعمیل نہیں کرتے۔ تو اس صورت میں ان کی تکفیر میں احتیاط کی جائے۔ مگر زجراً توبہ کرنے تک ان سے تعلقات ترک کر دیئے جائیں۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہٗ۔

سوال

زید عدالت میں یہ کہہ کر کہ جو کہوں گا ایمان سے سچ کہوں گا کہتا ہے، میں یا ہم شریعت محمدیؐ کے پابند نہیں ہیں۔ رسم و رواج کے پابند ہیں۔ زید کے ان الفاظ کے بقائمی ہوش و حواس ادا کرنے سے کفر لازم آتا ہے کہ نہیں۔ ایسے شخص کے لیئے تجدید اسلام کی ضرورت ہے یا نہیں؟

المستفتی ۱۶۲۴ ملک محمد امین صاحب (جالندھر) ۱۳ جمادی الاول ۱۳۵۶ھ م ۲۲ جولائی ۱۹۳۷ء

(۲۶) **جواب** "ہم شریعت محمدیؐ کے پابند نہیں ہیں" یہ جملہ بہت سخت گناہ کا موجب ہے، اس کا مفہوم شریعت محمدی کی تعمیل کا ترک اور رواج کی پابندی کا التزام ہے جو فسق تو یقیناً ہے اور کفر کا قوی خطرہ ہے، مگر چونکہ اس سے اعتقاد حقانیت شریعت کا انکار صاف طور سے ثابت نہیں ہوتا، اس لیئے تکفیر میں احتیاط کی جاتی ہے۔ لیکن اگر کوئی یہ کہدے کہ میں رواج کو شریعت سے بہتر سمجھتا ہوں، تو اس کی تکفیر میں تامل نہیں۔ اور پہلی صورت میں بھی تجدید اسلام و تجدید نکاح احتیاطاً لازم ہے۔ فقط

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہٗ۔

سوال

زید نے فرطِ غم اور انتہائی صدمہ کی حالت میں مثلاً کسی کی موت یا کسی چیز کے فوت پر کہا یا اللہ تو نے بڑا ظلم کیا۔ زید کی دماغی حالت متعدد اولادوں کے فوت ہونے، بال بچوں کی علالت اور تیمارداری، اپنوں اور غیروں کی بدسلوکی و ایذا رسانی و کثرتِ صدمات سے اچھی نہ تھی۔ بعض اوقات بلکہ اکثر اوقات تو اس وقت کی حالت پر غور کرنے سے یہ خیال ہوتا ہے کہ دماغ صحیح ہی نہ تھا۔ لیکن بعض اوقات یہ خیال ہوتا ہے کہ بے اختیار محض تو نہ تھا کہ ان کلمات کا حسن و قبح نہ سمجھتا ہو اور اکل و شرب و حوائج و ضروریات سے بے خبر ہو۔

ہاں سالہا سال کے متواتر صدمات وہموم و غموم و افکار و تردداتِ اور ناقابلِ برداشت پریشانیوں اور اس پر سے کسی صدمہ عظیم کا بار یکبارگی دماغ پر پڑ جانے سے ایک مغلوبیت کی حالت تھی بہر حال زید کی حالت ایک عجیب کشش و پنج اور حیص بیص کی حالت ہے کہ وہ پورے طور سے یہ بھی فیصلہ

نہیں کر سکتا کہ دماغی حالت درست بھی تھی یا نہیں۔ اور بحالت موجودہ بھی دماغی امراض وعوارض میں مبتلا رہتا ہے اور دوا علاج کرتا رہتا ہے۔ لہٰذا ایسی حالت میں زید پر کفر لازم آتا ہے یا نہیں اور اس کا نکاح درست ہے یا نہیں۔ حالت اوائلِ غم میں ایک بار اور تجدید نکاح کی تھی یہ تو یاد ہے کہ کوئی معاملہ طلاق وغیرہ کا نہ تھا نہ کوئی ایسا لفظ زبان سے نکالا تھا اور الفاظِ کفر یہ ہی کی بنا پر یا شبہ پر تھا یا احتیاطاً تھا اور کوئی واقعہ یاد نہیں۔ بس ایسی حالت میں زید کا نکاح درست ہے یا نہیں۔ اور تجدید نکاح کرے یا نہیں۔

المستفتی نمبر ۱۶۹۳ مولوی محمد یوسف صاحب شہر سلطان پور (اودھ) ۱۶ جمادی الثانی ۱۳۵۶ھ م ۲۴ اگست ۱۹۳۶ء

(۲۷) جواب اگر اس کی دماغی حالت درست نہ ہو۔ معتوہ مغلوب العقل کی حالت ہو تو کفر عائد نہیں۔ تاہم احتیاط یہی ہے کہ توبہ کرے اور تجدیدِ نکاح کرے۔ اگر پہلے تجدید نکاح اسی بنا پر یعنی شبہ کفر کی بنا پر ہو چکی ہو تاہم اب پھر تجدید جائز ہے اور احوط ہے۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہٗ دہلی۔

سوال

(۱) جہانیا منڈی ضلع ملتان میں سر بازار بھرے مجمع میں چودھری دلدار خاں ولد صوبے دار بلندے خاں نمبردار جہانیاں نے مذہبِ اسلام کے متعلق کہا "اسلام تیل لے گیا"۔

(۲) مسلمانوں کے متعلق کہا "سب مسلمان اپنی مائیں چدوا کے میرے ساتھ حقہ پئیں گے۔ اور جب پھر اس سے کہا کہ کیا تم نعوذ باللہ خدا بن بیٹھے ہو تو اس نے کہا "خدا کی ایسی تیسی"۔ مذہبِ اسلام سب مسلمانوں اور خدا کے متعلق اس قسم کے مغلظات کہنے والا کیا ازروئے شریعت مسلمان ہے اگر وہ مسلمان نہیں رہا تو اس کے ساتھ میل جول رکھنا کیا حکم رکھتا ہے

المستفتی نمبر ۲۰۵۴ غلام محمد لودھیانوی (ملتان) ۵ رمضان ۱۳۵۶ھ م ۲۰ نومبر ۱۹۳۶ء

(۲۸) جواب یہ الفاظ یقیناً موجبِ استخفاف وتوہین ہیں اور کہنے والا اس کا مرتکب کبیرہ ہے اور آخری فقرہ (خدا کی ایسی تیسی) صراحۃً موجبِ کفر ہے جب تک یہ شخص توبہ نہ کرے اس سے مقاطعہ کر لیا جائے۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہٗ دہلی۔

سوال

ایک فتویٰ قرآن مجید اور حدیث رسول اللہ ﷺ کے مطابق علماء دین نے دیا جس کو ایک مسلمان نے

کہتا ہے کہ میں ایسے شرعی فتوے کو نہیں مانتا۔ دریافت طلب امر یہ ہے کہ یہ شخص اسلام میں ہا یا نہیں اگر اسلامیہ حکومت ہو تو یہ شخص واجب القتل ہے یا نہیں؟ اور اگر کفار کی حکومت ہے پھر ایسے شخص کے واسطے کیا حکم ہے؟۔

المستفتی نمبر ۲۳۵۹ ۔ انوار احمد صاحب دہلی ، ۷ رجادی الاول ۱۳۵۷ھ م ۶ رجولائی ۱۹۳۸ء ۔

جواب (از مفتی مظہر اللہ صاحب)۔ اگر فتویٰ صحیح ہے اور یہ شخص اسی اعتبار سے کہ وہ شرعی حکم ہے اس کے ماننے سے انکار کرتا ہے تو بے شک یہ کفر ہے اور اگر کسی تاویل کی گنجائش نہ ہو تو یہ بھی صحیح ہے کہ ایسا شخص واجب القتل ہے جس کا حکم ہندوستان میں یہ ہے کہ کسی مسلمان کو اس سے کسی قسم کا تعلق رکھنا بھی جائز نہیں۔ لیکن چونکہ یہ حکم انتہا درجہ کی تحقیق کے بعد لگایا جا سکتا ہے۔ اس لیے جب تک علماء کے سامنے اس شخص کو اور اس واقعہ کی نوعیت کو پوری طرح سے پیش کر کے حکم حاصل نہ کیا جائے مسلمانوں کو اس سے انقطاع جائز نہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

محمد مظہر اللہ غفرلہٗ امام مسجد جامع فتحپوری دہلی۔

(۲۹) **جواب** (از حضرت مفتی اعظمؒ) کسی فتوے کے ماننے سے انکار کرنا دو طرح پر ہے۔ اول یہ کہ منکر اس فتویٰ کو شرعی صحیح فتویٰ جانتے ہوئے ماننے سے انکار کر دے تو یہ تو حقیقۃً "شریعت کا انکار ہے اور یہ کفر ہے۔ دوم یہ کہ منکر اس فتوے کو صحیح شرعی فتویٰ نہ سمجھے اور اس بناء پر ماننے سے انکار کر دے تو یہ شریعت کا انکار نہیں ہوا بلکہ اس شخصی فتوے کا انکار ہوا۔ پھر اگر وہ فتویٰ کسی فرض قطعی یا ضروریاتِ دین میں سے کسی ضروری چیز کے متعلق تھا تو اس کا انکار مستلزم انکار شریعت ہو جائے گا اور یہ بھی منجر بکفر ہوگا اور اگر وہ فتویٰ کسی قطعی اور ضروری چیز کے متعلق نہ تھا بلکہ کسی مجتہد فیہ امر کے متعلق تھا تو اس کا انکار کفر نہیں۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہٗ دہلی۔

سوال

(۱) ایک شخص توحید کا قائل ہے اور خدا تعالیٰ کو وحدہٗ لاشریک سمجھتا ہے۔ نیز اعمال صالحہ کرتا ہے اور افعالِ شنیعہ سے بچتا ہے، مگر رسالت کا منکر ہے یعنی آں حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت پر ایمان نہیں رکھتا ہے۔ کیا از روئے شرع شریف یہ شخص ابدی جہنمی ہے
(۲) زید مسلمان ہے، توحید و رسالت کا قائل ہے۔ مذکورہ بالا شخص کے متعلق یہ عقیدا

رکھتا ہے کہ رسالت کا منکر کافر ہے اور اس انکار کی وجہ سے ایک عرصہ تک جہنم میں سزا بھگتنے کے بعد آخر کار جنت میں ضرور داخل ہوگا اور اپنے اس خیال کی تصدیق میں یہ آیت کریمہ پیش کرتا ہے۔ ان اللہ لا یغفران یشرک بہ و یغفر ما دون ذلک لمن یشاء۔ دریافت طلب امر یہ ہے کہ ایسا خیال رکھنے سے زید کے ایمان میں کوئی خرابی واقع ہوتی ہے یا نہیں ؟۔

المستفتی نمبر ۲۳۶۱ منظور احمد خاں۔ نیو دہلی۔ ۸ رجمادی الاول ۱۳۵۷ھ م ۷ رجولائی ۱۹۳۸ء۔

(۳۰) **جواب** جو شخص آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کا منکر ہے وہ اگرچہ توحید کا قائل ہو، خلود فی النار سے نہیں بچے گا۔ آیت کریمہ میں لفظ شرک سے مراد کفر ہے یعنی جو کفر کرے گا وہ بخشا نہیں جائیگا کیونکہ بہت سی آیات قرآنیہ کفار کے لیے خلود و دوام فی النار پر صراحۃً دلیل ہیں مثلاً والذین کفروا وکذبوا بآیاتنا اولئک اصحٰب النار ھم فیہا خلدون۔ ای لایخرجون منہا ولا یموتون فیہا (خازن)۔ دوسری جگہ ارشاد فرمایا۔ وما ھم بخارجین من النار کہ کافر دوزخ سے نکالے نہ جائیں گے اور آیۃ کریمہ۔ و یغفر ما دون ذلک لمن یشاء میں کفر کی مغفرت مراد نہیں ہے کیونکہ کفر کی جزا تو خلود فی النار قرآن مجید کی بہت سی آیات میں بتصریح وارد ہے۔

پس جو شخص توحید کا قائل ہے اور رسالت کا منکر ہے وہ یقیناً کافر ہے اور آیت منقولہ بالا کے بموجب اس کی سزا خلود ہے۔ والمراد بالشرک فی ہذہ الآیۃ الکفر لان من جحد نبوۃ محمد صلی اللہ علیہ وسلم مثلاً کان کافرا ولو لم یجعل مع اللہ الٰھاً آخر والمغفرۃ منتفیۃ عنہ بلاخلاف (فتح الباری انصاری جزاول ص۴۵) اس کا مطلب یہ ہے کہ جو شخص آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کا انکار کردے وہ کافر ہے اگرچہ اللہ کے ساتھ شرک نہ کرتا ہو اور اس کی مغفرت نہ ہونا متفق علیہ ہے۔

موحدین کا دوزخ میں ہمیشہ نہ رہنا اور آخر الامر نکالا جانا اگرچہ بعض روایات میں حضرت عمرؓ اور حضرت ابن مسعودؓ کی طرف نسبت کیا گیا ہے مگر اہل سنت والجماعت کے نزدیک یہ مذہب صحیح نہیں ہے۔ حافظ ابن حجرؒ نے فتح الباری پارہ ۲۷ مطبوعہ انصاری صفحہ ۱۸۷ میں اس کو مذہب ردی مردود علی قائلہ فرمایا ہے۔ اور کفار کے خلود فی النار کو اہل سنۃ کا اجماعی مذہب بتایا ہے اور کفار میں وہ موحدین بھی شامل ہیں جو انکار نبوت کی وجہ سے باوجود عقیدۂ توحید

کے کافر ہوئے ہیں۔ فقط محمد کفایت اللہ کان اللہ لہٗ دہلی۔

سوال

ایک شخص ہے جس کو مشرف باسلام ہوئے عرصہ تقریباً بیس برس کا گذر چکا ہے اور اس کی زندگی کا نصب العین یہ ہے جو اس نے اپنی زبان سے بیان کیا ہے کہ:۔
(۱) میرے یہاں گھر میں جملہ رسومات ہندوانی ہوتی ہیں (۲) اور میں روزہ نماز کا پابند ہوں۔ (۳) اور میں اپنی برادری میں چماروں کو سمجھتا ہوں (۴) اور میں مسلمانوں کو اپنی برادری میں نہیں سمجھتا ہوں (۵) اور میں دونوں طرف ہوں۔ (۶) جو لڑکا کہ میرے مشرف باسلام ہو جانے کے بعد پیدا ہوا ہے اس بیٹے کی ختنہ نہیں کراؤں گا اس لئے کہ ختنہ کرانے سے مسلمان تھوڑا ہی ہوتے ہیں (۷) اور شخص مذکور نے اپنی بیٹی جو کہ مشرف باسلام ہو جانے کے بعد پیدا ہوئی اس بیٹی کی منگنی جاٹب یعنی چمار کے ساتھ کردی اور اسی جاٹب کے ساتھ شادی کرنے کا ارادہ رکھتا ہے

المستفتی نمبر ۲۴۲۳ عبدالرشید خاں (آگرہ) ۲۹ جمادی الاول ۱۳۶۱ھ م ۱۴ جون ۱۹۴۲ء

(۳۱) **جواب** نمبر ۱ کا اگر یہ مطلب ہے کہ میرے گھر میں جملہ رسومات ہندوانہ ہوتی ہیں اور میری رضامندی سے ہوتی ہیں ان کو منع نہیں کرتا بلکہ پسند کرتا ہوں تو ظاہر ہے کہ یہ بات ایک سچے مسلمان سے نہیں ہو سکتی اور نمبر ۳ کا اگر مطلب یہ ہے کہ میں جاٹب یعنی چماروں کو اپنا بھائی بند سمجھتا ہوں اور ان کے ساتھ برادرانہ تعلقات رکھتا ہوں یا رکھنا پسند کرتا ہوں تو یہ بھی سچے مسلمان سے نہیں ہو سکتا۔ اور نمبر ۵ کہ میں دونوں طرف ہوں، اس کا مطلب کیا ہے یعنی مذہب کے لحاظ سے دونوں طرف ہوں، اگر یہ مطلب ہو تو یہ شخص مسلمان کہلانے کا مستحق نہیں ہے۔ اور نمبر ۶ یعنی جو لڑکا کہ میرے مسلمان ہونے کے بعد پیدا ہوا ہے اس کی ختنہ نہیں کراؤں گا۔ یہ بات بہت شبہ میں ڈالتی ہے کیونکہ اگرچہ ختنہ کرانا فی حد ذاتہ فرض نہیں ہے، لیکن مسلمانوں کا خاص شعار ہے۔ اور نمبر ۷ یعنی اپنی مسلمان لڑکی کا بیاہ جاٹب سے کروں گا۔ اگر جاٹب مسلمان ہے تو خیر مضائقہ نہیں، لیکن اگر وہ غیر مسلم ہے تو مسلمان لڑکی کا نکاح غیر مسلم سے حرام ہے۔ بہر حال یہ اقوال اس شخص کے مسلمان ہونے میں شبہ پیدا کرتے ہیں۔

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہٗ، دہلی

سوال

میں دُرّ مختار، فتاویٰ عالمگیری، بہارِ شریعت وغیرہ کتابوں میں سے کچھ مسائل مسجد میں بیان کر دیا کرتا ہوں۔ مندرجۂ ذیل چند مسائل جو میں نے بیان کئے بعض لوگ کہتے ہیں کہ یہ مسائل غلط ہیں
(۱) محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ مسجد اللہ کا گھر ہے یہاں اللہ و رسولؐ کا ذکر کرنا جائز ہے کوئی ممانعت نہیں اور کسی سے پوچھنے کی ضرورت نہیں۔
(۲) اگر کوئی شخص اللہ و رسولؐ کے فرمان کے خلاف مسجد میں ذکر کرے اُسے روکنا جائز ہے۔
(۳) اگر کوئی یوں کہے کہ ہم تمہارے مسئلے وغیرہ نہیں سنتے، یہ کفر ہے۔
(۴) شرعی مسائل کا مذاق اڑانا یا ہنسنا کفر ہے۔
(۵) علمائے دین کا فتویٰ نہ ماننا کفر ہے۔
(۶) مسئلہ کی ایک بات مسلمان بھائی کو سنانا لاکھ درم دینے سے بہتر ہے۔
(۷) کوئی شخص کہے کہ شرع سے یہ حکم ہے اور سننے والا کہے کہ ہم شرع ورع نہیں مانتے، یہ کفر ہے
(۸) کسی نے کہا گناہ مت کرو، خدا جہنم میں ڈالے گا، وہ کہے ہم جہنم سے نہیں ڈرتے، یہ کفر ہے
(۹) ڈاڑھی منڈے مذاق کرتے ہیں کلا سوف تعلمون یہ مذاق کرنا کفر ہے۔
(۱۰) شراب پیتے وقت یا زنا کرتے وقت یا جوا کھیلتے وقت بسم اللہ کہنا کفر ہے۔
(۱۱) کوئی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی توہین کرے، آپؐ کا لباس، ناخن وغیرہ خراب بتلاوے یا عیب لگاوے یہ کفر ہے۔ ان مسائل کے متعلق فتویٰ صادر فرمائیں۔

المستفتی نظیر الدین امیر الدین راملیرہ ضلع مشرقی خاندیس)

(۳۲) **جواب** یہ گیارہ مسئلے جو سوال میں لکھے ہیں صحیح ہیں۔ ان کو سنانا اور مسلمانوں کو بتانا ثواب کا کام ہے۔

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہٗ

سوال

متعلقہ افضلیتِ مؤمن

(۳۳) **جواب** کافر مسلمان سے کسی حال میں اچھا نہیں ہو سکتا۔ مسلمان بہر حال کافر وں سے بہتر ہے۔

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہٗ دہلی۔

سوال

(از اخبار الجمعیۃ دہلی مورخہ ۲ر نومبر ۱۹۲۶ء)

ایک پنچ نے پنچایت میں یہ الفاظ کہے کہ کس سسرے نے ایسی شرع بنائی۔ اس کا کیا حکم ہے؟

(۳۴) **جواب** جس شخص نے مذکورہ الفاظ کہے ہیں اس کا پورا واقعہ معلوم ہونا چاہیئے کہ کس بات پر اور کس موقع پر اس نے یہ کہا ہے تاکہ معلوم ہو کہ آیا اس کے یہ الفاظ شریعت اور شارع کی توہین قرار دیئے جاسکتے ہیں یا نہیں؟ محمد کفایت اللہ غفرلہ۔

سوال

(از اخبار الجمعیۃ دہلی مورخہ ۲۶ر نومبر ۱۹۲۶ء)

ایک شخص کو لین دین کے بارے میں سمجھا رہے تھے کہ جس کا تم نے دینا ہے اس کے ساتھ فیصلہ کرلو، تو اس شخص نے ایک نہیں بلکہ کئی بار یہ الفاظ کہے کہ "اگر رسول اللہ بھی اس معاملے کے بارے میں مجھے کہیں گے تو میں ہرگز نہیں مانوں گا" (نعوذ باللہ) اور علاوہ ازیں نمازیوں کو ہر وقت بدزبانی سے یاد کرتا رہتا ہے۔ یہ بات قابلِ ذکر ہے کہ مذکورہ الفاظ کہتے وقت اس سے کہدیا گیا تھا کہ یہ کلمات کفر ہیں مگر پھر بھی باز نہ آیا۔

(۳۵) **جواب** اگر یہ الفاظ کہنے سے اس کی نیت یہ تھی کہ "میرا معاملہ سچّا ہے اور میں حق پر ہوں، اگر بالفرض رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی اس معاملے میں میرے اوپر صلح کرنے کا دباؤ ڈالیں جب بھی نہیں کروں گا" تو یہ کلماتِ کفر نہ ہوں گے۔ مگر بہرصورت ان کلمات کا ظاہر مفہوم بُرا ہے اور اطاعتِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے انکار مفہوم ہوتا ہے۔ اس لیئے باوجود حکمِ کفر نہ کرنے کے احوط یہی ہے کہ شخصِ مذکور کو توبہ کا حکم دیا جائے اور جب تک وہ توبہ نہ کرے اس سے تعلقاتِ اسلامیہ ترک کردیئے جائیں۔ محمد کفایت اللہ غفرلہ

سوال

(از اخبار الجمعیۃ دہلی مورخہ ۹ ستمبر ۱۹۳۱ء)

کسی عالم کی توہین و بے حرمتی کرنے کے بارے میں شرع شریف کا کیا حکم ہے؟

(۳۶) **جواب** کسی عالم دین کی بحیثیت عالم دین ہونے کے توہین کرنا موجب کفر ہے۔ اگر توہین اس جہت سے نہ ہو بلکہ کسی اور دنیاوی معاملہ کی وجہ سے ہو تو موجب کفر نہیں ہے۔

چوتھا باب

مسئلہ ارتداد

سوال

(۱) مرتد فطری دین اسلام میں واپس آسکتا ہے یا نہیں؟

(۲) اگر واپس آسکتا ہے تو اس کے کیا شرائط ہیں؟

(۳) اگر کوئی شخص اپنی ملازمت کے تعلق سے ظاہرا اپنا ہندو ہو جانا ظاہر کرے مگر دل یا زبان سے ہندو ہو جانے کا اقرار نہ کیا ہو (جیسا کہ سی آئی ڈی پولیس کے ملازمان اکثر حسب ضرورت اپنے کو ہندو عیسائی وغیرہ ہونا دکھلاتے ہیں) اس صورت میں کوئی ثبوت عینی شہادتوں وغیرہ کا بھی اس کے خلاف رسوم یا عبادت بطور ہندواں ادا کرنے کا بھی نہ ہو تو اس شخص کو مسلمان ماننا چاہیئے یا نہیں؟ المستفتی نمبر ۱۷۰ سید ناظم حسین (ریاست الور) ۱۰ رمضان ۱۳۵۲ھ م ۲۸ دسمبر ۱۹۳۳ء

(۳۷) **جواب** (۱) اگر کوئی شخص مرتد ہو جائے تو وہ بھی توبہ کرکے اسلام میں واپس آسکتا ہے۔

(۲) اس کی صورت یہ ہے کہ وہ اسلام کا کلمہ پڑھے اور سوائے اسلام کے باقی دینوں سے اپنی بیزاری کا اعلان کرے۔

(۳) جب تک یہ نہ بتایا جائے کہ اس کو کس فعل کی بناء پر ہندو سمجھا گیا۔ اس کے متعلق کوئی حکم نہیں دیا جاسکتا۔ اور بہر صورت ہندو ہو جانے کے بعد بھی توبہ اور تجدید اسلام کرکے وہ شخص مسلمان ہو سکتا ہے۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہٗ۔

سوال

منکہ مسمی محمد امیر ولد سمندر (قوم دربودال) ساکن موضع کفری ضلع سرگودھا کا ہوں، میرے متعلق نہ معلوم کس وجہ سے لوگوں نے یہ بات مشہور کردی کہ خدانخواستہ میں کرسٹان ہوگیا ہوں حالانکہ اس چیز کی کوئی اصلیت نہیں۔ واقعہ صرف اتنا ہے کہ میرے چچا کے لڑکے مسمیٰ اللہ دتہ جو کسی وجہ سے کرسٹان ہوگیا تھا وہ جب خدا کی توفیق سے مشرف باسلام ہوگیا اور ارتداد سے واپس آگیا تو میں اور وہ دونوں پاس اُٹھتے بیٹھتے تھے، اور جس زمانے میں وہ مرتد رہا، اس زمانے میں اس کے ساتھ میرا کچھ سروکار نہ تھا۔ اب میں خدا کو حاضر وناظر جان کر یہ اقرار کرتا ہوں کہ میں نے نہ کبھی دائرۂ اسلام سے خارج ہونے کا ارادہ کیا اور نہ خارج از اسلام ہوا ہوں اور نہ آئندہ ہونے کا ارادہ۔ پس ایسی صورت میں جبکہ میرا قطعاً کوئی ارادہ ظاہری و باطنی طور پر اسلام سے خارج ہونے کا نہ تھا اور نہ ہے، لوگوں کا مجھ پر یہ اتہام لگانا کہ تم کرسٹان ہوگئے ہو کہاں تک صحیح اور قابلِ تسلیم ہے۔ میرے اس اقرار کے بعد بھی اگر کوئی شخص نہ مانے اور مجھ کو کرسٹان ہی کہتا رہے تو اس کے لئے شرعاً کیا حکم ہے؟ المستفتی نمبر ۵۰۶ محمد امیر (ضلع سرگودھا) ۱۲ جمادی الاول ۱۳۵۴ھ م ۱۳ اگست ۱۹۳۵ء

(۴۸) **جواب** جبکہ مسمی محمد امیر کرسٹان ہونے سے حلفیہ انکار کرتا ہے اور اسلام پر قائم رہنے کا اقرار کرتا ہے اور اسلام کے سوا دوسرے دینوں سے بیزاری ظاہر کرتا ہے اور جو لوگ کہ اس پر کرسٹان ہونے کا الزام لگاتے ہیں ان کے پاس اس بات کا کوئی ثبوت نہیں ہے۔ تو محمد امیر کے ساتھ اسلامی برادری کے تعلقات رکھنا جائز ہے۔ اور بلاوجہ اور بغیر ثبوت کسی مسلمان پر تبدیلِ مذہب کی تہمت نہیں لگانی چاہیئے کیونکہ یہ سخت گناہ ہے۔ فقط محمد کفایت اللہ کان اللہ لہٗ۔

سوال

(۱) ایک عورت کافرہ (ہندو) مسلمان ہوگئی۔ ایک مسلمان لوہار کے ساتھ نکل گئی، بغیر نکاح کے اس کے ساتھ رہی۔ تقریباً عرصہ دو سال اس کے ہمراہ مسلمان رہی۔ کسی وجہ سے ناراض ہوکر بلکہ ورغلا کر پھر اس کو ہندو بنالیا گیا اور پھر واپس اپنے سابقہ خاوند ہندو کے گھر آگئی۔ ہندو ترکھان برادری اکٹھی ہوگئی اور اس عورت کو اس بدلے میں کہ وہ مسلمان ہوگئی تھی بہت بُرا بھلا کہا گیا اور اس کے خاوند ہندو کو اس کی پاداش میں کفارہ یہ مقرر کیا کہ

اول تو دونوں میاں بیوی بمعہ ایک زائد ہندو کے گنگا اشنان کر کے آویں اور پھر کسی رفاہ عام کی جگہ پر ایک کنواں لگوائیں اور ۲۵ روپے نقد خیرات کریں۔ جب یہ شرطیں پوری ہو جائیں پھر برادری کو اکٹھا کرے، اس وقت اگر برادری کی منشاء ہوئی تو اصلی ہندو خاوند کی بیوی بنائی جاوے گی۔

(۲) یہ کنواں صرف مسلمان ہونے کی سزا ہے۔ ایسے کنویں کا پانی پینا جائز ہے یا نہیں؟

(۳) اگر جائز نہیں تو ایسا کنواں لگانے کے لیے کسی مسلمان کا جگہ دینا جائز ہے یا نہیں اور جگہ بھی مفت دینا۔

(۴) اس کنویں کے لگانے میں مسلمانوں کو مدد کرنی جائز ہے یا نہیں؟

(۵) اگر جائز نہیں تو جگہ دینے والے اور مدد کرنے والے مسلمانوں کے لیے کیا حکم ہے یعنی جو مدد کر چکے ہیں۔

(۶) ان لوگوں کے لیے جن کو منع بھی کیا گیا ہو کہ یہ اسلام کے لیے بدنما داغ ہے پھر بھی مدد کریں تو ان کے لیے کیا حکم ہے؟

(۷) اور اگر منع کرنے سے کوئی مسلمان باصرار اس کی مدد کرے تو اس کے لیے کیا حکم ہے؟

(۸) اور اگر جگہ دینے والے شخص کو منع کیا جائے اور وہ کہے کچھ بھی ہو میں ضرور جگہ دوں گا۔ اگر مسلمان مجھے تنگ کریں گے تو میں ہندو ہو جاؤں گا۔ اس شخص کے ان الفاظ کا کیا کفارہ ہے؟۔

(۹) اس مسلمان لوہار کو جو اس عورت کو بغیر نکاح لیے پھر تا رہا کیا حکم ہے؟۔

(۱۰) اگر یہ مسلمان لوہار بھی کوئی کنواں یا نلکا لگوائے اس کا پانی پینا جائز ہے یا نہیں؟

(۱۱) اس کی مدد کرنا کیسا ہے؟

(۱۲) اگر یہ مسلمان لوہار اس ہندو کے کنویں کے مقابلہ میں کوئی نلکا یا کنواں لگوائے تو اس کے لیے کیا حکم ہے؟

(۱۳) اس مسلمان لوہار کے ساتھ میل جول کرنا کیسا ہے اور ہندو ترکھان کے ساتھ میل ملاقات کرنی کیسی ہے؟ المستفتی نمبر ۱۶۳۳ یوسف علی خاں لائل پور۔ ۱۶ جمادی الاول ۱۳۵۶ھ م ۲۵ جولائی ۱۹۳۷ء۔

جواب۔ (از مولوی محمد مسلم صاحب لائلپور)۔ (۱) باللہ التوفیق چونکہ ہندو برادری کے تقاضہ پر مسلمان

ہونے کی سزا میں کنواں وغیرہ تجویز کیا گیا ہے اس لیے اسلامی توہین ہونے کی وجہ سے کسی مسلمان کو اس میں شریک نہ ہونا چاہیئے۔ قیمتاً زمین دینا بھی اس موقع میں جائز نہیں۔ مفت امداد کرنا تو مذہبی توہین میں شریک ہونا ہے جو کسی طرح بھی شرعاً جائز نہیں ہو سکتا۔

(۲) زمین دینے پر اصرار کرنے والا مسلمان گنہگار ہے۔ اسے اس بات سے باز آجانا چاہیئے۔ مسلمانوں کو چاہیئے کہ اس کو اس کام سے روکنے کی کوشش کریں۔ اسلام کی توہین کرکے مسلمان رہنے والے کی مسلمانوں کو ضرورت نہیں۔

(۳) لوہار کو توبہ کرنی چاہیئے۔ اگر وہ کنواں بنواتا ہے تو بنوائے۔ اس سے پانی پینا جائز ہے۔

کتبہ محمد مسلم کان اللہ لہٗ صدر مدرس مدرسہ عربیہ لائل پور۔

الجواب صحیح۔ احقر محمد یونس عفا اللہ عنہ خطیب جامع مسجد لائل پور۔ ۷ رجادی الاول ۱۳۵۶ھ۔

(۳۹) **جواب** (از حضرت مفتی اعظمؒ) عورت کا اسلام لانا اور پھر مرتد ہو جانا اور اسلام کی حالت میں بے نکاح زناکاری میں مبتلا رہنا مسلمانوں کے لیے کوئی اچھی بات نہیں ہے۔ اسلام تو بہرحال مقبول ہوتا لیکن اب تو وہ مرتد ہوگئی۔ اور اس کی غیر مسلم برادری نے اس کے خاوند پر جو تعزیر لگائی وہ عورت کے مسلمان ہونے کی وجہ سے نہیں۔ اگر یہ وجہ ہوتی تو اس کے مرتد ہونے سے پہلے ہی لگائی جاتی۔ اب مرتد ہونے کے بعد اس کو پھر ہندو برادری میں شامل کرنے کی یہ شرط ہے کہ وہ کوئی رفاہِ عام کا کام کرے تو ہندو برادری میں شامل ہو سکے گی اور اس کا خاوند اس کو رکھ سکے گا تو اس میں اسلام کی توہین نہیں ہے، بلکہ ایک ہندو مرتد عورت کو اپنے ساتھ ملانے کی شرط ہے، اس سے مسلمانوں کو کیا واسطہ۔ البتہ مسلمانوں کے لیے ان کے اس فعل میں کسی قسم کی شرکت اور مدد کرنی مناسب نہیں ہے۔ بہتر صورت یہ ہے کہ مسلمان جس نے زمین دی ہے وہ ہندوؤں کی لاگت خود یا مسلمانوں کی مدد سے ادا کرے اور کنویں کو رفاہِ عام کے لیے وقف کردے۔ ایک بدکار عورت مرتدہ کی خاطر ایک اچھے خاصے مسلمان کو اتنا تنگ کرنا کہ وہ مرتد ہونے پر آمادہ ہو جائے خطرناک فعل ہے۔ وہ عورت تو مسلمان بھی نہیں رہی۔ اور ایک مسلمان خدانخواستہ اور مرتد ہوگیا تو یہ مسلمانوں کے لیے خوشی کی بات نہ ہوگی۔ فقط۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہٗ دہلی۔

سوال

علماء دین اس شخص کے متعلق کیا فرماتے ہیں:۔

(۱) جس نے جوانی میں ختنہ کرائی، تکلیف ہونے پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو متواتر ایک ماہ تک گالیاں دیتا رہا (نعوذ باللہ من ذلک)

(۲) رمضان المبارک میں دوستوں کو ہمراہ لے کر علانیہ کھاتا پیتا رہا، ایک شخص کے ٹوکنے پر جواب دیا کہ ہم کیا مفلس ہیں جو بھوکے مریں۔

(۳) اس کے اس بات کے جواب میں کہ تم نے ماہِ صیام کی توہین کی ہے توبہ کرو۔ اس شخص نے آں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو فحش گالیاں کئی مسلمانوں کے سامنے دیں۔

(۴) ان مسلمانوں کے شور و غل کرنے پر کہ تم توبہ کرو۔ یہ توہین ہم برداشت نہیں کرتے اس نے اور اس کے تین چار ساتھیوں نے جواب دیا کہ تم لے آؤ شریعت کو ہم منہ پھوڑ کر رکھدیں گے (نعوذ باللہ منہ)

(۵) یہ تنازعہ تین دن ہوتا رہا، وہ نہ تائب ہوئے نہ نادم ہوئے بلکہ اور زیادہ کفر کرتے رہے۔

(۶) پھر اپنے آپ کو سکھ مشہور کرنے لگا، کہ میں اسلام ترک کر کے سکھ ہو گیا ہوں، سکھوں کا شعار اختیار کیا، کیا شریعت کی اس طرح توہین کرنے والا اور رسول اکرم (فداہ ابی وامی) صلی اللہ علیہ وسلم کی شانِ اقدس میں گستاخی اور سب و شتم کرنے والا اور مُصِر عَلَی الارتداد مستحقِ عفو ہے۔ ایسے مردود پر مقدمہ چلانا چاہیئے یا نہیں؟۔ کیا مسلمانوں کو گورنمنٹِ وقت سے عبرتناک سزا کے لیئے قانون پاس کرانا چاہیئے یا نہیں؟۔ سکھ لوگ اس کی مدد کرتے ہیں۔ کیا ایسے شخص کی توبہ قبول ہوتی ہے، وہ توبہ کی طرف خود بھی نہیں آتا، جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ اس کو دھمکا کر جرمانہ کر کے معاف کر دینا چاہیئے اور تحریری معافی نامہ لے لینا چاہیئے۔ مقدمہ وغیرہ کی حاجت نہیں، ان کا کیا حکم ہے؟

المستفتی نمبر ۲۱۵۵ مولوی محمد لائل پوری دیو بندی رائے کوٹ (لدھیانہ) ۲۶ شوال سنہ ۱۳۵۶ھ م ۳۰ دسمبر ۱۹۳۷ء

(۴۴) **جواب** آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شانِ اقدس میں یہ انتہائی گستاخی اور توہین مسلمانوں کے ضبط و تحمل سے باہر ہے ان کو انتہائی چارہ جوئی اور عدالتی کارروائی کرنی لازم ہے اور جبکہ وہ خود ندامت ظاہر نہیں کرتا اور توبہ پر آمادہ نہیں تو توبہ قبول ہونے نہ ہونے کا سوال پیدا ہی نہیں ہوتا۔

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہٗ دہلی۔

سوال

جناب کے حافظہ اور مجموعۂ فتاویٰ میں یہ سوال وجواب ہوگا کہ زید نے کہا کہ "میں نے زمین و آسمان پیدا کیا" وغیرذالک۔ پھر آٹھ ماہ کے بعد شہادت ہوتی ہے اور زید کے دعوائے خدائی کا تذکرہ جس پر تجدید ایمان اور نکاح کا سوال پیدا ہوا جس کی پوری تفصیل آپ کے پاس جا چکی ہے اور جناب نے یہ جواب مرحمت فرمایا تھا کہ "زید کا قول معتبر ہوگا، ان لوگوں کا قول جو آٹھ دس مہینے کے بعد اس کا اظہار کرتے ہیں ناقابلِ التفات ہے۔

لہٰذا گذارش ہے کہ جناب تھوڑی سی وقت کی قربانی دے کر شاہدین کی شہادت کے ناقابلِ التفات ہونے کی جو بنیاد ہے اور دلیلِ شرعی مع عباراتِ کتب مرحمت فرماویں تاکہ متردین ومنکرین کے سامنے مسئلہ اپنی پوری روشنی میں آجائے اور ہر ایک کے لئے بلا ریب وشک باعثِ طمانینت ہو۔

(۴۱) **جواب** زید کا قول معتبر ہونے کا مطلب یہ ہے کہ اس کا قول مع حلف کے معتبر ہوگا۔ اور شہود کی شہادت معتبر نہ ہونے کی وجہ یہ ہے کہ یہ شہادت دیانت اور حسبۃ یعنی للّٰہیت پر مبنی ہے اور ایسی شہادت بلاوجہ معقول تاخیر کرنے سے نامقبول ہوجاتی ہے۔ وَمتیٰ اَخّرَ شَاھِدٌ الحبۃ شھادتہ بلاعذر فسق فترد (درمختار)۔ اس کے علاوہ یہ شہادت رِدّہ پر ہے۔ اور اس میں جب مشہود علیہ انکار کردے اور شہادتین کا اقرار کرلے تو شہادت بے اثر ہوجاتی ہے۔ شھدوا علیٰ مسلم بالردۃ وھو منکرٌ لایتعرض لہٗ (درمختار)۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہٗ۔ دہلی

سوال

میں مسماۃ جنت خاتون دخترِ اللہ داد تیلی ساکن قصبہ راہوں ضلع جالندھر کی خانہ جنگی عرصہ پانچ چھ سال سے خاوندِ خود سے رہی اور میری بے کسی اور بے بسی کی داستان قوم کے کسی آدمی نے نہیں سنی۔ میں نے مجبوراً جناب مولوی محمد کفایت اللہ صاحب صدر جمعیۃ علمائے ہند سے اپنی ساری داستان عرض کرکے فتویٰ طلب کیا۔ اُن کے حکم فرمانے پر خلع کے لیے میں نے دو سَو روپے پیش کیے کہ مجھے اس تلخ زندگی سے رہا کرایا جائے، پھر بھی قوم نے کوئی توجہ نہیں دی۔ میں نے تنگ آکر مذہب عیسائیت اختیار کیا۔ مسلمان حاکم نے نکاح فسخ قرار دیا۔ فسخ ہونے پر میں نے پھر پوری ندامت سے توبہ کرکے اسلام قبول کیا۔ اور فتویٰ طلب کیا اور جمعیۃ علمائے ہند سے مندرجۂ ذیل جواب آیا۔

"جبکہ مسماۃ جنت خاتون اپنے اس گناہِ عظیم یعنی ارتداد سے نادم ہوکر توبہ کرچکی ہو اور دوبارہ اسلام میں داخل ہوچکی ہے تو مسلمانوں کا اس سے اور اس کے والدین سے نفرت کرنا یا طعنہ زنی کرنا نامناسب ہے۔ مسلمانوں کو اس لعن طعن سے اجتناب کرنا چاہیئے"

اس کے بعد مورخہ ۱۲/۱/۳۷ کو قوم تیلیان نے تقریباً نوے ۹۰ گاؤں کے لوگوں کو جمع کرکے میرے والدین سے مقاطعہ کُلّی طے کردیا۔ اب گذارش ہے کہ کیا میری توبہ قبول نہیں؟ کیا میں مقولۂ ہذا کی مصداق نہیں ہوں۔ التائب من الذنب کمن لا ذنب لہٗ۔ کیا میں اور میرا خاندان پھر داخلِ عیسائیت ہوجاؤں، جبکہ مجھے اسلام سے علحدہ کیا جاتا ہے۔ میں تعلیم یافتہ ہوں، اگر مجھے اسلام نے سہارا نہ دیا تو غیر مذاہب میرے خیر مقدم کے لیے تیار ہیں۔

المستفتی نمبر ۱۹۷۷ جنت خاتون (ضلع جالندھر) ۲۷ شعبان ۱۳۵۶ھ م ۲ نومبر ۱۹۳۷ء

(۴۲) **جواب** ارتداد بہت بڑا گناہ اور جرم عظیم ہے۔ مگر جبکہ مرتدہ نے صدق دل سے توبہ کرلی ہے اور داخلِ اسلام ہوگئی ہے تو اب مسلمان اس کو اپنے میں شامل کرلیں۔ پھر اس کے والدین کا اس میں کیا قصور ہے کہ ان سے مقاطعہ کرلیا گیا۔ پنچایت کو اپنا فیصلہ بدلنا چاہیئے اور ان سب کو اسلام کے دامن کے نیچے پناہ دینی چاہیئے۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہٗ۔ دہلی

سوال

متعلقہ حکم ارتداد بتلفظ الفاظ کفریہ بخواب (سوال دستیاب نہیں ہوا)

(۴۳) **جواب** سوال میں صاحبِ واقعہ کے دو واقعہ مذکور ہیں: ایک حالتِ خواب کا دوسرا حالتِ بیداری کا۔ حالتِ خواب کے واقعہ کا تو اصولِ شرعیہ کے موافق حکم صاف ہے کہ حسبِ ارشاد رفع القلم عن ثلاثۃ الخ نائم مرفوع القلم ہے، حالتِ نوم کا کوئی فعل اور کلام شرعاً معتبر نہیں بلکہ حالتِ نوم کا کلام کلامِ طیور کے مشابہ اور اسی حکم میں ہے۔ وفی التحریر وتبطل عباداتہ من الاسلام والردۃ والطلاق ولم توصف بخبر ولا انشاء وصدق وکذب کالحان الطیور اہ ومثلہ فی التلویح فھذا صریح فی ان کلام النائم لا یسمّی کلاماً لغۃ ولا شرعاً بمنزلۃ المہمل الخ (ردالمحتار) پھر اس خواب کے واقعہ کی حکایت ایک ایسے واقعہ کی حکایت ہے کہ وہ کفر نہیں تھا۔ اگرچہ الفاظ کفریہ ہیں۔ لیکن الفاظ کفریہ کی محض نقل کافر نہیں بناتی۔

اگر کوئی کہے کہ نصاریٰ کہتے ہیں کہ خدا تین ہیں تو اس کہنے والے پر کوئی گناہ نہیں ہوگا۔ کیونکہ الفاظ کفریہ کی نقل تو قرآن مجید میں بھی موجود ہے۔ قال اللہ تعالیٰ وقالت الیهود عزیر ابن اللہ وقالت النصاری المسیح ابن اللہ۔ یہ الفاظ کہ "عزیرؑ خدا کے بیٹے ہیں اور مسیحؑ خدا کے بیٹے ہیں" یقیناً کفر کے کلمات ہیں، اور مسلمان انھیں اپنی تلاوتِ قرآن مجید اور نمازیں پڑھتے ہیں اور یہود و نصاریٰ کے یہ کلمات نقل کرتے ہیں تو جبکہ ان کلمات کا نقل کرنا باوجودیکہ منقول عنہم نے ان کا تکلم بحالتِ اختیار کیا تھا اور اُن پر انھیں کلمات کے تکلم کی وجہ سے کفر کا حکم کیا گیا۔ کما قال اللہ تعالیٰ۔ لقد کفر الذین قالوا اتخذ اللہ ولداً۔ ناقلین کے لیے موجبِ کفر نہ ہوا تو حالتِ خواب کے وہ کلمات کہ نہ ان کا قائل کافر ہوا نہ نوم کی حالت میں اُن کلمات کو کلماتِ کفر کہا جا سکتا ہے۔ نقل کرنے سے کفر کا حکم بدرجۂ اولیٰ نہیں دیا جا سکتا۔

رہا دوسرا واقعہ جو حالتِ بیداری کا ہے، اس کے متعلق صاحبِ واقعہ کا بیان یہ ہے کہ وہ اپنی حالتِ خواب کی غلطی سے نادم اور پریشان ہو کر چاہتا ہے کہ درود شریف پڑھ کر اس کا تدارک کرے، اور درود شریف پڑھتا ہے لیکن اس میں بھی بجائے آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے نامِ مبارک کے زید کا نام اس کی زبان سے نکلتا ہے۔ اُسے اس غلطی کا احساس تھا، مگر کہتا ہے کہ زبان پر قابو نہ تھا، بے اختیار تھا، مجبور تھا۔ اس واقعہ کے متعلق دو باتیں تنقیح طلب ہیں۔

اول یہ کہ آیا حالتِ بیداری میں ایسی بے اختیاری اور مجبوری کہ زبان قابو میں نہ رہے بغیر اس کے کہ نشہ ہو، جنون ہو، اکراہ ہو، عتہ ہو ممکن اور متصور ہے یا نہیں؟ کیونکہ ان چیزوں میں سے کسی کا موجود ہونا سوال میں ذکر نہیں کیا گیا۔ تو ظاہر یہی ہے کہ ان اسباب میں سے کوئی سبب بے اختیاری پیدا کرنے والا نہ تھا۔ دوسرے یہ کہ اگر بے اختیاری اور مجبوری ممکن اور متصور ہو تو صاحبِ واقعہ کی تصدیق بھی کی جائے گی یا نہیں؟۔

امرِ اول کا جواب یہ ہے کہ بے اختیاری کے بہت سے اسباب ہیں۔ صرف سُکر و جنون واکراہ و عتہ میں منحصر نہیں۔ کتب اصولِ فقہ و فقہ میں ان اسباب کے ذکر پر اقتصار کرنا تحدید و حصر پر مبنی نہیں، بلکہ اکثری اسباب کے طور پر انھیں ذکر کیا گیا ہے۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ متعدد کتب فقہیہ میں اس کی تصریح موجود ہے کہ خواہ کسی وجہ سے عقل مغلوب ہو جائے وہ مغلوبیت موجب رفع قلم ہو جاتی ہے۔ الا فی بعض

المواقع فیکون الزجر مقصودا۔

فتاویٰ عالمگیری میں ہے:۔ من اصابہ برسام او اطعم شیئا فذھب عقلہ فھذیٰ فارتد لم یکن ذلک ارتدادا وکذا لو کان معتوھا او موسوسا او مغلوبا علی عقلہ بوجہ من الوجوہ فھو علی ھذا کذا فی السراج الوھاج (ھندیہ مطبوعہ مصر ص ۲۸۲ ج ۲)۔ اس عبارت میں لفظ موسوس اور لفظ بوجہ من الوجوہ قابلِ غور ہے۔ لیکن واقعہ مسئولہ عنہا میں نہ تو زوالِ شعور وزوالِ عقل کی تصریح ہے اور نہ میں واقعاتِ مذکورہ کی بناء پر زوال شعور کا ہونا صحیح سمجھتا ہوں۔ کیونکہ صاحبِ واقعہ بحالتِ تکلم اپنی غلطی کا ادراک ہونا بیان کرتا ہے اور عذر میں صرف بے اختیاری مجبوری، زبان کا قابو میں نہ ہونا ذکر کرتا ہے۔ اس لیے میں صرف اسی بات کو ٹھیک سمجھتا ہوں کہ وہ باوجود شعور وادراک کے کلمۂ کفریہ کہتا ہے، مگر بے اختیاری سے مجبوری سے اور عین تکلم کی حالت میں بھی اُسے غلطی اور خلافِ عقیدہ سمجھتا ہے اور بعد الفراغ من التکلم بھی اُس پر نادم ہوتا ہے، پریشان ہوتا ہے، روتا ہے۔ اسبابِ معلومہ (سکر، جنون، اکراہ، عتہ) کے علاوہ کبرسنی، مرض، مصیبت، غلبہ خوشی، غلبہ حزن، فرطِ محبت وغیرہ بھی زوالِ عقل یا زوالِ اختیار کے سبب بن سکتے ہیں۔ اور جہاں زوالِ عقل یا زوالِ اختیار ہو وہاں حکم ردۃ ثابت نہیں ہو سکتا۔

درمختار[1] میں ہے:۔ وما ظھر منہ من کلمات کفریۃ یغتفر فی حقہ ویعامل معاملۃ موتی المسلمین حملا علی انہ فی حال زوال عقلہ انتھی۔ یعنی قریب موت ونزع روح اگر محتضر سے کچھ کلماتِ کفریہ ظاہر ہوں تو انھیں معاف سمجھا جائے اور اس کے ساتھ امواتِ مسلمین کا سا معاملہ کیا جائے اور ظہورِ کلماتِ کفریہ کو زوالِ عقل واختیار پر محمول کیا جائے۔

اس عبارت سے صرف یہ غرض ہے کہ اسباب مذکورہ معلومہ میں سے یہاں کوئی سبب نہیں، پھر بھی ایک اور چیز یعنی شدتِ مرض یا کلفتِ نزع روح کو زوالِ عقل کے لیے معتبر کیا گیا اور میت کے ساتھ مرتد کا معاملہ کرنا جائز نہیں رکھا گیا۔ اگرچہ نزع کی سخت تکلیف کی وجہ سے ایسے وقت زوالِ عقل متصور ہے لیکن یقینی نہیں ہے۔ صرف تحسیناً للظن بالمسلم احتمال زوالِ عقل کو قائم مقام زوالِ عقل کر دیا گیا ہے۔

صحیح مسلم[2] کی روایت میں آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے کہ خدا تعالیٰ اپنے گنہ گار بندے کے توبہ کرنے پر اس سے بھی زیادہ خوش ہوتا ہے جیسے کہ ایک مسافر کا جنگل میں سامان سے لدا ہوا اونٹ

گم ہو جائے اور وہ ڈھونڈ ڈھونڈھ کر نا امید ہونے کے بعد مرنے پر تیار ہو کر بیٹھ جائے اور اسی حالت میں اس کی آنکھ لگ جائے تھوڑی دیر کے بعد آنکھ کھلے تو دیکھے کہ اس کا اونٹ مع سامان اُس کے پاس کھڑا ہے۔ اسی روایت میں آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ اس شخص کی زبان سے غایت خوشی میں بے ساختہ یہ لفظ نکل جاتے ہیں۔ انت عبدی وانا ربک۔ یعنی خدا تعالیٰ کی جناب میں وہ یوں بول اٹھا کہ تو میرا بندہ ہے اور میں تیرا خدا ہوں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں اخطأ من شدۃ الفرح۔ یعنی شدتِ خوشی کی وجہ سے اس سے خطاءً یہ لفظ نکل گئے۔

اس حدیث سے صراحۃً ثابت ہو گیا کہ شدت فرح بھی زوالِ اختیار کا سبب ہو جاتی ہے۔ اور چونکہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے بعد یہ نہیں فرمایا کہ الفاظِ کفریہ کا یہ تکلم جو خطاءً ہوا تھا موجبِ کفر اور مزیلِ ایمان تھا، اس لیے آپ کے سکوت سے معلوم ہو گیا کہ الفاظِ کفر کا تلفظ جو خطا کے طور پر ہو مثبت ردّۃ نہیں۔

صلح حدیبیہ کے قصے میں جو صحیح بخاری وغیرہ میں مروی ہے ذکر کیا گیا ہے کہ جب صلح مکمل ہو گئی اور آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرامؓ کو حکم فرمایا کہ سر منڈا ڈالو اور قربانیاں ذبح کر و تو صحابہؓ بوجہ فرطِ حزن وغم کہ اپنی تمنا و آرزو کے خلاف خانہ کعبہ تک نہ جا سکے۔ ایسے بے خود ہوئے کہ باوجود آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مکرر سکرر فرمانے کے کسی نے فرمانِ عالی کی تعمیل نہ کی۔ آپ غمگین ہو کر خیمے میں حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے پاس تشریف لے گئے۔ انھوں نے پریشانی کا سبب دریافت کیا اور عرض کیا کہ آپ باہر تشریف لے جا کر اپنا سر منڈا دیں اور کسی سے کچھ نہ فرمائیں۔ آپ باہر تشریف لائے اور حالق کو بلا کر اپنا سر منڈا دیا۔ جب اصحاب کرامؓ نے دیکھا تو ان کے ہوش وحواس بجا ہوئے اور ایک دم ایک دوسرے کا سر مونڈنے لگے۔ اس روایت سے ثابت ہوتا ہے کہ فرطِ حزن بھی موجب زوالِ اختیار ہو جاتا ہے، کیونکہ قصد واختیار سے آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کی تعمیل نہ کرنے کا اصحاب کرامؓ کی جانب وہم بھی نہیں ہو سکتا۔

امتحانِ تقریری کے وقت جن طلبہ کی طبیعت زیادہ مرعوب ہو جاتی ہے وہ خوب جانتے ہیں کہ ان کی زبان سے باوجود ادراک وشعور کے بے قصد غلط الفاظ نکل جاتے ہیں، حالانکہ صحیح جواب ان کے ذہن میں ہوتا ہے۔ مگر فرطِ رعب کی وجہ سے زبان قابو میں نہیں ہوتی۔

رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم ازواجِ مطہرات رضؓ میں عدل کی پوری رعایت کر کے فرماتے:۔

اللھم ھذا قسمتی فیما املك فلا تاخذنی فیما تملك ولا املك

یعنی اے خداوند میں نے اختیاری امور میں تو برابر کی تقسیم کردی، اب اگر فرطِ محبتِ عائشہ رضؓ کی وجہ سے میلانِ قلب بے اختیاری طور پر عائشہ رضؓ کی طرف زیادہ ہو جائے تو اس میں مؤاخذہ نہ فرمانا کیونکہ وہ میرا اختیاری نہیں"۔

اس سے معلوم ہوا کہ اگر فرطِ محبت کی وجہ سے بے اختیاری طور پر کوئی امر صادر ہو جائے وہ قابلِ مؤاخذہ نہیں۔ رہا اطرائے ممنوع جو فرطِ محبت سے پیدا ہوتا ہے وہ اختیاری حد تک ممنوع ہے۔ اگر وہ بھی غیر اختیاری حد تک پہنچ جائے تو یقیناً مرفوع القلم ہوگا۔ نیز حدیث لا تطرونی الخ میں اطراء کی نہی ضرور ہے لیکن یہ ضرور نہیں کہ اطراء کا سبب فرطِ محبت ہی ہو بلکہ جہالت، تعصب، غلط فہمی وغیرہ اسباب بھی موجب اطراء ہو سکتے ہیں۔ پس نہی عن الاطراء مستلزم نہی عن غلبۃ المحبت نہیں ہو سکتی۔ اسی طرح غلبۂ محبت منحصر فی الاطراء الاضطراری نہیں۔ اس لئے نہی عن الاطراء کو مستلزم نہی عن غلبۃ المحبۃ قرار نہیں دیا جا سکتا۔ حدیث مذکور اس امر پر صاف دلالت کرتی ہے کہ غلبۂ محبت بسا اوقات غیر اختیاری طور پر محبوب کی طرف میلان پیدا کر دیتا ہے۔ اور یہ میلان قابلِ مؤاخذہ نہیں۔ کیوں؟ اس لئے کہ غیر اختیاری ہے اور اس کو غیر اختیاری کس چیز نے بنایا؟ غلبۂ محبت نے۔

بخاری شریف کی وہ حدیث دیکھئے جس میں امم سابقہ میں سے ایک شخص کا یہ حال مذکور ہے کہ اُس نے اپنے بیٹوں سے موت کے وقت کہا تھا کہ مجھے جلا کر میری خاک تیز ہوا میں اُڑا دینا۔ فھو اللہ لئن قدر اللہ علی الخ۔ ان الفاظ کے (اس تقدیر پر کہ قدر کو قدرت سے مشتق مانا جائے) الفاظِ کفریہ ہونے میں شبہ نہیں لیکن اس کا جواب رب خشیتك اُسے کفر سے بچا کر مغفرتِ خداوندی کا مستحق ٹھہرا دیتا ہے جس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ خوفِ خداوندی نے اس کی زبان سے بے اختیار یہ الفاظ نکلوا دیئے اور بے اختیاری کی وجہ سے وہ مؤاخذہ سے بچ گیا۔

بہر حال وجوہِ مذکورہ سے صاف ثابت ہو گیا کہ اسبابِ معلومہ (سکر، جنون، اکراہ عتہ) کے علاوہ بھی بہت سے اسباب ہیں جن سے شعور و ادراک یا ارادہ و اختیار زائل ہو جاتا ہے۔ پس اگرچہ واقعہ مسئول عنہا میں سکر جنون اکراہ عتہ نہیں ہے لیکن یہ ضروری نہیں کہ محض ان اسبابِ اربعہ

کے عدم کی وجہ سے لازم کردیا جائے کہ اس نے الفاظِ مذکورہ ضرور ارادے اور اختیار سے کہے ہیں۔

اس کے بعد دوسرا امر تنقیح طلب یہ تھا کہ اگر بے اختیاری اور مجبوری ممکن ہو تو صاحبِ واقعہ کی تصدیق بھی کی جائے گی یا نہیں۔ اس کے متعلق گذارش ہے کہ اس سے پہلے کہ اس کی تصدیق یا عدمِ تصدیق کی بحث کی جائے۔ اول یہ بتا دینا ضروری ہے کہ صاحبِ واقعہ اپنی بے اختیاری کس قسم کی ظاہر کرتا ہے اور اس کا سبب کیا ہو سکتا ہے؟ سو واضح ہو کہ صاحبِ واقعہ کا قول یہ ہے ''لیکن حالتِ بیداری میں کلمہ شریف کی غلطی پر جب خیال آیا تو اس بات کا ارادہ ہوا کہ اس خیال کو دل سے دُور کیا جائے، اس واسطے کہ پھر کوئی ایسی غلطی نہ ہو جائے بایں خیال بندہ بیٹھ گیا اور پھر دوسری کروٹ لیٹ کر کلمہ شریف کی غلطی کے تدارک میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر درود شریف پڑھتا ہوں لیکن پھر بھی یہ کہتا ہوں اللھم صل علی سیدنا و مولانا ونبینا زید۔ حالانکہ اب بیدار ہوں خواب نہیں لیکن بے اختیار ہوں مجبور ہوں، زبان اپنے قابو میں نہیں'' اس کلام سے صاف واضح ہے کہ اُسے اپنی خواب کی حالت میں غلطی کرنے کا افسوس اور پریشانی بیداری میں لاحق تھی اور اسی غلطی کا تدارک کرنے کے لیے اس نے درود شریف پڑھنا چاہا۔ اُس کا قصد تھا کہ صحیح طور پر وہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر درود پڑھ کر اپنی منامی غلطی کا تدارک کرے لیکن اب بھی اُس سے بے اختیاری طور پر وہی غلطی سرزد ہوتی ہے۔ اور اس کی زبان، اس کے ارادے اور اعتقاد کے ساتھ موافقت نہیں کرتی، اس سے صاف ظاہر ہے کہ یہ غلطی اس سے خطاءً سرزد ہوئی یعنی وہ اپنی اس غلطی کو خطاءً سرزد ہونا بیان کرتا ہے۔ کیونکہ خطا کے معنی یہی ہیں کہ انسان کا قصد اور کچھ ہو اور جوارح سے فعل اُس کے قصد کے خلاف صادر ہو جائے۔ مثلاً کوئی ارادہ کرے کہ اَللّٰہُ وَاحِدٌ کہوں۔ اس ارادے سے زبان کو حرکت دے لیکن زبان سے بے اختیار اَللّٰہُ عَابِدٌ نکل جائے۔ خطا کے یہ معنی عبارات ذیل سے صراحۃً ثابت ہوتے ہیں۔ الخاطئ من یجری علی لسانہ من غیر قصد کلمۃ مکان کلمۃ (فتاوی قاضی خاں)

الخاطئ اذا جری علی لسانہ کلمۃ الکفر خطاً بان کان یرید ان یتکلم بما لیس بکفر فجری علی لسانہ کلمۃ الکفر خطاً (قاضی خاں) اما اذا اراد ان یتکلم بکلمۃ مباحۃ فجری علی لسانہ کلمۃ الکفر خطا بلا قصد (بزازیہ)

ان عبارتوں سے صاف معلوم ہو گیا کہ خطا کے معنی یہی ہیں کہ بلا قصد شعور وادراک کی

حالت میں جو کلمہ زبان سے نکل جائے وہ خطا ہے۔ تو صاف ظاہر ہے کہ صاحب واقعہ کا ان الفاظ کفریہ کے ساتھ تکلم کرنا خطاءً ہے۔ کیونکہ اس کا قصد اس کے خلاف الفاظ مباحہ کہنے کا تھا اور بلا قصد اس کی زبان سے یہ الفاظ نکل گئے، اور جب ان الفاظ کا خطاءً صادر ہونا ثابت ہو گیا تو اب یہ دیکھنا چاہیئے کہ اگر الفاظِ کفر خطاءً کسی کی زبان سے نکل جائیں تو اُن کا حکم کیا ہے؟ اس کے لئے کتبِ فقہ میں مختلف عبارتیں ملتی ہیں۔

اول یہ کہ الفاظِ کفریہ کا خطاءً زبان سے نکل جانا موجبِ کفر نہیں۔ رجل قال عبد العزیز عبد الخالق عبد الغفار عبد الرحمٰن بالحاق الکاف فی اٰخر الاسم قالوا ان قصد ذٰلک یکفر وان جریٰ علی لسانہ من غیر قصد لو کان جاھلا لایکفر و علی من سمع ذٰلک منہ ان یعلمہ الصواب (قاضی خاں) الخاطیٔ اذا جریٰ علی لسانہ کلمۃ الکفر خطاءً بان کان یرید ان یتکلم بما لیس بکفر فجری علی لسانہ کلمۃ الکفر خطاءً لم یکن ذٰلک کفرا عند الکل (کذا فی العالمگیریۃ نقلاً عن الخانیہ)

دوسرے یہ کہ الفاظِ کفریہ کا خطاءً تکلم اگرچہ دیانۃً بالاتفاق موجب کفر نہیں مگر قضاءً تصدیق نہ کی جائے گی۔ اما اذا اراد ان یتکلم بکلمۃ مباحۃ فجریٰ علی لسانہ کلمۃ الکفر خطاءً والعیاذ باللہ لایکفر لکن القاضی لایصدقہ علیٰ ذٰلک (بزازیہ) بل نبہ ماصرحوا بہ من انہ اذا اراد ان یتکلم بکلمۃ مباحۃ فجری علی لسانہ کلمۃ الکفر خطاءً بلا قصد لایصدقہ القاضی وان کان لایکفر فیما بینہ و بین اللہ تعالیٰ فتامل ذٰلک اھ (رد المحتار)۔ اگر کہا جائے ممکن ہے کہ قاضی خاں کی دونوں عبارتیں صرف حکم دیانت بتاتی ہوں۔ کیونکہ بزازیہ اور رد المحتار کی عبارتوں میں بھی حکم دیانت یہی بتایا گیا ہے کہ کافر نہیں ہو گا لیکن اس کے بعد حکم قضا یہ بتایا کہ قاضی تصدیق نہ کرے اور حکم قضا کی قاضی خاں کی عبارتوں میں نفی نہیں۔ بلکہ وہ حکم قضا سے ساکت ہیں۔ اس کے متعلق گذارش ہے کہ ہاں بے شک یہ احتمال ہے۔ لیکن اول تو مفتی کا منصب صرف یہ ہے کہ وہ حکم دیانت بتائے، اس لئے صورتِ مسئولہ میں مفتی کو یہی فتویٰ دینا لازم ہے کہ قائل مرتد نہیں ہوا۔ دوم یہ بھی دیکھنا ہے کہ جب کہ شرائطِ صحت ردۃ میں طوع و اختیار بھی داخل ہے اور بے اختیاری میں ردۃ معتبر نہیں ہوتی۔ تو یہ عدم اعتبار صرف مفتی کے اعتبار سے ہوتا ہے یا قاضی بھی غیر اختیاری ردۃ کو معتبر نہیں سمجھتا۔

اس کا جواب یہ ہے کہ بے اختیاری کے اسباب اگر ظاہر ہوں تو اس میں مفتی اور قاضی دونوں بے اختیاری کو تسلیم کرتے اور ردۃ کو غیر معتبر قرار دیتے ہیں۔ جیسے کہ جنون معروف یا سُکر ثابت عند القاضی یا طفولیۃ مشاہدہ وغیرہ۔

پس صورتِ مسئولہ میں اگر اس کی حالت بے خودی و بے اختیاری کو اور لوگوں نے بھی محسوس کیا ہو جب تو ظاہر ہے کہ قاضی کو بھی اس کا اعتبار کرنا پڑے گا ورنہ زیادہ سے زیادہ قاضی کو صاحبِ واقعہ سے اُس کی اس حالت بیخودی و بے اختیاری کے متعلق قسم لینے کا حق ہوگا۔

سوم یہ کہ اگر قاضی کے سامنے یہ واقعہ اس طرح جاتا کہ اس شخص نے فلاں الفاظِ کفریہ کا تکلم کیا ہے اور پھر یہ شخص قاضی کے سامنے عذرِ بے اختیاری پیش کرتا، ضرور تھا کہ قاضی اس سے بے اختیاری کا ثبوت مانگتا اور صرف اس کے کہنے سے حکم ردۃ کو اس پر سے مرتفع نہ کرتا لیکن یہاں یہ واقعہ نہیں ہے بلکہ قاضی کے سامنے اس قائل کا بیان جائے گا تو اس طرح جائے گا کہ میں نے بحالتِ بے خودی و بے اختیاری کہ زبان قابو میں نہ تھی یہ الفاظ کہے ہیں اور ظاہر ہے کہ اس صورت میں یہ الفاظ بایں حیثیت کہ بے خودی اور بے اختیاری سے سرزد ہوئے ہوں موجبِ کفر نہیں ہیں۔

چہارم یہ کہ ردۃ حقوق اللہ خالصۃً میں سے ہے اور اگرچہ بعد ثبوت ردۃ بعض عباد کے حقوق متعلق ہو جاتے ہیں، لیکن نفسِ ثبوت و اثباتِ ردۃ میں دخل نہیں بلکہ بعد ثبوت ردۃ مترتب ہوتے ہیں۔ جیسا کہ بزازیہ میں اس کی تصریح ہے۔ پس کسی متکلم کے دعوئ خطا کرنے سے کوئی حق عبد زائل نہیں ہوتا۔ اور اس لئے قاضی کو اس کی تصدیق کر لینا ہی راجح ہے جیسا کہ حدیث اخطأ من شدۃ الفرح اور حدیث واللہ لئن قدر اللہ علی اور مختصر کے کلماتِ کفریہ کا اعتبار نہ کرنے سے ثابت ہوتا ہے۔ اس کے بعد یہ بات باقی رہی کہ آیا صاحبِ واقعہ کی اس قول میں کہ ان الفاظ کا صدور بے اختیاری سے ہوا تصدیق کی جائے گی یا نہیں ؟ اس کا جواب ضمناً تو آچکا لیکن زیادہ وضاحت کی غرض سے عرض کیا جاتا ہے کہ اگر اسی کلام میں متعدد وجوہ کفر کے ہوں اور ایک وجہ اسلام کی ہو تو مفتی اسی ایک وجہ کو اختیار کرے جس سے حکمِ کفر عائد نہ ہو۔ کیونکہ جہت اسلام راجح ہے اور مسلمان کے ساتھ حسنِ ظن لازم۔ یہ دوسری بات ہے کہ اگر مفتی کی تاویل فی الواقع صحیح نہ ہوگی تو اُس کا فتویٰ قائل کو حقیقی کفر سے نہیں بچا سکے گا۔

صورتِ مسئولہ میں جبکہ قائل خود اپنا کلمۂ کفر سے ڈرنا، پریشان ہونا اور پھر تدارک کے خیال سے درود شریف پڑھنا اور اس میں بے اختیاری سے غلطی کرنا اور پھر اس پر افسوس کرنا اور رونا بیان کرتا ہے تو اس بدگمانی کی کوئی وجہ نہیں کہ اُس نے یہ الفاظ کفریہ اپنے ارادے اور اختیار سے کہے ہیں۔ یہ خیال کہ جب اُسے معلوم تھا کہ میری زبان قابو میں نہیں تو سکوت کرنا چاہیئے تھا لیکن اُس نے سکوت نہ کیا اور کلمۂ کفر زبان سے نکالا تو گویا قصداً کلمۂ کفر کے ساتھ تکلم کیا صحیح نہیں۔ کیونکہ اس نے قصد تو درود شریف صحیح پڑھنے کا کیا تھا مگر تلفظ کے وقت زبان سے دوسرے لفظ نکلے پھر قصد کیا کہ صحیح پڑھوں پھر لفظ غلط نکلے تو گویا ہر مرتبہ بقصدِ اصلاح تکلم کیا نہ بقصد الفاظِ کفریہ۔ اور سکوتِ محض تکلم بقصد الاصلاح والتدارک سے افضل نہیں ہوسکتا۔ پس ممکن ہے اور اقرب الی القیاس یہی ہے کہ اُس کے دل پر کوئی ایسی حالت طاری ہوئی جس کی وجہ سے اس کے جوارح کے افعال مختل ہوگئے۔ خود اس کے بیان میں موجود ہے کہ بیداری کے بعد بھی بدن میں بے حسی اور اثر ناطاقتی بدستور تھا۔ اس لیئے مفتی کے ذمہ صورتِ واقعہ میں لازم ہے کہ اس طرح فتویٰ دے کہ جب صاحبِ واقعہ نے اپنے اختیار اور ارادہ سے الفاظِ مذکورہ نہیں کہے ہیں تو وہ بالاتفاق مرتد نہیں ہوا۔ اور چونکہ ان الفاظ کا اُس کی زبان سے صدور خطاءً ہوا ہے اور اس صورت میں اتفاقاً کفر عائد نہیں ہوتا۔ جیسا کہ قاضی خاں کی عبارت سے معلوم ہوچکا۔ اس لیئے اس کو تجدیدِ نکاح یا تجدیدِ ایمان کا حکم بھی نہیں کیا جائے گا۔ احتیاطاً تجدید کرلینا مبحث سے خارج ہے۔ اس کی منکوحہ قطعاً اُس کے نکاح میں ہے۔ اور اُسے ہرگز دوسرا نکاح جائز نہیں۔ اگر اس کی یہ حالت بے خودی و بے اختیاری معروف ہو جب تو حکم قضاء و دیانت میں کوئی فرق ہی نہیں۔ اگر یہ حالت معروف نہ ہو تاہم بوجوہ مذکورۂ بالا قضاءً بھی بلاقسم یا زیادہ سے زیادہ قسم کے ساتھ تصدیق کی جائے گی۔

کتبہ محمد کفایت اللہ عفا عنہ مولاہ مدرس مدرسہ امینیہ دہلی۔ مورخہ ۳۰ جمادی الاخری سنہ ۱۳۳۶ھ

سوال

(از اخبار سہ روزہ "الجمعیۃ" دہلی مورخہ ۲۲ جون سنہ ۱۹۲۷ء)

بعد اسلام قبول کرلینے کے مشرک و مرتد کا کیا حکم ہے۔ اس کی مشرکیت و مرتدیت کیا ہو جاتی ہے؟

(۴۴) **جواب** - الاسلام یھدم ما کان قبلہ - یعنی اسلام قبول کرنے سے پہلے کے تمام گناہ اسلام لانے سے معاف ہو جاتے ہیں۔ محمد کفایت اللہ غفرلہٗ۔

سوال

(از اخبار سہ روزہ الجمعیۃ دہلی مورخہ ۱۸ نومبر ۱۹۲۷ء)

ایک شخص کسی ضرورت کی وجہ سے مذہب اسلام ترک کرتا ہے لیکن حقیقت میں اس نے اسلام کو ترک نہیں کیا ہے۔ صرف اپنی غرض کو حاصل کرنے کے لیئے اس نے ایسا کیا ہے۔ ارکانِ اسلام پر عامل ہے۔

(۴۵) **جواب** ترک اسلام اور اجرائے کلمۂ کفر یا کوئی عملِ کفر کرنا حالتِ اضطرار میں جبکہ جان کا خطرہ ہو جائز ہو جاتا ہے۔ اس کے علاوہ کسی حالت میں جائز نہیں۔ پس اگر شخصِ مذکور نے کسی اضطراری حالت میں ایسا کیا ہے اور قلب میں ایمان و ایقان بدستور ہے تو وہ خدا کے نزدیک مسلمان ہے۔ واللہ اعلم۔ محمد کفایت اللہ غفرلہٗ

پانچواں باب

اہلِ کتاب

سوال

(۱) موجودہ زمانہ کے یہود اور نصاریٰ اہلِ کتاب ہیں یا نہیں؟
(۲) یہود اور نصاریٰ کے ذبیحہ کو مسلمان کھا سکتا ہے یا نہیں؟
(۳) یہود اور نصاریٰ کی عورتوں سے بغیر اسلام پیش کئے اور بغیر اسلام کی قبولیت کے ان سے نکاح جائز ہے یا نہیں۔

المستفتی نمبر ۲۶۶ مولوی سید امداد اللہ صاحب (جالندھر) ۱۳ رجب ۱۳۵۶ھ م ۱۹ ستمبر ۱۹۳۷ء

(۲۶۶) **جواب** (۱) موجودہ زمانہ کے یہود و نصاریٰ جو حضرت موسیٰ علیہ السلام یا حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو پیغمبر اور توراۃ یا انجیل کو آسمانی کتاب مانتے ہوں، اہلِ کتاب ہیں، اگرچہ تثلیث کے قائل ہوں۔
ہاں جو دہریہ عقیدہ رکھتے ہوں یعنی نبوت و رسالت کے ہی قائل نہ ہوں اور نہ آسمانی کتاب پر ایمان رکھتے ہوں، وہ اہلِ کتاب نہیں۔

(۲) یہود و نصاریٰ جو دینِ موسوی یا دینِ عیسوی کے معتقد ہوں، ان کا ذبیحہ حلال ہے۔

(۳) یہود و نصاریٰ جو دینِ موسوی یا دینِ عیسوی کے قائل ہوں ایسی یہودیہ یا نصرانیہ سے مسلمان شادی کر سکتا ہے۔ عرضِ اسلام کرنا جوازِ نکاح کے لئے لازم نہیں۔ محمد کفایت اللہ غفرلہٗ

سوال

قرآنِ کریم کی تصریحات مثلاً غَیْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَیْهِمْ اور ضُرِبَتْ عَلَیْهِمُ الذِّلَّةُ الخ و دیگر آیاتِ بیّنات اور مفسرین و علمائے سلف و خلف کی تصریحات سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ یہود دنیا میں بھی ذلیل و ملعون رہیں گے۔ مگر عرب کے موجودہ حالات و شواہد سے بظاہر اس کے خلاف معاملہ نظر آتا ہے۔ چونکہ کلامِ الٰہی اپنی جگہ کامل و مکمل ہے، اس کی تعلیمات و احکام

کی سچائی وپختگی پر ہمارا ایمان ہے، اس لئے لازمی طور پر یہ شبہ پیدا ہوتا ہے کہ ہم اس کا مطلب سمجھنے میں غلطی کر رہے ہیں۔ یا اس کی کوئی دوسری توجیہ ہو سکتی ہے؟

المستفتی ۲۰۱۵ مولوی محمد عبد المعز۔ نوشہرہ ضلع پشاور۔

(۴۷) **جواب** یہود کی ذلت سے مراد ان کی باطنی اور عقیدے کی ذلت ہے۔ اسی پر غضب خداوندی کے وہ مستحق ہیں۔ ظاہر ہے کہ دنیوی غربت ومسکنت موجب غضب خداوندی نہیں ہو سکتی۔ ورنہ دنیوی حیثیت سے تو وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں بھی بڑے تاجر، بڑے مالدار اور اپنی اپنی بستیوں میں صاحب امر تھے۔ پھر ان کے مغضوب علیہم اور ذلیل ہونے میں صحابہ کرامؓ کو کوئی شبہ نہیں ہوا۔ کیونکہ ان کی باطنی ذلت تمام اہل عقل اور اہل حق کے نزدیک مسلم تھی

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہٗ۔

سوال

لتجدن اشد الناس عداوۃ للذین اٰمنوا الیھود والذین اشرکوا۔ ولتجدن اقربھم مودۃ للذین اٰمنوا الذین قالوا انا نصاریٰ الخ الاٰیۃ۔ اس آیۃ کریمہ کا کیا مطلب ہے؟

المستفتی ۲۵۳۳ محمد ضیاء الحق متعلم مدرسہ امینیہ دہلی مورخہ ۲۸ رجب ادی الثانی ۱۳۵۸ھ م ۱۶ اگست ۱۹۳۹ء

(۴۸) **جواب** آیت مبارکہ کا مطلب یہ ہے کہ یہود اور مشرکین کو تم مسلمانوں کا سخت دشمن پاؤ گے۔ اور نصاریٰ مسلمانوں کے ساتھ محبت میں قریب تر ہوں گے، مگر وہ نصاریٰ مراد ہیں جو اپنے مذہب پر قائم اور دنیا کی محبت اور جاہ ومال کی رغبت سے بے نیاز ہیں۔ موجودہ نصاریٰ تو نام کے نصاریٰ ہیں۔ یہ تو درحقیقت نصرانیت کے قائل بھی نہیں ہیں اور یہی وجہ ہے کہ آج یہ نام کے نصاریٰ مسلمانوں کے بدترین دشمن ہیں۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہٗ، دہلی۔

سوال

(از اخبار الجمعیۃ مورخہ ۲۸ جنوری ۱۹۳۵ء)

(۱) کیا موجودہ عیسائی ویہودی اہل کتاب کہلائے جانے کے مستحق ہیں؟

(۲) کیا موجودہ انجیل یا توریت کی کسی آیت پر ہم کو بغیر تصدیق اعتراض کرنے کا حق حاصل ہے

(۴۹) **جواب** (۱) وہ یہودی جو توریت کو مانتے ہوں اور حضرت موسیٰ علیہ السلام پر ایمان رکھتے ہوں،

اور وہ عیسائی جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور انجیل کو مانتے ہوں اہلِ کتاب کہلانے کے مستحق ہیں۔
(۲) چونکہ موجودہ توریت اور انجیل تحریف شدہ ہیں اس لئے ان کے احکام پر وثوق نہیں رہا۔ اگر ان میں کوئی ایسی بات ہو جو اصولِ دین کے خلاف ہو تو اس پر ہمیں اعتراض کرنے کا حق ہے مثلاً یہ کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام خدا کے بیٹے یا یوسف نجار کے بیٹے تھے۔ اور اگر فروعی مسائل میں کوئی مسئلہ اسلامی احکام کے خلاف ہو تو ہمیں اس کی نہ تصدیق کرنی چاہیئے نہ تکذیب۔
محمد کفایت اللہ کان اللہ لہٗ دہلی۔

چھٹا باب

متفرق مسائل

سوال

پہاڑ میں ایک قوم ہے جس کو اس ملک میں گارو کہتے ہیں، جنگلی ہیں، ان کی نہ کوئی ذات ہے نہ انسانیت ہے، اگر وہ مسلمان ہونے کی خواہش ظاہر کرتے ہیں تو ان کو مسلمان کر سکتے ہیں یا نہیں، خوراک ان سب کی حلال و حرام سب ہے، حتیٰ کہ کتا تک کھاتے ہیں۔ اس ملک کے عالم لوگ کراہت کرتے ہیں۔ اس کے بارے میں کیا حکم ہے مسلمان کر سکتے ہیں یا نہیں؟
المستفتی نمبر ۲۱۸۴ جناب قسمت اللہ صاحب ۱۳ ذی قعدہ ۱۳۵۶ھ م ۱۶ جنوری ۱۹۳۸ء

(۵۰) **جواب** ان کو ضرور مسلمان کر لینا چاہیئے۔ اُن کو اسلامی تعلیم دے کر انسان بنانا اور حرام اشیاء ترک کرانا چاہیئے۔
محمد کفایت اللہ کان اللہ لہٗ دہلی۔

سوال

کتاب "ستیارتھ پرکاش" کا چودھواں باب ملاحظہ فرمائیں کیا یہ اسلام پر بدترین حملہ ہے یا نہیں؟ اور کیا اس سے مسلمانوں کی دل آزاری ہوتی ہے یا نہیں؟ اگر کوئی مسلمان اس کتاب کی مخالفت کرے اور سزا پائے تو وہ مستحق اجر و ثواب ہے یا نہیں؟ المستفتی نمبر ۲۷۸۴۔ مورخہ ۳ دسمبر ۱۹۴۴ء

(۵۱) **جواب** ستیارتھ پرکاش" میں دوسرے مذاہب کے خلاف جو تنقید کی گئی ہے وہ علمی حدود سے قطعاً باہر ہے۔ وہ تو بازاری جھگڑ بازی، بہتان تراشی، تہمت طرازی، تمسخر واستہزاء، تبدیل وتحریف کا معجون مرکب ہے۔ وہ دل آزار اور اشتعال انگیز ہونے میں محتاج کسی دلیل وثبوت کی نہیں ہے۔ اس کو ممنوع الاشاعت قرار دینے کے لیے جس قدر جدوجہد کی جائے حق بجانب ہے۔ جو مسلمان اور دوسرے مذاہب والے اس میں سعی کریں گے وہ انسانیت، تہذیب وشرافت کی خدمت کریں گے۔ اور مذہبی حیثیت سے مسلمان انبیاء علیہم السلام کی توقیر وتکریم کی حفاظت کا اجر وثواب پائیں گے۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہٗ دہلی۔

سوال

ایک ہندو شرعی طریق پر اسلام لانے کے بعد پھر بھی ہندوؤں سے تعلقات اور میل جول رکھتا ہے اور انھیں کے ہمسایہ میں رہتا ہے۔ اور ایک ہندو عورت کے ساتھ زنا میں مبتلا ہے۔ بعض مسلمان اس کا مسجد میں آنا پسند نہیں کرتے۔

المستفتی نمبر ۲۰۳۴ منشی سید الطاف حسین (ضلع گنٹور) ۱۲ رمضان ۱۳۵۶ھ م ۱۷ نومبر ۱۹۳۷ء

(۵۲) **جواب** اس کو نماز کی ترغیب دینا اور مسجد میں بلانا جائز ہے۔ اور ترک زنا کی نصیحت بھی کرنا چاہئے۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہٗ دہلی۔

سوال

(از اخبار الجمعیۃ دہلی مورخہ ۱۶ ستمبر ۱۹۳۴ء)

(۱) سیاسی اختلاف کی بنا پر کسی شخص کو کافر کہا جا سکتا ہے؟ مثلاً زید مہاتما گاندھی کے خیال کا آدمی ہے۔ بکر کہتا ہے کہ چونکہ مسلمانوں کی اکثریت گاندھی کے خلاف ہے اور تو نے ایک کافر کی تقلید کی ہے اس لیے تیرا حشر کافر کے ساتھ ہوگا۔ کیا شرعاً ایسا کہنا جائز ہے؟

(۲) دو لڑکے اہل ہنود کے میرے شاگرد ہیں جو ہنوز بلوغ کو نہیں پہنچے ہیں۔ ان کے عقائد بالکل اسلامی ہیں، وحدانیت کے قائل ہیں۔ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خاتم النبیین مانتے ہیں۔ حشر نشر کے قائل ہیں۔ مگر باپ کے خوف سے اسلام کا اظہار نہیں کر سکتے۔ کیا وہ اپنا نام ہندوؤں جیسا قائم رکھ کر بھی مسلمان ہو سکتے ہیں۔ ان کے درپردہ مسلمان ہونے میں شک نہیں، لیکن کیا

ان کو مسلمان کہا جا سکتا ہے ؟۔

(۵۳) **جواب** (۱) سیاسی اختلاف کی بناء پر کسی کو کافر کہہ دینا بہت بڑی غلطی ہے۔ اور گاندھی جی کے ساتھ اگر کوئی سیاسی پروگرام میں متفق ہو اور اپنا مذہب ہر طرح محفوظ رکھے۔ عقائد میں بھی کسی طرح نقصان نہ آنے دے تو اس میں کوئی شرعی مؤاخذہ نہیں ہے۔ جو شخص محض سیاسی اختلاف کی وجہ سے کسی کو کافر بتانے لگے اور مسلمان کو کہے کہ تیرا حشر گاندھی کے ساتھ ہو گا۔ اُس کو اپنے ایمان کی سلامتی کی فکر کرنی چاہیئے۔ کہ مسلمانوں کو کافر کہنا بہت سخت بُری بات ہے۔

(۲) جو شخص اسلامی عقائد قبول کرے، یعنی دل سے ان کو حق سمجھے اور زبان سے حقانیت کا اقرار کرے وہ شرعاً مسلمان ہے۔ اگر دل سے حق سمجھنے کے باوجود کسی کے خوف سے زبان سے اعلان و اظہار نہ کرے تو وہ احکام شرعیہ کی رُو سے مسلمان نہیں کہلائے گا اور اسلام کے احکام دنیا میں اس پر جاری نہ ہوں گے کیونکہ اجرائے احکام کے لیۓ سوائے اقرار لسانی کے ہمارے لیۓ اور کوئی راستہ نہیں ہے۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہٗ دہلی۔

کتابُ العَقَائد

پہلا باب

اللہ تعالیٰ

سوال

زید اللہ کو تعظیم کی وجہ سے تم یا آپ کے لفاظ استعمال کرتا ہے۔ جیسے یا اللہ تم نے سچ کہا یا آپ کا فرمان بجا ہے۔ اس طرح کہنا کیسا ہے۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ اس سے شرک لازم آتا ہے؟
المستفتی ۶۸۹ سکریٹری انجمن حفظ الاسلام (ضلع بھروچ) ۲۷ رمضان ۱۳۵۲ھ م ۱۴ دسمبر ۱۹۳۵ء

(۵۴) **جواب** شرک لازم آنا یا گناہ ہونا تو درست نہیں۔ کیونکہ جمع کا صیغہ بطور تعظیم کے استعمال کرنا جائز ہے، خود قرآن مجید میں بہت سے مواقع میں موجود ہے۔ جیسے وانا له لحافظون اور ولقد نادٰنا نوح فلنعم المجیبون۔ لیکن اردو کے محاورہ کے لحاظ سے واحد کا صیغہ استعمال کرنا اولیٰ اور بہتر ہے۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہٗ۔

سوال

حدیث شریف میں ہے لا تتحرك ذرة الا باذن الله. خدا کے حکم کے سوا ذرہ نہیں ہل سکتا۔ تو جو بندہ سے خطا ہوتی ہے۔ مثلاً شراب، تاڑی پینا، جوا وغیرہ کھیلنا۔ اس کا خلاصہ جواب فرمائیے گا۔ المستفتی ۱۴۲ حاجی محمد علی صاحب (احمد آباد)، ۲ جمادی الاول ۱۳۵۵ھ م ۲۲ جولائی ۱۹۳۶ء

(۵۵) **جواب** اذن کے معنی اس عبارت میں ارادے کے ہیں۔ رضامندی اور اجازت کے نہیں ہیں اور مطلب یہ ہے کہ عالم میں کوئی ذرہ اللہ تعالیٰ کے ارادہ کے بغیر حرکت نہیں کرتا، اور نہیں کر سکتا۔ ارادے سے مراد یہ ہے کہ جب اللہ تعالیٰ کسی ذرّے کو حرکت دینا چاہے، تو ذرہ حرکت کر سکے گا، اور نہ دینا چاہے تو ذرے کے لیے حرکت کرنا ناممکن ہے، لیکن اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ کی قوت خالقیت اور ارادی طاقت سے جو چیزیں وجود میں آتی ہیں ان کے ساتھ رضا اور اجازت بھی شامل ہوتی ہے۔ بلکہ افعال و اعمال انسانی سب خدا کے ارادے اور قوتِ خالقیت سے وجود

میں آتے ہیں۔ اچھے اعمال کے ساتھ اس کی رضامندی بھی شامل ہوتی ہے۔ اور بُرے اعمال سے وہ ناراض اور غضب ناک ہوتا ہے۔ اور ثواب و عذاب کا تعلق رضامندی اور ناراضگی سے ہے، نہ ارادے اور خالقیت کے متعلقات سے۔ فقط محمد کفایت اللہ کان اللہ لہٗ دہلی۔

سوال

آیا خدا تعالیٰ جھوٹ بول سکتا ہے یا نہیں۔ وہ اپنے کلام پاک میں فرماتا ہے:۔

ان اللہ علی کل شیٔ قدیر یعنی اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔

اگر خدا جھوٹ نہیں بول سکتا ہے تو اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اُسے ایک چیز یعنی جھوٹ پر قدرت حاصل نہیں ہے (نعوذ باللہ)۔ زید کہتا ہے کہ خدا جھوٹ بول سکتا ہے۔ کیا زید پر کفر کا فتویٰ عائد ہو سکتا ہے یا نہیں؟

المستفتی نمبر ۱۳۷۶ - رمضان علی صاحب بمبئی ۲۶ ذی الحجہ ۱۳۵۵ھ م ۱۰ مارچ ۱۹۳۷ء

(۵۶) **جواب** حق تعالیٰ و تقدس نے نہ کبھی جھوٹ بولا ہے نہ بولے گا۔ اور نہ خدا تعالیٰ کی یہ شان ہے کہ وہ جھوٹ کے ساتھ متصف ہو، لیکن بندے جو جھوٹ بولتے ہیں، اس جھوٹ کا خالق وہ ہے کیونکہ بندے کے تمام اعمال و افعال حق تعالیٰ کے مخلوق ہیں۔ اس لحاظ سے کذب بھی خدا تعالیٰ کا مخلوق ہے۔ اور ہر مخلوق مقدور ہے، اس لئے کذب بھی مقدور ہے اور اس میں کوئی شبہ اور اہل سنت والجماعت کے درمیان کوئی اختلاف نہیں اور جھوٹ کو پیدا کرنا اور اس پر قادر ہونا حق تعالیٰ کی تنزیہ و تقدیس میں کوئی نقصان نہیں پیدا کرتا۔ یہ کلام تو کذب عباد کے متعلق تھا اور یہ اصول کہ اللہ تعالیٰ کذب عباد کا خالق اور اس پر قادر ہے۔ بلا شک و شبہ صحیح اور اہل سنت والجماعۃ کے نزدیک متفق علیہ ہے۔

دوسری بات یہ ہے کہ جنت و دوزخ اللہ تعالیٰ کی مخلوق میں شامل ہیں اور جنت کو ذریعہ ثواب اور دوزخ کو آلۂ عذاب قرار دینا بھی حق تعالیٰ ہی کا کام ہے وہ اس پر قادر رہے کہ وہ اپنی مخلوق سے جو چاہے کام لے اور جو معاملہ چاہے کرے، نیکوں کو دوزخ میں بھیجدے اور بدوں کو جنت میں داخل کردے تو کسی کو اعتراض کا حق نہیں۔ لا یسئل عما یفعل صرف اس کی شان ہے۔ اور خلف فی الوعید رحم و کرم ہے۔ اس لئے اگر خلف فی الوعید کو کسی نے کذب سے

تعبیر کرکے مقدور کہدیا تو کوئی جرم نہیں۔ لیکن یہ متفق علیہ ہے کہ خلف فی الوعد مطلقاً اور خلف فی الوعید ایسی صورت سے کہ نقص و عیب کا موجب ہو حضرت حق سے باوجود مقدور ہونے کے صادر ہونا محال ہے مگر یہ استحالہ ذاتی نہیں ہے بلکہ حضرت حق کے صدق وعد کے لازم ہونے کی بنا پر استحالہ بالغیر ہے۔

یہ تعبیر کہ خدا جھوٹ بول سکتا ہے مذکورہ بالا تفصیل کی بنا پر فی حد ذاتہ صحیح ہے۔ مگر عام مسلمانوں کو حیرت اور تشویش اور فتنہ میں ڈالنے والی ہے اس لئے اس کو عوام کے سامنے ذکر کرنا نہیں چاہیئے۔ فقط محمد کفایت اللہ کان اللہ لہٗ دہلی۔

سوال

دو قولوں میں سے (باوجودیکہ دونوں قول فقہ کی معتبر کتابوں میں موجود ہیں) کون سا قول صحیح ہے

قولِ اول (۱) فتاویٰ شامی جلد اول ص۴۲ میں ہے کہ حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں نے خدا کو ننانوے مرتبہ خواب میں دیکھا تو میں نے اپنے دل میں کہا کہ اگر سوویں مرتبہ خدا کو خواب میں دیکھوں تو اللہ رب العزت سے وہ عمل پوچھوں گا کہ جس کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کی مخلوق کو اس کے عذاب سے نجات حاصل ہو۔ پھر مجھ کو اللہ تعالیٰ کا دیدار نصیب ہوا الخ۔ مطلب یہ ہے کہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے اللہ تعالیٰ کو خواب میں سو۱۰۰ مرتبہ دیکھا۔ چنانچہ درمختار میں بھی مرقوم ہے کہ امام محمدؒ نے اللہ تعالیٰ کو سو۱۰۰ مرتبہ خواب میں دیکھا۔

(۲) قول فتاویٰ قاضی خاں جلد۴ فصل فصل التسبیح والتسلیم میں لکھا ہے کہ :۔

ولو قال الرجل رأیت اللہ تعالیٰ فی المنام قال الشیخ رئیس اھل السنۃ ابومنصور الماتریدیؒ رایت ھذا الرجل شرًا من عابد الوثن۔	اگر کوئی آدمی کہے کہ میں نے اللہ تعالیٰ کو خواب میں دیکھا ہے تو اس شخص کے حق میں شیخ الرئیس اہلِ سنت والجماعت ابومنصور ماتریدیؒ فرماتے ہیں کہ میرے نزدیک یہ شخص بتوں کی پوجا کرنے والوں سے بدتر ہے۔

المستفتی نمبر ۲۴۲۶ ۲۳ رمضان ۱۳۵۷ھ م ۱۷ نومبر ۱۹۳۸ء

(۵۷) **جواب** اللہ تعالیٰ کو خواب میں دیکھنا انسان کا غیر اختیاری امر ہے۔ سینکڑوں آدمی یہ خواب

دیکھتے ہیں کہ اُنھوں نے خدائے تعالیٰ کو دیکھا اور اس خواب کو بیان کرنا شریعت نے ناجائز اور ممنوع قرار نہیں دیا۔ سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ رأیت ربی فی احسن صورۃ الخ رواہ الدارمی والترمذی کذا فی المشکوٰۃ - وفی المرقاۃ الظاھر ان ھذا الحدیث مستند الی رؤیا راٰھا صلی اللہ علیہ وسلم۔

پس حضرت امام ابو حنیفہؒ کا یہ فرمانا کہ میں نے اللہ تعالیٰ کو ننانوے مرتبہ یا سو مرتبہ خواب میں دیکھا ہے، شرعی قواعد کے بموجب محلِ اعتراض نہیں بلکہ درست اور صحیح ہے۔

فتاویٰ قاضی خاں نے شیخ ابو منصور ماتریدیؒ کا جو قول نقل کیا ہے اس کو ملا علی قاریؒ نے مرقاۃ کتاب الرؤیا میں نقل کر کے بتایا ہے کہ کسی شخص کا اپنے خواب کو بیان کرنا موجبِ کفر نہیں ہو سکتا۔ پس شیخ ابو منصورؒ کے قول کے معنی یہی ہیں کہ اگر کوئی ذاتِ خداوندی کو خواب میں دیکھنا بیان کرے یعنی یہ دعویٰ کرے کہ میں نے جس کو خواب میں دیکھا ہے وہی حقیقۃً ذاتِ احدیت ہے تو وہ عابد وثن سے زیادہ بُرا ہے، کیونکہ خواب میں دیکھی ہوئی چیز خیالی صورت ہوتی ہے نہ کہ اصل ذات وحقیقت۔ پس امام ابو حنیفہؒ کا قول بھی صحیح ہے اور امام ابو منصور ماتریدیؒ کا قول بھی اس معنی کے اعتبار سے صحیح ہے اور دونوں میں تعارض نہیں۔ واللہ سبحانہ اعلم وعلمہ اتم واحکم۔

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ دہلی۔

سوال

اگر کسی شخص کا یہ عقیدہ ہو کہ خدا عالم الغیب نہیں آیا ایسے شخص کا اسلام باقی رہتا ہے یا نہیں اس کا اس کی بیوی سے نکاح باقی رہتا ہے یا نہیں۔ ایسے شخص کے پیچھے نماز پڑھنا کیسا ہے؟۔

المستفتی نمبر ۲۵۸۵ مولوی محمد یوسف فقیر دہلوی ۴ ربیع الاول ۱۳۵۹ھ م ۱۳ اپریل ۱۹۴۰ء

(۵۸) **جواب** - یہ لفظ مبہم ہے۔ اس قائل سے اس کا مطلب دریافت کرنا لازم ہے، اس کے بعد کوئی حکم دیا جا سکتا ہے۔ یہ تعبیر تو اس کی نصوص کے خلاف ہے۔ قرآن مجید میں حق تعالیٰ کی صفات عالم الغیب والشہادۃ اور علام الغیوب فرمایا گیا ہے، لہٰذا یہ قول تو گمراہی اور جہالت ہے مگر قائل کی تکفیر اس کے بیان سے پہلے نہیں کی جا سکتی۔

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ دہلی

سوال

(از اخبار الجمعیۃ دہلی مؤرخہ ۱۸ فروری ۱۹۲۸ء)

ایک شخص نے "اخبار ترجمانِ سرحد" مؤرخہ ۱۳ جنوری ۱۹۲۸ء میں ایک نظم شائع کی ہے، جس کا ایک شعر یہ ہے :۔

سرائے دہر میں وہ ہستیٔ فضول ہوں میں — کہ گویا صانعِ قدرت کی ایک بھول ہوں میں

مصرع ثانی میں صانعِ قدرت کی طرف جو بھول کی نسبت کی گئی ہے آیا یہ جائز ہے؟

(۵۹) جواب دوسرے مصرع میں صانعِ قدرت کی طرف بھول کو منسوب کرنا بے شک خلافِ ادب اور سخت جرأت اور گستاخی ہے۔ اگرچہ لفظِ گویا نے اس نسبت کو اپنے اصل مفہوم سے ہلکا کر دیا ہے جس کی وجہ سے قائل تکفیر سے بچ سکتا ہے، مگر پھر بھی ایسا عنوان اور تعبیر جائز نہیں ہو سکتا۔ اسے توبہ کرنی چاہیئے اور آئندہ ایسی بے احتیاطی اور بے ادبی سے احتراز کرنا چاہیئے۔ محمد کفایت اللہ غفرلہٗ

سوال

(۱) زید کا یہ اعتقاد ہے کہ اللہ تعالیٰ میں خلق کرنے کی قوت و قدرت ہمیشہ سے موجود ہے لیکن اس کو خالق اس وقت سے کہتے ہیں جب کہ اس نے کچھ پیدا کیا۔ جب تک کچھ پیدا نہیں کیا تھا، اس وقت اس کو خالق نہیں کہہ سکتے۔

(۲) زید کا یہ اعتقاد ہے کہ اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے، لیکن بعض باتیں ایسی ہیں کہ جن کو وہ نہیں کرتا۔ مثلاً یہ کہ وہ جھوٹ نہیں بولتا، مگر یہ بات اُس کی قدرت سے خارج نہیں۔ یہ صحیح ہے کہ ادب کی بناء پر ایسا نہ کہیں لیکن حقیقت یہی ہے۔

(۳) زید کا یہ اعتقاد ہے کہ اللہ اگر مخلوق کو پیدا نہ کرتا خواہ کسی قسم کی ہو یعنی اس کی ذات کے سوا کچھ بھی نہ ہوتا تو سجدہ کرنے والے میں وہ محتاج رہتا۔ بغیر دوسری ذات کے پیدا کیئے اس کو سجدہ کون کرتا۔

(۴) زید کہتا ہے کہ اللہ اسمِ ذات ہے۔ اسمِ صفت نہیں ہے

(۵) جو اعتقاد اوپر درج ہیں یہ صحیح ہیں یا غلط؟

المستفتی ۲۴۶۲ نادر علی صاحب رامپور۔ ۱۹ محرم ۱۳۵۸ھ م ۱۱ مارچ ۱۹۳۹ء

(۴۲) **جواب** - (۱) یہ صحیح ہے کہ حضرت حق جل شانہ میں قدرتِ خلق ازلاً ابداً موجود تھی اور ہے اور رہے گی اور وہ ہمیشہ سے اس قدرتِ خلق کی بنا پر خالق ہے۔ ہاں اس صفت کا تعلق مخلوقات کے ساتھ اسی وقت ہوا جب مخلوق پیدا ہوئی۔ پس صفتِ خلق قدیم ہے اور تعلق صفت بالخلق حادث ہے۔ ان تعلقات کے حدوث سے نفس صفت کی قدرت پر کوئی اثر نہیں پڑتا اور خالق کا اطلاق اس معنی سے کہ صفتِ خلق اس میں موجود تھی قبل تعلق کے بھی ہوتا ہے اور ہو سکتا ہے اسمیں کچھ خرابی نہیں ہے۔

(۲) ہزاروں چیزیں ایسی ہیں کہ خدا اُن پر قادر ہے مگر کرتا نہیں ہے۔ مثلاً وہ قادر ہے کہ ہر شخص کے سامنے ہر وقت سونے کا پہاڑ پیدا کردے، چاندی کے درخت اُگا دے (وغیرہ) مگر کرتا نہیں اور جھوٹ بولنے کا وقوع محال ہے، نہ کبھی جھوٹ بولا ہے نہ بولے گا، نہ جھوٹ بولنا شانِ الوہیت کے لائق ہے۔ امکانِ کذب کا مشہور مسئلہ درحقیقت خلف فی الوعید کی طرف راجع ہے جو علمائے متبحرین ہی سمجھ سکتے ہیں۔

(۳) سجدہ کرنے والے کو اگر خدا پیدا نہ کرتا تو سجدے کا وقوع نہ ہوتا، مگر خدا کی الوہیت میں اس کی وجہ سے کوئی کمی یا نقصان نہیں آسکتا تھا۔ پس یہ کہنا کہ خدا اپنے لئے سجدہ کرانے میں مخلوق کا محتاج تھا، ایک غلط تعبیر ہے، جس سے نافہم لوگ دھوکے میں پڑ سکتے ہیں۔ خدا تعالیٰ کی ذات تمام احتیاجات سے پاک اور منزہ ہے۔

(۴) یہ صحیح ہے کہ اللہ اسم ذات ہے اسم صفت نہیں ہے۔

(۵) ان خیالات کے اصول صحیح ہیں، تعبیرات میں احتیاط کی جائے۔ فقط

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہٗ۔

دوسرا باب

انبیاء علیہم السلام

سوال

انبیائے کرامؑ اپنی قبور میں زندہ ہیں یا نہیں ؟

(۶۱) **جواب** - انبیاء کرام صلوات اللہ علیہم اجمعین اپنی قبور میں زندہ ہیں، مگر ان کی زندگی دنیاوی زندگی نہیں ہے - بلکہ برزخی اور تمام دوسرے لوگوں کی زندگی سے ممتاز ہے - اسی طرح شہداء کی زندگی بھی برزخی ہے اور انبیاء کی زندگی سے نیچے درجے کی ہے - دنیا کے اعتبار سے تو وہ سب اموات میں داخل ہیں - انک میت وانہم میتون اس کی صریح دلیل ہے - محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ،

سوال

ایک شخص جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو سید الانبیاء والرسل مانتے ہوئے کہتا ہے کہ آپؐ کو بشر کہنا جائز ہے - اور اس میں کوئی ترکِ ادب نہیں ہے، جیسا کہ قرآن مجید میں ہے - اور حدیثِ ترمذیؒ میں ام المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا قول ہے کہ کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بشرا من البشر یخصف نعلہ ویفلی ثوبہ - نیز سیرتوں (مواہب لدنیہ - شرح مواہب زرقانی وغیرہ) اور بزرگوں کے کلام مثلاً قصیدہ بردہ میں ہے - فمبلغ العلم فیہ انہ بشر - المستفتی ۳۰ مولانا کریم بخش ایم اے پروفیسر گورنمنٹ کالج لاہور ۹ رجمادی الثانی ۱۳۵۲ھ مطابق ۳۰ ستمبر ۱۹۳۳ء -

(۶۲) **جواب** - آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا بشر ہونا قطعی ہے قطعیات سے ثابت ہے حضرت حق جل مجدہٗ نے حضورؐ کو حکم دیا کہ اپنی بشریت کا اعلان و تبلیغ فرمادیں - قُلْ إِنَّمَا أَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ يُوحَىٰ إِلَيَّ - الآیہ - اس اعلان و تبلیغ کی ضرورت یہ تھی کہ حضورؐ کی حقیقتِ بشریہ کا اُمت کو علم ہو جائے اور وہ عیسائیوں کی طرح آپ کو الوہیت میں داخل کر دینے کی غلطی اور

گمراہی میں مبتلا نہ ہوں۔ اور یہ کہ کفار کے اس قول کا صریح رد ہو جائے جو کہتے تھے مَآ اَنْزَلَ اللّٰہُ عَلٰی بَشَرٍ مِّنْ شَیْءٍ۔ اور ان کی اس غلطی کا بھی ازالہ ہو جائے جو بشریت کو نبوت کے منافی قرار دیتے تھے اور انبیاء علیہم السلام کی نبوت کا انکار کرنے کے لیے ان کی بشریت کو حیلہ بناتے تھے اور ان انتم الابشر مثلنا کہا کرتے تھے۔ حضرت حق نے انبیائے سابقین کی طرف سے جو جواب نقل فرمایا وہ یہ ہے :۔ قالت لھم رسلھم ان نحن الابشرٌ مثلکم ولکن اللہ یمن علی من یشاء من عبادہ۔ کہ اس میں انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام نے اپنی بشریت کا صاف لفظوں میں اعتراف فرمایا اور یہ بتایا کہ بشر کو رسالت و نبوت سے سرفراز فرمانا اللہ تعالیٰ کا احسان ہے، جس میں وہ مختارِ مطلق ہے۔ بشریت کے لوازم کو بھی کفار نبوت کے خلاف پیش کیا کرتے تھے کہ یہ کھانا کھاتے ہیں، بازار میں آمد و رفت رکھتے ہیں تو نبی کس طرح ہو سکتے ہیں۔ حضرتِ حق نے ان چیزوں کا بھی اثبات فرمایا اور کہا کہ ہم نے پہلے بھی جو رسول بھیجے تھے وہ کھانا بھی کھاتے تھے اور بازار میں بھی آتے جاتے تھے۔ غرض کہ یہ تو کفار کا عقیدہ اور خیال تھا کہ رسول اور نبی کو بشر نہ ہونا چاہیے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ہم نے ابتداء سے انسانوں کی ہدایت کے لیے جتنے نبی بھیجے سب بشر تھے، اور انبیاء علیہم السلام نے اپنی بشریت کا اعتراف فرمایا بلکہ تبلیغ کی اور اسی اعتراف و تبلیغ کا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو قل انما انا بشرٌ مثلکم میں حکم فرمایا گیا۔ پس حضورؐ کی بشریت کا منکر قرآن کی نص کا منکر اور حضرت حق اور انبیاء علیہم السلام اور خود حضورؐ کی تعلیم کا منکر اور مخالف ہے۔

رہی یہ بات کہ بشر ہونے کا اقرار کرتے ہوئے یہ کہا جائے کہ گو فی الحقیقت حضورؐ بشر تھے لیکن حضورؐ کو بشر کہنا نہیں چاہیئے تو یہ قول بھی غلط ہے۔ کیونکہ احادیث میں بکثرت وارد ہے کہ صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین نے حضورؐ کو بشر کہا، اور اس کو نہ خلافِ ادب سمجھا، نہ کسی نے اس پر اعتراض کیا۔ بلکہ بشر کہنے سے منع کرنے میں اُن کفار کے عقیدہ کی جھلک ہے جو بشریت کو نبی کے مرتبے کے خلاف سمجھتے تھے۔ ہمارا تو یہ فرض ہے کہ ہم بطور تحدیث بالنعمۃ کے اس کا اعلان کریں کہ حضرت حق جل مجدہٗ کا نوعِ بشر پر یہ احسانِ عظیم ہے کہ اس نے اپنی پیغام رسانی کی اعلیٰ ترین خدمت اور نبوت و رسالت کے افضل ترین منصب سے بشر کو نوازا۔ اور تمام ماسوی اللہ میں سے ایک بشر (نبی امی اروا حنا فداہ صلی اللہ علیہ وسلم) کو چُن کر اپنا حبیب بنایا اور تمام مخلوق پر اس کو فضیلت دی۔ ھذا ھوالحق الذی لامحیص عنہ

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہٗ ۔ مدرسہ امینیہ دہلی۔

سوال

زید نے دوران وعظ میں فقیہ ابو اللیث سمرقندیؒ کی طرف نسبت کرتے ہوئے کہا کہ اصل المعاصی ثلثۃ اشیاء الکبر والحسد والحرص الخ۔ الغرض جس میں تکبر کا موجد ابلیس، حسد کا قابیل، اور حرص کی نسبت حضرت آدمؑ کی طرف کی۔ پس واعظ اس قول میں صادق ہے یا کاذب نیز فتکونا من الظلمین کا ظاہر معنی ارادہ کرنا سب النبی ہے یا نہیں؟ ایسے واعظ کو مرتد کہنا درست ہے یا نہیں؟ المستفتی نمبر ۲۸۱ ڈاکٹر عزیز الرحمٰن (ضلع پشاور) ۲۷ محرم ۱۳۵۳ھ م ۱۲ مئی ۱۹۳۴ء۔

(۷۳) **جواب**۔ واعظ نے جو عبارت نقل کی اور جو معنی اس کے بیان کیے وہ قابل تاویل ہیں، اس لئے واعظ پر ارتداد کا حکم کرنا درست نہیں ہے۔ ہاں ان کو اس قسم کی عبارت عوام کے سامنے بیان نہیں کرنی چاہیئے جس سے عوام کے عقیدے خراب ہونے کا اندیشہ ہو۔ اور انبیاء علیہم السلام کی طرف معصیت کی نسبت کرنے کا احتمال ہو سکے۔ آیۂ کریمہ میں ظالمین کا لفظ اپنے معنی میں ہے۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ اگر تم باوجود یاد ہونے کے بقصد نافرمانی اس درخت کے قریب جاؤ گے (یعنی اس میں سے کھالو گے)، تو تم ظالم ہو جاؤ گے۔ اور یہ بالکل صحیح ہے۔ لیکن حضرت آدمؑ نے شجرۂ ممنوعہ کو قصداً نہیں کھایا بلکہ ممانعت کو بھول گئے اور بلا قصد بھول کر ان سے فعلِ ممنوع سرزد ہوا۔ قرآن مجید میں ہے:۔ ولقد عھدنا الیٰ اٰدم من قبل فنسی ولم نجد لہ عزمًا۔ اس لئے حضرت آدم علیہ السلام ظالم نہیں ہوئے۔ کیونکہ ظالم ہونا موقوف تھا بالقصد نافرمانی پر، اور وہ پائی نہیں گئی۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہٗ۔

سوال

ایک مولوی بنام زید اور چند مسلمان ناخواندہ امّی اس کے ہمراہ ایک پادری مذہب عیسوی کے ہاں نشست و برخاست ایک وقتِ معین پر رکھتے ہیں اور خورد و نوش اکل و شرب میں پادری صاحب کے ہمراہ ہوتے ہیں۔ یعنی پان، چائے وغیرہ خاص پادری صاحب کے ہاں کا بنا ہوا کھاتے ہیں۔ اور گفتگو میں یہاں تک نوبت پہنچی ہے کہ وہ حضرت سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں بے ادبی کرتا ہے اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی شان میں

افک و بہتان لگاتا ہے۔ اور حضرت زینبؓ و زیدؓ کی شان میں لفظ گستاخانہ کہتا ہے۔ دوسرے مسلمان اس مولوی کو کہتے ہیں کہ پادری کے یہاں اکل و شرب نہ کرنا چاہیئے تو جواب یہ دیتا ہے کہ کچھ حرج نہیں۔ اس سے ہمارے ایمان میں کچھ فرق نہیں آتا۔ اگر فرق آتا ہے تو ہمیں قرآن و حدیث سے ثبوت دو۔ لہٰذا دریافت طلب یہ امر ہے کہ اس مولوی کے ایمان میں کچھ خلل آیا یا نہیں اور اس کے پیچھے نماز جائز ہے یا نہیں؟۔

(۷۳) **جواب** ۔ جناب رسالت پناہ روحی فداہ صلی اللہ علیہ وسلم کی یا حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی شان میں گستاخی کرنے والا یا کسی گستاخی کرنے والے سے ناراض نہ ہونے والا کافر ہے فقہاء رحمہم اللہ تعالیٰ اجمعین متفق ہیں کہ نبی کی شان میں گستاخی کرنے والا کافر ہے۔ وکل مسلم ارتد فتوبتہ مقبولۃ الا الکافر بسب نبی من الانبیاء فانہ یقتل حداً ولا تقبل توبتہ مطلقا ولو سب اللہ تعالیٰ قبلت لانہ حق اللہ تعالیٰ والاول حق عبد لا یزول بالتوبۃ وکذا لو ابغضہ بالقلب۔ فتح واشباہ و فی فتاوی المصنف ویجب الحاق الاستہزاء والاستخفاف بہ لتعلق حقہ ایضاً۔ انتہیٰ مختصراً (در مختار ص ۳۱۶ ج ۳)

پس جو شخص ایسے آدمی کے فعل پر خواہ وہ عیسائی ہو یا اور کوئی ہو اظہارِ ناراضگی نہ کرے یا کم از کم دل سے برا سمجھ کر اس جگہ سے اُٹھ نہ جائے، بے شک وہ بھی کافر ہے۔ ایسے شخص کے پیچھے نماز درست نہیں۔ رہا صرف کھانا پینا تو وہ عیسائی کے مکان کا بشرطیکہ کسی ناپاک یا حرام چیز کی آمیزش کا گمان غالب نہ ہو درست ہے۔

سوال

ایک بنگالی ہندو راؤ بہادر آر تعلقدار سرکاری وکیل نے ایک ایسے موقع پر جہاں کثرت سے اشخاص جمع تھے مسلمانوں سے آپس کی گفتگو میں ایک دل آزار جملہ شانِ رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم میں استعمال کیا، یعنی یوں کہا کہ (نعوذ باللہ) محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نے اپنی والدہ سے شادی کر لی تھی۔ جس پر مقامی مسلمانوں نے مقدمہ دائر کیا اور اس کے خلاف سارے برما میں جذباتِ نفرت بھڑک اُٹھے۔ بالآخر وکیلِ مذکور حسب ذیل تحریری معافی نامہ دینا چاہتا ہے جس کا عدالت میں باقاعدہ ریکارڈ رہے۔ اخباروں میں اس کو شائع کرانے کا ذمہ دار ہوتا ہے۔ ساتھ ہی اس کی

قوم کے معزز اور بااثر حضرات یہاں تک کہتے ہیں کہ اگر اس معافی نامہ پر اکتفا نہ ہو تو ہم پبلک جلسے میں آکر اپنی تمام قوم کی طرف سے معافی مانگنے پر تیار ہیں۔ تو کیا شخص مذکور کا معافی نامہ جو مندرجہ ذیل ہے شرعاً و مصلحۃً قابلِ قبول و جائز ہے یا نہیں؟ جبکہ عدالت میں خطرہ ہے کہ باوجود زرِ کثیر صرف ہونے کے کامیابی نہ بھی ہو۔ علاوہ ازیں یہ بھی خطرہ ہے کہ دو قوموں میں منافرت کی بنیاد قائم ہو۔ ساتھ ہی یہ بھی کہتا ہے کہ اس قسم کا معافی نامہ منظور نہ ہو تو جیسا منظور کیا جائے دیدوں۔ معافی نامہ حسب ذیل ہے :۔

"میں اپنے اُن دل آزار الفاظ کو جو پیغمبر اسلام حضرت محمد مصطفٰے صلی اللہ علیہ وسلم کی شانِ اقدس میں استعمال کیئے ہیں واپس لیتا ہوں اور اُن پر اظہارِ افسوس و ندامت کرتے ہوئے معافی کا طالب ہوں۔ اور آئندہ کے لیئے وعدہ کرتا ہوں کہ اس قسم کے الفاظ ہرگز استعمال نہیں کروں گا۔ نیز ان دل آزار الفاظ سے تمام مسلمانوں، بالخصوص مسلمانانِ شوبیو کو جو صدمہ پہونچا ہے اس کے متعلق بھی دلی رنج و افسوس کو ظاہر کرتے ہوئے مسلمانان شوبیو کو پورا اطمینان دلاتا ہوں کہ آپ لوگوں کے ساتھ میرا برتاؤ پہلے کے مانند دوستانہ اور مخلصانہ رہے گا۔ اور میں اپنی طرف سے اخبارات میں اپنی معافی مانگنے کو شائع کرادوں گا۔"

اگر شرعاً و مصلحتاً قابلِ قبول و جائز ہے تو ایک شخص جو یوں کہتا ہے کہ ایسے شخص کے لیئے معافی نہیں کیونکہ یہ حق عام بھی ہے اور جو حق عام ہوتا ہے وہ حقوق اللہ میں سے ہوتا ہے اور حقوق اللہ کے لیئے معافی نہیں الخ۔ نیز یہ کہ ہرگز کسی طرح معاف نہیں ہوسکتا ہے الخ۔ نیز یہ کہ معاف کرنے اور سزا دینے کا حق کسی مسلمان کو نہیں، صرف بادشاہِ اسلام کو ہے الخ۔ قابلِ اعتنا ہے یا نہیں؟ اور طرہ یہ کہ صرف بادشاہِ اسلام کا حق دربارۂ سزا و معافی تسلیم کرتے ہوئے یوں بھی کہتا ہے کہ یہاں جبکہ بادشاہِ اسلام نہیں تو حاکمِ وقت سے چارہ جوئی کرنا ضروری ہے الخ۔ نیز آگے ہم کو صرف مقدمہ کرنا ہے ان کی خوشی جو چاہے سزا دیں الخ۔

کیا یہ کلام اس کو مستلزم نہیں کہ اس مسئلے کو خالص اسلامی مسئلہ تسلیم کرتے ہوئے اور حق اللہ قرار دیتے ہوئے معافی نامہ کو قبول نہ کرکے غیر مسلم حکومت کے پاس مقدمہ کو ضروری سمجھنا اسلامی

پرسنل لا میں مداخلت کو جائز قرار دینا ہے یا نہیں ؟

(۶۵) جواب ۔ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم ارواحنا فداہ کے متعلق کوئی بے ادبی مسلمان برداشت نہیں کر سکتے ۔ سوال میں جو الفاظ وکیل مذکور کے کہے ہوئے منقول ہیں وہ تاریخی حیثیت سے بالکل غلط اور افترا ہیں ۔ یہ ممکن ہے کہ وکیل کو کوئی دھوکہ اور غلطی لگی ہو لیکن واقعہ کے غلط اور بہتان ہونے میں کوئی شبہ نہیں ۔ اس قسم کے واقعات میں کسی محب رسول سے حالت بے اختیاری و اضطرار میں کوئی حرکت ہو جائے تو وہ خارج از بحث ہے مگر شرعی قانون کے ماتحت سزا جاری کرنا سلطان اسلام کا کام ہے، اس ملک میں شرعی قانون تو نافذ نہیں اور موجودہ حکومت کا قانون وہ سزا جاری نہیں کرتا جو شرعی سزا ہے ۔ اس غیر شرعی سزا کو جاری کرانے کی سعی مسلمانوں کی طرف سے منشائے شریعت پورا کرانے کی غرض سے تو ہو نہیں سکتی ۔ البتہ اس جہت سے واجب ہے کہ اس قسم کی جسارت کا آئندہ کے لیے سدباب ہو جائے ۔ حدود الٰہیہ میں تغیر و تبدل کسی طرح ممکن نہیں ۔ اور کسی تبدیل شدہ سزا کو حد شرعی کی وقعت دینا یا حد شرعی کے احکام اس پر جاری کرنا درست نہیں پس موجودہ قانونی مواخذہ اور قانونی سزا کو سیاست یا تعزیر کی وقعت دی جا سکتی ہے ۔ اور اگر مسلمان وکیل مذکور کے اظہار افسوس و ندامت اور آئندہ ایسے کلمات کے اعادہ سے اجتناب کے حتمی وعدہ کو ہی مقدمہ کو آگے بڑھانے سے زیادہ مفید سمجھیں تو انہیں مقدمے سے دست کش ہو جانے میں گناہ نہ ہوگا ۔ اس صورت میں ضروری ہے کہ امور ذیل کا لحاظ رکھا جائے :-

(۱) معافی نامہ کے الفاظ یہ ہوں کہ :-

"میں اعتراف کرتا ہوں کہ میں نے پیغمبر اسلام حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف جو واقعہ منسوب کیا تھا کہ انہوں نے (نعوذ باللہ) اپنی والدہ سے شادی کرلی تھی یہ واقعہ سراسر غلط اور جھوٹ ہے اور میں نے اس نسبت کرنے میں سخت غلطی کا ارتکاب کیا تھا ۔ میں اپنی اس غلطی پر افسوس کرتا ہوں اور سخت نادم ہوں ۔ میں پختہ وعدہ کرتا ہوں کہ آئندہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شان اقدس میں کوئی بے ادبی کا کلمہ استعمال نہ کروں گا مجھے اس کا بھی رنج ہے کہ میری اس غلطی سے تمام مسلمانوں کو عموماً اور مسلمانان شوپیو کو خصوصاً صدمہ پہونچا ۔ میں ان کو اطمینان دلاتا ہوں کہ آئندہ وہ

مجھے اپنا ایک دوست اور مخلص پائیں گے اور اس قسم کی شکایت کا ہرگز کوئی موقعہ پیدا نہ ہوگا۔"

(۲) یہ بیان عدالت میں داخلِ مسلِ مقدمہ کیا جائے اور اس کو وکیلِ مذکور کی طرف سے ہی اخبارات میں شائع کردیا جائے۔ واللہ اعلم بالصواب۔

محمد کفایت اللہ عفا عنہ ربہ مدرسہ امینیہ دہلی۔ ۵ رجب سنہ ۱۳۵۰ھ م ۱۶ نومبر سنہ ۱۹۳۱ء یوم دوشنبہ

الجواب صحیح۔ حبیب المرسلین نائب مفتی مدرسہ امینیہ دہلی۔

سوال

(۱) زید کہتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے ماں باپ سے پیدا ہوئے۔ عمرو کہتا ہے اللہ کے نور سے پیدا ہوئے۔

(۲) زید کہتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا قبول بھی ہوتی تھی اور بعض دعا قبول نہیں ہوتی تھی۔

(۳) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دنیاوی کاموں میں امت کو اختیار دیا ہے۔

(۴) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی طبعی موت سے وفات پاگئے۔ عمرو انکار کرتا ہے۔

المستفتی نمبر ۵۵ مولوی محمد یوسف صاحب ٹونک۔ ۲۰ جمادی الاخری سنہ ۱۳۵۲ھ م ۱۱ اکتوبر سنہ ۱۹۳۳ء

(۶۶) **جواب** (۱) حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم والدین سے پیدا ہوئے۔ آپ حضرت عبداللہ اور حضرت آمنہ کے فرزند اور عبدالمطلب کے پوتے۔ حضرت حمزہ و عباس رضی اللہ عنہما کے بھتیجے تھے۔ عربی اور قریشی تھے۔ انسان تھے۔

(۲) آپ کی بعض دعائیں قبول نہیں کی گئیں۔ مثلاً حضورؐ نے دعا فرمائی تھی کہ میری امت آپس میں جنگ و جدال اور قتل و قتال سے باز رہے۔ یہ دعا قبول نہیں ہوئی۔

(۳) جو امور کہ خالص دنیوی حیثیت رکھتے ہیں اور شریعت سے کسی طرح ٹکراتے نہیں ہیں ان میں امت کو اختیار ہے کہ جو چاہے اپنے لئے پسند کرے۔

(۴) حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی عمر پوری کر کے وفات پائی اور آپ کی وفات کو موت سے تعبیر کرنا صحیح ہے۔ قرآن مجید میں ہے افان مات او قتل اور انک میت و انھم میتون۔

اللہ کے نور سے پیدا ہونے کا یہ مطلب تو کسی کے نزدیک بھی صحیح نہیں کہ آپ کی بشریت مع اپنے لوازم جسمانیت وغیرہ کے نور سے پیدا ہوئی تھی۔ اور نہ آپ کی حیات کا یہ مطلب ہے کہ آپ پر موت طبعی وارد نہیں ہوئی ہے اور جیسے آپؐ زندہ تھے اسی طرح اب بھی زندہ ہیں۔ کہ یہ بات صریح البطلان ہے۔ واللہ اعلم۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہٗ دہلی

الجواب صحیح۔ حبیب المرسلین نائب مفتی مدرسہ امینیہ دہلی۔ خدا بخش عفی عنہ مدرسہ امینیہ دہلی۔ سکندر دین عفی عنہ مدرسہ امینیہ دہلی۔ عبدالغفور عفی عنہ مدرسہ امینیہ دہلی۔ انظار حسین عفی عنہ مدرسہ امینیہ دہلی۔

سوال

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا سایہ دن کی روشنی اور رات کی چاندنی میں ہوتا تھا یا نہیں؟

المستفتی نمبر ۱۹ مولانا کریم بخش ایم، اے، پروفیسر عربی گورنمنٹ کالج لاہور۔ ۲۱ جمادی الاخری ۱۳۵۲ھ م ۱۲ اکتوبر ۱۹۳۳ء

(۶۷) **جواب** اگرچہ بہت سے ارباب سیر نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزات اور خصائص میں اس کا ذکر کیا ہے کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا سایہ دھوپ اور چاندنی میں زمین پر نہ پڑتا تھا۔ مگر ان سب اقوال کا مدار دو روایتوں پر ہے۔ ایک ذکوان کی روایت ہے جو حکیم ترمذیؒ کے نوادر الاصول کی طرف منسوب کی جاتی ہے جیسا کہ شیخ عبدالحق نور اللہ مرقدہٗ نے مدارج النبوۃ میں اور جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے خصائص کبریٰ میں اور ملا علی قاریؒ نے شرح شفاء میں اس حدیث کو بحوالہ نوادر ذکر کیا ہے۔ مدارج کی عبارت یہ ہے:۔ "ونبود مرآں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم را سایہ نہ در آفتاب و نہ در قمر (رواہ الحکیم الترمذی عن ذکوان فی نوادر الاصول) اور خصائص کبریٰ کی عبارت یہ ہے:۔ اخرج الحکیم الترمذی عن ذکوان ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لم یکن یری لہ ظل فی شمس ولا قمر۔ شرح شفاء علی قاریؒ کی عبارت یہ ہے:۔ وھذا معنی ما فی النوادر ولفظھا لم یکن لہ ظل فی شمس ولا قمر۔ ملا علی قاریؒ نے اسی کتاب میں حدیث ذکوان کی سند اس طرح ذکر کی ہے۔ ذکرہ الحکیم الترمذی فی نوادر الاصول عن عبدالرحمٰن بن قیس وھو مطعون عن عبدالملک بن عبداللہ بن الولید وھو مجھول عن ذکوان من انہ کان لا ظل لشخصہ فی شمس ولا قمر۔ اس سے معلوم ہوا کہ ذکوان کی روایت میں ایک راوی مطعون اور دوسرا مجہول ہے۔

دوسری روایت ابن عباسؓ کی ہے جس کو خفاجیؒ نے شرح شفاء میں کتاب الوفا فی فضائل

المصطفیٰ سے نقل کیا ہے۔ خفاجی کی عبارت یہ ہے:۔ وھذا رواہ صاحب الوفاء عن ابن عباس رضی اللہ عنہما قال لم یکن لرسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ظل ولم یقم مع شمس الاغلب ضوءہ ضوئہا ولا مع سراج الاغلب ضوءہ ضوءہ۔

اور ملا علی قاریؒ نے بھی شرح شمائل میں اس روایت کو ذکر کیا ہے۔ عبارت یہ ہے:۔ وفی حدیث ابن عباسؓ قال لم یکن لرسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ظل ولم یقم مع شمس قط الاغلب ضوءہ ضوء الشمس ولم یقم مع سراج قط الاغلب ضوءہ ضوء السراج۔ ذکرہ ابن الجوزی۔ انتہیٰ۔ اس روایت کی سند معلوم نہ ہوسکی۔ اور نہ کتاب الوفاء دستیاب ہوئی۔ ان دو روایتوں کے علاوہ اور کسی روایت کا پتہ نہیں۔ اکثر کتابوں میں تو صرف اس کو ابن سبع سبتی سے نقل کرنے پر اکتفا کیا ہے۔ جیسے کہ نزہۃ الناظرین میں ہے:۔ ومن فضائلہ ماذکرہ ابن سبع الخ۔

اور انوار محمدیہ میں ہے۔ قال ابن سبع کان صلی اللہ علیہ وسلم نورا فکان اذا مشی بالشمس او القمر لایظھر لہ ظل انتہی۔ اس بارے میں یہ بات غور طلب ہے کہ اگر دھوپ اور چاندنی میں اور چراغ کی روشنی میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا سایہ ظاہر نہ ہوتا تھا تو یہ بات عام طور پر موافق اور مخالف کے مشاہدے میں رات دن آتی رہتی اور اس کثرت وقوع کے ساتھ نقل ہوتی کہ حد تواتر کو پہنچ جاتی اور حدیث کی کوئی کتاب اس روایت سے خالی نہ ہوتی اور دوسرے تمام معجزات سے ظہور و ثبوت میں اول نمبر پر ہوتی۔ بخلاف اس کے اس کا سوائے مذکورۂ بالا دو روایتوں کے (جن میں سے ایک سند میں مطعون و مجہول راوی ہیں اور دوسری کی سند بھی معلوم نہیں) کسی روایت میں اور حدیث کی کتابوں میں ذکر ہی نہیں۔ اور یہ بات اس کی قوتِ صحت میں شبہ ڈالنے کے لئے کافی ہے۔

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہٗ

سوال

اگر کوئی مسلمان یہ کہتا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے دنیا میں دوبارہ تشریف لانے کا ثبوت نہیں تو وہ مسلمان غلطی پر ہے یا نہیں؟

المستفتی نمبر ۶۵ مولوی عبدالرحیم کانپور۔ ۲۴ رجمادی الاخریٰ ۱۳۵۲ھ م ۱۵ اکتوبر ۱۹۳۳ء

(۶۸) **جواب** حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا دوبارہ دنیا میں آنا صحیح حدیثوں سے ثابت ہے جو شخص کہ

ان صحیح حدیثوں کو نہ مانے وہ گمراہ ہے۔ بخاری شریف میں ہے :۔ یوشک ان ینزل فیکم ابن مریم حکما مقسطا الخ۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہٗ دہلی

سوال

کیا ہر مسلمان سنی العقیدہ کو حضور سرکار رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم پر علم غیب کے مسئلے میں ایمان لانا ضروری ہے یا نہیں؟ یعنی حضورؐ کو علم غیب تھا یا نہیں۔ حضورؐ حیات النبی ہیں یا نہیں ہر سنی مسلمان کو زیارتِ قبور و فاتحہ وغیرہ ایصالِ ثواب کے لئے کرنا لازمی ہے یا نہیں۔ اولیاء اللہ کی کرامات کا قائل ہونا چاہیے یا نہیں؟

المستفتی نمبر ۱۹۸ مرزا ولی اللہ بیگ رائے پور۔ ۲۶ شوال ۱۳۵۲ھ م ۱۱ فروری ۱۹۳۴ء۔

(۶۹) **جواب**۔ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو حضرت حق جل شانہ نے تمام مخلوق سے زیادہ علم عطا فرمایا تھا اور بے شمار غیوب کا علم بھی دیا تھا، لیکن باوجود اس کے حضورؐ کو عالم الغیب کہنا سمجھنا درست نہیں۔ کیونکہ عالم الغیب ہونا صرف حضرت حق تعالیٰ کی مخصوص صفت ہے۔ کوئی نبی، رسول، فرشتہ اس صفت میں باری تعالیٰ کا شریک نہیں، وعندہ مفاتح الغیب لایعلمھا الاھو۔

(۲) ہاں انبیاء علیہم السلام کو حضرت حق تعالیٰ نے ایک مخصوص اور ممتاز حیات عطا فرمائی ہے جو شہداء کی حیات سے ممتاز ہے۔ اور شہداء کو ایک حیات عطا ہوئی ہے جو اولیاء کی حیات سے امتیاز رکھتی ہے۔ مگر یہ زندگیاں دنیا کی زندگی سے علٰحدہ ہیں۔ کیونکہ دنیا کی زندگی کے لوازم ان میں پائے نہیں جاتے۔

(۳) زیارتِ قبور حصولِ عبرت اور موت یاد آنے اور اموات کیلئے دعا کرنے کی غرض سے جائز ہے۔ اور ایصالِ ثواب بھی جائز ہے لیکن نہ زیارت لازم اور فرض ہے نہ ایصالِ ثواب ضروری ہے۔ یہ سب مستحبات میں داخل ہیں۔

(۴) اولیاء اللہ سے کرامات ظاہر ہونا حق ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ اپنے کسی خاص بندے سے کوئی ایسا کام کرا دیتا ہے یا اس کے ہاتھ سے کوئی ایسی بات ظاہر کر دیتا ہے جو عادت کے خلاف ہوتی ہے اس میں اس شخص کے اپنے اختیار کو دخل نہیں ہوتا لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ تمام مشہور کرامتیں درست اور صحیح ہیں جو لوگوں نے گھڑ گھڑ کر اولیاء کی طرف منسوب کر رکھی ہیں۔

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہٗ دہلی

سوال

زید کہتا ہے کہ حضرت[1] عیسیٰ علیہ السلام اور کرشن جی کا ایک ہی درجہ ہے۔ کرشن[2] جی بھی نبی تھے اور وید[3] بھی الہامی کتاب ہے۔ ایک[4] لاکھ کئی ہزار پیغمبر گذرے مگر کلام الہیٰ میں چند رسولوں کے نام ہیں۔ بقیہ کرشن جی وغیرہ تھے۔ رسول[5] اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے کسی قول کے مطابق زید کا خیال ہے کہ کرشن جی ہندوستان میں نہیں ہوئے ہیں۔ عام[6] علماء کے نزدیک تمام پیغمبر حجاز یا ملک شام میں ہوئے مگر نہیں، ہر جگہ پیغمبر ہوئے ہیں۔ اس میں ہندوستان بھی ہے یہاں بھی ہوئے۔ ہر[7] قوم میں پیغمبر ہوئے (کیا ہندوستان میں بھی؟)۔ آیت[8] قرآنی کے موافق یعنی خدا نے ہر قوم میں نبی بھیجا، اس کا کیا مطلب ہے؟ حضرت[9] عیسیٰ علیہ السلام کو بُرا کہتا ہے۔

بکر کہتا ہے کہ وید الہامی کتاب نہیں، صرف چار کتابیں جو مشہور ہیں وہی کتاب الہیٰ ہیں۔ کرشن جی نبی نہیں تھے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور کرشن جی برابر نہیں ہو سکتے۔ ہندوستان میں کسی نبی کے آنے کا پتہ شریعت یا کسی صحابہ رضؓ یا علمائے متقدمین سے نہیں ہے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام آسمان پر زندہ ہیں۔ براہِ کرم مطلع فرمایئے کہ زید کے اقوال صحیح ہیں یا بکر کے؟

المستفتی نمبر ۳۱۳ عبدالحکیم لکھنوی (کھیری لکھیم پور) ۴ ربیع الاول ۱۳۵۳ھ م ۱۷ جون ۱۹۳۴ء

(۷) **جواب** ۔ یہ[1] قول غلط ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور کرشن جی کا ایک درجہ ہے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی نبوت اور بزرگی قرآن مجید اور احادیث سے ثابت ہے۔ کرشن جی کی نبوت اور بزرگی کا کوئی پختہ ثبوت موجود نہیں، پھر دونوں برابر کس طرح ہو سکتے ہیں۔ کرشن[2] جی کو نبی کہنا بے دلیل و بے ثبوت ہے۔ وید[3] کا الہامی کتاب ہونا بے ثبوت ہے۔ ہاں[4] نبی اور رسول بہت ہوئے ہیں اور سب کے نام قرآن مجید یا حدیثوں میں نہیں آئے۔ صرف تھوڑے سے پیغمبروں اور رسولوں کے نام آئے ہیں، مگر جس شخص کو نبی کہا جائے اس کی نبوت کا ثبوت بھی تو درکار ہے اور کرشن جی کی نبوت کا کوئی ثبوت موجود نہیں اس لیے ان کو نبی کہنا غلط ہے۔ زیادہ سے زیادہ یہ کہہ سکتے ہیں کہ اگر کرشن جی کی تعلیم صحیح تھی اور ان کے افعال انبیاء علیہم السلام کے افعال کی طرح جادۂ نبوت کے موافق تھے تو ممکن ہے کہ وہ نبی ہوں لیکن ہم نہیں کہہ سکتے کہ وہ نبی تھے۔ ایسا[5] کوئی قول آں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ہماری نظر میں نہیں جس سے کرشن جی کی نبوت ثابت ہو سکتی ہو۔ یہ[6] ممکن ہے کہ بعض

نبی ہندوستان میں مبعوث ہوئے ہوں لیکن ان کے نام اور حالات معلوم نہ ہونے کی وجہ سے ہم اپنی طرف سے کسی خاص شخص کو نبی نہیں بتا سکتے۔ ہاں ہر قوم میں ہادی کا آنا آیت سے ثابت ہے لیکن اس کا بھی یہ مطلب نہیں کہ ہر قوم کے کسی خاص شخص کو ہم نبی سمجھنے لگیں۔ دیکھو نمبر ۶۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو برا کہنے والے کا ایمان سلامت نہیں رہ سکتا، کیونکہ کسی نبی کی توہین موجب کفر ہے

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ

سوال

نبی اور رسول پر ارواح خبیثہ کا تسلط ہو سکتا ہے یا نہیں۔ نیز اگر کسی غیر اللہ سے مدد طلب کی جائے تو وہ امداد دے سکتے ہیں یا نہیں۔ جیسا کہ خدا تعالیٰ سے مدد مانگنے سے مل جاتی ہے۔ المستفتی نمبر ۳۸۹ سراج الدین دہلی۔ ۱۸ رجمادی الاول ۱۳۵۳ھ م ۳۰ راگست ۱۹۳۴ء

(۱۷) **جواب** ۔ انبیائے کرام اور اولیاء پر شیطان کا تسلط اور استیلاء نہیں ہو سکتا۔ ان عبادی لیس لک علیھم سلطان۔ لیکن اس تسلط سے یہ مطلب ہے کہ شیاطین ان کو راہ حق سے منحرف کرنے پر قابو نہیں پا سکتے۔

ہاں سحر کے بعض اقسام کا اثر وہ بھی جسمانی اذیت کی حد تک نبی یا ولی پر ہونا ممکن ہے جیسے کہ زہر یا دوسری موذیات جسمانی کا اثر ہونا ناممکن نہیں ہے۔

غیر اللہ کو کسی کی امداد کرنے کی قدرت نہیں اس لئے غیر اللہ سے استمداد بھی ناجائز ہے اذا سألت فاسئل اللہ واذا استعنت فاستعن باللہ۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ

سوال

حضور[۱] صلی اللہ علیہ وسلم کا پیشاب، پاخانہ پاک تھا یا نجس؟ حضور[۲] کے سر مبارک میں جوئیں پڑتی تھیں یا نہیں؟ اگر نہیں پڑتی تھیں تو اس حدیث کا کیا مطلب ہے جو ابوداؤد میں اس طرح ہے۔ تفلی راسه اور اس کے حاشیے کا کیا مطلب ہے جو اس طرح ہے ای تفتش القمل من راسه وتخرج وتقتله۔ بینوا توجروا۔

المستفتی نمبر ۵۰۷ شیر محمد خاں (دہلی) ۲ رجمادی الثانی ۱۳۵۴ھ م یکم ستمبر ۱۹۳۵ء

(۷۱) **جواب** شوافع میں بعض علمائے محققین نے آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بول و براز کی طہارت کا حکم کیا ہے، اور علمائے حنفیہ نے اس کو نقل کر کے اس کے ساتھ اپنی موافقت بیان کی ہے اور بعض صحابہؓ و صحابیات کے اس واقعہ سے کہ انھوں نے حضورؐ کا پیشاب نادانستگی میں پی لیا تھا مگر حضورؐ نے خبر پا کر اُن کو دعا دی اور انکار نہیں فرمایا، طہارت پر استدلال کیا ہے۔
اکثر علمائے سیر نے تصریح کی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سر مبارک میں جوں نہیں پڑتی تھی اور اس میں کوئی تعجب اور انکار کی وجہ بھی نہیں۔ حضرتِ امّ حرامؓ کی حدیث اس کے خلاف پر دلالت بھی نہیں کرتی۔ کیونکہ یہ ممکن ہے کہ گو حضورؐ کے سر میں جوں پیدا نہیں ہوتی تھی مگر دوسروں کے بدن یا کپڑے کی جوں رینگ کر چڑھ جاتی ہو اور وہ حضرت ام حرام رضی اللہ عنہا کے ہاتھ لگ جاتی تھی اور وہ پکڑ کر مار ڈالتی تھیں۔ اس کے علاوہ حدیث کے الفاظ صرف تفلی راسہ ہیں جس کے معنی صرف جُوں کو تلاش کرنے کے ہیں اور محشّی کا قول وتخرج وتقتلہ محتاج دلیل ہے۔ فقط
محمد کفایت اللہ کان اللہ لہٗ، دہلی۔

سوال

(۱) کیا یہ صحیح ہے کہ حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے نور سے نکلے۔ یعنی حضورؐ کا نور خدا تعالیٰ کے نور سے نکلا ہے، یا خدا تعالیٰ نے اپنی قدرتِ کاملہ سے حضرتؐ کا نور پیدا کیا ہے؟
(۲) مندرجۂ ذیل شعر پڑھنا یا مسجد میں لگانا درست ہے یا نہیں؟

خدا کے نور سے پیدا ہوئے ہیں پانچوں تن — محمد است و علی فاطمہ حسین و حسن
جس نوں پنج تن نال پیار ناہیں — اوہ دے کلمے دا اعتبار ناہیں

المستفتی نمبر ۶۱۳ شیخ ظہور الدین (ہوشیارپور) ۱۷ رجمادی الثانی ۱۳۵۴ھ م ۱۶ ستمبر ۱۹۳۷ء

(۷۲) **جواب** (۱) آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے نور کو اللہ تعالیٰ کے نور کا حصہ یا جزو سمجھنا درست نہیں۔ کیونکہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے قرآنی اور حدیثی تعلیم یہ ہے نشھد ان محمدا عبدہ ورسولہ یعنی ہم اس کی گواہی دیتے ہیں کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اللہ کے بندے اور پیغمبر ہیں۔ حضورؐ اور حضور کا نور مخلوق ہے۔ اور خدا تعالیٰ کا نور غیر مخلوق ہے۔ اور مخلوق غیر مخلوق کا جزو یا حصہ نہیں ہو سکتا۔
(۲) یہ شعر اور عبارت اسلامی تعلیم کے لحاظ سے غلط ہے۔ مسجد میں لگانے کے قابل نہیں ہے

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہٗ دہلی

سوال

ایک صاحب نے اپنی تحریر میں شعر غلط اور ناموزوں لکھے۔ جب اغلاط پر ان کو تنبیہاً لکھا گیا تو جواب میں انھوں نے بجائے اعتراف کے آیۂ شریفہ سے تمسک کیا اور لکھا کہ بعد حمد وصلوۃ علی النبی الذی قال اللہ تعالیٰ فی حقہ و ما علمناہ الشعر وما ینبغی لہ فقط۔ آیا یہ فخر الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کی توہین وتحقیر ہے یا نہیں اور بصورتِ اولیٰ ایسے شخص کا شرعاً کیا حکم ہے جس نے محض اپنے عیب کو چھپانے کے لیے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کو اس میں شریک کرنے کی بیجا جرأت کی ہو۔ حالانکہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے شاعری کا عدم علم ان کے کمالِ رسالت کی دلیل تھا۔ جس میں یہ حکمت تھی کہ آپؐ کے زمانے میں شعرائے عرب کا طبقہ نہایت ہی فصیح و بلیغ واقع ہوا تھا چنانچہ اسی زعم باطل کی بنا پر کفارِ عرب نے قرآن مجید کے معجز بیان کلام کو معاذ اللہ شاعری کا ایک شعبہ اور رسالت مآب کو شاعر سمجھ لیا تھا جس کا ردّ اللہ تعالیٰ نے اس آیۂ شریفہ سے کیا اور ظاہر کیا کہ باوجود حضرتؐ کے شاعر نہ ہونے کے جو آپؐ کی چالیس سالہ قبل از بعثت زندگی بھر نظر ڈالنے سے محتاج بیان نہیں۔ مشاہیر شعرائے فصیح البیان کا بمقام تحدی اس کلام کی چھوٹی سے چھوٹی جزء کی نظیر ومثل لانے سے عاجز رہنا اس امر کی بین دلیل ہے کہ یہ کلام منزل من اللہ ہے اس آیۂ شریفہ میں یہی نکتہ ہے۔ اور رسالت مآبؐ کا وان من الشعر لحکمۃ فرمانا اور قصیدہ کعب بن زہیر کو سن کر اپنی چادر مبارک اتار کر دینا اسی توجیہ کا مؤید ہے۔ علیٰ ہذا القیاس امی ہونا بھی ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے ایک مخصوص باعثِ فخر امر تھا۔ چنانچہ محقق جار اللہ زمخشری رحؒ کشاف میں فرماتے ہیں کہ جعلناہ امیا لا یھتدی للخط ولا یحسنہ لتکون الحجۃ اثبت والشبھۃ ادحض۔ حالانکہ غیر پیغمبر کے حق میں امی ہونا ایک مسلمہ عیب اور نقص ہے جس میں کسی کو بھی کلام نہیں بینوا توجروا۔ المستفتی نمبر ۶۳۰ مولوی حبیب اللہ (ضلع لودھیانہ) ۲۹ رجادی الثانی ۱۳۵۴ھ م ۲۸ ستمبر ۱۹۳۵ء

(۶۷) **جواب** حضور صلی اللہ علیہ وسلم نہ شاعر تھے اور نہ کبھی آپؐ نے شعر موزوں فرمایا مجیب کا یہ آیت جواب میں لکھنا بے محل ہے۔ کیونکہ اس پر اعتراض یہ تھا کہ غلط شعر کیوں کہتا ہے تو اس کا جواب آیت سے کہاں ہوا۔ اگر خدانخواستہ حضورؐ نے کوئی غلط شعر کبھی کہا ہوتا تو اس کو ایسے غلط گو شاعر اپنے لیے

سند بتاتے تو بتاتے لیکن حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے تو کبھی شعر بنایا ہی نہیں۔ حضورؐ کے وصف سے استدلال کرنا ہے تو اس کی صورت تو یہ ہے کہ شعر بنانا چھوڑ دو اور جب کوئی تقاضا کرے کہ شعر کہو تو یہ کہدو کہ چونکہ شعر نہ کہنا آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی صفت ہے، اس لیئے مَیں بھی شعر کہنا نہیں چاہتا۔ غلط شعر بنانا اور حضورؐ کی صفت شاعر نہ ہونے اور شعر نہ بنانے کو اپنی غلطی کے لیئے عذر ٹھہرانا جہالت ہے۔ اگر خدائے قدوس اپنے پیغمبرؐ کو شعر بنانے کی اجازت دیتا تو یقیناً آپؐ کے شعر اعلیٰ درجے کے فصحاء وبلغا کے شعروں سے بڑھ کر فصیح و بلیغ ہوتے۔ بہر حال شخصِ مذکور کا یہ جواب غلط اور نامناسب تو ہے مگر اس کو توہین پر محمول نہ کرنا چاہیئے۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہٗ۔

سوال

نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کو پیارے نبی کہنا ادب ہے یا بے ادبی؟

المستفتی نمبر ۶۳۱ عبد الستار (بلاری) ۲۹ جمادی الثانی ۱۳۵۴ھ م ۲۰ ستمبر ۱۹۳۵ء

(۷۵) **جواب** بے ادبی نہیں کہا جا سکتا۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہٗ۔

سوال

ایک شخص نے اپنی موٹر کا نام نبی صلی اللہ علیہ وسلم کر کے رکھا ہوا ہے۔ یہ جائز ہے یا ناجائز؟

المستفتی نمبر ۷۶۶ کے، جی، مولوی محمد عبد السلام (ضلع جنوبی ارکاٹ) ۲۴ ذیقعدہ ۱۳۵۴ھ ۱۸ فروری ۱۹۳۶ء

(۷۶) **جواب** موٹر کا نام نبیؐ رکھا ہے تو یہ لفظ نبیؐ کی توہین کے مرادف ہے۔ اور اس میں نہ صرف مسلمانوں کی بلکہ تمام فرقوں کی جو نبی کے قائل اور سلسلۂ نبوت پر ایمان رکھتے ہیں، دل آزاری ہے اور اس کو اس فعل سے روکنا ضروری ہے۔ فقط محمد کفایت اللہ کان اللہ لہٗ۔

سوال

کیا حضور علیہ السلام کو بحیثیت بشر ہونے کے بشر سمجھنا یا کہنا کفر ہے یا نہیں؟

المستفتی نمبر ۱۱۸۸ عبد العزیز صاحب (ضلع سیالکوٹ) ۲۹ جمادی الثانی ۱۳۵۵ھ م ۱۶ ستمبر ۱۹۳۶ء

(۷۷) **جواب** آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم بشر تھے آپؐ کو بشر ہی سمجھنا اور بشر کہنا اسلام کی تعلیم ہے۔ ہاں بشر ہونے کے ساتھ اللہ کے پیغمبر اور رسول اور نبی اور حبیب تھے۔

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہٗ، دہلی۔

سوال

(۱) کیا حضور علیہ السلام کو ذاتی علم غیب حاصل تھا یا کہ جتنا علم ان کو دیا گیا تھا وہ خداوند تعالیٰ کی طرف سے عطائی تھا۔

(۲) حضور علیہ السلام اپنی ذاتی رائے سے شریعت میں کمی بیشی کر سکتے تھے یا آیت ان اتبع الا ما یوحیٰ الیّ کے ماتحت وحی کی اتباع کرتے تھے؟۔ المستفتی عبدالعزیز مشین والا دضلع سیالکوٹ)

(۸۷) **جواب** (۱) حضور عالم الغیب نہیں تھے، ہاں اللہ تعالیٰ کی طرف سے بہت سے غیوب کا علم آپ کو عطا ہوا تھا۔

(۲) حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنی ذاتی رائے سے احکام الٰہی میں کمی بیشی نہیں کر سکتے تھے۔ ہاں اجتہادی مسائل میں اجتہاد سے کوئی حکم بتا سکتے تھے، مگر جن امور میں کہ قرآن مجید کی آیت نازل ہو اور کوئی حکم بتا دیا جاوے اس میں اجتہاد نہیں کیا جاتا۔ بلکہ وحی کی متابعت ضروری ہے۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہٗ دہلی

سوال

(۱) ایک غیر مسلم شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شانِ پاک میں بہت بیہودہ اور ناپاک الفاظ استعمال کیے ہیں۔ پولیس نے اس کو حراست میں لے کر چالان کر دیا ہے۔ اب وہ شخص اپنے اس گناہ سے شرمسار ہو کر معافی مانگتا ہے اور مسلمان نہیں ہونا چاہتا، حالتِ کفر ہی میں رہنا چاہتا ہے تو کیا اس حالت میں اس کو بروئے شریعت معافی ہو سکتی ہے یا نہیں، اگر معافی نہیں ہو سکتی تو کیا اس کی سزا ہے۔ کیا وہ شخص واجب القتل ہے؟

(۲) اس سے پہلے ایک فتویٰ صادر ہوا ہے، وہ لکھتے ہیں کہ ہر ایسے شخص کے لیے سزائے موت کے سوا اور کوئی سزا نہیں بشرطیکہ حکومت اسلام کی ہو، اگر اسلام کی حکومت نہیں ہے تو وہ شخص اگر معافی مانگتا ہے تو اس کو معافی دی جا سکتی ہے۔ لہٰذا آپ بھی اس مسئلہ پر رائے دے کر مطمئن فرمائیں۔

(۳) اس سے پہلے اس قسم کے کئی ایک معاملے رونما ہوئے ہیں جن کے نتیجہ آپ کو معلوم ہونگے کہ تمام وہ اشخاص جنہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شانِ اقدس میں بے حرمتی کی تھی، مسلمانوں کے ہاتھوں قتل ہوئے مثلاً علم الدین، عبدالرشید وغیرہ جنہوں نے ان کو قتل کر کے خود تختہ دار پر چڑھ کر بروئے قانون سرکاری جان دے دی اور ان کو شہید کہا جاتا ہے۔ تو کیا ان کا یہ قتل کرنا شریعت کے لحاظ سے

جائز تھا یا ناجائز۔ کیونکہ شریعت میں ایسے شخص کا قتل کرنا واجب ہے، بشرطیکہ حکومت اسلام کی ہو، یہاں پر حکومت ہے انگریز کی۔ تو کیا اس صورت میں علم الدین، عبدالرشید شہید ہوئے ہیں یا نہیں؟۔ کیا ہر ایسا شخص جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عزت پر ان کی بے حرمتی کرنے والے کو قتل کرے اور حکومت اسلام کی نہ ہو، اس شخص کو قتل کے عوض میں پھانسی دی جائے تو ایسے شخص کو شہید کہا جا سکتا ہے یا نہیں؟ اگر وہ شہید نہیں ہے تو وہ کس شمار و قطار میں ہے۔

المستفتی نمبر ۱۲۰۷ مولوی عزیز احمد صاحب (شہر راولپنڈی) ۱۱ رجب ۱۳۵۵ھ م ۲۸ ستمبر ۱۹۳۶ء

(۹) **جواب** ۔ چونکہ ہندوستان میں اسلامی حکومت نہیں۔ اسلئے اگر غیر مسلم معافی مانگے تو اس کو معافی دے دینا جائز ہے۔ کسی مسلمان کو قتل کر دینے کا حق نہیں ہے۔ اگر کوئی محبت رسول میں سرشار اور بیخود ہو کر قتل کر دے تو وہ معذور قرار دیا جا سکتا ہے اور اس صورت میں اس کو شہید کہنا بے جا نہیں۔

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہٗ، دہلی۔

سوال

بہار شریعت حصہ اول صفحہ ۲۲ میں مولوی حکیم ابوالعلا محمد امجد علی رضوی مدرس دارالعلوم معینیہ عثمانیہ اجمیری نے درج کیا ہے۔

(عقیدہ ۲۵)۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم اللہ عزوجل کے نائب مطلق ہیں، تمام جہان حضورؐ کے تحت تصرف کر دیا گیا جو چاہیں کریں جسے جو چاہیں دیں جس سے جو چاہیں واپس لیں۔ تمام جہان میں ان کے حکم کا پھیرنے والا کوئی نہیں، تمام جہان ان کا محکوم ہے اور وہ اپنے رب کے سوا کسی کے محکوم نہیں تمام آدمیوں کے مالک ہیں۔ جو انھیں اپنا مالک نہ جانے حلاوت سنت سے محروم رہے۔ تمام زمین ان کی ملک ہے، تمام جنت ان کی جاگیر ہے۔ ملکوت السموات والارض حضورؐ کے زیر فرمان جنت و نار کی کنجیاں دست اقدس میں دیدی گئیں، رزق و خیر اور ہر قسم کی عطائیں حضورؐ ہی کے دربار سے تقسیم ہوتی ہیں۔ دنیا و آخرت حضورؐ کی عطا کا ایک حصہ ہے۔ احکام تشریعیہ حضورؐ کے قبضہ میں کر دیئے گئے کہ جس پر جو چاہیں حرام فرما دیں اور جس کے لئے جو چاہیں حلال کر دیں اور جو فرض چاہیں معاف فرما دیں۔ مسلمانوں کو مسطورہ بالا تحریر پر عقیدہ رکھنا کیسا ہے فقط المستفتی نمبر ۱۲۳۰ شیخ عبدالرزاق ولد عبدالعزیز صاحب (دہلی) ۲۶ رجب ۱۳۵۵ھ م ۱۳ اکتوبر ۱۹۳۶ء

(۸۰) **جواب** یہ عقیدہ سراسر قرآن وحدیث اور شریعت مقدسہ کی تعلیم کے خلاف ہے اور ضلالت و گمراہی کی تعلیم ہے۔ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کے بندے اور رسول ہیں۔ سید المرسلین خاتم النبیین ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے بعد سب سے افضل اور اعلم ہیں۔ لیکن فرائض کو معاف کر دینا، حلال کو حرام کر دینا، حرام کو حلال کر دینا۔ جنت و دوزخ کی کنجیاں آپ کے ہاتھ میں ہونا، یہ کوئی بات قرآن وسنت سے ثابت نہیں۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہٗ دہلی۔

سوال

ایک مسلمان شخص نے جوتوں کا کارخانہ کھولا ہوا ہے۔ اور پیر کا ناپ لینے کے واسطے ایک کتاب بنا رکھی ہے۔ اس کتاب پر ناپ لکھنے کے بعد پیر کے نشان کے اندر اس شخص کا نام جس کا ناپ لیا گیا ہے تحریر کر لیا جاتا ہے، اکثر ان ناموں میں محمد اسحاق، محمد اقبال، محمد صدیق وغیرہ بھی ہوتے ہیں، چونکہ یہ سلسلہ ناپ لینے کا جاری ہے اس وجہ سے سابقہ ناپ کے بعد دوسرے ناپ کے لئے پیر اس نام پاک (صلی اللہ علیہ وسلم) لکھے ہوئے کاغذ پر رکھا جاتا ہے۔ اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ طریقہ مذکورہ بالا سے نام پاک (صلی اللہ علیہ وسلم) کی تو بے ادبی نہیں ہوتی، یا ہوتی ہے؟ المستفتی نمبر ۱۲۵ عمر الٰہی صاحب سوداگر باغیچی اچھے جی دہلی ۲۱ رمضان ۱۳۵۵ھ م ۶ دسمبر ۱۹۳۶ء

(۸۱) **جواب** اگرچہ اس میں قصد ناپ لینے کا ہوتا ہے۔ مگر اس کاغذ پر پاؤں رکھنے سے جس میں لفظ اللہ مثلاً عبداللہ، امانت اللہ وغیرہ اسماء ہیں) یا لفظ محمد یا اور کوئی قابل احترام لفظ لکھا ہو، بے ادبی کی صورت ضرور ہے اس لئے اس کی بہتر صورت یہ ہے کہ نام اور پتہ کا رجسٹر علیحدہ ہو اور ناپ کی کتاب جدا ہو۔ ہر ناپ پر صرف وہ نمبر ڈالا جائے جو نام کے رجسٹر پر اس قدم والے کا نمبر ہو۔ اس میں پھر کوئی بے ادبی یا بے ادبی کا شبہ نہیں رہے گا۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہٗ دہلی

سوال

وہ کیا فضیلت ہے جس کے لئے ہم لوگ درود شریف میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے ابراہیم علیہ السلام اور آل ابراہیم علیہ السلام کی طرح برکت نازل فرمانے کے لئے دعا کرتے ہیں
المستفتی نمبر ۱۳۶۷ محمد احمد صاحب (دہلی) ۱۵ ذی الحجہ ۱۳۵۵ھ م ۲۷ فروری ۱۹۳۷ء

(۸۲) **جواب** وہ خاص منصب نبوت کا ایک اعلیٰ کمال اور اس پر مرتب ہونے والے افضال الٰہیہ ہیں،

جن کی تفصیل حق تعالیٰ ہی کو معلوم ہے، ہم اتنا ہی کہہ سکتے ہیں کہ حضرت ابراہیمؑ خلیل تھے اور حضورؐ حبیب ہیں، حضرت ابراہیمؑ ابو الانبیاء تھے اور حضورؐ خاتم الانبیاء والمرسلین ہیں۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہٗ دہلی

سوال

ایک شخص کہتا ہے، درود شریف میں کما صلیت علیٰ ابراھیم کہنے سے حضرت ابراہیمؑ کی زیادہ فضیلت ثابت ہوئی، حالانکہ سب کہتے ہیں حضورؐ کی فضیلت زیادہ ہونی چاہئے، گویا قائل کا یہ مطلب ہے کہ رحمت سے مراد نبوت ہے کہ جس طرح سلسلۂ نبوت حضرت ابراہیم علیہ السلام کا جاری رہا ہے، اسی طرح ہمارے نبی کا سلسلۂ نبوت جاری ہے یعنی کہتا ہے کہ اس سے ختم نبوت کا رد ہو رہا ہے۔

المستفتی ۱۳۶۸ محمد احمد صاحب دہلی ۱۵ ذی الحجہ ۱۳۵۵ھ م ۲۷ فروری ۱۹۳۷ء

(۸۲) **جواب** درود شریف میں صلوٰۃ و رحمت سے مراد حق تعالیٰ کے وہ احسانات اور مہربانیاں ہیں جو ابراہیم علیہ السلام پہ نازل ہوئی تھیں اور آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر جو رحمتیں نازل ہوئیں وہ ابراہیمؑ پر نازل شدہ رحمتوں سے کم نہیں ہیں۔ کما صلیت سے یہ مطلب نہیں کہ حضرت ابراہیمؑ پر کوئی زیادہ رحمتیں نازل ہوئی تھیں بلکہ مقصد صرف یہ ہے کہ حضرت ابراہیمؑ پر بھی تو نے رحمتیں نازل فرمائی تھیں اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر بھی نازل فرما۔ سلسلۂ نبوت کا باقی رہنا اس لیے مراد نہیں کہ حضورؐ نے خود لانبی بعدی اور انا خاتم النبیین فرما کر فیصلہ کر دیا کہ حضورؐ کے بعد نبوت کا سلسلہ باقی نہیں رہا۔

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہٗ دہلی

سوال

(۱) ایک واعظ صاحب وعظ میں فرماتے ہیں کہ ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے حال کو دیکھ رہے ہیں۔ کیا تم اندھے نبی کی امت ہو۔ ایسے اندھے نبی سے پناہ مانگتے ہیں جو ہمارے حال کو نہیں دیکھتا۔

(۲) نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہر شے کو دیکھ رہے ہیں، حتیٰ کہ لوگوں کے زنا کو بھی دیکھ رہے ہیں۔

(۳) مدعی کہتا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم حاضر و ناظر ہیں۔ مخاطب کہتا ہے کس دلیل سے؟ مدعی کہتا ہے کہ کیا شیطان ہر جگہ حاضر و ناظر ہے یا نہ۔ کیا کلمات مذکورہ سے سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی توہین ہے اگر ہے تو قائل کا کیا حکم ہے؟ المستفتی نمبر ۱۵۹۲ مولانا محمد عبد الخالق صاحب صدر مدرس

شہر ملتان مدرسہ نعمانیہ، ۳ رجمادی الاول ۱۳۵۶ھ م ۱۲ر جولائی ۱۹۳۷ء

(۸۴) **جواب**. اس شخص کا یہ مقولہ کہ "نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے حال کو دیکھ رہے ہیں ورنہ ہم ایسے اندھے نبی سے خدا کی پناہ مانگتے ہیں جو ہمارے حال کو نہیں دیکھتا۔ کیا تم اندھے نبی کی امت ہو"۔ انتہیٰ کلامہ بمضمونہ۔ شریعت اور حقیقت کے خلاف ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ اگر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم امت کے حالات دیکھ نہ رہے ہوں تو معاذ اللہ وہ اندھے ہیں۔ اور قائل ایسے نبی سے خدا کی پناہ مانگتا ہے۔ اور شریعت کے دلائل قاطعہ اس پر قائم ہیں کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم امت کے حالات نہیں دیکھ رہے ہیں کہ یہ تو صرف خدا کی صفت ہے تو حضورؐ کے نبی ہونے کی اصلی حالت یہی ہے اور اس میں قائل حضورؐ کو معاذ اللہ اندھا اور مستعاذ منہ قرار دیتا ہے اور یہ قول اور عقیدہ حضورؐ کی توہین اور تکذیب کو مستلزم ہے۔ اور یہ جملہ کہ زنا کو بھی دیکھ رہے ہیں، بے شبہ توہین ہے۔

یہ کہنا کہ شیطان ہر جگہ حاضر و ناظر ہے جہالت ہے۔ شیطان یعنی ابلیس نہ ہر جگہ (ایک آن میں) حاضر ہوتا ہے نہ ناظر۔ پس اس قائل پر توبہ اور تجدید نکاح کرنی لازم ہے۔ واللہ اعلم محمد کفایت اللہ غفرلہٗ

سوال

زید کہتا ہے کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم عالم الغیب ہیں۔ اور ہر جگہ حاضر و ناظر ہیں۔ جو شخص حضورؐ کو عالم الغیب اور ہر جگہ حاضر و ناظر نہ سمجھے وہ شخص کافر ہے، خارج از اسلام ہے، ان سے السلام علیکم درست نہیں، ان کی نماز جنازہ نہ پڑھی جائے، حتی کہ ان سے بالکل قطع تعلق کر لیا جائے۔ زید کا یہ عقیدہ از روئے قرآن و حدیث درست ہے یا کہ نہیں، نیز امام اعظم رحؒ کا اس مسئلہ میں کیا عقیدہ ہے؟

المستفتی عبدالرحمٰن۔ نصیر آبادی۔

(۸۵) **جواب** امام اعظم ابو حنیفہؒ اور تمام ائمہ کرامؒ بلکہ جمیع امت محمدیہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کا اجماعی اور متفق علیہ عقیدہ ہے کہ علم غیب حق تعالیٰ جل شانہ کی مخصوص صفت ہے اور قرآن پاک کی آیات صریح طور پر ثابت کرتی ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے سوا اور کوئی عالم الغیب نہیں، آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا علم خدا کے بعد تمام مخلوق سے زیادہ ہے اور اللہ تعالیٰ نے بہت سی غیب کی باتوں کو بھی حضورؐ کو بتلا دیا تھا، مگر اس کے باوجود حضورؐ عالم الغیب نہیں تھے۔ پس زید کا یہ عقیدہ قرآن پاک اور حدیث شریف اور تمام امت کے اجماعی عقیدے کے خلاف ہے۔ محمد کفایت اللہ غفرلہٗ

سوال

(۱) حدیث مثلِ قرآن ہے یا نہیں ؟
(۲) پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کا فعل مذہب ہے یا نہیں ؟
(۳) مذہب قائم کرنا از روئے تعلیم پیغمبر کا حق ہے یا کسی دوسرے کا ؟

المستفتی نمبر ۱۸۲۷ محمد میاں صاحب حویلی اعظم خاں دہلی۔ ۲۴ رجب ۱۳۵۵ھ م ۳۰ ستمبر ۱۹۳۶ء

(۸۶) **جواب** (۱) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال متعلقہ دین ان لوگوں کے لئے جو خود حضور کی زبان سے سنتے تھے یا جن کو تواتر سے پہنچیں قرآنی احکام کے موافق واجب التعمیل ہیں، لیکن جو احادیث کہ نقل غیر متواتر سے منقول ہو کر آئیں ان کا درجہ بوجہ طریق نقل کے اُدْوَن ہونے کے آیاتِ قرآنی سے کم ہے تاہم احادیثِ صحیحہ ثابتہ پر عمل لازم ہے۔

(۲) حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے افعالِ دینیہ مذہب ہیں یعنی اعمالِ دینیہ واجب الاتباع ہیں۔ اِلّا یہ کہ کسی فعل کے متعلق تخصیص کی دلیل قائم ہو تو وہ حضور کے ساتھ مخصوص سمجھا جائے گا۔

(۳) مذہب قائم کرنا یعنی تشریع کرنا یہ اللہ تعالیٰ کا اصالۃً اور پیغمبر کا رسالۃً حق ہے اور کسی کو تشریع کا حق نہیں، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے اقوال وافعال واجتہادات مجتہدین کے قیاسات واستنباطات کتاب اللہ اور سنتِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف ہی مستند ہوتے ہیں۔ واللہ اعلم

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ دہلی۔

سوال

ایک فقہ کی کتاب میں لکھا ہے کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی روحِ پاک ہر جگہ کائنات میں تشریف فرما ہے، آیا یہ عقیدہ درست ہے، اگر درست نہیں ہے تو اس طور کا عقیدہ رکھنے والا اہلِ سنت والجماعت میں گنا جائے گا کہ نہیں، اس عقیدے میں شرک کا گناہ لازم آتا ہے کہ نہیں ؟

المستفتی نمبر ۱۸۲۸ منشی آدم خانپور (ضلع بہرائچ) ۲۴ رجب ۱۳۵۵ھ م ۳۰ ستمبر ۱۹۳۶ء۔

(۸۷) **جواب**۔ یہ عقیدہ اسلامی تعلیم اور شرعی اصول کے خلاف ہے، اس عقیدے کا معتقد خاطی اور گنہگار ہے۔

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ دہلی۔

سوال

ہمارے یہاں چند آدمی نئی روشنی اور انگریزی تہذیب کے کہتے ہیں کہ ہندو کے اوتار کرشن کیا تعجب ہے کہ نبی ہو اور اس کی تصنیف کردہ کتاب گیتا منزل من اللہ ہے اور استشہاداً کہتے ہیں کہ قولہ تعالیٰ کے مضمون (میں کسی کو بھی عذاب نہیں بھیجتا جب تک کہ ان پر کسی نبی کو مبعوث کر کے حجت قائم نہ کر دوں، سو بنگالہ اور ہندوستان میں کوئی نبی تو آیا نہیں تو یقین ہے کہ کرشن ہی نبی تھا، نیز کہتے ہیں کہ "اسود الہند نبی" ایک حدیث ہے اس کے مصداق وہی کرشن کو بتاتے ہیں۔ جناب عالی جواب میں ان اُدلّہ کو رد فرمائیں
المستفتی نمبر ۲۰۲۱ محمد مقبول الرحمن (سلہٹ) ۱۱ رمضان ۱۳۵۶ھ م ۱۶ نومبر ۱۹۳۷ء۔

(۸۸) **جواب** یہ کہنا کہ کرشن جی نبی تھے، بے دلیل اور بے ثبوت بات ہے، قرآن مجید کی جن آیات سے ثابت ہوتا ہے کہ ہر قریہ میں اور ہر قوم میں کوئی نبی یا نذیر آیا ہے وہ اس کو مستلزم نہیں کہ کرشن جی کو نبی کہدیا جائے اور اگر کرشن جی کی سیرت انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کی سیرت سے ملتی جلتی ہو اور ان کی تعلیم آسمانی تعلیم کے خلاف نہ ہو تو یہ کہنا جائز ہوگا کہ ان کے نبی ہونے کا امکان ہے، لیکن یہ کہنا کہ وہ یقیناً نبی تھے بغیر ثبوت کے قابلِ قبول نہیں۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہٗ، دہلی۔

سوال

زید کا یہ اعتقاد ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم خدا کے نور میں سے پیدا ہوئے ہیں اور خدا نے اپنے نور سے جدا کر کے دنیا میں بھیجا اور زندہ ہیں، ہر جگہ حاضر و ناظر ہیں۔ ایسا عقیدہ رکھنے والا کیسا ہے۔

ہمارے شہر کے تمام احناف کا یہی عقیدہ ہے جو ائمہ مساجد ہیں قرآن و حدیث سے بالکل ناواقف ہیں بلکہ قرآن صحیح نہیں پڑھ سکتے اور جو یہاں کے برائے نام چند اہلِ حدیث ہیں وہ ان کے پیچھے نمازیں پڑھ لیتے ہیں۔ اگر ائمہ مساجد میں سے کسی امام کو قرآن کی تعلیم سے متنبہ کیا جائے تو آگے سے دست و گریبان ہوتے ہیں اور قرآن کی آیات کا انکار کرنے لگتے ہیں۔ سرِ بازار کہتے ہیں کہ ہمارا یہی عقیدہ ہے آپ ہمیں ہزار حدیثیں اور آیتیں پڑھ کر سنائیں، ہم اپنے عقیدہ سے باز نہیں آئیں گے، ایسے آدمی کے پیچھے نماز پڑھنی جائز ہے یا نہیں اور ایسے عقیدہ والے آدمی کس درجہ کے گنہگار ہیں۔ اگر ان کا اسی پر خاتمہ ہو جائے تو وہ کس جماعت میں شمار رہوں گے؟
المستفتی نمبر ۲۳۵۲۔ حافظ عبدالرب صاحب (لاہور) ۲ جمادی الاول ۱۳۵۷ھ م ۳ جولائی ۱۹۳۸ء

(۸۹) **جواب** - آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کے بندے اور رسول ہیں ۔حضورؐ کا نور بھی خدا تعالیٰ کا پیدا کیا ہوا ہے ۔ اللہ تعالیٰ کے نور کا جزو یا ٹکڑا نہیں ہے اور یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ خالق اور مخلوق میں جزئیت کا علاقہ ہو ۔ اور جو لوگ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ہر جگہ حاضر ناظر جانتے ہیں وہ اسلامی تعلیم سے ناواقف ہیں ۔ ان کو کتاب اللہ اور احادیث سے صحیح عقیدہ کی تعلیم دینا چاہیئے ۔ تاکہ وہ اس غلط عقیدہ سے توبہ کریں ۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ، دہلی ۔

سوال

(۱) زید کہتا ہے ، میرا دعویٰ ہے کہ قرآن کے اندر کئی جگہ سے میں ثابت کرسکتا ہوں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ نے بے کار ثابت کردیا ہے ۔ کیا یہ کہنے پر زید مسلمان ہی رہتا ہے ۔ شریعت کا اس کے بارہ میں کیا حکم ہے ؟

(۲) ایک عالم صاحب نے وعظ میں خدا کے رسول کی تعریف فرمائی اور احکام پر روشنی ڈالتے ہوئے فرمایا کہ رسول اللہ ؐ کی شان میں اکثر لوگ بے ادب ہیں ، لیکن ہم جس کا کھائیں گے اس کا گائیں گے ۔ شرع شریف کا ان کے لیے کیا حکم ہے ؟

(۳) رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نبی مختار تھے یا نہیں ؟ ۔

(۴) زید کہتا ہے ، خدا اگر چاہے تو جھوٹ بول سکتا ہے ۔ اگرچہ وہ بولتا نہیں ۔

(۵) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حیات ہیں یا نہیں ؟

المستفتی نمبر ۲۳۸۸ جی ۔ ٹی ۔ جی ۔ مرزا سلطان بیگ ۲ جمادی الاول سنہ ۱۳۵۷ھ م ۴ اگست سنہ ۱۹۳۸ء

(۹۰) **جواب** (۱) قرآن پاک میں اللہ تعالیٰ نے آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو رسول ، نبی ، شاہد ، بشیر ، نذیر ، داعی الی اللہ ، نور ، سراج ، منیر ، رؤف ، رحیم ، ہادی اور بہت سے القاب جلیلہ اور اوصاف فاخرہ کے ساتھ ملقب فرمایا ہے اور ظاہر ہے کہ حضور انور روحنا فداہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حق نبوت و رسالت ادا فرمایا اور باحسن وجوہ ادا فرمایا ۔ تمام دنیا کو ایمان و توحید کی دعوت دی ، اطاعت گذاروں کو رضائے الٰہی کی بشارت اور نافرمانوں کو انذار و وعید عذاب پہنچائی ۔ دنیا کو نور اسلام سے منور فرمادیا ۔ غرض کہ ایک ہادی اور رہبر کے فرائض اس درجہ علیا پر ادا کیے کہ کوئی دوسرا حضور کا مثیل نہ پیدا ہوا نہ ہوگا ، پس زید کے اس قول کا کہ قرآن پاک میں حضورؐ کو

اللہ تعالیٰ نے بے کار ثابت کیا ہے کیا مطلب ہے ؟ ۔ اگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ان اوصاف وکمالات اور تبلیغی کارناموں کا انکار مقصود ہے تو یہ صریح کفر ہے کہ اس سے قرآن کی تکذیب لازم آتی ہے ۔ مزید یہ کہ یہ جملہ حضورؐ کی شانِ اقدس میں گستاخی اور توہین کو بھی مستلزم ہے اور یہ بھی موجب کفر ہے اور زید کا کچھ مطلب اور ہے تو اسے ظاہر کرے ۔

(۲) واعظ صاحب کے اس فقرہ کا مطلب سمجھ میں نہیں آیا ۔

(۳) مختار کے معنی پسندیدہ ، چنا ہوا ۔ اس معنی سے حضورؐ کو بھی مختار کہنا صحیح ہے اور اگر مختار کے کے معنی لیے جائیں " بااختیار " یعنی کہ پیدا کرنے ، موت دینے ، اولاد عطا کرنے ، مصیبت لانے یا دفع کرنے کے اختیارات رکھتے تھے تو اس معنی سے حضورؐ کو مختار کہنا صحیح نہیں ۔

(۴) اس مسئلہ کی یہ تعبیر نہایت موحش ہے ۔ اصل اختلافی مسئلہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ مشرکین اور کفار کو جنت میں داخل کرنے پر قدرت رکھتا ہے یا نہیں ۔ ایک جماعت محققین کا یہ قول ہے کہ داخل کر تو سکتا ہے ، قدرت ہے ، مگر کرے گا نہیں ۔ بس یہ حقیقت ہے ، دوسرے لوگ کہتے ہیں کہ داخل کرنے کی قدرت ہی نہیں ۔

(۵) جماہیر امتِ محمدیہ کا یہ قول ہے کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم قبر اطہر میں حیاتِ مخصوص کے ساتھ حیات ہیں ۔ باقی یہ بات کہ اس حیات کی حقیقت کیا ہے ، یہ حضرتِ حق کو ہی معلوم ہے وہ حیاتِ حضورِ انور پر میت کے اطلاق کے منافی نہیں ۔ اللہ تعالیٰ نے خود قرآن پاک میں حضورؐ کو خطاب کرکے فرمایا ہے انک میت وانھم میتون ۔ اور دوسری جگہ فرمایا ۔ افان مات او قتل اور حضرت ابوبکر صدیقؓ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد مجمع صحابہؓ کو خطاب کرکے فرمایا تھا من کان منکم یعبد محمداً فان محمداً قد مات ۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ

سوال

ایک شخص سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کا غلام ہے ، امتی ہے ، مؤدب ہے ۔ ان کی محبت واتباع کا دم بھرتا ہے ان کو نور ان آیات و احادیث سے قد جاءکم من اللہ نور وکتاب مبین اور داعیا الی اللہ باذنہ وسراجا منیرا اور یریدون لیطفئوا نور اللہ بافواھھم واللہ متم نورہ ولو کرہ الکافرون اور اول ما خلق اللہ نوری انا من نور اللہ وکل خلائق من نوری

سمجھتا ہے اور رسول کی تعریف علم عقائد میں بایں الفاظ جو لکھی ہے۔ ھو انسان بعثہ اللہ تعالیٰ الی الخلق لتبلیغ الاحکام مع شریعۃ جدیدۃ اس کی رو سے اور خلق الانسان علمہ البیان اور علم الانسان مالم یعلم اور اوحی الی عبدہ ما اوحی اور قل انما انا بشر مثلکم کی رو سے ان کو بشر، عبد اور انسان بھی جانتا ہے۔ مگر سب مخلوقات دنیویہ واخرویہ سے ان کو یکتا و بے ہمتا ہی جانتا ہے اور آپ کی عدم مثلیت یا نساء النبی لستن کاحد من النساء اور ایکم مثلی یطعمنی ربی ویسقینی اور لست کھیئتکم اور خاتم النبیین وغیرہ سے ثابت کرتا ہے اور قل انما انا بشر مثلکم میں حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی یہ حدیث موقوف بھی پیش کرتا ہے۔ قال ابن عباس علم اللہ تعالیٰ رسولہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم التواضع لئلا یزھی علی خلقہ فامرہ ان یقرأ فیقول انا آدمی مثلکم الا انی خصصت بالوحی و اکرمنی اللہ بہ وھو قولہ یوحی الی اور انما کو کلمۂ حصر ہی سمجھتا ہے اور پھر بھی آپ کو بے مثل فی الخلق سمجھتا ہے اور کہتا ہے کہ آیۂ مذکورہ کا معنی یہ بھی بدلائل مذکورہ ہو سکتا ہے۔ تحقیق میں تمہاری طرح کا بشر نہیں ہوں اور ہاں نہیں ہوں تمہارے جیسا بشر یعنی نفی بشریت کی نہیں کرتا، نفی مثلیت کرتا ہے اور کہتا ہے انما مرکب ہے ان حرف مشبہ بفعل سے حرف ایجاب سے اور ما کافہ نافیہ ہے۔ نحو میر میں ہے۔ حروف ایجاب شش است۔ نعم۔ اجل۔ ای۔ جیر۔ ان۔ اور مغنی میں ہے وزعم جماعۃ من الاصولیین والبیانیین ان ما الکافۃ عن ان نافیہ اور ان اور ما کو مشترک قرار دیتا ہے کیونکہ ان کا معنی تحقیق اور نعم کا آیا ہے اور ما نافیہ اور مصدریہ اور موصولہ وغیرہ آتا ہے کیا وہ کافر ہے یا مؤمن ہے؟ اور جو اس کو اس معنی کی بنا پر کافر کہتے ہیں، اس کا کیا حکم ہے؟ المستفتی نمبر ۲۴۲۸ چودھری شاہ دین صاحب (سیالکوٹ)، ۲۲ شوال ۱۳۵۷ھ م ۱۵ دسمبر ۱۹۳۸ء

(۹۱) **جواب** اپنے آپ کو آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا غلام اور امتی اور فرمانبردار سمجھنا حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے محبت رکھنا، حضورؐ کا ادب اور احترام اور توقیر و تعظیم دائرۂ شریعت کے اندر رہ کر بجالانا اور سنن نبویہ کی متابعت کرنا ایمان وصلاح کی علامات ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو باعتبار حقیقت انسان اور بشر سمجھنا اور باعتبار صفات نور کہنا صحیح ہے۔ انا من نور اللہ والخلائق

من نوری کے معنی یہ ہیں انا منوّر من نور اللہ والخلق منور من نوری - یعنی میں نے روحانیت اور کمالِ انسانیت کا نور براہِ راست حق تعالیٰ سے (بذریعہ وحی وفیض ربانی) حاصل کیا اور تمام مخلوق نے علم و ہدایت اور تزکیۂ نفس کا نور مجھ سے حاصل کیا اور اول ما خلق اللہ نوری سے جہاں حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے نور کی اولیت ظاہر ہوتی ہے وہاں یہ بھی تصریحاً ثابت ہوتا ہے کہ حضورؐ کا نور مخلوق ہے اور حضورؐ کا نور ذاتِ خداوندی سے جُدا ہے اس کا جزو نہیں ہے کیونکہ نہ ذاتِ خداوندی اجزاء میں تقسیم ہو سکتی ہے نہ اس کا کوئی جزو مخلوق ہو سکتا ہے۔ حضورؐ کو صفات کے لحاظ سے بے مثل کہنا بھی صحیح ہے کیونکہ تقرب بالمعراج اور خاتم الانبیاء والمرسلین ہونے میں اور بہت سی صفات میں آپؐ کا کوئی مثیل اور نظیر نہیں ہے مگر آیت انما انا بشر مثلکم کے یہ معنی بیان کرنا کہ تحقیق میں تمہاری طرح کا بشر نہیں ہوں) یا (ہاں نہیں ہوں میں تمہارے جیسا بشر) صحیح نہیں۔ یہ معنی اس پر مبنی ہیں کہ انما میں کلمہ ما کے معنی نفی کے کیے جائیں حالانکہ یہ صحیح نہیں انما کو متضمن معنی ما والا کا قرار دیا گیا ہے یعنی نفی اس میں باقی نہیں ٹوٹ چکی ہے اور اگر ما کلمۂ نفی قرار دیا جائے تو الاخبر سے پہلے مقدر ماننا پڑے گا اور معنی یوں کرنے ہوں گے انّ ما انا الا بشر مثلکم یعنی نہیں ہیں میں مگر بشر مثل تمہارے۔ یعنی حقیقتِ بشریت میں میں بھی تم جیسا ہوں کہ انسان ہوں، ماں باپ سے پیدا ہوا ہوں، کھاتا ہوں، پیتا ہوں، سوتا ہوں، جاگتا ہوں، چلتا ہوں، پھرتا ہوں، بھول اور ذہول سے مبرا نہیں ہوں، ہاں بہت سے اوصاف میں لست کاحد کم اور ایکم مثلی فرمانا بھی صحیح اور درست ہے۔ قرآن مجید میں انبیاء علیہم السلام کا مخالفین کو جواب اسی طرح نقل فرمایا گیا ہے۔ ان نحن الا بشر مثلکم یعنی نہیں ہم مگر بشر مثل تمہارے۔ خود سائل نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا جو قول نقل کیا ہے اس میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے بھی انما انا بشر مثلکم کا مطلب یہ بتایا ہے انا آدمی مثلکم یعنی انھوں نے بھی ما کو نافیہ قرار نہیں دیا۔ انما انا بشر مثلکم جملہ مثبتہ ہے منفیہ نہیں ہے، اس میں خبر یعنی بشرٌ کا مبتدا یعنی انا کے لیے اثبات مقصود ہے نفی مقصود نہیں ہے۔ پس شخصِ مذکور کا یہ کہنا کہ ما نافیہ ہے اور یہ معنی کرنا کہ میں نہیں بشر تمہارے جیسا، صحیح نہیں۔ قرآن مجید میں کلمۂ انما بہت سے مقامات میں آیا ہے جیسے انما اللہ الٰہ واحد اگر اس میں ما نافیہ قرار دیا جائے۔ اور جیسے انما انا

بشر مثلکم کے معنی شخص مذکور نے کیئے ہیں اسی طرز پر اس آیت کے معنی کیئے جائیں تو یہ معنی ہوں گے نہیں اللہ ایک معبود. اور ظاہر ہے کہ یہ معنی فاسد اور غلط اور خلاف شریعت ہیں اور دوسری انما المشرکون نجس کے معنی ہوں گے بے شک نہیں مشرک نجس۔ انما حرم علیکم المیتۃ الخ کے معنی ہوں گے۔ بے شک نہیں حرام کیا تم پر میتہ کو اور یہ سب معنی غلط ہیں۔

جبکہ انما کو متضمن معنی ما و الا کہا جائے تو انما انا بشر مثلکم میں ما کو نافیہ قرار دے کر بشر پر الا مقدر ماننا پڑے گا۔ اس کے سوا کوئی صورت نہیں۔ اگر مثلکم کی طرف نفی راجع کر کے مثلیت کی نفی مراد لی جائے تو الا کی تقدیر کہاں گئی اور نفی کہاں ٹوٹی۔ لہٰذا آیت کے درست اور لغت کے موافق معنی یہی ہیں کہ میں تم جیسا انسان ہی ہوں، جن یا فرشتہ یا اور کسی حقیقت کا فرد نہیں ہوں ہاں مجھے حق تعالیٰ نے اپنی رحمت سے وحی نبوت و رسالت کے ساتھ نوازا اور ختم نبوت اور دیگر فضائل کے ساتھ امتیاز بخشا ہے۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ دہلی

سوال

ایک شخص کہتا ہے کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم جب شب معراج میں اللہ پاک سے ملاقات کرنے تشریف لے گئے، جب آپ پہنچے تو اللہ پاک نے فرمایا کہ اے میرے حبیب! جوتوں سمیت آیئے تاکہ میرا عرش مزین ہو جائے، چنانچہ آپ مع جوتوں کے عرش پر گئے اور یہ بھی کہتا ہے کہ آپ اور اللہ پاک کے مابین بغیر کسی پردہ وغیرہ کے باتیں ہو گئیں، کیا یہ صحیح ہے یا نہیں۔ المستفتی نمبر ۲۵۴۲ کرم نواز خاں (دہلی) ۲۵ رجب ۱۳۵۸ھ م ۱۱ ستمبر ۱۹۳۹ء

(۹۲) جواب نعلین شریفین کے متعلق یہ بات کہ حضرت حق ج نے حضورؐ کو نعلین سمیت عرش پر بلایا بعض سیر و تفاسیر میں مذکور ہے۔ واعظ اسے دیکھ کر بیان کر دیتے ہیں مگر سند اور صحت کے لحاظ سے ہمیں اس کی کوئی پختہ سند نہیں ملی۔

اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا لیلۃ المعراج میں اللہ تعالیٰ کی رؤیت بغیر حجاب سے مشرف ہونا ثابت ہے اگرچہ کلام بغیر حجاب کا صراحۃً ثبوت نہیں ہے۔ فقط محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ۔

سوال

(۱) پارہ ۱۱ اخیر سورۂ توبہ ما کان للنبی والذین اٰمنوا ان یستغفروا للمشرکین

* ولو کانوا اولی قربی من بعد ما تبین لھم انھم اصحٰب الجحیم۔ اس آیت شریفہ کا ترجمہ اور یہ کہ کس کے حق میں نازل ہوئی ہے۔ آیا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین کے حق میں ہے یا کفارِ مشرکین کے حق میں ہے اور یہ آیت ناسخ ہے یا منسوخ۔

اور ہمارے سرکار آقائے نامدار فخرِ موجودات احمد مجتبیٰ محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے آباؤ اجداد پشت در پشت حضرت آدم علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام تک مسلمان تھے یا نہیں، آیا درمیان میں بُت پرستی ہوئی ہے یا نہیں۔ صاف صاف قرآن وحدیث سے اس کا جواب دیں۔

المستفتی نمبر ۲۶۰۱ سیٹھ قاسم بابو (گجرات) ۶ ربیع الثانی ۱۳۵۹ھ م ۱۵ مئی ۱۹۴۰ء

(۹۳) **جواب** اس آیتِ کریمہ کے شانِ نزول میں تینوں روایتیں موجود ہیں۔ اول یہ کہ آیت ابوطالب کے بارے میں اُتری۔ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا کہ میں تمہارے لیے استغفار کروں گا جب تک مجھ کو خدا کی طرف سے منع نہ کر دیا جائے۔ تو یہ آیت نازل ہوئی اور حضورؐ کو منع کر دیا گیا۔

دوم۔ یہ کہ یہ آیت جب اُتری کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی والدہ کے لیے استغفار کرنے کی اجازت حضرت حق جل مجدہٗ سے طلب کی تو اس آیت کے ذریعہ سے حضورؐ کو منع کیا گیا۔

سوم یہ کہ حضورؐ نے فرمایا تھا کہ جیسے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے والد کے لیے استغفار کیا میں بھی اپنے والد کے لیے استغفار کروں گا، تو یہ آیت اُتری اور حضورؐ کو اپنے والد کے لیے استغفار سے منع کیا گیا۔

یہ ثابت نہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے تمام اجدادِ کرام مسلمان تھے، ان میں کوئی مشرک نہ تھا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے والد کا مشرک ہونا تو یقینی ہے۔ پس یہ قاعدہ نہیں ہے کہ نبیؐ کے اجداد میں مشرک نہیں ہوتا۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہٗ، دہلی۔

سوال

جس طرح اللہ پاک ہر جگہ حاضر و ناظر ہے اسی طرح حضور بھی ہر جگہ موجود ہیں، شیطان ہر وقت ہر جگہ موجود۔ ملک الموت ہر جگہ موجود۔ غوثِ پاک اولیاء اللہ فرماتے ہیں کہ دنیا کی کوئی شے ہم سے پوشیدہ نہیں، پھر حضورؐ تو ان سے ہزاروں لاکھوں درجہ ارفع و اعلیٰ ہیں، ہر وقت ہر ساعت چودہ طبق میں ہر آن موجود ہیں، کوئی شے پوشیدہ نہیں ہے۔ المستفتی نمبر ۲۶۷۵ پیرزادہ عبدالرحیم ولی محمد صاحب

ماروار ۱۲ جمادی الثانی ۱۳۶۰ھ م ۸ جولائی ۱۹۴۱ء

(۹۴) **جواب** یہ عقیدہ غلط ہے کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم حق تعالیٰ کی طرح ہر جگہ حاضر و ناظر ہیں اور یہ خیال بھی باطل ہے کہ شیطان (یعنی ابلیس) ہر جگہ موجود ہے یا ملک الموت ایک وقت میں ہر جگہ موجود ہوتے ہیں۔ شیاطین بہت سے ہیں اور ملک الموت کے ماتحت بھی بے شمار فرشتے کام کرتے ہیں۔ شیاطین کے کام کو لوگ ابلیس کی طرف منسوب کر دیتے ہیں یا فرشتوں کے عمل کو خود عزرائیلؑ کا عمل سمجھ لیتے ہیں اور اس غلطی میں مبتلا ہو جاتے ہیں کہ ایک وقت میں ہزاروں مرنے والوں کی ارواح کو تنہا عزرائیل علیہ السلام نے قبض کیا۔ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خود ایک لڑکی کو جس نے یہ مصرعہ پڑھا تھا ع وفینا نبی یعلم ما فی غد۔ یعنی ہمارے اندر ایک نبی ہے جو کل کی بات جانتا ہے۔ اس سے منع فرمایا اور روک دیا تھا۔ ہر جگہ (علم و قدرت کے لحاظ سے) موجود ہونا اور ہر بات کو بغیر غیر کی مدد کے جاننا خاص اللہ تعالیٰ کی صفت ہے۔ غوث پاکؒ کا یہ مقولہ جو سوال میں نقل کیا ہے بسند صحیح ثابت نہیں۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہٗ۔

سوال

چہ می فرمایند حضور پر نور دریں مسئلہ کہ تمام اوتاران ہر آنکہ در ہندوستان آمدند ہندو بودند ایں ہمہ اوتاران از جانب خدائے عزوجل بودند یا خود نمائی کردہ بودند؟ حضور مفصل تحریر کنند۔

(ترجمہ) کیا فرماتے ہیں حضور پر نور اس مسئلے میں کہ ہندوؤں کے تمام اوتار جو ہندوستان میں آئے، کیا یہ سب خدائے عزوجل کی طرف سے مبعوث تھے یا خود نمائی کرتے تھے؟ آپ مفصل تحریر کریں۔

المستفتی ۲۷۰۳ سید خورشید حسن صاحب (کلکتہ) ۲۹ محرم ۱۳۶۱ھ م ۱۶ فروری ۱۹۴۲ء

(۹۶) **جواب** اوتاران ورشیان کہ در ہندوستان آمدند حالاتِ ایشاں باسانیدِ معتبرہ مایان را نرسیدہ وحالاتے کہ در کتبِ ہنود یافتہ می شود قابلِ اعتماد نیست، ازیں جہت امکان است کہ در ایشاں شخصے صحیح العقیدہ وصحیح الاعمال ہم باشد واز جانب حق تعالیٰ مبعوث ہم باشد زیراکہ قول باری تعالیٰ وَ لِكُلِّ قَوْمٍ هَادٍ مقتضی ایں امراست کہ در ہندوستان ہم از جہتِ حق ہادی ورہنما آمدہ باشد لیکن ما شخصے معین را ازیں اوتاران نبی ومرسل ومبعوث ندانیم ونہ گوئیم واعتقاد نہ کنیم تاوقتیکہ نبوتِ او ثابت نہ شود وحالاتِ او ونوعیت تعلیم او بدلائلِ یقینیہ بہ ثبوت نہ رسد

پس کسانے کہ سری کرشن را نبی می دانند خاطی ہستند چہ برنبوت سری کرشن دلیلے در ادلۂ شرعیہ موجود نیست وہمچنیں حال دیگر پیشوایان واوتارانِ ہنود ہست

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ

(ترجمہ) جو اوتار اور رشی ہندوستان میں آئے ان کے حالات معتبر ذرائع سے ہم تک نہیں پہنچے ہیں۔ اور جو حالات کہ ہندوؤں کی کتابوں میں ملتے ہیں قابلِ اعتماد نہیں ہیں اور اس صورت میں اس امر کا امکان ہے کہ ان میں سے کوئی شخص صحیح العقیدہ اور صحیح الاعمال بھی ہو، اور حق تعالیٰ کی طرف سے مبعوث بھی ہو کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان "ولکل قوم ہاد" کا مقتضا یہی ہے کہ ہندوستان میں بھی اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہادی اور رہنما ضرور آیا ہوگا لیکن ہم ان اوتاروں میں سے کسی خاص شخص کو نہ مبعوث جانتے ہیں نہ کہہ سکتے ہیں، نہ اعتقاد رکھ سکتے ہیں جب تک کہ اس کی نبوت کا ثبوت ہمیں نہ مل جائے۔ اور اس کے حالات اور تعلیم کی نوعیت قطعی دلائل سے معلوم نہ ہو جائے۔

پس جو لوگ سری کرشن کو نبی مانتے ہیں وہ غلطی پر ہیں۔ کیونکہ سری کرشن کی نبوت پر ادلۂ شرعیہ میں کوئی دلیل موجود نہیں۔ اور یہی حکم ہندوؤں کے دیگر پیشواؤں اور اوتاروں کے متعلق بھی ہے

سوال

حدیث شریف میں ہے کہ شیطان خواب میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شکلِ مبارک

بن کر اپنے کو نہیں دکھلا سکتا۔ کیا اسی طرح دوسرے انبیاء کی شکل بنا کر خواب میں نہیں آسکتا؟

المستفتی نمبر ۲۷۳۹ ابراہیم اسمٰعیل پٹیل۔ علی پور دایا بلیمورہ ضلع سورت ۸ ذی الحجہ ۱۳۶۱ھ ۱۹۴۲ء

(۹۷) **جواب** حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی صورت پر متمثل نہ ہونا تو صراحۃً احادیث میں وارد ہے۔ مگر کسی روایت میں دوسرے انبیاءؑ کی تصریح نہیں ملی۔ ہاں علامہ مناویؒ نے شرح شمائل میں یہ نقل کیا ہے کہ بعض شراح مصابیح نے لکھا ہے وَمِثْلُہٗ فِی ذٰلِکَ جَمِیْعُ الْاَنْبِیَاءِ وَالْمَلٰئِکَۃِ یعنی اس بارے میں آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرح اور انبیاء اور ملائکہ کی رویت کا بھی یہی حکم ہے۔

واللہ اعلم۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہٗ دہلی۔

سوال

زید تقریباً پندرہ سال سے خواجہ معین الدین چشتی رحمۃ اللہ علیہ کی سجادگی پر مامور ہے۔ اس تمام عرصے میں تمام مجالس میں خواہ وہ ہفتہ وار ہوں یا ماہانہ یا سالانہ درگاہ شریف کے مقررہ نعت خواں حضرت خواجۂ خواجگانؒ کی شان میں نواب خادم حسین کی تصنیف کردہ ایک نظم پڑھا کرتے تھے جس سے صوفیائے کرام اور علمائے طریقت کافی متاثر و محظوظ ہوتے رہے۔ سجادہ صاحب موصوف اکثر ان مجالس میں خود رونق افروز ہوتے تھے۔ ایک مجلس میں سجادہ صاحب موصوف کی طرف سے ان کے صاحبزادے جانشینی فرما رہے تھے اور قوال نظمِ مذکورہ پڑھ رہے تھے۔ جب تیسرا شعر پڑھا گیا تو صاحبزادہ صاحب نے اس کی تکرار سے منع فرمایا۔ نظم کے اشعار یہ ہیں:۔

قبلۂ عاشقاں معین الدین ۔۔۔ کعبۂ عارفاں معین الدین
حامیٔ بے کساں معین الدین ۔۔۔ رہبرِ کاملاں معین الدین
نائبِ مصطفےٰ و دین کشور ۔۔۔ رشکِ پیغمبرانؑ معین الدین
بہرِ تسکین روح اے خادم ۔۔۔ از دل و جاں بخواں معین الدین

درخواست ہے کہ "رشک پیغمبراںؑ" کی تشریح اور اس کے جواز و عدم جواز کے متعلق شریعت کا حکم مدلل تحریر فرمائیں۔ المستفتی نمبر ۲۷۷۹ سید امتیاز علی حال وارد دہلی مورخہ ۱۹ رجون ۱۹۴۴ء م ۱۳۶۳ھ

(۹۸) **جواب** "رشک پیغمبراں معین الدین" قابل ترک ہے۔ اس میں انبیاء علیہم السلام کی شان میں سوئے ادب کا پہلو واضح ہے۔ خواجہ اجمیری رحمۃ اللہ علیہ بہر حال امتی تھے۔ اور امتی خواہ کتنا ہی اعلیٰ ہو جائے، پیغمبر کی ذات گرامی سے نیچا ہی رہتا ہے۔ اس لئے خواجہ تو خواجہ حضرت صدیق و فاروق، ذوالنورین و حیدر رضی اللہ عنہم کو بھی رشک پیغمبراں نہیں کہہ سکتے۔ انبیاء علیہم السلام نے اگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی امت میں ہونے کی تمنا کی تو اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ وہ حضورؐ کی امت کے کسی ایسے فرد سے کم درجہ ہو جائیں جو نبوت کی فضیلت سے بہرہ ور نہیں ہے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام بعد نزول، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی امت کے ایک فرد بھی ہوں گے، اس کے باوجود بنی اسرائیل کے پیغمبر ہونے کی فضیلت کی وجہ سے جو انھیں زمانۂ پیغمبری میں حاصل ہو چکی ہے صدیق و فاروق رضی اللہ عنہم سے افضل ہوں گے۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہٗ دہلی۔

سوال

شب معراج میں ایک شاعر صاحب نے یہ قصیدہ پڑھا کہ نبی صاحب جب معراج کی شب خدا سے ملے تو آپؐ نے خدا سے کہا کہ یا اللہ میری امت کے لیے بخشش و رحمت ہو، تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا کیا آج ہی قیامت کھڑی ہے جو تم امت کے لیے بخشش چاہتے ہو؟۔ ان کا ایسا قصیدہ پڑھنا ہم سامعین کو ناگوار ہوا، اور ہم نے ان سے پوچھا کہ یہ کون سی کتاب میں لکھا ہے تو شاعر صاحب خاموش رہے۔ المستفتی نظیر الدین، امیر الدین۔ مشرقی خاندیس۔

(۹۹) **جواب** یہ بات کہ "اللہ تعالیٰ نے جواب دیا کیا آج ہی قیامت کھڑی ہے جو تم امت کے لیے بخشش چاہتے ہو" ثابت نہیں۔ اس قسم کی غلط روایت بیان کرنا نہیں چاہیے۔ گناہ ہے۔ بیان کرنے والے کو توبہ کرنی چاہیے۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہٗ، دہلی۔

سوال

ایک شخص باہر سے آیا۔ کسی نے پوچھا کہ تم کہاں گئے تھے؟ اس نے کہا کہ میں آسمان پر عیسیٰؑ کی عیادت کے لیے گیا تھا، اس کے سر میں درد تھا اور بخار چڑھا تھا۔ ایسے شخص کا کیا حکم ہے؟

المستفتی ۱۷۱۱ ۲۳ جمادی الثانی ۱۳۵۶ھ م ۳۱ اگست ۱۹۳۷ء۔

(۱۰۰) **جواب** یہ شخص مجنون، یا کاذب یا مسخرہ ہے اور آخری صورت میں اس کے کلام سے استہزاء ٹپکتا ہے جس میں کفر کا قوی خطرہ ہے۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہٗ۔

سوال

(۱) زید ایک بزرگ کو "شمس الکونین" کے لقب سے اعتقاداً مخاطب یا ملقب کرتا ہے اور جو شخص اس اعتقاد میں ہنوز نہ ہو تو وہ اس سے سخت ناراض ہوتا ہے کیونکہ وہ اس کو ملہم سمجھتا ہے۔ عمرو کہتا ہے کہ آقائے دوجہاں سرور کائنات سرکارِ دوعالم تاجدارِ مدینہ سید الکونین وغیرہ الفاظ متکلمینِ اسلام کی اصطلاح میں آقائے دوجہاں سید المرسلین احمد مجتبیٰ محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ بابرکات کے لیے مختص ہیں اور کچھ ایسے مختص ہو چکے ہیں کہ عامۃ المسلمین کا ذہن فوراً ایسے الفاظ پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ اقدس کی طرف متبادر ہو جاتا ہے شمس الکونین بھی اسی قبیل سے معلوم ہوتا ہے ورنہ ملتبس ضرور ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات کے سوا کسی امتی کے لیے ایسے الفاظ کا استعمال خلط مراتب کا باعث ہے اور دھوکہ میں ڈالتا ہے۔ اور فرق مراتب کی اہمیت ظاہر ہے اس لیے ایسے الفاظ سے کسی امتی کو مخاطب کرنا درست نہیں۔ دونوں میں سے کس کا خیال صحیح ہے؟

(۲) سالکانِ راہِ طریقت کے کیا تمام الہامات صحیح اور حجت ہوتے ہیں؟ المستفتی ۲۵۵۵ ۲۰ ذی قعدہ ۱۳۵۸ھ م یکم جنوری ۱۹۴۰ء۔

(۱۰۱) **جواب** (۱) زید کا قول بے شک نامناسب اور حدیث لا تزکوا علی اللہ احداً (او کما قال) کے خلاف ہے۔ عمرو کا قول صحیح ہے۔ کسی بزرگ متبع شریعت شیدائے سنت کی بزرگی کا اعتراف تو ناجائز نہیں، مگر حد سے بڑھ جانا اور آخرت کی نجات کا شخصی طور پر یقینی حکم لگا دینا درست نہیں۔ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسے ہی موقع پر وما یدریک ان اللہ اکرمہٗ فرمایا تھا۔

(۲) اولیاء کے الہام قطعی نہیں، ان میں غلطی کا احتمال ہوتا ہے اور دوسروں کے حق میں ولی کا کوئی الہام حجت نہیں۔ خود ملہم اگر یقین رکھتا ہو کہ اس کا فلاں الہام قطعی من اللہ ہے تو وہ خود اس کے موافق عمل کر سکتا ہے مگر اس کے سوا کسی پر لازم نہیں۔ کسی ولی کے کسی خاص الہام پر کسی مسلمان کو ایمان لانا ضروری نہیں ہے۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہٗ

سوال

رسولِ مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کا سایہ تھا یا نہیں؟ اور بعض جگہ جو آتا ہے کہ سایہ تھا تو اس کا کیا جواب ہے؟ المستفتی غلام احمد عصیر ساکن میانوالی متعلم دار العلوم دیوبند مورخہ ۳۰ رجولائی ۱۹۳۷ء

(۱۰۲) **جواب** - کتب سیرۃ میں یہ بات ذکر کی گئی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا سایہ نہ تھا۔ اور بہت سے علمائے سیرۃ نے اس کو اپنی تصنیفات میں نقل کر دیا ہے۔ اور اس کی دلیل میں حضرت ذکوان رضی اللہ عنہ کی ایک روایت حکیم ترمذیؒ کی کتاب نوادر الاصول سے اور دوسری روایت ابنِ عباس رضی اللہ عنہ کی ابنِ جوزیؒ کی کتاب الوفار سے نقل کی جاتی ہے۔ ذکوانؓ والی روایت کو علامہ ملا علی قاریؒ نے شرح شفاء میں مجروح وضعیف بتایا ہے۔ اور ابنِ عباسؓ کی روایت کی سند معلوم نہیں۔ نہ کتاب الوفا موجود ہے کہ اس میں سند دیکھی جائے۔ مگر خفاجیؒ نے شرح شفاء میں اس کو ان الفاظ سے نقل کیا ہے وھذا رواہ صاحب الوفاء عن ابن عباس رضی اللہ عنہما قال لم یکن لرسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ظل ولم یقم مع شمس الاغلب ضوءہ ضوءھا ولا مع سراج الاغلب ضوءہ ضوءہ - یعنی حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ظل نہ تھا اور جب

حضورؐ دھوپ میں کھڑے ہوتے تو آپؐ کی روشنی سورج کی روشنی پر غالب ہوتی۔ اور جب چراغ کے سامنے ہوتے تو حضورؐ کی روشنی چراغ کی روشنی پر غالب ہوتی۔“

یہ روایت اس مسئلے پر بطور دلیل کے بیان کی گئی ہے۔ مگر صحتِ سند سے قطع نظر کر لینے کے بعد بھی اس روایت کے بطورِ دلیل و حجت کام میں لانے پر شبہات وارد ہوتے ہیں۔ مثلاً کہا جا سکتا ہے کہ ظل کے معنی سایہ کے حدیث میں مراد نہیں بلکہ ظل سے مراد نظیر ہے۔ یعنی لم یکن له صلی اللہ علیہ وسلم نظیر فی کمالاته اُس جملے کی تفسیر ہے جو ابن عباس رضی اللہ عنہ سے منقول ہے۔ اور سورج کی یا چراغ کی روشنی پر حضورؐ کی روشنی کا غالب ہونا روحانی اور وجدانی غلبہ ہے اور اگر حسی غلبہ مراد ہو تو کلام مبالغہ پر محمول ہے۔ جیسے لمھند من سیوف اللہ مسلول۔ میں حضورؐ کا سیف ہونا روحانی یا معنوی طور پر مراد ہے نہ حسی طور پر۔ اور حسی طور پر مراد ہو تو کلام مبالغہ پر محمول ہے۔ (ناتمام)

سوال

(از اخبار الجمعیۃ مورخہ ۲ر اکتوبر ۱۹۲۶ء)

جو شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو زبان سے بندہ کہے اور دل سے نہ کہے وہ کیسا ہے؟

(۱۰۳) **جواب** رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خدا کے بندے اور رسول تھے۔ حضورؐ کو زبان سے بندہ کہنا اور دل سے بھی خدا کا بندہ سمجھنا ضروری ہے۔ جو شخص حضورؐ کو بندہ نہیں سمجھتا تو آخر کیا سمجھتا ہے۔ اور جب زبان سے بندہ کہتا ہے تو دل سے نہ سمجھنے کے کیا معنی ہیں، کیا وہ کلمۂ شہادت کے اس جملے کو دل سے نہیں مانتا۔ وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ۔ یعنی گواہی دیتا ہوں میں کہ محمدؐ خدا کے بندے اور اس کے رسول ہیں۔ کیا وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو عبد کی جگہ معبود قرار دیتا ہے؟ اگر ایسا ہی ہے تو اُس کے ایمان کی خیر نہیں۔ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بشر بھی تھے اور خدا کے بندے اور مخلوق بھی۔ قرآنِ پاک میں آپ کو بندہ اور بشر کہا گیا ہے۔ تمام صحابۂ کرام ائمہ عظام اور علماء و مجتہدین کا یہی مذہب ہے۔ محمد کفایت اللہ غفرلہٗ

سوال

(از اخبار الجمعیۃ مورخہ ۱۴ اپریل ۱۹۲۷ء)

آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا نام مبارک سُن کر دونوں انگوٹھوں کے ناخن چومنا کیسا ہے؟

(۱۰۴) **جواب** حضورِ انور صلی اللہ علیہ وسلم کا اسم مبارک سُن کر انگوٹھوں کو چومنا اور آنکھوں سے لگانا کسی پختہ اور معتبر دلیل سے ثابت نہیں۔

محمد کفایت اللہ غفرلہٗ

سوال

(از اخبار الجمعیۃ دہلی مورخہ ۱۳ نومبر ۱۹۳۴ء)

سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے موئے مبارک اور اولیائے کرام کے خرقۂ مبارک کی زیارت کرنا درست ہے یا نہیں؟

(۱۰۵) **جواب** موئے مبارک اگر اصل ہوں تو ان کی زیارت موجبِ برکت ہے۔ اسی طرح خرقہ کا حکم ہے۔ مگر غلو کرنا جائز نہیں ہے۔

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہٗ

سوال

(از اخبار الجمعیۃ دہلی مورخہ ۱۳ نومبر ۱۹۳۴ء)

(۱) زید کہتا ہے کہ مولود شریف میں آقائے نامدار محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم خود حاضر ہوتے ہیں عمرو کہتا ہے کہ حاضر نہیں ہوتے ہیں بلکہ ہمارا درود بذریعہ ملائکہ آپؐ تک پہنچتا ہے۔ زید نے عمرو کے پیچھے نماز پڑھنا چھوڑ دیا ہے۔

(۲) زید کہتا ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سدرۃ المنتہیٰ سے درگاہِ باری تک حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ کے کندھے پر اپنا قدم مبارک رکھ کر پہنچے ہیں۔

(۱۰۶) **جواب** عمرو کا قول صحیح ہے۔ زید کا قول بے دلیل اور شرعی اصول کے لحاظ سے غلط ہے۔ عمرو صحیح العقیدہ ہے اُس کے پیچھے نماز جائز ہے بلکہ اَدلیٰ ہے۔

(۲) یہ بات بھی بے دلیل اور شرعی اصول کے خلاف ہے۔

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہٗ۔

سوال

زید کہتا ہے کہ رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کے بول و براز اور لہو کو لوگ استعمال نہیں کرتے تھے اور دھوکے سے کسی نے استعمال کر لیا ہو تو ہو سکتا ہے کہ اس نے نفع پہنچایا ہو لیکن اس کے پاک و حلال ہونے کا کوئی حکم نہیں ہے۔

(۱۰۷) **جواب** ۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے فضلات طیبہ کی طہارت کے بہت سے علمائے شافعیہ و حنفیہ قائل ہیں مگر یہ مسئلہ قیاس کی حدود سے باہر ہے اور اس میں کلام کرنا مفید نہیں جو لوگ طہارت فضلات کے قائل نہیں وہ عمومات شرعیہ سے استدلال کرتے ہیں اور جو قائل ہیں وہ تخصیص کا طریقہ اختیار کرتے ہیں۔ ولکل وجهة هو موليها فاستبقوا الخيرات۔ محمد کفایت اللہ

تیسرا باب

ملائکہ علیہم السلام

سوال

اللہ تعالیٰ نے جو روزی سب بندوں کی لوح محفوظ پر مقرر کی ہے اور شب برات پندرہ تاریخ کو ایک برس کی روزی لوح محفوظ سے بندوں کو تقسیم کی جاتی ہے تو یہ روزی بذریعہ فرشتوں کے تقسیم کی جاتی ہے یا بذریعہ نبی یا رسول کے پہونچائی جاتی ہے۔ اگر فرشتوں کے ذریعے سے تقسیم ہوتی ہے تو اس فرشتے کا کیا نام ہے جو روزی تقسیم کرتا ہے سال بھر کی۔

المستفتی نمبر ۹۱۳ حافظ محمد علی احمد آباد۔ ۱۲ صفر سنہ ۱۳۵۵ھ م ۴ مئی سنہ ۱۹۳۶ء

(۱۰۸) **جواب** ۔ ایک روایت کے بموجب ۱۵ شعبان کو سال بھر کے انتظامات فرشتوں کو بتا دیئے جاتے ہیں، جن میں ہر بندے کی روزی کی مقدار اور اس کی بہم رسانی کی کیفیت بھی ہوتی ہے۔ یہ مطلب

نہیں ہے کہ سال بھر کی روزی ہر بندے کو اس ایک رات میں دیدی جاتی ہے۔ روزی بہم پہونچانے کے محکمہ کے افسر حضرت میکائیل علیہ السلام ہیں۔ پھر ان کے ماتحت اتنے فرشتے کام کرتے ہیں جن کی تعداد اللہ کے سوا کسی کو معلوم نہیں۔ یہ فرشتے حضرت میکائیلؑ کی ہدایتوں کے بموجب اللہ کی بیشمار مخلوق اور بندوں کی روزی رسانی کا انتظام کرتے ہیں۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہٗ

سوال

(از اخبار سہ روزہ الجمعیۃ دہلی مورخہ ۵ جون ۱۹۳۴ء)

ملائک جو بقول اہلِ اسلام اجسامِ نوریہ ہیں۔ اور عقول جو بقول فلاسفہ مجردات غیر اجسام ہیں کیا ان دونوں کے مصداق ایک ہے، تو اہلِ اسلام دونوں کو کیوں نہیں مانتے؟ یا جُدا جُدا ہے تو بعض نے اس تعبیر" الفن الثالث فی الملائکۃ وھی العقول المجردۃ الخ" سے کیوں لکھدیا ہے؟

(۱۰۹) **جواب** ملائکہ اجسامِ نوریہ ہیں (درحقیقت ناریہ ہیں مگر ان کا مادۂ نار مصفاۃ مثل نور کے ہے۔ اس لیئے ان کو اجسامِ نوریہ سے تعبیر کردیا گیا ہے) اور فلاسفہ جن عقولِ مجردہ کے قائل ہیں وہ ان سے جداگانہ مجردات کے دائرہ میں ہیں۔ ملائکہ کے بیان میں جہاں یہ کہدیا ہے وھی العقول المجردۃ یہ مسامحت ہے اور اس کا منشاء یہ ہے کہ اہلِ اسلام جو قوتیں اور افعال کہ ملائکہ کے لیئے ثابت کرتے ہیں فلاسفہ اس طرح کے قویٰ اور افعال عقول مجردہ کے لیئے مانتے ہیں اور عقولِ مجردہ کے علاوہ وہ کسی ایسی مادّی مخلوق کے قائل نہیں جن کو ملائکہ کہا جاتا ہے۔ یہ مطلب نہیں ہے کہ فلاسفہ کی مانی ہوئی عقولِ مجردہ اور اسلام کے مانے ہوئے ملائکہ درحقیقت ایک شے ہیں۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ دہلی

چوتھا باب

معجزات و کرامات

سوال

(۱) آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی مُردوں کو زندہ کیا ہے یا نہیں؟
(۲) رسولِ مقبول روحی فداہ کا سایہ زمین پر پڑتا تھا یا نہیں؟
(۳) رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے چاند کو شق کیا ہے یا نہیں؟
(۴) رسولِ کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے مُردہ زندہ کرنے کو خداوند تعالیٰ نے کلام مجید میں منع فرمایا ہے، اگر منع فرمایا ہے تو کیوں؟ جب کہ آپؐ کے غلاموں نے مُردہ زندہ کیا تو آپؐ کو کیوں منع کیا گیا؟۔

(۱۰۱) **جواب** کسی صحیح روایت سے اس کا ثبوت نہیں ملتا کہ آپؐ نے مُردے کو زندہ کیا ہو، اور نہ اس کے متعلق کچھ ذکر ہے کہ آپؐ کا سایہ زمین پر نہ پڑتا تھا۔ ہاں **معجزہ** شق القمر ثابت ہے اس میں کچھ تردد نہیں۔

سوال

جو شخص خدا اور رسولؐ پر ایمان رکھتا ہے اور جمیع صحابہ کرام و اولیاء عظام کا معتقد ہے مگر صرف ولی کی کرامت کا منکر ہے۔ آیا یہ شخص کافر ہوتا ہے یا نہیں؟

المستفتی نمبر ۱۲۴۷ سلیمان کشمیری ۱۶ رمضان ۱۳۵۵ھ م ۲ دسمبر ۱۹۳۶ء

(۱۱۱) **جواب** ولی کی کرامت کا انکار کس جہت سے ہے۔ اگر کسی خاص ولی کی طرف کوئی خاص کرامت منسوب ہو اور شہرت پا گئی ہو، اس کا کوئی انکار کردے اور انکار کی جہت یہ ہو کہ اس کرامت کا ثبوت منکر کے نزدیک قابلِ اعتماد نہ ہو تو اس صورت میں اگر فی الحقیقت وہ کرامت ثابت

اور متحقق نہ ہو تو منکر حق پر ہے، لیکن اگر کرامت کا تحقق بھی ہو جب بھی منکر کا انکار عدم علم پر مبنی ہو زیادہ سے زیادہ اس کو خاطی کہہ سکتے ہیں۔ اور اگر کوئی کرامت کا انکار اس بناء پر کرتا ہے کہ اولیاء اللہ سے کوئی امر خارق للعادۃ ظاہر ہی نہیں ہو سکتا تو یہ شخص اہل سنت والجماعت کے مذہب کے خلاف ہوگا کیونکہ اہل سنت والجماعت کے نزدیک کرامات اولیاء اللہ کا ثبوت اور تحقق حق ہے مگر اس بات پر تکفیر نہیں کی جا سکتی۔ فقط محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ دہلی

سوال

آیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا معجزہ یعنی پائے مبارک حضرت خاتم النبوت صلی اللہ علیہ وسلم کے نیچے پتھر کا موم ہو کر قدم پاک کا نقشہ پتھر پر آ جانا کہیں صحاح ستہ یا دوسری حدیث کی کتابوں یا دیگر معتبر یا غیر معتبر کتابوں سے ثابت ہوتا ہے یا نہیں؟۔

المستفتی نمبر ۱۴۰۴ شہاب الدین (مالدہ) ۷ رصفر ۱۳۵۶ھ م ۱۸ اپریل ۱۹۳۷ء۔

جواب (از نائب مفتی دارالعلوم دیوبند) آجکل جو بعض لوگ ایک نشان لیے پھرتے ہیں اور اس کو نقش اور نشان قدم مبارک آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا بتاتے ہیں۔ یہ قول ان کا صحیح نہیں ہے۔ یہ نشان مصنوعی اور بناوٹی ہے۔ فقط واللہ اعلم۔

مسعود احمد نائب مفتی دارالعلوم دیوبند ۲۹ رشعبان ۱۳۵۵ھ

جواب (از حضرت شیخ الاسلام مولانا السید حسین احمد مدنی قدس سرہٗ)۔ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزات بہت زیادہ اور نہایت عظیم عظیم ہیں۔ ان کے سامنے پتھر کا مثل موم بن جانا اور نقش قدم اس پر پڑ جانا کوئی حیثیت نہیں رکھتا۔ یہ تو ادنی بات ہے۔ مگر اس وقت تک میری نظر سے کسی حدیث یا سیر کی کتابوں میں سے کسی کتاب میں یہ معجزہ نہیں گذرا۔ واللہ اعلم

حسین احمد غفرلہٗ ۲۸ ر ذی الحجہ ۱۳۵۵ھ (مہر دیوبند)

(۱۱۲) **جواب**۔ حضرت مفتی اعظم رحمۃ اللہ علیہ) اگرچہ پتھر پر نشان قدم مبارک آں حضرت صلی اللہ

علیہ وسلم کا بطورِ معجزہ کے نقش ہو جانا مستبعد نہیں۔ مگر اس کے باور کرنے کے لئے سند اور روایت کی ضرورت ہے اور ایسی کوئی سند اور روایت نظر میں نہیں آئی۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہٗ

سوال

تذکرۂ حضرت سائیں توکل شاہ قدس سرہ میں لکھا ہے کہ ایک روز کسی نے عرض کیا کہ حضور اللہ تعالیٰ کی طرف سے تمام اولیاء اللہ کو ایک لقب عنایت ہوتا ہے، آپ کا بھی تو کوئی لقب اللہ تعالیٰ کے حضور میں ہوگا، فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حضور میں تو ہمیں انبالہ والا میت کہتے ہیں اور عرش کے اوپر ہمارا لقب حبیب الرحمٰن پکارا گیا ہے جیسا کہ مجدد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو عبدالرحمٰن پکارا گیا ہے، مرزا جانِ جاناں صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو حبیب الرحمٰن پکارا گیا، شمس عرفان، شمسِ کونین۔ خواجہ قادر بخش رحمۃ اللہ علیہ کو، زید کہتا ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لقب میں التباس آتا ہے۔ المستفتی نمبر ۲۵۵۹ نور احمد بازار فتحپوری دہلی۔ ۳ ذی الحجہ ۱۳۵۸ھ م ۱۴ جنوری ۱۹۴۰ء

(۱۱۴۳) **جواب** یہ بزرگوں کی باتیں ہیں ان کے کشف ہیں جو شرعی طور پر دلیل نہیں ہیں اور اگر یہ بات صحیح بھی ہو تو التباس کا شبہ نہیں ہو سکتا، کیونکہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا لقب مبارک حبیب اللہ ہے۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہٗ دہلی

سوال

کتب مناقبِ غوث الاعظمؒ میں بعض کرامات ایسی ہیں کہ جن سے صفاتِ ربانیہ کا اطلاق مثلاً مارنا، جلانا وغیرہ بڑے پیر صاحبؒ پر بھی لازم آتا ہے، کیا ان صفاتِ مذکورہ میں سے خدا کی مخلوق کا کوئی فردِ آدم تا ایندم شریک ہو سکتا ہے، کیا ان صفات کا اطلاق جزئی یا کلی یا عطائی یا کسی صورت میں مخلوقِ خدا پر ہو سکتا ہے؟

مثلاً[۱] بارہ برس کے غرق شدہ جہاز کا بمع مال و اسباب و آدمیوں کے صحیح سالم برآمد ہونا۔ یا[۲] حضرت عزرائیل علیہ السلام سے روحوں کے تھیلے کا چھین لیا جانا۔ مرغا[۳] تناول فرمانے کے بعد زندہ کر دینا، جلا دینا۔ کرامت[۴] غوث الاعظم تبدیل شدنِ صورت، کذافی بستان سنی ص ۲۲۹ مطبع کریمی بمبئی یا[۵] آپ کا خاص آفتاب سماوی پر سوار ہونا کذافی ایضاً ص ۲۳۲ و کرامت[۶] ایشاں کہ پسرِ ضعیفہ غرق شدہ بود باز زندہ شد ص ۲۳۳۔ کرامت[۷] زندہ شدن شوہر زنِ بیوہ ص ۲۴۰۔ کرامت[۸] کہ یازدہ دختران شخصے مردانہ گشتند ص ۲۴۲ و[۹] کامل ایک گائے فربہ کو ایک ہی وقت تناول فرمانا۔ کذافی گلدستہ کرامات لغلام سرور۔ اسی[۱۰] میں ہے کہ ایک طبیب نصرانی آپ کا قارورہ دیکھ کر ایمان لایا اور کہا کہ ما ھذا المرض الامرض عشق الالہی۔ کیا یہ ممکن ہے کہ کفار مکہ و عرب شب و روز متواتر جمالِ نبوی کو دیکھیں اور ایمان نہ لاویں اور طبیب نصرانی مذکور کو بہ طفیلِ پیشاب ایمان نصیب ہو (معاذ اللہ)

کتاب شیر الوجد فی اخبار النجد میں عبدالوہاب نجدی کو حنبلی المذہب لکھا ہے، آپ کی کیا تحقیق ہے؟۔ سنتا ہوں کہ بڑے پیر صاحب بھی حنبلی تھے بلکہ کتاب "غنیۃ الطالبین" میں بڑے پیر صاحبؒ حضرت امام حنبلؒ کا ذکر ادب سے اس طرح کرتے ہیں کہ قال امامنا و اماتنا علی مذھبہ اصلاً و فرعاً۔ کیا مذہب حنبلی کے کسی اصول و فروع کی میزان پر ان کی کرامات کی تصدیق ہوتی ہے۔ کیا وجہ ہے کہ عبدالوہاب نجدی اور بڑے پیر صاحبؒ متحد المذہب یعنی حنبلی ہوں پھر مقدم الذکر کافر مطلق اور مؤخر الذکر مؤمن مطلق۔

المستفتی نمبر ۲۷۲۶ مولوی سلطان احمد علی گڈھی۔ (بالاسور) ۸ رجب الثانی ۱۳۶۱ھ م ۲۳ جون ۱۹۴۲ء

(۱۴۳) **جواب** یہ تمام کرامتیں جو غوث الاعظم رحمۃ اللہ علیہ کے متعلق آپ نے نقل فرمائی ہیں بے اصل اور بے سند اور ناقابلِ اعتماد ہیں، لوگوں نے ان کے مناقب و فضائل بیان کرنے میں سند اور صحت کا لحاظ نہیں رکھا اور حد سے زیادہ غلو کیا ہے۔ ماہرینِ شریعت پر یہ مخفی نہیں کہ اس قسم کی کرامتیں بیان کرنے کا مہلک اثر یہ ہوا ہے کہ عوام بڑے پیر صاحبؒ میں خدائی قوتوں کے قائل ہو گئے اور ان کو پیغمبروں اور خصوصاً آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے افضل و اعلیٰ ماننے لگے اور خدائی منصب پیران کو پہنچا دیا اور اس کی وجہ سے ان کا دین برباد ہو گیا۔ والی اللہ المشتکےٰ

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہٗ دہلی۔

سوال

مندرجۂ ذیل معجزوں کو ہمارے پیش امام بیان کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ سب جھوٹ ہے اور حضورؐ کی شان میں توہین کرتے ہیں جس سے مسلمانوں پر بڑا رنج و ملال ہو رہا ہے۔

معجزہ ۱۔ حضورؐ کا جھاڑا پیشاب زمین نگل جاتی تھی۔

معجزہ ۲۔ غارِ حرا میں آپؐ حضرت علیؓ کے زانو پر آرام فرما رہے تھے اس میں حضرت علیؓ کی نمازِ عصر قضا ہو گئی۔ آپؐ نے اشارہ کیا، ڈوبا ہوا سورج پھر نکل آیا۔ حضرت علیؓ نے نمازِ عصر ادا کرلی۔

معجزہ ۳۔ حضرت جابرؓ کی دعوت اور ان کے لڑکوں کا مذبوح ہونا اور آپؐ کا خدا سے دعا کرکے زندہ کرنا۔

معجزہ ۴۔ حضورؐ کی پیدائش کے وقت کسریٰ کے محل کے کنگوروں کا گرنا۔

معجزہ ۵۔ آپؐ نورانی تھے اور آپؐ کے نور کی روشنی سے سورج پشیمان رہا کرتا تھا۔

معجزہ ۶۔ حضرت عائشہ صدیقہؓ کی سوئی رات کے وقت مکان میں گر گئی۔ حضورؐ تشریف لائے، آپؐ کے دندانِ مبارک کی روشنی سے سوئی حضرت عائشہؓ نے اٹھالی۔ ان معجزوں کو امام صاحب جھوٹ بتلاتے ہیں اور کہتے ہیں کہ دائی حلیمہ نے حضرتؐ کو دودھ پلایا تھا یہ بھی غلط ہے۔

گیارہ مجالس جو کتاب حضرت پیرانِ پیر سید عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ کی کرامتوں کے بیان میں لکھی ہوئی ہے، اس کو پڑھنا پڑھانا درست ہے یا نہیں؟۔

(۱۱۵) **جواب** جو امور سوال میں مذکور ہیں ان میں سے دائی حلیمہ کا حضورؐ کو دودھ پلانا تو ثابت ہے باقی معجزوں کا پختہ ثبوت موجود نہیں ہے۔ سیرۃ کی کتابوں میں ان معجزات کا ذکر ہے مگر ان کی سندیں صحت کے درجے تک نہیں پہنچیں۔ گیارہ مجالس جو کتاب ہے وہ بھی بہت سی غیر مستند باتوں پر مشتمل ہے۔ اس کے تمام بیانات قابلِ یقین نہیں ہیں۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہٗ، دہلی

(۱۱۶) **جواب دیگر** یہ کہنا تو نہیں چاہیئے کہ یہ معجزات جھوٹے ہیں، مگر یہ کہنا صحیح ہے کہ یہ معجزے جن روایتوں سے ثابت ہوتے ہیں وہ روایتیں ضعیف ہیں۔ اگر کوئی ان معجزات پر یقین نہ کرے اور کہے

کہ ان کی روایتیں ضعیف ہیں تو اُس پر کوئی الزام نہیں ، اور جو ان معجزات کو مانے وہ بھی الزام رکھنے کے قابل نہیں۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہٗ دہلی

سوال

(از اخبار الجمعیۃ سہ روزہ دہلی مورخہ ۱۰ اپریل ۱۹۲۷ء)

الحمدللہ میں نے جناب کی کتاب "تعلیم الاسلام" کا تیسرا حصہ دیکھا۔ اس میں معجزہ اور کرامت کی تعریف صفحہ ۱۵ پر کی گئی ہے اور پھر معجزوں میں حضرت عیسیٰؑ اور حضرت موسیٰؑ کے معجزے بیان فرما کر رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزے بیان کیے ہیں۔ کلامُ اللہ کہ جس کی مثل کوئی نہیں بنا سکا" کیا معجزے پر ہر وقت قادر ہونا اور جب چاہنا اُس کو دکھانا بھی لازمی ہے یا نہیں؟ جیسا کہ حضرت عیسیٰؑ ہر وقت ہر روز اپنے معجزے سے کام لیتے تھے۔ کیا رسولِ پاکؐ بھی آیاتِ قرآنی کے ہر وقت نزول پر قادر تھے؟ ۔ معراج معجزہ ہے فرمایئے یہ معجزہ کس کو دکھایا گیا؟ کیا یہ بھی رسولِ مقبولؐ کی قدرت میں تھا؟ شق القمر۔ بہت سی باتیں فرماتے تھے جو بعد میں ٹھیک ہو جاتی تھیں۔ کیا یہ معجزہ ہے؟ مجھ ملعون کو ان کے صحیح ہونے میں شبہ ہے۔ بندہ حکیم احسان الحق از انبالہ۔

(۱۷) **جواب** تعلیم الاسلام میں حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزات میں سے پہلے نمبر پر قرآن مجید کو ذکر کیا ہے۔ اس کے متعلق جناب کے استفسار کا خلاصہ جو میں سمجھا ہوں وہ یہ ہے کہ "کیا معجزہ دکھانے والے کا ہر وقت معجزے پر قادر ہونا ضروری ہے یا نہیں؟ اگر جواب اثبات میں ہو تو کیا حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم ہر وقت آیاتِ قرآنی نازل کر لینے پر قادر تھے"۔

آپ کا مطلب غالباً یہ ہوگا کہ چونکہ دوسری تردید کا جواب نفی میں ہے یعنی حضورؐ ہر وقت تنزیلِ قرآن پر قادر نہ تھے اس لیے قرآنِ پاک کو معجزے میں داخل کرنے کی صورت یہ ہے کہ تردیدِ اول میں نفی کی شق کو اختیار کیا جائے یعنی کہا جائے کہ معجزہ دکھانے والے کا ہر وقت معجزے پر قادر ہونا ضروری نہیں۔ اور اس میں آپ کو تامل ہے جو آپ کی اس عبارت سے معلوم ہوتا ہے "جیسا کہ حضرت عیسیٰ ہر وقت ہر روز اپنے معجزے سے کام لیتے تھے"۔ یعنی آپ کے خیال میں ضروری ہے کہ معجزہ دکھانے والا ہر وقت معجزہ دکھانے پر قادر ہو۔ اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے معجزوں کو آپ اس لیے معجزہ سمجھتے ہیں کہ وہ ہر وقت ہر روز اپنے معجزہ سے کام لیتے تھے۔

اس کے جواب میں عرض ہے کہ تعلیم الاسلام حصہ سوم میں معجزے کی جو تعریف کی گئی ہے اگر آپ اس پر غور فرما لیتے تو یہ شبہات پیدا ہی نہ ہوتے۔ ملاحظہ فرمایئے تعلیم الاسلام حصہ سوم میں معجزے کی تعریف یہ کی گئی ہے "اللہ تعالیٰ اپنے پیغمبروں کے ہاتھ سے کبھی کبھی ایسی خلافِ عادت باتیں ظاہر کرا دیتا ہے جن کے کرنے سے دنیا کے اور لوگ عاجز ہوتے ہیں تاکہ لوگ ایسی باتوں کو دیکھ کر سمجھ لیں کہ یہ خدا کے بھیجے ہوئے ہیں۔" اس تعریف سے یہ باتیں صاف طور پر سمجھ میں آتی ہیں۔

(الف) معجزہ انھیں چیزوں کو کہا جاتا ہے جو عادۃ جاریہ کے خلاف اور انسانی طاقت سے باہر ہوں۔

(ب) جس نبی یا رسول کے ذریعے سے وہ ظاہر ہوتا ہے وہ نبی یا رسول بھی اپنی طاقت اور قدرت سے ظاہر نہیں کرتا، بلکہ خدا تعالیٰ اس کے ذریعے سے ظاہر کراتا ہے۔

(ج) معجزہ کا ہر وقت اور ہر روز ظاہر ہونا ضروری نہیں۔ اگر کوئی خلافِ عادت بات صرف ایک ہی مرتبہ ظاہر ہوئی ہو، جب بھی وہ معجزہ کہلائے گی جیسے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے لئے دریائے نیل کا خشک ہو جانا یا حضرت ابراہیم علیہ السلام کا آگ میں ڈالے جانے کے بعد محفوظ رہنا۔ وغیرہ۔

جو لوگ یہ سمجھتے تھے کہ پیغمبروں کو معجزے دکھانے پر خود قادر ہونا چاہئے اور جو معجزہ جس وقت طلب کیا جائے دکھا دینا چاہئے۔ اور اس غلط خیال کی بنا پر عجیب و غریب معجزات طلب کرتے تھے، ان کے اس غلط خیال کی اصلاح کے لئے رب العزۃ جل شانہ نے اپنے حبیب پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی زبانِ مبارک سے یہ کلماتِ طیبات کہلوا دیئے:۔

قل سبحان ربی ھل کنت	(ترجمہ) اے محمد! ان معجزہ طلب کرنے والوں سے کہدو کہ پاک ہے
الا بشرا رسولا۔	میرا پروردگار، میں تو صرف اس کا پیغام پہنچانیوالا انسان ہوں

یعنی معجزات ظاہر کرنے کی قدرت اسی ذات پاک کو ہے۔ تمہارا یہ خیال غلط ہے کہ نبی اسی وقت نبی مانا جا سکتا ہو جبکہ وہ ہر طلب کیے ہوئے معجزے کو دکھانے پر قادر ہو۔ اور دکھا دے۔

قرآن کے معجزہ ہونے کی جہت یہ ہے کہ اس کی ایک چھوٹی سی سورۃ کے مثل بھی کوئی نہ بنا سکا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک ایسا کلام پیش کیا جو اگر خود حضور ؐ کا کلام ہوتا تو دوسرے انسان بھی بنا سکتے لیکن بڑے بڑے فصحا و بلغا کے عاجز رہنے سے ثابت ہوا کہ ایسا کلام بنانا انسانی طاقت سے باہر ہے

اور قرآن پاک پر معجزے کی تعریفِ مذکور اس طرح بخوبی صادق آگئی کہ خدا تعالیٰ نے حضور ﷺ کے ذریعے سے ایک خارق عادت کلام مخلوق کے سامنے پیش کرایا جس کے مثل لانے سے دوسرے بڑے بڑے فصیح و بلیغ انسان عاجز رہے۔ اور قرآن مجید کا یہ اعجاز ہر وقت ہر زمانے میں قائم اور علیٰ حالہٖ موجود ہے اور قیامت تک رہے گا یعنی یہ ایسا زندہ معجزہ ہے کہ جس دن سے پیش کیا گیا ہے اس دن سے قیامت تک موجود اور قائم رہے گا۔

اگر بالفرض معجزے کے لئے یہ بھی ضروری ہوتا کہ معجزہ دکھانے والا ہر وقت اسے ظاہر کر سکے تب بھی قرآن پاک کے متعلق کوئی شبہ نہیں ہو سکتا تھا کیونکہ اس کی تو ہر چھوٹی سے چھوٹی سورۃ بھی ہر وقت معجزہ ہے اور جہت اعجاز اس میں موجود ہے اور تحدّی برابر قائم ہے۔

آپ نے یہ کیا کہا کہ "کیا حضور ہر وقت آیاتِ قرآنی کے نزول پر قادر تھے" معجزے کو ہر وقت ظاہر کرنے کے ضروری مان لینے کی صورت میں بھی یہ سوال وارد نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ ایک مرتبہ کا اُتارا ہوا کلام پاک وقتِ نزول سے قیامت تک معجزہ ہے۔ آپ اُسی اُترے ہوئے کلامِ پاک کو ہر وقت ہر روز تحدّی کے ساتھ پیش فرما سکتے تھے۔ اس لحاظ سے گویا صاحبِ معجزہ ہر وقت معجزہ دکھا سکتے تھے۔

یہ ممکن ہے کہ بعض معجزات ایسے طور پر عنایت فرمائے جائیں کہ صاحبِ معجزہ ہر وقت انھیں ظاہر کر سکے اور ان سے کام لے سکے۔ لیکن تمام معجزوں کے لئے یہ ضروری نہیں۔ اور اگر ہر وقت ظاہر کرکے کام لیا جائے تاہم وہ معجزے خدا تعالیٰ کے ظاہر فرمانے سے ہی ہر وقت ظاہر ہوں گے۔ صاحبِ معجزہ یعنی معجزہ ظاہر کرنے والا پیغمبر مستقل طور پر براہِ راست اس پر قادر نہیں۔

اور یہ کہاں سے آپ نے معلوم کیا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام ہر وقت ہر روز اپنے معجزے سے کام لیتے تھے۔ مجھے تو کوئی ایسی دلیل نہیں معلوم جس سے ہر وقت ہر روز ان کا اپنے معجزے سے کام لینا ثابت ہوتا ہو۔ براہِ مہربانی اس کتاب کا حوالہ دیجئے جہاں آپ نے یہ مضمون دیکھا ہے۔

معراج کے متعلق آپ نے یہ شبہ ظاہر فرمایا ہے کہ یہ معجزہ کس کو دکھایا گیا؟ اور کیا یہ بھی رسولِ مقبول ﷺ کی قدرت میں تھا؟ اس شبہ کا ازالہ بھی اس طرح فرمالیجے کہ معراج کا معجزہ ہونا اس بنا پر ہے کہ ایک انسان کا ایک رات میں تمام عالم ملکوت کی سیر کر آنا ایسی بات ہے جس سے تمام انسان عاجز ہیں۔ اگر کسی کو یہ شبہ ہو کہ معراج کا ہونا بھی ثابت ہے یا نہیں؟ تو وہ اس کا ثبوت طلب

کرسکتا ہے لیکن جو شخص معراج کے ہونے کو صحیح تسلیم کرتا ہے وہ اس کے معجزہ ہونے میں کسی طرح شبہ نہیں کرسکتا۔ رہا حضورؐ کی قدرت میں ہونا نہ ہونا اس کے متعلق مفصل بیان اوپر گذر چکا۔

معجزہ۳ شق القمر۔ بہت سی باتیں فرماتے تھے جو بعد میں ٹھیک ہو جاتی تھیں۔ "کیا یہ معجزہ ہے؟ مجھ ملعون کو ان کے صحیح ہونے میں شبہ ہے"۔

ان دونوں نمبروں میں آپ کو معلوم نہیں کیا شبہ ہے۔ آیا آپ معجزۂ شق القمر کا واقع ہونا تسلیم نہیں کرتے؟ شبہ اس میں ہے کہ شق القمر ہوا یا نہیں؟ اگر یہ بات ہو تو میں اس کے متعلق آپ کو قرآنِ پاک کی آیت اقتربت الساعۃ وانشق القمر اور اس کی تفسیر کی اور کتب احادیث وسیر کی طرف توجہ دلاتا ہوں۔ اگر جناب چاہیں گے تو میں شق القمر کا کافی ثبوت پیش کردوں گا۔ اور اگر آپ شق القمر کو تسلیم کرتے ہیں مگر اس کو معجزہ سے تعبیر کرنے میں تامل ہے تو یہ شبہ معجزہ کی تعریف اور ہماری بیان کی ہوئی تفصیل پر غور کرنے سے دور ہو جائے گا۔ حضورؐ کی انگلی کے اشارے سے چاند کے دو ٹکڑے ہو جانا اور پھر آپس میں مل جانا ایسی بات ہے کہ تمام دنیا کے لوگ ایسا کرنے سے عاجز ہیں۔ یہ معجزہ نہیں تو اور کیا ہے؟

اسی طرح حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا بہت سی آئندہ ہونے والی باتوں کا ان کے وقوع سے پہلے خبر دینا اور پھر ان باتوں کا اسی کے مطابق ظاہر ہونا بھی کھلا ہوا معجزہ ہے۔ اگر آپ کو اس کے وجود میں شبہ ہو تو میں ان باتوں کی تفصیل بیان کرسکتا ہوں جن کے واقع ہونے سے پہلے حضورؐ نے ان کی خبر دی تھی۔ اور ان کے وقوع کا علم کسی تجربہ وتخمین اور آثار واسباب سے حاصل نہیں ہوسکتا تھا۔ بلکہ عقلِ سلیم یقین کرلیتی ہے کہ ان کے مخبر نے مافوق العادۃ طریقے سے ان کی خبر دی اور وہ صحیح نکلی۔

لیکن اگر آپ ایسی باتوں کے وقوع کو تسلیم کرتے ہیں مگر ان کو معجزہ کہنے میں تامل ہے تو بیانِ سابق سے یہ شبہ دُور ہو جائے گا۔ مہربانی فرما کر آپ اپنے شبہات کی نوعیت کو ذرا واضح کرکے بیان فرمادیں تو اس کے ازالہ کی مزید کوشش کی جائے گی۔

محمد کفایت اللہ غفرلہٗ مدرسہ امینیہ دہلی

پانچواں باب
قرآن مجید اور دیگر کتب سماویہ
سوال

مسجد بیت المقدس، آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور قرآن شریف۔ ان تینوں چیزوں میں سے ازروئے عقائد کس کو بزرگ وبرتر خیال کرنا چاہیئے؟

(۱۱۸) **جواب** قرآن سے مراد اگر کلام نفسی ہے جو خداوند تعالیٰ کی صفت ہے تو اس کا افضل ہونا ظاہر ہے اور اگر مراد یہ کاغذ پر لکھا ہوا یا چھپا ہوا قرآن مجید ہے تو اس قرآن مجید اور مسجد بیت المقدس وکعبۃ اللہ ومسجد حرام ومسجد نبوی سے آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم افضل ہیں۔ کیونکہ قبر اقدس واطہر کا وہ حصہ جو حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے جسم مطہر سے مماس ہے وہ بوجہ اس تعلق کے ان تمام اشیاء سے افضل ہے تو پھر آپ کی ذات مقدس کا افضل ہونا ظاہر ہے۔ ومکۃ افضل منہا (ای المدینۃ) علی الراجح الا ما ضم اعضاءہ علیہ الصلوٰۃ والسلام فانہ افضل مطلقاً حتی من الکعبۃ والعرش والکرسی (درمختار ص ۲۷ ج ۲)۔ وفی رد المحتار قال فی اللباب والخلاف فیما عدا موضع القبر المقدس فما ضم اعضاءہ الشریفۃ فھو افضل بقاع الارض بالاجماع قال شارحہ وکذا ای الخلاف فی غیر البیت فان الکعبۃ افضل من المدینۃ ما عدا الضریح الاقدس وکذا الضریح افضل من المسجد الحرام وقد نقل القاضی عیاض وغیرہ الاجماع علی تفضیلہ حتی علی الکعبۃ والخلاف فیما عداہ الخ انتہی (ص ۲۷ ج ۲)۔

سوال

(۱) کیا اس وقت اہل کتاب والوں میں سے کوئی شخص زبور، توریت، انجیل پر عمل کرسکتا ہے یا نہیں؟ اگر عمل کرسکتا ہو تو اس کی دلیل کیا ہے؟۔

(۲) مندرجہ بالا کتابیں منسوخ ہیں یا نہیں؟ اگر کوئی مسلمان منسوخ نہ مانتا ہو تو وہ صحیح راہ پر ہے یا نہیں؟ المستفتی ۶۵ مولوی عبدالرحیم کانپور۔ ۱۴ رجادی الاخری ۱۳۵۲ھ مطابق ۱۵ اکتوبر سنہ ۱۹۳۳ء

(۱۱۹) **جواب** توراۃ، زبور، انجیل پوری پوری منسوخ نہیں ہوئیں، ان میں کے بعض احکام منسوخ ہوئے

ہیں۔ لیکن اب چونکہ موجودہ توراۃ اور انجیل تحریف شدہ ہیں اس لئے ان پر عمل نہیں ہو سکتا۔ حدیث میں آیا ہے۔ لاتصدقوا اھل الکتاب ولاتکذبوھم۔

(۲) جو مسلمان یہ کہتا ہو کہ توراۃ و انجیل کا کوئی حکم منسوخ نہیں ہوا اور جو موجودہ توراۃ و انجیل کو صحیح اور قابلِ عمل سمجھتا ہو وہ غلط راستے پر ہے۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہٗ

سوال

قرآن شریف افضل ہے یا حضورِ انور رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم؟ المستفتی نمبر ۱۵۸۔ سید پیرولی محمد شاہ صاحب سجادہ نشین درگاہ سید قلندر لعل شہباز رحمۃ اللہ علیہ سیوان ضلع داؤد سندھ ۲۵ شعبان ۱۳۵۲ھ م ۱۴ دسمبر ۱۹۳۳ء۔

(۱۷۰) **جواب** اگر قرآن مجید سے مراد کلام اللہ ہو جو حضرت حق جل شانہٗ کی صفت ہے تو اس کے افضل ہونے میں شبہ نہیں اور اگر قرآن مجید سے مراد مصحف یعنی قرآن مجید مطبوع یا مکتوب ہو تو آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے افضل ہونے میں کوئی شک نہیں۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہٗ، دہلی۔

سوال

(۱) اگر ایک آدمی زمین پر بیٹھا ہو قرآنِ پاک سامنے رکھ کر تلاوت کر رہا ہو اور دوسرا آدمی چارپائی پر سامنے بیٹھا ہو یا لیٹا ہو تو قرآنِ پاک کی بے ادبی ہے یا نہیں؟ اور وہ چارپائی پر بیٹھا یا لیٹا ہوا آدمی گناہ گار ہوگا یا نہیں؟

(۲) ایک آدمی چارپائی پر لیٹا یا بیٹھا ہوا ہو اور قرآنِ پاک چارپائی کے نیچے رکھا ہو، یہ بے ادبی ہے یا نہیں؟۔ قرآن و حدیث سے حوالہ عنایت فرمائیں۔

(۳) ادب کے کیا معنی ہوتے ہیں؟

(۴) ایک آدمی مولوی ہے اور امامِ مسجد بھی ہے اس کا قول ہے کہ نمبر ایک اور نمبر ۲ میں قرآنِ پاک کی کوئی بے ادبی نہیں ہے۔ یہ ادب صرف ہندوستان کا گھڑا ہوا ہے۔ قرآنِ پاک کا ادب صرف یہ ہے کہ اس میں جو احکامِ خداوندی ہیں ان پر عمل کیا جاوے۔ ہاں اگر کوئی عالم کسی آیت یا حدیث یا فقہ سے ثابت کر دے کہ چارپائی پر آدمی بیٹھا ہو اور نیچے قرآنِ پاک ہو۔ یہ بے ادبی ہے تو میں مان لوں گا۔ اور یہ بھی قول ہے کہ جو شخص قرآن پاک سامنے رکھ کر پڑھ رہا ہو

وہ خود قرآنِ پاک کا ادب کرنے کا اس وقت مکلف ہے کہ کوئی حرکت بے ادبی کی نہ کرے اور جو آدمی چارپائی پر بیٹھا یا لیٹا ہے یا بیٹھا ہوا پڑھ رہا ہے وہ قرآنِ پاک کے ادب کا مکلف نہیں ہے جس طرح قرآنِ پاک میں آتا ہے کہ بغیر وضو قرآن کو ہاتھ نہ لگاؤ، اسی طرح قرآن یا حدیث سے ثابت کرو کہ مذکورہ صورت بے ادبی میں داخل ہے ورنہ یہ گھڑا ہوا ادب میں نہیں مانتا۔ بینوا توجروا۔

المستفتی نمبر ۵۵۶ محمود حسن (سہارنپور) ۲۶ ربیع الثانی ۱۳۵۴ھ م ۲۸ جولائی ۱۹۳۵ء۔

(۱۲۱) **جواب**۔ اگر ایک ہی مکان میں اور ایک ہی جگہ ایسی صورت ہو تو عرفِ عام میں اس کو بے ادبی قرار دیا جاتا ہے۔ لہٰذا اس سے احتراز کرنا چاہیئے۔ کتبِ فقہ میں تلاش کرنے پر اس صورت کی تصریح تو نہیں ملی مگر عرفی بے ادبی کا مدار عرفِ عام پر ہے۔ اور اسی پر حکم دائر ہوتا ہے۔

(۲) یہ صورت پہلی صورت سے زیادہ قبیح ہے کہ بالکل قریب ہی نیچے قرآن مجید ہو اور اوپر کوئی شخص لیٹا یا بیٹھا ہو۔

(۳) ادب سے مراد تکریم ہے۔ یعنی قرآن مجید کے ساتھ ایسا معاملہ کیا جائے جس سے اس کی بزرگی اور عظمت ظاہر ہو اور ایسی کارروائی سے احتراز کیا جائے جس سے اس کی بے قدری یا اہانت ہوتی ہو۔ نمبر ۴ سے آخر تک جو باتیں ہیں یہ اس شخص کا خیال ہے اور عرف اس کے خلاف ہے۔ اگر کسی صورت کو عرفِ عام میں بے ادبی قرار دیا جاتا ہو تو وہ بے ادبی ہوگی خواہ اس کی تصریح کسی کتاب میں نہ ملے۔ مثلاً بوسیدہ اوراق قرآن مجید کو دفن کرنے میں فقہاء نے لکھا ہے کہ قرآن مجید کو بغلی قبر میں رکھا جائے۔ سیدھے گڑھے میں رکھ کر اس پر مٹی نہ ڈالی جائے کہ اس میں بے ادبی ہے۔

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہٗ، دہلی

سوال

اگر بوسیدہ اوراق قرآن مجید کو اس خیال سے جلا دیا جائے کہ ان کی توہین نہ ہو تو یہ فعل جائز ہو یا ناجائز؟ المستفتی نمبر ۶۳۴ مولوی نور اللہ (ضلع لائل پور) ۲ رجب ۱۳۵۴ھ م یکم اکتوبر ۱۹۳۵ء۔

(۱۲۲) **جواب** توہین سے محفوظ رکھنے کی غرض سے جلانا مباح ہے۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے مصاحف کو جبکہ ان کو باقی رکھنا مناسب نہ تھا، جلا دیا تھا۔ فقط

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہٗ دہلی۔

سوال

(۱) مسجد کے طاقوں میں دریچوں میں چاروں طرف قرآن شریف رکھے رہتے ہیں۔ فرش سے ایک گز اور دو گز کی بلندی کے درمیان میں۔ دریچے تو بالکل ہاتھ ہی بھر اونچے ہیں۔ ایک مولوی صاحب وعظ فرماتے تھے کہ مونڈھے سے اونچے رکھنے چاہئیں پھر پیٹھ ہو جائے تو کچھ مضائقہ نہیں۔ ابھی تک امام صاحب جونڈلہ نے آپ کے فرمان تک ملتوی رکھا ہے۔ اب لازمی ہے کیا کیا جائے آنے والوں کو سمجھایا جائے یا بریکٹ تختے کسی خاص بلندی پر لگوائے جائیں؟

(۲) نمازی فرداً فرداً قبل جماعت یا بعد جماعت نماز پڑھتے رہتے ہیں، قرآن خواں بھی تلاوت کرنے لگتے ہیں، اکثر زور زور سے بھی اور بعض بازار کی دکان میں اس قدر زور زور سے پڑھتے ہیں کہ مسجد کے نمازیوں کا دھیان بٹ جاتا ہے۔ ایسے موقعوں پر کیا کیا جائے؟

المستفتی نمبر ۷۴۶ نور محمد صاحب ہیڈ ماسٹر جونڈلہ ضلع کرنال ۱۷ ذیقعدہ ۱۳۵۴ھ ۱۱ فروری ۱۹۳۶ء

(۱۲۳) **جواب** ہاں مونڈھوں سے اونچے ہوں تو بہتر ہے۔ ورنہ طاقوں میں رکھے ہوئے قرآن مجید کی طرف پیٹھ ہو جانے میں گناہ نہیں۔

(۲) جب کوئی نماز پڑھ رہا ہو تو تلاوت کرنے والے کو آہستہ آہستہ پڑھنا لازم ہے۔ زور زور سے پڑھنا مکروہ ہے۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہٗ دہلی

سوال

پرانے ورق مصحف کے کہ قابل انتفاع نہ رہیں تو آگ[1] میں جلائے جائیں یا پانی[2] میں دھوئے جائیں پھر پانی کو پاک جگہ میں ڈالا جائے، یا[3] زمین میں محفوظ جگہ پر دفن کیے جائیں۔ جیسا کہ فقہاء نے لکھا ہے:۔ المصحف اذا صار بحال لایقرأ فیہ یدفن کالمسلم۔ رد المحتار جلد اول ص ۱۳۰ قولہ یدفن ای یجعل فی خرقۃ طاہرۃ ویدفن فی محل غیر ممتہن لایوطأ۔ وفی الذخیرۃ۔ وینبغی ان یلحد لہ ولا یشق لہ لانہ یحتاج الی اہالۃ التراب علیہ وفی ذلک نوع تحقیر الا اذا جعل فوقہ سقفا بحیث لایصل التراب الیہ فہو حسن ایضاً الخ درمختار جلد اول ص ۱۳۰ قولہ کالمسلم فانہ مکرم واذا مات وعدم نفعہ یدفن وکذلک المصحف فلیس فی دفنہ اہانۃ لہ بل ذلک اکرام خوفا من الامتہان۔ درمختار جلد اول ص ۱۳۱۔ بینوا توجروا۔

المستفتی ۵۱ مولوی سراج الدین (ضلع ملتان) ۸ ار ذی قعدہ ۱۳۵۴ھ م ۱۲ ر فروری ۱۹۳۶ء

(۱۲۴) **جواب** محفوظ مقام میں دفن کردینا بھی جائز ہے لیکن جلادینا آج کل زیادہ بہتر ہے کیونکہ ایسا محفوظ مقام دستیاب ہونا مشکل ہے کہ وہاں آدمی یا جانور نہ پہنچ سکیں۔ اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا مصاحف کو جلانا اس کے جواز کی دلیل ہے۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہٗ دہلی

(۱۲۵) **جواب دیگر** ۸۲۳ بوسیدہ اوراقِ قرآن مجید جب انتفاع کے قابل نہ رہیں تو ان کو دفن کردینا چاہیئے، مگر ایسے مقام پر کہ وہاں آدمیوں یا جانوروں کے قدم نہ پہونچیں اور اگر ایسا مقام دستیاب نہ ہو تو پھر احتیاط سے جلاکر راکھ دریا میں بہا دینا چاہیئے۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے مصاحف کو اسی غرض سے جلادیا تھا۔ جلانا بغرضِ احترام ناجائز نہیں ہے۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہٗ

سوال

اخباروں کے اندر جو قرآن پاک کی آیتیں لکھی ہوتی ہیں اور ان اخباروں کو پڑھنے کے بعد ردّی میں استعمال کرتے ہیں۔ یہ جائز ہے یا نہیں؟

المستفتی ۹۵۱ عبدالرزاق صاحب (اوجین) ۲ ربیع الاول ۱۳۵۵ھ م ۲۶ مئی ۱۹۳۶ء

(۱۲۶) **جواب** اخباروں کے اندر قرآنِ پاک کی آیتیں یا اور قابلِ احترام مضامین ہوں تو ان کو ردّی میں استعمال کرنا ناجائز ہے۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہٗ دہلی

سوال

بچوں کو سکھانے کے لیئے جلسہ کرایا جاتا ہے۔ اس میں قرآن شریف کی تلاوت اور کہانی یا مضمون اور نظم تین چیزیں ہوتی ہیں۔ اس میں ایک ترتیب تو یہ ہے کہ اول بچے قرآن شریف کی تلاوت کرلیں اس کے بعد کہانی اور نظم کا مرتبہ رکھا جائے۔ دوسری ترتیب یہ ہے کہ اول کہانی پھر قرآن شریف پھر نظم ان دونوں صورتوں میں سے بہتر صورت کون سی ہے۔ قرآن شریف کی تقدیم افضل ہے یا نظم اور کہانیوں کا مقدم کرنا۔ جو صورت شرعاً افضل ہو ارقام فرمائیں۔

المستفتی ۱۰۸۳ عبدالعلیم سلمہٗ (دہلی) ۱۰ رجمادی الاول ۱۳۵۵ھ م ۳۰ جولائی ۱۹۳۶ء

(۱۲۷) **جواب** قرآن شریف کی تقدیم افضل ہے۔ تاکہ وہ پہلے ہوجانے کی وجہ سے کہانی اور نظم کے ساتھ اختلاط سے محفوظ رہے۔ فقط محمد کفایت اللہ کان اللہ لہٗ دہلی۔

الجواب صحیح۔ حبیب المرسلین نائب مفتی مدرسہ امینیہ دہلی۔ الجواب صحیح۔ ریاض الدین عفی عنہ مدرس دارالعلوم دیوبند
الجواب صحیح۔ محمد مظہر اللہ غفرلہٗ امام مسجد فتحپوری دہلی۔

سوال

کیا قرآن شریف کا ایسا ترجمہ جس میں عربی عبارت بالکل نہ ہو اور بامحاورہ عبارت ہو، شائع کرنا درست ہے؟ المستفتی نمبر ۱۱۹۸ نیاز احمد صاحب (لاہور) ۶ رجب ۱۳۵۵ھ م ۲۳ ستمبر ۱۹۳۶ء

(۱۲۸) **جواب** قرآن مجید کی اصل نظم عربی اور اس کی خصوصیات کی حفاظت کے لیے ضروری ہے کہ اس کی عبارت ترجمہ کے ساتھ ضرور رہے۔ خالص ترجمہ کی اشاعت میں تغیر و تبدیل کے امکانات زیادہ ہیں، اس لیے اس پر اقدام کرنا مسلمانوں کے لیے قریب صواب نہیں۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہٗ دہلی۔

سوال

ایک شخص کہتا ہے کہ میں قرآن حدیث کو نہیں جانتا، نہ میں مولوی کے مقابلہ میں کوئی بات قرآن و حدیث کی سننا چاہتا ہوں، خواہ ہمارے مولوی غلط ہی کہیں۔ ایسے آدمی کے واسطے کیا حکم ہے؟
المستفتی نمبر ۱۲۸۸ محمد اسمٰعیل صاحب (امرتسر) ۲۳ شوال ۱۳۵۵ھ م ۷ جنوری ۱۹۳۶ء

(۱۲۹) **جواب** یہ قول کہ میں مولوی کے مقابلہ میں قرآن و حدیث کو نہیں جانتا اور نہ سننا چاہتا ہوں، بہت سخت گناہ کی بات ہے اور موجب فسق ہے۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہٗ دہلی

سوال

(۱) قرآن کریم کی طبع و نشر غیر مسلم اقوام کے ہاتھ میں نہیں ہونا چاہیئے۔ اگر کوئی مسلم کمپنی یا کوئی بنک مسلم ایسا کام اپنے ہاتھ میں لے تو لوگوں کو اس ہستی کا مشکور ہونا چاہیئے۔ لیکن اس ہستی کو قرآن کریم کو ایک مالِ تجارت تصور نہ کرنا چاہیئے۔ ہاں اس کے متعلق جس قدر مصارف (خواہ کثیر یا قلیل) ہوں ان کو وصول کرنے کا حق حاصل ہے۔ مگر اس سے زیادہ وصول کرنا ہرگز ہرگز جائز نہیں ہے۔ جو روپیہ بطور منافع اس طرح سے حاصل ہوگا وہ ناجائز ہے۔ میرا یہ خیال صحیح ہے تو پھر ایسے منافع کے حصہ داران بھی جائز روپیہ حاصل نہیں کرتے اور احتیاط اسی میں ہے کہ اس منافع سے پرہیز کیا جاوے۔ عوام کو عموماً اور امراء کو خصوصاً۔

(۲) قرآن کریم کو حصہ حصہ کرکے (مثلاً پنج سورہ۔ یازدہ سورہ۔ سیزدہ سورہ) چھپوانا درست

ہے کیا اس طرح قرآنِ کریم کا پارہ پارہ ہو جانے کا اندیشہ نہیں ہے۔ مجھے یقین ہے کہ قرآنِ کریم کی حفاظت کا ذمہ دار خود اللہ کریم ہے۔

(۳) قرآن کا ہشت رنگ، وغیرہ کرنا کہ اس کی صورت مزین معلوم ہو، نیز موجودہ زمانہ کے مطابق بھی ہے تو یہ کہاں تک درست ہے؟

المستفتی نمبر ۱۳۵۹ محمد برکت علی صاحب سب جج پنشنر (جالندھر) ۴ ذی الحجہ ۱۳۵۵ھ مطابق ۱۶ فروری ۱۹۳۷ء۔

(۱۳۰) **جواب** (۱) مصاحف مطبوعہ یا قلمی مالک کی ملک ہیں، اور وہ ان کو بیع کر سکتے ہیں، اور ان کی تجارت ممنوع ہونے کی کوئی وجہ نہیں اور قرآن کریم کی طبع اور نشر اور تجارت سے نفع حاصل کرنا جائز ہے۔

(۲) حصہ حصہ کر کے شائع کرنا مباح ہے اور بغرضِ تعلیم بچوں کے لئے پارہ پارہ کر کے چھاپنا بھی مفید ہے اور سلفاً اور خلفاً معمول بہ ہے۔

(۳) یہ صورت خلافِ اولیٰ ہے، لیکن اگر غرض قرآن مجید کی عظمت واحترام ہو تو مباح ہے

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہٗ، دہلی۔

سوال

تین سال کا عرصہ ہوا کہ مسجد میں شب کو زید و بکر کا کچھ جھگڑا ہوا۔ دونوں بیٹھے ہوئے تھے اور غصہ میں گفتگو باہمی کر رہے تھے۔ زید نے سیپارہ ہاتھ میں لے کر بکر سے یہ کہا کہ میں نے پہلے بھی قسم کھائی تھی جس پر تم نے اعتبار نہیں کیا۔ بس زید کے ہاتھ سے سیپارہ فرش پر گر پڑا۔ بعد اس کے دونوں کچھ عرصہ تک ہم کلام نہیں ہوئے۔ جب لوگوں نے باہمی صلح پر دونوں کو مجبور کیا تو زید نے خود چھوٹے ہونے کے سبب بکر سے معافی مانگ لی اور دونوں راضی ہو گئے، لیکن بکر پھر بھی مسجد میں نہیں آیا اور مسجد اور جماعت کو اس نے ترک ہی رکھا، بکر سے جب دریافت کیا گیا تو اس نے یہ کہا کہ زید کے ہاتھ سے جو سیپارہ گر پڑا ہے اس پر شرعی کسی مولوی صاحب کا حکم ہونا چاہیئے، جب میں مسجد میں آؤں گا۔ اور زید مسجد میں تمام نمازیوں کے روبرو یہ اعلان کر چکا ہے کہ میں نے بحیثیت چھوٹے ہونے کے بکر سے راضی نامہ کر لیا اور معافی کا خواستگار ہوا۔ اور جو سیپارہ کہ غصے

میں میرے ہاتھ سے گرا اس پر اللہ تعالیٰ کی درگاہ میں توبہ کی۔ اب حضور مہربانی فرماکر دونوں کے بارے میں جو حکم شرعی ہو، جواب دیجئے گا۔ تاکہ حضور کے جواب پر سب متفق ہوں۔
المستفتی نمبر ۱۴۰۰ مولوی بہادر خاں صاحب۔ اے۔ ٹی کمپنی ۱۳ چھاؤنی (چمن)، ۲۷ محرم ۱۳۵۶ھ مطابق ۱۰ اپریل ۱۹۳۷ء۔

(۱۳۱) **جواب** زید کے ہاتھ سے بلا قصد سپارہ گر گیا تو زید پر کوئی مؤاخذہ نہیں۔ صرف امر بے احتیاطی اور غفلت کی وجہ سے اس کو بارگاہ رب العزت جل شانہ میں توبہ و استغفار کرلینا کافی ہے بکر کو اس میں مداخلت کا کوئی حق نہیں۔ زید اور بکر کے درمیان کشیدگی کے جو اسباب تھے وہ رفع کردیئے گئے اور معافی ہوگئی تو بکر کو زید کے ساتھ کلام و سلام کرنے اور مسجد و جماعت میں شریک ہونے سے باز نہیں رہنا چاہیئے۔ فقط محمد کفایت اللہ کان اللہ لہٗ، دہلی۔

سوال

ہندوؤں میں قرآنی تعلیمات کی نشر و اشاعت اور ان کی ہدایت کے لیئے ہندی ترجمہ کے ساتھ اگر ہندی رسم الخط میں متن بھی درج کیا جائے تو کیسا ہے؟
المستفتی نمبر ۲۵۶۸ محمد عبدالحی (کانپور) ۲۰ محرم ۱۳۵۹ھ م ۲۹ فروری ۱۹۴۰ء

(۱۳۲) **جواب** چونکہ ہندی رسم الخط میں عربی کے کئی حرف نہیں ہیں اور نہ ان کو ظاہر کرنے کے لیئے کوئی قطعی علامات ہیں اس لیئے متنِ قرآن اور نظمِ فرقان کو ہندی رسم الخط میں شائع کرنا جائز نہیں۔ ہندی ترجمہ ہندی رسم الخط میں شائع کیا جاسکتا ہے، مگر نظمِ قرآن کو عربی رسم الخط میں ہی لکھا جائے۔
محمد کفایت اللہ کان اللہ لہٗ، دہلی

سوال

جہاں جلد ساز مسلمان نہ ہو وہاں ہندو جلد ساز سے کلام مجید مترجم کی جلد بنوانا چاہیئے یا نہیں؟ المستفتی نمبر ۲۲۵۱ شجاعت حسین (ضلع آگرہ) ۱۵ ربیع الاول ۱۳۵۷ھ م ۱۶ مئی ۱۹۳۸ء

(۱۳۳) **جواب** ہندو جلد ساز سے حتی الامکان قرآن مجید کی جلد نہ بنوائی جائے۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہٗ،

سوال

(از اخبار سہ روزہ الجمعیۃ دہلی مورخہ ۲۲ ستمبر ۱۹۲۵ء)

قرآن مجید کے اوراقِ کہنہ کو کس طرح ضائع کیا جائے؟

(۱۳۴) **جواب** فقہائے کرام نے قرآنِ پاک کے اوراقِ کہنہ کے لیے یہ ترکیب بتائی ہے کہ ان کو کسی برتن میں رکھ کر بغلی قبر کے مشابہ گڑھا کھود کر ایسے مقام میں دفن کر دیا جائے جہاں آدمی اور جانور نہ پہنچتے ہوں، مگر ایسی جگہ کا آجکل ملنا مشکل ہے، اس لیے اگر جلا کر ان کی راکھ دریا میں ڈال دی جائے تو اس میں زیادہ امن ہے۔ محمد کفایت اللہ غفرلہٗ

سوال

(از اخبار الجمعیۃ دہلی مورخہ ۲۲ مئی ۱۹۲۶ء)

بمقام اودگیر مجلس شب قدر میں ایک واعظ صاحب نے اثنائے وعظ میں یوں فرمایا کہ کلام مجید میں تیس پاروں کے علاوہ دس پارے اور ہیں جو صوفیا بیان کرتے ہیں، انھوں نے ان پاروں کو ایسا پوشیدہ رکھا ہے جیسا کہ عورت اپنی حیض کی چندیوں کو پوشیدہ رکھتی ہے۔ پس ایسی مجلس متبرک میں واعظ صاحب کا کلام پاک کو ایک ایسی نجس چیز سے تمثیل دینا جائز ہے یا نہیں؟۔

(۱۳۵) **جواب** اگرچہ واعظ صاحب نے غالباً یہ الفاظ بطور طنز کے بیان کیے ہیں مطلب یہ ہوگا کہ قرآن مجید انھیں تیس پاروں میں جو موجود ہیں کامل و مکمل ہے۔ اس کے علاوہ اور دس پارے نہیں ہیں جو لوگ اور دس پارے بیان کرتے ہیں تو کیوں اُن کو منظرِ عام پر نہیں لاتے؟ اور کیوں ان افترا کردہ پاروں کو حیض کے کپڑوں کی طرح چھپاتے ہیں۔ ظاہر ہے کہ جو دس پارے اور بتائے جاتے ہیں اور ان کو قرآن کا جزو قرار دیا جاتا ہے وہ بحیثیت کذب و افترا کے ناپاک ہی ہوں گے۔ اس لیے مضمونِ مذکور کی نوعیت اگر یہی ہو تو مضمون فی نفسہٖ قابلِ الزام نہیں ہے۔ تاہم اس طرح سے تعبیر کرنا بھی صحیح طریقے پر مبنی نہیں ہے کہ اس سے غلط فہمی ہو سکتی ہے اور ہوئی، کہ اس سوال کی نوبت آئی۔

محمد کفایت اللہ غفرلہٗ۔

سوال

(از اخبار الجمعیۃ دہلی مورخہ ۲۰ اکتوبر ۱۹۳۴ء)

مولوی محمد مسلم صاحب لائل پوری نے ایک مجلس میں ارشاد فرمایا کہ کاغذ، سیاہی مخلوق ہے اور اللہ کا کلام خالق ہے۔ کیا یہ بات درست ہے؟۔

(۱۳۶) **جواب** قرآن مجید، عوام جس کو قرآن مجید، کلام مجید کہتے ہیں وہ مُصْحَف ہے. یعنی کاغذ یا کسی اور چیز پر لکھا ہوا یا چھپا ہوا قرآن . یہ یقیناً مخلوق ہے ، حادث ہے ۔ اور کلام پاک جو ہم اپنی زبان سے پڑھتے ہیں اور ہمارے الفاظ سے اس کی عبارت بنتی ہے ، یہ بھی مخلوق اور حادث ہے ۔ اس کے اوپر اس کا مدلول یعنی وہ کلام ہے جس کو ہم سمجھتے ہیں کہ خدا کا کلام ہے تو وہ کلامِ نفسی مخلوق نہیں ، بلکہ خدا تعالیٰ کی صفت ہے ۔ وہ فی حد ذاتہ خالق یا مخلوق نہیں ہے ۔ بلکہ خالق کی ذاتی صفت ہے۔

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہٗ ۔

سوال

(از اخبار الجمعیۃ دہلی مورخہ یکم اپریل ۱۹۳۶ء)

(۱) اکثر اخبارات وغیرہ میں اللہ عزوجل کے اسماء یا آیاتِ قرآنی یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اسم مبارک یا احادیث وغیرہ لکھی رہتی ہیں ، ایسے اخبار لوگ ردّی میں بیچ دیتے ہیں ، پھر وہ ردّی کاغذ پڑیوں میں لفافوں میں لگا یا جاتا ہے ، اس کا کیا حکم ہے ؟

(۲) جبکہ ہمارے سامنے یا پاس قرآنِ کریم موجود ہو تو کیا ہم کسی شخص کی تعظیم کے لئے کھڑے ہو سکتے ہیں یا نہیں ؟ اور اگر تعظیم کے لئے قرآنِ کریم لئے ہوئے کھڑے ہو جائیں تو کیسا ہے ؟

(۱۳۷) **جواب** (۱) ایسے اخباروں کو جلا دینا چاہئے ، ردّی میں فروخت کرنا مناسب نہیں ۔

(۲) قرآن مجید کی تعظیم کے لئے کھڑا ہونا شرعاً ثابت نہیں ۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہٗ ۔

استدراک (الجمعیۃ مورخہ ۲۸ مئی ۱۹۳۶ء) . سوال نمبر ۲ کا صحیح جواب یہ ہے کہ اثنائے تلاوتِ قرآن مجید میں کسی شخص کی تعظیم کے لئے کھڑا ہونا نہیں چاہئے اور اگر تلاوت نہیں کر رہا ، صرف قرآن مجید پاس رکھا ہے تو کسی آنے والے کی تعظیم کے لئے کھڑے ہونے میں مضائقہ نہیں ہے ۔ محمد کفایت اللہ غفرلہٗ

سوال

(از اخبار سہ روزہ الجمعیۃ دہلی مورخہ ۱۳ اپریل ۱۹۳۶ء)

(۱) قرآن شریف کو بغیر وضو کے چھونا کیسا ہے ؟

(۲) قرآن شریف کا ترجمہ کرنا مثلاً انگریزی ، گجراتی ، ملیالم وغیرہ میں جائز ہے یا ناجائز ؟

(۳) قرآن شریف پورا ترجمہ کیا ہوا یا تھوڑا بغیر وضو کے ہر فاسق و فاجر مسلمان کے ہاتھوں استعمال

کرنا کیسا ہے ؟۔

(۴) قرآن شریف کا ترجمہ کسی غیر مسلم کے ہاتھوں فروخت کرنا کیسا ہے ؟

(۵) قرآن شریف کی اصلی عربی عبارت کسی غیر عربی رسم الخط میں لکھنا جائز ہے یا نہیں ؟

(۶) قرآن شریف کی کوئی آیت کسی کاغذ پر لکھی ہوئی ہو اس کو بغیر وضو کے چھو سکتے ہیں یا نہیں ؟

(۷) قرآن شریف کی پھٹی ہوئی ایسی جلدیں جو بوجہ شکستگی استعمال میں نہ لا سکتے ہوں انھیں کیا کرنا چاہیے ؟۔

(۸) قرآن شریف کی تلاوت کرنا کسی مقررہ معاوضے پر جائز ہے یا نہیں ؟

(۹) ایسے شخص کے پیچھے نماز پڑھنا جو بامعاوضہ قرآن شریف کی تلاوت کرتا ہو جائز ہے یا ناجائز؟

(۱۰) بامعاوضہ مسجد میں نماز پڑھانا کیا حکم رکھتا ہے ؟ (۱۱) لایمسہ الا المطھرون سے کیا مراد ہے؟

(۱۳۸) **جواب** (۱) قرآن شریف کو بغیر وضو کے چھونا مسلمان کے لیے ناجائز ہے (۲) قرآن کریم کا غیر زبان میں ترجمہ کرنا بغرض تبلیغ جائز ہے (۳) قرآن کریم کا ترجمہ مسلمان کے حق میں قرآن مجید کا حکم رکھتا ہے اور غیر مسلموں کو تبلیغ کے لیے دینا جائز ہے (۴) بغرض تبلیغ جائز ہے (۵) بغرض تبلیغ و تفہیم بقدر ضرورت جائز ہے (۶) مسلمان کے لیے ناجائز ہے (۷) بہتر ہے کہ ان کو محفوظ طریقے پر دفن کردیں۔ ایسی جگہ دفن کریں جو پامال نہ ہوتی ہو یا جلا کر راکھ دریا میں ڈال دیں (۸) تلاوت کی اجرت دینا یا لینا ناجائز ہے۔ (۹) جائز ہے مگر خلاف اولیٰ (۱۰) امامت کی اجرت لینی جائز ہے۔ (۱۱) آیت کریمہ کے معنی یہ بھی ہیں کہ قرآن شریف کو پاک لوگوں کے سوا دوسرے نہ چھوئیں۔ اور دوسرے معنی بھی ہیں۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہٗ دہلی

سوال

(از اخبار الجمعیۃ دہلی مورخہ ۱۳ مارچ ۱۹۳۷ء)

موجودہ انجیل و توراۃ کے مضامین قبل کے مطابق ہیں یا نہیں ؟

(۱۳۹) **جواب** موجودہ انجیل و توراۃ محرف ہیں۔ ان کے اندر تحریف و تبدیل کا وقوع قرآن و حدیث سے ثابت ہے۔ اس لیے ان کے مضامین پر بھروسہ نہیں رہا کہ کون سی عبارت منزل من اللہ ہے اور کون سی تحریف شدہ۔

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہٗ دہلی۔

چھٹا باب

خلیفہ، امام، امیر

سوال

بموجب حدیث مندرجۂ ذیل جن کے اسمائے گرامی کی تصریح نہیں کون سے خلفاء مقصود ہیں۔ براہ مہربانی اُن خلفاء کے اسمائے مبارک سے اطلاع بخشیں۔ حدیث یہ ہے۔ عن جابر بن سمرۃ قال سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول لایزال الاسلام عزیزاالی اثنی عشر خلیفۃ کلھم من قریش۔ وفی روایۃ لایزال امرالناس ماضیا ما ولیھم اثنا عشر رجلاً کلھم من قریش۔ وفی روایۃ لایزال الدین قائماحتی تقوم الساعۃ او یکون علیھم اثنا عشر خلیفۃ کلھم من قریش۔ مشکوٰۃ المصابیح جلد چہارم۔ مناقب قریش۔

(۱۴۲) **جواب** اس حدیث کے معنی میں تین قول ہیں۔ قول اول کا خلاصہ یہ ہے کہ اثنا عشر خلیفہ سے وہ امرائے بنی امیہ مراد ہیں جو زمانہ صحابہؓ کے بعد سریر آرائے سلطنت ہوئے۔ اور یہ قول بنابر مدح نہیں بلکہ صرف استقامت سلطنت کا بتانا مقصود ہے۔ اور اس صورت میں ان کے نام یہ ہیں:۔ یزیدؔ بن معٰویہ۔ معٰویہؔ بن یزید۔ عبدؔالملک۔ ولیدؔ۔ سلیمنؔ۔ عمرؔ بن عبدالعزیز۔ یزیدؔ بن عبدالملک ہشام۔ ولیدؔ بن یزید۔ یزیدؔ بن الولید بن عبدالملک۔ ابراہیمؔ بن الولید۔ مروانؔ بن محمد۔ چنانچہ بنی امیہ میں یہ بارہ خلفاء ہوئے ان کے بعد سلطنت بنی امیہ سے نکل کر بنی عباس میں چلی گئی۔

دوسرا قول یہ ہے کہ اس سے مراد وہ بارہ خلیفہ ہیں جو امام مہدیؓ کے بعد ہوں گے جن میں سے پانچ حضرت حسنؓ کی اولاد سے ہوں گے اور پانچ حضرت حسینؓ کی اولاد سے۔ ان سب کے بعد پھر ایک بزرگ حضرت حسنؓ کی اولاد سے ہوں گے اور ان کے بعد ان کے صاحبزادے۔ اس طرح بارہ خلیفہ ہوں گے اور سب امام برحق ہوں گے۔

تیسرا قول یہ ہے کہ بارہ خلیفہ برحق قیامت تک پورے ہوجائیں گے۔ متصل ہونا ضروری نہیں۔ یہ تینوں قول مجمع البحار میں موجود ہیں۔

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہٗ، دہلی۔

سوال

زید کہتا ہے کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ خلفاء میں افضل ہیں اور حضرت صدیق رضؓ کی خلافت انصار رضؓ نے متفق ہو کر کری اور آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت صدیق رضؓ کی خلافت کی بابت کچھ ارشاد نہیں فرمایا۔ ایسے شخص کے پیچھے نماز جائز ہے یا نہیں ؟۔

(۱۴۱) **جواب** حضرت علی رضی اللہ عنہ کو حضرت صدیقِ اکبر رضؓ سے افضل بتانا اور فضیلتِ کلیہ دینا تمام علمائے اہلِ سنت والجماعت کے خلاف ہے۔ اہلِ سنت والجماعت کا اجماعی عقیدہ یہ ہے کہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد صدیقِ اکبر رضؓ تمام امت محمدیہ سے افضل ہیں۔ صدیقِ اکبر رضؓ کی خلافت کے متعلق یہ کہنا کہ انصار نے متفق ہو کر انھیں خلیفہ بنالیا، قائل کی ناواقفیت پر مبنی ہے۔ انصار تو شروع سے قریش کے خلاف تھے کسی انصاری کو خلیفہ بنانا چاہتے تھے۔ بالآخر یہاں تک کہا کہ ایک خلیفہ قریشی ہو تو ایک انصاری لیکن تمام مہاجرین و انصار میں سے یہ کسی نے نہ کہا کہ حضرت ابو بکر رضؓ سے حضرت علیؓ افضل یا خلافت کے زیادہ مستحق اور حقدار ہیں۔ حضرت صدیق کی خلافت کو تمام مہاجرین وانصار نے تسلیم کیا۔ اور کیوں نہ تسلیم کرتے جبکہ خود رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے طرزِ عمل سے حضرت صدیقِ اکبر رضؓ کو اپنا جانشین بنا دیا۔ اور نماز پڑھانے میں باوجود حضرت عائشہؓ اور چند اور اشخاص کے اس اصرار کے کہ کسی دوسرے کو امام بنایا جائے آپؐ نے نہ مانا۔ اور ناگواری کے لہجے میں فرمایا کہ تم صواحبِ یوسفؑ ہو، یعنی مجھ کو ایک امرِ حق سے پھیرنا چاہتی ہو۔ ابو بکر صدیق رضؓ کو ہی امام بنایا۔ اور آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بطور پیشگوئی پہلے ہی فرما دیا تھا کہ یابی اللہ والمؤمنون الا ابا بکر یعنی نہ خدا کسی دوسرے کو خلیفہ ہونے دے گا، نہ مسلمان کسی دوسرے کو خلیفہ بنائیں گے۔ آپؐ کے اس ارشاد سے معلوم ہو گیا کہ آپؐ کو نورِ وحی سے یہ بات معلوم ہو گئی تھی کہ میرے بعد خود حضرت رب العزة جل جلالہٗ کی ہی طرف سے ابو بکر رضؓ خلیفہ بنائے جائیں گے۔ نیز مسلمان بھی کسی دوسرے کو صدیقِ اکبر رضؓ کے ہوتے ہوئے پسند نہ کریں گے۔ اسی لیے آپؐ نے صراحۃً ان کی خلافت کے متعلق کچھ ارشاد فرمانے کی ضرورت نہ سمجھی۔ لیکن آپؐ کا یہ طرزِ عمل اور یہ ارشادات بھی تصریح سے کم نہیں ہیں۔

پس مذہبِ حق یہی ہے کہ حضرتِ ابو بکر صدیق ہی حضرت علیؓ اور تمام صحابہؓ اور تمام امتِ محمدیہ سے افضل تھے۔ یہ کہنا کہ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت صدیقِ اکبر رضؓ کی خلافت کے متعلق کچھ

نہیں فرمایا صحیح نہیں جیسا کہ آپ کے ارشادات جو بشکل تصریح کے ہیں بکثرت خلافتِ صدیق پر دلالت کرتے ہیں۔ نیز آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علیؓ کی خلافت کے متعلق بھی تو کچھ تصریح نہیں فرمائی پھر ان کو کس وجہ سے مستحقِ خلافت قرار دے لیا گیا۔ پس حضرت علیؓ کی فضیلتِ کلیہ کا قائل مبتدع ہے اور اس کی امامت مکروہ ہے۔ واللہ اعلم وعلمہ اتم واحکم۔ محمد کفایت اللہ غفرلہٗ دہلی۔

سوال

امام اور ولی میں کیا فرق ہے؟ المستفتی ۱۳۵۴ نور الاسلام (رنگون) ۳ ذی الحجہ ۱۳۵۵ھ م ۱۵ فروری ۱۹۳۷ء

(۲۴۳) **جواب** ولی امام بھی ہو سکتا ہے اور امام ولی ہو سکتا ہے۔ امام تو اس کو کہتے ہیں کہ مسلمانوں کی کوئی جماعت اس کو اپنا پیشوا اور مقتدا قرار دے لے اور ولی اس کو کہتے ہیں، جو اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرے اور معصیت سے بچے اور خدا کا دوست بن جائے۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہٗ دہلی۔

سوال

عرض ہے کہ ایک مطبوعہ پوسٹر قبل از عید الضحیٰ شائع ہوا جس کی سرخی یہ ہے کہ "علماء اہلِ حدیث واحناف کا متفقہ فتویٰ" جو منسلک عریضہ ہٰذا ہے۔ اس میں مجھ عاجز اور والد محترم جناب مولانا عبدالوہاب صاحب مرحوم و نیز جماعت غرباء اہل حدیث کے خود ساختہ عقائد از سائل بشکل سوال ۱ تا ۲۴ ظاہر کئے گئے ہیں۔ ان کے جوابات میں جناب کی طرف سے بجواب ۲۶ درج ہے۔ دریافت طلب امر یہ ہے کہ آیا سوالات ۱ تا ۲۴ بعینہٖ آپ کے پاس سائل لے کر آیا اور جواب جو آپ کی طرف منسوب کیا گیا ہے وہ فی الواقع انہیں سوالات کے جواب میں آں جناب ہی نے تحریر فرمایا ہے، امید کہ اخلاقِ کریمانہ کو مدنظر رکھتے ہوئے اصل حقیقت سے آگاہ فرما کر شکریہ کا موقعہ دیں گے۔

دیگر۔ سائل نے سوالات میں جو عقائد ہماری طرف منسوب کئے ہیں، وہ بالکل غلط اور تعصب پر مبنی ہیں۔ ہمارے جو عقائد ہیں وہ اشتہار عنوان "اعلانِ عام برائے رفع اتہام" میں درج ہیں جس کی ایک کاپی ارسالِ خدمت ہے۔ کیا ان عقائد کے سبب سے میں اور میرے والد اور میری جماعت خارج از اسلام ہو سکتے ہیں اور جمیع حقوقِ اسلامی سے محروم۔ نیز جو شخص کسی کے متعلق خلافِ واقعہ سوالات کر کے مسلمانوں میں تشتت و تفریق کا باعث ہو اس کے بارے میں اسلام کا کیا حکم ہے۔ آں جناب بلا کسی رو رعایت کے آزادانہ جواب تحریر فرما کر ممنون فرمادیں۔ فقط المستفتی ۱۳۰۳ ابو محمد عبدالستار خادم جماعت غرباء اہلِ حدیث صدر بازار دہلی

۲۲ ذی الحجہ ۱۳۵۵ھ م ۶ مارچ ۱۹۳۷ء

(۱۴۳) **جواب** پوسٹر معنون بعنوان "علمائے اہل حدیث واحناف کا متفقہ فتوی" میں نے دیکھا، مجھے افسوس ہے کہ اس بارے میں جو استفتاء میرے پاس آیا تھا اور جو جواب میں نے لکھا تھا اس کی نقل نہیں کھی گئی۔ جواب نمبر ۲۶ کی عبارت پڑھنے سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ یہ عبارت میری ہے لیکن مجھے یہ یاد نہیں آتا کہ سوال کی عبارت بھی یہی تھی یا نہیں۔ بہر حال میرا جواب ان دعاوی اور خیالات کے متعلق ہے جو سوال میں مذکور تھے۔ اشخاص کے متعلق نہیں جن لوگوں کے وہ عقائد و دعاوی اور خیالات ہوں ان کے ساتھ فتوی کا تعلق ہے اور جن کے وہ عقائد و خیالات نہ ہوں ان کے ساتھ میرا جواب متعلق نہیں۔ مثلاً ان کا یہ خیال نہ ہو کہ مولوی عبدالوہاب صاحب یا آپ ایسے واجب الاطاعت امام ہیں کہ جو شخص ان کی بیعت میں داخل نہیں تھا یا آپ کی بیعت میں داخل نہیں، وہ باغی، کافر، جاہلیت کی موت مرنے والا ہے۔ اگر آپ باوجود ادعائے امامت کے بھی دوسرے اہل حدیث واحناف کو جو آپ کی یا آپ کے محترم والد صاحب کی بیعت میں داخل نہیں، مسلمان سمجھتے ہوں۔ باغی، کافر، جاہلیت کی موت مرنے والا نہ قرار دیتے ہوں۔ اور مسلمانوں کی زکوٰۃ کو جو آپ کو نہیں دی جاتی بلکہ مصارفِ زکوٰۃ میں لوگ خود ادا کرتے ہیں، باطل نہ قرار دیتے ہوں۔ دوسرے مسلمانوں یعنی آپ کے مبایعین کے سوا دیگر اہلِ حدیث اور احناف کی بیویوں کو ان کی صحیح منکوحات اور بغیر طلاق دوسرے لوگوں کے لئے حرام سمجھتے ہوں اور الفاظِ کفریہ و شرکیہ سے رقیہ کو ناجائز قرار دیتے ہوں تو میرا یہ جواب آپ کے متعلق نہیں ہے۔ آپ نے اپنے پوسٹر "اعلانِ عام برائے رفع اتہام" میں اپنے جو عقائد بیان فرمائے ہیں ان میں سے پہلے عقیدہ کے متعلق گذارش ہے کہ یہ تو صحیح ہے کہ ہر زمانہ میں مسلمانوں کا ایک امام ہونا چاہیئے اور ایسا ہونا چاہیئے کہ نہ صرف لوگوں کی صحیح رہنمائی کرے بلکہ مظلوم کا انصاف بھی ظالم سے دلوائے۔ کفر و شرک کی بیخ کنی بھی کرے۔ حدود و قصاص بھی جاری کرے۔ بوقت ضرورت جہاد بھی جاری کرے اور فتنہ و فساد کا انسداد کر کے عدل و انصاف اور امن قائم کرے۔

لیکن یہ سوال تو باقی رہ گیا کہ اگر بدقسمتی سے ایسا امام میسر نہ ہو تو آیا مسلمان ایسے امام کے نہ ہونے کی حالت میں مسلمان رہیں گے یا نہیں، بلکہ ان کی موت موتِ جاہلیت ہو جائے گی! اور انگریزی حکومت میں ایسے امام کا جو صفاتِ مذکورۂ بالا سے متصف ہو وجود معدوم ہے، تو انگریزی حکومت کے

رہنے والے مسلمان کیا کریں اور ظاہر ہے کہ ایسا شخص جو اپنے محلہ بلکہ اپنے گھر کے اندر بھی فتنہ و فساد کو قوت و طاقت سے نہ روک سکے وہ حقیقۃً امامتِ شرعیہ کا محل و مصداق نہیں۔ اور دوسرے عقیدے میں جس حدیث کا ذکر ہے وہ صحیح اور شرعی امامت کے موجود ہوتے ہوئے متخلف عن البیعت پر تو چسپاں کی جا سکتی ہے لیکن ایسے معذورین کے لئے جن کو بدقسمتی سے صحیح شرعی امام میسر نہیں اور نہ وہ قائم کر سکتے ہیں۔ یہ سزا جو حدیث میں مذکور ہے عائد نہیں ہو سکتی، اس کے علاوہ بیعت سے بیعتِ خدا و رسول بھی مراد ہو سکتی ہے خواہ امام ہو یا نہ ہو۔

۳۔ میں جو حدیث مذکور ہے اس کا مفاد بھی یہ نہیں کہ اگر مزکی اپنے مال کی زکوٰۃ خود ادا کر دے تو زکوٰۃ ادا نہیں ہوتی اور خصوصاً ان حالات میں کہ امام شرعی صحیح موجود نہیں بطلان زکوٰۃ کا حکم اور بھی تعدی ہے

۴۔ میں آپ نے جو ذکر کیا ہے کہ آپ کا عقیدہ وہی ہے جو مولوی محمد صاحب جوناگڈھی و مولوی احمد اللہ صاحب و مولوی ثناء اللہ صاحب و مولوی عبید اللہ صاحب کا ہے۔ تو میں اس کے متعلق کچھ نہیں کہہ سکتا کیونکہ اس کی تفصیل معلوم نہیں کہ وہ عقیدہ کیا ہے؟۔ میں اس قدر عرض کر سکتا ہوں کہ اکراہ کے وقت کلمۂ کفر زبان سے کہہ دینے کی جو اجازت ہے اس پر رقیہ کو قیاس نہیں کیا جا سکتا، کیونکہ اجازت کی صورت وہ ہے جہاں اجراء کلمۃ الکفر کا یقینی نتیجہ جان کا محفوظ ہو جانا ہو اور رقیہ کا یہ اثر کہ مرضِ مہلک کو اس شرکیہ رقیہ سے ضرور شفا ہو جائے گی، یقینی بلکہ ظنی بھی نہیں محض موہوم ہے اس لئے رقیہ کو اجراء کلمۃ الکفر پر قیاس کرنا صحیح نہیں۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہٗ دہلی۔

سوال

جو شخص آیت شریفہ واولی الامر منکم کو حکام آئینِ موجودہ پر محمول کرتا ہو اور حکام آئینِ موجودہ کے حکم کو اس آیہ شریفہ سے استدلال کر کے واجب العمل کہتا ہو تو ایسے شخص کا شریعت میں کیا حکم ہے اور اس شخص کے پیچھے نماز پڑھنا جائز ہے یا نہ؟

المستفتی ۱۶۶۲ مولوی محمد شفیع صاحب مدرس اول مدرسہ اسلامیہ شہر ملتان ۲۳ ربیع الاول ۱۳۵۶ھ م ۳ جون ۱۹۳۷ء

(۱۴۴) **جواب**۔ واولی الامر منکم سے علماء یا حکام مسلمین مراد ہیں یعنی ایسے حکام جو مسلمان ہوں اور خدا و رسولؐ کے حکم کے موافق احکام جاری کریں۔ ایسے مسلمان حاکم جو خدا و رسول کے احکام کے خلاف حکم جاری کریں۔ من لم یحکم بما انزل اللہ فاولئک ھم الکفرون میں داخل ہیں اور خدا و رسولؐ

کے خلاف حکم جاری کرنے والوں کو قرآنِ پاک میں طاغوت فرمایا گیا ہے۔ اور طاغوت کی اطاعت حرام ہے۔ پس جو شخص ایسے حکام کو جو الٰہی شریعت اور آسمانی قانون کے خلاف حکم کرتے ہیں اولی الامر منکم میں داخل قرار دے وہ قرآنِ پاک کی نصوصِ صریحہ کی مخالفت کرتا ہے۔ انگریزی قانون کے ماتحت خلافِ شرع حکم کرنے والے خواہ غیر مسلم ہوں، خواہ نام کے مسلمان طاغوت ہیں۔ اولی الامر میں کسی طرح داخل نہیں ہو سکتے۔ ان کو اولی الامر میں داخل کرنے والا یا مجنون ہے یا جاہل یا فاسق۔ اور ایسی حالت میں اس کو مقتدا بنانا اور امام مقرر کرنا ناجائز ہے۔ فقط محمد کفایت اللہ کان اللہ لہٗ دہلی۔

سوال

(۱) زید حنفی المذہب ہے اور حرام کو وہ اعتقاداً حلال سمجھ کر لوگوں میں پھیلائے اور سرود وغیرہ قبرستان میں بجوائے اور اس کے بعض فعل مخالف شرع محمدی ہوں، کیا اس کی بیعت حلال ہے؟

(۲) بیعت امارت حق ہے یا فضول ہے؟ اور اس کے معتقد پر طعن کرنا درست ہے؟ ایک امیر کی موجودگی میں دوسرا امیر بیعت کرا سکتا ہے یا نہیں؟۔

المستفتی نمبر ۲۱۰۶ مشتاق احمد قریشی (ڈیرہ غازی خاں) ۸ شوال ۱۳۵۶ھ م ۱۲ دسمبر ۱۹۳۷ء

(۱۴۵) جواب۔ (۱) حرام جس کو وہ حلال قرار دیتا ہے وہ کیا ہے۔ سرود وغیرہ قبرستان میں بجوانا ناجائز ہے۔ جس کے افعال خلافِ شرع ہوں اس کی بیعت ناجائز ہے۔

(۲) بیعت امارت جائز ہے مگر جب کہ امارت صحیح اصول کے موافق ممکن ہو ایک امیر متبعِ شریعت کی موجودگی میں اسی حلقے میں دوسرے امیر کی بیعت ناجائز ہے۔ محمد کفایت اللہ غفرلہٗ۔

سوال

کیا یہ حدیث صحیح ہے کہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے کہ بعد میرے بارہ خلیفہ ہوں گے۔ اگر یہ حدیث صحیح ہے تو ان کے نام تحریر فرماویں۔ دوسرے یہ کہ یزید بن معاویہ کو کافر یا ملعون کہنے والا دائرہ اسلام سے خارج ہو جاتا ہے یا نہیں؟

المستفتی نمبر ۲۴۰۷ عبدالغفار خاں (مالیر کوٹلہ) ۵ رجب ۱۳۵۷ھ م یکم ستمبر ۱۹۳۸ء

(۱۴۶) جواب۔ بارہ خلیفوں والی روایات صحیح ہیں۔ مگر ان کا مطلب یہ ہے کہ حضورؐ نے بارہ خلیفوں تک اسلام کی قوت و شوکت قائم رہنے کی خبر دی ہے۔ یہ مطلب نہیں ہے کہ بارہ

خلیفہ خلفائے راشدین ہوں گے۔ خلافتِ راشدہ یا خلافتِ نبوت کی مدت تو تیس[۳] سال تک بیان فرمائی ہے۔

یزید بن معاویہؓ کو کافر ملعون کہنے والے خاطی ہیں، ان کو کافر کہنا بھی نہیں چاہیئے۔

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہٗ دہلی۔

سوال

(۱) ایسے صوبہ میں جہاں صوبہ کے مسلمانوں کے اجتماع عام میں باتفاق ارباب حل وعقد صوبہ کے لیئے امیر شریعت کا انتخاب کیا گیا ہو، اس صوبہ میں دوسرے امیر شریعت کا انتخاب کرنا شرعاً جائز ہے یا نہیں؟

(۲) اگر کوئی دوسرا شخص اس صوبہ میں امیر شریعت ہونے کا دعویٰ کرے تو اس کے متعلق شریعتِ اسلامیہ کا کیا حکم ہے؟

(۳) ایسے صوبہ میں جہاں صوبہ کے ارباب حل وعقد کے اتفاق سے پورے صوبہ کے لیئے امیر شریعت منتخب ہو، اس صوبہ کے کسی ضلع میں بغیر استصواب واجازت امیر شریعت صوبہ کے کسی شخص کا کسی حیثیت سے امیر ہونا یا امیر شریعت منتخب کیا جانا شرعاً صحیح ہوگا؟ جبکہ استصواب اور اجازت کے حصول کے لیئے کوئی مانع شرعی نہ ہو اور نہ کوئی داعیہ شرعی انتخاب کو مقتضی ہو۔

(۴) ایسی صورت میں کہ امیر شریعت صوبہ کی جانب سے نظام امارت شرعیہ کے تحت میں اضلاع میں اس طرح مسلمانوں کی تنظیم ہو کہ ہر چھوٹے حلقہ کے لیئے ایک سردار اس حلقہ کے مسلمانوں کے اتفاق سے مقرر ہو جس کا نام "نقیب" ہو اور چند چھوٹے چھوٹے حلقوں کے مجموعہ کے لیئے سردار "رئیس النقبا" اور "صدر النقیب" کے نام سے مقرر ہو۔ ایسی حالت میں کسی ضلع کے اندر بجائے "نقیب" یا "رئیس النقباء" یا "صدر النقیب" کے امیر شریعت صوبہ کی مقرر کردہ اصطلاح کے خلاف امیر شریعت کے نام سے سردار مقرر کرنا اور اس پر اصرار کرنا اور اس اصرار پر مسلمانوں میں اختلاف پیدا ہو جانا تفریقِ جماعت کو مستلزم ہے یا نہیں؟ اور اس طرح کی تقرری شرعاً درست ہے یا نہیں۔ المستفتی ۲۷۱۱ عبداللہ صاحب بہاری۔ ۸ ربیع الاول ۱۳۶۱ھ مطابق ۲۶ مارچ ۱۹۴۲ء۔

(۱۴۷) **جواب۔** (۱) صوبہ میں جب ایک امیر پہلے سے منتخب شدہ موجود ہے تو دوسرا امیر صوبہ بنانا ناجائز ہے۔ کیونکہ ایک صوبہ میں دو امیر نہیں ہو سکتے۔ یہ عمل حدیث صحیح صریح وان لا ننازع الامر اھلہ کے خلاف ہے۔

(۲) امیر شریعت صوبہ ہونے کا مدعی باطل پر ہے۔ اس کا دعویٰ نامقبول، اس کی مساعی مردود، اس کی اطاعت حرام ہوگی۔

(۳) اگر کسی ضلع یا احاطہ کے لیے کوئی امیر متعین کیا جائے تو اس کے لیے امیر صوبہ کی طرف سے اذن بلکہ نصب وتعیین ہی امیر صوبہ کی طرف سے ہونی چاہیئے، امیر صوبہ کی اجازت کے بغیر یہ شخص اطاعت امیر شریعت سے خارج اور عاصی ہوگا۔

(۴) امیر صوبہ اگر نقیب یا صدر النقباء یا رئیس النقباء کے نام سے کسی کو نامزد کرے تو یہی نام اور لقب اختیار کرنا ہوگا اور اگر امیر صوبہ کسی کو "امیر ناحیۂ فلاں" کا لقب استعمال کرنے کی اجازت دیدے تو یہ لقب استعمال کرنا جائز ہوگا اور اجازت نہ دے تو یہ لقب اختیار کرنا جائز نہ ہوگا۔

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ، دہلی

سوال

در علاقۂ ما کہ معروف بہ سمرانزئی ایجنسی ملاکنڈ است از طرف حاکم وقت اختیارات فیصلہ ہا بہ جرگہ قوم سپرد است۔ اما در جرگہ اتفاق وامیر نیست بلکہ سہ فریق اند وہر یک فریق بلحاظ دوستی خود یا بموجب رشوت دہی خصم اظہار رائے می کند ودوست خود را غالب می کند اراکین جمعیۃ العلماء علاقۂ ہذا ایں تجویز پاس کردہ:۔

کہ مایاں سعی وکوشش کردہ بملکان وخانان قوم منت وزاری کردہ باشیم کہ ایشاں باتفاق خود

(ترجمہ) ہمارے علاقہ سمران زئی ایجنسی ملاکنڈ میں حکومت کی طرف سے مقدمات کے فیصل کرنے کا اختیار قوم کے جرگہ کے سپرد ہے۔ لیکن جرگہ کے اندر اتفاق واتحاد نہیں ہے اور امیر شریعت بھی نہیں ہے۔ بلکہ تین پارٹیاں ہیں اور ہر پارٹی دوستی وتعلقات یا صاحب معاملہ سے رشوت لینے کی بنا پر اظہار رائے کرتی ہے اور اسی ایک فریق کے حق میں فیصلہ کردیتی ہے اب اس علاقے کی جمعیۃ علماء کے اراکین نے مندرجۂ ذیل تجویز پاس کی ہے:۔

کہ ملکان وخانان قوم سے منت سماجت کے ساتھ یہ درخواست کی جائے کہ وہ سب آپس میں متحد ومتفق ہو

یک مرکز معین کردہ امیر منتخب نمایند تاکہ فیصلہ ہائے قوم حسب شرع نبوی فیصل خواہد شد۔ لہٰذا تصدیعہ افزائے اوقات ہمایوں شدیم کہ برائے ما فتویٰ حسب سوالہائے مسطور ذیل از کتب معتبر خارج ساختہ ارسال فرمایند

(۱) سعی و کوشش کردن در امر مذکور الصدر بہتر است یا نہ؟

(۲) اگر خوب و بہتر بود و بفضلہ کامیاب شدیم پس کسیکہ باتفاق جرگہ معین شد امیر شرعی باشد یا نہ؟

(۳) اگر امیر شرعی شود پس طاعت او تاکدام حد و در کدام امور بر ما لازم باشد؟

(۴) اگر بعد از تقرر ہم فیصلہ ہا حسب شریعت نہ کند پس او امیر شرعی متصور بود یا نہ و فیصلہ ہا دریں صورت (بہ یک مرکز و یک امیر) فیصل کردن بہتر باشد یا مثل ماضی باشخاص متعدد و پراگندہ اولیٰ باشد۔

(۵) معہ منشور فتویٰ چند احکام زجریہ و عقابیہ در حق کسانیکہ فیصلہ ہا بموجب عقل خود فیصل کنند و اجر و ثواب کسانیکہ فیصلہ ہا بہ شریعت نبوی بانجام رسانند تحریر فرمودہ ارسال فرمایند

ایک مرکز پر جمع ہو جائیں اور اپنا ایک امیر منتخب کریں تاکہ قوم کے تمام فیصلے شریعت کے مطابق انجام پذیر ہوں۔ لہٰذا جناب کو زحمت دی جاتی ہے کہ مندرجۂ ذیل اُمور کے جوابات معتبر کتابوں سے عنایت فرمائیں۔

(۱) مذکورۂ بالا تجویز کو عملی جامہ پہنانے کی کوشش کرنا درست ہے یا نہیں؟

(۲) اگر اس کوشش میں ہم کامیاب ہو جائیں اور ایک امیر منتخب کرلیں تو وہ امیر شرعی ہوگا یا نہیں؟

(۳) اگر وہ امیر شرعی ہوگا تو ہم پر اس کی اطاعت کس حد تک اور کن اُمور میں لازم ہوگی؟

(۴) اگر وہ منتخب شدہ امیر بھی شریعت کے مطابق فیصلے نہ کرے تو اس کو امیر شرعی سمجھا جائے یا نہیں؟ اور اس صورت میں بیک مرکز و یک امیر فیصلے کرانا بہتر ہوگا یا سابق کی طرح مختلف الرائے و پراگندہ اشخاص سے فیصلے کرانا بہتر ہوگا؟

(۵) جو لوگ محض اپنی رائے اور اپنی عقل سے فیصلے کریں آخرت میں ان کے لیے کیا سزا ہے اور جو لوگ خالص شریعت کے مطابق فیصلے کریں، ان کے لیے کیا اجر و جزا ہے؟

المستفتی نمبر ۲۷۱۵ پیر گل بادشاہ شاہ صاحب (پشاور) ۶ ربیع الثانی ۱۳۶۱ھ م ۲۳ اپریل ۱۹۴۲ء

(۱۴۸) **جواب**۔ اِنِ الْحُکْمُ اِلَّا لِلّٰہِ اَمَرَ اَنْ لَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّآ اِیَّاہُ۔ حضرت حق تعالیٰ کا فرمان ہے کہ حکم (یعنی فیصلہ) صرف اللہ کا ہے۔ اس نے بندوں کو حکم دیا ہے کہ کسی کی بجز خدا کے عبادت نہ کریں۔ تمام منازعات کا فیصلہ خدا اور رسول کی شریعت کے موافق کرنا ہر مسلمان کا فرض ہے

خدا اور رسول کے خلاف فیصلہ کرنا طاغوتی اور شیطانی کام ہے جس سے ہر مسلمان کو بچنا لازم ہے۔ پس آپ ضرور امیر شریعت کے تقرر کی سعی کریں اور ایسا امیر مقرر کریں جو شریعت کے احکام سے واقف اور متورع اور متدین ہو اس کی اطاعت فی المعروف لازم ہوگی۔ اگر وہ شریعت کے احکام سے تجاوز کرے تو اس کو آئندہ معزول کردیں اور دوسرا امیر جو متبع شریعت ہو مقرر کرلیں۔ بہرحال ایک مرکز اور ایک امیر بہتر ہے، اگر مجبوری ہو اور ایسا امیر میسر نہ ہو یا کسی پر اتفاق نہ ہو سکے تو بدرجۂ مجبوری ایک مختصر سی جماعت تین آدمیوں کی مقرر کریں جو شریعت کے موافق فیصلے کرے۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہٗ

سوال

(از اخبار الجمعیۃ سہ روزہ دہلی مورخہ یکم مارچ ۱۹۲۹ء)

جو فرماں روائے اسلام مسلمانوں کی ترقی کی خاطر اصول سائنس یا دیگر اصلاحات یوروپ کے بموجب احکام کا نفاذ کرے اور ملک کا پورا طبقہ ان اصلاحات کو قبول کرے تو اس حاکم پر شرعی حکم کیا ہے؟ کیا وہ اسلام سے خارج ہے یا نہیں؟ اگر خارج ہے تو اس پر شرعی سزا کون سی عائد ہوتی ہے۔ ساتھ ہی ساتھ جو سرکردہ گروہ یا علمائے محترم کا کوئی فرد ایسے بادشاہ کے افعال کو موردِ لعنت اور اسلام کے خلاف قرار دے اور اپنے گروہ کے اثر سے مقدس مقامات اور اسلامی ممالک میں بغاوتیں رونما کرے۔ مثلاً ٹرکی، حجاز، ایران، مصر، چین وغیرہ تو اس کو شرعاً کیا سزا دینا چاہیئے؟ کیا ایسی بغاوت میں ایک مسلمان کا دوسرے مسلمان کو قتل کرنا یا لوٹنا جائز ہے یا ناجائز؟ اگر ناجائز ہے تو ایسے باغی اور ایسے عالم کے لیئے شرعاً کیا حکم ہے؟

(۱۴۹) **جواب**۔ اسلام نے مادی ترقی کو منع نہیں کیا۔ سائنس اور کیمسٹری اور علومِ عقلیہ کے دوسرے شعبوں سے فائدہ اٹھانے کو نہیں روکا۔ اسلامی ممالک میں جو نئی نئی چیزیں اصلاحات کے نام سے جاری ہو رہی ہیں وہ مختلف مدارج کی ہیں۔ بعض عقائد و خیالات سے تعلق رکھتی ہیں، بعض اعمال وافعال سے۔ پہلی قسم میں ایسی چیزیں بھی ہیں جو الحاد و دہریت تک پہنچاتی ہیں اور اس سے کم درجہ بھی ہیں پس اجمالی طور پر تمام امور جدیدہ کو شامل کر کے نہ سوال کرنا درست ہے اور نہ جواب دینا ہی مناسب ہے۔ بہت سی چیزیں ایسی بھی ہیں کہ ان کا اجرا مسلمانوں کے لیئے نہ صرف مفید بلکہ مقتضیاتِ زمانہ کی بنار پر واجب و لازم ہے۔ اس سوال کے جواب میں اسی قدر کہا جا سکتا ہے کہ جس بادشاہ

کی نافذ کردہ اصلاحات حدود اللہ سے متجاوز نہ ہوں اس کی اطاعت لازم ہے۔ اور بادشاہِ اسلام کے خلاف خروج و بغاوت اُس وقت تک جائز نہیں جب تک وہ اسلام کا حلقہ بگوش رہے۔ اور کُھلّم کُھلّا کفر اختیار نہ کرے، ایسی بغاوتوں میں مسلمانوں کو قتل کرنا، لوٹنا سخت حرام اور موجب وبال و نکالِ اخروی ہے۔ محمد کفایت اللہ غفرلہٗ دہلی

ساتواں باب

تقدیر و تدبیر

سوال

ایک شخص عام جلسوں میں تقدیر اور وسیلہ پکڑنے سے لوگوں کو منع کرتا ہے اور کہتا ہے کہ بھائیو تقدیر کوئی چیز نہیں، تدبیر کرو۔ اور وسیلہ کیا چیز ہے اپنی جانوں پر کھیلو۔

(۱۵۰) **جواب** ۔ جس شخص کا یہ عقیدہ ہو کہ تقدیر کچھ نہیں جو کچھ ہے تدبیر ہے وہ سخت غلطی پر ہے۔ اور صریح نصوص کا انکار کرنے والا ہے۔ بکثرت احادیث اس کی شاہد ہیں۔ ہاں تدبیر بھی محض بے کار نہیں ہے۔ مگر تقدیر کا انکار کرنا اور صرف تدبیر پر اعتماد کر لینا بھی غلطی ہے۔ اسی طرح صرف تقدیر پر ہاتھ پاؤں باندھ کر بیٹھ جانا بھی منشائے شریعت کے خلاف ہے۔ انسان کو لازم ہے کہ وہ اسباب کے موافق ہاتھ پاؤں مارے اور ان سے کام لے اور پھر یہ اعتقاد رکھے کہ میری تدبیر بھی اُسی وقت کارآمد و مفید ہوگی کہ تقدیر موافق ہو۔ اس قسم کا عقیدہ رکھنے والوں سے اجتناب چاہیئے اور ان کو اپنے مدرسے میں نہ رکھنا چاہیئے تاکہ ان کا بُرا عقیدہ اوروں تک متعدی نہ ہو۔

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہٗ دہلی۔

سوال

زید کہتا ہے کہ ذریعہ معاش اختیار کرنا۔ اچھے یا خراب کام کرنا۔ دوزخ یا بہشت ملنا۔ ایسا یا

غریب ہونا، منجانب اللہ میری تقدیر میں پہلے ہی سے لکھے ہوئے ہیں۔

عمرو کہتا ہے کہ یہ سب میرے کام ہیں منجانب اللہ نہیں ہیں۔ تقدیر اندازہ یا فعل کے نتیجے کا نام ہے جو منجانب اللہ اٹل ہے۔ صحیح راستے پر زید ہے یا عمرو؟

المستفتی نمبر ۲۷۵۸ منظہر علی ولد نجف علی محلہ قاضی گلی۔ امروہہ ضلع مراد آباد ۸ صفر سنہ ۱۳۶۲ھ م ۱۴ فروری ۱۹۴۳ء

(۱۵۱) **جواب**۔ زید کا یہ قول اس حد تک تو صحیح ہے کہ تمام کام جو انسانوں سے سرزد ہوتے ہیں تقدیر الٰہی سے ہوتے ہیں یعنی ازل سے ابد تک کے تمام حوادث و واقعات کا اللہ تعالیٰ کو علم اور اندازہ تھا اُسی علم خداوندی اور قدرِ ایزدی کے موافق تمام حوادث و واقعات اپنے اپنے وقت پر ہوتے رہتے ہیں، کوئی ایک ذرہ بھی خدا تعالیٰ کے علم و قدر سے باہر نہیں۔ اس کا یہ مطلب نہیں کہ حق تعالیٰ بندوں کو اچھے بُرے کام پر مجبور کر چکا ہے یا کرتا ہے۔ بندے جو اچھے یا بُرے کام کرتے ہیں یا ذرائع معیشت اختیار کرتے ہیں وہ خدا کی دی ہوئی طاقت کو اپنے اختیار سے اس کے علم و قدر کے ماتحت استعمال کرتے ہیں۔ اور اسی وجہ سے جزا یا سزا کے مستحق ہوتے ہیں کہ نیکی یا بدی کے ارتکاب میں ان کے قصد اور ارادے کو دخل ہے۔

عمرو کے اس قول کا (میرا ہی فعل ہے منجانب اللہ نہیں) اگر مطلب یہ ہے کہ اللہ کے علم و اندازے میں یہ باتیں نہ تھیں جو بندے نے کیں تو یہ غلط ہے اس سے نعوذ باللہ جہل باری تعالیٰ لازم آتا ہے۔ اور اگر مطلب یہ ہے کہ خدا نے بندے کو ان باتوں پر مجبور نہیں کیا۔ اگرچہ اُس کے علم و قدر کے مطابق سب باتیں ہوتی ہیں تو یہ بات صحیح ہے۔

بہر حال دونوں کی عبارتیں صاف نہیں ہیں۔ صاف عبارت یوں ہونی چاہیئے کہ ہم جو ذریعہ معاش اختیار کرتے ہیں یا اچھے بُرے کام کرتے ہیں یا امیر و غریب ہوتے ہیں یہ سب کچھ اللہ کے علم و اندازے کے موافق ہوتا ہے، باوجود اس کے ہم پتھروں کے مثل مجبور اور بے بس نہیں ہیں اور اپنے اچھے بُرے کاموں کے اچھے بُرے نتائج کے مستحق اور ذمہ دار اپنے اختیاری اعمال کی بناء پر ہوتے ہیں۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہٗ دہلی۔

آٹھواں باب

اختلافی مسائل

فصل اول مسئلہ عید میلاد

سوال

آج کل عام طور پر ۱۲ ربیع الاول کو عوام رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کا یومِ ولادت مناتے ہیں حالانکہ صحیح تاریخ یومِ ولادت کی ۹ ربیع الاول ہے۔ نہ معلوم کس طرح یومِ ولادت ۱۲ ربیع الاول کو منایا جاتا ہے۔ اگر بالفرض یہ مان بھی لیا جائے کہ یومِ ولادت نہیں منایا جاتا بلکہ یومِ وفات منایا جاتا ہے تو اس صورت میں بھی ۱۲ ربیع الاول کی بجائے ۱۳ ربیع الاول ہے۔

المستفتی نمبر ۱ محمد عبدالجلیل عثمانی۔ ایبٹ آباد۔ ۱۰ ربیع الاول ۱۳۵۲ھ م ۱۲ جولائی ۱۹۳۳ء

(۱۵۲) **جواب**۔ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی تاریخ ولادت میں پہلے سے مؤرخین و اہلِ سیر کا اختلاف ہے۔ دو شنبہ کا دن اور ربیع الاول کا مہینہ تو متفق علیہ ہے، مگر تاریخ کی تعیین میں متعدد اقوال ہیں۔ کسی نے دوسری، کسی نے تیسری، کسی نے آٹھویں، کسی نے نویں، کسی نے بارھویں تاریخ بتائی ہے۔ از روئے حساب جو جانچا گیا تو ۹ تاریخ والا قول زیادہ قوی ثابت ہوا اسی وجہ سے علامہ شبلی نعمانی مرحوم اور مولانا قاضی محمد سلیمان مرحوم نے اسی قوی اور راجح قول کو اختیار فرمایا ہے لیکن عوام میں بارھویں تاریخ والے قول کی شہرت زیادہ ہوگئی تھی، اس بنا پر عوام بارھویں کو ہی یومِ ولادت سمجھتے ہیں اور سمجھتے رہے ہیں۔

رہا عیدِ میلاد منانا تو یہ کوئی شرعی چیز نہیں ہے۔ نہ سلف صالحین اور صحابہ و تابعین رضوان اللہ علیہم اجمعین نے عید میلاد منائی نہ منانے کی ہدایت کی۔ حدیث شریف کی کتابیں اس عیدِ میلاد کے ذکر سے خالی ہیں۔ ہاں حضورِ انور صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرتِ پاک کے بیان کے لئے یہ ضروری نہیں

کہ وہ یوم ولادت میں ہی ہو۔ اس کے لیے سال کے تمام دن مستحق ہیں کہ اس شرف کو حاصل کریں۔ اور بہتر ہے کہ اس کو مختلف مہینوں کی مختلف تاریخوں میں منعقد کیا جائے۔ محمد کفایت اللہ غفرلہٗ۔

سوال

۱۲ ربیع الاول جو کہ آج سے کچھ سال پہلے بارہ وفات کے نام سے مشہور تھا اور ان دنوں یوم النبی۔ عید میلاد النبی۔ یوم التبلیغ کے نام سے موسوم ہے۔ اس دن جلسے ہوتے ہیں اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت پر تقریریں ہوتی ہیں۔ نیز بڑا بھاری جلوس بڑے تزک و احتشام سے نکلتا ہے جس میں ارکان جلوس نعتیں نعرہ ہائے تکبیر لگاتے اور پرچم اسلام لہراتے ہوئے تمام شہر میں چکر لگاتے ہیں جس سے در و دیوار گونج اٹھتے ہیں۔ اس جلوس میں باجے، ڈھول اور نقارے بھی بجائے جاتے ہیں۔ غرضیکہ بڑی رونق اور شان ہوتی ہے۔ دلیل یہ بیان کی جاتی ہے کہ جب غیر قومیں اپنے اپنے پیشواؤں کے دن مناتی ہیں تو مسلمان اپنے پیشوا بلکہ دنیا کے پیشوائے اعظم کا دن کیوں نہ منائیں۔ لہٰذا مندرجہ ذیل سوالات کے جواب مطلوب ہیں۔

(۱) کیا قرآن مجید میں حکم دیا گیا ہے کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم یا کسی اور نبی کی پیدائش یا وفات کا دن اس طرح منایا جائے۔ یا آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس بات کا حکم دیا ہے کہ میرے بعد میری پیدائش یا وفات کا دن اس طرح منایا جائے۔ کیا حضرات خلفائے راشدین و دیگر صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے حضورؐ کی پیدائش یا وفات کا دن منایا ہے؟ جس چیز کا حکم خدا اور رسول نے نہ دیا ہو اور اسلام کے ایک ایک حکم کو عملاً کر دکھانے والی جماعت یعنی صحابہ کرامؓ نے اسے نہ کیا ہو کیا اس کو احداث فی الدین اور بدعت نہ کہا جائے گا۔

جب کہ حسب روایات معتبرہ و مشہورہ یہی دن پیدائش کا ہے اور یہی وفات کا تو شرعاً مسلمان کونسا دن منائیں۔ کیا آدھا دن پیدائش کی خوشی اور نصف دن وفات کا غم کریں۔ کیا مجموں اور جلسوں میں جہاں باجہ اور ڈھول وغیرہ بجایا جائے شامل ہونا جائز ہے؟ بدعت کی تعریف کیا ہے؟

المستفتی نمبر ۳۴۴ کمیشن ایجنٹ ٹریڈنگ کمپنی ہوشیار پور۔ ۸ ربیع الاول ۱۳۵۳ھ م ۲۱ جون ۱۹۳۴ء

(۱۵۴) **جواب۔** آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پیدائش کے دن عید منانا یا وفات کے دن ماتم اور غم منانا اسلامی تعلیم نہیں ہے۔ نہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا حکم دیا نہ صحابہؓ نے یہ دن منایا۔

اور جلوس نکالنا باجے بجانا اور اسی قسم کے اور افعال مثلاً آتشبازی چھوڑنا افراط کے ساتھ روشنی کرنا چراغاں کرنا، اکھاڑے نکالنا یہ سب باتیں درست نہیں ہیں۔ ہاں حضورؐ کی سیرۃ مبارکہ کے بیان و تبلیغ اور حضورؐ کی تعلیم کی اشاعت کے لیئے اجتماع منعقد کرنا اور اس میں مسلموں اور غیر مسلموں کو دعوت دینا اور حضورؐ کے فضائل و کمالات بیان کرنا جائز ہے۔ ابتداء میں یہ جلسے اسی غرض سے تجویز ہوئے تھے اور سیرت کے بیان کے لیئے یہ مقرر کیئے گئے تھے اور اسی صورت سے میں نے بھی ان جلسوں کے موافق رائے ظاہر کی تھی مگر اس شرط کے ساتھ کہ اس کی کوئی تاریخ ہمیشہ کے لیئے معین نہ کی جائے بلکہ ہر سال موسم کے لحاظ سے ایک مناسب تاریخ کا اعلان کر دیا جایا کرے۔ یا ہمال کی پہلی تاریخ (یکم محرم) مقرر کر دی جائے تاکہ عید میلاد کا شبہ نہ ہو اور یہ نام جو غیر شرعی ہے قائم نہ ہو جائے اور اصل مقصد جو نہایت نیک اور اہم ہے وہ حاصل ہو جائے یعنی آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم وارواحنا فداہ کے فضائل و کمالات چار دانگ عالم میں پہنچ جائیں اور غیر مسلموں کو بھی حضورؐ کے کمالات ذاتیہ کا علم ہو جائے اور اسلامی تعلیم کی فضیلت بھی آفتاب نصف النہار کی طرح واضح ہو جائے۔ مگر افسوس کہ لوگوں نے ان جلسہ ہائے سیرت کو مجالس میلاد بنا لیا اور وہ وہ باتیں شامل کر لیں جو نہ صرف اصل مقصد سے دور ہیں بلکہ ان کا دار و مدار ریا و نمود اور شہرت و ناموری حاصل کرنے کے نامناسب و ناملائم جذبات پر ہے۔ اکثری حالات میں ان مجالس سے فائدہ کے بجائے دینی ضرر کا خوف ہے اور غیر مسلموں کے دل پر بھی اس کا کچھ اچھا اثر نہ ہوگا۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہٗ۔

سوال

یوم[۱] میلاد النبی منانا بموجب پروگرام سیرت کمیٹی کے۔ جلوس[۲] شہر میں نکالنا۔ میلاد[۳] پڑھتے ہوئے راستہ سے چلنا۔ ایک[۴] جگہ جمع ہو کر جلسہ کر کے سیرت نبوی و اسلام اور بانی اسلام کا ذکر تذکرہ کرنا اور بعدہٗ شیرینی[۵] عوام میں تقسیم کرنا شرع میں ہر ایک عمل کے لیئے کیا حکم ہے۔ کیا مذکورۂ بالا عمل شرک و بدعت ہے؟ شرع میں ایسا یعنی شرک و بدعت کا فتوی دینے والے عالم کے لیئے جو جامع مسجد کا پیش امام ہے کیا حکم ہے؟ المستفتی نمبر ۱۲۶۴ خواجہ مصلح الدین صاحب (مغربی خاندیس) ۲۳ ربیع الاول ۱۳۵۶ھ م ۳ جون ۱۹۳۶ء

(۱۵۴) **جواب**۔ سوال میں جتنی باتیں مذکور ہیں ان میں سے صرف نمبر ۴ بلا تخصیص تاریخ و یوم جائز ہے۔ باقی افعال کا ترک لازم ہے۔ مذکورۂ بالا اعمال شرک تو نہیں مگر ان کو لازم سمجھنا اور جلوس وغیرہ کو شرعی امور

قرار دینا بدعت ہے محمد کفایت اللہ کان اللہ لہٗ دہلی

سوال

محفلِ میلادالنبی صلی اللہ علیہ وسلم کو کاغذی پھول و فرش و قالین سے سجانا اور عطر و گلاب سے معطر کرنا از روئے شرع شریف جائز ہے یا نہیں؟

المستفتی نمبر ۲۳۱۷ سید علی صاحب (ٹانڈا نگر) ۱۴ ربیع الثانی ۱۳۵۷ھ م ۱۴ جون ۱۹۳۸ء

(۱۵۵) **جواب**۔ مروجہ مجالس میلاد کا منعقد کرنا ہی بے اصل ہے۔ وعظ کے لئے مجلس منعقد کی جائے اور وعظ کے اثنائے بیان میں آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حالات اور فضائل بیان کردیئے جائیں اسی میں حضورؐ کی ولادتِ شریفہ کے صحیح واقعات بھی بیان کردے، اس قدر جائز اور درست ہے۔ اس قسم کی دینی اور مبارک مجلس کو دنیاوی اور نمائشی آرائش سے صاف رکھنا بہتر ہے۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہٗ دہلی۔

سوال

بہ تقریب ماہ ربیع الاول مجالس وعظ و تبلیغ منعقد کرنا جن میں حضور اقدس علیہ الصلوٰۃ والسلام کی سیرتِ طاہرہ اور آپ کے فضائل و مناقب بیان کرنا دینی و دنیوی حیثیت سے باعث خیر و برکت ہے یا نہیں؟

المستفتی نمبر ۲۷۲۵ انچارج سکریٹری صیغۂ تعلیمات گورنمنٹ (بھوپال اسٹیٹ) ۶ جمادی الثانی ۱۳۶۱ھ مطابق ۲۱ جون ۱۹۴۲ء

(۱۵۶) **جواب**۔ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرتِ مبارکہ کا ذکر کرنا دینی حیثیت سے موجب صد خیر و برکت ہے اور دنیوی حیثیت سے حضورؐ کے فضائل و مناقب اور کمالات کی تبلیغ و اشاعت بے حد مفید ہے اور انسانیت کی بیش بہا خدمت ہے، لیکن اس کے لئے ماہِ ربیع الاول یا اس مہینے کی کسی تاریخ کی تخصیص نہیں ہے بلکہ سال بھر کے تمام مہینے اور تمام ایام میں یہ خدمت انجام دینا اور اس عملِ خیر کو عمل میں لانا یکساں موجبِ ثواب ہے۔ نیز اس مجلس کی حیثیت بھی مجلسِ وعظ و تذکیر کی حیثیت سے ہے۔ نہ عید و جشنِ میلاد کی اور یہ بھی لازم ہے کہ اس کو بدعاتِ مروجہ سے محفوظ اور پاک رکھا جائے۔ عام طور سے مجالس سیرت کے نام سے لوگ میلاد مروج

کے جلسے کرتے اور ان میں وہ تمام بدعات جو قدیم مبتدعین کیا کرتے تھے عمل میں لاتے ہیں، یہ باتیں مذموم ہیں اور مجلس کے اصل مقصد کے خلاف ہیں اور اس کے فائدہ کو تباہ کر دیتی ہیں۔

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ دہلی۔

(۱۵۷) **جواب**[۲۷۵] **دیگر**۔ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حالاتِ طیبہ کی اشاعت و تبلیغ کی غرض سے مجالس سیرت منعقد کرنا جائز اور مستحسن ہے۔ البتہ یہ ضروری ہے کہ ان مجالس کو بدعاتِ مروجہ سے پاک رکھا جائے۔ اور ان کو عید میلاد یا مجلسِ مولود کا لقب نہ دیا جائے۔ اور نہ ماہِ ربیع الاول یا بارھویں تاریخ کے ساتھ مخصوص سمجھا جائے۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہٗ دہلی۔

سوال

(۱) مروجہ میلاد شریف کی کوئی حقیقت بھی ہے یا نہیں اور اس کی بنیاد کب سے پڑی اور کس شخص نے ترویج دی۔ نیز اگر میلاد شریف کیا جائے تو قرآنِ کریم و احادیث سے کس طرح ثابت ہے۔ اور اس کا کیا طریقہ ہے؟۔ ایک مولوی صاحب قرآنِ عظیم سے میلاد شریف ثابت کرتے ہیں اور ثبوت میں یہ آیتِ شریفہ پیش کرتے ہیں:۔ واذ اخذ اللّٰہ میثاق النبیین لما اٰتیتکم الاٰیۃ۔ یہ آیت شریفہ تیسرے پارے، سولھویں رکوع میں موجود ہے۔ اس کی تشریح کی جائے اور شانِ نزول سے بھی آگاہ کیا جائے۔

(۲) میلاد شریف میں جو قیام کیا جاتا ہے، آیا اس کا کوئی ثبوت ہے یا نہیں۔ قال اللہ قال الرسولؐ کی رو سے آگاہ فرمایا جائے۔ بعض حضرات قیام کے ثبوت میں یہ حدیث پیش کرتے ہیں:۔ قوموا لسیدکم

(۳) وما اھل بہ لغیر اللّٰہ میں حنفیہ کا کیا مسلک ہے آیا عند الذبح مراد ہے یا اس کے برعکس حنفیہ کا استدلال بسط کے ساتھ بیان کیا جائے۔ اور شیخ سدو کے بکرے اور سید سالار کے مرغ وغیرہ کا حکم بتلایا جائے کہ حرام ہے یا حلال۔

المستفتی ۲۵۹۹ عطاؤ اللہ (کلکتہ) ۵ ربیع الثانی ۱۳۵۹ھ م ۱۴ مئی ۱۹۴۰ء

(۱۵۸) **جواب**۔ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حالاتِ طیبہ اور فضائل و کمالات آپ کی رسالت و تبلیغ کی خدمات کا بیان ہر وقت جائز بلکہ مستحسن ہے لیکن صرف ذکر ولادتِ شریفہ

کے لیۓ اسی نام سے مجلسِ میلاد منعقد کرنا سلف صالحین میں نہیں پایا گیا۔ یہ مجالس کوئی ساتویں صدی ہجری سے شروع ہوئیں اور ان کے بارے میں علماء کا اسی وقت سے اختلاف چلا آتا ہے کوئی اس کو جائز اور مستحسن قرار دیتا تھا اور کوئی بدعت۔ قولِ راجح یہ ہے کہ حضورؐ کے حالاتِ طیبہ بیان کرنے کے لیۓ بطور مجلس وعظ کے اجتماع ہو، اس میں حضورؐ کے کمالات بیان کیۓ جائیں، صحیح روایات بیان کی جائیں۔ اسراف اور دیگر بدعات سے مجلس خالی ہو تو جائز ہے
قیامِ مروج جو ولادت کے ذکر کے وقت کیا جاتا ہے بے اصل ہے اور بدعت ہے۔
قوموا لسیدکم سے استدلال صحیح نہیں ہے کیونکہ وہاں تو سیّد موجود تھے اور مجلس میلاد میں حضورؐ کا موجود ہونا ظاہر ہے کہ منتفی ہے۔
شیخ سدّو کا بکرا اور سید سالار کا مرغا اور ہر جانور جس کی جان غیر اللہ کے لیۓ دینی مقصود ہو حرام ہے۔ اگرچہ ذبح کے وقت بسم اللہ اللہ اکبر پڑھ کر ذبح کیا جاۓ۔ حنفیہؒ کا صحیح مسلک یہی ہے۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہٗ دہلی۔

سوال

(۱) جب کوئی صاحب وعظ یا مولود شریف فرماتے ہوں، ان کے ارشاد پر حاضرین بآوازِ بلند درود شریف پڑھیں تو یہ جائز ہے یا نہیں؟
(۲) ایک صاحب کہتے ہیں کہ جب درود شریف پڑھا جاوے تو آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم بذاتِ خود سنتے ہیں اور پڑھنے والے کو پہچانتے ہیں، کیا یہ صحیح ہے؟
(۳) چند مسلمان چندہ جمع کر کے طعام پکاویں اور نیاز آں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام یا حضرت پیرانِ پیر غوثِ پاک علیہ الرحمۃ کی دینا چاہیں تو جائز ہے یا نہیں؟ اور وہ طعام صاحبِ نصاب اہلِ ثروت اور ہمسایہ اور خود صاحبِ چندہ کس کس کو کھانا جائز ہے؟
(۱۵۹) **جواب**۔ (۱) گرمیٔ مجلس کے لیۓ واعظ کا بآوازِ بلند درود پڑھوانا اور حاضرین کا پڑھنا دونوں ناجائز ہیں۔ حضورؐ کا نامِ نامی سن کر سامعین کو خود درود شریف پڑھنا چاہیۓ۔ واعظ کہے یا نہ کہے۔ اس کے کہنے کا انتظار نہ کرنا چاہیۓ۔
(۲) حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا بذاتِ خود درود شریف سننا ثابت نہیں۔ ملائکہ سیاحین

کے ذریعے سے درود شریف حضورؐ کو پہنچایا جاتا ہے۔

(۳) یہ کھانا اگر بہ نیتِ صدقہ وایصالِ ثواب کھلایا جاتا ہے تو صاحبِ نصاب اور خود پکانے پکوانے والے کو کھانا درست نہیں۔ صرف فقراء ومساکین کا حق ہے۔ اور اس میں بھی التزام نہ ہونا چاہیئے۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہٗ دہلی۔

سوال

(از اخبار الجمعیۃ دہلی۔ مورخہ ۶ر ستمبر ۱۹۲۷ء)

میلاد شریف کی بنیاد کہاں سے ہے؟ اور کب سے شروع ہوئی؟ اور کیوں شروع ہوئی؟

(۱۶۰) **جواب**۔ میلاد شریف حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانۂ مبارک کے صدیوں بعد ایجاد ہوئی ہے۔ حضورؐ کے عہدِ مسعود اور صحابہؓ وتابعین وائمہ مجتہدین رحمہم اللہ کے زمانۂ مبارک میں اس کا وجود نہ تھا۔ اس میں کوئی شبہ نہیں کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حالات و واقعات اور فضائل ومعجزات کا بیان کرنا مسلمانوں کے لیئے بصیرت افروز اور موجبِ سعادتِ دارین ہے مگر اول تو اس کے لیئے یہ ضروری ہے کہ واقعات اور روایات صحیح صحیح بیان کیئے جائیں۔ غلط اور موضوع قصے نہ بیان کیئے جائیں۔ دوسرے یہ کہ مجلس خاص اہتمام سے اور میلاد کے نام سے منعقد کرنے کا کوئی ثبوت نہیں۔ اس لیئے بہتر ہے کہ مجالس وعظ سے ہی یہ کام لیا جائے۔ تیسرے یہ کہ منکراتِ شرعیہ مثلاً اسراف، تفاخر، ریا سے اجتناب کیا جائے۔ چوتھے کسی خاص وقت تاریخ کو اس کے لیئے شرعاً مخصوص یا مفید زیادتِ ثواب نہ سمجھا جائے۔ تو نفس ذکر اوصاف وفضائل آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم افضل مستحبات میں سے ہے۔ واللہ اعلم۔ محمد کفایت اللہ غفر لہٗ

سوال

(از اخبار الجمعیۃ دہلی مورخہ ۹ر مئی ۱۹۳۷ء)

عید میلاد النبی موجودہ وقت میں مذہبی حیثیت رکھتا ہے یا نہیں؟

(۱۶۱) **جواب**۔ عیدِ میلاد النبی کے نام سے کوئی جلسہ کرنا صحیح نہیں۔ ہاں سیرتِ مقدسہ کی تبلیغ وبیان کے لیئے جلسہ کرنے میں مضائقہ نہیں۔ اور اس کے لیئے کسی خاص تاریخ کی تخصیص نہیں اور فضولیات وبدعات سے احتراز رکھنا لازم ہے۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہٗ دہلی۔

فصل دوم۔ جلسۂ سیرۃ

سوال

بارہ ربیع الاول ۱۴؍ جون ۱۹۳۵ء کو عید میلاد کا جلسہ نہایت شان و شوکت سے منایا گیا۔ صوبہ سرحد کے مشہور علماء جو مدعو تھے اجلاس میں شامل ہوئے اور سیرتِ نبی پر تقریریں کیں۔ لیکن نیگو کا امام مسجد جس کا نام ملا بلال ہے اور دوسرا خانزادہ غلام احمد خاں نے سیرت کے جلسے کی سخت مخالفت کرنے لگے اور مسجدوں میں خلاف تقریریں کرنے لگے۔ تقریر میں وہ کہتے تھے کہ بارہ وفات کا نام عیدِ میلاد رکھنا بدعت ہے۔ اور اس دن جلسہ کرنا شرک و بدعت ہے۔ کیونکہ یہ جلسہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحابؓ نے نہیں کیا ہے۔ نہ قرآن و حدیث میں کسی جگہ درج ہے۔ میں نے غلام احمد خاں پر سوال کیا کہ تمام دنیا کے علمائے کرام نے اس دن جلسہ کرنے کا حکم دیا ہے تو کیا تمام دنیا کے علمائے کرام غلطی پر ہیں؟ اس کا جواب انھوں نے یوں دیا کہ جب امام مہدی آخرالزماں ظہور کریں گے تو تمام دنیا کے علمائے کرام ایک طرف ہوں گے اور امام مہدی دوسری طرف ہوں گے، یہ قرآن و حدیث سے ثابت ہوا ہے۔ مجھ کو چونکہ علم نہ تھا اس لئے میں نے اس کو کہا کہ میں دہلی کو لکھوں گا۔ المستفتی نمبر ۵۱۳ عبدالمنان (نیگو) ۵ ربیع الثانی ۱۳۵۴ھ م ۷ جولائی ۱۹۳۵ء

(۱۶۲) **جواب**۔ یہ صحیح ہے کہ عیدِ میلاد کے نام سے اور عید منانے کے خیال سے بارہ ربیع الاول کو جلسہ کرنا بے اصل ہے اور اسے بدعت کہہ دینے میں مضائقہ نہیں اور تمام علماء نے اس نام اور اس خیال سے جلسہ کرنے کا حکم نہیں دیا۔ علماء نے جلسۂ سیرۃ کے نام سے جلسہ کرنے کی اجازت دی ہے جس کا مطلب کوئی عید منانا نہیں اور نہ اس کو میلاد کے مروجہ اعمال و رسوم سے تعلق ہے۔ اس کی غرض تو یہ تھی کہ مسلمانوں کے اندر جو ایک غلط طریقہ اور مبتدع رسم مجلسِ مولود منعقد کرنے کی رواج پاگئی ہے اور اس میں اسراف، نمود اور بدعات و خرافات پھیل گئی ہیں اور مولود خواں جھوٹی اور موضوع روایتیں بیان کرتے ہیں ان کی اس طرح اصلاح ہوجائے کہ سیرۃ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بیان اور حضورؐ کے اسوۂ حسنہ کی اشاعت و تبلیغ کی غرض سے جلسہ منعقد کیا جائے جو تمام فضولیات اور بدعات و خرافات سے پاک ہو اور اس میں سیرۃ مبارکہ و مقدسہ کے صحیح صحیح حالات بیان کئے جائیں

اور مسلمانوں کو اتباع سنت کی ترغیب دی جائے ۔ کوشش کر کے غیر مسلموں کو بھی جلسے میں شریک کیا جائے تاکہ وہ بھی پیغمبر اسلام ارواحنا فداہ کے حقیقی اور صحیح اور سچے حالات و کمالات سے واقف ہوں اور تبلیغ کی صحیح صورت پر عمل ہو سکے ۔ مگر افسوس کہ مسلمانوں نے بجائے جلسۂ سیرۃ کے اس کو وہی مجلس مولود بلکہ ترقی کر کے عید میلاد بنا لیا اور اس کے ساتھ جلوس اور نمائش کے بہت سے کاموں کا اضافہ کر لیا ۔ وفقہم اللہ تعالیٰ للاهتداء بهدیہ صلی اللہ علیہ وسلم ۔

الحاصل اشاعت سیرۃ مقدسہ کی غرض سے انعقاد جلسہ جائز بلکہ مندوب ہے ۔ اور عید میلاد کے نام یا اعتقاد سے جلسہ منعقد کرنا بے اصل ہے ۔ باقی یہ قول کہ امام مہدیؑ کے زمانے میں سارے علماء ایک طرف اور امام مہدی ایک طرف ہوں گے صحیح نہیں ہے ۔ اور مجلس میلاد کو شرک بتانا بھی زیادتی ہے ۔ فقط محمد کفایت اللہ کان اللہ لہٗ دہلی ۔

سوال

گذشتہ کئی سال سے مسلمانوں کے اندر ایک نئی تقریب موسومہ عید میلاد النبی شروع ہو گئی ہے اور ہر سال اس تقریب کو رونق دینے کے لیۓ نئی نئی تجاویز عمل میں لائی جا رہی ہیں اور ان پر ہر سال مجموعی حیثیت سے کئی لاکھ روپیہ صرف ہو جاتا ہے ۔ مجھے اس کے متعلق چند شکوک ہیں :۔

(۱) کیا اس تقریب کو منانے کے لیۓ کوئی نص قرآنی یا حدیث نبوی ہے ؟ اگر ہے تو نقل فرمائیں یا اس کا حوالہ درج فرمائیں ۔

(۲) کیا قرون اولیٰ میں یہ تقریب کبھی کسی زمانے میں منائی گئی ؟ اگر منائی گئی تو کس طرح ؟

(۳) اگر اس تقریب سے مسلمانوں کے اندر تنظیم کا جذبہ پیدا کرنا مقصود ہو تو کیا شارع علیہ السلام نے ہمیں کوئی طریقۂ تنظیم کا اپنی زبان مبارک سے یا اپنے کسی فعل مبارک سے بتایا ہے یا نہیں ؟

(۴) کیا پنجگانہ نمازیں اور نماز عیدین اور حج مسلمانوں کی تنظیم کے لیۓ کافی نہیں ہیں ؟

(۵) کیا ان کی پابندی کی طرف سے توجہ ہٹا کر اسلام کے اندر نئی نئی باتوں کا رائج کرنا بدعت میں داخل نہیں ہے اور جو روپیہ اس تقریب کے منانے پر خرچ کیا جاتا ہے وہ اسراف میں داخل نہیں ہے ؟

(۶) اگر آئے دن شریعت سے بے نیاز ہو کر تنظیم کی خاطر نئی نئی ایجادات کرنا جائز ہے تو پھر

مرزا قادیانی کو جس کا دماغ ایسی باتوں میں بہت اچھا کام کرتا ہے اور جس نے اپنی جماعت کی عدیم النظیر تنظیم کی ہوئی ہے، کیوں نہ استاد بنا لیا جائے؟

المستفتی ۸۸۰ حبیب احمد خاں ۴ صفر ۱۳۵۵ھ م ۲۶ اپریل ۱۹۳۶ء۔

(۱۶۳) **جواب** - جس وقت یہ تقریب شروع کی گئی تھی تو اس کو اشاعت سیرت مقدسہ کے نام سے شروع کیا گیا تھا۔ یہ سیدھا سادہ عنوان ہر مسلمان کے لئے جاذب توجہ تھا۔ اس وقت نہ کسی مخصوص تاریخ کا ذکر تھا۔ اور نہ کسی خاص مبتدع کیفیت کا۔ نہ جلوس نکالنے کا تصور تھا نہ باجوں اور تماشوں کا تخیل۔ اس سیدھے سادے عنوان کو ہم نے بھی تبلیغ و تذکیر کا ایک طریقہ اور مؤثر ذریعہ سمجھ کر انعقاد مجالس سیرت کی اجازت دی تھی۔ اور یہ سمجھا تھا کہ خدا تعالیٰ کے آخری رسول خاتم الانبیاء سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرۃ مبارکہ صحیح اور مستند روایات کے ساتھ جب مخلوق کے سامنے پیش کی جائے گی تو یہ غیر مسلموں کے لئے ایک اچھا ذریعۂ تبلیغ و تذکیر ہوگا اور ممکن ہے کہ اس کی وجہ سے رسمی محافل میلاد اور ان کی مروجہ بدعات کا مسلمانوں میں بھی انسداد ہو جائے۔ اور وہ بجائے رسمی محافل میلاد کے تبلیغ سیرت کے صحیح طریقے پر کاربند ہو جائیں مگر افسوس! ع خود غلط بود انچہ ما پنداشتیم

کا معاملہ ہو گیا۔ مسلمانوں نے بہت جلد جلسہ ہائے سیرۃ کی اصلی غرض و غایت کو نظر انداز کر کے انھیں رسمی محافل میلاد میں مدغم کر دیا۔ پہلے تو بجائے جلسہ سیرۃ کے ان اجتماعات کا نام ہی عید میلاد کر دیا۔ جو یقیناً قرون اولیٰ مشہود لہا بالخیر کے خلاف ایک نئی ایجاد تھی اور اسلام کی سچی ثابت عیدین (عید الفطر و عید الاضحیٰ) پر ایک جدید عید کا اضافہ تھا۔ جو ایک متبع سنت مسلمان کی اسلامی واقفیت میں ناقابل قبول ہے۔ پھر ان جلسوں کے لئے ایک معین تاریخ ۱۲ ربیع الاول لازم کر دی گئی۔ اس کے بعد جلسوں کے اوپر جلوسوں کا اضافہ کیا گیا اور منچلے لوگوں نے باجوں ڈھول کھیلوں تماشوں کو شامل کر کے اسے اچھا خاصہ مجموعۂ لہو و لعب بنا دیا۔ فالی اللہ المشتکی وانا للہ وانا الیہ راجعون۔

اس تمہید کے بعد آپ کے سوالات کے نمبروار جوابات یہ ہیں:۔

(۱) اس تقریب کو بہیئت کذائی منانے کے لئے (یعنی عید میلاد یا جشن میلاد کے نام سے

مخصوص تاریخ ولادت میں یا کسی اور تاریخ میں منانے کے واسطے، نہ قرآن پاک میں کوئی نص ہے نہ حدیث میں نہ صحابہ کرام یا تابعین عظام یا مجتہدین امت خیر الانام کی قولی یا فعلی ہدایات میں کہیں اس کا وجود ہے۔

(۲) قرون اولیٰ میں اس تقریب کا وجود نہ تھا حالانکہ اس زمانے کے مسلمان آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اقدس کے ساتھ تعلق اور فداکاری و محبت میں اعلیٰ درجے پر فائز تھے اور دوسری قوموں کو اپنے پیشواؤں کے یوم ولادت پر خوشی کی تقریبیں مناتے ہوئے دیکھتے تھے مگر ان کو کبھی اس ایجاد کی طرف توجہ نہ ہوئی۔

(۳) اگر تنظیم مسلمین کا جذبہ پیدا کرنا بھی مقصود ہو تو وہ ان بدعات و مخترعات کے ارتکاب پر موقوف نہیں بلکہ وہ سیدھے سادے طور پر تبلیغ سیرۃ مقدسہ کے جلسے سے بھی حاصل ہو سکتا ہے۔ اس میں شبہ نہیں کہ تنظیم مسلمین ایک صحیح اور شرعی مقصد ہے لیکن کسی صحیح اور شرعی مقصد کے لیے غیر شرعی اور مبتدع صورتیں اختیار نہیں کی جا سکتیں اور کی جائیں تو جائز اور مستحسن نہیں ہو سکتیں۔

(۴) بلا شبہ نماز کی پنجگانہ جماعت اور جمعہ کی ہفتہ وار جماعت اور عیدین کی جماعتیں اور حج کا اجتماع عظیم مسلمانوں کی صحیح تنظیم کے لیے مقرر تھے، مگر افسوس کہ مسلمان ان جماعاتِ مہمہ کی اصل روح کو بھول گئے۔ اور ان تمام چیزوں کو بھی انھوں نے ایک عادی اور رسمی امور کی حیثیت دیدی مگر چونکہ یہ ثابت شدہ اور مامور بہا اعمال شرعیہ ہیں اس لیے ان کو عمل میں لانا ضروری ہے اور یہ بھی لازمی ہے کہ ان کی اصل روح کے ساتھ ان کو ادا کیا جائے۔ اور ان سے ہی تنظیم ملت اور اجتماع امت کا فائدہ حاصل کیا جائے۔ واللہ الموفق۔

(۵) اگر کوئی نئی چیز ان امورِ شرعیہ کی اہمیت کی طرف سے مسلمانوں کی توجہ ہٹانے کی موجب ہو تو اس کے حرام ہونے میں شبہ نہیں ہو سکتا لیکن اگر یہ مان لیا جائے کہ وہ ان فرائض اور شعائر اسلامیہ سے توجہ ہٹانے کی موجب نہیں بلکہ ایک جدید صورت تنظیم ہے تو اس کی اباحت کا اس شرط سے حکم دیا جا سکتا ہے کہ اس کی اصل شریعتِ مقدسہ میں موجود ہو۔ اور اشاعت سیرۃ مقدسہ کے لیے سادہ طریق پر جلسۂ سیرت کے نام سے اجتماع کیا جائے تو وہ تو تبلیغ و تذکیر کی شرعی ثابت شدہ اصل کے ماتحت آسکتا ہے لیکن عید میلاد یا جشن میلاد کے نام سے اور اس مقصد سے کیا جائے تو اس

کی شریعت مقدسہ میں اصل نہیں ہے اور اس پر زائد از حاجت مصارف کرنا یقیناً حد اسراف میں داخل ہوگا۔

(۶) آہ یہ سوال بہت زیادہ پیچیدہ اور تفصیل طلب ہے۔ میں سر دست اس کے جواب میں صرف ایک شعر پر اکتفا کرتا ہوں اور وہ یہ ہے ؎

مپندار سعدی کہ راہِ صفا توان رفت جز بر پئے مصطفٰی

صلی اللہ علیہ وسلم تسلیماً کثیراً۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہٗ دہلی

سوال

نصیر آباد میں چند افراد نے سیرت النبی کے جلسہ کی صدارت متواتر تین روز کا فر اور مشرک کے حوالہ کی۔ آیا اس جماعت کا یہ فعل شریعتِ اسلام کے موافق ہے یا مخالف۔ تقریر کرنے والے علماء اہلِ سنت والجماعت تھے۔

المستفتی نمبر ۱۰۲۳ عبدالرحمٰن صاحب نصیر آبادی حال مقیم میرٹھ ۹ ربیع الثانی ۱۳۵۵ھ م ۳۰ جون ۱۹۳۶ء

(۱۶۴) **جواب**۔ صدر کو بسا اوقات مقررین کی تقریروں پر محاکمہ یا بعض مقررین کے بیانات پر تنقید کرنی ہوتی ہے۔ اس لیے کسی خاص جلسہ کی صدارت کے لیے مقصدِ جلسہ اور متعلقاتِ مقصد کا ماہر شخص ہی موزوں ہوتا ہے۔ نیز مذہبی اجتماعات میں مذہبی حیثیت سے ممتاز شخصیت کو صدر بنانا مناسب ہے۔ بنا بریں ان لوگوں کا انتخاب ناموزوں اور نامناسب واقع ہوا۔

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہٗ دہلی۔

فصل سوم مسئلہ قیام

سوال

ماقولکم رحمکم اللہ۔ اس زمانے میں لوگ جس طرح مولود شریف پڑھتے ہیں اور حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی پیدائش کے بیان میں قیام کرتے ہیں وہ حضرت ﷺ کے زمانے اور صحابہ رضؓ و تابعین رحؒ و تبع تابعین کے زمانے میں تھا یا نہیں۔ ائمہ اربعہ یا اُن کے زمانہ میں کسی نے یہ قیام کیے ہیں یا نہیں اور ان سے کچھ روایت ہے یا نہیں اور کیسے یہ قیام شروع ہوا اور کس نے پہلا قیام

کیا اور وہ کس طبقے کا لوگ تھا۔ اور قیام کرنا کیسا ہے اور نہ کرنے سے گنہ گار ہوتا ہے یا نہیں یہ قیام ہر مجلس میں کرنا چاہیئے یا کبھی ترک کرنا اچھا ہے؟

(۱۶۵) **جواب**۔ مجالس میلادِ مروجہ کا قیام معہود شریعت میں ثابت نہیں۔ قرونِ ثلثہ مشہود لہا بالخیر میں اس کا کوئی وجود نہ تھا۔ صحابہ کرامؓ اور تابعین، تبع تابعین اور ائمہ مجتہدینؒ کے زمانے میں نہیں تھا۔ نہ اُن حضرات سے اس کے بارے میں کوئی روایت جواز کی منقول نہ اصول شریعۃ غراء سے اس کا کوئی ثبوت۔ قیام کرنے والے اگر تعظیم ذکر ولادت کی نیت سے قیام کرتے ہیں تو جواب یہ ہے کہ ذکر کی تعظیم قیام کے ساتھ شریعت میں معہود نہیں، نیز ذکر ولادت کی تخصیص بے معنی ہے۔ نیز ذکر اللہ اور قراءۃ قرآن زیادہ مستحق تعظیم ہے حالانکہ ذکر اللہ اور قراءۃ قرآن کے وقت کوئی شخص تعظیماً قیام نہیں کرتا، پھر ذکرِ ولادت کی تعظیم قیام سے کرنا بھی مجلسِ مولود کے ساتھ خاص کیوں ہے؟ اگر وعظ میں کوئی واعظ ولادتِ شریفہ کا ذکر کرے، یا بغیر انعقادِ مجلس گھر میں کوئی ذکرِ ولادت کرے تو کوئی شخص تعظیماً قیام نہیں کرتا۔ یہ سب تخصیصات بے دلیل ہیں۔ اور اگر اس خیال سے قیام کرتے ہیں کہ روحِ مبارک آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلسِ میلاد میں آتی ہے تو یہ خیال پہلے خیال سے بھی زیادہ جہالت آمیز ہے کیونکہ روح مبارک کے آنے کی دلیلِ شرعی کوئی نہیں۔ نیز آنِ واحد میں ہزاروں مجلسیں دنیا میں ہوتی ہیں، اگر ہر مجلس میں آپؐ کی روحِ مبارک کو حاضر مانا جائے تو اس میں شائبہ شرک بھی ہے کہ آنِ واحد میں مجالسِ متعددہ میں حاضر و ناظر ہونا آپؐ کے لیئے ثابت کیا جاتا ہے۔ حالانکہ ہر جگہ حاضر و ناظر ہونا خواص ذاتِ احدیت سے ہے۔ کسی امرِ مستحب کو ضروری سمجھنا اس کو حدِ کراہت تک پہنچا دیتا ہے جیسا کہ حضرت عبداللہ ابنِ مسعود رضی اللہ عنہ کی حدیث سے ثابت ہے اور ملا علی قاریؒ اور طیبیؒ نے شرح مشکوٰۃ میں تصریح کی ہے۔ پس اگر قیام مستحب بھی ہوتا تو اس کا یہ التزام و اہتمام جو مشاہد ہے اسے مکروہ بنا دیتا ہے۔ چہ جائیکہ وہ مستحب بھی نہیں بلکہ ایک بے اصل چیز ہے۔

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہٗ

سوال

ہمارے یہاں شہر احمد آباد میں میلاد و قیام کو اس زمانے میں بعض بدعتیوں نے رواج

دیا ہے۔ اب ان کو کتاب " براہین قاطعہ" کے صفحہ ۲۰ کی یہ عبارت دکھائی گئی :-

"اس عاجز نے ایک عالم نابینا سے جو مسجدِ مکہ میں بعد نماز عصر وعظ کہتے تھے :

حال مجلس مولود کا پوچھا تو انھوں نے فرمایا کہ یہ بدعت ہے حرام "

اور ہم نے ان کو سمجھایا کہ یہ رواج بدعت محرمہ ہے تو وہ لوگ یہ جواب دیتے ہیں کہ میلاد و قیام کو بدعت محرمہ کہنا خلاف قرآن مجید و حدیث کے ہے۔ اور جو قیام وقت بیان پیدائش کیا جاتا ہے اس کو بھی ہم بدعت کہتے ہیں تو وہ لوگ یہ جواب دیتے ہیں کہ میلاد و قیام کو جو بدعت کہے وہ وہابی ہے۔ یہ کہنا ان کا موافق مذہب حنفی کے درست ہے یا غلط۔ بینوا توجروا۔

(۱۶۶) **جواب**۔ مجالس میلاد مروجہ میں طرح طرح کے منکرات یعنی امور غیر مشروعہ ہوتے ہیں۔ اور غلط اور موضوع روایات بیان کی جاتی ہیں اور اسراف و ریا و تفاخر پر مشتمل ہوتی ہیں بدعت اور ناجائز ہیں۔ حضور رسولِ کریم علیہ التحیۃ والتسلیم کا ذکرِ مبارک اور بیان حالِ ولادت و معراج و نبوت بے شبہ افضل مندوبات و احسن مستحبات ہے لیکن اس کے لیے خاص اہتمام سے مجالس منعقد کرنا قرون ثلثہ مشہود لہا بالخیر میں نہیں تھا۔ حالانکہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین اور تابعین اور ائمہ مجتہدین سے بڑھ کر کون حضرت رسالت مآب سے محبت کا دعویٰ کرسکتا ہے۔ پس باوجود اس محبت اور عشق کے جو ان حضرات اکابر سلف کو حضور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے تھی، ان کے زمانے میں مجالسِ میلاد کا منعقد نہ ہونا اس بات کی کھلی دلیل ہے کہ یہ مجالس کوئی مستحسن فعل نہیں۔ ورنہ عاشقینِ رسولؐ ضرور اس کو عمل میں لاتے۔ پھر موضوع روایات بیان کرنا اور اسراف و تفاخر کے ارادہ سے مولود کرنا خود حرام ہے۔ اور ذکر ولادت باسعادت کے وقت قیام کرنا بالکل بے اصل اور بدعت ہے۔ کیونکہ ذکر کی تعظیم قیام کے ساتھ شریعت میں معہود و ثابت نہیں۔ اور یہ خیال کہ حضور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم مجلسِ میلاد میں تشریف لاتے ہیں ایک جاہلانہ خیال اور مفضی الی الشرک ہے۔ کس آیت یا حدیث یا قولِ ائمہ رح سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ مجلس میں بوقتِ ذکر ولادت قیام کرنا چاہیئے۔ یا یہ کہ حضورِ انور صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لاتے ہیں۔ الغرض علمائے اہلِ سنت والجماعت کا صحیح مذہب یہی ہے اور حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سے مولود یا قیام کچھ بھی ثابت نہیں۔ جو لوگ ان مسائل کو وہابیوں کے مسئلے بتاتے ہیں وہ یا تو خود جاہل ہیں یا قصداً عوام کو دھوکہ دیتے ہیں۔ واللہ اعلم

بالصواب۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہٗ، دہلی۔

سوال

مولود شریف میں قیام کرنا جائز ہے یا نہیں؟

المستفتی نمبر ۵۱۱ الٰہی خاں (منگوے) ۱۶ ربیع الثانی ۱۳۵۴ھ م ۱۸ جولائی ۱۹۳۵ء

(۱۶۷) **جواب**۔ میلاد کی مجالس میں مروجہ قیام ایک بے اصل چیز ہے جس کا ثبوت شریعت میں نہیں ہے۔ اگر کوئی شخص قیام کو شرعی چیز سمجھ کر اور ثواب سمجھ کر کرے گا تو وہ ایک غلط چیز کا ارتکاب کرے گا۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہٗ، دہلی۔

سوال

میلاد شریف میں تعظیم کے لیے کھڑا ہونا اور سب کو مجبور کرنا کہاں تک درست ہے؟

المستفتی نمبر ۹۵۱ عبدالرزاق صاحب (اُجین) ۴ ربیع الاول ۱۳۵۵ھ م ۲۶ مئی ۱۹۳۶ء

(۱۶۸) **جواب**۔ میلاد شریف میں قیام کرنے کا ثبوت شریعتِ مقدسہ سے ثابت نہیں۔ یہ ایک رسم ہوگئی ہے جو بے اصل اور بے ثبوت ہے۔ اور اس پر لوگوں کو مجبور کرنا یا قیام نہ کرنے والوں کو بُرا کہنا سخت گناہ ہے۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہٗ،

سوال

محفلِ میلاد میں کھڑے ہو کر سلام پڑھا جاتا ہے تو اس فعل کا کرنا بہتر ہے یا ترک بہتر ہوگا

المستفتی نمبر ۱۵۲۴ مولانا عبدالخالق صاحب صدر مدرس مدرسہ نعمانیہ ملتان

۱۳ ربیع الثانی ۱۳۵۶ھ م ۲۳ جون ۱۹۳۷ء

جواب (از نائب مفتی صاحب) محفلِ میلاد میں کھڑے ہو کر صلوٰۃ و سلام پڑھنا ادلۂ اربعۂ شرعیہ میں سے کسی دلیل سے ثابت نہیں۔ تو اس قیام کو حکمِ شرعی و ضروری ٹھہرانا بدعت و گمراہی ہے۔ لہٰذا اس کو ترک کردینا ضروری ہوگا۔ کیونکہ عوام الناس مبتدعین اس کو حکمِ شرعی و ضروری ٹھہراتے ہیں۔ اور اس فعل کو ترک کرنے والے پر طرح طرح کے طعن و اعتراض کرتے ہیں۔ اجابہٗ و کتبہٗ حبیب المرسلین عفی عنہ نائب مفتی مدرسہ امینیہ دہلی۔ الجواب صحیح۔ بندہ محمد یوسف عفی عنہ مدرسہ امینیہ دہلی۔

(۱۶۹) **جواب** (از حضرت مفتی اعظم رح) ہو الموفق۔ محفلِ میلاد میں قیام مروج بے اصل اور بدعت ہے،

صلوٰۃ وسلام پڑھنا تو جائز مگر اس کی ہیئت کذائی اور پھر اس پر اصرار کرنا اور تارک کو مطعون اور ملوم بنانا یہ سب ناجائز اور بدعت ہے۔ ذکر کی تعظیم قیام کے ساتھ کرنی شریعت میں معہود نہیں اور اس کو شرعی حکم قرار دینا خدا اور رسولؐ کے خلاف تشریع ہے جو حرام ہے۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہٗ
الجواب حق۔ محمد شفیع عفی عنہ مدرسہ عبدالرب دہلی۔

سوال

قیام کرنا خاص ذکر ولادت شریف کے وقت واسطے تعظیم حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مستحسن و مستحب ہے یا حرام ہے اور مولود شریف کے قیام کو حرام کہنے والا گنہگار ہوگا یا نہیں اور اس کے پیچھے نماز درست ہے یا نہیں۔ المستفتی نمبر ۱۵۲۵ مولانا عبدالخالق صدر مدرس مدرسہ نعمانیہ ملتان ۱۳ ربیع الثانی ۱۳۵۶ھ م ۲۳ جون ۱۹۳۷ء۔

جواب۔ (از مولوی حبیب المرسلین نائب مفتی) مولود مروج بنفسہ ناجائز ہے اور اس میں قیام کرنا اور اس کو حکم شرعی ٹھہرانا بہت ہی بڑی گمراہی ہے۔ کیونکہ مولود مروج میں بجائے تعظیم کے آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی توہین ہوتی ہے کہ فساق فجار گانے کے لہجے میں گاتے ہیں اور حقہ سگریٹ بھی پیتے جاتے ہیں اور آپ کا ذکر و نام مبارک نہایت بے ادبی و بے حرمتی کے ساتھ پڑھتے ہیں۔ اور آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت کے جھوٹے دعوے کرتے ہیں اور آپ کی سنن کی متابعت و نماز روزہ کے بھی پابند نہیں ہوتے۔ صورتیں شکلیں اہلِ ہنود کی رکھتے ہیں۔ ہاں اگر کوئی عالم وعظ کے لہجہ میں میلاد کے واقعات کو بیان کرے گا تو یہ مستحسن ہوگا۔ اور قیام کا ثبوت کسی سندِ شرعی سے نہیں۔ لہٰذا یہ بھی بدعات مخترعات سے ہے۔ فقط حبیب المرسلین عفی عنہ نائب مفتی مدرسہ امینیہ دہلی

(۱۷۰) **جواب** (از حضرت مفتی اعظمؒ) ہوالموفق۔ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مقدس حالات اور سیرت مبارکہ کا ذکر کرنا نہ صرف جائز بلکہ مستحسن اور افضل الاذکار ہے۔ لیکن محافلِ میلاد جس نوعیت سے منعقد کی جاتی ہیں، یہ سرتاسر امور غیر مشروعہ پر مشتمل ہوتی ہیں۔ روایات موضوعہ منکرہ بیان کی جاتی ہیں۔ بیان کرنے والے اکثر غیر متشرع فساق و فجار ہوتے ہیں۔ اسراف و ریاکاری سمعہ و نمود مقصد ہوتا ہے۔ التزام مالایلزم کی حد سے گذر کر اس کو فرائض و واجبات سے بھی آگے بڑھا دیا جاتا ہے۔ قیام بوقت ذکر ولادت کو ایک فریضۂ شرعیہ قرار دے لیا ہے اس کے تارک کو

لعن وطعن کیا جاتا ہے۔ الغرض مروجہ مجالس میلاد بدعات وخرافات کا ایک مجموعہ بن کر رہ گیا ہے اس لیے اس ہیئت کذائی کا ترک کرنا واجب ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے فضائل وکمالات کے بیان کرنے کے لیے مثل مجالس وعظ کے ایک بے تکلف مجلس میں وعظ کی طرح بیان کر دینے کو اختیار کیا جائے تو بہتر اور موجب ثواب ہوگا۔ صحیح واقعات، مستند روایات بیان کی جائیں اور شیرینی وغیرہ تقسیم کرنے کا رواج ترک کر دیا جائے۔ مسلم، غیر مسلم سب کو بلایا جائے اور ایسی طرح بیان کیا جائے کہ غیر مسلموں کے لیے خاصی تبلیغ ہو جائے اور اسلام کی صداقت اور پیغمبر اسلام کی محبت ان کے دلوں میں سما جائے۔ فقط محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ دہلی۔

(۱۷۱) **جواب** دیگر ۱۵۲۸ مولود شریف کا مروجہ اہتمام بے اصل ہے اور ذکر ولادت کے وقت قیام کرنا بھی بے اصل ہے۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ دہلی۔ ۱۳ ربیع الثانی ۱۳۵۶ھ م ۲۳ جون ۱۹۳۷ء

سوال

کیا میلاد شریف میں وقت ذکر ولادت شریف قیام کرنا اور آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا نام مبارک سن کر درود شریف پڑھ کر انگوٹھوں کو چوم لینا شرک ہے؟

المستفتی نمبر ۱۵۶۴ جناب سید عبدالمعبود صاحب بدایوں۔ ۲۴ ربیع الثانی ۱۳۵۶ھ م ۴ جولائی ۱۹۳۷ء

(۱۷۲) **جواب** - میلاد شریف میں ذکر ولادت کے وقت قیام کرنا شرعاً بے اصل ہے۔ کیونکہ ذکر کی تعظیم قیام کے ساتھ شریعت میں معہود نہیں اور نام مبارک سن کر درود شریف پڑھنا صحیح اور مستحب ہے مگر انگوٹھوں کو چومنا اور آنکھوں سے لگانا بے اصل ہے، تاہم اس کو شرک نہیں کہا جا سکتا۔
محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ، دہلی۔

سوال

(۱) ایک مسلمان کا یہ اعتقاد ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی پیدائش کے ذکر کے وقت حضور مجسم یا روح حضور کی آتی ہے۔ مجلس میلاد میں اس وجہ سے ہم تعظیماً کھڑے ہو جاتے ہیں اور سلام پڑھتے ہیں۔ دریافت طلب یہ ہے کہ قرآن مجید یا حدیث صحیح سے ثابت ہے کہ مجلس میلاد میں تشریف لاتے ہیں یا نہیں، اگر حضور تشریف لاتے ہیں تو مجسم آتے ہیں یا روح پاک آتی ہے؟

المستفتی نمبر ۲۳۵۹ انوار احمد صاحب حویلی اعظم خاں دہلی، ۶ جمادی الاول ۱۳۵۷ھ م ۶ جولائی ۱۹۳۸ء

جواب۔ (از مولانا مظہر اللہ صاحب) نہ یہ ثابت ہے کہ ذکرِ پیدائش کے وقت حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی روح اطہر مجلس میں ہمیشہ تشریف لاتی ہے نہ اس غرض سے قیام کیا جاتا ہے لیکن کسی مجلس میں کسی صاحب باطن نے ایسا ملاحظہ کیا ہو تو کچھ بعید بھی نہیں لیکن اس کی وجہ سے ایک عام حکم نہیں لگایا جا سکتا فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔ محمد مظہر اللہ غفرلہٗ امام مسجد جامع فتحپوری دہلی۔

(۱۷۳) **جواب**۔ (از حضرت مفتی اعظمؒ) ہوالموفق۔ حضورِ انور صلی اللہ علیہ وسلم کا تشریف لانا تو بالکل بے اصل اور بے حقیقت ہے اور کسی مجلس میں کسی صاحب باطن نے کشفی طور پر مشاہدہ بھی کیا ہو تو اس سے یہ لازم نہیں کہ حضورؐ خود مجلس میں تشریف لائے۔ کیونکہ کشف میں ایسی چیزوں کا ایسے مقام پر مشاہدہ ہو جاتا ہے جہاں وہ چیزیں خود نہیں ہوتیں۔ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے نمازِ کسوف میں جنت و دوزخ کو قبلہ کی دیوار میں مشاہدہ فرمایا۔ صحیح بخاری کی صحیح حدیث میں اس کی تصریح ہے ما من شئ کنت لم ارہٗ الا قد رأیتہ فی مقامی ھذا حتی الجنۃ والنار۔ اور ایک روایت میں فی عرض ھذا الحائط او مثلہ بھی آیا ہے۔ اور ظاہر ہے کہ تمام مرئیات اور جنت و نار خود وہاں موجود نہ تھیں بلکہ یہ کشفی مشاہدہ تھا۔ اور قیامِ تعظیمی کا کوئی صحیح مبنیٰ نہیں ہے۔ ذکر کی تعظیم قیام کے ساتھ معہود نہیں اور بفرض ہو بھی تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرتِ مبارکہ کا تمام ذکر مستحقِ تعظیم ہے، نہ صرف ذکرِ ولادت وسلام۔ محمد کفایت اللہ غفرلہٗ۔

فصل چہارم مسئلہ علم غیب

سوال

(۱) محفلِ میلاد شریف کرنا شرعاً جائز ہے یا بدعت ہے؟

(۲) رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم محفلِ میلاد میں تشریف لاتے ہیں یا نہیں؟ اور اگر ایک ہی وقت میں روئے زمین پر ہزار جگہ محفلِ میلاد ہو تو کیا رسولِ کریمؐ ہر جگہ تشریف لا سکتے ہیں یا نہیں یا مجبور ہیں؟

(۳) رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو علم غیب تھا یا نہیں؟

(۴) بزرگانِ دین کی ارواح کو ثواب پہونچانے کے لیے فاتحہ نیاز نذر کا دن مقرر کرنا جائز ہے یا نہیں؟

(۵) شرک و بدعت کسے کہتے ہیں؟

المستفتی ماسٹر عابد یار خاں مدرسہ ساہو کارہ جدید بریلی۔

(۱۷۴) **جواب**۔ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حالاتِ مبارکہ اور فضائل و کمالات طیبہ کا بیان کرنا بہت اچھا اور موجب خیر و برکت ہے مگر مجلسِ میلاد جس صورت سے کہ مروج ہے یہ غیر شرعی ہے کیونکہ اول تو اس نام سے انعقاد مجلس کرنا سلفِ صالحین کا معمول نہیں تھا۔ بلکہ وعظ و ذکر کی مجالس میں حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے حالاتِ طیبہ بھی بیان کر دیئے جاتے تھے

دوسرے اکثری طور پر ان مجالس میں روایات غیر معتبرہ اور موضوعہ بیان کی جاتی ہیں جن کا بیان کرنا بلکہ سننا بھی گناہ ہے۔

تیسرے اکثری حالات میں مجلس منعقد کرنے والے کی نیت ریاؤ شہرت و ناموری کی ہوتی ہے جو اعمال حسنہ کے ثواب کو بھی ضائع کر دیتی ہے۔

چوتھے ان مجالس میں بعض غیر شرعی امور عمل میں لائے جاتے ہیں اور ان کو نہ صرف شرعی سمجھا جاتا ہے بلکہ فرض و واجب کا مرتبہ دیدیا جاتا ہے۔ مثلاً ذکرِ ولادت کے وقت قیام کرنا کہ یہ ایک بے اصل اور بے ثبوت چیز ہے مگر عملاً اس کو ایسا لازم کر لیا گیا ہے کہ اگر کوئی قیام نہ کرے تو اس کو لعن طعن سب و شتم کرتے اور بسا اوقات مارنے پر تیار ہو جاتے ہیں۔ مذکورہ بالا وجوہ کی بناء پر کہا جا سکتا ہے کہ مجالس مروجۂ میلاد کا انعقاد شرعی نہیں ہے۔

(۲) یہ خیال اور عقیدہ کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم مجالسِ میلاد میں تشریف لاتے ہیں ایک عامیانہ اور بے اصل خیال ہے اور نہ یہ اصول شرعیہ کے لحاظ سے درست ہو سکتا ہے کیونکہ ایک وقت میں ہر جگہ حاضر و ناظر ہونا حضرت حق تعالیٰ کی صفاتِ خاصہ میں سے ہے۔

(۳) علم غیب حضرت حق تعالیٰ کے ساتھ مخصوص ہے۔ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو حق تعالیٰ نے اس قدر مغیبات کا علم عطا فرما دیا تھا کہ ہم اس کا احصا نہیں کر سکتے۔ اور ہمارا عقیدہ ہے کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا علم حضرت حق تعالیٰ کے بعد سب سے زیادہ ہے، مگر باوجود اس کے حضورؐ عالم الغیب نہ تھے۔ کیونکہ علم غیب کے معنی یہ ہیں کہ وہ بغیر واسطۂ حواس اور بغیر کسی کے بتائے ہوئے حاصل ہوا اور حضورؐ کا تمام علم حضرت حق تعالیٰ کے بتانے سے حاصل ہوا ہے اس لئے

نہ وہ حقیقۃً علم غیب ہے اور نہ حضور ؐ کو عالم الغیب کہنا درست۔

(۴) ایصالِ ثواب کی شرعی حقیقت یہ ہے کہ انسان کوئی ثواب کا کام (یعنی عبادت مالیہ یا بدنیہ) ادا کرے۔ اور خود ثواب پانے کا مستحق بنے۔ پھر حضرت حق تعالیٰ سے دعا کرے کہ یا اللہ یہ ثواب جس کا تیرے فضل و کرم کے وعدہ سے میں مستحق ہوا ہوں میرے فلاں بزرگ یا عزیز یا دوست کو پہونچا دے ثواب کا کام ثواب کی نیت سے کیا جائے اور انھیں اوصاف کے ساتھ جو شریعت نے ثابت کئے ہیں ادا ہو جب وہ مفید ہوگا۔ ورنہ برادری کی رسم کی پابندی یا ریا و نمود کی غرض سے جو کام کیا جائے یا اوصاف شرعیہ کے خلاف ہو تو اس میں خود کرنے والا ہی ثواب کا مستحق نہیں ہوتا دوسرے کو کیا بخشے گا اور کیا پہونچے گا۔ پس عباداتِ مالیہ یعنی صدقات کے ذریعہ سے جو ثواب پہنچانا ہے اس کی صحیح صورت یہ ہے کہ جو کچھ میسر ہو اور جس وقت میسر ہو اس کو خالصاً لوجہ اللہ کسی مستحق پر صدقہ کردو اور اس کا ثواب جسے پہنچانا ہو پہونچا دو۔ اس میں کسی خاص چیز اور خاص وقت کا التزام غیر شرعی ہے۔ اور عباداتِ بدنیہ کے ذریعے سے ثواب پہنچانے کی صورت یہ ہے کہ نفل نماز پڑھو نفل روزہ رکھو یا قرآن مجید کی تلاوت کرو وغیرہ۔ ان عبادات کا ثواب جسے پہونچانا ہو پہنچا دو اس میں بھی کسی خاص صورت اور ہیئت اور نوعیت کی اپنی طرف سے تخصیص کرنا غیر شرعی ہے۔

(۵) خدا تعالیٰ کے اوصافِ مخصوصہ میں کسی دوسرے کو شریک کرنا شرک ہے۔ پھر اس کی بہت سی قسمیں ہیں جس کی تفصیل کے لئے بہت وقت درکار ہے اس لئے بہتر ہے کہ کسی مقامی عالم سے مشافہۃً دریافت فرمالیں۔ بدعت وہ کام ہے جو قرون ثلاثہ مشہود لہا بالخیر میں نہ ہوا ہو اور نہ اس کی اصل پائی جائے۔ اور اس کو دین کا کام سمجھ کر کیا جائے یا چھوڑا جائے تو یہ کرنا یا اس کے چھوڑنے کو دین کا کام سمجھ کر چھوڑنا بدعت ہے۔ اس کی تفصیل بھی کسی مقامی عالم سے دریافت فرمائی جائے۔ واللہ اعلم۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہٗ

سوال

اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو غائبانہ ان الفاظ سے آواز دی جائے یا محمد۔ یا رسول اللہ۔ یا محبوب رب العالمین وغیرہ بلا درود شریف کہے۔ ان الفاظ کو کبھی یا ہر وقت اس ندا سے کوئی محبت رکھتا ہے تو یہ جائز ہے یا نہیں؟ اور دلیل جواز السلام

علیك ایها النبی جو التحیات میں ہے ہو سکتی ہے یا نہیں؟

(۱۷۵) **جواب** - یا محمد، یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کہنے والا اگر یہ سمجھ کر ندا کرتا ہے کہ حضور میری آواز کو ہر وقت اور ہر جگہ سے سنتے ہیں تو یہ ندا ناجائز اور یہ خیال غلط ہے۔ اور اگر اس خیال سے کہ میرے یہ الفاظ حضور کو فرشتے پہونچا دیتے ہیں تو درود و سلام کے ساتھ یہ خیال درست ہے لیکن بغیر درود و سلام کے اس عقیدہ اور خیال کی صحت کے لئے کوئی دلیل شرعی نہیں۔ اور اگر محض فرط محبت میں بغیر اس عقیدے کے کہتا ہے کہ حضور سنتے ہیں یا حضور کو یہ الفاظ فرشتے پہنچا دیتے ہیں تو فی نفسہ مباح ہے۔ مگر چونکہ اکثر عوام اس بدعقیدگی میں مبتلا ہیں کہ حضور ہر جگہ حاضر و ناظر ہیں اور ہر جگہ سے یا محمد، یا، یا رسول اللہ کہنے والے کی آواز سن لیتے ہیں، اس لئے ایسے موہم الفاظ کا نہ کہنا اور لوگوں کو ان کے استعمال سے منع کرنا ہی احوط ہے۔

قرآن پاک کے الفاظ یا ایھا المزمل۔ یا ایھا النبی جاھد الکفار۔ الآیۃ۔ یا ایھا النبی جو تشہد میں ہے ان سے حضور کے حاضر و ناظر ہونے پر استدلال کرنا صحیح نہیں۔ یا ایہا المزمل اور قرآن پاک کے تمام خطابات حالت حیات میں نازل ہوئے اور بعد وفات حکایۃً پڑھے جاتے ہیں۔ کیونکہ قرآن پاک کا ایک ایک لفظ اور ایک ایک نقطہ واجب الحفاظت ہے۔ اور تشہد کا خطاب سلام کے ساتھ ہے۔ جو فرشتے حضور تک پہنچا دیتے ہیں فقط۔ محمد کفایت اللہ غفرلہٗ۔

سوال

مجلس میلاد شریف وقیام کرنا کیسا ہے؟ یا رسول اللہ، یا غوث پکارنا کیسا ہے؟ ان سے مدد مانگنا کیسا ہے؟ گیارھویں شریف کی نیاز کرنا اور اس کا کھانا کیسا ہے؟ نماز میں حضرت کا تصور آنا کیسا ہے؟

(۱۷۶) **جواب** - آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حالات و فضائل و اوصاف کا ذکر احسن الاذکار اور افضل الاوراد ہے لیکن مروجہ مجالس میلاد میں بہت سی باتیں شریعت مقدسہ کے خلاف ہوتی ہیں مثلاً روایات ضعیفہ بلکہ موضوعہ کا بیان کرنا۔ موضوع روایتوں کا بیان کرنا حرام ہے۔ اور غیر متشرع لوگوں اور امردوں کا مولود پڑھنا، گانا، مکان کی زینت میں حد سے زیادہ مبالغہ کرنا۔ مولود کی مجلس کو ضروری اور لازم سمجھنا۔ ذکر ولادت کے وقت قیام کرنا۔ شریک نہ ہونے

والے یا قیام نہ کرنے والے کو لعن طعن کرنا۔ یہ تمام اُمور ناجائز ہیں۔ شریعتِ مقدسہ میں ان کا کوئی ثبوت نہیں۔

یارسول اللہ کہنا اگر صلوٰۃ وسلام کے ساتھ ہو تو جائز ہے اور اس میں بھی یہ عقیدہ رکھنا چاہیئے کہ درود اور سلام کو فرشتے حضور صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچا دیتے ہیں۔ یہ عقیدہ نہ ہو کہ ہر جگہ سے لفظ یارسول اللہ یا اور کسی بات کو حضور خود سن لیتے ہیں۔ کیونکہ ہر جگہ حاضر و ناظر ہونا خاص اللہ تعالیٰ کی صفت ہے۔ اور یا غوث کہنا بہر حال ناجائز ہے۔ کیونکہ غوث نہ خود سُن سکتے ہیں اور نہ ان تک ان الفاظ کو پہنچانے کے لئے کسی ذریعہ کا شرعاً ثبوت ہے۔

گیارھویں کی نیاز سے اگر مقصد ایصالِ ثواب ہے تو اس کے لئے گیارھویں تاریخ کی تعین شرعی نہیں۔ نیز حضرت غوث الاعظمؒ کی تخصیص نہیں۔ تمام اولیائے کرامؒ اور صحابہ عظامؓ اس کے مستحق ہیں۔ سال کے جن دنوں میں میسر ہو اور جو کچھ میسر ہو صدقہ کر دیا جائے اور اس کا ثواب بزرگانِ دین اور اموات مسلمین کو بخش دیا جائے۔ فقراء اس کھانے کو کھا سکتے ہیں۔ امراء اور صاحب نصاب نہیں کھا سکتے۔ کیونکہ یہ ایصال ثواب کے لئے بطور صدقہ کے ہوتا ہے۔

آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا نماز میں قصداً تصور کرنا اگر اس خیال سے ہو کہ حضورؐ خدا تعالیٰ کے بندے اور رسول تھے تو مضائقہ نہیں، لیکن اگر تعظیم کے طور پر ہو تو درست نہیں۔ جو لوگ منع کرتے ہیں ان کا یہی مطلب ہے کہ خدا کی تعظیم کے موقع پر کسی مخلوق کی تعظیم کا خیال نہ کرنا چاہیئے ورنہ مطلقاً تصوّر سے کون بچ سکتا ہے۔ جبکہ التحیات میں السلام علیک ایھا النبی موجود ہے تو اس کو پڑھتے وقت حضورؐ کا ذہن میں آنا لازمی ہے۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہٗ۔

سوال

مولود میں لفظ یارسول اللہ السلام علیک یا حبیب السلام علیک پکار کر کہنا اس غرض سے کہ سمجھتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی روح مبارک محفلِ میلاد میں آتی ہے۔ لہٰذا برائے تعظیم کھڑے ہو کر لفظِ مذکور کو پکار کر کہتے ہیں۔ آیا شرعاً جائز ہے یا نہیں؟

(۱۷۷) **جواب**۔ صلوٰۃ وسلام کے ساتھ "یارسول" و "یا حبیب" ندا کے الفاظ سے پکارنا اس خیال سے کہ صلوٰۃ وسلام آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو فرشتوں کے ذریعہ پہونچا دیا جاتا ہے۔

اور آپؐ تک ہماری ندا اور خطاب پہونچ جاتا ہے جائز اور درست ہے۔ کیونکہ بعض روایات معتبرہ سے ثابت ہے کہ باری تعالیٰ و تقدس نے آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر مبارک پر ایک فرشتہ مقرر فرمادیا ہے اور اس کو ایسی قوتِ سامعہ عطا فرمائی ہے کہ وہ تمام مخلوق کے صلوٰۃ وسلام سن کر حضرت نبویؐ میں عرض کر دیتا ہے اور آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم جواب دیتے ہیں قال النواب صدیق حسن خان البوفالی القنوجی فی نزل الابرار فی بیان فوائد الصلوٰۃ علیہ صلی اللہ علیہ وسلم ومنھا قیام ملک علی قبرہ صلے اللہ علیہ وسلم اعطاہ اسماع الخلائق یبلغہ ایاھا کما فی حدیث واثق ابن حبان رواتہ ووردت احادیث بمعناہ ثانیۃ وللہ الحمد ومنھا انھا سبب لرد النبی صلی اللہ علیہ وسلم علی المصلی والمسلّم علیہ کما ورد بسند حسن بل صححہ النووی فی الاذکار وغیرہ۔ انتہی ملتقطاً۔

ہاں اس خیال اور اعتقاد سے ندا کرنا کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی روحِ مبارک مجلسِ مولود میں آتی ہے۔ اس کا شریعتِ مقدسہ میں کوئی ثبوت نہیں اور کئی وجہ سے یہ خیال باطل ہے۔ اول یہ کہ حضرت رسالت پناہ صلی اللہ علیہ وسلم قبرِ مبارک میں زندہ ہیں جیسا کہ اہلِ سنت والجماعت کا مذہب ہے۔ تو پھر آپؐ کی روح مبارک کا مجالسِ میلاد میں آنا بدن سے مفارقت کرکے ہوتا ہے یا کسی اور طریقے سے؟۔ اگر مفارقت کرکے مانا جائے تو آپؐ کا قبرِ مطہر میں زندہ ہونا باطل ہوتا ہے۔ یا کم از کم اس زندگی میں فرق آنا ثابت ہوتا ہے۔ تو یہ صورت علاوہ اس کے کہ بے ثبوت ہے، باعثِ توہین ہے نہ موجبِ تعظیم۔ اور اگر مفارقت نہیں ہوتی تو پھر ہر مجلسِ مولود میں آپؐ کی موجودگی بدن وروح کے ساتھ ہوتی ہے یا محض بطور کشف وعلم کے؟ پہلی صورت بداہتہً باطل ہے۔ اور دوسری صورت بے ثبوت اور بعض اعتبار سے موجبِ شرک ہے کہ آنِ واحد میں مجالسِ کثیرہ کا علم ہونا اس طرح کہ گویا آپؐ ہر جگہ حاضر وناظر ہیں یہ خاصۂ ذاتِ احدیت ہے۔ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ہر جگہ حاضر وناظر سمجھنا شرک ہے۔

رہی مجلسِ میلاد تو اس کا حکم یہ ہے کہ نفس ذکرِ ولادت ومعجزات واقوال وافعال و واقعاتِ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم جائز بلکہ محبوب ومستحسن ہے لیکن قیودِ مروجہ اور ہیئاتِ مخصوصہ جو آج کل اکثر مجالسِ مروجہ میں پائی جاتی ہیں بدعت اور بے اصل ہیں۔ ذکرِ

ولادت کے وقت قیام کرنا بالکل بے اصل ہے۔ شریعت مقدسہ میں اس کی کوئی اصل نہیں، نہ قرونِ ثلثہ میں اس کا وجود تھا، نہ کوئی دلیل اس کے جواز پر دال ہے۔ محمد کفایت اللہ غفرلہٗ

سوال

حضرت رسولِ مقبول صلی اللہ علیہ وسلم عالم الغیب تھے یا نہیں؟ بصورت عالم الغیب ہونے کے آپؐ کا علم خدا کے علم کے مساوی ہے یا کم؟ بینوا توجروا

(۱۷۸) **جواب**۔ کسی کا یہ دعویٰ کرنا کہ حضرت رسولِ مقبول صلی اللہ علیہ وسلم عالم الغیب تھے اور آپؐ کو تمام مغیبات کا علم تھا محض غلط وافترا اور اس شخص کی دیدہ دلیری ہے۔ اس قسم کا عقیدہ نہ تو قرآن سے ثابت ہے نہ حدیث شریف سے اس کا کچھ پتہ چلتا ہے، نہ ائمۂ کبار کے اقوال سے کچھ سمجھ میں آتا ہے۔ بلکہ قرآن وحدیث واقوالِ ائمہ بڑے زور سے اس کی تردید کرتے ہیں۔ چونکہ یہ مسئلہ اصول اعتقادیہ سے ہے اس لیے نہ صرف علمائے حنفیہ ہی اس کے منکر ہیں بلکہ شوافع، مالکیہ، حنبلیہ سب ہی اس کے خلاف ہیں اور اس کی تردید کرتے ہیں۔ قرآنِ پاک صاف وصحیح طریقے پر فرماتا ہے۔ قل لایعلم من فی السمٰوات والارض الغیب الا اللہ۔ الآیۃ۔ وقال اللہ تعالیٰ۔ قل لا املک لنفسی نفعا ولا ضرا الا ما شاء اللہ ولو کنت اعلم الغیب لاستکثرت من الخیر الآیۃ۔ ان اللہ عندہ علم الساعۃ وینزل الغیث ویعلم ما فی الارحام الآیۃ وغیر ذٰلک۔

یہ آیات بینات صراحۃً ثابت کرتی ہیں کہ عالم الغیب ہونا خدا ہی کی صفت ہے اور دنیا ومافیہا میں کوئی ایسا فردِ مخلوق نہیں جو علمِ غیب رکھتا ہو اور خود خداوند جل وعلا شانہٗ اپنے کلام میں حضرتؐ کو مخاطب کر کے فرماتا ہے کہ اے ہمارے رسول لوگوں کو اس سے مطلع کر دو شاید کوئی تمہارے اس مرتبے کو دیکھ کر اور تمہارے بعض مغیبات کو بتلا دینے سے کہیں اس دھوکہ میں نہ پڑ جائے کہ تمھیں بھی علم غیب آتا ہے۔ اس لیے تم ان سے کہدو کہ یہ صفت خاص خدا کی ہے اس میں اس کا کوئی مساہم وشریک نہیں۔ علیٰ ہٰذا القیاس متعدد احادیث اس کی شاہد ہیں۔ ملاحظہ ہو مشکوٰۃ کی کتاب الایمان کی پہلی حدیث کا یہ ٹکڑا۔ ما المسئول عنہا باعلم من السائل۔ یعنی قیامت کے باب میں میں فرشتۂ مخاطب یعنی جبرئیل سے زیادہ واقف نہیں ہوں

یعنی جس طرح کہ جبریل کو صرف علاماتِ قیامت کا علم ہے اسی طرح مجھ کو ہے۔ پھر آپ کا یہ ارشاد کہ قیامت کے دن میرے بعض اصحاب کو دوزخ کی طرف لے جائیں گے اور آپ فرمائینگے اُصَیحابی۔ اُصَیحابی۔ اور وہ فرشتے آپ کو جواب دیں گے کہ آپ کو نہیں معلوم کہ انھوں نے آپ کے بعد دنیا میں کیا کیا؟ یعنی مرتد ہو گئے۔ صاف اس کی دلیل ہے کہ آپ کو علم غیب نہیں پھر آپ کا عام حجۃ الوداع میں یہ فرمانا۔ لعلی لا اراکم بعد عامی ھذا۔ اسی کی دلیل ہے کہ آپ کو علم غیب نہیں۔ ورنہ آپ کا ان الفاظ کو شک و شبہ کے ساتھ استعمال کرنے کے کیا معنی ہو سکتے ہیں۔ قصۂ افک میں آپ کا ایک عرصہ تک متردد و متفکر رہنا اور غایت درجہ محزون و مغموم ہونا بھی اسی کی دلیل ہے، ورنہ کوئی وجہ نہیں کہ آپ عالم الغیب بھی ہوں اور ایسے مہتم بالشان قصہ میں اتنی مدت تک پریشان بھی رہیں اور جب تک کہ قرآن نازل نہ ہو آپ کو کچھ علم نہ ہو۔

ملا علی قاری شرح فقہ اکبر میں فرماتے ہیں:۔

ثم اعلم ان الانبیاء لم یعلموا المغیبات من الاشیاء الا ما اعلمھم اللہ تعالیٰ احیانا وذکر الحنفیۃ تصریحا بالتکفیر باعتقاد ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم یعلم الغیب لمعارضۃ قولہ تعالیٰ قل لا یعلم من فی السموات والارض الغیب الا اللہ۔ انتھیٰ یعنی انبیا علیہم السلام تمام مغیبات کو نہیں جانتے مگر اس قدر جتنی کہ خداوند تعالیٰ نے انھیں بتادی ہیں۔ اور حنفیہ نے تو اس کی تصریح کردی ہے کہ جو شخص یہ اعتقاد رکھے کہ حضرت رسولِ مقبول صلی اللہ علیہ وسلم عالم الغیب تھے وہ کافر ہے کیونکہ اس کا یہ عقیدہ صریح نص قرآنی قل لا یعلم من فی السموات والارض الغیب الا اللہ الآیۃ کے مخالف ہے اور اس کا انکار ہے۔ اور نصِ قرآنی کا انکار کفر ہے۔

قاضی عیاض اپنی کتاب شفا میں تحریر فرماتے ہیں:۔

واما ما یتعلق فی امور احکام البشر الجاریۃ علی یدیہ وقضایاھم ومعرفۃ المحق من المبطل وعلم المفسد من المصلح فبھذہ السبیل لقولہ علیہ السلام انما انا بشر وانکم تختصمون لی ولعل بعضکم ان یکون الحن بحجتہ الخ الی ان قال فانہ تعالیٰ لو شاء لاطلعہ علی سرائر عبادہ ومخبآت ضمائر امتہ الی ان قال وطی ذلک

عنہ من علم الغیب الذی یستاثر بہ عالم الغیب فلا یظہر علی غیبہ احداً الا من ارتضی بہ من رسول فیعلم منہ ماشاء ویستاثر بما شاء ولا یقدح ھذا فی ثبوتہ ولا یعصم عروۃ من عصمتہ۔ انتہیٰ۔

ہاں اس میں شک نہیں کہ حضور پُرنور صلی اللہ علیہ وسلم علم ذات وصفات ومعرفتِ الٰہی میں کامل واکمل اور تمام باتوں کے عالم تھے اور یہی مطلب فرمان فعلمت علم الاولین والآخرین کا ہے۔ اور اسی کے متعلق حضرت شاہ عبدالحق صاحب محدث دہلویؒ فرماتے ہیں:۔

"وے صلی اللہ علیہ وسلم داناست بر ہمہ چیز از شیونات ذاتِ الٰہی و احکام و صفات حق واسمائے وافعال وآثار وبجمیع علوم ظاہر وباطن واول وآخر احاطہ نمودہ است ومصداق فوق کل ذی علم علیم شدہ"۔

یعنی وہ علوم صفات باری جو احاطہ بشری میں آسکتے ہیں اور دوسرے انبیاء اس سے ناواقف تھے، آپؐ واقف تھے نہ کہ عالم الغیب تھے۔ ارشاد علمت ما فی السمٰوات والارض کا مطلب بھی یہی ہے۔ واللہ اعلم۔

سوال

حدیث اتقوا فراسۃ المؤمن فانہ ینظر بنور اللہ کا ترجمہ زید یہ کرتا ہے کہ "مؤمن کی دانائی سے ڈرتے رہو کیونکہ وہ خدا کے نور اور بصیرت سے لوگوں کے حالات معلوم کرلیتا ہے" فرمایئے کیا اس کا ترجمہ یہی ہے؟

(۱۷۹) **جواب**۔ حدیث میں صرف یہ غرض ہے کہ مؤمن اللہ کے دیئے ہوئے نور اور عطا کی ہوئی بصیرت سے بعض وہ باتیں معلوم کرلیتا ہے جن کا معلوم ہونا فراست سے متعلق ہے نہ کہ علم غیب سے۔

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہٗ دہلی

سوال

بریلوی عقائد والا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو حاضر وناظر سمجھنے والا اور ایسے عقیدے رکھ کر آپ سے استمداد کرنے والا کافر ہے یا نہیں؟

المستفتی ۱۲۲ محمد نذر شاہ (ضلع گجرات) ۱۶ محرم ۱۳۵۵ھ م ۸ مارچ ۱۹۳۶ء

(۱۸۰) **جواب** ۔ جو شخص کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ہر جگہ حاضر و ناظر سمجھے اور حضورؐ سے اس عقیدے کی بنا پر استمداد کرے وہ ایک طرح شرک میں مبتلا ہے ۔ لیکن تکفیر میں احتیاط کی جائے۔

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہٗ دہلی۔

سوال

اکثر علمائے کرام یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو ہر ایک قسم کا علم سکھا دیا تھا اور اس واسطے سرورِ عالمؐ ہر وقت بدون وحی یہ بتا سکتے تھے کہ ماں کے پیٹ میں لڑکا ہے یا لڑکی ۔ اور یہاں تک بھی فرماتے ہیں کہ اتنا علم تو حضور پُر نورؐ کے غلام حضرت ابوبکر صدیقؓ کو بھی تھا ۔ اور فتح خیبر کے موقع پر آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو علم تھا کہ خیبر فتح ہو جائے گا ۔ اور یہ بھی علم تھا کہ یہ نمایاں کام حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ کے دستِ مبارک سے سرانجام پائے گا، لیکن علمائے کرام کا دوسرا گروہ کہتا ہے کہ اللہ تعالیٰ سے دوسرے درجہ پر نبی علیہ السلام کا علم تھا جو جملہ انبیاء علیہم السلام سے بڑھ کر تھا ۔ مگر علم غیب کے متعلق خود اللہ تعالیٰ وحی کے ذریعہ اطلاع فرماتے تھے ۔ مثلاً اگر کوئی پوچھتا کہ فلاں حاملہ لڑکا جنے گی یا لڑکی تو اللہ تعالیٰ اپنے پیارے نبیؐ کو وحی کے ذریعے خبر دیتے اور اسی طرح فتح خیبر کے موقع پر وحی کے ذریعے اللہ تعالیٰ نے خبر دی تھی کہ حیدر کرارؓ کے ہاتھ سے کل قلعہ خیبر فتح ہو جائے گا، اس لیے کل آپ کے ہاتھ میں عَلَم دیا جائے۔ ان دونوں عقائد میں سے کون سے عقائد درست ہیں؟

المستفتی نمبر ۸۷۱ غلام محمد (ضلع اٹک) ۲۳ محرم ۱۳۵۵ھ م ۱۶ اپریل ۱۹۳۶ء

(۱۸۱) **جواب** ۔ دوسرے گروہ کا عقیدہ اور بیان صحیح ہے ۔ کیونکہ قرآن مجید کی صریح آیات اور صحیح احادیث سے یہی ثابت ہوتا ہے کہ عالم الغیب صرف باری تعالیٰ ہے ۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب پاک صلی اللہ علیہ وسلم کو تمام مخلوق سے زیادہ علم عطا فرمایا تھا لیکن پھر بھی وہ عالم الغیب نہ تھے ۔ قرآن مجید میں ہے :۔

لا یعلم من فی السمٰوٰت والارض الغیب الا اللہ ۔	یعنی آسمان و زمین والوں میں سے کوئی بھی عالم الغیب نہیں سوائے اللہ تعالیٰ کے ۔

اسی طرح بہت سی آیات ہیں ۔ یہ خیال کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم بغیر وحی ہر وقت یہ بتا سکتے

تھے کہ "پیٹ کا بچہ نر ہے یا مادہ"۔ غلط ہے۔ اور قرآن مجید کی آیت ویعلم ما فی الارحام کے مطلب کے خلاف ہے۔

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہٗ دہلی

سوال

بسم اللہ الرحمن الرحیم

حضرة الاستاذ الشیخ الجلیل المفتی مولانا محمد کفایت اللہ طالت حیاتہ ولا زالت ظلالہ مرفوفة علی رؤوس المسلمین السلام علیکم ورحمة اللہ وبرکاتہ۔ اتی ھنا (منگلور) رجل یدعی المولوی بشیر احمد اللکھنوی وطلب من بعض اھل البلدة ان یتقرر له وعظ فی المسجد فاجازوہ بالقاء المحاضرة عشر لیال (من اللیلة الاولی من المحرم الی اللیلة العاشرة) ونشروا اعلان الوعظ (ارسلنا نسخة منہ الی فضیلتک) فوعظ واظهر فی الوعظ عقائدہ الفاسدة وشتم کل من یقوم بقمع البدعة وسبھم بکل ما خطر له مما لا یحصی اکثرہ حتی نشأ بسببه بین المسلمین تفرق وتباغض واخذ العوام یشتمون الموحدین مع الواعظ فاضطررنا الی ان ارسلناہ ہذین السؤالین فکتب الینا الجواب وقد ارسلناہ الیکم

(ترجمہ) حضرت الاستاذ شیخ جلیل مولانا مفتی محمد کفایت اللہ صاحب اللہ آپ کی عمر دراز کرے اور آپ کا سایہ مسلمانوں کے سروں پر قائم رکھے۔ بعد سلام مسنون گذارش ہے کہ یہاں منگلور میں ایک شخص مسمی مولوی بشیر احمد لکھنوی آیا ہوا ہے۔ اس نے شہر کے بعض آدمیوں سے مسجد میں وعظ کہنے کا معاملہ طے کیا۔ انھوں نے اس کو محرم الحرام کی ابتدائی دس راتوں میں مجلسیں منعقد کرنے کی اجازت دی۔ اور اشتہار چھپوا کر تقسیم کیا۔ اس میں سے ایک اشتہار آپ کی خدمت میں بھیجا جا رہا ہے۔ اس نے وعظ شروع کیا اور اپنے عقائدِ فاسدہ کا اظہار کیا۔ اور تمام مخالفِ بدعت لوگوں کو برا بھلا کہا اور سب وشتم کیا۔ غرضکہ جو کچھ دل میں آیا بے دھڑک کہا جس کا قلمبند کرنا مشکل ہے۔ اس کی اس حرکت سے مسلمانوں میں لڑائی جھگڑا بغض وعناد پیدا ہو گیا۔ اور بعض لوگ موحد واعظین کو گالیاں دینے لگے۔ مجبوراً ہم نے اس کو مندرجۂ ذیل دو سوال لکھ کر بھیجے۔ اس نے ہم کو جواب دیا۔ یہ سوال وجواب ہم آپ کو بھیج رہے ہیں۔ آپ محسوس کریں گے کہ اس کا جواب ہمارے

ولایخفی علیکم انه غیر مطابق لسؤالنا وان فیه اغلاطا خطّیۃ ونحویۃ ولغویۃ فاحشۃ۔ وقد وعدنا الناس باننا نرسل سؤالنا وجواب الوعظ عنه الی فضیلتك والعلماء الکرام الثلاثۃ المذکورین فی السؤال ونطبع سؤالنا وجوابه وآراءکم فیهما معا وننشرها بین المسلمین

اعلان الوعظ والسؤال والجواب ها هی قد بعثنا ولکم منا جزیل الشکر اذا تفضلتم علینا بمصافحۃ التماسنا هذا براحات القبول وبعثتم باجوبتکم علی جناح الشرعۃ وقد ارسلنا مع هذا تذکر الاجوبۃ والسلام۔ بسم اللہ الرحمن الرحیم

والذین یؤذون المؤمنین والمؤمنات بغیر ما اکتسبوا فقد احتملوا بهتانا واثما مبینا۔ (القرآن الحکیم الاحزاب رکوع ۷)

الی حضرۃ الفاضل المولوی بشیر احمد الواعظ فی مسجد کچی میمن منگلور لما شهدنا محاضرتك سمعناك تقول مسائل تباین کتاب اللہ وسنۃ رسوله صلی اللہ علیه وسلم فنرجوا منك قصاری لرجاء بان تجیب السؤالین الآتیین

سوال کے مطابق نہیں ہے اور اس میں نحوی و لغوی اور رسم الخط کی اغلاط بھی ہیں۔ ہم نے عوام الناس سے وعدہ کیا ہے کہ یہ سوال و جواب ہم جناب کی خدمت میں اور اُن تین علماء کی خدمت میں بھیجیں گے جن کا ذکر سوال میں ہے۔ اور پھر آپ حضرات کے جوابات کو شائع کیا جائے گا۔

اعلان وعظ اور سوال و جواب ارسالِ خدمت کر کے ہم سب لوگ بے صبری سے آپ کے جواب کے منتظر ہیں۔

امید ہے کہ آپ اپنی رائے سے جلد از جلد مطلع فرمائیں گے، ہم آں جناب کے بہت ہی ممنون ہوں گے۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

جو لوگ مؤمنین اور مؤمنات کو ایسے کام کی تہمت لگا کر رنج پہنچاتے ہیں جو انھوں نے نہیں کیا تو وہ لوگ بہت بڑا وبال اور کھلا ہوا گناہ اٹھا رہے ہیں۔ قرآن حکیم (الاحزاب)

بخدمت مولوی بشیر احمد صاحب واعظ مسجد کچی میمن منگلور۔ گذارش ہے کہ ہم جب آپ کی مجلس میں حاضر ہوئے تو آپ کو ایسے مسائل بیان کرتے ہوئے سنا، جو قرآن و حدیث کے خلاف ہیں۔ پس ہم آپ سے امید کرتے ہیں کہ آپ ہمارے مندرجۂ ذیل سوالات کا ایسا

جوابا بان يطابق الكتاب والسنة
ويودنا ان نرسل السؤال وجوابك
الى امام الهند ابى الكلام آزاد العلامة
المفتى محمد كفاية الله صدر جمعية علماء
هند ومولانا ثناء الله شير پنجاب محرر
جريدة اهل حديث والعلامة السيد
سليمان الندوى مؤرخ الاسلام وهما السؤالان
(۱) انك قلت ان بعض المسلمين
ينكرون ان ينادى بيارسول الله و
نحن لا ندرى ان فى المسلمين من يقول
بعدم جواز نداء يارسول الله مطلقا
غير ان نداء رسول الله وجعله كالورد
والوظيفة والذكر كما تعوده العوام او
نداءه بقصد انه صلى الله عليه وسلم
حاضر فى كل مكان وزمان او نداءه
لاعانة وامداده ليس بجائز فى دين
الله الذى جاء بالحق لمحق الشرك
لان ذلك ليس فى القرآن والحديث
ولم يفعله الصحابة ولا التابعون
ولا تبع التابعين ولا قال به
الائمة الاربعة وغيرهم من العلماء
الثقات ولا يجوز للمسلمين ان يعتقدوا
بان النبى صلى الله عليه وسلم

تسلی بخش جواب دیں گے جو کتاب و سنت کے
مطابق ہو۔ اور ہم اپنے سوال اور آپ کے جواب
کو امام الہند مولانا ابو الکلام آزاد اور علامہ مفتی
محمد کفایت اللہ صدر جمعیۃ علمائے ہند اور مولانا
ثناء اللہ شیر پنجاب ایڈیٹر رسالہ ”اہل حدیث“
اور علامہ سید سلیمان ندوی مؤرخ اسلام کی
خدمت میں بھیجیں گے۔ وہ دو سوال یہ ہیں:۔
(۱) آپ نے وعظ میں فرمایا کہ بعض مسلمان
لفظ یا رسول اللہ کے ساتھ ندا کرنے کو ناجائز
کہتے ہیں۔ حالانکہ ہمارے خیال میں ایسا کوئی
مسلمان نہیں ہے جو مطلقاً ندائے یا رسول اللہ
کے عدم جواز کا قائل ہو۔ البتہ ندائے رسول اللہ
اس طریقے سے جیسے کہ عوام کی عادت ہے
اور اس کو ورد و وظیفہ اور ذکر بنا لیا ہے یا
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس نیت اور
عقیدہ کے ساتھ ندا کرنا کہ آپ ہر جگہ اور ہر
وقت حاضر ہیں یا آپ کو ندا کرنا اپنی اعانت
و دستگیری کے لئے، یہ اللہ کے برحق دین میں
جائز نہیں ہے۔ نہ اس کی اجازت قرآن و
حدیث میں ہے، نہ صحابہ و تابعین و تبع تابعین
نے ایسا عمل کیا، نہ ائمہ اربعہ اور فقہائے اسلام
نے اس کی اجازت دی۔ اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم
کے عالم الغیب ہونے کا عقیدہ رکھنا مسلمانوں

یعلم الغیب۔ قال اللہ تعالیٰ۔ قل لا اقول لکم عندی خزائن اللہ و لا اعلم الغیب۔

وعن ابن عباس رضؓ قال کنت خلف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یوما فقال یا غلام احفظ اللہ یحفظک احفظ اللہ تجدہ تجاھک واذا سألت فاسئل اللہ واذا استعنت فاستعن باللہ۔ رواہ احمد والترمذی کذا فی المشکوٰۃ (باب التوکل)

ونقل ھنا اقوال بعض علماء الدین نثق بھم۔ فقد کتب العلامۃ ملا علی القاریؒ فی شرح الحدیث المذکور قولہ اذا سألت فاسئل اللہ ای فاسئلہ وحدہ لان خزائن العطایا عندہ ومفاتیح المواھب والمزایا بیدہ وکل نعمۃ اونقمۃ دنیویۃ اواخرویۃ فانما تصل الی العبد او تندفع عنہ برحمتہ من غیر شائبۃ غرض و علۃ لانہ الجواد المطلق والغنی الذی لا یفتقر فینبغی ان لا یرجیٰ الا رحمتہ ولا یخشی

کے لیئے جائز نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اے پیغمبر کہدو کہ میں تم لوگوں سے ایسی بات کبھی نہیں کہوں گا کہ میرے پاس اللہ کے خزانے ہیں اور نہ یہ کہ میں عالم الغیب ہوں۔

اور حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ میں ایک دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے (سواری پر) تھا۔ آپؐ نے فرمایا اے لڑکے اللہ کو یاد رکھ وہ تجھ کو (ہر مصیبت سے) بچائے گا۔ اللہ کو یاد رکھ تو اس کو اپنے سامنے پائے گا۔ اور کچھ مانگنا ہو تو اللہ سے مانگ اور مدد چاہے تو اللہ سے مدد چاہ (مشکوٰۃ باب التوکل)

اور ان کی تائید میں ہم بعض دیگر علمائے دین کے اقوال نقل کرتے ہیں۔ علامہ ملا علی قاریؒ حدیث مذکور کی شرح میں لکھتے ہیں کہ رسول اللہؐ کے قول فاسئل اللہ سے مراد یہ ہے کہ صرف اللہ سے طلب کر۔ کیونکہ عطا و بخشش کے خزانے اسی کے پاس ہیں اور نعمتوں کی کنجیاں اسی کے قبضے میں ہیں اور ہر قسم کی نعمت دنیاوی ہو یا اخروی جو بندے کو پہونچتی ہے یا مصیبت جو اس سے دُور ہوتی ہے اسی کی رحمت سے ہوتی ہے۔ اس میں کسی غرض یا علت کا شائبہ تک نہیں ہوتا۔ کیونکہ وہ خود مختار سخی اور غیر محتاج غنی ہے۔ پس وہی اس لائق ہے کہ صرف اسی کی رحمت سے امید کی جائے اور صرف اسی کے انتقام

الانقمته و یلتجی عظام المهام الیه و یعتمد فی جمهور الامور علیه ولایسئل غیرہ لان غیرہ غیر قادر علی العطایا والمنع والنفع والضرر و جلب النفع فانهم لا یملکون لانفسهم نفعا ولا ضرا ولا یملکون موتا ولا حیوٰۃ ولا نشورا (مرقاۃ)

سے خوف کیا جائے اور اہم امور میں اسی سے التجا کی جائے اور تمام معاملات میں اسی پر بھروسہ کیا جائے۔ اور اس کے غیر سے کوئی سوال نہ کیا جائے کیونکہ غیر اللہ، دینے اور روکنے اور نفع نقصان پہنچانے اور خود نفع حاصل کرنے پر قادر نہیں ہے بس یہ اپنی ذات کے لئے بھی نفع و ضرر پر قادر نہیں ہیں اور خود اپنی موت و حیات اور نشر ان کے قبضے میں نہیں ہے (مرقاۃ)

وفی فتاوی قاضی خان (المجلد الرابع) رجل تزوج بغیر شهود فقال الرجل للمرأۃ (خدا و پیغمبر را گواہ کردیم) قالوا یکون کفرا لانه اعتقد ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یعلم الغیب وهو ما کان یعلم الغیب حین کان فی الاحیاء فکیف بعد الموت۔

فتاوی قاضی خاں جلد چہارم میں ہے کہ ایک شخص بغیر گواہوں کے نکاح کرے اور عورت سے کہے کہ خدا اور پیغمبرؐ کو گواہ کیا ہم نے تو فقہاء کہتے ہیں کہ اُس نے کفر کا ارتکاب کیا۔ کیونکہ اُس نے اس امر کا اعتقاد رکھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم غیب کی باتیں جانتے ہیں۔ حالانکہ وہ اپنی زندگی میں بھی عالم الغیب نہیں تھے تو وفات کے بعد یہ کیونکر ہو سکتا ہے؟

وفی الفتاوی البزازیۃ (علی هامش العالمگیریۃ ج ۳ ص ۳۲۶) قال علماؤنا من قال ارواح المشائخ حاضرۃ یکفر و کذلک ایضاً فی مجموعۃ الفتاوی للکنوی ج ۲ ص ۳۴ وفیه ایضاً ج ۴ ص ۱۰۰ وفی التفسیر الکبیر. والعلم المحیط لیس الا للہ تعالی وقال ملا حسین الخباز فی مفتاح القلوب "و از کلمات کفر است ندا کردن اموات غائبات بگمان آنکه حاضر اند مثل یا رسول اللہ

فتاوی بزازیہ میں ہے "ہمارے علماء کا قول ہے کہ جو شخص مشائخ رح کی ارواح کو حاضر سمجھے وہ کافر ہو جاتا ہے"۔ فتاوی مولانا عبدالحی لکھنوی جلد ۲ ص ۳۴ اور جلد ۴ ص ۱۰۰ میں بھی اسی کے مطابق لکھا ہے۔ اور تفسیر کبیر میں ہے کہ علم محیط سوائے اللہ تعالی کے کسی کے لئے ثابت نہیں ہے۔ اور ملا حسین خباز مفتاح القلوب میں فرماتے ہیں کہ اموات غائبات کو حاضر سمجھ کر پکارنا کفر ہے جیسے یا رسول اللہ اور

ویا شیخ عبد القادر وما نند آن"۔

وفی مجمع البحار۔ کرہ الامام مالک ان یقول زرنا قبرہ صلی اللہ علیہ وسلم وعللوہ بان لفظ الزیارۃ صار مشترکًا بین ما شرع وما لم یشرع۔ فان منہم من قصد بزیارۃ قبور الانبیاء والصلحاء ان یصلی عند قبورہم ویدعو عندھا ویسئلہم الحوائج وھذا لایجوز عند احد من علماء المسلمین فان العبادۃ وطلب الحوائج والاستعانۃ حق اللہ وحدہ۔

وفی الدر المختار المجلد الاول ص۱۷ ومقدمۃ الھدایہ المجلد الاول ص۵۹۔ ان علم الغیب لیس لمخلوق سوی اللہ وفی شرح الفقہ الاکبر ص۱۸۵ واعلم ان الانبیاء لم یعلموا المغیبات من الاشیاء الاما اعلمہم اللہ تعالیٰ احیانا وذکر الحنفیۃ تصریحا بالتکفیر باعتقاد ان النبی علیہ السلام یعلم الغیب لمعارضۃ قولہ تعالیٰ قل لایعلم من فی السمٰوٰت والارض الغیب الا اللہ۔

یا شیخ عبد القادر وغیرہ

مجمع البحار میں ہے کہ اگر کوئی شخص کہے کہ ہم نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر کی زیارت کی تو امام مالکؒ اس کو مکروہ کہتے ہیں اور وجہ یہ بیان فرمائی ہے کہ لفظِ زیارت مشروع اور غیر مشروع دونوں معنی کے لئے عام ہو گیا ہے۔ کیونکہ بعض لوگ ایسے بھی ہیں جو انبیاء و صلحاء کی قبور کی زیارت کا ارادہ کرتے ہیں اور وہاں جا کر نماز پڑھتے اور دعائیں مانگتے اور اہلِ قبور سے اپنی حاجات طلب کرتے ہیں۔ اور علماء میں سے کسی کے نزدیک یہ جائز نہیں ہے۔ عبادت اور طلبِ حاجات اور استعانت صرف اللہ تعالیٰ کا حق ہے۔

درمختار جلد اول اور مقدمہ ہدایہ میں ہے کہ علمِ غیب اللہ کے سوا کسی مخلوق کے لئے ثابت نہیں ہے۔ اور شرح فقہ اکبر میں ہے کہ جاننا چاہیئے کہ کسی غائب چیز کا علم انبیاء علیہم السلام نہیں رکھتے سوائے ان چیزوں کے جن کا علم اللہ تعالیٰ نے ان کو دیا ہو اور احنافؒ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں علمِ غیب کا عقیدہ رکھنے کو صراحۃً کفر کہا ہے۔ کیونکہ یہ عقیدہ قرآن کے خلاف ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اے نبی کہہ دو کہ زمین اور آسمان کے رہنے والوں میں سے کوئی عالم الغیب نہیں ہے سوائے اللہ تعالیٰ کے۔

فیا ایها الفاضل! هل تقول ان هؤلاء العلماء الکرام مخطئون حیث قالوا ان النبی صلی الله علیه وسلم لایعلم الغیب ولا یجوز نداءه علی نحو ماذکروا واستعانته والا فماذا تقول فیهم وماتقول فی الآیة والحدیث المتقدم ذکرهما. هلا رأیت ما قال الشیخ عبدالقادر الجیلانی قدس روحه اجعل الکتاب والسنة امامك وانظر فیهما بتامل وتدبر واعمل بهما ولا تغتر بالقال والقیل والهوس. قال الله تعالیٰ وما آتٰکم الرسول فخذوه وما نهٰکم عنه فانتهوا (فتوح الغیب المقالة السادسة والثلاثون).

تو مولٰنا محترم! کیا آپ یہ کہہ سکتے ہیں کہ مذکورہ علمائے کرام غلطی پر تھے جنھوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے عالم الغیب ہونے سے انکار کیا اور بطریقۂ مذکورہ ندا اور استعانت کو ناجائز قرار دیا۔ اور اگر یہ بات نہیں تو ان کے مذکورۃ الصدر اقوال اور آیت اور حدیث کی آپ کیا توجیہہ فرمائیں گے۔ کیا آپ نے حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی قدس روحہ کا قول نہیں دیکھا۔ فرماتے ہیں کہ کتاب وسنت کو اپنے سامنے رکھو اور اس میں غور وفکر کے ساتھ نظر کرو اور ان ہی دونوں چیزوں پر عمل کرو اور قیل وقال اور شک کی وجہ سے دھوکہ اور غفلت میں نہ پڑو۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ رسولؐ تم کو جو کچھ دے اس کو لے لو اور جس چیز سے روکے اس سے رُک جاؤ (فتوح الغیب)۔

(۲) انك قلت ان غیر المقلدین یقولون لایجوز قراءة الفاتحة. سبحان الله ما هذا الا بهتان مبین نحن نسألك هل فی المسلمین فرقة تنکر قراءة الفاتحة مطلقا واما اذا اردت بقولك ماراج من قراءة الفاتحة علی الطعام فی لیلة الجمعة ولیلة الاثنین والیوم الثالث للموت وغیرہ فلا ریب انها بدعة لم تکن فی خیر القرون ولم یامر به الکتاب ولا الحدیث. لله در القائل

(۲) آپ نے کہا کہ غیر مقلدین فاتحہ پڑھنے کو ناجائز کہتے ہیں۔ سبحان اللہ یہ محض بہتان ہے۔ ہم آپ سے پوچھتے ہیں کہ مسلمانوں میں سے کوئی ایسا فرقہ بھی ہے جو مطلق فاتحہ پڑھنے کو ناجائز کہتا ہے۔ اور اگر اس سے آپ کی مراد مروّجہ فاتحہ ہے جو کھانے پر جمعرات کو پڑھتے ہیں یا موت کے تیسرے دن پڑھتے ہیں وغیرہ تو بے شک یہ بدعت ہے اور خیر القرون میں اس کا رواج نہیں تھا۔ اور قرآن وحدیث میں اس کا ثبوت نہیں ہے۔ کسی نے کیا خوب کہا ہے

۵ ولم يات الكتاب ولا الحديث
بما انتم عليه عاكفون

ولم يقل به امام ولا عالم معتبر من السلف والخلف قال الله تعالیٰ وما اٰتٰكم الرسول فخذوه وما نهٰكم عنه فانتهوا۔ فيجب على الامة المحمدية ان يتركوا كل بدعة لهذه الآية۔ وقال النبی صلی الله عليه وسلم من احدث فی امرنا هذا ما ليس منه فهو رد۔ رواه البخاری ومسلم۔ (اربعين حديثا النووية والمشكوٰة)

وفی رواية لمسلم من عمل عملا ليس عليه امرنا فهو رد (اربعون حديثا النووية)

وقال صلی الله عليه وسلم ايضا اياكم ومحدثات الامور فان كل محدثة بدعة وكل بدعة ضلالة۔ رواه احمد ابوداؤد والترمذی وابن ماجة (مشكوٰة باب الاعتصام) وايضا قال صلی الله عليه وسلم شر الامور محدثاتها وكل بدعة ضلالة رواه مسلم كذا فی الباب المذكور واذا لم نترك الآية والحديث فنحن نلفت نظرك الى قول العلماء فقد قال العلامة شاه ولی الله المحدث الدهلوی فی

شعر۔ وہ چیز جس کو تم پکڑے بیٹھے ہو، اس پر نہ کتاب اللہ اتری ہے نہ کوئی حدیث آئی ہے۔

اور کسی امام نے اور اگلے پچھلے علماء میں سے کسی نے اس کی اجازت نہیں دی۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ رسول تم کو جو کچھ دے وہ لے لو اور جس چیز سے روکے اس سے رک جاؤ۔ پس امت محمدیہ پر اس آیت کی رو سے واجب ہے کہ ہر قسم کی بدعت کو چھوڑ دیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے جس نے ہمارے احکام میں کوئی ایسی نئی بات ایجاد کی جس کا ثبوت ہمارے احکام سے نہ ملتا ہو وہ مردود ہے بخاری ومسلم۔

مسلم کی ایک روایت میں ہے کہ جس شخص نے کوئی ایسا کام کیا جس کے متعلق ہمارا کوئی حکم موجود نہ ہو، پس وہ نامقبول ہے۔

اور فرمایا کہ دین میں نئی باتیں نکالنے سے بچو۔ کیونکہ ہر نئی بات بدعت ہے اور ہر بدعت گمراہی ہے

اور فرمایا کہ امور دینیہ میں سب سے برا امر وہ ہے جو ایجاد کر لیا جائے اور ہر ایجاد کردہ امر گمراہی ہے (روایت مسلم)

اب جبکہ آیات واحادیث سے ہم نے ثبوت پیش کر دیا تو ہم علماء کے اقوال کی طرف آپ کی توجہ مبذول کرانا چاہتے ہیں۔ حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ:۔

وصیت نامۃ النبی فی اللغۃ الفارسیۃ

" از بدعات شنیعۂ ما مردم اسراف است درماتم ہا وسیوم وچہلم وششماہی وفاتحہ سالینہ وایں ہمہ را در عرب اول وجود نبود مصلحت آں کہ غیر تعزیۂ وارثان میت تا سہ روز وطعام ایشاں یک شبانہ روز رسمے نہ باشد "

ما تقول فی شاہ ولی اللہ ھل ھو شقی او قلیل الحظ والعیاذ باللہ کما تقول عن بعض المسلمین الذین قالوا ربنا اللہ ثم استقاموا والعلامۃ المذکور قد منع قراءۃ الفاتحۃ الرائجۃ حاشا للہ.

وماذا تقول فی سائر العلماء الحنفیین الذین تعتبرھم وغیرھم من الاعلام فمن منع تلک البدعۃ فانہ قد نھی رسم الفاتحۃ وماشاکلہ مولانا عبدالحی الحنفی اللکھنوی فی مجموعۃ الفتاوی والشیخ علی متقی فی رسالۃ رد بدعات ومولانا شاہ اسحٰق الحنفی فی مأۃ مسائل۔

وفی فتاوی العالمگیریۃ ۔ قراءۃ الکافرون الی الآخر مع الجمع مکروھۃ لانھا بدعۃ لم ینقل ذلک عن الصحابۃ وفی شرح مراقی الفلاح المطبوع بمصر ص ۳۶۳

" ہم لوگوں نے جو بدعات اختیار کر رکھی ہیں ان میں سے ایک یہ بھی ہے کہ غمی کی تقریبات سیوم اور چالیسویں اور ششماہی اور فاتحہ سالانہ میں بے انتہا اسراف کیا جاتا ہے ۔ اور ان تمام رسوم کا قرون اولیٰ میں وجود نہ تھا ۔ بہتر یہ ہے کہ صرف تین دن تک وارثان میت سے تعزیت مسنونہ ادا کی جائے اور ایک دن رات ان کو کھانا دیا جائے ۔ اس کے علاوہ کوئی رسم ادا نہ کی جائے "

حضرت شاہ ولی اللہؒ کے متعلق آپ کیا کہتے ہیں ؟ کیا نعوذ باللہ وہ بدبخت یا کم بخت تھے ؟ جیسا کہ آپ بعض موحد مسلمانوں کے بارے میں کہا کرتے ہیں ۔

اور ان تمام حنفی علماء کے متعلق آپ کیا کہیں گے جو آپ کے نزدیک بھی معتبر ہیں اور ان کے علاوہ دیگر مذاہب کے علماء بھی جو فاتحہ مروجہ اور اسی قسم کی رسموں کو منع کرتے تھے ۔ مثلاً مولٰنا عبدالحی لکھنوی اپنے مجموعۃ الفتاویٰ میں اور شیخ علی متقی رسالہ رد بدعات میں اور مولٰنا شاہ محمد اسحٰق مائۃ مسائل میں لکھتے ہیں ۔

نیز فتاویٰ عالمگیری میں ہے کہ سورۂ کافرون سے آخر تک مجلس میں کھانے پر پڑھنا مکروہ ہے بوجہ بدعت ہونے کے یہ فعل صحابہؓ سے ثابت نہیں ۔ اور شرح مراقی الفلاح مطبوعہ مصر ص ۳۶۳ میں

قال الامام (الاعظم) تکرہ لان اکلھا جیفۃ ولم یصح فیھا شئ عندہ عنہ صلی اللہ علیہ وسلم۔ وفی الفتاوی السمرقندیۃ منقولا من ارنجبر صـ۴۹ قراءۃ الفاتحۃ علی الطعام بدعۃ۔ وکذلک فی الشامی صـ۵۷ جـ۵ وصـ۴۸ جـ۵ وفی الکبیری شرح منیۃ صـ۵۶۵ ومجموعۃ الفتاوی صـ۶۸ جـ۳ وفی الطحطاوی شرح مراقی الفلاح صـ۳۹۹ وعلی ھذا المختصر فانا اذا کتبنا عن کل ما قلت فی الوعظ من الخرافات والاغلاط کان مجلدا کبیرا فلضیق نطاق الکلام نکتفی بھذا القدر وانما عمدنا علی کتابۃ ھذا السؤال بالعربیۃ لانا سمعناک تقول غیر مرۃ انک لا تعتبر بالاردویۃ ونرجو ان تسرع بالاجابۃ غایۃ السرعۃ لکی نسلی قلوبنا وقلوب الناس ولا بد من ان یکون الجواب بالعربیۃ تحریرا

ہے کہ امام اعظمؒ نے فرمایا کہ یہ مکروہ ہے اس لئے کہ یہ مُردار کھانا ہے اور اس بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کوئی بات ثابت نہیں ہے۔ اور فتاوی سمرقندیہ میں ہے کہ کھانے پر فاتحہ پڑھنا بدعت ہے۔ اسی طرح شامی اور کبیری اور مجموعۃ الفتاویٰ اور طحطاوی شرح مراقی الفلاح میں بھی مذکور ہے۔

ہم اسی پر اکتفا کرتے ہیں کیونکہ اگر وہ تمام خرافات اور غلط باتیں جو آپ وعظ میں کہتے رہے ہیں قلمبند کی جائیں تو ایک دفتر درکار ہوگا۔ اور ہم نے سوال کو عربی زبان میں اس لئے لکھا ہے کہ آپ نے کئی مرتبہ یہ فرمایا ہے کہ ہم اردو زبان کا اعتبار نہیں کرتے۔ امید ہے کہ آپ جواب جلد دیں گے تاکہ ہمارے اور دیگر مسلمانوں کے دل مطمئن ہوں۔ اور جواب عربی زبان میں ہونا چاہیئے۔ والسلام

والسلام۔ المستفتی نمبر ۹۱۰ کانکڑے عبدالقادر (منگلور) ۱۱ صفر ۱۳۵۵ھ م ۳ مئی ۱۹۳۶ء

جواب۔ از مولوی بشیر احمد۔

نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم الحمد للہ رب العلمین الذی قال فی کتابہ الحکیم واصبر علی ما یقولون واھجرھم ھجرا جمیلا والصلوۃ والسلام علی سیدنا محمد ارسلہ الی الحق کافۃ نبیا ورسولا۔

حمد و نعت اور درود و سلام کے بعد گزارش ہے کہ آپ نے چند مخالفانہ سوالات بھیجے ہیں۔ جو چند وجوہ کی بنا پر بے نتیجہ اور ناقص ہیں۔

اوّل یہ کہ آپ نے شروع میں حمد و صلوٰۃ

اما بعد۔ من بشیر احمد الی من سئلنی بسؤالات مخالفات لاجروۃ لہ بوجوہ۔ الاول۔ ترکت الحمد والصلوٰۃ والثانی۔ لسؤالک بلا ذکر اسمک فی اول کتابۃ والثالث اہانۃ لمسئولک بالکذب والرابع غلطک فی العبارۃ بقیاس النحو ولہذہ البیان ما اردت العلم لک الجواب۔ ولکن ارجولک ان تحرر الی مجلس نصیحتی فاقول لک جوابا شافیا لمرضات قلبک

واعلم ان القلب ھو معینۃ الروح الاعظم والخلیفۃ الاکبر المنزل الی ھذہ المنزلۃ وھو المدبر للجسم الانسانی المتعلق بہ تعلق العاشق بالمعشوق وذلک بواسطۃ الروح الحیوانی لان الروح المذکورۃ فی غایۃ اللطافۃ والجسم فی غایۃ الکثافۃ والروح الحیوانی بین اللطافۃ والکثافۃ فلذلک صلح ان یکون واسطۃ بین الروح الاعظم بعد تنزلہ وبین الجسم۔ وتعلق الروح اللطیفۃ مع النفس الشہوانیۃ قلبا کان ذا جہتین جہۃ لعالم الجنس والشہادۃ وجہۃ لعالم القدس والطیب ومتی کان قلبک متوجہا الی الجسد بالتنعمات واللذات الدنیویۃ والشہوات النفسانیۃ کان قلبک

نہیں لکھی۔ دوسرے یہ کہ تحریر کے شروع میں آپ نے اپنا نام ظاہر نہیں کیا۔ تیسرے یہ کہ اپنے مخاطب کے خلاف غلط بیانی کرکے اس کی توہین کی ہے۔ چوتھے یہ کہ آپ نے عبارت میں نحوی غلطیاں کی ہیں۔ اور اس سے آپ کی علمیت معلوم ہوگئی ہے۔ اس اظہار کے بعد میں آپ کو جواب دینا ضروری نہیں سمجھتا۔ اور امید کرتا ہوں کہ آپ میرے وعظ کی مجلس میں تشریف لائیں تاکہ میں آپ کو تسلی بخش جواب دوں۔

جاننا چاہیئے کہ قلب ہی روح اعظم اور خلیفۂ اکبر کا مستقر ہے اور وہ روح حیوانی کے واسطے سے اس جسم انسانی کا مدبر ہے جو اس کے ساتھ عاشقانہ تعلق رکھتا ہے۔ چونکہ روح اعظم بے انتہا لطیف ہے اور جسم بے انتہا کثیف اور روح حیوانی لطافت وکثافت میں معتدل ہے اس لئے وہی روح اعظم اور جسم کے درمیان واسطہ بننے کے لائق تھی۔

اور دل میں روح لطیفہ کا نفس شہوانیہ کے ساتھ یہ گہرا تعلق دو رخ رکھتا ہے۔ ایک طرف اس کا تعلق عالم شہود سے ہے اور دوسری طرف عالم قدس کے ساتھ۔ اور جبکہ تمہارا دل آسائش ولذات دنیاوی اور شہوات نفسانی کی وجہ سے جسم کی طرف متوجہ ہے تو میری نصیحت تمہارے

محجوباً بنصیحتی فافهم ولا تکن من الخاسرین۔ کتبہ حاجی بشیر احمد عفی عنہ

(۱۸۲) **جواب** (از حضرت مفتی اعظمؒ) الحمد لولیہ والصلوٰۃ والسلام علی نبیہ امابعد فانا رأینا السؤال والجواب ووجدنا الجواب لا یکشف عن الحقیقۃ ولا یغنی عن شئ والحق ان نداء النبی صلی اللہ علیہ وسلم بقول قائل یا رسول اللہ و یا نبی اللہ ویا محمد وغیرھا من الالفاظ قد یکون بمجرد الشوق لا یقصد قائلہ اسماع المنادیٰ ولا یقصد سماعہ و حضورہ فھذا امما لا مضائقۃ فیہ وقد یکون مع الصلوٰۃ والسلام کقولہ صلی اللہ علیک یا رسول اللہ او الصلوٰۃ والسلام علیک یا رسول اللہ ویعتقد قائلہ ان ھذا الکلام یصل الیہ صلی اللہ علیہ وسلم بواسطۃ الملائکۃ الذین یبلغونہ عن امتہ الصلوٰۃ والسلام وھذا ایضاً جائز لحدیث ورد فیہ۔

وقد یکون باعتقاد ان

دل تک نہیں پہنچ سکتی۔ پس سمجھو اور گھاٹا اٹھانے والوں میں سے نہ بنو۔ (حاجی بشیر احمد)

جواب از حضرت مفتی اعظمؒ۔ الحمد لولیہ والصلوٰۃ والسلام علی نبیہ۔

امابعد۔ ہم نے سوال اور جواب کو دیکھا اور محسوس کیا کہ جواب مذکورہ سے کوئی حقیقت واضح نہ ہوئی اور کوئی فائدہ حاصل نہیں ہوا۔ صحیح بات یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو یا رسول اللہ اور یا نبی اللہ اور یا محمد اور اسی قسم کے دیگر الفاظ کے ساتھ پکارنے کی چند صورتیں ہیں۔ کبھی تو یہ محض جذبۂ اشتیاق کی بنا پر ہوتا ہے کہ پکارنے والے کا مقصد اپنی آواز کو سنانا نہیں ہوتا اور نہ اس کے خیال میں یہ بات ہوتی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حاضر ہیں اور اس کی آواز کو سن رہے ہیں تو یہ صورت جائز ہے اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔ اور دوسری صورت ندا درود وسلام کے ساتھ جیسے کہا جائے صلی اللہ علیک یا رسول اللہ، یا الصلوٰۃ والسلام علیک یا رسول اللہ۔ اور کہنے والا یہ عقیدہ رکھے کہ یہ کلام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تک اُن ملائکہ کے ذریعے سے پہونچتا ہے جو امت کے درود وسلام کو آپ تک پہونچانے کی خدمت پر مقرر ہیں تو یہ صورت بھی حدیث کی رُو سے جائز ہے۔

تیسری صورت ندا کی یہ ہے کہ ندا کے وقت

الرسول صلی اللہ علیہ وسلم یسمع خطاب کل واحد ویحضر کل مکان فھذا مما ردتہ النصوص القرآنیۃ والحدیثیۃ واجمعت الامۃ علی ان الرسول صلی اللہ علیہ وسلم کان لا یعلم الغیب الا ما اعلمہ اللہ تعالیٰ ومن اعتقد ان الرسول صلی اللہ علیہ وسلم کان یعلم الغیب فھو کافر۔ واما الفاتحۃ المرسومۃ المروجۃ بھیئۃ معلومۃ فی ایام معینۃ بحضرۃ الوان الطعام بین یدی القاری فلا شک فی کونھا مبتدعۃ مخترعۃ لم تکن فی القرون المشھود لھا بالخیر ولم ترد بھا آیۃ ولا حدیث ولم یقل بھا احد من علماء الامۃ ممن یعتمد علی علمہ ودینہ وتقواہ

عصمنا اللہ وایاکم وجمیع المسلمین عن کل ما یخالف الشرع ویضاد الحق الذی جاء بہ سیدنا ومولانا محمد صلی اللہ علیہ وسلم وجعلنا من المقتفین لآثارہ والمھتدین بھدیہ صلی اللہ علیہ وسلم آمین

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ دھلی

یہ اعتقاد ہو کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہر ایک شخص کے خطاب کو سنتے ہیں اور ہر جگہ حاضر و ناظر ہیں. تو اس قسم کی ندا قرآن شریف کی صریح آیات اور احادیث صحیحہ کی رو سے ناجائز ہے اور تمام علمائے امت کا اس بات پر اتفاق ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو غیب کا علم حاصل نہیں تھا۔ آپ کو صرف اتنا علم حاصل تھا جتنا اللہ نے آپ کو عطا فرمایا تھا۔ اور جس شخص کا یہ عقیدہ ہو کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عالم الغیب تھے وہ کافر ہے۔

اور یہ رسمی فاتحہ مروجہ جو خاص شکل میں اور خاص مقررہ ایام میں پڑھی جاتی ہے اور پڑھنے والے کے سامنے قسم قسم کے کھانے رکھے جاتے ہیں تو اس میں شک نہیں کہ یہ ایک گھڑی ہوئی بدعت ہے۔ یہ قرون اولیٰ میں ہرگز نہ تھی اور اس کے جواز میں کوئی آیت یا حدیث وارد نہیں ہے اور معتمد و ثقہ علمائے امت میں سے کسی نے اس کے جواز کا فتویٰ نہیں دیا

اللہ تعالیٰ ہم کو اور آپ کو اور تمام مسلمانوں کو ہر اس چیز سے محفوظ رکھے جو شریعت کے مخالف اور اس دین حق کے منافی ہو جس کو ہمارے سید و آقا حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم لے کر آئے۔ اللہ ہم کو ان کے قدم بقدم چلنے کی اور ان کے اسوۂ حسنہ سے ہدایت حاصل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ محمد کفایت اللہ

سوال

زید نے حضرت حکیم الامت مولانا الحاج محمد اشرف علی صاحب مدظلہم العالی کو کافر کہا (معاذ اللہ) اور کہتا ہے کہ حضرت موصوف کی مؤلفہ نشر الطیب فی ذکر النبی الحبیب کا پڑھنے والا اور سننے والا کافر ہے۔ اور جیسے خدا سنتا ہے، ایسے حضور سنتے ہیں۔ اور حضور کو علم غیب بلاواسطہ ہے۔ اور ذکر میلاد شریف میں قیام کے لئے اٹھنا شرعاً جائز ہے۔ اور اشہد ان محمداً رسول اللہ، موذن کہے اس پر انگوٹھا چومنا مستحب ہے۔ اور جو نہ چومے وہ کافر وہابی ہے۔ میت کے جنازہ کی نماز پڑھنے کے بعد ہاتھ اٹھا کر دعاء مانگنا درست اور جائز ہے۔ میت کی قبر پر بعد دفنانے کے اذان دینا احیاء سنت اور جائز ہے۔ اولیاء اللہ سے مدد مانگنا جائز ہے۔ المستفتی نمبر ۱۳۰۲ حافظ عبدالرزاق صاحب (چوک بازار اوجین) ۲۰ ذی الحجہ ۱۳۵۵ھ م ۴ مارچ ۱۹۳۷ء۔

(۱۸۳) **جواب**۔ مولانا اشرف علی صاحب ایک با خدا عالم اور حنفی مذہب کے بزرگ ہیں۔ ان کو کافر بتانے والا دشمن اسلام ہے کہ ایسے بزرگ عالم کو کافر کہتا ہے۔ جس کے فیض سے تمام ہندوستان کے مسلمان سیراب ہو رہے ہیں۔ نشر الطیب بہت اچھی کتاب ہے وہ قابل پڑھنے کے ہے۔ یا رسول اللہ یہ سمجھ کر کہنا کہ خدا کی طرح حضور بھی سنتے ہیں، جہالت اور شرک ہے۔ حضور کو جس قدر علم اللہ تعالیٰ نے عطا فرمایا وہ ساری مخلوق سے زیادہ ہے۔ مگر حضور عالم الغیب نہیں تھے۔ عالم الغیب ہونا خاص اللہ تعالیٰ کی صفت ہے۔ حضور کا نام سن کر انگوٹھے چومنے اور آنکھوں سے لگانے کی کوئی صحیح و پختہ دلیل نہیں۔ جنازے کی نماز کے بعد دعاء مانگنا حضور سے یا صحابہ سے یا اماموں سے ثابت نہیں۔ قبر کی اذان کا بھی شریعت سے کوئی ثبوت نہیں۔ مدد صرف خدا سے مانگنی چاہیئے۔ اولیاء اللہ بھی خدا کی مدد کے محتاج ہیں۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ، دہلی۔

سوال

ہمارے یہاں ایک مولوی صاحب مولود خوانی کے واسطے تشریف لایا کرتے ہیں۔ ان کے مریدین بھی یہاں بہت ہیں۔ ہمارے محلہ میں ایک دن لوگوں نے چندہ سے جلسہ مولود شریف

منعقد کیا۔ اثنائے وعظ میں انھوں نے ایک قصہ بیان کیا کہ بغداد شریف میں مسلمانوں کے ایک قافلہ میں ڈاکہ پڑا جس وقت ڈاکوؤں نے لوٹ مار شروع کی تو کچھ لوگوں نے پکارنا شروع کیا کہ پروردگار عالم ہم کو اس آفت سے بچا اور کچھ لوگوں نے پکارا کہ یا حضرت جنید بغدادیؒ ہم کو بچایئے۔ جنھوں نے خداوند عالم کو پکارا تھا وہ لُٹ گئے اور جنھوں نے حضرت جنیدؒ کو پکارا تھا وہ محفوظ رہے۔ المستفتی نمبر ۱۶۱۱ نذیر احمد عزیز احمد (ریوان) ۱۰ ربیع الاول ۱۳۵۶ھ م ۱۹ جولائی ۱۹۳۷ء

(۱۸۴) **جواب**۔ یہ قصہ بے ثبوت ہے اس کی کوئی سند نہیں۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہٗ

سوال

ایک شخص کا یہ اعتقاد ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم غیب کلّی جانتے تھے۔ ایسے شخص کے متعلق حنفی مذہب کے معتبر فتاووں مثل شامی، بحرالرائق، قاضی خاں وغیرہ میں کیا حکم ہے۔ کیا ان فتاووں میں سے کسی فتاوے میں ایسے شخص کے متعلق کافر یا فاسق یا بداعتقاد یا بے ادب ہونے کا حکم بھی ہے اگر ہے تو از راہ کرم اس فتاوے کی عبارت معہ حوالہ باب و صفحہ جواب میں تحریر فرمائیں اور اگر اس قسم کا حکم نہیں ہے تو یہ تحریر فرماویں کہ یہ اعتقاد حنفی مذہب کی رو سے صحیح ہے یا غلط۔ المستفتی نمبر ۱۷۳۲ رحمت علی۔ امین الدین کوچہ بنڈت (دہلی) ۲۹ جمادی الثانی ۱۳۵۶ھ م ۶ ستمبر ۱۹۳۷ء۔

(۱۸۵) **جواب**۔ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق عالم الغیب ہونے کے اعتقاد کو کفر قرار دیا ہے اور یہ بات حنفی مذہب کے فتاوی میں بتصریح موجود ہے۔ بحرالرائق جلد سوم کے صفحہ ۹۴ میں ہے وفی الخانیۃ والخلاصۃ لو تزوج بشھادۃ اللہ ورسولہ لا ینعقد ویکفر لاعتقادہ ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم یعلم الغیب انتہیٰ۔ اور در مختار ص ۲۹۹ میں ہے تزوج بشھادۃ اللہ ورسولہ لم یجز بل قیل یکفر۔ اور شامی کے اسی صفحہ ۲۹۹ میں ہے قولہ قیل یکفر لانہ اعتقد ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عالم الغیب۔ اور اسی طرح یہ مسئلہ فتاوی قاضی خاں اور فتاویٰ بزازیہ میں بھی موجود ہے۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہٗ، دہلی۔

سوال

مسجد کے اندر یہ قید لگانا کہ اُس مولوی سے جو حضور رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کو عالم الغیب نہ

جائے ہرگز وعظ نہ کہلوایا جائے۔ ایسی قید لگانا شرعاً جائز ہے یا نہیں؟

(۱۸۶) **جواب** ۔ یہ قید لگانا بالکل ناجائز ہے۔ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو عالم الغیب جاننا غلط ہے۔ محمد کفایت اللہ غفرلہٗ مدرسہ امینیہ دہلی۔

سوال

(۱) ہمارے محلے میں ایک شخص دورانِ وعظ میں یہ بیان کرتے ہیں کہ ایک کافر بادشاہ کے سر میں درد ہوتا ہے اس کا وزیر ایک صحابیؓ کے پاس آکر کہتا ہے کہ ہمارے بادشاہ کے سر میں درد ہے کوئی تعویذ دے دو۔ صحابیؓ تعویذ دینے سے انکار کرتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ یہ میری جوتی لیجاؤ اس کے سر پر رکھدو۔ وزیر جوتی لے جاکر بادشاہ کے سر پر رکھدیتا ہے، درد کو آرام ہوجاتا ہے۔ اس کے بعد واعظ صاحب سامعین سے کہتے ہیں، کیوں، صحابیؓ کی نعلین مبارک مشکل کشا ہوئیں یا نہیں؟ اور ہم صحابیؓ کی جوتی کو مشکل کشا مانیں تو اسلام سے خارج تو نہ ہوں گے؟۔

(۲) واعظ صاحب نے معراج کا تمام واقعہ بیان کرنے کے بعد سامعین سے فرمایا کیوں حضور صلی اللہ علیہ وسلم غیب داں ہوئے یا نہیں؟ اگر ہم حضورؐ کو غیب داں تسلیم کرلیں تو کوئی حرج تو نہیں؟

(۳) ایسے واعظ کا وعظ سن کر ہمارے نورِ ایمان میں ترقی ہوگی یا کمزوری؟۔ اور ثوابِ دارین میں شریک ہوئے یا نہیں؟

(۴) علمائے دہلی کو لُچّہ غنڈہ اور بہت کچھ بُرا بھلا کہہ کر فرمایا کہ علمائے دہلی کو علم کی ہوا بھی نہیں لگی۔ ایسے واعظوں کا وعظ سننا جائز ہے یا نہیں؟

(۱۸۷) **جواب** ۔ اس قصے کا اول تو ثبوت درکار ہے، دوسرے اس سے جوتی کو مشکل کشا کہنے کا نتیجہ نکالنا اسی واعظ جیسے خوش فہم کا کام ہے۔ اس کو خدا تعالیٰ کے غضب سے ڈرنا چاہیئے کہ مشکل اور مصیبت کو دُور کرنا خدا تعالیٰ کی صفت ہے اور وہ اس میں اللہ تعالیٰ کے ساتھ نعوذ باللہ ایک جوتی کو شریک کر رہا ہے۔ اگر واعظ صاحب نے جوتی کے مشکل کشا ہونے کے ثبوت میں یہ روایت ذکر کی ہو تو بہت سخت گستاخی اور بے ادبی ہے۔ اور اگر اس بات کے انکار میں بطور الزامی جواب کے یہ قصہ ذکر کیا ہے تو یہ ایک الزامی جواب کی حیثیت رکھتا ہے۔ اسی طرح معراج کے واقعہ کو بیان کرکے یہ کہنا کہ اگر ہم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو غیب داں تسلیم کرلیں تو کچھ حرج تو نہیں

اگر غیب دانی کے اثبات کے لیئے ہے تو غلط ہے کیونکہ اس میں غیب دانی کا ثبوت نہیں۔ اور اگر بطور الزام ذکر کیا ہے تو پوری تقریر معلوم ہونے پر بتایا جا سکتا ہے کہ الزام قائم ہوا یا نہیں؟ البتہ علمائے دہلی کو لُچّہ، غنڈہ اور برا بھلا کہنا ہر شخص جانتا ہے کہ بُری بات ہے۔ اس کے متعلق فتویٰ دریافت کرنا فضول ہے۔ اگر اس سوال سے بھی یہ کام لینا مقصود ہے جو پہلے ایک فتوے سے لیا گیا ہے کہ "مفتی صاحب کا فلاں واعظ کے بارے میں فتویٰ" تو سائل صاحب یہ جان رکھیں کہ وہ اشتہار بھی میرے اوپر تہمت اور افترا تھا۔ اور اس فتوے کو بھی کسی خاص شخص کے متعلق میرا فتویٰ ظاہر کر کے شائع کیا گیا تو یہ بھی تہمت اور افترا ہوگا۔ میں نے کسی خاص واعظ کے متعلق نہ پہلے فتویٰ دیا تھا، نہ یہ دے رہا ہوں۔ کیونکہ فتویٰ سوال پر دیا جاتا ہے نہ کسی خاص شخص پر اور نہ مفتی کو یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ کس شخص کے متعلق ہے۔ اور جس کے متعلق کیا گیا ہے اس کی طرف ان واقعات کی جو سوال میں مذکور ہیں نسبت صحیح ہے یا نہیں؟ فقط محمد کفایت اللہ کان اللہ لہٗ دہلی۔

حامداً ومصلیاً ومسلماً

(۱۸۸) آج کل آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عالم الغیب ہونے نہ ہونے میں سخت اختلاف ہو رہا ہے۔ علمائے کرام کا بڑا گروہ اس بات کا قائل ہے کہ عالم الغیب ہونا خدائے تبارک و تعالیٰ کی خاص صفت ہے۔ اس میں کوئی اس کا ساجھی اور شریک نہیں۔ تمام انبیاء علیہم السلام کا علم خدا تعالیٰ کے علم سے وہی نسبت رکھتا ہے جو متناہی کو غیر متناہی سے نسبت ہے۔

ان کے خلاف ایک دوسری جماعت یہ کہتی ہے کہ انبیاء علیہم السلام بلکہ اولیاء بھی عالم الغیب ہیں۔ اور خصوصاً آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم تو تمام مغیبات و مخفیات کے ایسے ہی عالم ہیں جیسے خدائے تعالیٰ۔ صرف اتنا فرق ہے کہ خدا تعالیٰ کا علم ذاتی ہے اور آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا بالعرض یعنی خدا تعالیٰ کے اعلام و اطلاع سے حاصل ہوا، مگر ہے اُسی قدر جس قدر خدا تعالیٰ کو ہے ذرّہ ذرّہ اور پتّہ پتّہ آپؐ کے سامنے ہے۔ چیونٹی کی چال اور پتّہ گرنے کی کھڑکھڑاہٹ آپ کو ایسی معلوم ہے جیسی ہم دیکھتے اور سنتے ہیں۔

یہ جماعت علمائے کرام کے اس گروہ کو جو آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عالم الغیب ہونے کے قائل نہیں ہیں کافر کہتی ہے اور اُن کے ذمہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ہتک اور کسرِ شان

کا الزام لگاتی ہے۔

ہم خدائے برتر وحدہٗ لاشریک کو گواہ کر کے یہ ظاہر کرتے ہیں کہ ہم آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اعلم الخلق یعنی خدا تعالیٰ و تبارک کے بعد تمام مخلوق سے زیادہ عالم جانتے ہیں اور اسی علمی کمال کے باعث آپ تمام انبیائے کرام و رسل عظام و ملائکہ مقربین سے افضل ہیں۔ تمام انبیاء و رسل صلوات اللہ علیہم کو جس قدر علم عطا ہوا تھا وہ تمام آپ کو خدا تعالیٰ نے عنایت فرمایا اور ہزاروں لاکھوں مغیبات امور پر آپ کو مطلع فرمایا۔ غرضکہ بعد خدائے واحد کے آپؐ سے زیادہ کوئی اعلم نہیں۔

تقریر ماسبق سے معلوم ہو گیا کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا بے شمار مغیبات پر مطلع ہونا اور بکثرت غیب کی باتیں جاننا اور خبر دینا متفق علیہ مسئلہ ہے۔ اس میں ہم اور ہمارے مخالف دونوں متفق ہیں۔ اسی طرح یہ بھی متفق علیہ ہے کہ آں حضرت علیہ الصلوٰۃ والسلام اور جملہ مخلوق کے تمام علوم خدا تعالیٰ کے عطا کیے ہوئے ہیں۔ سوائے خدائے واحد کے کسی کا علم ذاتی نہیں۔ سب کا علم خدا کا دیا ہوا ہے۔ اور اس مدعا پر نصوص شاہد عدل ہیں۔

تو اب ہمارا ان کا اختلاف فقط اس بات میں ہے کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو تمام مغیبات کا علم (بالعرض ہی سہی) تھا یا نہیں؟ اور کیا آپؐ کا علم خدا تعالیٰ کے علم کے برابر تھا؟ ہم کہتے ہیں کہ تمام مغیبات اور ذرہ ذرہ کا علم سوائے خدا تعالیٰ کے کسی کو نہیں۔ اور ہمارے مخالف کہتے ہیں کہ آپؐ کا علم خدا کے علم سے (سوائے فرق بالذات و بالعرض کے) کم نہیں۔ اور جیسے خدا تعالیٰ ذرہ ذرہ کا عالم اور ہر جگہ حاضر و ناظر ہے۔ ایسے ہی آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم بھی ہیں۔ ہمارے مخالف آں حضرتؐ کے لیے ایجاب کلی کے مدعی ہیں۔ اور ہم رفع ایجاب کلی یا اُس کے مساوی سلب جزئی کے قائل ہیں یعنی آپ کو تمام غیب کی باتیں معلوم نہ تھیں یا بالفاظِ دیگر آپ بہت سی غیب کی باتیں نہیں جانتے تھے۔

ہمارا دعویٰ ہے کہ تمام سلفِ صالحین کا یہی مذہب ہے۔ اور قرآن و حدیث و اقوال علمائے محققین سے یہی ثابت ہوتا ہے اور یہ کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم یا کسی اور کے لیے علم محیط اور علم مساوی علم باری تعالیٰ ثابت کرنا اور اعتقاد کرنا شرک فی الصفات ہے۔ اب پہلے ہم وہ دلیلیں بیان کرتے ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ علمِ محیط خاص خدا کی صفت ہے۔ اس میں کوئی اس کا شریک نہیں اور

یہ کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم بہت سی باتوں سے واقف نہ تھے۔

دلیلِ اول۔ قولہ تعالیٰ

فلا تعلم نفس ما اخفی لھم من قرۃ اعین (حاصل ترجمہ) جنت میں مسلمانوں کے لیے جو آنکھوں کی ٹھنڈک چھپا کر رکھی گئی ہے اُس کو کوئی نفس نہیں جانتا۔

اس آیت میں لفظ نفس نکرہ ہے جو سیاق نفی میں واقع ہوا ہے۔ اور کتب اصول میں ثابت ہو چکا ہے کہ نکرہ سیاق نفی میں عام ہوتا ہے۔ بس اس میں انبیاء، اولیاء، اور جملہ مخلوق کے نفوس آگئے۔ کہ جنت کی مخفی نعمتوں سے کوئی بھی واقف نہیں۔ ثابت ہوا کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم بھی جنت کی مخفی نعمتوں سے واقف نہ تھے۔

دلیل دوم۔ قولہ تعالیٰ

وعندہ مفاتح الغیب لا یعلمھا الا ھو۔ (حاصل ترجمہ) تمام غیب کی کنجیاں خدا کے پاس ہیں اُس کے سوا کوئی اُنھیں نہیں جانتا۔

اس آیت میں علم غیب کو باری تعالیٰ پر منحصر فرما دیا ہے۔ آیت کا سیاق بتا رہا ہے کہ مقصود بیان سے یہاں پر یہی ہے کہ غیوب کا علمِ محیط خدا تعالیٰ کے سوا کسی کو نہیں (ناتمام)

سوال

(از اخبار سہ روزہ الجمعیۃ دہلی مورخہ ۲۹ ستمبر ۱۹۲۵ء)

زید عوام الناس کو علی الاعلان استمداد از غیر اللہ کی تعلیم بالفاظِ ذیل دے رہا ہے۔ غیر اللہ سے مدد مانگنا بلا شبہ درست ہے۔ ایاک نستعین میں جو مفعول مقدم ہے جس سے بقاعدۂ نحوی حصر کے معنی پیدا ہوتے ہیں اُس کے معنی یہ ہیں کہ کارساز حقیقی تو ہی ہے اور حقیقی مدد تجھی سے طلب کرتے ہیں کیونکہ مدد حقیقی تیرے ساتھ مختص ہے۔ باقی دوسروں سے استعانت مجازی ہے جو محض مظاہر عون سے ہیں۔ پس استعانت غیر اللہ سے اس طرح پر کہ اعتقاد مستقل اُس غیر پر ہو اور اس کو مظہرِ عونِ الٰہی نہ جانے بے شبہ حرام بلکہ شرک ہے۔ اور اگر التفات محض بجانب حق ہے اور اس کو ایک مظہر مظاہر عون سے جان کر استمداد و استعانت کرے تو ایسی استعانت مشروع و جائز ہے۔ تمام انبیاء و اولیاء اس قسم کی استعانت طلب کرتے رہے ہیں۔ یہ استمداد و استعانت حقیقۃً غیر سے نہیں بلکہ

اُسی سے ہے۔ ھکذا فی تفسیر فتح العزیز۔ اب تو معنی حصری بھی درست ہو گئے۔ اور سب اعتراض بھی اُٹھ گئے۔ خلاصہ یہ ہے کہ مستقل حاجت روا کسی کو سمجھ کر مدد طلب کی جائے تو ناجائز اور حرام ہے۔ مگر مسلمان کے ساتھ ایسا گمان کسی طرح درست نہیں ورنہ جائز اور درست ہونے میں کسی طرح کا کلام نہیں۔ انتہیٰ بلفظہ۔ زید نے اپنے عقیدۂ مذکور الصدر کے لیے حسب ذیل ثبوت پیش کیا ہے:۔

(۱) اللہ تعالیٰ فرماتا ہے استعینوا بالصبر والصلوٰۃ۔ اور یہ ظاہر ہے کہ صبر و صلوٰۃ غیر اللہ ہیں

(۲) اس کی تائید حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے قول کونوا من انصاری الی اللہ سے ہوتی ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے قرآن میں بیان فرمایا ہے۔

(۳) حکیم و ڈاکٹر سے دفع مرض کے لیے مدد مانگنا اور مظلوم کا بر وقت حق طلبی و ایذا دہی ظالم، حکام سے چارہ جوئی کرنا وغیرہ کے جائز و مسنون ہونے میں کسی کو کلام نہیں ہو سکتا۔

(۴) خود رسول اللہ صلی اللہ وسلم نے غیر اللہ سے مدد مانگنے کی تعلیم فرمائی۔ چنانچہ طبرانی میں عتبہ بن غزوان رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے۔ اذا ضل احد کم شیئاً واراد عونا وھو بارض لیس لھا انیس فلیقل یا عباد اللہ اعینونی یا عباد اللہ اعینونی یا عباد اللہ اعینونی فان للہ عباداً لایراھم۔

(۵) تفسیر فتح العزیز میں جیسا کہ مذکور ہوا یہی تعلیم ہے۔

اس کے متعلق عمرو کہتا ہے کہ لفظ غیر اللہ عام ہے اور مدد کی بھی علماء نے دو قسمیں قرار دی ہیں۔ ایک یہ کہ نظر بر کارخانۂ اسباب و حکمت باری تعالیٰ بعض امور میں ایک مخلوق دوسری مخلوق سے مدد لینے کی مجاز ہے۔ مثلاً کسی بیمار کا حکیم یا ڈاکٹر سے مشورہ علاج میں اور مظلوم کا بر وقت حق طلبی و ایذا دہی ظالم، حکام سے چارہ جوئی میں مدد لینا۔ نوکروں اور فقیروں کا اپنے معاملات میں امیروں اور بادشاہوں سے مدد طلب کرنا یا زندہ اولیائے کرام سے دعاء کے لیے اس طرح عرض معروض کرنا کہ ہمارے فلاں مطلب کے لیے بارگاہِ خداوندی میں دعاء فرمایئے وغیرہ۔ ایسی استمداد شرعاً جائز ہے۔ اور اس میں کسی کو اختلاف نہیں ہے۔ مگر جو اولیائے کرامؒ وفات پا چکے ہیں ان سے دعاء کے لیے عرض معروض کرنے میں اختلاف ہے۔ اکثر فقہائے حنفیہ جو سماع موتی کے قائل نہیں ہیں اس کو نادرست بتاتے ہیں۔ صاحب تفسیر فتح العزیز بھی اُنھیں علمائے جامع شریعت و طریقت میں سے

ہیں جو سماع موتی کے قائل اور اولیائے کاملین سے خواہ وہ مردہ ہوں خواہ زندہ دعا کے لئے عرض معروض کرنے کے مجوز ہیں۔ مگر ایسی استمداد کو اول تو اقسام استمداد ہی میں شمار نہیں فرماتے بلکہ طلب مشورہ کے نام سے موسوم فرماتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ استمداد اگر ہے بھی تو خداوند تعالیٰ سے ہے۔ گویا کہ ان کے نزدیک بھی استمداد اسی مسبب الاسباب اور حکیم مطلق سے ہے جس نے اپنی حکمتِ بالغہ سے بعض مخلوق کو بعض امور کے لئے سبب بنا دیا ہے۔ لہٰذا اس مخلوق کو مظہر عونِ الٰہی سمجھ کر اس سے مدد لینا اسی تعالیٰ شانہ سے مدد لینا ہے۔

دوسری قسم مدد مانگنے کی یہ ہے کہ جو امور بالاستقلال جناب باری تعالیٰ سے خصوصیت رکھتے ہیں جیسے اولاد کا دینا، بارش کا برسانا، مرض کا دور کرنا، عمر کو بڑھانا وغیرہ ان میں سے کسی کے متعلق مخلوق سے مدد مانگی جائے اور جناب باری عزاسمہ سے دعا کرانا مدِنظر نہ ہو تو یہ استمداد حرام مطلق بلکہ کفر ہے۔ ایسی استمداد اگر کوئی مسلمان اپنے مذہب کے اولیائے کرام سے بھی کرے گا تو دائرۂ اسلام سے خارج ہو جائے گا۔ یہی وجہ ہے کہ محتاط علمائے دین نے قسم اول کو نظر انداز کر کے قسم دوم کو پیشِ نظر رکھتے ہوئے استمداد از غیر اللہ کو مطلقاً ناجائز قرار دیا ہے۔ چنانچہ حضرت قاضی ثناء اللہ پانی پتی قدس سرہٗ فرماتے ہیں:۔

"عبادت غیر خدا را جائز نیست و نہ مدد خواستن از غیر حق۔" (ارشاد الطالبین ص۱۸)

لہٰذا زید کا علی العموم غیر اللہ سے مدد مانگنے کی اجازت و تعلیم دینا ہرگز مناسب نہیں۔ اس کو تفصیل و تشریح کے ساتھ مسئلہ بتانا چاہئے تھا۔ تاکہ علاقہ راجپوتانہ کے جاہل مسلمانوں میں برا اثر نہ پھیلے جن میں پہلے ہی سے استعانت غیر مشروع کی گرم بازاری ہو رہی ہے۔ اگر بقول زید ہر چیز سے خواہ وہ کچھ ہو صرف اپنے ذہن میں مظہر عونِ الٰہی سمجھ کر ہر امر میں مدد مانگنے کی اجازت دیدی جائے اور کارخانۂ اسباب و حکمت باری پر نظر نہ رکھی جائے تو پھر جاہلوں کی اصلاح کا ہونا درکنار، ان کی مزید گمراہی کا ایک ذریعہ پیدا ہو جائے گا۔

عمرو نے زید کی پیش کردہ دلیلوں کا مندرجۂ ذیل جواب دیا ہے۔

(۱) آیۂ واستعینوا بالصبر والصلوٰۃ میں کسی مخلوق سے مدد مانگنے کی تعلیم نہیں ہے۔ بلکہ مدد تو جناب باری تعالیٰ سے مانگنے کا حکم ہے اور صبر و صلوٰۃ کو جو فعل عبد ہے ایک ذریعہ

مانگنے کا قرار دیا ہے۔ یعنی صبر کرنے اور صلوٰۃ کی بجا آوری کو ذریعہ بتایا ہے حصول امداد الٰہی کا۔ اس سے استمداد از غیر اللہ پر استدلال کرنا محض مغالطہ ہے۔

(۲) کونوا من انصاری الی اللہ۔ قرآن شریف کی آیت یوں نہیں ہے۔ زید جو محض اُردو خواں ہے اور عربی و فارسی سے مطلق مس نہیں رکھتا ہے اس نے کسی اُردو رسالے میں یہ الفاظ دیکھ کر یاد کر لیے ہیں۔ غالباً مندرجۂ ذیل آیت مراد ہوگی۔ یا ایھا الذین اٰمنوا کونوا انصار اللہ کما قال عیسی بن مریم للحواریین من انصاری الی اللہ قال الحواریون نحن انصار اللہ (سورۂ صٓفّٓ رکوع۲ پارہ ۲۸) اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اپنے حواریوں سے اُسی امر میں مدد مانگی ہوگی جو نظر بکارخانہ اسباب و حکمت باری تعالیٰ ایک مخلوق کو دوسری مخلوق سے مدد مانگنا جائز ہے۔ اس لیے اس سے بھی غیر اللہ سے کل امور میں عام طور سے مدد مانگنے کی اجازت ہرگز نہیں نکلتی۔ اس لیے کہ مسبب الاسباب نے اپنی بعض مخلوق کو سبب عون بنا دیا ہے۔ یہ دراصل اُسی سے مدد مانگنا ہے۔

(۳) حکیم، ڈاکٹر اور حکام کو بھی اُسی قادر مطلق نے سبب بنا دیا ہے۔ اور اس کی بھی وہی کیفیت ہے جو نمبر۲ کے جواب میں مذکور ہوئی۔

(۴) حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اُسی قسم کی استعانت کی تعلیم فرمائی جو مدد کی قسم اول میں داخل ہونے کی وجہ سے خدا تعالیٰ سے ہی مدد مانگنا ہے۔ عام اجازت کا اس سے وہم بھی نہیں ہو سکتا۔

(۵) تفسیر فتح العزیز میں ہرگز عام اجازت نہیں دی گئی اور فتاویٰ عزیزی میں جو صاحب تفسیر فتح العزیز کی طرف منسوب ہے مدد کی قسم دوم کو حرام کفر اور دائرۂ اسلام سے خارج ہونے کا سبب قرار دیا گیا ہے۔ ملاحظہ ہو:۔

"دریں جا باید فہمید کہ استعانت از غیر بوجہے کہ اعتماد برآں غیر باشد و اورا مظہر عون الٰہی نداند حرام است و اگر التفات محض بجانب حق است و او را یکے از مظاہر عون دانستہ و نظر بکارخانہ اسباب و حکمت او تعالیٰ دراں نمودہ بغیر استعانت ظاہر نماید دور از عرفان نخواہد بود و در شرع نیز جائز و رواست و انبیاء و اولیاء ایں نوع استعانت از غیر کردہ اند و در حقیقت ایں نوع استعانت بغیر نیست بلکہ بحضرت حق است لاغیر۔"

(تفسیر فتح العزیز سورۂ فاتحہ ص۳)

صاحب تفسیر علیہ الرحمۃ نے اس موقع پر نظر بکار خانہ اسباب و حکمت او تعالیٰ رکھنے کی قید لگا کر استمداد کو خاص فرمادیا ہے اُن چیزوں کے ساتھ اور ان کے متعلق جو اس عالم اسباب میں سبب و مظہر عون بنا دیئے گئے ہیں ۔ اور بعض امور اُن سے متعلق کر دیئے گئے ہیں پس جو چیز کہ نظر بکار خانہ اسباب و حکمت باری تعالیٰ سبب و مظہر عون بھی اُس سے اُن امور میں جو اس چیز سے متعلق نہیں کیے گئے ہیں، مدد مانگنے کی اجازت صاحب تفسیر علیہ الرحمۃ کے ارشاد سے مستنبط نہیں ہو سکتی ۔ مگر جس رسالہ سے زید نے ان کا ترجمہ نقل کیا ہے اُس میں "نظر بکار خانہ اسباب و حکمت او تعالیٰ" کا ترجمہ غالباً سہواً یا کسی اور وجہ سے نقل کرنا رہ گیا ہوگا ۔ اور اسی وجہ سے زید کو غلط فہمی ہوئی ورنہ اصل عبارت کے دیکھنے سے ایسا خیال ہرگز پیدا نہیں ہو سکتا ۔

۲۔ باقی ماندہ تفصیل عبادت و استعانت از غیر (بعد بیان تفصیل عبادت)

واستعانت یا بچیز یست کہ توہم استقلال آں چیز در وہم و فہم ہیچکس از مشرکین و موحدین نمی گذرد مثل استعانت بحبوب و غلات در دفع گرسنگی و استعانت بآب و شربتہا در دفع تشنگی ۔ استعانت برائے راحت بسایۂ درخت و مانند آں در دفع مرض بادویہ و عقاقیر و در تعین وجہ معاش بامیر و بادشاہ کہ در حقیقت معاوضہ خدمت بمال است و موجب تذلل است یا باطبار و معالجین کہ بہ نسبت تجربہ و علم زائد از آنہا طلب مشورہ است و استقلالے متوہم نمی شود پس ایں قسم استعانت بلا کراہت جائز است زیرا کہ در حقیقت استعانت نیست و اگر استعانت است استعانت بخدا است ۔

(تفسیر فتح العزیز سورۂ فاتحہ ص۳۷)

یہ عبارت پہلی عبارت کی تفصیل ہے ۔ اور دونوں عبارتوں کے ملانے سے اچھی طرح ظاہر ہوتا ہے کہ جو چیزیں اس عالم اسباب میں اُس مسبب الاسباب نے اپنی حکمت کاملہ سے سبب و مظہر عون بنا دی ہیں صرف اُن سے مدد لینے کی اجازت ہے ۔ اور چونکہ نظر بکار خانہ اسباب حکمت باری تعالیٰ اُن سے مدد لینا عین اس قادر مطلق سے مدد لینا ہے اس لئے انبیاء علیہم السلام و اولیائے کرام نے بھی اس قسم کی امداد مخلوق سے لی ہے ۔ نہ یہ کہ ہر چیز سے ہر قسم کی مدد عیاذاً باللہ لی ہو ۔ جیسا کہ زید کے

مقولہ کا مفہوم ہے :-

۳؎ "مدد خواستن دو طور می باشد۔ مدد خواستنِ مخلوقے از مخلوقے مثل آنکہ از امیر و بادشاہ نوکر و گدا در مہمات مرجوعہ مدد می جویند۔ و عوام الناس از اولیاء و عامی خواہند کہ از جنابِ الٰہی فلاں مطلب مارا درخواست نمایند این نوع مدد خواستن در شرع از زندہ و مردہ جائز است۔ دوم آنکہ بالاستقلال چیزے کہ خصوصیت بجنابِ الٰہی دارد مثل دادن فرزند یا بارش باراں یا دفع امراض یا طول عمر و مانندِ آں چیزہا بے آنکہ دعاء و سوال از جناب الٰہی در نیت منظور باشد از مخلوقے درخواست نمایند۔ این نوع حرام مطلق بلکہ کفر است۔ و اگر از مسلماناں کسے از اولیائے مذہب خود خواہ زندہ باشد یا مردہ این نوع مدد خواہد از دائرہ مسلماناں خارج می شود"۔ (فتاویٰ عزیزی جلد اول ص۳۴)۔

اس سے ثابت ہے کہ صرف انھیں امور میں مخلوق سے مدد مانگنے کی اجازت ہے جو مختص بذاتِ باری تعالیٰ نہیں ہیں۔ اور وفات یافتہ اولیائے کرامؒ سے بھی صرف دعاء کے لئے عرض کرنے کی مثل زندوں کے اجازت دی گئی ہے۔

۴؎ اما استمداد باہلِ قبور از غیر نبی صلی اللہ علیہ وسلم یا غیر از انبیاء علیہم السلام منکر شدہ اند آں را بسیارے از فقہاء می گویند کہ نیست زیارت مگر برائے رسانیدن نفع باموات بدعاء و استغفار و قائل گشتہ اند باں بعضے از ایشاں۔ و ظاہر است کہ از فقہا آنانکہ قائل سماع و ادراک میت اند قائل بجواز اند و آنانکہ منکر اند آں را نیز انکار می کنند و این امر ثابت و مقرر نزد مشائخ صوفیہ از اہلِ کشف و کمال" (فتاویٰ عزیزی جلد دوم ص۱۰۱)

اس سے مسئلہ استمداد از اولیائے کرامؒ کا اختلافی ہونا ظاہر ہے۔ اور گو حضرت شاہ عبدالعزیزؒ انھیں حضرات علماء میں شامل ہیں جنھوں نے جواز کا فتویٰ دیا ہے مگر صورت استمداد حسب ذیل بتائی ہے:

(الف) "ونیست صورت استمداد مگر ہمیں کہ محتاج طلب کند حاجتِ خود را از جناب الٰہی بتوسل روحانیت بندہ کہ مقرب و مکرم درگاہِ والا است و گوید کہ خداوندا بہ برکتِ ایں بندہ کہ تو رحمت و اکرام کردۂ او را برآوردہ گرداں حاجت مرا۔

(ب) یا ندا کند آں بندۂ مقرب ومکرم را کہ اے بندۂ خدا ولی وے شفاعت کن مرا وبخواہ از خدا تعالیٰ مطلوب مرا تا قضا کند حاجت مرا۔ (فتاویٰ جلد دوم ص۱۰۱)

اس سے ظاہر ہے کہ حضرات اولیاء اللہ سے جس قسم کی استعانت انھوں نے جائز بتائی ہے اس میں سے قسم اول تو سرے سے استعانت ہی نہیں ہے، بلکہ توسل ہے جس سے کسی کو بھی انکار نہیں۔ قسم دوم اگرچہ مسئلۂ سماع موتی کی وجہ سے مختلف فیہا ہے لیکن اس میں بھی کسی ایسی چیز کا سوال حضرات اولیاء اللہ سے نہیں ہوگا جو مختص بذات باری تعالیٰ ہے۔ لہٰذا اس میں بھی بجز اس کے اور کچھ خرابی نہیں کہ جو عوام کالانعام دوسرے اشخاص کے افعال سے اپنے افعال ناجائز پر استدلال کیا کرتے ہیں ان کے عقائد پر برا اثر پڑے گا۔ تاہم اگر زید صرف اتنے کی اجازت دیتا تو مضائقہ نہ تھا مگر وہ تو ہر چیز سے ہر قسم کی مدد مانگنے کی عام اجازت دیتا ہے۔ اور صرف مظہر عونِ الٰہی وحاجت روائے مجازی اپنے ذہن میں قرار دے لینے کو کافی سمجھتا ہے۔

لہٰذا دریافت طلب یہ امر ہے کہ زید ٹھیک کہتا ہے یا عمرو؟

(۱۸۹) **جواب** ۔ عمرو کا بیان صحیح اور آیات واحادیث واقوال فقہائے حنفیہ کے موافق ہے۔ اور زید کے قول میں تغلیط وتلبیس ہے حق یہی ہے کہ جن چیزوں میں سلسلۂ اسباب پر نظر ڈالتے ہوئے ظاہری مدد کسی غیر اللہ سے حاصل ہونی متصور ہے اس میں استمداد اسی قید یعنی رعایت سلسلۂ اسباب کے ساتھ جائز ہے۔ مثلاً کسی شخص سے جو پانی دینے پر قادر ہے پیاس کے وقت پانی مانگنا کسی شخص سے جو کھانا دینے پر قادر ہے بھوک کے وقت کھانا مانگنا۔ بادشاہ یا امیر سے کوئی عہدہ یا خدمت یا عطا یا انصاف کا سوال کرنا۔ کہ یہ لوگ ان چیزوں پر بظاہر اسباب کے لحاظ سے قادر ہیں۔

واضح طور پر یوں سمجھیئے کہ خدا تعالیٰ نے اس عالم میں اسباب وعلل کا ایک سلسلہ قائم کر دیا ہے اگرچہ وہ اسباب صرف ظاہر کے اعتبار سے اسباب ہیں ورنہ مؤثر حقیقی خدا تعالیٰ ہی ہے۔ لیکن اس ظاہری نظام کے لحاظ سے ایک شی کو دوسرے کا سبب کہہ سکتے ہیں۔ مثلاً آگ کو جلانے اور پکانے کا سبب بنا دیا ہے۔ پانی کو ٹھنڈا کرنے اور پیاس بجھانے کا سبب مقرر فرمایا۔ اسی طرح اور بے شمار اسباب ہیں جو اس عالم میں موجود و مشاہد ہیں ان میں سے کسی کے ساتھ فائدہ حاصل کرنا اور اپنے کاموں میں مدد لینا ناجائز نہیں۔ آگ سے کھانا پکانے کا کام لینا پانی سے پیاس بجھانا بھی استعانت

ہے لیکن اس استعانت کا مبنیٰ وہی ظاہری سبب ہونا اور نظامِ عالم میں اسی سببیت کو داخل ہونا ہے یہی وجہ ہے کہ اس قسم کی استعانت کو کوئی اعانت و استعانت سے تعبیر نہیں کرتا۔ اور نہ آگ سے کھانا پکاتے وقت پکانے والے کو یہ خیال ہوتا ہے کہ میں آگ سے استعانت کر رہا ہوں۔ اسبابِ طبیعیہ میں تو یہ بات نہایت واضح ہے۔ رہے اسبابِ اختیاریہ جیسے بادشاہ سے دفع ظلم میں اعانت طلب کرنا۔ اُس پر اگرچہ استعانت کا اطلاق معروف ہے۔ اور اُن سے سوال کرتے وقت استعانت کا خیال بھی ہوتا ہے لیکن اس کا مبنا بھی وہی سببیت ہے۔ بادشاہ بوجہ اپنی قوت و شوکت کے اپنے حشم و خدم اعوان و انصار کی وجہ سے انتقام لینے پر اور ظلم دفع کرنے پر قدرت رکھتا ہے۔ اور اُس کے اسباب اُسے میسّر ہوتے ہیں اس لیے اُس سے مدد مانگی جاتی ہے۔ اگرچہ اُس کی یہ قدرت ظاہری ہے ورنہ ان تمام اُمور کی حقیقی باگ خدائے جبار کے ہاتھ میں ہے۔

پس ثابت ہو گیا کہ جو اُمور مختصہ بالباری تعالیٰ ہیں اور اس عالمِ اسباب میں اُن کا کوئی سبب نہیں۔ یا وہ امور کہ اگرچہ وہ باری تعالیٰ کے ساتھ مختص نہیں مگر ان کے اسبابِ خاصہ کے سوا کسی دوسرے سے ان کے وجود میں استعانت کرنا یقیناً حرام اور کفر ہے۔ مثلاً کسی مردہ بزرگ پیر یا ولی سے اولاد مانگنا یا نوکری مانگنا حرام ہے۔ اس لیے کہ اولاد دینا اُن اُمور میں سے ہے جو ذاتِ باری کے ساتھ خاص ہیں، اور نوکری دینا اگرچہ نظر بظاہر خدا کے ساتھ خاص نہیں۔ لیکن وہ وفات یافتہ پیر یا بزرگ اس کے واسطے ظاہری سبب بھی نہیں کہ اس سلسلۂ اسبابِ ظاہرہ کے لحاظ سے ان سے نوکری مانگی جائے۔ اسی طرح کسی زندہ بزرگ سے کوئی ایسی چیز مانگنا جو خدا کے ساتھ مختص ہو۔ یا جو نظر بر اسباب ان کے قبضے میں نہ ہو ناجائز ہے۔

اور عوام کے عقائد کی اصلاح علماء کے ذمہ واجب ہے۔ اُنھیں کوئی ایسا فتویٰ دینا جس سے عوام کے عقائد فاسد ہوں ناجائز ہے۔ اسی لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں۔ اذا سألت فاسأل الله واذا استعنت فاستعن بالله۔ حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہ کو آپؐ نے فرمایا کہ جب تو کچھ مانگے تو خدا سے مانگ اور جب استعانت کرے تو خدا سے کر (ترمذی ص۲ ج۲) اور فرمایا۔ لیسأل احدکم ربہ حاجتہ کلھا حتی یسأل شسع نعلہ اذا انقطع (ترمذی ص۲ ج۲) یعنی ہر شخص کو چاہیئے کہ اپنی تمام حاجتیں خدا سے مانگے یہاں تک کہ جوتی کا تسمہ بھی ٹوٹ جائے تو خدا

سے مانگے۔ یہ تعمیم اصلاح عقائد عوام کے لیے حضورؐ نے فرمائی ہے۔ پس زید کو لازم ہے کہ وہ اپنے اس طرز سے جس سے عقائد عوام بگڑیں احتراز کرے اور انھیں صاف اور مفصل مسئلہ بتائے۔ واللہ اعلم۔

محمد کفایت اللہ غفرلہٗ مدرسہ امینیہ دہلی

سوال

(از اخبار الجمعیۃ دہلی مورخہ ۶ نومبر ۱۹۲۵ء)

باوجود خدا کی وحدانیت و قدرت کے قائل ہونے کے بزرگوں کی ارواح طیبہ سے براہِ راست مشکل کشائی و حاجت روائی کی التجا کرنا فعلِ مستحسن ہے یا نہیں؟

(۱۹۰) **جواب**۔ کسی بزرگ یا پیر ولی سے اولاد یا رزق یا کوئی حاجت طلب کرنا جائز نہیں ہے۔ حاجت روائی صرف حق تعالیٰ کے قبضۂ قدرت میں ہے۔ بزرگوں کے وسیلے سے خدا تعالیٰ سے دعا کرنے میں تو مضائقہ نہیں مگر خود بزرگوں سے مانگنا درست نہیں۔ محمد کفایت اللہ غفرلہٗ، دہلی۔

سوال

(از اخبار الجمعیۃ دہلی مورخہ ۲۶ نومبر ۱۹۲۵ء)

(۱) اغثنی یا رسول اللہ کہنا درست ہے یا نہیں؟

(۲) یا شیخ عبد القادر جیلانی شیئاً للہ کہنا کیسا ہے؟

(۳) وفات شدہ بزرگانِ دین سے مدد مانگنا کیسا ہے؟۔

(۴) کیا استعانت غیر اللہ سے درست ہے؟

(۱۹۱) **جواب**۔ اغثنی یا رسول اللہ کہنا اگر اس خیال سے ہو کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہر جگہ سے اس کلمے کو سنتے ہیں اور فریاد رسی کرتے ہیں تو شرک ہے۔ اور اگر اس خیال سے ہو کہ آپ فریاد رسی کرنے پر اور ہر قسم کی حاجت روائی کرنے پر قدرت رکھتے ہیں جب بھی شرک ہے۔

ہاں اگر فریاد رسی سے مراد خدا تعالیٰ کی جناب میں شفاعت ہو اور ہر جگہ سے حضورؐ کے سننے کا اعتقاد نہ ہو تو شرک نہیں مگر بے کار اور عبث ہونے کی وجہ سے ناجائز ہے۔ کیونکہ حضورؐ تک اس کلمے کے پہنچنے کا کوئی ثبوت شرعی نہیں۔

یا شیخ عبد القادر جیلانی شیئاً للہ۔ یہ بھی مشرکانہ کلمہ اور عبث و ناجائز ہے۔ جو چیزیں کہ

حضرت حق تعالیٰ کے ساتھ مخصوص ہیں مثلاً اولاد دینا، رزق دینا، مصیبتوں کا دُور کرنا وغیرہ ان کو حضرت حق کے سوا کسی دوسرے زندہ یا وفات یافتہ ولی سے مانگنا جائز نہیں۔ حدیث شریف میں ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔

اذا استعنت فاستعن باللہ واذا سألت فاسأل اللہ　　یعنی جب تو مدد مانگے تو خدا سے مانگ اور جب کوئی چیز مانگے تو خدا سے مانگ "۔

اور مسلمان نماز میں پانچوں وقت خدا سے معاہدہ کرتے ہیں:۔

ایاک نعبد و ایاک نستعین　　یعنی "اے مولیٰ! ہم تیری ہی عبادت کرتے ہیں اور صرف تجھ سے مدد چاہتے ہیں"۔

پس خدا کے سوا کسی دوسرے سے مدد مانگتے وقت اس معاہدہ کو پیش نظر رکھا جائے تو ناممکن ہے کہ انسان خدا کے سوا کسی دوسرے سے استعانت کرے۔ واللہ اعلم۔ محمد کفایت اللہ غفرلہٗ

سوال

(از اخبار سہ روزہ الجمعیۃ دہلی مورخہ یکم دسمبر ۱۹۳۴ء)

زید اٹھتے بیٹھتے چلتے پھرتے یارسول اللہ کہتا ہے۔ بکر کہتا ہے کہ صرف اللہ کا نام اس قابل ہے کہ ہر وقت وردِ زبان ہو۔ اللہ کے سوا کسی دوسرے کے نام کا ورد کرنا شرک ہے۔ خواہ کسی پیغمبر کا نام ہو یا شہید کا یا ولی کا زید کہتا ہے کہ جو شخص یارسول اللہ کہنے سے منع کرے وہ کافر ہے۔

(۱۹۲) **جواب**۔ بکر کا یہ قول صحیح ہے کہ صرف اللہ تعالیٰ کا نام اس کا مستحق ہے کہ ہر وقت وردِ زبان ہو۔ اور اللہ تعالیٰ کے سوا کسی پیغمبر، ولی، شہید، کا نام اٹھتے بیٹھتے وردِ زبان کرنا اور وہ بھی لفظ "یا" کے ساتھ، جو کلمہ ندائیہ ہے، جس سے کہنے والے کا یہ خیال ظاہر ہوتا ہے کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ہر جگہ حاضر و ناظر سمجھتا ہے، یقیناً درست نہیں۔ اور اسلامی توحید کی روح کے خلاف ہے۔ اور اس میں شرک کا شائبہ ہے۔ اس صحیح بات کے قائل کو کافر بتانا غلط ہے۔ اور اس سے خود زید کے کافر ہو جانے کا خطرہ ہے۔ واللہ اعلم۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہٗ

سوال

(از اخبار الجمعیۃ دہلی مورخہ ۵ ستمبر ۱۹۳۶ء)

ایک مفتی و پیش امام مندرجہ ذیل عقیدے رکھتا ہے۔ اور دوسروں کو ترغیب دے کر فرقہ بندی کرتا ہے۔

(۱) حضرت محمد مصطفی صلی اللہ علیہ وسلم غیب داں ہیں۔ (۲) آپ ہر جگہ حاضر و ناظر ہیں۔ (۳) فریاد رسی کے لئے یا رسول اللہ پکارتے ہی، اس کی مدد کرتے ہیں۔ (۴) حضرت محبوب سبحانی کو اتنی قدرت ہے کہ خدا کے قضاو بلا کو دور کر دیتے ہیں۔ (۵) دور دور سے مشکلات میں یا محبوب سبحانی پکارنے والوں کی آواز کو سن کر خود مشکل آسان کر دیتے ہیں۔ (۶) اولیاء اللہ سے مدد مانگنا، اللہ جل شانہ سے مدد مانگنا ہر دو ایک ہے۔ (۷) یہی عقیدہ سنت جماعت کا ہے۔ (۸) اس کے خلاف عقیدہ رکھنے والے سب غیر مقلد، وہابی، نجدی، اسلام سے خارج، کفر کے مستحق ہیں۔ ان سے میل ملاپ رکھنا، ان کے پیچھے نماز پڑھنا سخت حرام ہے۔

(۱۹۳) **جواب** - نمبر اول سے نمبر ششم تک جو باتیں مذکور ہیں۔ یہ صریح طور پر اسلامی تعلیم اور نصوص کتاب و سنت کے خلاف ہیں۔ قرآن پاک میں صاف اور صریح طور پر مذکور ہے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی عالم الغیب نہیں۔ وہی تنہا علم غیب کی صفت کے ساتھ موصوف ہے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم باوجود اس کے کہ حق تعالیٰ نے انھیں ہزاروں غیوب کا علم عطا فرمایا تھا، عالم الغیب نہیں تھے۔ ہر جگہ حاضر و ناظر ہونا بھی خاص خدائے تعالیٰ کی صفت ہے۔ ہر جگہ سے پکار کو سننا اور امداد طلب کرنے والے کی امداد کرنا بھی اللہ تعالیٰ کے ساتھ مخصوص ہے۔ نمبر چار یعنی یہ عقیدہ کہ حضرت غوث الاعظمؒ کو اتنی قدرت ہے کہ قضاو قدر کو رد کر دیں صریح کفریہ شرکیہ عقیدہ ہے۔ اسی طرح نمبر ۵ بھی خطا اور جہل ہے۔ نمبر ۶ کی تاویل نہ کی جائے تو وہ بھی مشرکانہ خیال ہے۔ (۷) یہ بالکل غلط ہے کہ اہل السنۃ والجماعۃ ان مشرکانہ عقائد کے قائل ہیں۔ (۸) یہ بھی جہالت اور تہمت و افترا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی صفات مختصہ کو اس کے ساتھ مخصوص کرنے والے اور انبیاء و مرسلین کو اپنے درجے پر رکھنے والے اور اولیاء اللہ کو اپنے مرتبہ پر ماننے والے وہابی، غیر مقلد، نجدی، اسلام سے خارج ہیں۔

یہ سب باتیں مسلمانوں میں افتراق پیدا کرنے والی اور اسلامی وحدت کے شیرازے کو بکھیرنے والی ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو ہدایت کرے اور راہ راست دکھلائے۔ آمین۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ۔ دہلی۔

مختلف فیہ مسائل میں الجمعیۃ کا مسلک

(شذرۂ اخبار الجمعیۃ مورخہ ۲۲ دسمبر ۱۹۲۵ء از مولانا ابوالاعلیٰ مودودی مدیر اخبار الجمعیۃ)

قارئین کرام کو یاد ہوگا کہ الجمعیۃ مورخہ ۹ جمادی الاولیٰ ۱۳۴۴ھ میں "حوادث و احکام" کے زیر عنوان حضرت مولانا مفتی محمد کفایت اللہ صاحب کا ایک فتویٰ شائع ہوا تھا، جو اغثنی یا رسول اللہ کے شرعی حکم

کے متعلق تھا۔ اس کی اشاعت کے کافی عرصہ کے بعد ایک بزرگ مولوی عبدالحی صاحب ساکن کوڑہ جہاں آباد ضلع فتحپور کا ایک خط ہمارے پاس آیا جس میں چند تحریریں ملفوف تھیں۔ اور ہم سے درخواست کی گئی تھی کہ ہم انھیں شائع کردیں۔ مطالعہ کے بعد معلوم ہوا کہ یہ ان جذبات رنج و ملال کی تاریخ تھی جو حضرت مفتی صاحب کے اس فتوے کو پڑھ کر مولوی صاحب موصوف کے دل میں پیدا ہوئے تھے۔ آپ نے اس فتوے کی اشاعت کے معنی یہ قرار دیئے کہ الجمعیۃ مخصوص جماعتی اعتقادات کی اشاعت کر رہا ہے۔ اور چونکہ وہ جمعیۃ علماء کا ترجمان ہے اس لئے جمعیۃ علماء بھی علمائے ہند کی متحدہ انجمن نہیں بلکہ محض ایک خاص گروہ کی جمعیۃ بن کر رہ گئی ہے۔ ان خیالات کو فلسکیپ سائز کے دو صفحات پر مرتسم کرکے آپ نے جناب مولانا نثار احمد صاحب کی خدمت میں بھیج دیا اور ان سے درخواست کی کہ وہ اس غلطی پر جمعیت سے بازپرس فرمائیں۔ مولانا موصوف نے اس کے جواب میں ان کو لکھا کہ "جمعیت پر ان کے یہ شبہات درست نہیں ہیں۔ اس وقت ان معاملات کو نہ چھیڑئے فضائے عالم مکدر ہے۔ قومی کاموں میں رخنہ ڈالنا اچھا نہیں۔ مجھ کو نہیں یقین حسن ظن کی وجہ سے کہ یہ فتوی بایمائے صدر جمعیۃ یا ناظم (مولانا احمد سعید صاحب) الجمعیۃ میں چھپا۔ ان بزرگوں کو کثرت مشاغل سے مدیر صاحب کو فہمائش کا موقع نہ ملا ہوگا اور اپنی رائے سے مدیر صاحب نے شائع کیا۔"

اس کے ساتھ ہی جناب مولانا نے حضرت مفتی صاحب کے فتوے کے جواب میں ایک فتوی تحریر فرمایا جس میں شرح و بسط کے ساتھ یہ ثابت کیا گیا تھا کہ یا رسول اللہ کہنا جائز ہے (جس سے مفتی صاحب قبلہ کو بھی انکار نہیں ہے)

چونکہ الجمعیۃ کا مقصد ہرگز یہ نہیں ہے کہ اسے فرقہ بندی کا ذریعہ اور مختلف فیہ مسائل کی اشاعت کا وسیلہ بنایا جائے۔ اور اپنے متعلق اس غلط فہمی کو رفع کرنا ہمارا فرض ہے۔ اس لئے ہم نے مولانا عبدالحی صاحب کی ان تمام دستاویزوں کو اُن کے ناقابل برداشت طول و عرض کے باوجود شائع کرنے کا ارادہ کرلیا اور انھیں حضرت مفتی صاحب کی خدمت میں بھیجدیا تاکہ وہ بھی اس پر اپنی رائے تحریر فرمادیں۔ اور مدیر کے "معافی نامہ" کے ساتھ ساتھ ان کی جانب سے بھی ایک اعلان برائت شائع ہوجائے۔ چنانچہ حضرت مفتی صاحب نے اس "مسل" کو ملاحظہ فرما کر ایک تحریر ہمارے پاس بھیج دی جس کے یہ الفاظ قابل غور ہیں:۔

"دفتر سے جو فتوے میرے پاس آتے ہیں، اُن کے جواب لکھ کر میں دفتر کو اس غرض سے بھیج دیتا ہوں کہ وہاں سے روانگی کردی جائے۔ مجھے نہیں معلوم کہ ان میں سے کون کون سے فتوے اخبار میں شائع ہوتے ہیں اور کون سے نہیں یہ ضرور ہے کہ اختلافی مسائل کے فتوے اخبار میں شائع نہ ہونے چاہئیں۔ کیونکہ الجمعیۃ کے صفحات کو اختلافی مسائل

کے بحث و مباحثہ کا میدان بنانا نہ تو مناسب ہے، نہ وہ اس کے متحمل ہیں۔ اگرچہ الجمعیۃ میں شائع شدہ فتوے بھی میری شخصی رائے ہی کی حیثیت رکھتے ہیں، جمعیۃ علمائے ہند کی طرف منسوب نہیں ہو سکتے۔ تاہم اختلافی مسائل کی اشاعت بھی الجمعیۃ کے ذریعہ سے مناسب نہیں ہے۔"

آگے چل کر حضرت مفتی صاحب نے تحریر فرمایا ہے کہ :-

"میں الجمعیۃ کے صفحات میں مولانا نثار احمد صاحب کے فتوے پر تنقید کرنی مناسب نہیں سمجھتا اس لئے اسی قدر پر اکتفا کرتا ہوں اور بتا دینا چاہتا ہوں کہ میں صلوۃ و سلام کے ساتھ "یا رسول اللہ" کہنے کو اس خیال کے ساتھ جائز سمجھتا ہوں کہ فرشتے ان کلمات کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچا دیتے ہیں اور اگر کوئی شخص فرط شوق میں بغیر اختیار اور بغیر اس خیال کے کہ حضور سن رہے ہیں یا رسول اللہ کہے تو اس کا یہ والہانہ اور مضطرانہ فعل عدم جواز کے حدود میں نہیں آئے گا۔"

ان تمام تحریرات کو مفتی صاحب کے اس گرامی نامہ سمیت ہم شائع کرنے والے تھے کہ دفعۃً ہمارے پاس ایک پمفلٹ آیا۔ جس کا عنوان "جمعیۃ العلما کے فتوے پر ایک نظر" تھا۔ اور اس میں وہ تمام دستاویزیں موجود تھیں جن کا پلندہ مولوی عبدالحی صاحب نے ہمارے پاس بھیجا تھا۔ اس میں سب سے بڑی زیادتی (جسے ہماری جگہ کوئی دوسرا شخص کم از کم بد دیانتی سے تعبیر کرتا) یہ کی گئی تھی کہ مفتی صاحب کے اس شخصی فتوے کو جمعیۃ العلما کے فتوے کی حیثیت دی گئی تھی۔ حالانکہ اس کے نیچے مفتی صاحب کے دستخط موجود تھے۔ اور اس پر کوئی اس قسم کے آثار نہیں تھے جن سے یہ نتیجہ اخذ کیا جا سکتا ہو کہ وہ صدر جمعیۃ علما کی حیثیت سے لکھا گیا تھا۔ مولوی عبدالحی صاحب کی اس بے صبری اور تلبیس کو دیکھ کر ہمیں مجبوراً ان تحریرات کی اشاعت کا ارادہ فسخ کرنا پڑا۔ اور اب ہم صرف اس امر کی تصریح کر دینے پر قناعت کرتے ہیں کہ اس فتوے کی اشاعت میں اس نیت کو ہرگز دخل نہیں تھا جو ہماری طرف منسوب کی گئی ہے۔ اس میں شک نہیں کہ یہ ایک فرو گزاشت ضرور تھی۔ اور اس پر اظہار معذرت کرنا ہمارا اخلاقی فرض ہے، مگر یہ ایک حقیقت ہے کہ اشاعت سے پہلے وہ فتوی ہماری نظر سے نہیں گزرا تھا۔ ورنہ ہم اسے ہرگز شائع نہ کرتے۔ ہم نے "حوادث و احکام" کا عنوان محض اس غرض سے قائم کیا ہے کہ اس کے ذریعہ لوگوں کو عام شرعی مسائل سے واقفیت حاصل ہوتی رہے اور روزمرہ کے معاملات میں احکام شرع سے ناواقفیت کی بنا پر جو غلطیاں مسلمانوں سے سرزد ہوتی ہیں ان کا سد باب ہو سکے۔ اس مقصد میں کسی ایسی افتراق انگیز غرض کی آمیزش نہیں ہے جس سے مختلف فیہ مسائل میں کسی مخصوص جماعت کے اعتقادات کی

اشاعت مد نظر ہو۔ اگر ہمارے دل میں اس قسم کا کوئی ادنیٰ سا ارادہ بھی ہوتا تو ایسے مختلف فیہ مسائل کی کمی نہیں ہے۔ جن پر ہم اپنے عقائد کا اظہار کر سکتے تھے۔

فصل پنجم مجلسِ شہادت

سوال

محرم کے عشرۂ اول میں دس دن شہادت کا بیان کروانا کیسا ہے۔ اور ایسی مجلس میں شریک ہونا کیسا ہے؟

المستفتی نمبر ۲۶۳۳ مولوی عبدالحق

امام جامع مسجد دودھ ضلع پنج محل مورخہ ۱۳ رجادی الثانی ۱۳۵۹ھ

مطابق ۲۰ جولائی ۱۹۴۰ء

(۱۹۴) **جواب**۔ بیان شہادت کے لئے انعقاد مجلس بدعت ہے۔ ہاں وعظ و تذکیر کے لئے جائز ہے۔

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہٗ

فصل ششم مسئلہ سماع موتیٰ

سوال

سماع موتیٰ محققین علماء کے نزدیک ثابت ہے یا نہیں؟

(۱۹۵) **جواب**۔ مسئلہ سماع موتیٰ قرونِ اولیٰ سے مختلف فیہ چلا آتا ہے۔ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کا بھی اس میں اختلاف تھا۔ قرن صحابہ کے بعد بھی ہمیشہ علماء اس میں مختلف رہے۔ اکثر صوفیہ سماع موتیٰ کے قائل ہیں۔ لیکن علمائے حنفیہ کے نزدیک ثابت نہیں۔ ہاں میت کو قبر میں رکھنے کے بعد اس قدر حیات اس میں ڈالی جاتی ہے کہ وہ آرام یا تکلیف کو محسوس کر سکے۔ فی الشامی ص ۸۳۴ ج ۳ ولا یرد تعذیب المیت فی قبرہ لانہ توضع فیہ الحیوۃ عند العامۃ بقدر ما یحس بالالم والبنیۃ لیست بشرط عند اھل السنۃ بل تجعل الحیاۃ فی تلک الاجزاء المتفرقۃ التی لا یدرکہ البصر۔ وقال بعد اربعۃ اسطر۔ ولا یرد ما فی الصحیح من قولہ صلی اللہ علیہ وسلم لاھل قلیب بدر ھل وجدتم ما وعد کم ربکم حقا فقال عمر اتکلم المیت یا رسول اللہ فقال علیہ السلام والذی نفسی بیدہ ما انتم باسمع

من ھؤلاء اومنھم۔ فقد اجاب عنه المشائخ بانه غیر ثابت یعنی من جھة المعنی وذلک لان عائشة ردته بقوله تعالیٰ وما انت بمسمع من فی القبور انک لاتسمع الموتیٰ۔ وانه انما قاله علی وجه الموعظة للاحیاء وبانه مخصوص باولئک تضعیفاً للحسرة علیھم وبانه خصوصیة له علیه السلام معجزة لکن یشکل علیھم ما فی مسلم ان المیت لیسمع قرع نعالھم اذا انصرفوا الا ان یخصوا ذلک باول الوضع فی القبر مقدمة للسؤال جمعا بینه وبین الآیتین فانه شبه فیھما الکفار بالموتی لافادة بعد سماعھم وھو فرع عدم سماع الموتی الخ تاہم کسی فریق کو یہ حق نہیں کہ وہ دوسرے فریق کی تضلیل یا تفسیق یا تجہیل کر سکے۔ کیونکہ اس صورت میں کہ مسئلہ قرون اولیٰ میں بھی مختلف فیہ تھا اس تضلیل یا تفسیق یا تجہیل کا اثر صحابہ کرام تک پہنچے گا۔ ولا شک فی فسادہ۔

فصل ہفتم۔ وہابی کی تحقیق

سوال

(۱) وہابی کس فرقے اور کس مذہب کے لوگوں کو کہتے ہیں۔ اس کا موجد کون تھا۔ اس کی ابتدا کب سے ہوئی اور یہ لوگ کس خیال وعقیدے کے ہیں۔ ہندستان میں یہ فرقہ کب پایا گیا؟ (۲) کیا وہابی علمائے دیوبند کو بھی کہتے ہیں۔ اگر یہ لوگ وہابی ہیں تو کن عقائد واعمال کی رو سے؟ (۳) جس شخص کا یہ خیال ہو کہ اس شور وشغب کے زمانے میں جبکہ عوام کے عقائد میں عام طور پر فتور آگیا ہو قیام میلاد شریف ضروری نہیں جانتا بلکہ اس کا ترک اولیٰ سمجھتا ہے اور خود قیام نہیں کرتا اور نہ دوسروں کے لئے پسند کرتا ہے۔ اس صورت میں ایک گروہ جس میں چند مولوی بھی شامل ہیں مانعین وتارکین کو کافر کہتے ہیں۔ کیا ان کا یہ کہنا اور تکفیر کرنا درست ہے۔ اور اگر مانعین قیام حق پر ہیں تو جو تارک قیام کے کفر کے قائل ہیں عند الشرع وہ کون ہیں؟ (۴) ایسا شخص جو اعراس بزرگاں کو جہاں سیکڑوں خلاف شرع امور ہوتے ہیں مثلاً عورتوں کا اجتماع، چراغاں ہونا، قوالی بامزامیر اور رنڈی بھڑوے کا ناچ گانا اور صاحب قبر سے منت مرادیں مانگنا وغیرہ، برا کہے اور گناہ بتلائے تو کیا اس انکار سے وہ شخص کافر ہو جاتا ہے؟ اور اعراس بزرگان جائز ہے؟ (۵) وہابی مسلمانوں کی مسجدوں میں نماز ادا کر سکتا ہے یا نہیں؟ اور کیا مسلمانوں کو حق ہے کہ وہابیوں کو اپنی مسجدوں میں نماز پڑھنے نہ دیں۔ اور اس طرح کرنے سے ان مساجد میں جہاں مسلمانوں کو نماز پڑھنے سے بندش وانکار ہو حکم مسجد کا ہے یا غیر مسجد کا؟ (۶) حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی اور مولانا

محمد قاسم صاحب نانوتوی اور مولانا محمد اسمٰعیل شہیدؒ دہلوی اور مولانا محمد فضل الرحمٰن صاحب گنج مرادآبادی اور مولانا عبدالحی صاحب فرنگی محلی لکھنوی اور مولانا خلیل احمد صاحب انبیٹھوی اور مولانا سید محمد علی صاحب خلیفہ ارشد مولانا فضل الرحمٰن صاحب رحمہم اللہ تعالیٰ اجمعین کی نسبت آپ کا کیا خیال ہے؟ یہ لوگ کامل مسلمان تھے یا کافر؟ اور کیا زید کا یہ قول صحیح ہے کہ جو ان کو کافر نہ جانے وہ کافر ہے۔ اور کیا یہ صحیح ہے کہ بعض خاص عقیدہ یا مضمون یا تصانیف کی وجہ سے ان پر کفر عائد ہو گیا ہے۔ اور وہ ایسا اٹل ہو کر جم گیا ہے کہ کسی طرح کفر اٹھتا نہیں ہے۔ حالانکہ ان لوگوں نے 'التصدیقات لدفع التلبیسات' ایک کتاب ان الزامات کے جواب میں لکھ کر علمائے ہند و عرب و شام وغیرہ سے دستخط و تصدیق کرا کر شائع کی ہے لیکن اس پر بھی کفران پر عائد کیا جاتا ہے۔ آیا یہ تکفیر زیادتی و تعدی ہے یا نہیں؟ (۷) مسلمانوں کو ایسی مساجد میں جانا اور وہاں نماز پڑھنا درست ہے؟ جہاں علمائے دین اہل حق و بزرگان دین کو علی العموم برا بھلا کہا جاتا ہو اور ان کی تکفیر و تضلیل کی جاتی ہو اور پکے مسلمانوں کو کان پکڑ کر نکالا جاتا ہو اور لوگوں کو فساد پر آمادہ کیا جاتا ہو؟ بینوا توجروا

(۱۹۶) **جواب**۔ (۱) فرقہ وہابیہ کی ابتدا محمد بن عبدالوہاب نجدی سے ہوئی۔ یہ شخص حنبلی مذہب رکھتے تھے مزاج میں سختی زیادہ تھی۔ ان کے خیالات اور اعتقادات کے متعلق مختلف روایات سنی جاتی ہیں۔ حقیقت حال خدا تعالیٰ کو معلوم ہے۔ مگر ہندستان کے بعض مبتدعین نے تو آجکل متبع سنت کا نام وہابی رکھ دیا ہے۔ یہ ان مبتدعین کی اصطلاح جدید ہے۔

(۲) علمائے دیوبند یا ان کے ہم خیال علما کو جو شخص وہابی یعنی متبع نجدی کہے وہ خود وہابی یعنی سخت گیری میں متبع نجدی ہے۔ علمائے دیوبند نہایت عمدہ اور پاکیزہ عقیدے والے حضرات ہیں، ان کا مذہب اور عقیدہ وہی ہے جو سلف صالحین و تابعین رحمہم اللہ تعالیٰ اجمعین کا تھا۔ ان کو وہابی کہنا گویا صحابہ و تابعین کو وہابی کہنا ہے۔ حالانکہ صحابہ کی شان آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں اصحابی کالنجوم بایھم اقتدیتم اھتدیتم یعنی میرے صحابہ ستاروں کی طرح ہیں تم جس کی اقتدا کرو گے راہ پاؤ گے۔ پھر صحابہ کو برا کہنا نعوذ باللہ من ذلک حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تکذیب کرنی ہے۔ اور جو شخص آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تکذیب کرے اس کا خود ایمان سلامت نہیں ہے

(۳) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر ولادت افضل المستحبات ہے، لیکن اس کی مروجہ صورتیں اور اس کے لئے انعقاد مجالس بدعت ہے اور ذکر ولادت کے وقت قیام کرنا بنائے فاسد علی الفاسد ہے۔ ہر ایسا کام جس کی

کسی وقت، کسی مجلس، کسی حال کے ساتھ خصوصیت شریعت سے ثابت نہیں، اس کو کسی وقت کسی مجلس کسی حال کے ساتھ خاص کرلینا اور دین کا جزو سمجھ لینا ہی تو بدعت ہے۔ اور جب کہ یہ بدعت ہے تو جو علما اس کو ناجائز کہتے ہیں وہ حق پر ہیں۔ ان کو کافر کہنے والے کے ایمان کی تو خیر نہیں۔ اگر بفرض محال قیام جائز بھی ہو تاہم زیادہ سے زیادہ مستحب ہو سکتا ہے۔ اور تارک مستحب مستحق ملامت بھی نہیں چہ جائیکہ اس کی تکفیر و تضلیل۔ نعوذ باللہ من ذلک۔

(۴) عرس کی حقیقت شرعی نقطۂ نظر سے صرف یہی ہو سکتی ہے کہ مقابر اولیاء اللہ کی زیارت کی جائے۔ تو اگرچہ سفر طویل کرکے زیارت کے لئے جانا جائز ہے لیکن ایام عرس میں وہاں جانے میں علاوہ اس کے کہ کسی خاص تاریخ کو عرس کے لئے متعین کرلینا بدعت ہے، بڑی قباحت یہ ہے کہ آجکل اعراس مروجہ میں اتنے غیر مشروع اور ناجائز کام ہوتے ہیں کہ ان سب کا مجموعہ شرکت عرس کو حرام بنا دیتا ہے۔ مثلاً عورتوں کا جانا مزامیر کے ساتھ قوالی ہونا۔ طوائف کا ناچ گانا وغیرہ وغیرہ۔ پس جو شخص اس کو جائز اور باعث ثواب بتائے وہ سخت گناہگار ہوگا۔ ایسا شخص ہرگز اس قابل نہیں کہ اس کے کسی قول پر کان دھرا جائے۔ اور جو شخص مانعین کو وہابی اور کافر بتلائے اس کے خود ایمان کی خیر نہیں۔ نعوذ باللہ من ذلک۔

(۵) جیسا کہ پہلے سوال کے جواب سے معلوم ہو گیا کہ آجکل مبتدعین کی اصطلاح میں متبعین سنت کو (عداوۃً) وہابی کہا جاتا ہے تو ایسے وہابیوں یعنی ان لوگوں کو جو سنت نبوی پر عمل کرتے ہیں مسجد میں آنے سے روکنا سخت ظلم اور گناہ ہے۔ بلکہ روکنے والے مبتدعین خود اس کے مستحق ہیں کہ ان کو مسجدوں سے روکا جائے ان کو یہ حق کہاں سے حاصل ہو گیا کہ وہ کسی مسلمان کو اتباع سنت کی وجہ سے مسجد میں آنے سے روکیں مسجدیں ان کی مملوک تو نہیں ہیں کہ جس کو چاہیں آنے دیں اور جسے چاہیں روک دیں۔

(۶) یہ حضرات علمائے کرام اعلیٰ درجے کے مسلمان اور پکے دیندار تھے۔ جو شخص ان کو کافر کہے وہ بہت بڑا ظالم اور ایمان کا دشمن ہے۔ ان لوگوں کی کسی تصنیف اور کسی مضمون میں کوئی ایسا فقرہ یا لفظ نہیں جس کی وجہ سے نعوذ باللہ من ذلک ان کی طرف کفر کی نسبت کی جائے۔ ان لوگوں کی جتنی تصانیف ہیں بہت کارآمد مفید اور رد بدعت کے لئے نہایت عمدہ ذخیرہ ہیں۔ ہر مسلمان کو ان کی کتابوں کا مطالعہ کرنا چاہیئے۔ یہ لوگ سنتِ نبویہ و احکام شرعیہ کے پابند اور صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کے قدم بقدم چلتے تھے۔ ان کو سب و شتم کرنا گویا احکام شرعیہ اور صحابہ رضی اللہ عنہم کی شان میں گستاخی کرنا ہے۔ اور صحابہ رضی اللہ عنہم کی شان میں

گستاخی کرنا، اوپر معلوم ہو چکا کیسا ہے۔ جو لوگ ان حضرات علمائے کرام کو کافر بتائیں، ان کو اپنی مجلسوں اور محفلوں میں شریک نہیں کرنا چاہیئے اور نہ خود ان کی محفلوں میں شرکت کرنا چاہیئے تاکہ ان کے برے اور فاسد عقیدے مسلمانوں میں سرایت نہ کریں۔ یہ لوگ مسلمانوں کے دشمن اسلام کے دشمن اور خدا رسول کے دشمن ہیں۔

(۷) جس جگہ اور جس وعظ کی شرکت سے فساد عقیدہ اور فساد بین المسلمین ہوتا ہو اس میں شرکت کرنا اور وہاں جانا کسی مسلمان کو جائز نہیں خواہ وہ جگہ مسجد ہو یا اور کوئی جگہ ہو۔ اس میں شک نہیں کہ فی نفسہ مسجد بہت اچھی جگہ ہے لیکن جب کہ وہاں فسادِ عقیدہ اور فساد بین المسلمین ہوتا ہو تو یہ مسجد ہونے کی جہت سے بلکہ ان مفسد لوگوں کے اثر بد سے بچنے کے لئے وہاں نہ جانا لازم ہے۔ واللہ اعلم

سوال

ہمارے موضع میں بقر عید کی نماز مولوی عبدالحکیم صدر مدرس جامع العلوم حسین پور پڑھاتے ہیں، اور مولانا محمد قاسم نانوتوی اور مولانا رشید احمد گنگوہی اور مولانا محمود الحسن دیوبندی اور مولانا اشرف علی تھانوی کو مسلمان سمجھتے ہیں۔ آیا مولوی عبدالحکیم صاحب مسلمان ہیں یا کافر۔ اور جو ان کے کفر میں شک کرے آیا اس کی بیوی اس کے نکاح میں رہے گی یا نہیں؟ اور ہم لوگ ان کے پیچھے نماز پڑھیں یا نہیں؟

المستفتی نمبر ۴۸۲ فریاد حسین (برما) ۲۱ صفر ۱۳۵۴ھ م ۲۵ مئی ۱۹۳۵ء

جواب (از مولوی حشمت علی خاں لکھنوی)۔ قاسم نانوتوی نے اپنی کتاب تحذیر الناس مطبع خیرخواہ سرکار کے صفحہ ۳ پر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے خاتم النبیین ہونے کے اس معنی کو کہ حضور سب سے پچھلے نبی ہیں جاہلوں کا خیال ٹھہرایا۔ صفحہ ۱۴ پر حضور کے زمانے میں کسی اور نبی کے پیدا ہونے کو جائز بتایا۔ صفحہ ۲۸ پر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں جدید نبی کے پیدا ہونے کو جائز اور ختم نبوت میں غیر مخل بتایا۔ رشید احمد گنگوہی و خلیل احمد انبیٹھوی نے اپنی مصدقہ و مصنفہ براہین قاطعہ صفحہ ۵۱ پر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے زائد اپنے پیر ابلیس ملعون کا علم گایا۔ اشرف علی تھانوی نے اپنی حفظ الایمان صفحہ ۸ پر اپنے بزرگوں پاگلوں جانوروں کے علم غیب کو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے علم غیب کے مثل بتایا اور انھیں کفریات خبیثہ ملعونہ کی بنا پر مکہ معظمہ و مدینہ طیبہ کے علمائے کرام و مفتیان عظام سے کافر و مرتد ہونے کا متفقہ فتوی پایا۔ کما ہو مصرح فی حسام الحرمین والصوارم الهندیہ۔ لہذا جو شخص ان چاروں شیاطین مرتدین میں سے کسی ایک کی کفری عبارت پر بخوبی مطلع

ہونے کے بعد بھی اس کو مسلمان سمجھے یا اس کے کافر ہونے سے انکار کرے یا اس کے کافر و مرتد ہونے میں شک کرے یا اس کو کافر و مرتد کہنے میں توقف کرے تو خود بھی قطعاً یقیناً کافر و مرتد ہے۔ اور بے توبہ مرا تو ملعون و مستحق نار ابد ہے۔ ایسے شخص کے پیچھے نماز مطلقاً حرام و باطل محض ہے۔ ایسا شخص مسلمانوں کو دھوکہ دینے کے لئے اپنا نام عبدالحکیم رکھے یا کھلم کھلا اپنے کفر کا اقرار کرکے اپنے آپ کو مرند رجیم کہے۔ نماز جمعہ ہو یا نماز عید یا نماز پنجگانہ اس کے پیچھے کوئی نماز جائز و صحیح نہیں ہو سکتی۔ امام علامہ قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ اپنی کتاب مستطاب الشفا فی تعریف حقوق المصطفی میں فرماتے ہیں اجمع المسلمون ان مشاتمہ صلی اللہ علیہ وسلم کافر۔ من شك فی کفرہ وعذابہ فقد کفر وھذا فی الدر المختار وغیرہ من الغرر الاسفار۔ اس کی جورو اس کے نکاح سے نکل گئی۔ سیدنا امام ابو یوسف رضی اللہ عنہ اپنی کتاب الخراج میں فرماتے ہیں ایما رجل مسلم سب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم او کذبہ او عابہ او تنقصہ فقد کفر باللہ تعالی و بانت منہ امرأتہ اھ واللہ ورسولہ اعلم جل جلالہ وصلی اللہ علیہ وسلم۔ فقیر ابو الفتح عبید الرضا محمد حشمت علی خاں قادری رضوی لکھنوی غفرلہ ولوالدیہ ولابویہ ولاخویہ ربہ العزیز القوی۔

المجیب مصیب فقیر غلام محی الدین غفرلہٗ بلیاوی مدرس مدرسہ اشرفیہ مصباح العلوم۔ الجواب صحیح شمس الحق عفا عنہ مدرس مدرسہ اشرفیہ مصباح العلوم مبارکپور۔ الجواب صحیح محمد علیم اللہ فتحپوری۔ الجواب صحیح اسد الحق عفا عنہ مراد آبادی

(۱۹۷) **جواب ۱۰** (از مفتی اعظمؒ) جناب نے جو فتویٰ بھیجا ہے وہ میں نے دیکھا۔ حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی۔ حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی۔ مولینا محمود الحسن دیوبندی رحمۃ اللہ علیہم اجمعین اور مولانا اشرف علی صاحب تھانوی سلمہ اللہ تعالی یہ تمام حضرات ان باخدا اور محترم علما میں سے ہیں جن کے علمی فیوض و برکات سے تمام ہندوستان فیض یاب ہوا ہے۔ یہ علما ہندوستان میں دین اسلام کے آفتاب ہیں۔ ان کی ہدایت کی روشنی سے ظلمت کدہ ہند روشن ہے۔ ان کو کافر بتانا کسی ایماندار مسلمان کا کام نہیں ہے۔ تحذیر الناس۔ براہین قاطعہ حفظ الایمان کی طرف جن مضامین کو منسوب کرکے ان کو کافر کہنے والے اپنی عاقبت خراب کرتے ہیں۔ وہ مضامین ان کتابوں میں نہیں ہیں۔ کتابوں کی عبارتوں کو توڑ مروڑ کرکے زبردستی ان کا مطلب بدلا جاتا ہے۔ اگر یہ حضرات بھی نعوذ باللہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شان مبارک کو نہ سمجھیں یا خدانخواستہ کسی طرح کی منقصت کریں تو ہندوستان میں کوئی دوسرا سلسلہ نہیں ہے جو خاندان نبوت اور اسلامی شریعت کی تقدیس کر سکے۔ آج ہندستان کے فی صدی نوے بلکہ بچانوے علما انہیں حضرات کے سلسلہ کے شاگرد یا شاگردوں کے شاگرد ہیں۔ اگر یہ سب کافر ہوں تو ہندستان میں

اسلام کا خدا ہی حافظ ہے۔

آپ رنگون سے مولوی حافظ عبدالرؤف خاں کی کتاب براءۃ الابرار عن مکائد الاشرار منگا کر ملاحظہ فرمائیں۔ اس سے آپ کو اس فتوی کی حقیقت معلوم ہو جائے گی۔ بہر حال یہ فتوی شرعی فتوی نہیں ہے۔ بلکہ کذب وافترا اور تہمت کی دستاویز ہے۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہٗ۔ دہلی

(۱۹۸) **جواب**[۲۸۲] دیگر۔ یہ فتوی مسلمانوں کی بدقسمتی اور غفلت کی روشن ترین مثال ہے۔ حضرت مولنا محمد قاسم صاحب نانوتوی، حضرت مولینا رشید احمد صاحب گنگوہی۔ حضرت مولینا محمود حسن صاحب دیوبندی قدس اللہ اسرارہم اور حضرت مولنا اشرف علی صاحب تھانوی نہ صرف ہندستان کے بلکہ دنیائے اسلام کے منتخب اور برگزیدہ علمائے اتقیا میں سے ہیں۔ جنکی اسلامی اور علمی خدمات بے شمار ہیں۔ ان کو کافر بتانے والے جس افتراء و تہمت کی بنا پر ان کو کافر قرار دیتے ہیں وہ کذب ودجل اور ظلم وعدوان کی بدترین مثال ہے۔ جواب میں جن باتوں کو ان کی طرف منسوب کیا گیا ہے وہ خالص تہمتیں ہیں۔ نعوذ باللہ ثم نعوذ باللہ۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ

سوال

(۱) کسی عالم کی توہین کرنا کیسا ہے؟ (۲) ایک عالم دیوبندی کہتا ہے کہ حضور کا نماز میں خیال لانا گدھے اور بیل سے برا ہے۔ یہ کہنا توہین حضرت کی ہوگی یا نہیں؟ (۳) اگر کوئی شخص یہ کہے کہ اگرچہ حافظ ہو یا مولوی، دیوبندی کافر ہے۔ غیر مقلد کافر۔ اور اس کو کافر نہ سمجھے وہ بھی کافر اور اس کے کفر میں شبہ کرے وہ بھی کافر۔ ایسے شخص کے پیچھے نماز پڑھنا جائز ہے یا نہیں؟ (۴) قوالی سننا ڈھولک وغیرہ کے ساتھ کسی مزار پر یا کسی اور جگہ کیسا ہے؟ المستفتی نمبر ۶۳۷ عبدالاحد (ضلع دربھنگہ) ۱۶ رجب ۱۳۵۴ھ م ۱۵ اکتوبر ۱۹۳۵ء

(۱۹۹) **جواب** (۱) عالم کی، عالم ہونے کی حیثیت سے توہین کرنا سخت گناہ ہے۔ (۲) یہ بات یوں نہیں ہے لوگ اسے غلط طریقہ سے بیان کرتے ہیں اور غلط سمجھتے ہیں۔ اصل بات میں کوئی توہین نہیں ہے۔ (۳) یہ شخص جاہل ہے۔ اس کی امامت مکروہ ہے۔ (۴) ناجائز ہے۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ

سوال

آجکل بمبئی کی فضا بگڑ گئی ہے۔ یہاں پر علمائے دیوبند و بریلی دونوں وعظ بیان کرتے ہیں۔ اب ہم اس مصیبت میں پڑ گئے ہیں کہ کس کے وعظ کو سچا مانیں۔ مولوی حشمت علی صاحب نے اپنی کتاب ردالہند میں آپ کو امام الوہابیہ (نعوذ باللہ) لکھا ہے اور آگے لکھتے ہیں کہ جتنے علمائے دیوبند ہیں سب کے سب وہابی کافر ہیں۔

(معاذاللہ) ۔ یہاں پر مولنا مرتضیٰ حسن صاحب اور مولینا محمد منظور صاحب کے بھی وعظ ہوتے ہیں. مگر وہ کسی کو برابھلا نہیں کہتے ۔ ہمارے محلے میں بریلی پارٹی کا بہت زور ہے وہ لوگ اعتراض کرتے ہیں۔ اس لئے آپ کی مندرجۂ ذیل کتابوں کے بارے میں کیا رائے ہے :۔ تقویۃ الایمان، صراط مستقیم مصنفہ مولنا اسمٰعیل شہید، براہین قاطعہ، تحذیر الناس، فتاوی رشیدیہ اور ان کے مصنفوں کے بارے میں آپ کا کیا عقیدہ ہے؟ المستفتی ۹۵۲ ایوب خاں (بمبئی) ۱۴ ربیع الاول ۱۳۵۵ھ م ۲۶ مئی ۱۹۳۶ء

(۲۰۰) **جواب** ۔ جو لوگ کہ مسلمانوں کو کافر بتلاتے اور جماعت مسلمین میں تفریق کرتے اور علمائے ربانی کو سب وشتم کرتے ہیں اللہ تعالیٰ ان کو ہدایت فرمائے. میں قرآن مجید اور احادیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور اقوال وافعال صحابۂ کرام وتابعین ومجتہدین عظام پر ایمان اور عمل رکھتا ہوں. البتہ بدعات و مخترعات کو بموجب ارشاد پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام قابل رد سمجھتا ہوں۔

حضرت مولنا محمد اسمٰعیل شہید رحمۃ اللہ علیہ ۔ حضرت مولنا محمد قاسم نانوتوی. حضرت مولنا خلیل احمد صاحب ۔ حضرت مولنا رشید احمد گنگوہی رحمۃ اللہ علیہم اجمعین کو بزرگ اور علمائے حقانیین سمجھتا ہوں۔ ان کی کتابیں تقویۃ الایمان، صراط مستقیم، براہین قاطعہ، فتاوی رشیدیہ وغیرہ کو صحیح اور قابل عمل جانتا ہوں. میں کسی مسلمان اور خصوصاً عالم باعمل کو کافر کہنے کی جرأت نہیں کرتا۔ اور اللہ تعالیٰ سے دعا کرتا ہوں کہ وہ آئندہ بھی تکفیر مسلمین سے محفوظ رکھے. آمین. محمد کفایت اللہ کان اللہ لہٗ۔ دہلی

سوال

(۱) وہابی کس جماعت کے لوگوں کو کہتے ہیں ۔ اور ان کے کیا اعتقاد ہیں ۔ رضاخانی کس جماعت کے لوگوں کو کہتے ہیں۔ اور ان کے کیا اعتقاد ہیں؟ (۲) زید نے کہا کہ حضور اقدس سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم عالم الغیب ہیں۔ اللہ نے اپنے حبیب کو سکھلا دیا جو کچھ نہ جانتا تھا. اللہ کے نزدیک حضور کی بڑی عزت ہے ۔ اس کے جواب میں عمرو نے کہا کہ اس میں حضور کی کیا تخصیص ۔ ایسا علم غیب ہر خاص وعام کو حاصل ہے. حضور اللہ کی شان کے آگے چمار سے بھی زیادہ ذلیل اور اس کے روبرو ایک ذرۂ ناچیز سے بھی کمتر ہیں۔ اب فرمائیے ان دونوں میں کس کا قول قابل یقین ہے ۔ جو مسلمان ہو کر کسی نبی یا صحابی کی تقریری یا تحریری ادنیٰ گستاخی کرے وہ مسلمان ہے یا کافر؟ (۳) بکر نے عالم ہونے کی وجہ سے کہا کسی کلمہ گو کو کافر نہ کہنا چاہئے ۔ اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ وہابی ورضاخانی وغیر مقلد قادیانی ورافضی وغیرہ وغیرہ جماعتیں کلمہ گو ہیں یا نہیں ۔ اگر نہیں تو کیوں ۔ اور اگر ہیں تو ان جماعتوں میں

سے کون سی جماعت حق و صحیح راستہ پر ہے۔ المستفتی نمبر ۱۱۷۷ مولوی محمد سلیمان صاحب میرٹھی ۱۹ رجمادی الثانی ۱۳۵۵ھ مطابق ۷ ستمبر ۱۹۳۶ عیسوی

(۲۰۱) **جواب**۔ وہابی اصل میں وہ لوگ تھے جو محمد بن عبدالوہاب نجدی کے پیرو تھے۔ مگر ہندستان میں یہ لفظ غلط معنی میں استعمال کیا جانے لگا۔ جو لوگ محمد بن عبدالوہاب نجدی کے پیرو نہیں ہیں۔ مگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت پر عمل کرتے ہیں اور بدعتوں سے منع کرتے ہیں، ان کو وہابی کہہ دیا جاتا ہے۔ اور لوگوں کو ان سے متنفر کرنے کے لئے یہ ایک چلتا ہوا جادو ہے۔ جہاں وہابی کہا بس پھر کیا تھا وہ مردود ملعون و ہابڑا لہابڑا سب کچھ ہو گیا۔ نعوذ باللہ من ذلک۔

رضاخانی وہ جماعت ہے جو مولوی احمد رضا خاں صاحب بریلوی کی متبع ہے۔

(۲) یہ صحیح ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بے شمار غیب کی باتوں کا علم عطا فرمادیا تھا اور حضور کا علم تمام مخلوق سے زیادہ ہے۔ باوجود اس کے حضور کو عالم الغیب کہنا جائز نہیں کیونکہ عالم الغیب خاص اللہ تعالیٰ کا نام ہے۔

یہ کوئی نہیں کہتا کہ حضور کے برابر علم ہر خاص و عام کو حاصل ہے۔ اور نہ معاذ اللہ کسی نے یہ کہا ہے کہ حضور اللہ کے آگے چمار سے زیادہ ذلیل ہیں۔ جن کتابوں کی طرف یہ بات منسوب کی جاتی ہے۔ ان کی عبارتوں کا مطلب بگاڑ کر یہ باتیں کہی جاتی ہیں۔

(۳) جہاں تک کسی کلمہ گو کو کافر نہ کہنے کی گنجائش ہو اس وقت تک کافر کہنا درست نہیں۔ لیکن جب اس کی گنجائش نہ رہے تو کافر کہنا جائز ہے۔ مثلاً کوئی کلمہ گو نماز کی فرضیت سے انکار کردے۔ زکوٰۃ کی فرضیت سے انکار کردے تو اس کو لامحالہ کافر کہا جائے گا۔ اسی طرح کسی اور قطعی بات سے انکار کردے تو اس کی تکفیر ضروری ہوگی مثلاً تمام قادیانیوں کے اور رافضیوں کے بعض فرقوں کے کافر ہونے میں شبہ نہیں ہے۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ، دہلی

سوال

(۱) کیا وہابیوں کے پیچھے نماز جائز ہے؟ (۲) کیا حنفیوں کے یہاں حدیث شریف سے بالاتر کتاب فقہ تصور کی جاتی ہے؟ المستفتی نمبر ۱۵۶۳ سید عبدالمعبود صاحب (ضلع بدایوں) ۲۴ ربیع الثانی ۱۳۵۶ھ م ۴ جولائی ۱۹۳۷ء

(۲۰۲) **جواب**۔ (۱) وہابیوں کے کوئی ایسے معنی نہیں جن سے کچھ تعین ہو سکے کہ کون لوگ مراد ہیں۔ کیونکہ آجکل تو لوگ ہر اس شخص کو وہابی کہہ دیتے ہیں جو کسی بدعت سے منع کرے۔ تو ایسے متبعین سنت کے پیچھے کیسے نماز ناجائز ہو سکتی ہے

جن کو لوگ وہابی کہہ دیا کرتے ہیں۔

(۲) یہ صحیح نہیں ہے کہ حنفیوں کے نزدیک حدیث کی معتبر کتابوں سے فقہ کی کتاب بالاتر ہے۔ کیونکہ حدیث خود اصول شرعیہ میں سے کتاب اللہ کے بعد دوسری اصل ہے۔ اور اصول شرعیہ چار ہیں۔ ان سے حاصل کئے ہوئے احکام فرعیہ کا نام فقہ ہے۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ

سوال

بعد از ما ھو المسنون عرض اینکہ دریں ایام فرخندہ نام گرامی شمایاں درمابین محققین و مدققین زیادہ تر از روشنائی آفتاب درمابین ستارہاست می دانیم کہ از دریائے فیض تشنگان جہالت سیراب شدہ۔ و می شنوم کہ لقب مبارک مفتی الہند در آفاق شہرت یافتہ و می بینیم کہ کوران راہ مستقیم بہدایتش راہ یاب شدہ۔ و در ہر کنج دنیا اگر روم از تصنیفاتش خالی نیست و ہنوز دانستم کہ اگر خدانخواستہ حدیقہ شریعت بیضاء خالی از تربیت اش یافتہ شود ظلمات علی الظلمات واقع خواہد شد و ہم اشتیم کہ دیوار شریعت انوریہ برمتش معمور و آباد است و نیز یاد دارم کہ قلعہ دین مبین بہ حراستش محفوظ از حملۂ حملہ آوراں است۔ مگر افسوس صد افسوس کہ ؎

بلبل خموش گشت پرید از سرِ چمن

زاغان و غوک معتکفِ بوستاں شدند

چہ جائے گریہ اگر بجائے اشک خونِ دل از چشم ببارد ہم کم است کہ باایں ہمہ خوبی ہائے مذکورہ و علاوہ ازیں در مابین معصراں امتیاز خاص دارد کہ عبارت از دیانت و تقویٰ

ترجمہ:۔ بعد سلام مسنون عرض ہے کہ اس مبارک زمانے میں جناب کا اسم گرامی محققین اہل علم کے درمیان ایسا روشن ہے جیسے ستاروں کے درمیان آفتاب۔ اور ہمیں معلوم ہے کہ آپ کے دریائے فیض سے تشنگان جہالت سیراب ہوئے اور آپ کا لقب مبارک مفتی الہند تمام عالم میں شہرت رکھتا ہے۔ آپ کے رشد و ہدایت سے راہ مستقیم سے بھٹکنے والے راہ یاب ہوئے۔ اور دنیا کے کسی گوشہ میں ہم جائیں، آپ کی تصانیف ہر جگہ شائع ہیں۔ اور ہمیں یقین ہے کہ اگر شریعتِ بیضاء کا باغ آپ کی تربیت سے خدانخواستہ محروم ہوجائے تو گھٹاٹوپ اندھیرا چھا جائے گا۔ ہم جانتے ہیں کہ شرع منور کی چار دیواری آپ کی توجہ و نگرانی سے معمور و آباد ہے۔ اور دین مبین کا قلعہ آپ کی نگہبانی کی وجہ سے دشمنوں کے حملے سے محفوظ ہے۔ مگر افسوس کہ

بلبل خاموش ہو کر باغ سے اڑ گیا اور

کوے اور مینڈک باغ میں براجمان ہوگئے

کیسا رونے کا مقام ہے، اگر آنسوؤں کے بجائے خون دل آنکھ سے برسے تو کم ہے کہ ایسا جامع کمالات جو اپنے معاصرین میں از روئے دیانت و تقویٰ خاص امتیاز رکھتا ہے اس کو وہابیت

وتقوی بایں کہ جامع منقول و معقول است و منسوب بوہابیت است چنانچہ در ضلع کاٹھیاواڑ قریہ بقریہ پارچہ از سخنہائے ناشائستہ مملو شدہ اشاعت یافت ازطرف مفتی عبدالرشید خاں حال ساکن دہوراجی کاٹھیاواڑ منسوب بہ فتحپور مدرس مدرسہ سکینیہ دہوراجی چنانچہ موجودہ علمائے ہند ہمگی در یک فہرست درج کردہ مقلد و غیر مقلد و وہابی ہمہ را از یک دیگر جدا کردہ مشہور عوام الناس شد۔ مگر چونکہ اسامی زیر فہرست را دریں جا گنجائش تحریر نیست لہٰذا از مقصد اعظم خود را اطلاع عرض میشود کہ آیا اسماء مبارک تحت الذیل علماء کرام را متصف باوصاف ناشائستہ مفتی عبدالرشید فتحپوری راست است یا دروغ؟

(۱) مفتی کفایت اللہ وہابی مدرسہ امینیہ دہلی
(۲) مولوی ثناء اللہ غیر مقلد امرتسری
(۳) مولوی اشرف علی وہابی تھانوی
(۴) مفتی عزیز الرحمن وہابی دیوبندی
(۵) مولوی محمد انور کشمیری وہابی ڈابھیلی

کے ساتھ منسوب کیا جاتا ہے۔ چنانچہ ضلع کاٹھیاواڑ میں گاؤں در گاؤں ایسے اشتہارات شائع کئے جاتے ہیں جن میں نہایت گستاخانہ باتیں لکھی ہیں۔ ایسی چیزیں مفتی عبدالرشید خاں ساکن فتحپور وارد حال دھوراجی مدرس مدرسہ سکینیہ دھوراجی کی طرف سے شائع کی جارہی ہیں۔ مثلاً تمام موجودہ علماء ہند کی ایک طویل فہرست شائع کی گئی ہے۔ اور ہر ایک کے نام کے آگے مقلد، غیر مقلد، وہابی کا لفظ درج کرکے ایک دوسرے سے ممتاز دکھایا گیا ہے۔ مگر چونکہ اس طویل فہرست کا یہاں درج کرنا مشکل ہے اس لئے ہم اپنے اصل مقصد کو ظاہر کرتے ہوئے، ذیل میں چند اسماء مبارک تحریر کرتے ہیں اور دریافت کرنا چاہتے ہیں کہ مفتی عبدالرشید نے ان حضرات کو جن ناشائستہ اوصاف کے ساتھ متصف کیا ہے، صحیح ہے یا غلط؟

علاوہ ازیں نیز مفتی المشتہر در بارۂ سیرت کمیٹی یک رسالہ گجراتی ہم چھاپ کردہ شائع نمودہ کہ سیرت کمیٹی چنیں وچناں است۔ غرض کہ در شان بانی سیرت کمیٹی از حد زیادہ گستاخانہ الفاظ درج است۔ مگر مکرر عرض بلب ادب ہست کہ از روئے الطاف و مہربانی دربارۂ علماء کرام فوق الذکر تحریر فرمائید۔ اگر رائے جناب شمایان مخالف ازرائے عبدالرشید مذکور میباشد ضرور شمشیر زہرآلود بیش

علاوہ ازیں اس اشتہار کے شائع کرنے والے مفتی نے سیرت کمیٹی کے بارے میں بھی ایک رسالہ بزبان گجراتی چھاپ کر شائع کیا ہے کہ سیرت کمیٹی ایسی ہے ویسی ہے۔ اور اس کے بانی کی شان میں بے حد گستاخانہ الفاظ لکھے ہیں۔ مکرر باادب گذارش ہے کہ براہ لطف و کرم مذکورہ بالا علما کے متعلق اپنی رائے تحریر فرمائیں۔ اگر جناب کی رائے مفتی عبدالرشید کی رائے کے مخالف ہوگی تو عبدالرشید کے چیلوں کو سزا دینے کے لئے میرے

تربیت یافتہ مفتی عبدالرشید در دستم می افتد واگر موافق رائے آں باشد فانا بریٔ منکم ومنہم واسأل اللہ انکشاف الحق کما ھو الحق

ہاتھ میں شمشیر زہر آلود ہوگی۔ اور اگر آپ کی رائے اس کی رائے کے موافق ہوگی تو میں آپ کی اور ان کی طرف سے بری الذمہ ہوں گا۔ اور اللہ سے انکشاف حق کی آرزو کروں گا۔

المستفتی ۱۳۴۹ عثمان میاں عبدالغنی میاں (کاٹھیاواڑ) ۲۹ ربیع الثانی ۱۳۵۷ھ م ۲۹ جون ۱۹۳۸ء

(۲۰۳) **جواب** ایں فقیر بے بضاعت مفتی عبدالرشید صاحب را نمیداند۔ واین ہم را معلوم نیست کہ مفتی مذکور بکدام علت مرا وہابی می گوید۔

(ترجمہ) یہ فقیر بے نوا مفتی عبدالرشید سے واقف نہیں۔ اور یہ بھی مجھے معلوم نہیں کہ مفتی مذکور مجھ کو کس وجہ سے وہابی کہتا ہے۔

من فقیر وحضرت مولانا اشرف علی تھانوی وحضرت مولانا عزیز الرحمٰن مرحوم وحضرت مولانا محمد انور شاہ کشمیری مرحوم بر کتاب اللہ وسنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بجان ودل ایمان داریم وعمل بر فقہ امام اعظم حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ میکنیم مایاں اہل سنت وجماعت وحنفی ہستیم واللہ علی ما نقول شہید۔

میں فقیر اور حضرت مولانا اشرف علی تھانوی اور حضرت مولانا عزیز الرحمٰن مرحوم اور حضرت مولانا محمد انور شاہ کشمیری مرحوم کتاب وسنت پر بجان ودل ایمان رکھتے ہیں۔ اور حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی فقہ پر عامل ہیں۔ ہم لوگ اہل سنت والجماعت حنفی ہیں۔ اور ہم جو کچھ کہہ رہے ہیں اس پر اللہ رب العزۃ گواہ ہے۔

مولوی ثناء اللہ صاحب حنفی نیستند۔ ایشاں از گروہ اہل حدیث ہستند کہ تقلید شخصی معمول ایشاں نیست۔ فقیر از شمایاں التجا می کند کہ بر قول عبدالرشید صاحب کہ مرا ومولانا تھانوی ومولانا دیوبندی ومولانا کشمیری را وہابی می گوید یقین نکنید وبحکمت وموعظت حسنہ ایشاں را ازیں غلطی باز دارید۔ تشدد ہرگز نکنید کہ مفید نیست۔ واللہ الموفق

مولانا ثناء اللہ صاحب حنفی نہیں ہیں۔ وہ گروہ اہل حدیث سے تعلق رکھتے ہیں جو تقلید شخصی پر عامل نہیں ہیں۔ فقیر آپ سے درخواست کرتا ہے کہ مفتی عبدالرشید جو مجھ کو اور مولانا تھانوی اور مولانا دیوبندی اور مولانا کشمیری کو وہابی کہتا ہے۔ اس کی باتوں پر ہرگز یقین نہ کیجئے اور اس کو اور اس کے پیروؤں کو حکمت ودانائی اور پند ونصیحت سے ان کی غلط خیالی پر تنبیہ کیجئے۔ تشدد ہرگز نہ کیجئے کیونکہ تشدد غیر مفید اور مضر ہے۔ واللہ الموفق۔

فقیر محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ، دہلی

سوال

ایک شخص جامع مسجد کا پیش امام ہے۔ اچھا خاصا وعظ بیان کرتا ہے۔ شرک اور بدعت کی تردید کرتا ہے۔ رسوم قبیحہ اور رحالات وہابیہ سے لوگوں کو روکتا ہے۔ اپنے آپ کو امام ہمام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا معتقد بتلاتا ہے۔ سیدھے سادے لوگ ان کو دیوبندی وہابی لہابی بدمذہب وغیرہ افتراء سے بدنام کرتے ہیں۔ وہ مولوی صاحب کہتے ہیں کہ میں دیوبند پڑھا نہیں لیکن حضرات علماء دیوبند کو حق بجانب اور صحیح، سنت نبویہ کا عامل پاتا ہوں۔ حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی۔ مولانا اشرف علی صاحب تھانوی مولانا خلیل احمد صاحب انبیٹھوی، مولانا محمد قاسم صاحب نانوتوی کو بزرگ اور مسلمانوں کا پیشوا سمجھتا ہوں۔ کیا ایسے معتقدات رکھنے والے کو ہم امام مسجد بنا سکتے ہیں۔

المستفتی نمبر ۲۹۹۷ قاضی حسن علی صاحب (کاٹھیاواڑ) ۱۷ جمادی الثانی ۱۳۵۵ھ م ۵ اگست ۱۹۳۶ء

(۲۰۴) **جواب** ۔ یہ علماء جن کے نام لکھے ہیں، حنفی عالم اور بزرگ ہیں انھوں نے دین اسلام کی اور حنفی مذہب کی بے حد مخلصانہ خدمت کی ہے۔ یہ لوگ ظاہری علوم کی بھی انتہائی مہارت رکھتے تھے اور باطنی علوم میں بھی کمال تھا۔ اہل اللہ تھے۔ اور فقیرانہ کمالات میں ہندوستان کے مشہور اولیاء میں داخل تھے۔ امام کا عقیدہ ان لوگوں کے متعلق درست اور صحیح ہے۔ اور وہ امامت کا مستحق ہے۔ فقط

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ۔ دہلی

سوال

جو شخص اذان علی القبر وغیرہ کو درست نہ سمجھتا ہو وہ اہل سنت والجماعت میں داخل ہے یا نہیں

المستفتی نمبر ۲۷۱۷ راجہ فیروز خاں (جہلم) یکم جمادی الاول ۱۳۶۱ھ م ۱۴ مئی ۱۹۴۲ء

(۲۰۵) **جواب** ۔ جو شخص کہ اذان قبر کا قائل نہ ہو۔ انگوٹھے چومنے اور آنکھوں سے لگانے کا قائل نہ ہو اسقاط کے مروجہ طریقہ کو غلط بتاتا ہو۔ عید کی نماز باہر جا کر پڑھنے کی تاکید کرتا ہو۔ ظہر احتیاطی کا قائل نہ ہو وہ اہل سنت والجماعت میں سے ہے۔ بلکہ صحیح العقیدہ وہی ہے۔ اور اس کو برا کہنے والا غلط گو اور غلط کار ہے۔

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ۔ دہلی۔

سوال

(از اخبار سہ روزہ الجمعیۃ دہلی مورخہ ۱۰ اکتوبر سنہ ۱۹۲۵ء)

مولوی اشرف علی تھانوی کا بہشتی زیور اہل سنت والجماعت کو پڑھنا اور اس پر عمل کرنا جائز ہے یا نہیں؟

(۲۰۶) **جواب** - کتاب بہشتی زیور مذہب حنفی کے موافق مسائل وغیرہ کی کتاب ہے اور معتبر ہے۔ اس کو پڑھنا اور عمل کرنا درست ہے۔

محمد کفایت اللہ غفرلہ مدرسہ امینیہ۔ دہلی

فصل ہشتم۔ احترام اولیاء

سوال

ایک شخص نے حضرت معین الدین اجمیری رحمۃ اللہ علیہ کی تعریف کی۔ دوسرے نے کہا سبحان اللہ (یا ماشاء اللہ یا الحمد للہ) اس دربار کا کیا کہنا ہے۔ یہ جائز ہے یا نہیں؟

المستفتی نمبر ۱۳۷ حبیب اللہ (ضلع غازی پور) یکم شعبان المعظم سنہ ۱۳۵۲ھ م ۲۰ نومبر سنہ ۱۹۳۳ء

(۲۰۷) **جواب** - اس میں کوئی مضائقہ نہیں۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ

سوال

(۱) زید ایک بزرگ کو "شمس الکونین" کے لقب سے اعتقاداً مخاطب یا ملقب کرتا ہے۔ اور جو شخص اس اعتقاد میں ہمنوا نہ ہو تو وہ اس سے سخت ناراض ہوتا ہے کیونکہ وہ اس کو ملہم سمجھتا ہے۔ عمرو کہتا ہے کہ آقائے دوجہاں سرور کائنات سرکار دو عالم تاجدار مدینہ سید الکونین وغیرہ الفاظ متکلمین اسلام کی اصطلاح میں آقائے دوجہاں سید المرسلین احمد مجتبیٰ محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات بابرکات کے لئے مختص ہیں اور کچھ ایسے مختص ہو چکے ہیں کہ عامۃ المسلمین کا ذہن فوراً ایسے الفاظ پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اقدس کی طرف متبادر ہو جاتا ہے۔ شمس الکونین بھی اسی قبیل سے معلوم ہوتا ہے۔ ورنہ ملتبس ضرور ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات کے سوا کسی امتی کے لئے ایسے الفاظ کا استعمال خلط مراتب کا باعث ہے اور دھوکہ میں ڈالتا ہے۔ اور فرق مراتب کی اہمیت ظاہر ہے۔ اس لئے ایسے الفاظ سے کسی امتی کو مخاطب کرنا درست

نہیں۔ دونوں میں سے کس کا خیال صحیح ہے؟

(۲) سالکان راہ طریقت کے کیا تمام الہامات صحیح اور حجت ہوتے ہیں؟

المستفتی نمبر ۲۵۵۵ ۲۰ ذیقعدہ ۱۳۵۸ھ م یکم جنوری ۱۹۴۰ء

(۲۰۸) **جواب**۔ (۱) زید کا قول بے شک نامناسب اور حدیث (لا تزکوا علی اللہ احداً او کما قال) کے خلاف ہے۔ عمرو کا قول صحیح ہے۔ کسی بزرگ متبع شریعت شیدائے سنت کی بزرگی کا اعتراف تو ناجائز نہیں۔ مگر حد سے بڑھ جانا اور آخرت کی نجات کا شخصی طور پر یقینی حکم لگا دینا درست نہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسے ہی موقع پر و ما یدریک ان اللہ اکرمہ فرمایا تھا۔

(۲) اولیا کے الہام قطعی نہیں۔ ان میں غلطی کا احتمال ہوتا ہے۔ اور دوسروں کے حق میں ولی کا کوئی الہام حجت نہیں۔ خود ملہم اگر یقین رکھتا ہو کہ اس کا فلاں الہام قطعی من اللہ ہے تو وہ خود اس کے موافق عمل کر سکتا ہے۔ مگر اس کے سوا کسی پر لازم نہیں۔ کسی ولی کے کسی خاص الہام پر کسی مسلمان کو ایمان لانا ضروری نہیں ہے۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ۔ دہلی۔

فصل نہم۔ نذر نیاز اور فاتحہ

سوال

یہاں پر دو جماعتوں کے درمیان مسئلہ ہذا کے بارے میں تنازعہ چل رہا ہے۔ ایک فریق کہتا ہے کہ پیران پیر غوث الاعظم جیلانی رحمۃ اللہ علیہ کی نیاز کے لئے بکرا خرید کر ذبح کرنا اور اس کا کھانا جائز ہے۔ دوسرا فریق اس کو حرام ٹھہراتا ہے۔ ایک فریق کا عالم یہ فرماتا ہے کہ کسی بزرگ کی قبر پر پھولوں کی چادر چڑھانا یا چڑھاوا چڑھانا جائز ہے۔ دوسرا فریق اس کو ناجائز ٹھہراتا ہے۔ المستفتی نمبر ۲۶ غلام نبی۔ سوداگر چرم۔ ضلع ستارہ۔

۲۶ شوال ۱۳۵۲ھ م ۱۱ فروری ۱۹۳۴ء

(۲۰۹) **جواب**۔ اگر بڑے پیر صاحب یا کسی دوسرے بزرگ کو ثواب پہنچانے کے لئے جانور ذبح کرا کر اس کا گوشت پکا کر کھلا دیا جائے تو یہ جائز ہے۔ لیکن اگر بکرا ان کے نام پر ذبح کیا جائے یعنی بکرے کی جان ان کے لئے دی جائے تو وہ بکرا حرام ہے، خواہ بسم اللہ اللہ اکبر کہہ کر ہی ذبح کیا جائے۔ پہلی صورت جو جائز ہے اس میں گوشت کا ثواب پہنچانا مقصود ہے۔ اور اس کی شناخت یہ ہے کہ اگر اس کو بکرے کے برابر گوشت دے دیا جائے تو وہ بکرا

ذبح کرنے پر اصرار نہ کرے۔ اور دوسری صورت جو حرام ہے اس میں بزرگ کے لئے بکرے کی جان نذر کرنا مقصود ہوتا ہے۔ اس لئے وہ شخص بغیر بکرا ذبح کرنے کے مطمئن نہ ہوگا۔ یہ حرام ہے۔ قبروں پر پھول یا پھولوں کی چادر یا شیرینی یا اور کوئی چیز چڑھانا حرام ہے۔ **محمد کفایت اللہ کان اللہ لہٗ۔**

سوال

گیارھویں شریف کا کھانا علاوہ غربا و مساکین کے برادری کو بھی کھلایا جاتا ہے۔ کیا برادری کو کھانا جائز ہے؟ **المستفتی** نمبر ۲۵۸ بابو محمد یسین خان (شملہ) ۲۵ ذی الحجہ ۱۳۵۲ھ م ۱۰ اپریل ۱۹۳۴ء

(۲۱۰) **جواب**۔ اگر یہ کھانا بغرض ایصالِ ثواب کھلایا جاتا ہے تو صرف غربا و مساکین کو کھلایا جائے کہ صدقات کے وہی مستحق ہیں۔ اور اگر بطورِ نذر و تقرب الی السید الغوث الاعظم کھلایا جائے تو کسی کو بھی کھانا جائز نہیں۔ کیونکہ نذر لغیر اللہ اور تقرب الی غیر اللہ ناجائز ہے۔ **محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ**

سوال

(۱) حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے کھانے پر سورۂ فاتحہ پڑھی ہے یا نہیں۔ یہ ذکر ترمذی شریف باب علامات النبوۃ میں ہے یا نہیں؟

(۲) گیارھویں کا ذکر کتب فقہ میں ہے یا نہیں؟ غیر اللہ کا بکرا مسلمان کر سکتے ہیں یا نہیں؟

المستفتی نمبر ۶۳۱ عبدالستار صاحب (ضلع بلاری) ۲۹ جمادی الثانی ۱۳۵۴ھ مطابق ۲۸ ستمبر ۱۹۳۵ء

(۲۱۱) **جواب**۔ (۱) غلط ہے۔ ترمذی شریف میں کوئی ایسی روایت نہیں ہے۔

(۲) گیارھویں کا ذکر کسی فقہ کی معتبر کتاب میں نہیں ہے۔ غیر اللہ کے نام کا بکرا حرام ہے۔ **محمد کفایت اللہ**

سوال

(۱) بعد پوری ہونے مراد کے، دودھ چاول چینی وغیرہ کسی مزار کے قریب لے جا کر کھیر پکانا اور صاحب مزار کی نیاز کر کے اپنے احباب کو جمع کر کے وہیں بیٹھ کر کھانا اور کھلانا شرعاً کیسا ہے؟

(۲) ارواح شہدا و اولیا کے ساتھ عقیدہ رکھنا کہ دنیا میں بغرض حاجت روائی آتی ہیں۔ اور ان کے توسل سے مرادیں مانگنا شرعاً جائز ہے یا نہیں؟

(۳) میلاد مروجہ میں شرکت نہ کرنے والا اور تارکُ الصلوٰۃ یکساں گناہگار ہو سکتے ہیں یا نہیں؟

(۴) نماز عیدین کے بعد معانقہ کرنا یا کسی وقتی نماز کے بعد یا خود با مصافحہ کرنا جائز ہے یا نہیں

المستفتی نمبر ۸۲۴ حبیب اللہ صاحب۔ (ضلع غازی پور) ۸ محرم ۱۳۵۵ھ م یکم اپریل ۱۹۳۶ء

(۲۱۲) **جواب** ۔ (۱) منت اگر یہ تھی کہ مراد پوری ہونے پر میں فلاں بزرگ کے مزار پر کھیر پکاؤنگا۔ اور احباب کو کھلاؤنگا تو یہ منت ہی درست نہیں۔ اور اگر یہ تھی کہ فلان بزرگ کے مزار کے فقراء کو کھلاؤنگا تو یہ منت درست ہے۔ مگر وہاں جاکر پکانا یا قبر کے پاس لے جاکر تقسیم کرنا ضروری نہیں۔ وہاں کے فقراء کو اپنے گھر بلاکر بھی دے سکتا ہے۔

(۲) ارواح کا دنیا میں حاجت روائی کرنے کے لئے آنا ثابت نہیں۔ حاجت روائی کرنا صرف خدا کی صفت ہے۔

(۳) میلاد مروجہ میں شرکت نہ کرنا گناہ نہیں۔ تارک الصلوۃ تو گناہگار اور مرتکب کبیرہ ہے۔

(۴) نماز عید کے بعد یا کسی وقتی نماز کے بعد مصافحہ کو خصوصیت سے کرنا مکروہ ہے۔ محمد کفایت اللہ

سوال

گیارھویں مروجہ جس طرح آجکل لوگ ہر چاند کی گیارہ تاریخ کو پیر صاحب کے نام پڑھتے ہیں، شرع محمدی میں اس کا کوئی ثبوت ہے یا نہیں؟

المستفتی نمبر ۱۰۶۰ عبدالعزیز صاحب مشین والا (ضلع سیالکوٹ) ۲۸ جمادی الثانی ۱۳۵۵ھ م ۱۶ ستمبر ۱۹۳۶ء

(۲۱۳) **جواب** ۔ یہ گیارھویں بدعت ہے ۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہٗ۔ دہلی۔

سوال

کیا اولیاء اللہ اور بزرگان دین کے سامنے حلوہ اور میوہ رکھ کر فاتحہ کرنا جائز ہے یا ناجائز؟ اگر ناجائز ہے تو اس کا سبب بتائیے۔ المستفتی نمبر ۱۳۵۴ نور الاسلام (رنگون) ۲ ذی الحجہ ۱۳۵۵ھ م ۱۵ فروری ۱۹۳۷ء

(۲۱۴) **جواب** ۔ کسی بزرگ کے مزار کے سامنے حلوی یا میوہ وغیرہ رکھ کر یا صرف اپنے سامنے کھانا شیرینی، وغیرہ رکھ کر فاتحہ دینا صحابہ و تابعین و تبع تابعین اور اماموں سے ثابت نہیں۔ اس لئے یہ طریقہ اور اس کا التزام شرعی امور میں داخل نہیں۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہٗ۔ دہلی۔

سوال

ہمارے یہاں شہر میں ماہ ربیع الثانی میں گیارھویں شریف کی محفلیں منعقد ہوا کرتی ہیں۔ اور فاتحہ بھی بڑی دھوم دھام سے ہوتا ہے۔ فاتحہ میں "۱۱" کے عدد کی خصوصیت لازمی ہے۔ گیارہ کوڑی سے لگاکر

خواہ کتنی تعداد بڑھادی جائے مگر گیارہ کی تخصیص ضروری ہے۔ اور فاتحہ بھی کوئی خاص ہے جس کو بہت کم لوگ جانتے ہیں۔ خواندہ لوگوں کو بھی تلاش کرنا پڑتا ہے۔ علاوہ ازیں چھوٹے بچوں کو عورتیں حضرت غوث پاک کے نام کی چاندی کی ہنسلی پہناتی ہیں۔ خیال یہ ہوتا ہے کہ فاتحہ خوانی اور ہنسلی پہنانے کے بعد بچہ حضرت غوث پاک کی حفاظت میں رہتا ہے۔ میں نے ۱۹۱۲ء میں حضرت مولانا عبدالکریم صاحب گنج مراد آبادی سے بیعت حاصل کی انہوں نے مجھے یہ تعلیم فرمایا تھا کہ استغفار ۲۵ بار۔ درود شریف دس بار۔ سورۂ فاتحہ ایک بار، سورۂ اخلاص تین بار پڑھ کر بخشا کروں بروح پاک حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم و نیز اصحاب کبار رضی اللہ تعالیٰ عنہم و جملہ پیران طریقت و بزرگان دین رحمہم اللہ تعالیٰ علیہم خصوصاً بروح حضرت قبلہ و مولانا فضل الرحمٰن صاحب قدس اللہ سرہ۔ یہ فاتحہ بعد نماز فجر و مغرب حتی الامکان پڑھتا ہوں۔ ہاں کوئی دن یا تاریخ مقرر کرکے فاتحہ خوانی کا جلسہ میں کرتا ہوں۔ فقراء و مساکین کی خدمت کرتا ہوں اور حتی الامکان اپنے حاجتمند بھائیوں کی بھی خدمت کرتا ہوں۔ اولیائے کرام کے ساتھ مجھے حسن عقیدت ہے۔ اور ان کے طرز عمل پر چلنا نہایت مبارک سمجھتا ہوں۔ اور کسی بزرگ کے نام اگر کسی کھانے کا یا شیرینی کا ثواب پہنچانا ہے تو اس کو کسی غریب کو دے کر اللہ تعالیٰ کے واسطے اس کا ثواب ان بزرگ کو پہنچاتا ہوں۔ اس پر اہل محلہ اکثر مجھ پر طعنہ زنی کرتے ہیں۔ خیر ان کی طعنہ زنی سے مجھے کوئی رنج نہیں ہے، مگر خیال یہ ہوتا ہے کہ کہیں میرے یہ حرکات اصول شرع کے خلاف تو نہیں ہیں۔ ان معاملات میں کیا کرنا چاہئے۔

المستفتی ۱۴۰۹ عزیز احمد نذیر احمد صاحبان۔ سوداگران چوڑی۔ دیوان (ریاست)

۱۰ جمادی الاول ۱۳۵۶ھ م ۱۹ جولائی ۱۹۳۷ء

(۲۱۵) **جواب**۔ اولیاء اللہ سے خوش عقیدگی اور محبت اور ان کے افعال کی اقتداء بہت مستحسن اور موجب برکت ہے۔ البتہ اس قدر احتیاط لازم ہے کہ جس کو اللہ کا ولی سمجھا ہے، وہ اپنے اعمال اور ارشاد و تعلیم کے لحاظ سے ولی ہونے کی صلاحیت رکھتا ہو۔ یعنی اس کے کردار اور اعمال شریعت مطہرہ اسلامیہ کے خلاف نہ ہوں۔ اور وہ متبع شریعت اور سنت نبویہ کا پابند ہو۔ آپ کے مرشد صاحب نے جو آپ کو تعلیم کیا ہے اس کو پڑھنا اور جن بزرگوں کو ثواب بخشنے کے لئے انہوں نے ہدایت کی ہے ان کو ثواب بخشنا صحیح اور درست ہے۔ اسی طرح کسی خاص تاریخ یا دن یا کسی خاص چیز کی تخصیص کئے بغیر اپنی وسعت کے موافق کسی فقیر مسکین کو صدقہ دے کر بزرگوں یا دوستوں یا عزیزوں کو ثواب بخشنا بھی جائز اور مستحسن ہے۔ مگر گیارھویں کی تخصیص اور گیارہ کے عدد کا

التزام اور بڑے پیر صاحب کے نام کی ہنسلی بچوں کو پہنانا اور یہ عقیدہ رکھنا کہ بچہ بڑے پیر صاحب کی حفاظت میں رہتا ہے، غلط اور گمراہی ہے۔ گیارھویں کی محفلیں منعقد کرنا اور دھوم دھام سے فاتحہ دلانا اور فاتحہ بھی خاص مقرر کرنا کہ اس کے لئے خاص آدمی ہی تلاش کرنا پڑے، یہ سب باتیں بے اصل اور بدعت ہیں، ہر شخص اپنی وسعت کے مطابق کھانا کپڑا نقد یا کوئی جنس صدقہ کر کے یا کوئی بدنی عبادت مثلاً نفل نماز نفلی روزہ تلاوتِ قرآن مجید وغیرہ ادا کر کے جس کو چاہے ثواب بخش دے۔ کسی مولوی یا پڑھے لکھے آدمی کی تلاش کرنے اور فاتحہ دلوانے کی ضرورت نہیں۔ بلکہ ایسے لوگوں کی فاتحہ سے جو عوض اور اجرت لے کر فاتحہ پڑھیں ثواب بھی نہیں ہوتا۔ اور نہ پہنچتا ہے۔ اس لئے فاتحہ اور ایصالِ ثواب کا مروجہ طریقہ ترک کر کے اس سیدھے سادے طریقے سے جو ہم نے بتایا ہے ایصالِ ثواب کرنا چاہیئے کہ ایصالِ ثواب کا صحیح شرعی طریقہ یہی ہے۔ فقط

محمد کفایت اللہ۔ کان اللہ لہٗ۔ دہلی۔

سوال

ہمارے ملاقاتیوں میں ایک صاحب ہیں۔ انھوں نے مجھ سے بیان کیا کہ ایک مرتبہ میں نے وعظ میں سنا ہے کہ حضرت غوث پاک نے فرمایا ہے کہ میں ۱۱ ربیع الثانی کو مقام 'ھُو' تک گیا اور پھر واپس آگیا۔ اس لئے اس تاریخ مبارک میں جو کوئی گیارہ کے عدد سے میری فاتحہ پڑھے گا وہ بھی اسی مقام 'ھو' تک جہاں تک میں گیا ہوں پہونچے گا۔ اور لفظ 'ھو' کے عدد بھی نکال کر بتائے کہ ھ کے ۵ اور و کے ۶ عدد ہوئے۔ اس حساب سے گیارہ کے عدد کی بڑی برکت ہے۔ گیارھویں شریف کا جلسہ یا فاتحہ ۱۱ ہی کو ہونا چاہیئے۔ کیا یہ صحیح ہے ؟ المستفتی نمبر ۱۶۱۷ نذیر احمد عزیز احمد (ریاست ریوان) ۱۰ جمادی الاول ۱۳۵۶ھ م ۱۹ جولائی ۱۹۳۷ء

(۲۱۶) **جواب**۔ یہ تمام قصہ اور استدلال کا یہ طریقہ شرعی اصول کے خلاف ہے۔ ابجد کے احکام کے لحاظ سے احکام شرعیہ کا ترتب نہیں ہوتا۔ لفظ ھو کے گیارہ عدد ہونے سے یہ لازم نہیں آتا کہ ۱۱ تاریخ کو فاتحہ دینا جائز ہو جائے۔ یا کچھ برکت آجائے۔ اگر ایسا ہو تو اللہ تعالیٰ کے اسماءِ حسنیٰ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اسماء مبارکہ کے عدد بھی متبرک ہونے چاہئیں۔ اور ہر عدد کے مطابق دن تاریخ یا چیزوں کی تعداد معین ہونی چاہیئے۔ حالانکہ یہ صحیح نہیں۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہٗ دہلی۔

سوال

زید اپنے شیخ کا ان کے یوم وصال کے روز عرس کرتا ہے۔ لیکن قوالی یا قبر کو سجدہ اور کوئی ایسا امر

نہیں کرتا جو ممنوع ہے۔ کچھ قرآن شریف پڑھوا کر اور کسی قدر شیرینی وطعام ماحضر کو خالص اللہ کے لئے دینے کی نیت سے اپنے شیخ کو ایصالِ ثواب کرتا ہے اور پھر شیرینی کو تقسیم کر دیتا ہے۔ اور طعام ماحضر کو طالب علموں وغیرہ کو کھلا دیتا ہے۔ اور اسی طریق پر گیارھویں و بارھویں تاریخ حضور غوث پاک اور دو جہان کے آقا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے بھی ایصالِ ثواب ہر ماہ کرتا رہتا ہے۔ بکر زید کے اس فعل کو بدعت وگناہ بتلا کر مسلمانوں کو اس سے برگشتہ کرتا ہے اور کہتا ہے کہ دن مقرر کرنا بدعت ہے۔ اور اس طریق سے ایصالِ ثواب کرنے سے شیرینی وغیرہ بھی حرام ہو جاتی ہے۔ زید جواباً کہتا ہے کہ نہ میں تخصیص یوم کو واجب جانتا ہوں نہ میں غیر اللہ کے نام پر ان کی عبادت کی نیت سے شیرینی دیتا ہوں۔ میرا اس میں سے کوئی فعل بھی خراب نہیں۔ میرا طریقہ تو وہی ہے جو پچھلے بزرگوں کا رہا ہے۔ چنانچہ ابوالخیر صاحب، شاہ محمد عمر صاحب کرامت اللہ صاحب، شاہ محمد یعقوب صاحب، شاہ عبدالرشید صاحب رحمہم اللہ وغیرہم کو میں نے اپنی آنکھوں سے اس طریق کا کاربند دیکھا۔ پس سوال یہ ہے کہ زید کا یہ فعل بدعت ہے یا ناجائز ہے؟ اگر بدعت ہے تو اس کا اور جن بزرگوں کا وہ حوالہ دیتا ہے ان کا کیا حکم ہے؟ زید اگر کبھی امامت کرے تو ہم اس کے پیچھے نماز پڑھ سکتے ہیں یا نہیں اور اگر جائز ہے تو بکر کا منہ بند کرنے کے لئے ہمیں کیا طریقہ اختیار کرنا چاہیئے؟

(۲) زید سوم چہلم اور مولود شریف مع القیام بھی کرتا ہے۔ لیکن اس کے ساتھ ہی جو لوگ یہ فعل نہیں کرتے ان کو بھی برا نہیں کہتا۔ البتہ یہ ضرور کہتا ہے کہ میں ایسے لوگوں کو اچھا نہیں جانتا کہ جو ایسے افعال کو بدعت اور گناہ بتلا کر لاکھوں بزرگوں کو بدعتی جہنمی ٹھہراتے ہیں۔ جو علماء ان افعال پر کاربند رہے ہیں، وہ چونکہ ظاہری و باطنی دونوں علموں میں کامل تھے اس لئے ان میں کسی قسم کی برائی کا شبہ بھی نہیں کیا جا سکتا۔ بکر ان افعال کو بھی حرام بتلاتا ہے۔ لہذا سوال یہ ہے کہ زید حق پر ہے یا بکر؟

المستفتی نمبر ۱۷۲۳ حافظ اشرف علی صاحب پہاڑی دھیرج۔ دہلی ۲۵ جمادی الثانی ۱۳۵۶ھ م ۲ ستمبر ۱۹۳۷ء

(۲۱۷) **جواب**۔ ایصال ثواب جائز و مستحسن ہے۔ اس کو کوئی ناجائز اور بدعت نہیں کہتا۔ لیکن ایصال ثواب کے لئے شریعت مقدسہ نے تعیین تاریخ و یوم اور تخصیص اشیاء نہیں کی ہے۔ اس لئے مانعین کا مطلب یہ ہے کہ جس چیز کو خدا تعالیٰ اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے معین و مخصوص نہیں کیا اُسے ہم بھی معین و مخصوص نہ کریں۔ گیارھویں بارھویں سوم دہم چہلم وغیرہ لوگوں نے مقرر کر لیے ہیں۔ ورنہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور ائمہ مجتہدین رحمہم اللہ سے ان ایام کی تعیین و تخصیص

منقول اور مروی نہیں ہے۔ نہ ان بابرکت زمانوں میں یہ نام تھے۔ اور نہ ان زمانوں میں ایصال ثواب کا کوئی اہتمام کیا جاتا تھا۔ جن بزرگوں کے نام سوال میں ذکر کیے گئے ہیں۔ وہ بے شک بزرگ اور صلحاء امت میں سے ہیں۔ مگر اتباع واقتداء کے لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا اسوۂ حسنہ اور صحابہ کرام اور سلف صالحین کا طریقہ مسلوکہ اولی اور افضل ہے۔

ان بزرگوں کے اعمال کی ایسی تاویل کرنی لازم ہے کہ ان کا فعل سنت نبویہ علی صاحبہا السلام والتحیۃ کے خلاف قرار نہ پایا جائے۔ ایک صاحب ایمان کے لئے اللہ تعالیٰ کے احکام اور سنت نبویہ واسوۂ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اتباع میں کامل نجات ہے۔ پس ایصال ثواب کے لئے صحیح طریقہ یہ ہے کہ صدقات مالیہ کا ثواب پہنچانا ہو تو مال حلال میں سے جس وقت جو چیز میسر ہو اس کو خالصاً للہ کسی مستحق پر صدقہ کردیا جاوے۔ یا عبادات بدنیہ میں سے کسی چیز کا ثواب پہنچانا ہو مثلاً تلاوت قرآن مجید کا یا نفل نماز کا یا نفلی روزے کا تو اس کو جب موقعہ اور فراغت میسر ہو ادا کیا جائے۔

پس جو شخص کہ ایام کی تخصیص کو شرعی تخصیص نہ سمجھے اور ایام معینہ میں ہی ادا کرے تو اگرچہ اس نے اعتقادی طور پر التزام و تعیین نہیں کی۔ مگر اس کے عمل سے اُن بے علم لوگوں کو جو اس تخصیص و تعیین کو شرعی حکم اور لازمی اور ضروری سمجھتے ہیں، التباس پیش آئے گا اور وہ جواز کی حجت پکڑیں گے۔ اس لئے اُس کے حق میں بھی بہتر یہی ہے کہ ان ایام معینہ عرفیہ کو چھوڑ کر اور جس دن چاہے کرے۔ رہا وہ کھانا جو صدقہ کی نیت سے دیا جائے وہ حرام نہیں ہو جاتا اگرچہ ایام معینہ عرفیہ میں ہی دیا جائے۔ مگر یہ ضرور ہے کہ وہ فقراء ومساکین کا حق ہے، خواہ کھانا ہو یا شیرینی یا نقد یا جنس۔ بہرحال نفس ایصال ثواب بدعت نہیں ہے۔ بدعت ان قیود و تعیینات و تخصیصات کو کہا جاتا ہے جو غیر شرعی ہیں۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ۔ دہلی

سوال

(۱) شب برات کی نیاز اور گیارھویں کی نیازوں وغیرہ کا کیا مسئلہ ہے۔

(۲) کسی مزار پر ہاتھ اٹھا کر فاتحہ پڑھنا کیسا ہے۔ المستفتی نمبر ۱۲۷۴ محمد صدیق۔ چیتلی قبر۔ (دہلی)
۷ رجب ۱۳۵۵ھ م ۲۳ ستمبر ۱۹۳۶ء

(۲۱۸) **جواب**۔ (۱) شب برات یعنی شعبان کی پندرھویں رات ایک بابرکت رات ہے۔ اس میں عبادت کرنا اولی اور افضل ہے۔ مگر مروجہ نیاز اور اس کی مروجہ رسوم بے اصل اور بے ثبوت ہیں۔

(۲) مزار پر ہاتھ اٹھا کر فاتحہ پڑھنا مباح ہے۔ مگر بہتر یہ ہے کہ یا تو مزار کی طرف منہ کر کے بغیر ہاتھ اٹھائے فاتحہ پڑھے یا قبلہ رخ کھڑے ہو کر ہاتھ اٹھا کر فاتحہ پڑھے۔ فاتحہ سے مراد یہ ہے کہ ایصال ثواب کی غرض سے کچھ قرآن مجید پڑھ کر اس کا ثواب بخش دے۔ اور میت کے لئے دعائے مغفرت کرے۔ صاحب قبر سے مرادیں مانگنا۔ حاجتیں طلب کرنا یا ان کی منتیں ماننا یہ سب ناجائز ہیں۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ۔ دہلی

سوال

زید نے عمر سے پوچھا کہ آیا تم گیارھویں بارھویں کرتے ہو۔ عمر نے طنزاً کہا کہ ہم سب کچھ کرتے ہیں۔ تم کیا کہتے ہو۔ یہ سن کر زید نے کہا کہ تم حرام کھاتے ہو۔ اس پر عمر نے کہا کہ زبان سنبھالو۔ پہلے تم عمل کرو۔ بعد ازاں دوسروں کو نصیحت کرو۔ خود تمہارا گوشت و خون انھیں کھانوں یعنی گیارھویں بارھویں تیجہ دسواں بیسواں چہلم برسی وغیرہ کے ناجائز کھانوں سے پلا اور پل رہا ہے۔ تم ان ناجائز کھانوں سے پرہیز کرنے والوں پر لعن طعن کرتے ہو چہ خوش! جواب دیا کہ ہم توبہ کر چکے، اب نہیں کھاتے۔ باوجود اتنا کہنے کے دو چار ہی دن میں خود زید مذکور نے ایک ہی روز میں دو جگہ ظہر اور عصر کے درمیان چہلم کی دعوت میں بڑے ملاں بن کر خود فاتحہ خوانی کر کے اس چہلم کے بدعتی کھانے سے پیٹ بھرا اور ڈکارتا ہوا نکلا۔ پھر دوسرے اہل سنت پر بے جا اعتراض کرتا ہے۔

المستفتی نمبر ۱۹۳۶ حاجی غلام محمد صاحب شوکت۔ مطبع شوکت الاسلام (بنگلور) ۲۰ شعبان ۱۳۵۶ھ م ۲۶ اکتوبر ۱۹۳۷ء

(۲۱۹) **جواب** ۔ تیجہ دسواں چالیسواں بطور رسم کے کرنا بدعت ہے کیونکہ شریعت نے ایصالِ ثواب اور صدقہ و خیرات کے لئے کسی تاریخ کسی دن اور کسی زمانے اور کسی کھانے اور کسی چیز کی تخصیص نہیں کی ہے لیکن کھانا جو بغرضِ صدقہ و بہ نیتِ ایصالِ ثواب پکایا اور کھلایا جائے وہ کھانا ناجائز و حرام نہیں ہے۔ البتہ پیشواؤں کو ایسے اجتماعات میں شرکت سے احتراز کرنا چاہیئے۔ تاکہ اُن کی شرکت کو ان اجتماعات کے جواز کے لئے بطور دلیل کے پیش نہ کیا جاسکے۔ اور چونکہ یہ کھانا صدقہ کا حکم رکھتا ہے اس لئے صاحب نصاب کے لئے اُس کا اپنے استعمال میں لانا، اصل مقصد کو باطل کر دیتا ہے۔ اور جو شخص کہ دوسروں کو منع کرے اور خود شریک ہو اور فاتحہ خوانی کرے وہ اتامرون الناس الخ کے ماتحت امر بالمعروف و نہی عن المنکر کے باوجود بے عملی کا مجرم ہے۔ محمد کفایت اللہ

سوال

(۱) زید کہتا ہے کہ اس صورت سے فاتحہ یعنی ایصالِ ثواب کرنا چاہیئے کہ کسی مقررہ دن میں آگے کھانا رکھے اور الحمد اور چار دں قل اور درود شریف پڑھنے کے بعد یہ کہہ کر بخشے کہ ان الحمد اور قل اور درود شریف

کا ثواب بوزر خدا بطفیل پیغمبر فلاں روح پاک کو پہنچے۔
(۲) اور زید کہتا ہے کہ میلاد میں قیام کرنا واجب ہے اور اس کا تارک فاسق اور وہابی ہے۔
(۳) اور زید کہتا ہے کہ شب برات شب قدر ہے اور اس میں عبادت کرنا ایک ثواب عظیم ہے۔ اور اسی رات کو اللہ تعالیٰ آخری آسمان سے ندا دیتا ہے کہ کوئی ہے مریض جو مجھ سے شفائے امراض طلب کرے، اور کوئی ہے بے روزگار جو روزی طلب کرے۔ غرض اسی قسم سے اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو ندا دیتا ہے۔ اور اسی شب میں موت وحیات کے قصے طے ہوتے ہیں۔ اور بکر کہتا ہے کہ بلا تعیین دن و بلا تعیین طعام اور بلا اس لمبی چوڑی عبادت کے اللہ کے واسطے میت کی طرف سے کسی غریب مسلمان کو کھانا کھلانا چاہیئے، اور کپڑے دینا چاہیئے وغیرہ۔ (۴) اور بکر کہتا ہے کہ قیام میلاد شرک ہے۔ جیسا کہ تمہارا خیال ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لاتے ہیں۔ (۵) اور بکر کہتا ہے کہ اس رات کا شب قدر ہونا یا خدا تعالےٰ کا آخری آسمان سے ندا دینا یہ باتیں ضعیف حدیث سے ثابت ہیں۔ اور اس رات کو اور راتوں کے برابر سمجھو۔ اس کو اہمیت مت دو۔ المستفتی نمبر ۲۰۳۲ صوفی قمر الدین صاحب بہاری (آگرہ) ۱۲ رمضان ۵۶ھ م ۱۷ نومبر ۱۹۳۷ء

(۲۲۰) **جواب** - (۱) ایصال ثواب جائز ہے۔ اس کا شرعی طریقہ یہ ہے کہ کچھ مال نقد، کھانا، کپڑا یا کوئی اور سامان خالصاً للہ صدقہ کرکے اللہ تعالیٰ سے دعا کی جائے کہ اس کا ثواب فلاں شخص کی روح کو پہنچا دیا جائے۔ اسی طرح عبادات بدنیہ کا ثواب بھی پہنچایا جا سکتا ہے کہ نفل نماز پڑھ کر یا نفلی روزہ رکھ کر یا تلاوت قرآن مجید کرکے یا درود شریف پڑھ کر اس کا ثواب بخش دیا جائے۔ ایصال ثواب کیلئے کسی خاص دن یا تاریخ یا کسی خاص چیز یا خاص ہیئت یا مخصوص سورتوں کا التزام کرلینا بے ثبوت ہے۔
(۲) میلاد میں قیام کرنا یعنی ذکر ولادت کے وقت کھڑا ہو جانا بے ثبوت ہے۔ شریعت میں اس کی اصل نہیں۔ اس کو واجب بتلانے والا خاطی ہے۔ اور اس کے تارک کو فاسق یا وہابی کہنا بڑا گناہ ہے۔
(۳) شعبان کی پندرھویں شب ایک افضل رات ہے اس میں آسمان دنیا پر رحمت خداوندی سے گناہگاروں کی معافی کا اعلان ہوتا ہے۔ اور عبادت کرنے والوں کو ثواب زیادہ ملتا ہے۔ اس کی فضیلت کی روایت قابل عمل ہے۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہٗ۔ دہلی۔

سوال

کھانا سامنے رکھ کر فاتحہ وپنج آیت پڑھنا کیسا ہے۔ ہمارے موضع میں دستور ہے کہ پہلے فاتحہ امام مسجد

دلوا کر آدھا کھانا تقسیم کر دیا جاتا ہے۔ آدھا دریا یا ندی میں لے جاکر ڈال دیا جاتا ہے۔ یہ کیسا ہے؟ اس کو بھید یا اسرار تصور کرنا کیسا ہے۔ شرک تو نہیں ہے؟ المستفتی ۲۳۲۵ حافظ محمد صدیق صاحب (سہارنپور)

۱۹ ربیع الثانی ۱۳۵۷ھ م ۱۹ جون ۱۹۳۸ء

(۲۲۱) **جواب** ۔ کھانا سامنے رکھ کر فاتحہ دینے کی رسم بے اصل ہے۔ کھانا اللہ کے واسطے کسی مسکین کو دیدیا جائے۔ بس یہی کافی ہے۔ اور جو کچھ پڑھ کر ثواب پہنچانا ہے وہ بغیر کھانا سامنے رکھے ہوئے پڑھ کر ثواب پہنچا دیا جائے۔ آدھا کھانا دریا یا ندی میں ڈالنا ناجائز ہے۔ اور اس کو اسرار سمجھنا غلط ہے۔

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ۔ دہلی۔

سوال

(۱) شب برات کے موقعہ پر نیاز فاتحہ جیسا کہ عموماً رائج ہے کیا ہے۔ فاتحہ کرنے کا کیا طریقہ ہے یا کیونکر ہونا چاہیئے۔ (۲) میلاد شریف میں وقت ذکرِ ولادتِ شریف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم قیام کرنا کیسا ہے۔ آیا درست ہے یا نادرست ہے۔ المستفتی نمبر ۲۴۰۴ نبی یار خاں (فیض آباد) ۳ رجب ۱۳۵۷ھ م ۳۰ اگست ۱۹۳۸ء

(۲۲۲) **جواب** ۔ (۱) شبِ برات کے موقعہ پر نیاز فاتحہ جو عموماً رائج ہے کر حلوا پکا کر اس پر نیاز فاتحہ ضروری سمجھتے ہیں یہ بے اصل ہے۔ شریعتِ مقدسہ میں اس کی کوئی اصل اور سند نہیں ہے۔

(۲) میلاد میں ذکرِ ولادت کے وقت قیام کرنے کی کوئی سند نہیں۔ اس لئے یہ قیام ترک کرنا چاہیئے۔

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ۔ دہلی۔

سوال

اس قصبے میں ایک شخص سال بھر میں چند مرتبہ حسبِ اتفاق اپنے شیخ کی روح کو ایصالِ ثواب کھانا کھلا کر قرآن شریف و کلمہ طیبہ پڑھوا کر کرتا ہے۔ تعینِ تاریخ و ماہ نہ عقیدۃً ضروری سمجھتا ہے اور نہ عمل ہی میں اس نے تاریخ و ماہ کا التزام کیا ہے۔ بلکہ جب اس کو استطاعت و توفیق ہوتی ہے نمازی و نیک لوگوں کو بلا کر خواندہ حضرات سے قرآن شریف اور ناخواندہ لوگوں سے کلمہ طیبہ پڑھواتا ہے۔ اس کا یہ عمل دس سال سے ہے اور چند سال تک ایصالِ ثواب میں کھانا کھلاتا رہا۔ حاضرین میں اہلِ علم و ذاکر ہونے کی وجہ سے اس مجلس میں علمی مذاکرہ و علماء و صلحاءِ امت کے احوال، اللہ کی یاد تازہ کرنے والی حکایات ہوتی تھیں۔ اس فرصتِ احباب سے فائدہ اٹھانے کی غرض سے خیال کیا گیا کہ اگر اس موقعہ پر کچھ قرآن اور کلمہ خوانی ہو جایا کرے تو ہم خرما و ہم ثواب کا مضمون ہو

چنانچہ چند سال بعد تلاوت وکلمہ خوانی کا سلسلہ بھی شروع ہوگیا۔ پنج آیت یا دیگر کسی مخصوص سورت کی تلاوت یا کھانے پر ایصالِ مروجہ یہاں مطلقاً نہیں اور نہ شخص مذکور ان چیزوں کو جائز سمجھتا ہے۔ وہ نہایت راسخ العقیدہ متبع سنت بزرگانِ امت کی صحبت سے فیض یافتہ ہے۔ اس کے شیخ نہایت عابد و زاہد حامیٔ سنت ماحیٔ بدعت اور مقبولِ خلائق ولی تھے۔ موافق ومخالف ان کے تقدس کے قائل ہیں۔ ان اطراف میں ان کے مریدین ومعتقدین کی کافی تعداد ہے۔ مدعوئین اپنے شیخ کے ایصالِ ثواب کو باعثِ خیر و برکت سمجھتے ہوئے شریک ہوتے ہیں۔ یہ طعام قرآن خوانی کی اجرت میں یا قرآن خوانی طعام کے لالچ میں نہیں ہے۔ یہ بات اول تو ابتدائے معمول پر نظر کرنے سے معلوم ہو جاتی ہے۔ کیونکہ شروع میں صرف طعام سے ایصال ہوتا تھا۔ فرصتِ احباب کو غنیمت سمجھتے ہوئے قرآن خوانی جاری کی گئی۔ ثانیاً مجلس کے طرز و ہیئت سے معلوم ہوتا ہے کہ اس قرآن خوانی میں اجرت کا شائبہ نہیں ہے۔ حاضرین میں ایسے متورع اور مقدس لوگ ہوتے ہیں جو اس سے بالا ہیں کہ اجرت پر کہیں قرآن خوانی کرنے جائیں۔ انھیں حاضرین میں شیخ کے مرید باہر سے خرچ کرکے اس ایصال میں شرکت کے لئے آتے ہیں۔ اجرت کے شائبہ کی نسبت بھی ان کی طرف بعید ہے۔ ان کا صرف شدہ خرچ اس حاصل شدہ اجرت یعنی طعام سے یقیناً زیادہ ہوتا ہے۔ پھر ان پڑھنے والو میں کتنے ہی آدمی طعام میں شریک نہیں ہوتے اور کتنے ہی کھانے والے ایسے ہوتے ہیں جن کو پڑھنے کا اتفاق نہیں ہوتا۔ اس جز کو خاص طور پر اس لئے صاف لیا گیا کہ جناب والا کا ایک فتویٰ یہاں پیش کیا جا رہا ہے جس میں کہ تلاوت کی اجرت میں طعام ہونے کے شائبہ پر اس کو ناجائز تحریر فرمایا ہے۔

فی زمانہ درس قرآن درس حدیث وفقہ امامت وافتاء وغیرہ کتنی چیزیں ہیں جن میں کہ اجرت کا شائبہ نہیں بلکہ تیقن ہے۔ اور جو مجبوری واضطرار کی حد سے متجاوز بھی اجرت پر کرائی جاتی ہیں۔ اس صورت میں کھلانے اور کھانے والوں کی نیت کا علم ہوئے بغیر محض شبہہ میں حرمت کا حکم بعید معلوم ہوتا ہے۔ جو استفتا یہاں سے بھیجا گیا تھا اور جس پر آپ نے اجرت کا شائبہ ہونے کی وجہ سے ناجائز ہونے کا حکم تحریر فرمایا تھا، اس میں واقعات کو اصلی حالت میں نہیں دکھلایا گیا۔ عریضۂ ہذا میں حالات کو صحیح طور پر دکھایا گیا ہے بہرحال مذکورۂ بالا صورت میں جو حکم کہ جناب والا کی رائے عالی میں ہو تحریر فرمائیں۔ بنظر سہولت آپ کے اس فتویٰ مذکور کی (جو اتفاق سے مجھ تک پہنچ گیا ہے) نقل بھیجتا ہوں۔ اور ایک نقل حضرت مرجع عالم مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کے فتویٰ کی بھیجتا ہوں جس میں حضرت رحمہ اللہ نے شائبہ اجرت لگائے بغیر جواز و عدم جواز کی صورتیں

صاف طور سے تحریر فرمائی ہیں۔

نقل فتویٰ حضرت علامہ مفتی محمد کفایت اللہ صاحب

(سوال) ایک صوفی شرع صاحب حال اپنے پیشوایانِ شریعت وطریقت کو دوسرے تیسرے ماہ ثواب رسانی کی غرض سے کلام مجید و فرقان حمید اور کلمہ طیبہ سوا لاکھ مرتبہ کا وظیفہ کراتا ہے اور قرآن خوانی اور کلمہ طیبہ پڑھنے والوں کو کھانا لوجہ اللہ تعالیٰ کھلاتا ہے لیکن ان امور کو واجب اور فرض بھی نہیں سمجھتا محض فعلِ مشائخ خیال کرتا ہے۔ دوسرے لوگ مکروہ بدعت اور ناجائز کہتے ہیں۔ اور یہ کہتے ہیں کہ یہ فعل مشائخ نے کبھی نہیں کیا۔ لہٰذا یہ جائز ہے یا مکروہ یا بدعت؟ بینوا توجروا ۱۵ / اپریل ۳۹ء

(۲۲۳) **جواب** ۔ قرآن پڑھنے والوں کو اور کلمہ طیبہ پڑھنے والوں کو کھانا کھلانا اجرت کا شائبہ رکھتا ہے۔ اس لئے ایسا کرنا جائز نہیں کیونکہ تلاوت اور کلمہ خوانی کی اجرت لینا دینا جائز نہیں۔

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ۔ دہلی

نقل فتویٰ حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ از فتاویٰ رشیدیہ

سوال اٹھارواں ۔ ہر سال اپنے پیر یا استاد کی برسی کرے۔ یعنی جب سال بھر مرے ہوئے ہو جائے تو ایک دن مقرر کرکے اس روز کا نام عرس شریف رکھتے ہیں اور اس دن کھانا پکا کر تقسیم کراوے۔ مساکین کو اور ختم کرے پنج آیت قرآنی کا تو یہ صوفیائے کرام کے یہاں اور ہماری شریعت میں کیا حکم ہے۔ جائز ہے یا ناجائز؟

جواب ۔ کھانا تاریخ معین پر کھلانا کہ پس وپیش نہ ہو بدعت ہے اگرچہ ثواب پہنچے گا۔ اور طریقہ معینہ عرس کا طریقہ سنت کے خلاف ہے۔ لہٰذا بدعت ہے۔ اور بلا تعیین کر دینا درست۔ فقط انتہیٰ بلفظہ فتاویٰ رشیدیہ ص۳ مطبوعہ شمس المطابع۔ مراد آباد۔ جلد اول

المستفتی ۲۴۸۹ عبداللہ خاں صاحب (بجنور) ۹ ربیع الاول ۱۳۵۸ھ م ۳۰ / اپریل ۱۹۳۹ء

(۲۲۴) **جواب** ۔ حضرت اقدس محدث گنگوہی نور اللہ مرقدہ کے سامنے جو سوال پیش کیا گیا تھا، اس میں تعیین یوم کا ذکر تھا اور قرآن خوانی یا کلمہ خوانی کا مطلقاً ذکر نہ تھا۔ صرف ایک معین تاریخ پر بغرضِ ایصالِ ثواب کھانا کھلانے کے متعلق سوال تھا۔ حضرت اقدس کا جواب بالکل صحیح ہے کہ کھانا کھلانا بتعیینِ تاریخ بدعت ہے۔ بغیر تعیینِ تاریخ (اور بغیر قرآن خوانی وکلمہ خوانی) ہو تو درست ہے۔ میرے سامنے جو سوال آیا اس میں تعیین یوم و تاریخ کا ذکر نہ تھا۔ یہ پوچھا گیا تھا کہ یہ قرآن مجید اور کلمہ پڑھوا کر پڑھنے والوں کو کھانا کھلایا جاتا ہے اس میں

اجرت کا شائبہ ہونا ظاہر ہے۔ اس لئے میں نے اپنے جواب میں اس کی تصریح کر دی اور اب مزید تفصیل مندرجہ سوال سے اتنا اور معلوم ہوا کہ اس مجلس کا اس قدر اہتمام کیا جاتا ہے کہ دور دور سے لوگ کرایہ خرچ کرکے آتے ہیں اور شریک مجلس ہوتے ہیں۔ یہ وجہ بھی اس مجلس کی کراہت اور بدعت کے لئے کافی ہے۔ کیونکہ ایصال ثواب کی مجلس کا یہ اہتمام قرون ثلثہ میں نہ تھا اور نہ اس کی کوئی اصل ہے۔ جو لوگ سفر کرکے آتے ہیں وہ بغیر سفر کیا اور بغیر خرچ کیے اپنے گھروں پر قرآن مجید اور کلمہ پڑھ کر ایصال ثواب کر سکتے ہیں۔ اور یہ کھانا اگر ایصال ثواب اور صدقہ کی نیت سے کھلایا جاتا ہے تو کیا اس میں کوئی مالک نصاب شریک نہیں ہوتا صرف فقراء و مساکین ہی کھاتے ہیں۔ اگر ایسا نہیں ہے تو ایصال ثواب کے پردہ میں ایک جدید رسم کی ایجاد ہے۔
ولا نجاۃ الا فی اتباع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم و اصحابہ

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ۔ دہلی

سوال

متعلہ چہلم وغیرہ

(۲۲۵) **جواب**۔ چہلم اور مروجہ دودھ پر یا کھانے پر فاتحہ دلانا بے اصل بدعت ہے۔

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ دہلی

سوال

قبور بزرگان دین پر غلاف بہ آرائش چڑھانا اور ایک دن مقرر کرکے سال بہ سال میلہ کرنا یا سوا خدا کے دلی مراد ان سے طلب کرنا جائز ہے یا نہیں۔

(۲۲۶) **جواب**۔ بزرگان دین کی قبروں پر غلاف چڑھانا اور میلے کرنا یا ان سے اپنی مرادیں مانگنا ناجائز ہے۔ جو لوگ یہ کام کرتے ہیں وہ سخت گناہگار ہوتے ہیں۔ خدا تعالی کے سوا کسی میں مراد پوری کرنے کی طاقت نہیں ہے۔ اور اس کے سوا کسی دوسرے کو حاجت روا سمجھنا شرک ہے۔

محمد کفایت اللہ غفرلہ۔ مدرس مدرسہ امینیہ دہلی

الجواب صحیح

احقر مظہر الدین غفرلہ

فصل دہم۔ مسئلہ سجدۂ تعظیمی

سوال

(۱) سجدۂ تعظیمی کا حکم کیا ہے؟ (۲) کسی بزرگ کے ہاتھ کو بوسہ دینا اور گھٹنے کو ہاتھ لگانا کیسا ہے جب کہ اس کے لئے جھکنا بھی پڑتا ہے (۳) علی بخش، رسول بخش، پیر بخش نام رکھنے اور یا رسول اللہ کہنا جائز ہے یا نہیں۔ المستفتی نمبر ۱۵۱ ظفر علی قریشی صاحب (امرتسر) ۱۰ ربیع الثانی ۱۳۵۶ھ م ۲۰ جون ۱۹۳۷ء

(۲۲۷) **جواب**۔ (۱) سجدۂ تعظیمی غیر اللہ کو حرام ہے۔ اور بہ نیت عبادت ہو تو کفر ہے۔ (۲) کسی بزرگ کے ہاتھ کو بوسہ دینا جائز ہے اور اس کے گھٹنے کو ہاتھ لگانا مباح ہے۔ ان دونوں صورتوں میں جو جھکنا پڑتا ہے، وہ بضرورت ہوتا ہے۔ اس جھکنے سے تعظیم مقصود نہیں ہوتی۔ ہاں قصداً تعظیم کی غرض سے جھکنا کہ رکوع کی حد تک پہنچ جائے حرام ہے۔ (۳) علی بخش، پیر بخش، رسول بخش نام رکھنا اچھا نہیں ہے کہ اس میں شرک کا شائبہ اور ایہام ہے۔ اسی طرح صلوۃ و سلام کے علاوہ یا رسول اللہ کہنا اور یہ سمجھنا کہ فرشتے حضور کو صلوۃ و سلام پہنچا دیتے ہیں، جائز ہے۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ۔ دہلی۔

سوال

(از اخبار الجمعیۃ دہلی۔ مورخہ ۲۹ ستمبر ۱۹۲۵ء)

زید کہتا ہے کہ قبر کو سجدۂ تعظیمی کرنا حرام ہے اور سجدۂ عبادت کفر ہے۔ مگر سجدۂ تعظیمی سے کفر لازم نہیں۔ یعنی سجدۂ تعظیمی کے کرنے والے کو کافر نہیں کہنا چاہیئے۔ البتہ مرتکب فعل حرام کا ہے۔

(۲۲۸) **جواب**۔ زید کا یہ کہنا کہ "قبر کو سجدۂ تعظیمی کرنا حرام اور سجدۂ عبادت کرنا کفر ہے" صحیح نہیں ہے۔ کیونکہ تعظیم کے ارادے سے سجدہ کرنا اور عبادت کی نیت سے سجدہ کرنا ایک ہی معنی رکھتا ہے۔ اور عوام ان دونوں باتوں میں کوئی صحیح فرق نہیں کر سکتے۔ نہ سمجھ سکتے ہیں۔ اس قائل کو بھی دھوکا لگا ہے۔ شاید یہ سجدۂ تحیۃ کو سجدۂ تعظیمی کے لفظ سے تعبیر کر رہا ہے۔ سجدۂ تحیۃ البتہ باعتبار اپنے مفہوم کے سجدۂ عبادت سے جداگانہ شے ہے۔ لیکن عوام کے مناسب حال یہی ہے کہ ان کو مطلقاً سجدہ لغیر اللہ کا شرک ہونا سمجھایا جائے۔ تاکہ احتراز کامل کی اُن سے امید ہو۔ باقی رہا کسی سجدۂ تحیۃ کے کرنے والے پر شرک کا حکم لگانا تو اس میں احتیاط کرنا مفتی کا کام ہے۔ والتواضع لغیر اللہ حرام کذا فی الملتقط (ہندیۃ ص ۳۶۸ ج ۵) وان سجد للسلطان بنیۃ العبادۃ

او لم تحضرہ النیۃ نقل کفر کذا فی جواہر الاخلاطی (ہندیہ ج۵ ص۳۶۸) وکذا ما یفعلونہ من تقبیل الارض بین یدی العلماء والعظماء فحرام والفاعل والراضی بہ آثمان لانہ یشبہ عبادۃ الوثن وھل یکفر ان علی وجہ العبادۃ والتعظیم کفر وان علی وجہ التحیۃ لا وصار آثما مرتکبا للکبیرۃ و فی الملتقط التواضع لغیر اللہ حرام (درمختار ج۵ ص۲۶۸)

محمد کفایت اللہ غفرلہ ۔ مدرسہ امینیہ دہلی

سوال

(از اخبار الجمعیۃ دہلی ۔ مورخہ ۱۸ مارچ ۱۹۲۶ء)

مرشد کو اور ماں باپ کو سجدہ تعظیمی کرنا کیسا ہے ؟

(۲۲۹) **جواب** ۔ سجدۂ تعظیمی اور سجدۂ عبادت ایک چیز ہے ۔ اور سجدۂ تحیۃ دوسرا ہے ۔ سجدہ تعظیم اور سجدۂ عبادت غیر اللہ کے لئے موجب کفر ہے ۔ کیونکہ غیر اللہ کی تعظیم سجدہ کے ساتھ کرنا اور اس کی عبادت سجدہ کے ساتھ کرنا دونوں کا مفاد ایک ہے ۔ ہاں سجدۂ تحیۃ میں مقصد جداگانہ ہوتا ہے ۔ تحیت کے معنی یہ ہیں کہ اپنے ملنے والے کو ملاقات کے وقت کوئی ایسا لفظ کہنا یا ایسا کام کرنا جو تہذیب ملاقات اور ملنے والے کی خوشنودی کا باعث ہو تحیۃ کہلاتا ہے ۔ تحیۃ کے لئے ضروری نہیں کہ ملنے والا بڑا ہو بلکہ برابر درجے والے اور چھوٹے بڑے سب تحیۃ کے مستحق ہوتے ہیں ۔ اور تحیۃ کا معاملہ سب کے ساتھ کیا جاتا ہے ۔ حضرت یعقوب علیہ السلام اور ان کے صاحبزادوں کا سجدہ حضرت یوسف علیہ السلام کے لئے سجدۂ تعظیم نہ تھا بلکہ سجدۂ تحیۃ تھا ۔ کیونکہ اس زمانے میں ملاقات کے وقت تحیۃ کا یہ طریقہ رائج اور شریعت حاضرہ میں جائز تھا ۔ قرآن پاک میں ملائکہ کا سجدہ حضرت آدم علیہ السلام کو بھی تحیۃً تھا ۔ یہ دونوں سجدے (فرشتوں کا حضرت آدم علیہ السلام کو سجدہ ۔ اور حضرت یعقوب علیہ السلام اور بھائیوں یا صرف بھائیوں کا سجدہ حضرت یوسف علیہ السلام کو) سجدۂ تحیۃ تھے ۔ اور جائز تھے ۔ حضرت حق تعالیٰ نے نقل فرمائے ہیں ۔ اور شرائع سابقہ کے احکام جو قرآن پاک یا حدیث میں نقل کیے جائیں شریعت محمدیہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام میں اس وقت حجت اور قابل عمل ہوتے ہیں جب شریعت محمدیہ میں ان کے خلاف احکام موجود نہ ہوں ۔ اگر شریعت محمدیہ میں ان کے خلاف احکام موجود ہوں تو شرائع ماقبل کے احکام حجت نہیں ہوتے ۔

اب شریعت محمدیہ کا حکم یہ ہے کہ سجدۂ تعظیمی یعنی سجدۂ عبادت غیر اللہ کے لئے اتفاقاً کفر ہے ۔ اور سجدۂ تحیۃ

غیراللہ کے لئے حرام ہے۔ اور اس کے جواز کی کوئی دلیل نہیں۔ جو لوگ کہ قرآن مجید میں ذکر کیے ہوئے سجدوں سے شریعت محمدیہ میں سجدۂ تحیت کے جواز پر استدلال کرتے ہیں وہ قانون استدلال و احتجاج سے ناواقف ہیں۔

محمد کفایت اللہ غفرلہ

نواں باب
بدعات اور اقسام شرک

سوال

بدعتیوں کے یہاں کھانا جائز ہے یا نہیں اور ان کے پیچھے نماز درست ہے یا نہیں ؟

المستفتی ۲۰۷ عبدالستار (گیا)

(۲۳۰) **جواب**۔ اہل بدعت سے خلا ملا رکھنا اچھا نہیں۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہٗ

سوال

تعزیہ داری کرنے والا شخص جو شیعوں کی طرح تعزیہ داری کرتا ہے اور تعزیہ کی مجالس منعقد کرتا ہے اس میں میر انیس و دبیر و دیگر شعرائے کذاب کی غزلیں و نوحے گاتا اور سنتا ہے۔ علم چڑھاتا ہے۔ منت مانتا ہے۔ اور منت تعزیہ کی رکھتا ہے، مسلمان کہلا سکتا ہے یا مشرک ہے۔ اس کی امامت جائز ہے یا نہیں (۲) مولود شریف جائز ہے یا نہیں؟ اگر جائز ہے تو اس کا طریقہ کیا ہے؟ قیام کرنا کیسا ہے؟

المستفتی ۲۴۴ نذیر احمد۔ ضلع بلیا۔ ۱۲ رجمادی الاولی ۱۳۵۲ھ مطابق ۴ ستمبر ۱۹۳۳ء

(۲۳۱) **جواب**۔ (۱) ایسا شخص گناہگار ہے۔ مشرک ہونے کا بھی خوف ہے۔ اس کی امامت بھی مکروہ ہے (۲) حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے حالات مبارکہ بیان کرنا تو نہ صرف جائز بلکہ مستحسن ہے۔ مگر موجودہ مجالس میلاد بہت سے امور منکرہ پر شامل ہونے کی وجہ سے غیر شرعی ہیں۔ قیام جو مخصوص ذکر ولادت کے موقع پر کیا جاتا ہے، بے اصل ہے۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہٗ

سوال

زید کہتا ہے کہ شربت پلانا۔ کھچڑہ پکانا۔ نیا کپڑا پہننا۔ آنکھوں میں سرمہ لگانا یہ سب سنت ہے۔ کھچڑہ اس وجہ سے سنت ہوا کہ حضرت نوح علیہ السلام کی کشتی جودی پہاڑ پر جا لگی۔ جب کشتی سے اترے تو کھچڑہ پکایا یہی

دن عشرۂ محرم کا تھا۔ بکر کہتا ہے کہ شربت پلانا، کھچڑا پکانا نیا کپڑا پہننا آنکھوں میں سرمہ لگانا نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کے متعلق کوئی صحیح حدیث مروی نہیں۔ یہ سب افترا ہے۔

المستفتی نمبر ۳۴۹ سید حاکم علی شاہ (میرٹھ) ۱۱ ربیع الاول ۱۳۵۳ھ مطابق ۲۴ جون ۱۹۳۴ء

(۲۳۲) **جواب**۔ کھچڑا پکانے کی کوئی سند نہیں۔ یہ بالکل بے اصل ہے۔ البتہ عاشورا کے دن روزہ رکھنا اور اپنے اہل و عیال پر رزق یعنی کھانے پینے کی اس روز فراخی کرنا مسنون ہے۔ البتہ سرمہ لگانے کی روایت ضعیف ہے۔ بعضوں نے اسے موضوع بھی کہا ہے۔ نیا کپڑا پہننے کی کوئی روایت نہیں۔ اور جو کام کہ روافض کرتے ہیں، اُن میں اُن کی مشابہت اہلِ سنت کو نہ کرنی چاہیئے۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ

سوال

محرم کے شروع عشرہ میں یعنی چاندرات سے دسویں تاریخ تک شربت کھانا یا کپڑا یا اور کوئی چیز پر فاتحہ امام حسین علیہ السلام کی دے کر کسی کو دینا یا اسی ارادہ سے سبیل کرنا کیسا ہے۔ اور اس طرح حضرت امام حسین علیہ السلام کو ثواب پہنچتا ہے یا نہیں۔ المستفتی نمبر ۳۶۵ امیر بخش صاحب گڈھ مکتیسر ۱۹ ربیع الاول ۱۳۵۳ھ مطابق ۲ جولائی ۱۹۳۴ء

(۲۳۳) **جواب**۔ ایصالِ ثواب کے جواز میں کوئی کلام نہیں۔ اور حنفیہ کے نزدیک عبادات بدنیہ و مالیہ دونوں کا ثواب پہنچتا ہے۔ لیکن ایصالِ ثواب کے لئے کسی تاریخ یا کسی شے کی تخصیص جو قرونِ ثلثہ مشہود لہا بالخیر یا ائمہ و مشائخ مذہب رحمہم اللہ سے منقول نہ ہو نہ کرنی چاہئے۔ حضرات حسنین رضی اللہ عنہما کو ثواب پہنچانے کے لئے محرم کے عشرۂ اولیٰ کو مخصوص کرنے کی کوئی وجہ نہیں۔ اسی طرح شربت یا کھچڑا یا فرنی وغیرہ کی تخصیص بھی غیر موجّہ ہے۔ بلکہ تمام سال میں جس وقت بھی کوئی صدقہ خیرات کر کے یا کوئی بدنی عبادت کر کے حضرات امامین رضی اللہ عنہما کو ثواب پہنچایا جائے، بہتر اور اوفق بالشریعۃ ہوگا۔ عوام مسلمین نے اعتقاداً یا عملاً والتزاماً چونکہ محرم کے عشرۂ اولیٰ کو اس کام کے لئے مخصوص اور موجبِ زیادتِ ثواب سمجھ رکھا ہے۔ اور اسی طرح مخصوص چیزوں کو (مثلاً شربت کی سبیل لگانے یا شربت پلانے یا کھچڑا یا فرنی پکانے کو) ہی حضراتِ امامین کے ایصالِ ثواب کے لئے لازم سمجھتے ہیں اس لئے حضراتِ علمائے کرام اور متبعین ائمہ کرام اور طالبین اتباعِ سنت پیغمبر علیہ الصلوۃ والسلام کا وظیفہ علمیہ یہی ہے کہ ان تخصیصات غیر ثابتہ و غیر متوارثہ کے ترک کرانے کا اہتمام کریں واللہ ہو الموفق۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ

سوال

کیا بدعت کی دو قسمیں ہیں؟ حسنہ اور سیئہ۔ المستفتی نمبر ۳۱ مولوی محمد انور (ضلع جالندھر)
۱۳ محرم ۱۳۵۵ھ مطابق ۶ اپریل ۱۹۳۶ء

(۲۳۴) **جواب**۔ شرعی بدعت تو ہمیشہ سیئہ ہوتی ہے۔ لغوی بدعت حسنہ ہو سکتی ہے۔
محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ

سوال

کیا "آستانہ سرورِ عالم" کے نام سے کوئی عمارت تعمیر کی جا سکتی ہے۔ اور اس کی تعظیم و احترام کی نسبت شرعاً کیا حکم ہے؟ المستفتی نمبر ۶۰ سلطان احمد خاں (برار) ۲۳ محرم ۱۳۵۵ھ
۱۶ اپریل ۱۹۳۶ء

(۲۳۵) **جواب**۔ "آستانہ سرورِ عالم" کے نام سے کوئی عمارت بنانا بدعت، گمراہی اور فتنۂ عظیم ہے۔ ایسی عمارت ہرگز نہ بنائی جائے۔ اور نہ اس کی کوئی عزت اور حرمت تسلیم کی جائے۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ

سوال

آخری چار شنبہ جو صفر کے مہینے میں ہوتا ہے، اس کا کرنا شریعت میں جائز ہے یا نہیں۔ کھانے پر فاتحہ دلانا جائز ہے یا نہیں؟ المستفتی نمبر ۹۵۱ عبدالرزاق (اوجین) ۴ ربیع الاول ۱۳۵۵ھ ۲۶ مئی ۱۹۳۶ء

(۲۳۶) **جواب**۔ آخری چار شنبہ کے متعلق جو باتیں مشہور ہیں اور جو رسمیں ادا کی جاتی ہیں یہ سب بے اصل ہیں۔ کھانا سامنے رکھ کر فاتحہ دینا بے اصل ہے۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ۔

سوال

نہ اور اس کے بعض احباب تعزیہ اور براق کے بنانے میں چندہ دیا کرتے تھے۔ اب منع کرنے سے اس بات پر راضی ہوئے ہیں کہ تعزیہ اور براق میں کوئی چندہ نہ دیا جائے۔ اور آپس میں چندہ کر کے حلیم پکا کر غربا میں تقسیم کر دی جائے۔ اس صورت میں تعزیہ اور براق کی شرکت سے علیحدگی رہے گی۔ اور بہت سے آدمی جو ان دونوں چیزوں میں چندہ دیتے ہیں وہ بھی چندہ بند کر دیں گے۔ اور اس دوسری تحریک میں شریک ہو جائیں گے۔ آیا اس غرض سے یہ دوسری تحریک جائز ہے یا نہیں۔ اور شرعاً اس کی کچھ اجازت ہو سکتی ہے یا نہیں۔ المستفتی نمبر ۱۳۹۵ مولوی محمد یوسف۔ چوڑی والان دہلی۔ ۱۷ محرم ۱۳۵۶ھ
۳۱ مارچ ۱۹۳۷ء

(۲۳۷) **جواب**۔ تعزیہ اور براق تو قطعاً ناجائز ہیں۔ اور ان میں چندہ دینا گناہ ہے۔ اگر اس کام کو چھوڑ کر اس

رقم کا حلیم پکاکر غربا کو تقسیم کر دیا جائے تو تعزیہ اور براق بنانے کے گناہ سے تو نجات مل جائے گی مگر محرم کے ایام مخصوصہ میں خاص طور پر حلیم پکانا اور تقسیم کرنا یہ بھی بدعت ہے۔ شہیدان کربلا رحمۃ اللہ علیہم اجمعین کی ارواح طیبہ کو ثواب پہنچانے کے لئے محرم کا انتظار نہ کرنا چاہئے۔ اور نہ حلیم شریف کی تخصیص کرنی چاہئے۔ بلکہ جس وقت جو کچھ میسر ہو صدقہ کر کے اس کا ثواب بخش دینا چاہئے۔ فقط محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ۔ دہلی

سوال

(۱) تعزیہ بنانا علم نکالنا، دُلدُل بنانا، تخت اٹھانا، مہندی نکالنا، مرثیہ پڑھنا، تعزیے سے منت مراد مانگنا اور اس کا چومنا چاٹنا، نوحہ زاری کرنا، چھاتیاں کوٹنا وغیرہ وغیرہ از روئے شرع شریف کیسا ہے

(۲) حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی نسبت غصبِ خلافت کا الزام نیز یزید کو آپ کا ولی عہدِ سلطنت باوجود اس کے فسق و فجور کے بنانا جس کو بعض سنی بھی کہتے ہیں کس حد تک صحیح و درست ہے۔ امور متذکرہ بالا کا جواب معہ ثبوت آیات واحادیث کے مرحمت فرمایا جائے۔ نیز یہ کہ اگر یہ افعال حرام و ناجائز ہیں تو اس کے متعلق کافی ثبوت کی ضرورت ہے جس پر خاص توجہ فرمائی جائے۔

المستفتی نمبر ۱۴۶۲ سید خلیل حیدر صاحب (کانپور) ۵ صفر ۱۳۵۶ھ مطابق ۷ اپریل ۱۹۳۷ء

(۲۲۸) **جواب** ۔ تعزیہ بنانا، اس کی تعظیم کرنا۔ اس سے منت مرادیں مانگنا۔ چومنا، علم نکالنا، دلدل بنانا تخت اٹھانا، مہندی نکالنا، مرثیہ پڑھنا، ماتم اور نوحہ کرنا، چھاتیاں کوٹنا یہ سب کام ناجائز حرام اور مفضی الی الشرک ہیں۔ شریعتِ مقدسہ ایسے کاموں کی اجازت نہیں دیتی۔ یہ اسلامی توحید اور پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی صحیح اور سچی تعلیم کے خلاف ہیں۔ اور عقل صحیح بھی ان کی اجازت نہیں دیتی۔ سلفِ صالحین اور ائمہ مجتہدین کے کارناموں میں اس قسم کی فضولیات کا نام و نشان نہیں۔ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ سے صلح کر لی تھی اور اس کے بعد وہ جائز طور پر خلافت کے حامل تھے انھوں نے یزید کے لئے بیعت لینے میں غلطی کی کیونکہ یزید سے بہتر اور اولیٰ و افضل افراد موجود تھے۔ لیکن اس غلطی کے باوجود یزید کے اعمال و افعال کی ذمہ داری ان پر عائد نہ ہوگی۔ کیونکہ اسلام اور قرآنِ پاک کا اصول ہے لَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰی۔ اس لئے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی شان میں گستاخی اور درشتی نہیں کرنی چاہئے۔

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ، دہلی۔

سوال

(۱) یا شیخ عبدالقادر جیلانی شیئاً للہ کہنا درست ہے یا نہیں ۔ (۲) قبروں پر جو پھولوں کے ہار رکھدیتے ہیں یہ کیسا ہے (۳) زید نے ایک کپڑے کی چادر اور کچھ شیرینی ایک بزرگ ولی اللہ کی قبر پر لے جاکر شیرینی بعد فاتحہ خوانی لوگوں کو تقسیم کردی اور چادر اس قبر کو اڑھادی۔ زید کی نیت اور غرض اس عمل کے کرنے سے عبادت خدا ہے۔ المستفتی منشی عبدالوحید صاحب (ضلع بلند شہر) ۷ صفر ۱۳۵۶ھ م ۱۸ اپریل ۱۹۳۷ء

(۲۳۹) **جواب** (۱) یہ وظیفہ پڑھنا ناجائز اور موہم شرک ہے۔ (۲) یہ بھی ناجائز ہے۔ کیونکہ اکثری طور پر اس سے مراد تقرب الیٰ صاحب القبر ہوتا ہے۔ (۳) قبر پر چادر اُڑھانا خدا کی عبادت کس طرح ہوگئی۔ یہ تو قبر یا صاحب قبر کی تعظیم یا عبادت ہوئی۔ خدا کی عبادت میں وہ افعال داخل ہوسکتے ہیں، جن کا خدا یا رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا یا اجازت دی۔ شیرینی یا کھانا یا غلہ محتاجوں کو تقسیم کرنا بیشک خدا کی عبادت میں داخل ہوسکتا ہے۔ کیونکہ محتاجوں کی امداد اور حاجت روائی کا خدا نے حکم دیا ہے۔ مگران چیزوں کو قبر پر لے جانا غلط ہے۔ اور عبادت کی حیثیت کو مکدر اور خراب کردیتا ہے۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہٗ

سوال

کیا تعزیوں کی شان میں گستاخانہ الفاظ اور برا بھلا کہنے سے شرعاً کوئی گناہ عائد ہوتا ہے یا نہیں؟

المستفتی نمبر ۱۵۶۴ جناب سید عبدالمعبود صاحب (ضلع بدایون) ۲۴ ربیع الثانی ۱۳۵۶ھ م ۴ جولائی ۱۹۳۷ء

(۲۴۰) **جواب** تعزیوں کو ناجائز اور بدعت کہنا صحیح ہے۔ اگر گستاخانہ الفاظ سے ایسے الفاظ مراد ہیں جو ان کا شرعی حکم ظاہر کرنے کے لئے استعمال کیے جائیں تو یہ گستاخانہ الفاظ نہیں اور اگر اور کوئی برے اور بھونڈے الفاظ مراد ہیں تو وہ مسلمان کی زبان کے شایاں نہیں۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہٗ۔ دہلی

سوال

ہمارے یہاں چند اشخاص فتنہ پردازوں نے ایک جعلی قبر بناکر تیار کرلی ہے جس میں میت وغیرہ کچھ نہیں ہے۔ جہلا کو ورغلا کر پرستش کرتے ہیں اور فاتحہ دلاتے ہیں۔ اس بارے میں شرع شریف کا کیا حکم ہے؟

المستفتی نمبر ۱۷۶۳ بابو لعل بھوساگی (ضلع پونہ) ۱۲ رجب ۱۳۵۶ھ مطابق ۱۸ ستمبر ۱۹۳۷ء

(۲۴۱) **جواب** جعلی اور مصنوعی قبر بنانا گناہ ہے خصوصاً جب کہ مقصود روپیہ کمانا ہو۔

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہٗ۔ دہلی

سوال

بنگلور سے مسلمانوں کے دو گروہوں سے دو مختلف اشتہارات شائع ہوئے ہیں۔ ایک گروہ کہتا ہے کہ بارھویں ربیع الاول کو دکانیں بند کرنا بدعت ہے تو دوسرا گروہ کہتا ہے کہ سنت عشق رسول ہے۔ چونکہ دونوں اشتہارات میں ہندوستان کے عالم بے بدل ہیں۔ جس کی بدولت عوام میں بے چینی بڑھتی چلی جارہی ہے۔ ساتھ ہی اشتہارات بھی روانہ خدمت ہیں۔

المستفتی نمبر ۲۲۴۸ جناب مرتضی خانصاحب (بنگلور سٹی) ۱۳ ربیع الاول ۱۳۵۷ھ م ۱۴ مئی ۱۹۳۸ء

(۲۴۲) **جواب** - جماعت تاجران میوہ جات معسکر بنگلور کی طرف سے جو اشتہار شائع ہوا ہے اور اس میں میرا جو فتویٰ درج ہے، وہ فتویٰ ان لوگوں کے متعلق ہے جو شرعی احکام وراثت پر عمل نہیں کرتے اور رواج کو شریعت پر مقدم رکھتے ہیں۔ اس فتویٰ کا تعلق ۱۲ ربیع الاول کو کاروبار بند رکھنے سے کچھ نہیں۔ کاروبار بند رکھنے کے بارے میں اس اشتہار کا لب ولہجہ اسلامی تعلیم اور تہذیب کے خلاف ہے۔ مخالفین کے متعلق اس قسم کے الفاظ استعمال کرنا جیسے کہ اس اشتہار میں استعمال کیے ہیں اسلامی طریقہ نہیں ہے۔ بلکہ مسلمانوں میں اختلاف وبغض وعداوت پیدا کرنا ہے جو ہر طرح قابل افسوس ہے۔

۱۲ ربیع الاول کو کاروبار بند رکھنا کوئی شرعی حکم نہیں ہے جو دکان بند نہ کرے اس پر خدا اور رسول کی طرف سے کوئی الزام نہیں ہے۔ مگر یہ لوگ اس کو چندا اور وہابی کہتے ہوئے خدا اور رسول سے نہیں ڈرتے اگر یہ لوگ عشق رسول اسی کو سمجھتے ہیں کہ اس دن اپنا کاروبار بند رکھیں تو بشرطیکہ اس کو شرعی حکم نہ سمجھیں اور کسی کو لعن وطعن نہ کریں اور کسی کو مجبور نہ کریں تو خیر۔ لیکن ان کو اس بات کا حق نہیں کہ بغیر ہدایت شرعیہ خود ایک بات ایجاد کریں پھر اس کو دوسروں سے جبراً کرائیں۔ اور جو نہ کرے اس کو ایسے الفاظ سے یاد کریں جو اشتہار میں لکھے ہیں۔ اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو اتباع سنت کی توفیق عطا فرمائے۔

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ۔ دہلی

سوال

تعزیہ داری جو عموماً ہندوستان میں رائج ہے درست ہے یا نہیں؟ المستفتی نمبر ۲۴۰۴ نبی یار خاں ضلع فیض آباد۔ ۳ رجب ۱۳۵۷ھ مطابق ۳۰ اگست ۱۹۳۸ء

(۲۴۳) **جواب** تعزیہ داری کی رسم سرتاسر ناجائز ہے۔ اس میں بعض چیزیں حرام اور بعض افعال

شرک اور بعض بدعات محدثہ ہیں۔ یہ رسم واجب الترک ہے۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہٗ۔ دہلی

سوال

لوگ علی الخصوص کاٹھیاواڑ کے آدمی اس ماہ رجب المرجب میں "نبی صاحب کا روٹ" بناتے ہیں (یعنی گندم کے آٹے کے ساتھ حسب استطاعت مصالحہ یعنی بیضۂ مرغ، گھی، شکر، بادام، پستہ، چلغوزہ، خشخاش، سونف، کشمش وغیرہ ملا کر کوئی گھر میں اور کوئی تنور میں روٹی پکاتے ہیں۔ بعضے اس اس روٹ کو رکھ دیتے ہیں۔ اور عید البقر کے گوشت کے ساتھ نیز عید البقر کے اندر ختہ گوشت کو اس روٹ کے ساتھ کھلاتے ہیں۔ اور ثواب سمجھتے ہیں) اور اس روٹ کے بنانے کو اس ماہ رجب میں ضروری بلکہ ثواب عظیم جانتے ہیں۔ اور اگر کوئی کتابی ملا نہ بنائے یا اسے خلاف امر شرع شریف کہہ ڈالے تو اُسے وہابی وغیرہ نام سے موسوم کر دیتے ہیں اور اپنی بات کو جانے نہیں دیتے۔ پس:۔

(۱) کیا یہ روٹ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے؟ (۲) کیا حضرات خلفاء رضوان اللہ علیہم اجمعین نے فرمان کیا ہے؟ (۳) کیا عشرۂ مبشرہ یا کسی اور صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم سے حکم شدہ ہے؟ (۴) کیا فعل تابعینؒ یا تبع تابعینؒ سے ثابت ہے؟ (۵) کیا امامانِ مذاہب اربعہ حنفیؒ شافعیؒ مالکیؒ حنبلیؒ کی فقہ سے لیا گیا ہے؟ (۶) کیا پیرانِ پیر غوث الاعظم عبدالقادر جیلانی نے اس کی تعلیم دی ہے؟ (۷) کیا کسی پیر فقیر بزرگانِ دین کا یہ فعل ہے؟ (۸) کیا علمائے زمانۂ حالیہ کا حکم ہے کہ ایسا نبی صاحب کا روٹ کیا کرو؟

(۹) اگر مذکورہ سوالات سے کہیں ثبوت نہیں تو اس پر اڑے رہنا اور بلاناغہ ہر سال کرتے رہنا بلکہ کرنا ضروری جاننا گمراہی ہے یا نہیں۔

(۱۰) کیا ہم ایسا مستفسرہ صفت کا روٹ کریں؟ ایسا شرع شریف کا حکم یا آپ علماء حق کا ہے؟ برائے مہربانی جواب باصواب مرحمت فرمائیں۔ المستفتی ۲۶۸ ایم۔ یو۔ شیرازی۔ جام نگر (کاٹھیاواڑ) ۲ رجب ۱۳۵۳ھ م ۲۹ جولائی ۱۹۳۴ء

(۲۴۴) **جواب** - اس روٹ کے بارے میں نہ نبی صاحب صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے، نہ حضرات خلفاء اربعہ رضی اللہ عنہم کا ارشاد ہے، نہ حضرات عشرہ مبشرہ یا کسی اور صحابی رضوان اللہ علیہم اجمعین کی اجازت ہے، نہ یہ چاروں اماموں یا تابعین تا تبع تابعین رحمہم اللہ سے ثابت ہے نہ حضرت پیرانِ پیر یا کسی اور مرشدِ طریقت نے اس کا حکم دیا، نہ معتبر علماءِ امت نے اس کو جاری کیا۔ لہٰذا یہ محض ایک بدعت اور جہالت ہے۔ اور اس پر اڑے رہنا ضلالت و گمراہی ہے۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہٗ، دہلی۔

سوال

چند اشخاص ایک صاحب کے پاس گئے اور کہا کہ ہم 'یوم صدیق' منانا چاہتے ہیں۔ اس شخص نے برجستہ جواب دیا کہ تمہارے اس فقرے سے میرے قلب کو بے حد تکلیف ہوئی، تم اس خیال کو ترک کردو اور یہ نیا فتنہ نہ کھڑا کرو۔ اب آپ بروئے شریعت ایسے شخص کے بارے میں تحریر فرمائیں کہ اس شخص کے متعلق شریعت میں کیا حکم ہے؟ یوم صدیق' از روئے شریعت کیسا ہے؟ بینوا توجروا۔ المستفتی نمبر ۲۷۳ محمد افتخار الدین خانصاحب شاہجہانپوری ۲۴ جمادی الثانی سنہ ۶۱ھ م ۹ جولائی سنہ ۱۹۴۲ء

(۲۴۵) **جواب** ۔"یوم صدیق" منانے سے اگر یہ غرض ہو کہ ایک دن کوئی جلسہ کر کے حضرت صدیق رضی اللہ عنہ کے مناقب وفضائل کی تبلیغ کی جائے تو یہ جائز ہے۔

اگر اس شخص کا مقصد اس جواب سے یہ ہو کہ وہ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے مناقب کی تبلیغ کو ناپسند کرتا ہے تو بے شک وہ موردِ الزام ہوسکتا ہے۔ لیکن اگر اس کا مقصد یہ ہو کہ اس طرح خاص یومِ صدیق کے نام سے ایک جدید رسم پیدا کرنا مصلحتِ عامہ اسلامیہ کے منافی ہے، اور بجائے فائدے کے اس کا ضرر زیادہ ہے تو اس پر کوئی الزام نہیں آسکتا۔ یوم صدیق کا نام رکھے بغیر بھی حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے مناقب کی تبلیغ کی جاسکتی ہے۔ اور اس میں کوئی فتنہ بھی نہیں ہوگا۔ فقط

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ ، دہلی

سوال

حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی رحمۃ اللہ علیہ جو اکابر اولیائے کرام میں سے دہلی میں گذرے ہیں، ان کا مزار آج تک خام چلا آرہا ہے۔ ایک شخص کہتا ہے کہ مجھ کو بشارت ہوئی ہے کہ میرا مزار ننگا پڑا ہے اس پر گنبد پختہ بناؤ۔ چنانچہ ایک شخص مستعد ہوگیا ہے کہ اُن کے مزار پر گنبد بنادے۔ لہٰذا علمائے کرام سے سوال ہے کہ کیا شرعاً اس بشارت پر عمل کرنا ونیز کسی قبر پر عمارت وگنبد وغیرہ پختہ بنانا درست ہے یا نہیں۔ مطابق کتاب وسنت و مذہب حنفیہ کے جواب مرحمت فرمایا جائے بینوا توجروا

المستفتی نمبر ۲۷۵ حاجی محمد صدیق ولد حاجی احمد۔ قوم شیخ۔ ساکن پھاٹک حبش خاں دہلی۔

(۲۴۶) **جواب** قبر پر گنبد بنانا یا قبر کو پختہ بنانا ناجائز ہے۔ صریح طور پر حدیث شریف میں اس کی ممانعت آئی ہے۔ ایسی بشارت (یعنی خواب) جو کسی نامشروع فعل کے ارتکاب کی ترغیب دے قابلِ التفات

وقابل عمل نہیں ہے۔ اس کا جب خیال آئے تو لاحول ولا قوۃ الا باللہ پڑھنا چاہیئے۔ یہاں تک کہ یہ خیال جاتا رہے۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہٗ۔ دہلی

سوال

زید ہر سال پانچویں محرم الحرام کو بنام 'سبز چوکی' اپنے محلے سے اپنے اہتمام میں چندہ وغیرہ کر کے نہایت شان وشوکت سے اٹھاتا ہے۔ سبز چوکی بہت بڑے جلوس کی شکل میں اٹھتی ہے۔ گیس کے ہنڈے ہوتے ہیں۔ ماتم کرنے والے ہوتے ہیں۔ عورتوں کا مجمع بغرض زیارتِ جلوس ہوتا ہے۔ انگریزی باجہ بھی بجتا ہے۔ زید کہتا ہے کہ اس تعزیہ داری سے ہمارا مقصد شانِ اسلام دکھانا ہے۔ اور یہ کہ کافر اس کو رد کتے ہیں، ان کی ضد مدِنظر ہے۔

اس چوکی کے واسطے راستہ لینے اور چوک کی زمین حاصل کرنے کے واسطے مقدمہ بھی ہو چکا ہے لیکن مسلمانوں کو کامیابی نہیں ہوئی۔ اب وہ چوکی دوسرے راستہ سے اٹھتی ہے۔ اس راستے کو بھی رکنے کی کوشش کی گئی، مگر اس کوشش میں کفار ناکام رہے۔

المستفتی نمبر ۲۷۴۰ منشی مہدی حسن کاتب۔ مفتی پورہ۔ غازیپور۔ ۱۳ محرم ۱۳۶۲ھ مطابق ۲۰ جنوری ۱۹۴۳ء

(۲۴۷) **جواب** لاخیر الا فی اطاعۃ اللہ واطاعۃ رسولہ واضح ہو کہ دنیا اور آخرت کی کوئی بھلائی اللہ تعالیٰ اور اس کے مقدس نبی کی اطاعت کے بغیر حاصل نہیں ہو سکتی۔ کفار کی ضد میں کوئی کام کرنا یا یہ سمجھنا کہ کسی ناجائز چیز میں اسلام کی شوکت ظاہر ہوگی، صحیح نہیں ہے۔ یہ سبز چوکی بدعت ہے۔ اس میں روپیہ خرچ کرانا اسراف ہے جو حرام ہے۔ باجے بجانا، عورتوں کا اجتماع یہ سب امور ممنوعہ محرمہ ہیں۔ روافض کی اقتداء ہے۔ اہلِ سنت کے مذہب کی اور سنتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت ہے۔ لہٰذا اہلِ سنت پر اس عمل کا ترک کرنا اور گزشتہ سے توبہ کرنا واجب ہے۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہٗ۔ دہلی

سوال

ایک شخص یہ شعر وعظ میں پڑھتا ہے ؎

جمالِ خدا گر نہ دیکھا ہو تم نے محمد کو دیکھو وہی ہو بہو ہے

پڑھنے کے بعد کہتا ہے یہ شعر بالکل صحیح ہے اس واسطے کہ جو صورت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی ہے وہی صورت بعینہٖ باری تعالیٰ کی ہے۔ کیونکہ باری تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی شکل پر پیدا کیا ہے۔ اس

کے بعد کہتا ہے کہ احمد اور احد میں صرف میم کا فرق ہے۔ دوم یہ کہ وہ کہتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عالم الغیب ہیں۔ تمام اشیاء اور ذرات کو جانتے ہیں۔ ان سے کوئی چیز پوشیدہ نہیں۔ رسول اللہ ﷺ کو اور تمام اولیا کو حاضر و ناظر جانتا ہے اور کہتا ہے جس جگہ اور جس وقت ان کو پکارو ہماری فریاد سنتے ہیں اور امداد کرتے ہیں۔ سوم یہ کہ سرود سنتا ہے اور اس کو حلال اور باعث نجات جانتا ہے۔ ایسے شخص کے متعلق شرع کا کیا حکم ہے۔

(۲۴۸) **جواب** یہ شعر بالکل شرک ہے اور جو شخص اس کو سچ سمجھ کر پڑھے وہ مشرک ہے۔ اس میں کلام نہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم روحی فداہ افضل الموجودات اور خاتم الانبیاء والرسل ہیں ع بعد از خدا بزرگ توئی قصہ مختصر۔ لیکن آپ بھی خدا تعالیٰ کی ایک مخلوق اور بندے ہیں۔ خالق و مخلوق بھلا ایک کیونکر ہو سکتے ہیں۔ خداوند تعالیٰ نہ جسم ہے نہ جسمانی اور تمام ضروریات سے مبرا ہے۔ نہ اس کا کوئی مکان نہ کوئی اس کی شکل وصورت۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بعینہٖ خدا کیسے ہو سکتے ہیں۔ تمام ضروریات جسمانی آپ کو لاحق تھیں۔ جو شخص یہ عقیدہ رکھے وہ مشرک ہے۔ نیز یہ کہنا کہ احمد اور احد میں صرف میم کا فرق ہے۔ یہ بھی الحاد اور زندقہ ہے۔ یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ خالق اور مخلوق دونوں ایک ہو جائیں۔

(۲) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو تمام اشیاء کا عالم جاننا بھی شرک ہے۔ شرک اسی کا نام نہیں کہ خدا کی ذات میں کسی کو شریک مانا جائے بلکہ اس کی صفات خاصہ میں بھی کسی کو شریک کرنا شرک ہے۔ عالم الغیب ہونا صرف خدا کی شان ہے۔ دوسرا ہرگز اس کا مصداق نہیں بن سکتا۔ حضرت حق جل شانہ قرآن شریف میں ارشاد فرماتا ہے:۔ ولو کنت اعلم الغیب لاستکثرت من الخیر وما مسنی السوء۔ بحر الرائق میں ہے وفی الخانیۃ والخلاصۃ لو تزوج بشہادۃ اللہ ورسولہ لا ینعقد ویکفر لاعتقادہ ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم یعلم الغیب انتہی اور فتاویٰ قاضی خاں میں ہے رجل تزوج امرأۃ بغیر شہود فقال الرجل والمراۃ خدائے را و پیغامبر را گواہ کردیم قالوا یکون کفرا لانہ اعتقد ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یعلم الغیب وھو ما کان یعلم الغیب حین کان فی الاحیاء فکیف بعد الموت۔ انتہی۔ اور جبکہ آپ عالم الغیب نہیں تو پھر کسی دوسرے کا عالم الغیب ہونا تو صراحۃً باطل ہے۔ لہٰذا آپ کو یا کسی ولی کو حاضر و ناظر سمجھنا یقینی طور پر عقیدۂ اسلامیہ کے خلاف اور شرک ہے۔ جو شخص یہ عقیدہ رکھے وہ مشرک ہے۔ مسلمانوں کو اس سے احتراز واجب ہے۔

(۳) سرود سننا حرام ہے اور اس کو حلال سمجھنا کفر ہے۔ ایسا شخص جو ان تمام امور مذکورہ بالا کا معتقد و مرتکب ہو وہ باتفاقِ علمائے اہل سنت والجماعت مشرک ہے۔ واللہ اعلم۔

سوال

ہمارے یہاں کے بعض واعظ بیان کرتے ہیں کہ عالمِ برزخ میں جانے کے بعد حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی آنکھوں میں اللہ تعالیٰ نے وہ قوت عطا فرمائی ہے کہ آپ امت کا سب حال دیکھتے ہیں۔ کانوں میں وہ قوت ہے کہ امتی جو کچھ دردِ دل کا اظہار کرتے ہیں آپ اس کو سنتے ہیں اور آپ کی روح پر فتوح مؤمنین کے مکانوں میں رہتی ہے۔ امتی یا رسول اللہ پکارتے ہیں آپ سنتے ہیں اور ہر ایک امتی کو پہچانتے ہیں۔ اور ہر ایک امتی کے کچھ پکے ہر قسم کے ارادوں کو اپنے نورِ کمالات نبوت سے دیکھتے اور جانتے ہیں۔ ایسے حاضر و ناظر جان کر یا رسول اللہ کہنا جائز ہے اور اپنی حاجت ان کے سامنے بیان کرنے سے آپ اس حاجت کو خدا سے دعا کر کے دلوا دیتے ہیں۔ اس قسم کے کلمے ہمارے یہاں کے واعظ وعظ میں کہہ کر جاہلوں کے عقیدے کو بگاڑتے ہیں اور کہتے ہیں کہ علمائے دہلی کا بھی ایسا ہی عقیدہ ہے۔ یہ بیان ان کا صحیح ہے یا غلط ہے؟

(۲۴۹) **جواب**۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم افضل الرسل خاتم الانبیاء سید الاولین والآخرین غرضکہ اللہ تعالیٰ جل شانہ کے بعد تمام مخلوق سے افضل و برتر ہیں۔ اس میں کوئی شک نہیں لا یمکن الثناء کما کان حقہ۔ بعد از خدا بزرگ توئی قصہ مختصر۔ لیکن یہ کہنا کہ آپ اپنی آنکھوں سے امت کے تمام احوال دیکھتے ہیں۔ اپنے کانوں سے امت کے تمام اقوال عرض معروض سنتے ہیں۔ آپ کی روح پر فتوح ہر امتی کے مکان میں حاضر رہتی ہے، آپ ہر امتی کے یا رسول اللہ کہہ کر پکارنے کو سنتے ہیں، آپ ہر امتی کے دل کے پکے اور کچے ارادوں کو دیکھتے اور جانتے ہیں۔ یہ سب بے دلیل باتیں ہیں اور بے شک ان عقائد و خیالات سے شرکِ صریح لازم آتا ہے اور یہ عقائد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد لا تطرونی کما اطرت النصاریٰ عیسی بن مریم اور آپ کے ارشاد ما المسئول عنہا باعلم من السائل اور آپ کے ارشاد واللہ ما ادری وانا رسول اللہ ما یفعل بہ ولا بی اور حضرت عائشہ صدیقہ کے فرمان ومن قال ان محمدا یعلم الغیب فقد اعظم الفریۃ علی اللہ اور جناب باری عز اسمہ کے پر جلال قول وعندہ مفاتح الغیب لا یعلمہا الا ہو اور حضرت حق سبحانہ کے فرمان ولو کنت اعلم الغیب لاستکثرت من الخیر

وما مسنی السوء اور بے شمار آیات واحادیث کے خلاف ہیں، علماء وفقہائے امت محمدیہ کا اس امر پر اتفاق ہے کہ علم غیب حضرت حق جل شانہ کی خاص صفت ہے۔ کوئی دوسرا اس صفت میں اس کا شریک نہیں۔ حضور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو جناب باری عز اسمہٗ نے بیشمار غیب کی باتوں پر مطلع فرمادیا تھا اور حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے بہت سی غیب کی باتیں امت کو بھی بتادیں۔ لیکن باوجود اس کے آپ کو عالم الغیب کہنا صحیح نہیں۔ کیونکہ جو غیب کی باتیں آپ نے باعلام خداوندی معلوم کیں ان میں آپ کا علم علم غیب نہیں۔ نیز عالم کی ہر ایک جزئی کو جاننا اور امت کے دل کے بھیدوں پر مطلع ہونا ثابت نہیں۔ اور دلائل شرعیہ اس کے خلاف پر قائم ہیں۔ پس یہ عقیدہ جو سوال میں مذکور ہے شرکیہ عقیدہ ہے اور مسلمانوں کو ایسے خیالات سے احتراز لازم ہے۔ واللہ اعلم۔

سوال

اللہ تعالیٰ نے اپنے کلام پاک میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے آخر عہد میں مشرک کو نجس العین فرمایا ہے۔ ایسی صورت میں اُن کا جھوٹا کھانا جائز ہے یا نہیں؟ اور اس آیت کے نازل ہونے کے بعد رسولؐ خدا نے کسی مشرک کے ساتھ کھانا کھایا ہے یا نہیں؟

المستفتی نمبر ۳۵ نذیر احمد۔ ضلع بلیا ۱۲ جمادی الاولیٰ ۱۳۵۲ھ ۴ ستمبر ۱۹۳۳ء

(۲۵۰) **جواب**۔ قرآن پاک میں مشرکوں کو نجس فرمایا ہے اس سے اعتقادی نجاست مراد ہے۔ ورنہ انسان کا جسم ناپاک نہیں ہے۔ قرآن مجید میں نصاریٰ کو مشرک قرار دیا ہے۔ باوجود اس کے طعام الذین اوتوا الکتاب حل لکم کا حکم بھی موجود ہے۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہٗ

سوال

(۱) کوئی شخص یہ عقیدہ رکھتا ہو کہ نماز میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا خیال آنا، گائے بھینس اور گدھے کے خیال آنے سے بدتر ہے۔ ایسا عقیدہ رکھنے والا مسلمان ہے یا کافر؟

(۲) جو شخص یہ کہتا ہے کہ جناب باری عز اسمہ کو زمان و مکان اور ترتیب عقلی سے پاک جاننا اور اس کا دیدار بے جہت اور بے محاذات حق جاننا بدعت ہے۔ کیا ایسا کہنے والا مسلمان ہے یا نہیں؟

(۳) کسی صاحب نے ایک مولوی صاحب سے دریافت کیا کہ تشہد میں صیغہ خطاب السلام علیک ایہا النبی کے بجائے صیغہ غائب السلام علی النبی کہنا چاہیئے یا السلام علیک ایہا النبی پڑھنا

چاہیئے؟ اس کے جواب میں مولوی صاحب نے فرمایا کہ اگر کسی کا عقیدہ یہ ہے کہ آنحضرت علیہ الصلوٰۃ والسلام خود خطاب سلام کا سنتے ہیں وہ کفر ہے۔ کیا جواب مولوی صاحب کا صحیح ہے؟

المستفتی نمبر ۴۷۹ مرزا علی جان۔ دہلی ۱۱ صفر ۱۳۵۴ھ مطابق ۱۵ مئی ۱۹۳۵ء

(۲۵۱) **جواب** (۱) نماز حق تعالیٰ کی عبادت بلا شرکت غیرے ہے۔ عبادت میں معبود کی عظمت اور جلال وجبروت کا تصور مقصود ہے۔ اور اسی پر اقتصار ہونا چاہیئے۔ اور کسی دوسرے کا تصور بجہت تعظیم نہ ہونا چاہیئے۔ یہ ظاہر ہے کہ نماز میں قرآن مجید پڑھا جاتا ہے۔ قرآن مجید میں انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کے اسماء مبارک آتے ہیں۔ ان کے قصے اور واقعات مذکور ہیں۔ فرعون ہامان اور دیگر کفار کے نام بھی آتے ہیں، اُن کے قصے بھی بیان کیے جاتے ہیں۔ شیطان کا نام بھی آتا ہے، جس سے پناہ مانگی جاتی ہے۔ اور جن مکرم ومعظم ہستیوں کے اسمائے گرامی اور قصص قرآن پاک کے نظم عبارت میں زبان پر آئیں گے ان کا تصور اور خیال بھی لازمی طور پر آئے گا۔ اسی طرح فرعون ہامان اور شیطان کا جب نام لیا جائے گا تو ان کی طرف بھی خیال منعطف ہوگا۔ اور اس کو آج تک کسی نے بھی قابل اعتراض اور مذموم نہیں کہا۔ اب رہی یہ بات کہ نمازی بحیثیت تعظیم معبودیت کے اگر اللہ تعالیٰ کے سوا کسی دوسرے کا تصور کرے تو وہ شرک فی العبادۃ ہوگا۔ اور شرک اعلیٰ درجے کا گناہ، ناقابلِ مغفرت ہے۔

پس خلاصہ یہ ہوا کہ اگر کوئی شخص نماز میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا تصور بجہت تعظیم عبادت کے کرے تو یہ اتنا بڑا گناہ (شرک) ہے کہ نماز بھی باطل ہوئی اور مغفرت کی بھی امید نہیں۔ اور اس صورت میں یہ تصور کسی ایسے شخص یا شے کے تصور سے زیادہ مُضر ہے جس کی تعظیم (عبادت) متصور نہیں ہو سکتی کہ اس تصور سے عبادت کے خلوص اور خشوع میں تو نقصان آئے گا اور عبادت خراب ہو جائیگی لیکن شرک لازم نہیں آئے گا۔ اس کے علاوہ اور کوئی مطلب اس قول کا نہیں ہے نہ ہو سکتا ہے۔

(۲) اس قائل کا یہ مطلب نہیں کہ وہ حق تعالیٰ کو زمان یا مکان کے ساتھ مقید یا محدود مانتا ہے۔ بلکہ اس کی غرض صرف یہ ہے کہ یہ ابحاث دقیقہ اور تنقیقات منطقیہ وفلسفیہ سلف صالحین کے اندر معروف نہ تھیں، اس لئے ان میں پڑنا بدعت ہے۔ اور یہ ایک سادگی اور تکلفات فلسفیہ سے بچنے کی راہ ہے۔ جس کا سالک قابل مواخذہ نہیں ہے۔

(۳) یہ عقیدہ رکھنا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہر شخص کا ہر جگہ سے خطاب اور کلام سن لیتے ہیں۔ گویا حضرت

حق کی یہ صفت کہ ہر جگہ ہر شخص کی بات سنتا اور ہر شے کو دیکھتا ہے حضور انور میں بھی اسی طرح پائی جاتی ہے کہ ہر جگہ حضور اپنے حواس اور ذرائع علم کے ساتھ موجود اور ہر شخص کی بات سنتے ہیں ایک شرکیہ عقیدہ ہے

ہاں صلوٰۃ وسلام میں السلام علیک ایہا النبی کہنا اس بنا پر جائز ہے کہ درود وسلام پہنچانے کے لئے فرشتے مقرر ہیں وہ حضور کو یہ الفاظ پہنچا دیتے ہیں تو اس عقیدے سے خطاب کے صیغے درود وسلام میں استعمال کرنا درست ہے۔ فقط محمد کفایت اللہ کان اللہ لہٗ۔

سوال

انسان پر کون کون سی باتوں سے شرک وکفر عائد ہوتا ہے۔ اور ایسی صورت میں اس کا تدارک کیا ہے؟

(۲۵۲) **جواب**۔ غیر اللہ کی عبادت کرنے اور اُس کو حاجت روا سمجھنے یا کسی مخلوق میں خدا کی صفات ثابت کرنے سے شرک لازم آتا ہے۔ اور اس کا علاج توبہ ہے۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہٗ۔

سوال

کیا نماز میں کسی بزرگ (یعنی اپنے پیر یا کسی اور ولی اللہ کا) یا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا خیال آجانا شرک ہے؟ المستفتی نمبر ۶۶۴ جناب سید عبد المعبود صاحب (ضلع بدایون) ۲۶ ربیع الثانی ۱۳۵۴ھ مطابق ۲۸ جولائی ۱۹۳۵ء

(۲۵۳) **جواب**۔ کسی بزرگ یا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا نماز میں خیال آجانا شرک کس طرح ہو سکتا ہے۔ اور کون شخص ایسی بیوقوفی کی بات کہہ سکتا ہے۔ ہر مسلمان جانتا ہے کہ نماز میں **تعوذ** یعنی اعوذ باللہ من الشیطان الرجیم اور تمام قرآن مجید کی تلاوت کی جاتی ہے اور قرآن مجید میں پیغمبروں کے نام اولیاء اللہ کا تذکرہ آتا ہے۔ حضور کا نام نامی موجود ہے۔ ان کے بالمقابل کفار کا ذکر شیطان کا ذکر۔ فرعون کا ذکر اور ہامان کا ذکر موجود ہے۔ اور ظاہر ہے کہ جب ان لوگوں کے نام زبان پر آئیں گے تو ان کا خیال اور تصور بھی آئے گا۔ تو اس کو کون شرک کہہ سکتا ہے یا کون یہ کہہ سکتا ہے کہ نام تو زبان پر آئے مگر ان کا خیال اور تصور نہ آئے۔

جن لوگوں نے اس میں کلام کیا ہے ان کا مطلب یہ ہے کہ نماز موقع عبادت ہے۔ اس موقع میں حضور کا تصور علی جہۃ التعظیم والعبادۃ نہ آنا چاہئے۔ بس اس سے زیادہ اُن کا کوئی مطلب نہیں ہو سکتا۔

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہٗ۔ دہلی

سوال

(از اخبار الجمعیۃ سہ روزہ مورخہ ۱۸ ستمبر ۱۹۲۵ء)

ایک مسجد میں چند قبریں ہیں جو بعض بزرگوں کی بتائی جاتی ہیں۔ زید ان قبروں پر جھنڈا گاڑتا ہے۔ اور مسجد میں ہر وقت او بڑہ شاہ لطیف! کا نعرہ لگاتا رہتا ہے۔ اس کے چند چیلے بھی اس کے ساتھ شریک ہیں۔ جب ان کو منع کیا جاتا ہے تو جھگڑا کرنے پر تیار ہو جاتے ہیں۔ زید غیب دانی کا دعویٰ بھی کرتا ہے اور مستقبل کی باتیں بتاتا رہتا ہے۔ جس مسجد میں اس قسم کے افعال ہوتے ہوں اس میں نماز پڑھنا کیسا ہے۔

(۲۵۴) **جواب**۔ سوالاتِ مذکورۂ بالا کا شرعی جواب یہ ہے کہ زید کے یہ افعال شرعاً ناجائز اور حرام ہیں۔ نعرے لگانا۔ غیب دانی کا دعویٰ کرنا بدعت و شرک ہے۔ مسجد کے اندر اسے ان افعال کے ارتکاب کا کوئی اختیار نہیں ہے۔ اہل محلہ اسے منع کر سکتے ہیں۔ اور جو لوگ اس کی ان افعال میں اعانت و حمایت کرینگے وہ بھی گنہ گار ہونگے۔

مسجد میں نماز جائز ہے۔ اوس کے مسجد میں رہنے اور افعال ناجائز کرنے سے مسجد میں کوئی خرابی نہیں آگئی۔ محمد کفایت اللہ غفرلہ

سوال

(از اخبار سہ روزہ الجمعیۃ دہلی مورخہ ۲ اپریل ۱۹۲۶ء)

ملک دکن میں، جس میں مدراس، بمبئی، میسور اور حیدرآباد وغیرہ سب شامل ہیں، منجملہ دیگر افعال مشرکانہ کے مسلمانوں میں ایک یہ رسم جاری ہے کہ مٹی کا شیر پانچ چھ فٹ یا کچھ کم و بیش بنا کر محرم میں اس کی پوجا کرتے ہیں۔ اور اس مٹی کے شیر کو حضرت علی رضی اللہ عنہ کی طرف منسوب کرکے اس کو مولا علی کا شیر کہتے ہیں۔ محرم میں اس کے گلے میں کھوپروں کا ہار ڈالتے ہیں اور موںھ میں اس کو خوش کرنے کے لئے کچا گوشت ٹھونستے ہیں۔ مرد و عورت اس سے مرادیں طلب کرتے ہیں۔ منتیں مانتے ہیں۔ اور ہر طرح اس کی تعظیم کرتے ہیں۔ ایک جاہل یوں کہتا ہے "شیر گلی میں روح رسالت پناہ ہے"

(۱) آیا مذہب اسلام میں ایسا بت بنانا جائز ہے؟ (۲) اس کی پوجا پاٹ کرنے والے کا کیا حکم ہے؟ (۳) غیر اللہ کی نذر کرنا اور منت ماننا کیسا ہے؟ (۴) ایسے بتوں کو لینے دینے والا سمجھنا اور ان کی پوجا اور تعظیم کو جائز و حلال سمجھنا کیسا ہے؟ (۵) یہ گوشت کھانا جو اس کے منھ میں اوس کو خوش کرنے اور مرادیں بر لانے کے لئے

ڈالا جاتا ہے کیسا ہے؟ (۶) جو شاعر کہتا ہے کہ اس مٹی کے شیر میں معاذ اللہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی روح ہے، اس کا کیا حکم ہے؟ (۷) مسلمانوں سے اس بت پرستی یا رسم کا مٹانا اور اس کی سعی کرنا موجب ثواب ہے یا نہیں (۸) ایسی مورتیوں کی حمایت کرنا اور ان کے قائم رکھنے کی کوشش کرنا گناہ ہے یا نہیں؟

(۲۵۵) **جواب** - یہ شیر بنانا جس کا سوال میں ذکر ہے اور اس کے ساتھ یہ معاملہ کرنا جو بیان کیا گیا ہے، مسلمانوں کا کام نہیں۔ کیونکہ اسلام تو اس قسم کی مشرکانہ حرکات کو مٹانے اور صرف اللہ تعالیٰ جل شانہ کی توحید و عبادت پھیلانے کے لئے آیا ہے۔ خدائی اور سماوی دین حق ان بیہودہ مشرکانہ افعال و اعمال کا دشمن ہے۔ ایسی باتیں کرنے والے اگرچہ بظاہر مسلمان ہوں، اسلام کا کلمہ پڑھتے ہوں مگر ان کو اسلام سے کیا واسطہ۔ ہندوستان کی بت پرست قوموں کے تعلق سے ان کی طبیعتوں میں بھی بت پرستی کا شوق پیدا ہوتا ہے۔ اور چونکہ بظاہر مسلمان کہلاتے ہیں اس لئے اس بت پرستی کے شوق کو اسلامی رنگ دے کر مذہبی کام بنا کر پورا کرتے ہیں۔ اسلام اور پیغمبر اسلام اور اللہ تعالیٰ ان چیزوں پر لعنت فرماتے ہیں۔ اور ایسے بتوں کو رجس اور پلید قرار دیتے ہیں۔ نعوذ باللہ من ذلک۔ (۱) بت بنانا اور اس کی تعظیم و تکریم کرنے کی غرض سے بنانا قطعاً حرام اور مشرکوں کا کام ہے۔ (۲) غیر اللہ کی پوجا (عبادت) کرنا شرک اور کفر ہے۔ اسلام میں تو صرف خدا کی عبادت اور بندگی کا حکم ہے اور خدا تعالیٰ کے سوا کسی کی پوجا اور عبادت حلال نہیں۔ (۳) غیر اللہ کی نذر کرنا اور منت ماننا حرام ہے۔ (۴) ان بے جان اور بے شعور تصویروں اور مجسموں کو دینے والا اور حاجت پوری کرنے والا سمجھنا نہ صرف اسلام کے خلاف اور شرک ہے، بلکہ نری جہالت اور خالص حماقت ہے۔ (۵) یہ گوشت بھی جو اس کے منہ میں ڈالا جاتا ہے کھانا حرام ہے۔ (۶) جو شاعر یہ کہتا ہے "شیر گلی میں روح رسالت پناہ ہے" وہ سخت جاہل اور بے باک ہے۔ اگر اس کا یہ عقیدہ بھی ہو تو اس کے ایمان کی خیر نہیں۔ اسلامی حکومت ہو تو وہ سخت تعزیر دے سکتی ہے (۷) ہر مسلمان کا فرض ہے کہ وہ اس کفر و شرک کی رسم کو مٹانے میں جس قدر سعی کر سکتا ہے کرے۔ جان سے، مال سے، قلم سے، زبان سے ان خرافات رسموں کے مٹانے میں جو سعی کرے گا اس کو بیحد اجر و ثواب ملے گا۔ (۸) ان مورتیوں کی حمایت کرنا اور ان کے قائم رکھنے کی کوشش کرنا حرام اور اسلام کی روح کے خلاف ہے۔ واللہ اعلم۔ محمد کفایت اللہ غفرلہ مدرسہ امینیہ اسلامیہ دہلی۔

سوال

(از اخبار الجمعیۃ (سہ روزہ) دہلی مورخہ ۱۳ جولائی ۱۹۲۶ء) (۱) جناب امام حسین علیہ السلام کی شہادت

سے قبل عرب میں محرم کی دسویں تاریخ کو کیا رسوم ادا ہوتی تھیں؟ (۲) حلوے کرنا، کھچڑے پکانا، اور فاتحہ دلا کر خود مع اہل برادری کے کھانا۔ محتاج اگر آگیا تو ایک آدھ خوراک دے دی ورنہ خیر! ایسا کرنا جائز ہے یا نہیں؟ (۳) سبز کپڑے پہننا، بتاشے، ریوڑیوں پر فاتحہ دلانا، تعزیوں پر ۹ تاریخ کو مہندیاں چڑھانا جائز ہے یا نہیں؟ (۴) اکھاڑے میں لنگوٹ باندھ کر قلابازیاں کھانا، شعبدہ بازی کرنا، گلی کوچوں میں انیس اور دبیر کے مرثیے اور نوحے پڑھنا۔ یا علی یا حسین کہہ کر آواز کا بٹھانا جائز ہے یا نہیں؟ (۵) کیا انیس و دبیر کے مرثیوں کا مضمون صحیح ہے؟ یا مبالغہ ہے۔ (۶) کیا دس محرم کا روزہ رکھنا مسنون ہے؟ (۷) کوئی غریب آدمی اپنی محبت کا اظہار کیسے کرے۔ امرا تو خود کھاتے ہیں اور لٹاتے ہیں اور یہ محبت کا اظہار کرتے ہیں۔ (۸) بعض اہل علم حضرات کہتے ہیں کہ تعزیئے بناؤ مہندی چڑھاؤ، عام رسوم ادا کرو۔ اسی سے شوکت اسلام ہے۔ مگر ثابت نہیں کرتے کہ یہ باعث ثواب ہے۔ بعض اس کے خلاف ہیں جو وہابی کہلاتے ہیں۔

(۲۵۶) **جواب**۔ (۱) یوم عاشورا اسلام سے پہلے بھی ایک محترم اور معظم دن تھا۔ یہود اس کی تعظیم کرتے اور اس دن روزہ رکھتے تھے۔ اور خانہ کعبہ کو اس روز غلاف پہنایا جاتا تھا۔ حدیث شریف میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس دن کے متعلق فرمایا ہے کہ اسی روز حضرت آدم علیہ السلام پیدا کئے گئے اور اسی دن جنت میں داخل کئے گئے۔ اور اسی دن جنت سے دنیا میں بھیجے گئے۔ اور اسی دن حضرت موسیٰ علیہ السلام کو فرعون سے نجات ہوئی۔ غرضکہ یہ دن پہلے سے ایک فضیلت واحترام کا دن ہے۔ حضور نے اس روز روزہ رکھا اور مسلمانوں کو روزہ رکھنے کی ترغیب دی۔ (۲) عاشوراء کے دن اچھا کھانا پکانا اور اپنے بال بچوں اور عزیزوں اور پڑوسیوں کو کھلانا مسنون ومستحب ہے۔ باقی حلوا کھچڑا فرینی پکانے کی کوئی تخصیص نہیں ہے۔ اور ایصال ثواب بروح حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ مقصود ہو تو اس کے لئے بھی اس دن کی تخصیص نہیں۔ جب چاہیں صدقہ کر کے حضرت امام کی روح مبارک کو ثواب پہنچا سکتے ہیں۔ (۳) سبز کپڑے پہننا، بتاشوں ریوڑیوں پر فاتحہ دلانا، تعزیوں پر مہندی چڑھانا، تعزیئے بنانا۔ علم، شدے اٹھانا۔ باجے بجانا۔ تعزیوں سے مرادیں مانگنا اور ان کی تعظیم کرنا اور اسی قسم کے کام سب خلاف شرع اور بے اصل ہیں۔ اور بعض کام ان میں سے سخت گناہ کے ہیں جن سے کفر کا بھی خوف ہوتا ہے، جیسے تعزیوں سے مرادیں مانگنا اور ان کو حاجت روا سمجھنا وغیرہ۔ (۴) اکھاڑے قائم کرنا اور ان میں جو جو افعال قبیحہ کئے جاتے ہیں وہ کرنا ناجائز اور سخت برا ہے۔ ہاں ورزش اور لکڑی کے کرتب سیکھنا اور ان کی مشق کرنا، یہ فی حد ذاتہ اچھا کام ہے

مگر اس کے لئے عاشوراء کو خاص کر لینا نہیں چاہیئے۔ بلکہ اس فن کی تحصیل و تکمیل کے لئے سال بھر کوشش کرنا اور مشغولی کی صورت پیدا کرنا چاہیئے۔ (۵) انیس و دبیر و دیگر شعراء کے مرثیے بہت مبالغہ آمیز ہیں اُن کا پڑھنا اور مجلسیں قائم کرنا اور سینہ کوبی کرنا یہ سب ناجائز اور مذموم اور تعلیم اسلام کے خلاف ہے۔ (۶) دس تاریخ کا روزہ مسنون ہے مگر اس کے ساتھ ۹ تاریخ کا روزہ بھی ملا کر دو روزے رکھنے چاہئیں۔ اگر ۹ کا روزہ نہ رکھ سکے تو ۱۰، ۱۱ کے رکھلے۔ (۷) غریب آدمی اہل بیت رضوان اللہ علیہم اجمعین کے ساتھ اظہار محبت کثرت دعا اور عبادت بدنیہ کا ثواب پہنچانے کی صورت میں کر سکتا ہے۔ نوافل پڑھ کر روزہ رکھ کر تلاوت قرآن مجید کر کے ثواب پہنچا سکتا ہے۔

(۸) یہ خیال کہ تعزیوں سے شوکتِ اسلام ظاہر ہوتی ہے غلط ہے۔ کسی غیر مشروع فعل سے اسلام کی شوکت نہیں ہو سکتی۔ جو اعمال اسلامی تعلیم کے خلاف ہیں وہ مفید شوکت نہیں ہو سکتے۔ واللہ اعلم

محمد کفایت اللہ غفر لہٗ

(۲۵۷) **جواب دیگر**۔ رجب کے کونڈوں کا کوئی ثبوت نہیں ہے۔ یہ گھڑی ہوئی باتیں ہیں۔ ان کو ترک کر دینا چاہیئے۔ تبارک پڑھنے اور پڑھوانے کا طریقہ بھی شریعت سے ثابت نہیں۔ یہ بھی لوگوں کا خود گھڑا ہوا طریقہ ہے۔ اسے بھی ترک کر دینا لازم ہے۔ شبرات کا حلوا محرم کا کھچڑا کونڈے اور تبارک۔ یہ کوئی شرعی چیزیں نہیں ہیں۔ ان کو شرعی سمجھ کر پکانا بنانا بدعت ہے۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہٗ دہلی

سوال

(از اخبار الجمعیۃ مورخہ ۲۸ ستمبر ۱۹۲۹ء)

ہم لوگ حنفی ہیں۔ اور شہر میں اور بھی حنفی کہلانے والے لوگ ہیں۔ مگر ان کا طرز عمل حنفیت کے خلاف معلوم ہوتا ہے۔ تعزیہ بناتے ہیں اور نو تاریخ کو شب کے گیارہ بجے مرد و زن اکٹھے ہو کر تعزیہ کو گشت کرانے کے لئے لے جاتے ہیں۔ آگے آگے نقارے ڈھول وغیرہ بجاتے جاتے ہیں۔ پھر صبح کے پانچ چھ بجے اپنے مقام پر واپس لاتے ہیں۔ اور دس تاریخ کو مقام مقررہ پر تعزیہ رکھا جاتا ہے اور روٹیاں چرونجی دانے وغیرہ چڑھائے جاتے ہیں۔ مرادیں مانگی جاتی ہیں۔ پھر تین بجے تعزیہ اٹھا کر مع مرد و زن ہمراہ تعزیہ ڈھول تاشے بجاتے ہوئے تالاب پر لے جا کر پانی میں ٹھنڈا کر دیتے ہیں۔ اس کے بعد تین روز تک ماتم کر کے تیجہ کیا جاتا ہے۔ ان کو سمجھایا جاتا ہے تو وہ لوگ ہمیں وہابی غیر مقلد کہتے ہیں۔

(۲۵۸) **جواب** - تعزیہ بنانا اور اس کے ساتھ باجے بجانا اور عورتوں اور مردوں کا مل جل کر اس کے جلوس میں شریک ہونا اور تعزیہ پر نذریں چڑھانا، یہ سب کام تمام ائمہ کے نزدیک ناجائز اور حرام ہیں جو لوگ حنفی کہلا کر ایسے کام کرتے ہیں وہی درحقیقت غیر مقلد ہیں۔ کیونکہ حضرت امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے ان کاموں کی کہیں اجازت نہیں دی ہے اور نہ کسی حنفی فقیہ نے ان حرکات کی اجازت دی ہے۔ جو لوگ کہ ان کاموں سے علیحدہ رہتے ہیں وہ امام ابو حنیفہؒ کے سچے مقلد ہیں۔ محمد کفایت اللہ غفرلہٗ

سوال

(از اخبار سہ روزہ الجمعیۃ دہلی مورخہ ۱۳ اگست ۱۹۳۴ء)

محلہ مولوی چک میں ایک قبر خام ایک آدمی کے دروازے پر تھا۔ بوجہ دروازہ کے کسی ذی علم نے یہ رائے دیا کہ قبر ہو کر چلنا وغیرہ منع ہے، اس قبر کو گھیر دو تاکہ قبر پر راستہ نہ ہو۔ چند بزرگوں سے معلوم ہوا کہ صاحب قبر محلہ کے ایک مولوی تھے۔ جب وہ قضا کیے تو اس قبر میں دفن ہوئے۔ اس لئے محلہ کا نام مولوی چک رکھا گیا۔ اس کے سوا کوئی بات معلوم نہیں۔ کچھ عرصے کے بعد غیر جگہ کا ایک شخص بصورت شاہ صاحب آیا چند لوگوں کو کہا کہ ہم کو خواب ہوا ہے کہ اس قبر میں بزرگ لیٹے ہوئے ہیں۔ ہر سال بارھویں ربیع الثانی کو میلاد شریف و فاتحہ خوانی کیا کرو۔ چنانچہ شاہ صاحب نے اسی سال سے فاتحہ خوانی و میلاد شریف کا رواج ڈال دیا۔ ہر سال تاریخ مذکورہ پر عورت مرد موضع کے قرب و جوار کے لوگ جمع ہو کر کرتے ہیں، اور اپنی اپنی مرادیں مانگتے ہیں۔

(۲۵۹) **جواب** یہ سب معاملہ غلط اور ناجائز ہے۔ اس رسم کو بند کرنے کی سعی کرنا چاہئے۔ اس میں شرکت کرنا یا اس کی حمایت کرنا شرعی جرم ہے۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہٗ۔ دہلی۔

سوال

(از اخبار سہ روزہ الجمعیۃ دہلی مورخہ ۳۰ نومبر ۱۹۳۴ء)

(۱) شرع شریف نے ایصالِ ثواب کا کیا طریقہ مقرر کیا ہے؟ اگر نہیں مقرر کیا تو اس کی کیا وجہ ہے؟

(۲) کیا مخصوص ایام میں ایصالِ ثواب کا کوئی حکم آیا ہے۔ کیا شعبان کی چودھویں تاریخ کو شریعت نے ایصالِ ثواب کے لئے مقرر کیا ہے؟ اگر نہیں تو از خود مقرر کر لینا کیسا ہے؟

(۳) مخصوص دنوں کے علاوہ مخصوص غذاؤں سے ایصالِ ثواب کرنا اور ہمیشہ ایک غذا کو ایصالِ ثواب

کے لئے مخصوص کر لینا کیسا ہے؟ مثلاً شبِ برات کو حلوا پکانا۔ اور ہر سال اسی کو مخصوص کر لینا کیسا ہے؟
(۴) کیا صحابہ تابعین تبع تابعین ائمہ اربعہ محدثین اور عہد اوّل کے مسلمانوں میں شب برات کا حلوا مقرر تھا۔؟ کیا فقہانے بھی کہیں شب برات کے حلوے کا ذکر کیا ہے؟ (۶) کیا فقہانے جو یہ لکھا ہے کہ اگر کوئی امر مندوب اجتماعی طور پر کیا جانے لگے تو اس کو چھوڑ دینا چاہیئے۔ مثلاً منیۃ المصلی کی شرح غنیۃ المستملی میں لکھا ہے کہ شعبان کی پندرھویں شب اور رمضان کی ستائیسویں شب میں نماز باجماعت بدعت ہے۔ ایصالِ ثواب کے بارے میں بھی کیا ایسا لکھا ہے؟

(۲۶۰) **جواب**۔ ایصالِ ثواب ایک اچھا اور مستحسن کام ہے۔ بشرطیکہ اس میں احکام و حدود شرعیہ سے تجاوز نہ کیا جائے۔ اس کی اصل شرعی یہ ہے کہ انسان کوئی نیک عمل کرتا ہے اور اس سے اُس کی غرض حضرت حق جل مجدہٗ کی رضا جوئی یا اس کی عبادت کرنی ہوتی ہے ریا و سُمعہ یا رسوم مروجہ کی پابندی مقصود نہیں ہوتی۔ اخلاص پر عمل کا مدار ہوتا ہے تو حضرتِ حق تعالیٰ شانہ کی رحیم وکریم بارگاہ سے اس کو اس عملِ خیر کا ثواب دیا جانے کا وعدہ صادقہ فرمایا گیا ہے۔ اور رحمت بالائے رحمت یہ ہے کہ اگر وہ اخلاص کے ساتھ یہ دعا کرے کہ یا اللہ اس ناچیز عمل کا جو ثواب مجھے عطا فرمانے کا وعدہ فرمایا گیا ہے وہ فلاں شخص کو میں بخشتا ہوں۔ اس کو پہنچا دیا جائے، تو حضرت حق اس شخص کو جسے ثواب بخشا گیا ہے عطا فرما دیتے ہیں۔ شریعت مقدسہ نے اس عمل ایصالِ ثواب کے لئے کوئی خاص وقت یا خاص چیز یا خاص ہیئت کی شرط اور قید نہ لگائی ہو تو اپنی طرف سے ایسی تخصیص کرنی ناجائز اور حد شرعی سے تجاوز ہو گا۔

(۲) جو لوگ ایصالِ ثواب کے لئے اپنی طرف سے کوئی خاص دن یا کوئی خاص غذا مقرر کر لیتے ہیں اور اس کا التزام کر لیتے ہیں اور اس کو شرعی طور پر موجبِ ثواب یا موجبِ زیادتِ ثواب سمجھتے ہیں وہ حدِ شرعی سے تجاوز کرتے ہیں۔ مثلاً شعبان کی چودھویں تاریخ کی تعیین ایصال ثواب کے لئے شریعت سے ثابت نہیں۔ اسی طرح حلوے کی تخصیص بے اصل ہے۔ اگر اس کو شرعی حیثیت دی جائے گی جیسا کہ عام مسلمانوں کا خیال اور عقیدہ ہے تو یہ درست نہیں ہو گا۔

(۳) اس کا جواب بھی نمبر دوم میں آگیا کہ حلوے کی تخصیص اور التزام شرعی چیز نہیں ہے۔ اور اس کو شرعی بات سمجھ کر کرنا دین میں زیادتی کرنا ہے جو سخت مذموم اور قابلِ مواخذہ ہے۔

(۴) سلفِ صالحین اور ائمہ مجتہدین سے اس کا کوئی ثبوت نہیں۔ (۵) نہیں۔

(۶) ہاں اگر کسی مستحب چیز پر بھی فرائض وواجبات کی طرح عمل کیا جانے لگے اور لوگ اس ترک کو فرائض وواجبات کے ترک کی طرح بلکہ اس سے زیادہ اہمیت دینے لگیں تو اس کا ترک لازم ہو جاتا ہے۔ فقہائے کرام کے کلام میں اس کی بہت سی مثالیں موجود ہیں۔ مثلاً حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے نماز کے بعد داہنی طرف مڑ کر بیٹھنے کو ضروری سمجھنے کے متعلق فرمایا ہے کہ یہ خیال اور التزام کرنا نماز میں شیطان کا حصہ قائم کر دینا ہے۔ اور جیسے کہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے نماز چاشت کے لئے اہتمام سے لوگوں کے مسجد میں جمع ہونے اور فرض نماز کی طرح اس کے لئے اہتمام کرنے کو بدعت فرمادیا۔ (رواھما البخاری فی صحیحہ) حالانکہ سیدھی طرف مڑنا اور نماز چاشت پڑھنا دونوں جائز اور حضور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہیں۔ اسی طرح حلوے کا لازم کر لینا اور فرائض کی طرح اس کو ضروری سمجھنا بھی اسی مد میں داخل ہے۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہٗ۔ دہلی۔

سوال

(از اخبار سہ روزہ الجمعیۃ دہلی۔ مورخہ ۹ جنوری ۱۹۳۶ء)

(۱) سنتوں کے بعد امام با جماعت کا فاتحہ خوانی اور درود بھیجنا کارِ ثواب ہے یا بدعت ہے؟

(۲) اگر کسی مسلمان کے ٹولہ والوں نے کسی ایک اولیا کا جھنڈا نکالا تو کیا یہ بدعت ہے؟ (۳) اولیا و شہدا کی درگاہوں کی زیارت کو جانا وہاں اپنی مرادیں مانگنا بطور تاکید روا ہے یا بدعت؟

(۲۶۱) **جواب** (۱) سنتوں کے بعد اس عمل کا التزام کر لینا سنت نہیں۔ اور اس پر اصرار اور التزام کرنا بدعت ہے۔ (۲) جھنڈا نکالنا بدعت ہے یعنی اولیا کے نام سے جھنڈا نکالنا بدعت ہے۔ (۳) زیارت کو جانا تو جائز ہے۔ اور وہاں ان کے لئے دعائے مغفرت کرنا اور اَلسَّلَامُ عَلَیْکُمْ یَا اَھْلَ الْقُبُوْرِ اَنْتُمْ سَلَفُنَا وَنَحْنُ بِالْاَثَرِ پڑھنا سنت ہے۔ اور ان سے مرادیں مانگنا ناجائز ہے۔ محمد کفایت اللہ۔

دسواں باب

کائناتِ عالم

سوال

شمالی بہار میں جو قیامت خیز زلزلہ ہوا اس کے متعلق تین چار مہینے پیشتر بمبئی کے چند جوتشیوں نے

گجراتی اخبار میں یہ پیشین گوئی کی تھی کہ ان دنوں میں سات گہن ایک ساتھ جمع ہوں گے اور ایسا ایک واقعہ ضرور ہوگا۔ ان باتوں پر میرا ابھی اعتقاد بالکل نہیں۔ لیکن جو مذبذب تھے ان کا اعتقاد پختہ ہو گیا ہے۔ اس کے متعلق شریعت میں کیا حکم ہے؟ کیا گہن ایک ساتھ جمع ہونے سے زمین کے اوپر کچھ اثر ہوتا ہے؟ المستفتی نمبر ۱۸۹ اسمعیل ابراہیم محمدی۔ ۱۱ شوال ۱۳۵۲ھ مطابق ۲۷ جنوری ۱۹۳۴ء

(۲۶۲) **جواب**۔ آسمان اور اس کے متعلقہ مخلوقات کے آثار طبعیہ زمین اور اس کے مخلوقات پر ہوتے ہیں۔ اور یہ سب اللہ تعالیٰ کی قدرت کاملہ کے مقرر کیے ہوئے اور پیدا کئے ہوئے ہیں۔ اور اس کے ارادے اور مشیت کے ماتحت وقوع میں آتے ہیں۔ بعض آثار تو معلوم اور مشاہد ہیں جیسے سمندر کا مدوجزر چاند کے طلوع وغروب کے ساتھ تعلق رکھتا ہے۔ اور زمین کے نباتات کی ترقی و تنزل پختگی و رنگ و مزہ آفتاب و ماہتاب سے تعلق رکھتا ہے وعلیٰ ہٰذا۔ اور بعض آثار معلوم و مشاہد نہیں ہیں۔ ممکن ہے کہ چند ستاروں کا کسی خاص برج میں اور خاص ہیئت پر جمع ہو جانا زمین کے اوپر حوادث عظیمہ کے ظہور کی علامت ہو۔ مگر ان حوادث کا ظہور حضرت حق کے حکم و مشیت سے ہی ہوگا۔ کہ حضرت حق نے ہی ان ستاروں کی حرکات اور ان کے اوضاع مقرر کرکے ان کے ساتھ خاص خاص حوادث کو متعلق کر دیا ہے تو اس میں کسی قسم کی بدعقیدگی اور اصول اسلامیہ سے انحراف کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ۔

سوال

قرآن شریف واحادیث سے زمین اور آسمان ساکن یا متحرک معلوم ہوتے ہیں یا نہیں؟

المستفتی نمبر ۸۳۳ محمد ہاشم (ضلع لائل پور) ۱۳ محرم ۱۳۵۵ھ مطابق ۶ اپریل ۱۹۳۶ء

(۲۶۳) **جواب**۔ قطعی طور پر شریعت میں سیارات یا زمین کے حرکت کرنے کی تصریح نہیں۔

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ

سوال

زید موجودہ سائنسدانوں کے نظریئے دیکھ کر یہ عقیدہ رکھتا ہے کہ بارش بادلوں سے آتی ہے۔ اور بادلوں میں پانی سمندر سے بخارات اٹھ کر آتا ہے۔ عمرو اس پر یوں معترض ہوتا ہے کہ کلام الٰہی (قرآن شریف) میں پانی کا نازل ہونا آسمان سے ثابت ہے۔ کیونکہ کئی مقامات پر لفظ سماء کا استعمال آیا ہے۔ اور سماء عام الفاظ میں آسمان کو کہا جاتا ہے۔ اور عمرو اپنے اس ثبوت میں تفسیر روح البیان میں ابن عباس رضی اللہ عنہ کا قول پیش کرتا ہے۔

چنانچہ پارہ الم سورہ بقرہ رکوع ۲/۱۲ میں آیت اَوْ كَصَيِّبٍ مِّنَ السَّمَآءِ فِيْهِ ظُلُمٰتٌ (الی) بِالْكٰفِرِيْنَ کی تفسیر کرتے ہوئے بارش کا برسنا اور بننا یوں بیان کیا ہے۔ آسمان کے اوپر پانی کا ایک دریا ہے وہاں سے پانی حسب منشاء الٰہی بادلوں میں آتا ہے۔ اور پھر بادلوں میں سے وہی پانی چھن چھن کر اتارا جاتا ہے۔ ہر ایک قطرہ کے ساتھ فرشتہ ہوتا ہے وغیرہ الخ اور اس بیان میں یونانی حکماء کے خیال کا رد بیان کیا گیا ہے کہ بادلوں میں سمندر کے بخارات سے ہرگز نہیں آتا۔ اب حل طلب سوال یہ ہے کہ ان دونوں اقوال میں سے کس کو قبول کیا جائے اور کون سے کو رد۔ اگر پہلے کو لیا جائے تو قرآن مجید کے لفظ سماء کو کس معنی میں لیا جائے اور اگر دوسرے قول کو لیا جائے کہ آسمان کے اوپر تالاب ہے۔ وہاں سے پانی بادلوں میں آتا ہے تو پھر اس کا کیا جواب ہے۔ ہزارہا تجربوں اور مشاہدوں سے ہم دیکھ رہے ہیں کہ حرارت سے پانی گرم ہو کر ہوا میں ملتا رہتا ہے۔ اور اس لئے ہم اپنے گرد ہوا میں پانی موجود پاتے ہیں۔ اور ساتھ ہی قرآن شریف میں بھی ہواؤں کو پانی سے لدا ہوا بتایا گیا ہے یعنی بادل وغیرہ۔

المستفتی نمبر ۱۲۰۲ مسٹر عبدالرحمن صاحب مروت۔ بی۔ اے۔ ٹیچر اسلامیہ ہائی اسکول ڈیرہ اسمٰعیل خاں ۱۰ رجب ۱۳۵۵ھ مطابق ۲۷ ستمبر ۱۹۳۶ء

(۲۶۴) **جواب**۔ قرآن شریف میں بارش کا آسمان سے آنا مذکور ہے۔ لہٰذا اس پر ایمان رکھنا لازم ہے لیکن اس کی کیفیت کہ کس طرح آتا ہے قرآن مجید میں مذکور نہیں۔ لہٰذا عقیدہ یہ ہونا چاہئے کہ بارش آسمان سے آتی ہے۔ مگر اس کیفیت کے ساتھ جو خدا کو معلوم ہے ہمیں معلوم نہیں۔ قرآن مجید میں بادل کو بارش کا سبب بھی بتایا گیا ہے۔ قَالُوْا هٰذَا عَارِضٌ مُّمْطِرُنَا۔ لہٰذا بادل کو بارش کا سبب جاننا قرآن مجید کے خلاف نہیں بادلوں میں پانی کہاں سے آتا ہے اس کا جواب یہ ہے کہ، سمندر کے بخارات بادل بن جاتے ہیں، یہ بھی ممکن ہے، اور اس طرح بارش ہونا بھی ممکن ہے۔ اور آسمان سے کسی نامعلوم طریقہ سے بادلوں میں پانی آنا بھی ممکن۔ اس لئے ان دونوں باتوں میں تنافی اور تضاد نہیں۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہٗ۔ دہلی۔

سوال

متعلقہ پیدائش جن

(۲۶۵) **جواب**۔ جن انسان سے پہلے پیدا ہوئے ہیں۔

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہٗ دہلی

سوال

بعض لوگ کہتے ہیں کہ زمین کے نیچے بیل ہے۔ اس نے زمین کو اپنے سینگوں میں پکڑا ہوا ہے۔ نیز یہ کہ زمین سات عدد ہیں۔ (۲) سائنسدان کہتے ہیں کہ زمین گول ہے۔ کیا شرعاً یہ ٹھیک ہے؟

المستفتی ۲۴۷۱ کامراں صاحب (ریاست صوات، صوبہ سرحد) ۸ صفر ۱۳۵۸ھ مطابق ۳۰ مارچ ۱۹۳۹ء

(۲۶۶) **جواب**۔ (۱) یہ روایت اسرائیلیات میں سے ہے۔ اور عقیدہ قائم کرنے کے قابل نہیں۔ (۲) شریعت کو اس سے بحث نہیں کہ زمین گول ہے یا مسطح۔ وہ تزکیہ قلب و تصحیح عقائد اور اصلاحِ اعمال کی تعلیم کے لئے نازل ہوئی ہے۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ

سوال

(از اخبار سہ روزہ الجمعیۃ دہلی مورخہ ۲ مئی ۱۹۲۸ء)

غروبِ شمس کے واسطے عوام میں مشہور ہے کہ جب چاند میں روشنی آجائے تو اذانِ مغرب کہہ دینی درست ہے۔

(۲۶۷) **جواب** چاند میں روشنی کی خاص کیفیت اُسی وقت پیدا ہوتی ہے جب آفتاب غروب ہو جاتا ہے۔ اس لئے یہ بات بطور علامت کے سمجھی جاتی ہے۔ اور ایک حد تک صحیح ہے۔ مگر یقینی اور کلی طور پر دلیل نہیں ہے۔ محمد کفایت اللہ غفرلہٗ

سوال

(از اخبار سہ روزہ الجمعیۃ دہلی۔ مورخہ ۹ اپریل ۱۹۳۶ء)

کتاب ہزار مسئلہ کے مسائل اجتماعی طور پر کہاں تک مستند اور معتبر ہیں جبکہ نہ مصنف کا پتہ ہے اور نہ جن کے مسائل میں کسی معتبر کتب حدیثیہ کے دلائل و حوالجات ہیں۔

(الف) علی الخصوص زمین کی ساخت کے بارے میں کہ ایک موتی تھا، خدا کے خوف سے پگھل کر پانی ہو گیا۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے ہوا کو بنا کر پانی پر چلنے کا حکم دیا۔ ہوا کے چلنے سے پانی زور سے ہلنے لگا۔ اور پانی میں کف پیدا ہو گیا۔ یہی کف خشک ہو کر زمین بن گئی۔ قرآن کریم کے لفظ کن فیکون سے کیا مراد ہے؟

(ب) زمین کی استقامت کے بارے میں کہ زمین ایک بیل کے سینگ پر ہے۔ بیل ایک

پہاڑ پر ہے جس کا نام کوہِ مسعود ہے. کوہ مسعود کوہِ غضبان پر ہے. علیٰ ہٰذا یکے بعد دیگرے چلا گیا ہے ۔ آخر کے متعلق کسی کو علم نہیں۔

(ج) یہ اعتقاد کہ خدائے جل شانہ نے دنیا کو اپنی قدرت سے بالکل معلق رکھا ہے کیسا ہے ؟

(۲۶۸) **جواب** کتاب ہزار مسئلہ میں جو مسائل مذکور ہیں وہ قابلِ اعتماد نہیں ہیں ۔

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہٗ

سوال

(از اخبار سہ روزہ الجمعیۃ دہلی ۔ مورخہ ۱۰ ارجنوری ۱۹۲۶ء)

زید کہتا ہے کہ زیرِ زمین دریا ہے اور دریا میں مچھلی ہے اور مچھلی کی پشت پر گائے ہے۔ اور گائے کے سینگ پر زمین ہے۔ کیا یہ صحیح ہے ؟

(۲۶۹) **جواب** ۔ یہ روایت اس ترتیب کے ساتھ سند صحیح سے ثابت نہیں۔ محمد کفایت اللہ غفرلہٗ

گیارھواں باب

ذات پات، نسل قبیلہ

سوال

جو شخص حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی اولاد میں ہے وہ فاروقی کہلا سکتا ہے یا نہیں؟ اور اسی طرح حضرت عثمانؓ کی اولاد عثمانی اور حضرت ابو بکر صدیقؓ کی صدیقی کہلائے گی یا نہیں ؟ (۲) جو شخص آج تک اپنے کو اولاد حضرت سیدنا فاروق یا حضرت سیدنا ابو بکر صدیق میں رکھ کر اپنے کو فاروقی یا صدیقی کہتا رہا ہے، آیا اس کا یہ فعل کہ اب محض قانونی فائدہ اٹھانے کے لئے اپنے کو قریشی سے منسوب کرے اخلاقاً اور شرعاً جائز ہوگا یا ناجائز ؟ (۳) یہ کہ ہندستان میں سوائے نضر بن کنانہ کی اولادوں کے خلفائے اربعہ کی اولادیں کہلاتی ہیں یا نہیں ؟ المستفتی سید مطلبی فرید آبادی ۲۰ جولائی ۱۹۲۹ء

(۲۷۰) **جواب** ۔ حضرت عمر فاروقؓ کی اولاد اور اولاد در اولاد فاروقی اور حضرت عثمانؓ کی اولاد اور اولاد در اولاد عثمانی اور حضرت صدیقؓ کی اولاد اور اولاد در اولاد صدیقی ہے ۔ اور یہ سب قریشی ہیں۔ یعنی تمام فاروقی قریشی ہیں اور تمام عثمانی قریشی ہیں اور تمام صدیقی قریشی ہیں۔ کیونکہ ان کے جدِ اعلیٰ

حضرت عمر فاروقؓ اور حضرت عثمانؓ اور حضرت صدیقؓ قریشی ہیں - (۲) کسی فاروقی کا اپنے کو قریشی کہنا اور کسی عثمانی کا اپنے کو قریشی کہنا اور کسی صدیقی کا اپنے کو قریشی کہنا نہ واقعۃً غلط ہے اور نہ شرعاً ناجائز بلکہ ایک حقیقتِ واقعیہ کا اظہار ہے اور اس میں کوئی شرعی عرفی اخلاقی قانونی قباحت نہیں ہے۔ (۳) خلفاءِ اربعہ کی اولادیں سب کی سب نضر بن کنانہ کی اولاد میں ہیں۔ اور سب کی سب قریشی ہیں۔

محمد کفایت اللہ غفرلہ۔ مدرسہ امینیہ دہلی

سوال

ایک عورت ہندو سے مسلمان ہوئی جس کو عرصہ قریب پچیس برس کے گذرا اور مارواڑی قوم کے مسلمان کے ساتھ نکاح کیا۔ چار اولادیں مسلمان حیات ہیں۔ صوم وصلوٰۃ کی پابند رہی۔ اب مارواڑی لوگ اس کو برادری میں بٹھلانے سے انکار کرتے ہیں۔ کیا وہ عورت مسلمان نہیں ہوئی؟ اور برادری میں بیٹھنے کے قابل نہیں؟

(۲۷۱) **جواب۔** کسی کا یہ خیال کرنا کہ تو مسلم ہماری قوم سے نہیں اور اس وجہ سے اس کو ذلیل وحقیر سمجھنا گناہ ہے۔ اسلام میں ذات پات کا کوئی لحاظ نہیں۔ اسلام تو یہ تعلیم دیتا ہے انما المومنون اخوۃ۔ جتنے مسلمان ہیں سب ایک دوسرے کے بھائی ہیں۔ احکام اسلام کے خلاف کسی مسلمان کو جائز نہیں کہ وہ کسی کو ذلیل وحقیر سمجھے۔ جو ایسا کرے گا سخت گناہگار ہوگا۔ خداوند تعالیٰ جل شانہ کا ارشاد ہے۔ وجعلکم شعوبا وقبائل لتعارفوا ان اکرمکم عند اللہ اتقکم یعنی خداوند تعالیٰ نے تمہارے قبیلے اور خاندان اس لئے مقرر کئے کہ آپس میں تعارف اور شناخت کے کام آئیں۔ بیشک شریف ترتم میں وہی ہے جو پرہیزگار تر ہے۔ یعنی خدا کے نزدیک شرافت کا معیار تقویٰ ہے۔ نہ ذات پات۔ جو لوگ کسی نیک بخت مسلمان کو محض نو مسلم یا کم ذات ہونے کی وجہ سے ذلیل سمجھیں ان کو خدا کے عذاب سے ڈرنا چاہئے اور توبہ کرنا چاہئے۔ معلوم نہیں کس وقت موت آجائے۔ بغیر توبہ مرنے میں عذاب خداوندی کا سخت خوف ہے۔

سوال

حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی اولاد کے سوا حضرات خلفائے ثلٰثہ کی اولاد کو سید لکھنا یا کہنا جائز ہے یا نہیں؟

(۲۷۲) **جواب۔** سید عربی لفظ ہے جس کے معنی سردار کے ہیں۔ اور اس معنی کے لحاظ سے یہ لفظ ہر بزرگ اور واجب التعظیم شخص کے حق میں استعمال کیا جاتا ہے۔ متقدمین میں طریقہ یہ تھا کہ شاگرد اپنے استاد کو مرید اپنے

پیر کو۔ بیٹا اپنے باپ کو، غلام اپنے آقا کو سیدنا و مولانا، یا سیدی و مولائی کہا کرتا تھا۔ بیشمار مثالیں اس کی کتب متقدمین سے مل سکتی ہیں۔ لیکن ہمارے عرف میں اس لفظ کے معنی دوسرے ہو گئے ہیں اور وہ یہ کہ سید بول کر علوی یعنی اولادِ علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ سے ہونا مراد لیا جاتا ہے۔ اور اردو فارسی عبارتوں میں اس کے یہی پچھلے معنی غالب الاستعمال ہیں۔ اگرچہ عربی کلام میں ابھی تک علوی کے معنی میں یہ غالب الاستعمال نہیں ہے لیکن کسی ایسے کلام میں جس میں یہ لفظ علوی کے معنی میں غالب الاستعمال ہو گیا ہو اور اس لفظ سے یہی سمجھا جائے کہ اولادِ علی ہونا مراد ہے کسی غیر علوی کے لئے اس کا استعمال کرنا مناسب نہیں کہ اس میں انتساب غیر واقعی کا ایہام ہے اگرچہ استعمال کرنے والے نے سردار کے معنی میں استعمال کیا ہو اور اس وجہ سے اس پر کوئی گناہ نہیں۔ لیکن ایہام غیر مقصود کی وجہ سے نامناسب ضرور ہے۔ واللہ اعلم۔

سوال

تابعدار فدوی کانسٹیبل عبدالرحیم ولد محمد ہاشم کے خاندان اہل سنت والجماعت نے پیشہ خاکروبی کیا تھا۔ چند سال ہوا کہ ہم بھائیوں نے پیشہ ترک کیا۔ اور سنت جماعت بھائیوں کا سوال ہے کہ ہم لوگ مسلمان نہیں ہیں۔ تو تابعدار کا جواب یہ ہے کہ مسلمان نہیں ہیں تو ہر ایک بات سے کیوں بند نہیں کر دیتے مسجد میں آنا، موت میں آنا۔ اور قرآن شریف پڑھنا۔ ہمارے سرور کائنات سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا کیا فرمان ہے۔ تابعدار کے خاندان نے پیشہ خاکروبی کیا۔ اس لئے ہم بھائیوں کے ہاتھ کا کھانا ناجائز ہے، تو تابعدار کا سوال ہے کہ کونسی حدیث اور فقہ میں ہے کہ جس نے غلاظت صاف کی اس کے ہاتھ کا کھانا ناجائز ہے۔ اور جو غلاظت کھاتے ہیں ان کے ہاتھ کا جائز ہے۔ جس روز سے تابعدار نے یہ لفظ سنا کہ مسلمان نہیں اس روز سے تابعدار نے اسلام کی ہر ایک بات چھوڑ دیا ہے۔ لہٰذا تابعدار کو دوسرے مذہب میں شامل ہونے کی اجازت دی جائے۔ المستفتی ۶ عبدالرحیم کانسٹیبل

نمبر ۱۶۱ پولیس بلڈانہ برار۔ مورخہ ۲۵ جمادی الآخری ۱۳۵۲ھ م ۱۶ اکتوبر ۱۹۳۳ء

یہ غالباً نومسلم ہیں اور مسلمان ان سے حقارت کا برتاؤ کرتے ہیں۔ لہٰذا ان کی تائید میں کوئی جواب ہو جائے تو ان کی آسانی کا باعث ہوگا۔ خواجہ حسن نظامی۔

(۲۷۳) **جواب**۔ اسلام کا حکم یہ ہے کہ جو شخص خدا اور رسول پر ایمان لے آیا اور جو باتیں کہ پیغمبر خدا لائے ہیں ان کو مان لیا اور قرآن مجید کو اللہ تعالیٰ کی کتاب تسلیم کر کے اس کے احکام کو قبول کر لیا، وہ سب مسلمانوں کا بھائی

ہو گیا، خواہ کسی قوم اور کسی ذات کا ہو۔ اسلام نے چھوت چھات قائم نہیں کی بلکہ اس کو اٹھا دیا ہے۔ جو لوگ تم سے چھوت کریں یا تمھارے ہاتھ کی چیز سے پرہیز کریں یا تم کو ذلت و حقارت کی نظر سے دیکھیں وہ اسلامی احکام سے ناواقف ہیں۔ خدا اور رسول کے نافرمان اور گنہ گار ہیں۔ تم ہرگز دل تنگ نہ ہو اور اسلامی کاموں کو ادا کرتے رہو اور مضبوط رہو۔ اور ان لوگوں سے کہو کہ خدا تعالیٰ نے ہمیں اسلام کی عزت دی ہے۔ تم ہم کو حقارت سے دیکھ کر گنہ گار نہ ہو۔ انما المومنون اخوۃ قرآن مجید میں فرمایا گیا ہے کہ سب مسلمان بھائی بھائی ہیں

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ

سوال

میں نے ایک رسالہ میں یہ حدیث دیکھی ہے۔ قدموا قریشا ولا تقدموھا وتعلموا منھا ولا تعلموھا۔ الحدیث۔ اخرجہ ابن البخاری (از کنز جلد ۷، صفحہ ۱۴۰) آیا یہ حدیث صحیح ہے یا غیر صحیح؟ بصورت صحیح ہونے کے اس کا مطلب کیا ہے؟ المستفتی نمبر ۱۳۷ مولوی محمد زکریا۔ عربک ٹیچر مسلم ہائی اسکول، انبالہ۔ ۲۴ شوال ۱۳۵۴ھ مطابق ۲۰ جنوری ۱۹۳۶ء

(۲۷۴) **جواب**۔ یہ حدیث کنز العمال کے صفحہ ۱۴۰ جلد ہفتم میں موجود ہے۔ ابن النجار سے نقل کی ہے۔ اور مناوی نے کنوز الحقائق میں اس کو روایت کر کے (الشافعی) کی طرف منسوب کیا ہے۔ اور لا تعلموھا کے بجائے لا تعالموھا ذکر کیا ہے اور جامع صغیر میں کئی حوالوں سے بالفاظ مختلفہ ذکر کیا ہے۔ مثلاً اس میں ہے قدموا قریشا ولا تقدموھا وتعلموا من قریش ولا تعالموھا۔ الشافعی والبیھقی فی المعرفۃ عن ابن شھاب بلاغا (عد) عن ابی ھریرۃ (صح) قدموا قریشا ولا تقدموھا وتعلموا من قریش ولا تعلموھا ولولا ان تبطر قریش لاخبرتھا ما لخیارھا عند اللہ تعالیٰ (طب) عن عبد اللہ بن السائب (صح) قدموا قریشا ولا تقدموھا ولولا ان تبطر قریش لاخبرتھا بما لھا عند اللہ۔ البزار عن علی (صح) یعنی یہ حدیث ابن النجار اور شافعی اور بیہقی اور ابن عدی اور طبرانی اور بزار نے روایت کی ہے۔ اور جامع صغیر میں اس کی تمام روایتوں پر صحت کی علامت کی گئی ہے۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ حدیث صحیح ہے۔ اور اس کے معنی یہ ہیں کہ قریش مقدم (مقتدا) ہونے کے اہل ہیں۔ ان کو مقدم رکھو اور (ما اقاموا الدین) جب تک ان کی اہلیت قائم ہو تم ان سے مقدم ہونے کی کوشش نہ کرو۔ اور قریش (یعنی عترت نبویہ) سے دین سیکھو یا قرآن مجید کی قرأت (لان القرآن

نزل بلغة قریش) حاصل کرو اور اس بارے میں ان کے ساتھ مقابلہ کرنے کی راہ اختیار نہ کرو۔ یہ فقط ایصال الحق الی اھلہ کی تعلیم ہے اور اہلیت کا ثبوت ان کے لئے علی ماینبغی ہے نہ کہ بطور لزوم جیسے کہ لفظ ما اقاموا الدین سے ظاہر ہے کہ دین سے روگردانی پر وہ قیادت اور تقدم کے مستحق نہیں فقط

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہٗ۔ دہلی

سوال

بنو فاطمہ کے علاوہ بقیہ بنو ہاشم بھی سید ہیں یا نہیں ؟

المستفتی نمبر ۸۳۲ محمد نذر شاہ (ضلع گجرات) ۶ محرم ۱۳۵۵ھ مطابق ۳۰ مارچ ۱۹۳۶ء

(۲۷۵) **جواب**۔ بنو ہاشم کے علاوہ دوسرے ہاشمی بھی لغۃً و احتراماً سید ہیں اور حرمت صدقہ کے حکم میں شامل ہیں۔ مگر اصطلاحاً سید کا لفظ صرف بنو فاطمہ کے لئے خاص ہو گیا ہے۔ محمد کفایت اللہ

سوال

کیا مذہب اسلام کا یہ حکم ہے کہ جن افراد پر از روئے شرع شریف صدقہ حرام ہے اور وہ مستحق خمس ہیں۔ ان کو بغرض اظہار نسب سید اور سادات سے موسوم و مخاطب کیا جائے۔ بینوا توجروا

المستفتی نمبر ۹۳۸ سید کمال احمد۔ دہلی۔ ۲۸ صفر ۱۳۵۵ھ مطابق ۲۰ مئی ۱۹۳۶ء

(۲۷۶) **جواب** صدقہ بنی ہاشم پر حرام ہے۔ اور بنی ہاشم میں جن پر صدقہ حرام ہے عباسی اور بنو حارث اور اولاد جعفر بن ابی طالب اور اولاد عقیل بن ابی طالب اور اولاد علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہم سب شامل ہیں۔ ان سب کے لئے لفظ ہاشمی ایسا لفظ ہے جو اظہار نسب کے ساتھ اظہار حرمت صدقہ کے لئے کافی ہے۔

سید کا لفظ اس معنی میں محاورات عرب میں مستعمل نہ تھا۔ ہندوستان میں بھی اتنے عام معنی میں متعارف نہیں ہے۔ بلکہ حضرت علی کی تمام اولاد پر بھی حاوی نہیں۔ صرف اولاد فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہا پر عرفاً بولا جاتا ہے۔ اس سے واضح ہو گیا کہ شریعت میں کسی ایسے حکم کا وجود نہیں کہ لفظ سید اپنے نام کے ساتھ حرمت صدقہ کے اظہار کی غرض سے لکھنا یا کہنا ضروری ہو۔ فقط محمد کفایت اللہ کان اللہ لہٗ۔

سوال

جو مسلمان دوسرے مسلمان کو کسی حیثیت سے ذلیل سمجھے اور مسلمانوں میں تفرقہ پیدا کرے وہ کیسا ہے؟

المستفتی نمبر ۱۰۰۱ غلام محمد ۔ امروہہ ۲۶ ربیع الاول ۱۳۵۵ھ مطابق ۱۷ جون ۱۹۳۶ء

(۲۷۷) **جواب** محض نسب کی بنا پر کسی کو ذلیل سمجھنا اور ذلیل کہنا اسلامی تعلیم کی رو سے غلط اور ناجائز ہے۔ اور اس بنا پر مسلمانوں میں تفرقہ ڈالنا موجب فسق ہے۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ ، دہلی

سوال

کسی کا محض اس بنا پر کہ میں شیخ و سید ہوں ، اپنے کو بڑا سمجھنا اور پیشہ ور اقوام مثلاً بافندہ نداف ، حجام وغیرہ کو ذلیل سمجھنا باعتبار نسب کے جائز ہے یا نہیں ؟

المستفتی نمبر ۱۰۱۹ ایم ۔ عمر صاحب (ضلع سارن) ۳ ربیع الثانی ۱۳۵۵ھ مطابق ۲۴ جون ۱۹۳۶ء

(۲۷۸) **جواب** ۔ سادات کے لئے اور اسی طرح صحابۂ کرام اور بزرگوں کی اولاد کے لئے ایک قسم کا شرف حاصل ہے ۔ لیکن وہ اسی وقت معتبر اور کارآمد ہے کہ اعمال کے لحاظ سے بھی وہ شخص اچھا ہو اور باوجود اس کے دوسروں کو ذلیل نہ سمجھے اور ان کے ساتھ شودر کی طرح معاملہ نہ کرے ۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ

سوال

(۱) مثل ہندوؤں کے شیخ سید مغل پٹھان کو اعلیٰ ذات سمجھنا اور باقی کو ذلیل سمجھتے ہوئے اپنے برابر نہ بٹھانا ان کے ساتھ شودر جیسا سلوک کرنا کیسا ہے ؟

(۲) ہندوؤں کے اعلیٰ ذات برہمن راجپوت وغیرہ کو برابر بٹھانا ، اور مسلم پیشہ ور اقوام مثل بافندہ وغیرہ کو برابر نہ بٹھانا کیسا ہے ؟

المستفتی نمبر ۱۰۱۹ ایم ۔ عمر صاحب انصاری (ضلع سارن) ۳ ربیع الثانی ۱۳۵۵ھ مطابق ۲۴ جون ۱۹۳۶ء

(۲۷۹) **جواب** ۔ مسلمانوں میں اور اسلام میں ذات کے طبقات پر شرافت اور رذالت کا فرق نہیں ۔ اسلام میں شرافت صلاحیتِ اعمال و تقویٰ پر ہے ۔ (۲) اسلامی شرافت نسبی شرافت سے بالاتر ہے ۔ ایک مسلمان پیشہ ور صالح متقی غیر مسلم نسبی شریف سے اکرام و اعزاز کا زیادہ مستحق ہے ۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ دہلی ۔

سوال

ملک حاجی عبدالعزیز نے اچھوت کا جھوٹا پانی پیا ۔ (روزنامہ آفتاب ۲۵ جولائی ۱۹۳۶ء)

(۱) گذشتہ شب کمہار واڑہ میں مسٹر چندرا کی تقریر ہو چکی تو مولانا مولوی محمد عثمان صاحب نے جو جلسہ کے صدر تھے ، اپنی فاضلانہ تقریر کے دوران میں اسلام کی تعلیم اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اسوۂ حسنہ کو حاضرین

کے سامنے پیش کیا۔ آپ نے اچھوت بھائیوں کو خطاب کرتے ہوئے کہا کہ ایک مسلمان ان کے ساتھ بیٹھ کر ایک تھالی میں کھانا کھا سکتا ہے۔ اور ایک گلاس میں پانی پی سکتا ہے۔ مولانا کے منہ سے یہ الفاظ نکلے ہی تھے کہ ملک حاجی عبد العزیز نے کھڑے ہو کر سب اچھوت بھائیوں کے سامنے مسٹر چندرا کا جھوٹا پانی جو گلاس میں میز پر رکھا تھا، پی لیا اور ثابت کر دیا کہ مسلمانوں میں بالکل چھوت چھات نہیں ہے۔ ملک صاحب نے پانی پیا تو چاروں طرف سے احسنت و مرحبا کے نعرے بلند ہوئے۔ مولوی محمد عثمان صاحب نے تقریر کرتے ہوئے بہت سے واقعات کا ذکر کیا۔ پھر ملک صاحب کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا جس طرح انھوں نے آپ کے سامنے مسٹر چندرا کا پانی پیا، کیا کوئی ہندو کر سکتا ہے۔ اس پر ایک ہندو نوجوان جلسہ میں کھڑے ہو کر بولا کہ ہاں میں پی سکتا ہوں۔ چنانچہ اس نے سب کے سامنے ایک دوسرے اچھوت کا جھوٹا پانی پیا۔ مولانا نے اس پر اظہار مسرت کرتے ہوئے کہا کہ یہ اسلام کی پاک تعلیمات کا اور حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی پیش گوئی کا اثر ہے کہ آج ہندو بھی اسلام کی تعلیمات کی طرف رجوع کر رہے ہیں اور بری رسومات کو چھوڑ رہے ہیں۔ جلسہ خیر و خوبی سے ختم ہوا۔

(۲) مسلمانوں میں کسی قسم کی چھوت چھات نہیں مدیر آفتاب اچھوت بھائیوں کا مہمان

گذشتہ شب مسٹر چندرا جب تقریر ختم کر چکے اور جلسہ برخاست ہو چکا تو کمہار واڑہ کے اچھوتوں نے مسٹر چندرا کو درخواست کی کہ وہ اُن کے پاس رات گذاریں اور ان کے مہمان ہوں۔ انھوں نے مدیر آفتاب سے دریافت کیا کہ ان کو بھنگیوں کے ہاں رہنے میں کچھ عذر ہوگا۔ وہ چاہتے تھے کہ مدیر آفتاب ان کے ترجمان کا فرض ادا کریں۔ اس لئے کہ مسٹر چندرا کی زبان سے ناواقف ہیں۔ مدیر آفتاب نے اچھوت بھائیوں کی دعوت کو نہایت خوشی سے قبول کر لیا۔ اور وہ مسٹر چندرا کے ساتھ شب بھر بھنگیوں کے کوارٹر میں قیام پذیر رہا اچھوت بھائیوں نے اپنی حیثیت کے مطابق اپنے مہمان کی خاطر داری میں کوئی دقیقہ اٹھا نہ رکھا۔ اور صبح کا ناشتہ کرا کے ان کو رخصت کیا۔ نقیب کراچی ۲۷ جولائی ۱۹۳۶ء

علمائے کرام کیوں خاموش ہیں ؟ کراچی میں ایک نیچری خیال کا لامذہب ایک اردو اخبار کی پناہ لے کر علی رؤس الاشہاد سورۂ ممتحنہ اور قرآن پاک کی مقدس آیات کا خاکہ اڑا رہا ہے، لیکن کسی بھی عالم دین کو یہ جرأت نہیں ہوتی کہ اس دریدہ دہن کے منہ میں لگام دے۔ یوں تو معمولی معمولی ناکارہ چیزوں پر وہ فتویٰ دینے کے لئے تیار ہو جاتے ہیں۔ اور الیکشن تک کے معاملات بھی ان کے افتاء کی زد سے محفوظ نہیں رہتے

لیکن ظلم کی بات ہے کہ ایک لامذہب شخص اسلام اور مسلمانوں کی کھلم کھلا تضحیک کر رہا ہے۔ اور علماء حقہ کو "بکومت" کے الفاظ سے یاد کرتا ہے۔ مگر کسی عالم کی غیرت ایمانی کو احساس نہیں ہوتا۔ آج کہاں ہیں وہ مبلغ اسلام حافظ مولوی محمد حسن صاحب، مولانا مولوی ایوب بیگ صاحب، مولوی رحمت اللہ صاحب مولوی محمد عثمان صاحب اور حکیم علی محمد صاحب۔ ذرا ملاحظہ تو کریں کہ ملک عبدالعزیز آف پنجاب ہوٹل اور مدیر آفتاب جیسے نمائشی مسلمان مردار خوار لوگوں کے ساتھ چائے پیتے اور ان کا جھوٹا پانی پیتے ہیں اور وہ بھی برسر عام بے علم اور سادہ لوح مسلمانوں کے سامنے۔ اسلام ہرگز اجازت نہیں دیتا کہ کسی ایسے شخص کا جھوٹا کھایا جائے جو حرام اور مردار اشیاء کو جائز اور حلال سمجھ کر کھا رہا ہو، تاوقتیکہ وہ مسلمان ہو کر ان اشیاء سے تائب نہ ہو جائے۔ لیکن افسوس ہے کہ صرف غیر مسلموں پر جھوٹا اثر قائم کرنے کے لئے یہ علم دین سے بے خبر لوگ اسلام کو ذلیل کرتے پھرتے ہیں۔ کیا غیر مسلموں پر اسلام کا اثر اسی صورت سے ڈالا جا سکتا ہے کہ ان کا جھوٹا پانی پیا جائے۔ اور ان کے ساتھ کھانا کھایا جائے۔ اسلام کی سطح محبت ارفع و اعلیٰ ہے۔ اس کی مقدس تعلیم اور زرین اصولوں پر کاربند ہو کر ہر مسلمان وہ نمونہ دنیا کے سامنے پیش کر سکتا ہے کہ غیر مسلم خود اسلام کے شیدائی بن جائیں۔ آج اس قسم کے نئے مسلمان اپنی حرکات سے اسلام کو بجائے فائدہ پہنچانے کے نقصان پہونچاتے ہیں۔ مسلمانوں کو ضرورت نہیں ہے کہ وہ کسی بے دین یا مشرک کا جھوٹا کھائیں۔ بلکہ دنیا اور دین میں باعزت اور خوشگوار زندگی بسر کرنے کے لئے بے دینوں اور مشرکوں کو اسلام کی پناہ میں آنے کی ضرورت ہے اور جیسے جیسے ان کو احساس ہوتا جاتا ہے وہ حلقہ بگوش اسلام ہوتے جاتے ہیں۔ شیخ خالد لطیف گاما اور شیخ عبداللہ گاندھی اور دوسرے ہزاروں نو مسلم اس لئے مسلمان نہیں ہوئے کہ ملک عبدالعزیز نے ان کا جھوٹا پانی پیا تھا یا قاضی محمد مجتبیٰ صاحب نے ان کے سامنے بھنگیوں اور چماروں کی محفل میں بیٹھ کر چائے نوشی کی تھی۔ ؎ ببیں تفاوتِ رہ از کجاست تابکجا۔ آج کراچی کے علماء دین اور مبلغین کا فرض ہے کہ وہ اپنے عشرت کدوں سے باہر نکلیں اور میدان میں آکر اسلام کی صحیح تعلیم مسلمانوں اور غیر مسلموں کے سامنے پیش کریں اور اس غلط فہمی کو دور کریں جو ان جاہلوں کی وجہ سے پیدا ہو رہی ہے۔ اسلام کی نظر میں تمام غیر مسلم خواہ وہ اچھوت ہوں یا برہمن چھتری ہوں یا ویش ایک ہیں۔ ان میں سے جو بھی دائرہ اسلام میں داخل ہو وہ ان کا بھائی ہے۔ المستفتی نمبر ۱۰۲۷ محمد یوسف صاحب دہلوی۔ (کراچی) ۱۳ جمادی الاول ۱۳۵۵ھ مطابق یکم اگست ۱۹۳۶ء

(۲۸۰) **جواب** اسلام میں چھوت چھات نہیں۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ اسلام نے وزن کے لحاظ سے

مسلمانوں یا غیر مسلموں کو کلاسز میں تقسیم نہیں کیا۔ اور کوئی شخص اپنی نسل اور قومیت کے لحاظ سے اچھوت نہیں۔ ہاں اگر وہ کوئی ایسی شے استعمال کرتا ہے جو اسلام نے ناپاک یا حرام قرار دی ہے تو اس سے مسلمان اس لئے احتراز کریگا کہ ناپاک یا حرام چیز کا اس کے ساتھ لگاؤ نہ ہو جائے۔ خواہ استعمال کرنے والا مسلمان ہی کیوں نہ ہو۔ لیکن اسلام نے انسان کے بدن کو (جب کہ اس پر کوئی خارجی نجاست نہ ہو) پاک قرار دیا ہے۔ اور اس میں مسلمان اور کافر کا فرق نہیں کیا۔ اور اسی بنا پر انسان کا جھوٹا پاک ہے۔ خواہ مسلمان ہو یا کافر۔ پس اگر کوئی مسلمان کسی کافر شریف یا اچھوت کا جھوٹا پانی پی لے تو بشرطیکہ اس کافر نے کوئی ناپاک چیز کھائی پی نہ تھی، تو اس میں کوئی مضائقہ نہیں۔ اور اگر کوئی مسلمان یا کافر شراب پی کر فوراً گلاس سے پانی پی لے تو یہ جھوٹا پانی پینا ناجائز ہے کہ اس میں شراب پینے کی وجہ سے نجاست آگئی۔ پس نقیب کراچی کا مضمون بھی اعتدال سے متجاوز ہے۔ فقط محمد کفایت اللہ کان اللہ لہٗ دہلی

سوال

(۱) ایک غیر مذہب بھنگی کے ساتھ مسلمان کو کھانا کھانا ایک پلیٹ میں کیسا ہے؟

(۲) ایک غیر مذہب بھنگی کو بلا کر مسجد میں جھاڑو دلوانا کیسا ہے؟

المستفتی نمبر ۱۳۳۶ شیخ عبدالغفور صاحب (دہلی) ۲۲ ذیقعدہ ۱۳۵۵ھ م ۶ فروری ۱۹۳۷ء

(۲۸۱) **جواب** (۱) اسلام کا اصول یہ ہے کہ انسان کا بدن پاک ہے خواہ وہ مسلمان ہو یا غیر مسلم۔ اس میں بھنگی اور چمار کا بھی سوال نہیں ہے۔ سوال میں غیر مذہب بھنگی کی تصریح کی گئی ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ اگر غیر مسلم بھنگی کو نہلا دھلا کر اس کا بدن اور ہاتھ پاک صاف کرالیے جائیں تو اس کے ساتھ ایک برتن میں کھانے والا محض اس بنا پر کہ غیر مذہب کے ساتھ کھایا ہے ناپاک کھانے یا حرام کھانے کا مرتکب قرار نہ دیا جائے گا۔ کیونکہ اس مفروضہ صورت میں اس کے ہاتھ پاک کرالیے گئے ہیں۔ رہی یہ بات کہ اس نے غیر مذہب اور بھنگی، کو اپنے ساتھ کھانے میں شریک کیوں کیا تو یہ بات مختلف حالات اور مختلف مصالح کے لحاظ سے بدل سکتی ہے۔ اگر کوئی معقول وجہ اپنے ساتھ کھلانے کی ہو تو پھر کوئی الزام و اعتراض نہیں اور اگر کوئی معقول وجہ نہ ہو تو بلا وجہ غیر مسلموں کے ساتھ کھانے پینے کے تعلقات قائم کرلینا الزام ہوگا۔ مگر ناپاک یا حرام کھانے کا الزام نہ ہوگا

(۲) احاطہ مسجد میں نماز کی جگہ کے علاوہ باقی جگہ میں بھنگی سے جھاڑو دلوائی جائے تو کوئی ہرج نہیں۔ اور اگر بھنگی کے پاؤں اور بدن پاک ہونے کا یقین ہو تو نماز کی جگہ میں بھی اس سے جھاڑو دلوائی جاسکتی

ہے۔ کیونکہ انسان کا بدن فی حد ذاتہ اسلامی اصول کے لحاظ سے پاک ہے۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ، دہلی

سوال

ہمارے علاقہ ہریانہ میں ائمہ مساجد، متولی خانقاہ ایک زمانہ سے پشت در پشت نسلاً بعد نسل تبلیغ اسلام کا اہم فریضہ ادا کر رہے ہیں اور اس تبلیغی جماعت کے افراد نے اپنی اصلی ذات و قبیلہ شیخ، قریش سید، مغل پٹھان وغیرہم سے منسوب ہونے کی بجائے محض باتباع سنت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم الفقر فخری و بتقلید علماء عظام و صوفیائے کرام ہندی اقوام سے ذات پات کی تمیز مٹانے کے لئے اپنے آپ کو بطور انکساری کلمۂ فقیر سے موسوم کیا اور ہر تقریر و تحریر میں منکسرانہ طریق پر فقیر ظاہر کرتے رہے۔ جیسا کہ اس کلمہ کا استعمال روشن ضمیر علمائے عظام پر بخوبی روشن ہے چنانچہ اس علاقہ میں اس جمعیت (ملا، امام متولی خانقاہ) کے افراد اسی کلمہ سے موسوم ہو رہے ہیں۔ لیکن ایکٹ انتقال اراضی کے باعث پنجاب بالخصوص علاقہ ہریانہ میں زراعت و غیر زراعت پیشہ یعنی ذات پات کی تمیز خود مسلمانوں میں ہو چلی ہے۔ بلکہ حقوق ملکی زرعی۔ ملازمتی میں اس ذات پات کا امتیاز قائم ہو چلا ہے اور اس جمعیت کے افراد از مہد تا لحد خدمت اسلام و مسلمین کے صلہ میں سید القوم خادمہم کی بجائے محض فقیر موسوم ہونے کے باعث باوجود جملہ صفات و ضروریات زمانہ ہر شعبہ، صیغہ سوسائٹی، حکومت میں ذلیل کیے جا رہے ہیں۔ اور چند مواضعات کے واحد بسویدار و بمثل دیگر کاشتکاران پیداوار اراضی پر بسر اوقات کرنے کے باوجود حقوق زرعی فوجی ملازمتی سے محروم کئے جا رہے ہیں۔ اس اللہ کا نام بلند کرنے والی۔ اللہ کے گھروں کو آباد کرنے والی جماعت کے افراد پر بر فی زمانہ جملہ وسائل ترقی ہر طرح و ہر طرف سے بند کر کے ان پر دائرۂ معیشت تنگ کیا جا رہا ہے۔ لہذا علمائے عظام کی خدمت میں اس طبقہ کی موجودہ حالت پیش کر کے التماس ہے کہ براہ مہربانی سوالات ذیل کا جواب باصواب فرداً فرداً بروئے شریعت حقہ عطا فرما کر عند اللہ ماجور ہوں۔

(۱) طبقہ مسلمین میں بمثل قریش، سید مغل پٹھان وغیرہم قبائل فقیر بھی کوئی ایسی قوم یا ذات ہے یا کلمہ انکساری ہے جس سے سلف صالحین اور ان کی اولاد و جانشین موسوم ہوتے رہے ہیں۔

(۲) زید اور اس کی برادری بصورت مذکورۂ بالا لفظ فقیر سے موسوم ہے ان کو باوجود جملہ صفات ضروریان کی ذات فقیر (جس کے معنی فی زمانہ پیشہ ور گداگر کے لئے جا رہے ہیں) حقارتاً کہہ کر سوسائٹی و حکومت میں ذلیل کرنا اور ہر مستحقہ حقوق سے محروم کرنا اور کرانا بلکہ ملازمت تک سے برطرف کرانا مسلم آزاری و ظلم موجب گناہ

ہے یا نہیں۔

(۳) اس تذلیل سے بچنے اور اپنے تمدنی و معاشرتی ترقی کے لئے اپنے اصلی قبیلہ (قریش سید مغل پٹھان، وغیرہم سے منسوب ہو کر بدستور خدمت اسلام بجالانا کیسا ہے (اور بجائے فقیر اپنی اصلی نسبی شیخ سید مغل وغیرہ درج کرانا کیسا ہے۔

المستفتی نمبر ۱۵۸۱ محمد سلیمان صاحب صدیقی (ضلع حصار) ۲۸ ربیع الثانی ۱۳۵۶ھ ۸ جولائی ۱۹۳۷ء

(۲۸۲) **جواب** ۔ مسلمانوں میں فقیر کوئی ذات اور کوئی نسل نہیں ہے۔ فقیر ایک لقب تھا جو کوئی شخص بطور انکسار اپنے لئے یا بطور اظہار زہد دوسرے شخص کے لئے استعمال کرتا تھا۔ اور ہر نسل والا شخص (خواہ علوی ہو یا فاطمی یا مغل یا افغان یا اور کوئی) اس لفظ کو استعمال کر سکتا تھا۔ پس اس کو ایک ذات قرار دے لینا صریح غلطی ہے۔ اور اس کا مفہوم گدا گر متعین کر دینا خواہ سادات قریش یا عرب نسل سے ہوں یا مغل پٹھان وغیرہ نسلوں سے ہوں، ایک ظلم ہے جس کا رفع کرنا ضروریات میں سے ہے۔ اور فقیروں کی اس جماعت میں سے ہر شخص کو اپنی نسل کے لحاظ سے سید یا قریشی یا مغل وغیرہ کا لقب اپنے نام سے ملحق کرنا جائز ہے۔ فقط

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہٗ دہلی

سوال

ایک مسلم و مومن کی شان میں کسی ایسے لفظ کا استعمال کرنا جس سے اس کی تضحیک و تذلیل ہوتی ہو شرعاً جائز ہے یا ناجائز اور ایسے معاملہ میں مسلمانوں کو کس طرح کا احتیاط لازم ہے۔ مثال کے طور پر ملاحظہ ہو کہ ایک مسلم خاندان جس میں علماء و مشائخ صالحین و مدرسین کثرت سے موجود ہوں اُن کے آبائی پیشے بافندگی کی بنا پر اس پورے قبیلے کا نام جولاہا رکھ دیا گیا ہے اور اس لفظ جولاہے کو تمام باشندگان ہندوستانی خواہ مسلم ہوں یا غیر مسلم عرف و حقیقت دونوں میں اتنا معیوب اور مذموم سمجھتے ہیں کہ مسلم خاندان تو درکنار اگر ڈوم اور چمار کو بھی لفظ جولاہے سے تعبیر کیا جائے تو چراغ پا ہو جاتا ہے اور اپنے لئے اسے نہایت تذلیل و تضحیک کا سبب سمجھتا ہے اس لئے کہ کوئی دوسرا لفظ اس سے بدتر کسی خاندان کی تضحیک و تذلیل کے لئے عرف میں ہنوز نہیں ہے۔ تو اب ایسی صورت میں اس خاندان کے متعلق جن کے آباؤ اجداد بافندہ تھے یا اس کے اکثر افراد اب بھی اسی پیشہ کو کرتے ہیں۔ تو اس پیشے کی بنا پر ایسے ذلت آمیز لفظ 'جولاہا' کا استعمال کرنے والا کسی شرعی سزا کا مستحق ہے یا نہیں۔ اگر ہے تو اس کے ساتھ مسلمانوں کا کیا برتاؤ ہونا

چاہیئے۔ قرآن مجید حدیث شریف وفقہ حنیف کی رو سے حکم صادر فرماکر اس شر وفتن کے زمانے میں صحیح طریق عمل بتلاکر عند اللہ ماجور ہوں۔

المستفتی نمبر ۱۷۷۸ محمد نصیر الدین عفی عنہ (گیا) ۴ ارجب ۱۳۵۶ھ مطابق ۲۰ ستمبر ۱۹۳۷ء

(۲۸۳) **جواب**۔ جائز پیشے کی بنا پر کسی کو ذلیل سمجھنا اسلامی احکام اور اسلامی تعلیم کے خلاف ہے۔ مسلمانوں میں یہ مرض ہندوستان میں ہندوؤں کے اختلاط سے (کہ ان میں ذات پات کی تقسیم اور پیشوں پر شرافت ورذالت کی بنیاد رکھی گئی ہے) پیدا ہوا ہے۔ اور بدقسمتی سے اسی درجے پر پہنچ گیا ہے جس درجے پر ہندوؤں میں ہے۔ اور اس نے اسلامی وحدت کو پاش پاش کر دیا۔ چونکہ پیشوں پر شرافت اور رذالت کی بنیاد قلوب واذہان میں راسخ ہو گئی ہے اس لئے ایسے الفاظ جو دراصل پیشوں کے ظاہر کرنے کے لئے وضع کیے گئے تھے ان کی اصل وضع میں عزت وذلت کا مفہوم نہ تھا، جیسے لفظ جولاہا، صرف بافندگی کے اظہار کے لئے وضع کیا گیا تھا۔ اس عام تخیل کی بنا پر ذلت ورذالت کے مفہوم کے حامل بن گئے۔ اور جولاہے کا اطلاق کرنا گویا اس کو ذلیل کہدینے کے قائم مقام ہو گیا۔ اس لئے یا تو اس تخیل کو دور کیا جائے یا ایسے الفاظ کے اطلاق سے احتراز کیا جائے۔ یہ احتراز کا حکم اسی اصول پر مبنی ہے کہ گو اطلاق کرنے والے کی نیت میں تذلیل وتوہین نہ ہو اظہار حرفہ واظہار حقیقت ہی مقصود ہو۔ مگر یہ لفظ عام تخیل کے لحاظ سے توہین وتذلیل کا حامل ہو گیا ہے جیسے حدیث شریف کے وہ الفاظ جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حالات کے بیان میں آتے ہیں یعنی کان یرکب الحمار ویخصف نعلہ اس کے ترجمہ میں حمار کا ترجمہ دراز گوش کرنا لازم ہے اور یخصف کا ترجمہ اصلاح فرمالیتے تھے کرنا لازم ہے۔ اور اگر اطلاق کرنے والے کی نیت بھی تذلیل وتوہین کی ہو تو پھر وہ سباب المسلم فسوق میں داخل ہو کر کم از کم فاسق تو ہوگا۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ۔ دہلی

سوال

بہت سے لوگ یہ سوال پیش کرتے ہیں کہ سید قوم کہاں سے شروع ہے اور اس لقب سے کیا مراد ہے یعنی سادات کا سلسلہ کہاں سے شروع ہوا اور سید کس لئے کہلائے گئے۔ اور یہ نسب کیا ہے اور سید کے کیا معنی ہیں۔ اور شیعہ کیا ہے۔

المستفتی نمبر ۱۱۸۷ عابد علی صاحب بنگال ۲۲ جمادی الثانی ۱۳۵۵ھ مطابق ۱۰ ستمبر ۱۹۳۶ء

(۲۸۴) **جواب**۔ یہ ذاتوں کا سلسلہ جس طرح کہ عجم میں اب قائم ہو گیا ہے، اسلام کے ابتدائی زمانہ میں

نہ تھا۔ اب تو شیخ صدیقی فاروقی عثمانی اور علوی اور سید سب الگ الگ ذاتیں سمجھی جانے لگیں، حالانکہ یہ سب قریش اور شیخ قریشی ہیں۔ ان میں سے سید وہ کہلاتے ہیں جو حضرت علیؓ اور فاطمہؓ زہرا رضی اللہ عنہما کی اولاد میں داخل ہیں۔ پس سید تمام کے تمام قریشی بھی ہیں۔ انصاری وہ لوگ ہیں جو قریشی نہیں ہیں مدینہ طیبہ کے رہنے والے غیر قریشی انصاری کہلاتے تھے۔ ان کی اولاد شیوخ انصاری کہلاتی ہے۔ خلاصہ یہ کہ سید اور صدیقی اور فاروقی اور عثمانی اور حضرت علی کی وہ اولاد جو حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا سے ہیں سب قریش میں داخل اور باہم ایک دوسرے کے ہم کفو ہیں۔ اور پٹھان اور مغل عجمی قومیں ہیں۔ ان کا عرب کے ساتھ سلسلۂ نسب نہیں ملتا۔ اسی طرح عجم اور ہندوستان کی دوسری نو مسلم اقوام شیخ کہلاتی ہیں۔ پس شیخ کا لفظ عرب کے بہت سے سلسلوں (مثلاً انصاری، صدیقی، فاروقی، عثمانی، زبیری وغیرہم) اور بہت سے عجمی نو مسلم قوموں پر بولا جاتا ہے۔ **محمد کفایت اللہ کان اللہ لہٗ۔ دہلی**

سوال

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں حضرت ایوب انصاری صاحب کپڑا بُن کر تیار کرتے تھے اور فروخت کرتے تھے اس لئے اس زمانے کے وہ مسلمان جو کہ کپڑا بُنتے ہیں اور فروخت کرتے ہیں اپنے کو انصاری قرار دیتے ہیں، جس کو کہ ہندوستان میں مومن یا نور باف یا جولاہا کہہ کر پکارا جاتا ہے، کیا ان اصحاب کے زمانے میں کوئی ایسا بھی فرقہ تھا جو روئی کو صاف کر کے یعنی دھن کر قابل سوت بنانے کے بناتا تھا۔ یعنی روئی کو دھنتا بھی تھا اور دھن کر سوت تیار کرتا تھا اور سوت تیار کر کے کپڑا بھی بنتا تھا۔ ایسے لوگ اس زمانے میں تھے تو ان کے کیا نام تھے اور کس فرقے اور کس جماعت سے موسوم کیے جاتے تھے جیسا کہ حضرت ایوب کے فرقے کے لوگ لقب انصاری سے موسوم کیے جاتے ہیں اور جن کا فرقہ ہندوستان میں اس زمانہ میں نداف یا دُھنیا کے نام سے پکارا جاتا ہے اور فرقہ انصاری کے قدم بقدم چلنے والا ہے۔ اس لئے التماس ہے کہ اس فرقہ کے لوگ زمانۂ خلافت و زمانۂ اصحاب میں کس نام و حرفہ سے موسوم کیے جاتے تھے اور اس کا پتہ کن کن کتب کے دیکھنے سے مفصلاً معلوم ہو سکتا ہے۔

المستفتی نمبر ۱۹۰۵ ڈاکٹر حسن علی (ہردوئی) ۱۷ شعبان ۱۳۵۶ھ موافق ۲۳ اکتوبر ۱۹۳۷ء

(۲۸۵) **جواب**۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانۂ مبارک میں انصار ان لوگوں کا لقب تھا جنہوں نے مسلمان مہاجرین کی مدد اور نصرت کی تھی۔ یہ لوگ مدینہ منورہ کے باشندے تھے اور ان میں ہر قوم کے

پیشہ والے اور ہر نسب سے منتسب شامل تھے۔ انصاری کا لقب کسی خاص پیشے یا کسی نسب کی بنا پر نہیں تھا۔ جو لوگ حضرت ابو ایوب انصاریؓ کی اولاد میں ہوں وہ اپنے کو انصاری کہہ سکتے ہیں۔ خواہ ان کا موجودہ پیشہ کچھ بھی ہو۔ اور جو ان کی اولاد میں نہیں، وہ محض پیشہ کی بنا پر اپنے کو انصاری نہیں کہہ سکتے۔ پیشوں کی بنا پر وہی الفاظ بولے جاتے ہیں جو ان پیشوں پر دلالت کرتے تھے۔ مثلاً دباغ حائک حجام وغیرہ۔ ہاں اس وقت ان پیشوں کو بنظر حقارت نہیں دیکھا جاتا تھا اور اس نسبت کو موجبِ توہین قرار نہیں دیا جاتا تھا۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ دہلی۔

سوال

جو قوم مطرب و مغنی کی یعنی میراسی کی ہے یہ قوم آدم علیہ السلام کی اولاد سے ہیں یا کسی اور کی جنس حیوان درندہ یا پرندہ۔ اب دوسرا مسئلہ یہ ہے کہ جس وقت حضرت ابراہیم علیہ السلام کو آتش نمرود میں کافر ڈالنے لگے تو اس وقت کس کس شخص نے وہاں پر بدفعل یعنی زنا کیا تھا؟

المستفتی نمبر ۱۲۰۵ امیر الدین صاحب (منٹگمری) ۸ شوال ۱۳۵۶ھ مطابق ۱۲ دسمبر ۱۹۳۷ء

(۲۸۶) **جواب**۔ (۱) میراسی بھی حضرت آدم علیہ السلام کی اولاد میں سے ہیں۔ کسی اور کی اولاد میں سے نہیں۔
(۲) اس واقعہ کا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو آگ میں ڈالنے کے وقت کسی نے گناہ کیا تھا کوئی ثبوت نہیں ہے۔

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ، دہلی

سوال

دہلی میں پارچہ باف برادری کے چند نوجوانوں نے ایک انجمن بنام اصلاح الانصار قائم کی ہے اور وہ کہتے ہیں :- (۱) ہم انصار ہیں اس لئے ہر موقعہ پر ہمیں اپنی ذات انصار ہی ظاہر کرنی چاہئے۔
(۲) انجمن اصلاح الانصار کا دعویٰ ہے کہ ہندوستان کے چار کروڑ پارچہ باف انصاری کی اولاد ہیں۔
(۳) انصار مدینہ کا پیشہ پارچہ بافی تھا۔ اس لئے ہر مسلمان جس کا پیشہ پارچہ بافی ہے انصار کہلایا جاسکتا ہے۔ دہلی جیسے مرکزی شہر میں جہاں تقریباً ہندوستان کے ہر صوبہ کے اور ہر قوم کے افراد آباد ہیں اور اسی طرح پارچہ باف برادری کے افراد بھی ہندوستان کے مختلف حصص سے آآ کر آباد ہو گئے ہیں۔ بعض راجپوت ہیں اور بعض جاٹ وغیرہ ہیں۔ اور بہت سے ہندو پارچہ بافوں کی اولاد میں سے ہیں جن کے آبا و اجداد کسی زمانہ میں مسلمان ہو گئے تھے، کیا بغیر ثبوت کے یہ لوگ اپنے تئیں انصار کہلوا سکتے ہیں۔ اور من نسب الی اخوہ اور ومن ادعی الی

غیر ابیہ فالجنۃ علیہ حرام وغیرہ احادیث کا کیا مطلب ہے؟

المستفتی نمبر ۲۴۳۴ منشی محمد عثمان صاحب دہلی۔ ۱۰ ذیقعدہ ۱۳۵۷ھ م ۲ جنوری ۱۹۳۹ء

(۲۸۷) **جواب**۔ یہ دعویٰ کہ ہندوستان کے تمام پارچہ باف انصار مدینہ کی اولاد اور نسل سے ہیں بظاہر صحیح نہیں۔ اور اس کا ثبوت تقریباً ناممکن ہے۔ اس لحاظ سے پارچہ باف جماعت کو انصار (یعنی انصارِ مدینہ کی نسل) کہنا ایک بے اصل اور بے ثبوت دعویٰ ہے اور اس معنی کے لحاظ سے مدعی کا وعید من ادعی الی غیر ابیہ میں داخل ہونا اغلب ہے۔ ہاں اس جماعت میں سے اگر کوئی خاندان ایسے ہوں جو اپنے سلسلہ نسب کو محفوظ رکھتے ہوں اور ان کا جدِ اعلیٰ کوئی انصاری ہو، وہ یہ دعوی کر سکتے ہیں اور اس میں کوئی استبعاد نہیں ہے کہ پارچہ بافوں کے بعض خاندان بلحاظ نسب انصارِ مدینہ کی نسل سے ہوں۔

دوسری صورت یہ ہے کہ وہ اپنی جماعت کا نام انصار یا انصاری تو رکھیں، مگر یہ دعویٰ نہ کریں کہ ہم سب کے سب انصارِ مدینہ کی نسل سے ہیں۔ تو اس صورت میں ان پر ادعی غیر اب کا گناہ تو نہ ہوگا۔ مگر اس نام سے انصاری النسل ہونے کا اشتباہ ہونے کی وجہ سے ایک مشتبہ لقب اختیار کرنے کا نامناسب عمل ضرور قرار پائے گا۔ الا یہ کہ وہ اس کی تصریح کر دیں کہ ہم نے لفظ انصاری محض ایک نام اور لقب کے طور پر اختیار کیا ہے۔ نہ اظہارِ نسب و نسل کے لئے تو پھر اس نام کے اختیار کرنے کا بھی کوئی شرعی الزام ان پر عائد نہ ہوگا۔ اور جو خاندان کہ فی الحقیقت انصاری النسل ہوں وہ معروف معنی سے بھی اپنے کو انصاری کہہ سکتے ہیں۔

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہٗ دہلی

سوال

بنام فیروز الدین والد اللہ دتا خاکروب نو مسلم ملازم پلٹن ۲/۲ ریاست جموں و کشمیر چھاؤنی سے درخواست ہذا خدمتِ حضور ہے۔ تاریخ ۲۷ پوہ ۱۹۶۷ء حسب دریافت فتویٰ انجمن جموں مفتی صاحب سے فیصلہ ہو چکا ہے کہ آپ لوگ مطابق اصول اسلام نماز و روزہ وغیرہ کے پابند ہوں۔ مگر ہمارا پیشہ خاکروب ہے۔ اور ہندو اور مسلمانوں ہر دونوں کی نوکری دیتے ہیں۔ ہر دونوں سے نان پختہ کھاتے ہیں۔ مگر حرام چیز سے پرہیز ہے۔ وہ ہمارے واسطے حرام ہی ہے۔ کیونکہ ہم نو مسلم خاکروب ہیں اور ہم کو مسلمان اپنے ساتھ کھانا نہیں دیتے۔ اس لئے درخواست ہذا پیشِ خدمت ہے۔ برائے خدا شرع کے مطابق فتویٰ دیا جائے کہ ہم خاکروب نو مسلم عام و خاص کو مسلمان کے ساتھ جماعت کے ساتھ نماز پڑھنے کی اجازت ہے یا نہیں؟

المستفتی نمبر ۲۵۹۰ مولوی عبدالمجید صاحب (لاہور) ۹ ربیع الاول ۱۳۵۹ھ مطابق ۱۸ اپریل ۱۹۴۰ء

(۲۸۸) **جواب**۔ مسلمان خاکروب بھی مسلمانوں کے بھائی ہیں۔ اور وہ پاک صاف ہو کر مسلمانوں کے ساتھ مسجد میں نماز پڑھ سکتے اور جماعت میں شریک ہو سکتے ہیں۔ اور صفائی ستھرائی اور پاکی کے ساتھ مسلمانوں کے ساتھ کھانے پینے میں شریک ہو سکتے ہیں۔ جو مسلمان کہ خاکروبوں کو باوجود ان کی صفائی اور پاکی کے مسجد میں آنے سے روکیں یا ان کے ساتھ کھانے پینے سے روکیں وہ یا تو اسلامی تعلیم سے ناواقف ہیں یا سخت گنہگار اور فاسق ہیں۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ دہلی۔

سوال

قبیلہ قریش اور انصار کے درمیان باعتبار مسلم برادری ہونے کے، ایک کو دوسرے پر کوئی فوقیت حاصل ہے یا نہیں۔ المستفتی نمبر ۲۵۹۸ محمد جلال الدین صاحب (گوڑگانوہ) ۴ ربیع الثانی ۱۳۵۹ھ م ۱۳ مئی ۱۹۴۰ء

(۲۸۹) **جواب** انصار اور قریش دونوں عرب کے قبائل ہیں وہ اپنے انساب کے لحاظ سے انصار اور قریش کے جداگانہ ناموں سے نامزد ہو گئے ہیں۔ پھر قریش میں بھی بہت سی شاخیں بنوامیہ، ہاشمی، مطلبی، تیمی، عدوی صدیقی، فاروقی، عثمانی، علوی ہیں۔ یہ سب قریشی ہیں۔ اسی طرح انصار میں بھی بہت سی شاخیں ہو گئیں۔ مگر یہ سب عربی النسل ہیں۔ اور ان کے باہم قبائلی خصوصیات کے علاوہ اسلامی برادری کے احکام میں تفاوت نہیں ہے۔ بعض حیثیتوں سے بعض کو بعض پر فضیلت بے شک حاصل ہے۔ مثلاً فاطمی علویوں کو یہ فوقیت حاصل ہے کہ وہ فاطمہ زہرا کی اولاد ہیں جو حضرت علی رضی اللہ عنہ کی دوسری بیوی سے اولاد کو حاصل نہیں۔ مگر علوی اور قریشی ہونے میں ان کے بھی شبہ نہیں۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہٗ دہلی۔

سوال

(از اخبار الجمعیۃ دہلی۔ مورخہ ۲۹ مئی ۱۹۲۷ء)

قوم حلال خور جو عرصہ سے مسلمان ہو گئی ہے۔ اور یہ لوگ صرف سڑکوں پر جھاڑو دیتے ہیں اور دیگر کوئی پیشہ سنڈاس وغیرہ کا نہیں کرتے۔ ان لوگوں کو مسجدوں میں آنے سے لوگ منع کرتے ہیں اور اپنے کھانا پانی کے برتنوں کو ہاتھ لگانے سے روکتے ہیں۔

(۲۹۰) **جواب**۔ جو شخص اسلام لے آئے وہ مسلمانوں کا دینی بھائی ہو جاتا ہے، چمار ہو یا حلال خور یا اور کوئی اسلام لانے کے بعد وہ مسجدوں اور اسلامی معابد میں دوسرے مسلمانوں کی طرح داخل ہوتے اور عبادت کرنے کا

حق اور اختیار رکھتا ہے۔ کسی مسلمان کو یہ حق نہیں کہ اس کو مسجد میں آنے سے روکے۔ ہاں اسلامی احکام کی رو سے مسجد میں آنے والے کو پاک صاف ہو کر آنا ضرور ہے۔ اور یہ حکم ان تمام لوگوں کے لئے ہے جو مسجد میں داخل ہونا چاہیں۔ اگر یہ حلال خور جو مسلمان ہیں پاک صاف ہو کر مسجد میں آتے ہیں تو کسی شخص کو یہ حق نہیں کہ ان کو منع کرے۔ جو منع کرے گا وہ سخت ظالم اور فاسق ہوگا۔ اور ومن اظلم ممن منع مساجد اللہ ان یذکر فیہا اسمہ کے حکم میں داخل ہوگا۔ جب کہ ان لوگوں کے ہاتھ پاک صاف ہوں تو اُن کے ساتھ کھانا پینا اور اپنے برتنوں میں ان کو کھلانا جائز ہے۔ واللہ اعلم محمد کفایت اللہ غفر لہ

سوال

(از اخبار الجمعیۃ دہلی مورخہ ۲۸ مئی ۱۹۳۳ء)

(۲۹۱) **جواب** جو لوگ مسلمان ہیں وہ اسلامی برادری میں شامل ہیں اور بفرمانِ خدائے قدوس انما المؤمنون اخوۃ بھائی بھائی ہیں۔ حلال خور کا پیشہ کرنے سے وہ اخوتِ اسلامیہ سے باہر نہیں ہو جاتے۔ اگر وہ صفائی جسم و لباس کے ساتھ مسلمانوں کے ساتھ کھانے میں شریک ہوں تو کوئی مضایقہ نہیں ہے۔ شریعت مقدسہ اسلامیہ نے کسی پیشہ کی بنا پر کسی مسلمان کو اسلامی برادری سے خارج نہیں کیا ہے واللہ اعلم

محمد کفایت اللہ عفا عنہ مولاہ۔ دہلی

سوال

(از اخبار الجمعیۃ دہلی مورخہ ۵ دسمبر ۱۹۳۴ء)

اب سے ایک ہزار سال پہلے ہندوستان میں ہندوؤں کا راج تھا اور یہاں کے بسنے والوں کو ہندو مذہبی قانون کے بموجب مختلف طبقوں میں تقسیم کیا گیا تھا۔ جن میں سے بعض عزت اور مرتبہ میں اعلیٰ خیال کیے جاتے تھے۔ جیسے برہمن۔ بعض ان سے کم تھے جیسے چھتری۔ بعض متوسط حالت میں شمار ہوتے تھے جیسے ویش۔ اور بعض کو بالکل ادنیٰ خیال کیا جاتا تھا جیسے بھنگی چمار کوری نٹ وغیرہ۔ اِس چوتھی قسم والے انسانوں کے ساتھ مذکورۂ بالا تین قسم والوں کا برتاؤ نہایت جابرانہ اور غیر منصفانہ تھا۔ یہ ان کو اپنے برابر بیٹھنے نہیں دیتے تھے۔ اور اپنی کھانے پینے کی چیزوں کو انھیں چھونے نہیں دیتے تھے۔ ان کا یہ مذہبی خیال تھا کہ یہ چوتھی قسم والے انسان ہمارا کھانا پانی چھولینگے تو وہ نجس ہو جائے گا۔ وہ ان کو کتے اور سؤر سے بھی بدتر سمجھتے تھے۔ مسلمان جب اس ملک میں فاتحانہ آئے تو انھوں نے بحیثیت حکومت تو کامیابی حاصل کی۔ مگر ہندوؤں کے اِن مذہبی احکام سے مفتوح ہو گئے اور مثل اعلیٰ طبقات

ہنود کے ہندوستان کے پرانے باشندوں میں سے چوتھی قسم والوں سے نفرت کا برتاؤ کرنے لگے۔ عام مسلمانانِ ہند کا طرزِ عمل یہ ہے کہ اعلیٰ ذات کے ہندوؤں کے ساتھ اٹھتے بیٹھتے ہیں۔ ان کے کھانے پانی سے پرہیز نہیں کرتے لیکن چوتھی قسم کے ہندوؤں کو ہندوؤں کی طرح اپنے برابر بیٹھنے نہیں دیتے خواہ وہ ظاہر میں کتنا ہی صاف ستھرا اور خوش پوشاک ہو۔

(۲۹۲) **جواب** - بحیثیت غیر مسلم ہونے کے سب برابر ہیں۔ برہمن ہوں یا ویش، یا شودر، ہندوؤں کی ذاتوں کی تفریق کا اسلام کے اصول سے کچھ اعتبار نہیں۔ محض ہندوانہ خیال کی بنا پر برہمنوں کو اعلیٰ اور ویش شودروں کو ادنیٰ قرار دینا اور اس قسم کا معاملہ کرنا جائز نہیں۔ باقی اسلامی اصول کی رو سے انسانی جسم جب کہ بیرونی نجاست سے آلودہ نہ ہو، پاک ہے۔ اور اس میں مسلمان کافر جنبی حائضہ وغیرہ سب یکساں ہیں۔ غیر مسلموں میں برہمن چھتری ویش شودر کا کوئی تفاوت اس حکم میں نہیں ہے۔ البتہ جو لوگ کہ نجاست میں آلودہ رہتے ہوں ان کے یہاں کی گیلی چیزوں اور کھانے پینے سے پرہیز کرنے کا مضائقہ نہیں اور اس بارے میں غیر مسلم اور غیر محتاط مسلمان برابر ہیں۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہٗ دہلی

سوال

ضمیمہ نہایات الارب فی غایات النسب از احمد عثمانی

اس زمانہ پرفتن میں ہر چار طرف سے آوازیں بلند ہو رہی ہیں۔ کہیں سے آواز آتی ہے کہ زلزلہ سے فلاں آبادی تباہ ہو گئی۔ کہیں سے صدا بلند ہو رہی ہے کہ مشرکین و کفار کی جانب سے فلاں ظلم و تشدد ہو رہا ہے واقعی یہ ہم بھی تسلیم کرتے ہیں کہ جو کچھ کہا جا رہا ہے وہ درست و راست ہے۔ مگر اس کی طرف بالکل توجہ نہیں کہ اصل سبب ان تمام واقعات کا امور شرعیہ کو ترک کر دینا ہے۔ ہم جملہ اقوام سے اس کی استدعا نہیں کر سکتے کہ وہ کیا کریں۔ مگر اپنی قوم حضراتِ شیوخ سے ضرور درخواست کریں گے کہ تاوقتیکہ آپ حضرات امور شرعیہ پر عامل نہ ہوں گے ان مصائب سے نجات نہ ہوگی۔ امور شرعیہ منجملہ دیگر امور کے یہ بھی ہیں کہ رذیل اقوام سے خلط ملط بالکل نہ رکھیں۔ کیونکہ ان کی رذالت کا اثر ضرور واقع ہوگا۔ تخم تاثیر، صحبت کا اثر مشہور مقولہ ہے۔ و نیز ان دیگر اقوام رذیلہ سے معاملات خرید و فروخت و امور دینیہ تحقیق مسائل وغیرہ مطلقاً تعلق نہ رکھیں۔ کیونکہ یہ جملہ امور علامات قیامت سے ہیں۔ کہ اخیر زمانہ میں اقوام شریفہ پستی میں ہوں گی اور اقوام رذیلہ کو ترقی ہوگی۔ آج دیکھا جاتا ہے کہ جولاہوں، تیلیوں، قصائیوں، نائیوں، دھوبیوں بھٹیاروں، لوہاروں، درزیوں، سناروں، بساطیوں کلالوں

راجپوتوں وغیرہ وغیرہ کو ترقی ہو رہی ہے۔ بلحاظ دنیا بڑے بڑے عہدوں پر قائم ہیں۔ محلات کھڑے ہیں۔ مولوی مفتی قاری صوفی شاہ صاحب، بابو، مسٹر وغیرہ کہلاتے ہیں۔ مگر یہ خیال نہیں کرتے کہ یہ باتیں ہمارے اندر کیوں آرہی ہیں۔ بس وہی قرب قیامت کی نشانی ہے۔ لیکن یہ جاہل لوگ خوش ہو رہے ہیں جہنم کو بھول رہے ہیں۔ صاحبو! جب تک علم دین حضرات شیوخ میں رہا اور اقوام دیگر تابع رہیں کوئی آفت نہیں آئی۔ مگر جب سے قصائی نائی تیلی لوہار بساطی کلال جولاہہ وغیرہ مولوی مدرس، قاری صوفی حافظ وغیرہ ہونے لگے، مصائب کا دور دورہ بھی آنے لگا۔ کیونکہ یہ لوگ مطلقاً عقل سے کورے ہوتے ہیں اور بوجہ نادانی دل کے اندھے ہوتے ہیں۔ چنانچہ بعض احادیث سے ثابت ہو رہا ہے کہ دجال پر ایمان لانے والے اکثر جولاہے ہوں گے۔ وجہ یہ ہے کہ چونکہ یہ لوگ ہر وقت اسی خیال میں رہتے ہیں کہ جیسے بھی ہو خیانت کی جاوے۔ چونکہ یہ خیانت ایک زہریلی بلا ہے، اس وجہ سے دجال پر ایمان لانے کی علت ہوئی۔ اور یہ خیانت جملہ دیگر اقوام میں موجود ہے الاشاذ و نادر کلمعدوم۔ تو ثابت ہوا کہ یہ اقوام ہمراہ دجال ہونگی۔ البتہ اگر یہ اقوام تابعداری شیوخ میں مصروف رہیں تو ان کی برکت سے اتباع دجال سے نجات ہو سکتی ہے۔ غور کی ضرورت ہے کہ اس سے پہلے دیگر اقوام بوجہ اتباع شیوخ راحت سے زندگی بسر کر رہی تھیں۔ ان میں خود بینی آتے ہی مصائب کی آمد شروع ہو گئی۔ مثلاً ہمارے سہارنپور میں مولوی حبیب احمد قصائی، مولوی منظور حسن قصائی قاری عبدالخالق نائی مولوی سعید جولاہا پان فروش منشی عبدالکریم سہراب جولاہہ، مولوی مقبول احمد بساطی، مولوی نور محمد بھٹیارہ مولوی عبدالمجید گاڑا وغیرہ افراد رذیل موجود ہیں کہ اپنی نادانی اور خبط عقل کی وجہ سے کوئی مہتمم ہونے پر ناز کر رہا ہے، کوئی مدرس یا مناظر ہونے پر فخار ہے۔ کوئی قاری ہونے پر کود رہا ہے۔ کوئی اپنی ولایت پر مغرور ہے۔ کوئی مؤلف بن کر علمائے حقانی پر اعتراض کر رہا ہے۔ ہم کو یہ سن کر کہ ہمارے بھائی حاجی عزیز احمد صاحب، ایک جاہل گھڑی ساز بازار نخاسہ محمد صادق لوہار سے مرید ہو گئے ہیں، افسوس ہوا کہ بھلا ولایت سے دیگر اقوام کا کیا تعلق؛ کیا مرید ہونے کے لئے مظاہر العلوم سہارنپور، دارالعلوم دیوبند، تھانہ بھون کے مشائخ نہ تھے؟ ہم اپنی قوم شیوخ سے درخواست کرتے ہیں کہ دیگر اقوام سے اجتناب کلی رکھیں۔ الحمد للہ شیوخ میں علماء فضلاء قرا، مشائخ محدثین مفسرین، مناظرین وغیرہ بکثرت موجود ہیں۔ دنیاوی لحاظ سے تجار بھی موجود ہیں۔ کل معاملات اپنی قوم شیوخ سے وابستہ رکھیں۔ تاکہ ہر قسم کی ترقی قوم کو ہو۔ دیگر اقوام سے جدا رہیں۔ چونکہ ان کی حالت ایمانیہ بہت خراب ہوتی ہے۔ حضرت سلیمان علیہ السلام کا فرمان عقل الحائک فی الدبر روشن موجود ہے۔ اب غور کر لیجئے کہ مرزا قادیان پر ایمان کون

لاتا ہے بجز جولاہوں تیلیوں لوہاروں وغیرہ کے؟ شیوخ میں سے بھی کوئی سنا ہے؟ سو جبکہ ہمارے سامنے دجال اصغر پر ایمان لا رہے ہیں تو ضرور دجال اکبر پر بھی یہ لوگ ایمان لاویں گے۔ اس سے قبل کچھ مضمون اخبار محقق سہارنپور مورخہ ۱۶ مئی ۱۹۳۵ء میں شائع ہو چکا ہے، وہ بھی قابل ملاحظہ ہے۔ باقی آئندہ بھی ہم ایسے مضامین کا سلسلہ جاری رکھیں گے۔ حاصل یہ ہے کہ دیگر اقوام سے انقطاع کلی کریں۔ اور جو امور شرعیہ ہوں ان کی پابندی کریں۔ اس میں اپنی قوم سے ہمدردی بھی ہے اور ہر قسم کی فلاح دارین ہے۔ فقط والسلام

خادم قوم شیوخ احمد عثمانی سہارنپور

ضمیمۂ مذکورہ بالا کے متعلق علمائے دین سے چند سوالات :-

(۱) کیا حضرات شیوخ کا دیگر اقوام مندرجۂ ضمیمۂ بالا سے تعلقات رکھنا خلاف شریعت ہے؟ اگر ہے تو ابتدائے اسلام سے اب تک اس کی طرف رہنمائی نہ کرنے کی قانون اسلام میں کیا مصلحت رہی؟

(۲) دیگر اقوام مندرجۂ ضمیمہ کو علم دین حاصل کرنے کے لئے کیا قرآن شریف میں ممانعت آئی ہے؟ اگر اجازت ہے تو کیا یہ شرط ہے کہ ان کا یہ فعل موجب مصائب ہوگا؟ (۳) دیگر اقوام مندرجۂ ضمیمہ کا دینی و دنیوی ترقی کرنا کیا شرعاً ناجائز ہے؟ (۴) کیا مراتب ولایت صرف شیوخ زہاد کے لئے ہیں؟ دیگر اقوام کے جو افراد ان کے ہم پلہ یا ان سے زیادہ خدا پرست گزر چکے یا موجود ہیں یا آئندہ ہوں گے کیا وہ مراتب ولایت کے مستحق نہیں ہیں؟ (۵) دیگر اقوام مندرجۂ ضمیمہ کے افراد عابد و زاہد کو اگر خداوند کریم مراتب ولایت عطا کرنا پسند نہیں فرماتے تو پھر اس آیت ان اکرمکم عند اللہ اتقکم کی تفسیر کیا ہوگی؟ (۶) کتاب غایات النسب ایڈیشن اول اور اس کے ضمیمہ کو بعض علمائے دین حق بجانب اور صحیح بتا چکے ہیں۔ کیا احمد عثمانی صاحب کے ضمیمہ کی بھی وہی حیثیت ہے؟ المستفتی سرپرست جمعیۃ الانصار ضلع سہارنپور ۱۳۵۴ھ

(۳۹۳) **جواب** ۔ (۱) تمام مسلمان دینی اخوت کے لحاظ سے بھائی ہیں۔ انما المومنون اخوۃ قرآن مجید میں موجود ہے۔ اور لافضل لعربی علی عجمی۔ الناس کلھم بنوآدم وآدم من تراب۔ المؤمن للمؤمن کالبنیان یشد بعضہ بعضا۔ احادیث صریحہ موجود ہیں۔ (۲) کسی مسلمان کو علوم دینیہ حاصل کرنے کی ممانعت نہیں بلکہ ہر مؤمن تحصیل علم کے لئے مامور ہے۔ (۳) قطعاً جائز ہے۔ (۴) کسی قوم یا فرقہ کے ساتھ خدا تعالیٰ کی نعمتیں اور انعامات مخصوص نہیں ان اکرمکم عند اللہ اتقکم۔ اس کے یہاں تقویٰ یعنی ایمان اور اعمال صالحہ کا اعتبار ہے۔ (۵) یہ غلط ہے کہ حق تعالیٰ کی بارگاہ سے اقوام مندرجۂ ضمیمہ کو مراتب ولایت عطا نہیں ہوتے۔

(۶) یہ مضمون صراحۃ نصوص صحیحہ صریحہ کے خلاف ہے۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہٗ۔ دہلی

بارھواں باب

معاصی اور توبہ

سوال

(۱) زید نے ڈاکے اور چوریاں کیں جن لوگوں کا مال کھایا اب تک وہ لوگ یا ان کی اولاد زندہ ہے۔ اس نے ان لوگوں سے مال مسروقہ خوردہ بخشوایا نہیں ہے۔ ایسی ہی سوکھی توبہ کی ہے۔ کیا ایسی توبہ شرعاً مقبول ہے (۲) ڈاکہ زن کا زد رجب ڈاکہ اور چوری پر نہ ہو سکے بوجہ مجبوری توبہ کرے اور پھر پیری مریدی کرے تو ایسا آدمی قابل بیعت ہے یا نہیں؟ المستفتی نمبر ۴۱۴ فقیر محمد خاں (ضلع ہزارہ) ۲۹ رجمادی الثانیہ ۱۳۵۳ھ مطابق ۹ر اکتوبر ۱۹۳۴ء

(۲۹۴) **جواب**۔ (۱) جن لوگوں کا مال ڈاکہ اور چوری سے لیا ہے ان کا مال واپس کرنا یا ان سے معاف کرانا تکمیل توبہ کے لئے ضروری ہے۔ (۲) توبہ تو ہر وقت لازم ہے اگر طاقت کے وقت توفیق نہیں ہوتی تو جس وقت ممکن ہو اسی وقت کرلے۔

سوال

یہ مسئلہ مشہورہ متفقہ ہے کہ حقوق اللہ اگر کسی سے تلف ہو جاتے ہیں۔ وہ اگر توبہ خالص کرے تو بفضل اللہ تعالیٰ توبہ مقبول و منظور ہو جاتی ہے۔ اور اس کے گناہ صغیرہ ہوں مثل بوسہ نا جائز یا کبیرہ ہوں مثل زنا و تفویت نماز و تلف زکوٰۃ، معاف ہو جاتے ہیں۔ قولہ تعالیٰ توبوا الی اللہ توبۃ نصوحا عسی ربکم ان یکفر عنکم سیئاتکم الآیہ (سورہ تحریم) پھر توبہ کے بعد اگر وہ سلامت و زندہ رہا اس پر نماز و مافات کا مثلاً قضا کرنا واجب ہے یا نہیں۔ اسی طرح زکوٰۃ کی ادائیگی وغیر ذلک۔ اگر واجب ہے تو عفو کیا چیز ہوتی ہے۔ اگر واجب نہیں تو خیر الحمد للہ اور اگر زندہ نہ رہے تو کیا اس پر وصیت اسقاط صلوٰۃ کی واجب ہے یا نہ۔ اگر وصیت نہ کی تو ماخوذ ہوگا یا نہیں؟ المستفتی نمبر ۳۳۵ مولوی عبداللہ صاحب (ضلع ملتان) ۲۲ ذیقعدہ ۱۳۵۴ھ مطابق ۶ر فروری ۱۹۳۶ء

(۲۹۵) **جواب**۔ توبہ سے تمام گناہ معاف ہو جاتے ہیں، خواہ حق اللہ ہوں یا حق العباد۔ مگر توبہ کے معنی یہ ہیں جو بیضاوی میں حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے منقول ہیں د سئل علی رضی اللہ عنہ عن التوبۃ فقال یجمعھا ستۃ اشیاء علی الماضی من الذنوب الندامۃ وللفرائض الاعادۃ ورد المظالم واستحلال

الخصوم وان تعزم علی ان لا تعود وان تربی نفسك فی طاعة اللہ کما ربیتها فی معصیة انتهی یعنی حضرت علی رضی اللہ عنہ سے توبہ کے بارے میں دریافت کیا گیا تو انھوں نے جواب میں فرمایا کہ توبہ میں چھ باتیں ہونی چاہئیں:۔ گذشتہ گناہ پر ندامت۔ اور فرائض کی ادائیگی۔ اور حقوق ادا کرنا۔ اور صاحب حق سے معافی طلب کرنا۔ اور آئندہ اجتناب کا پختہ ارادہ کرلینا۔ اور اپنے نفس کو اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری کے لئے تربیت کرنا۔ تو ظاہر ہے کہ ایسی توبہ سے حقوق اللہ اور حقوق العباد سب معاف ہوجائیں گے۔ اور یہ سوال پیدا نہیں ہوگا کہ فرائض فائتہ کو ادا کرنا ذمے پر باقی رہے گا یا نہیں۔ رہا یہ شبہہ کہ اگر فرائض کی ادائیگی لازم رہی تو معافی بے معنیٰ ہوگئی، تو اس کا جواب یہ ہے کہ اس صورت میں معافی اس کوتاہی اور معصیت کی ہوگی جو فرائض کو اپنے معینہ وقت کے اندر ادا نہ کرنے کے ضمن میں متحقق ہوئی تھی۔ ہاں یہ ممکن ہے کہ حقوق اللہ میں فرائض فائتہ کی ادائیگی کو موقعہ اور قدرت علی الاداکے ساتھ مقید کردیا جائے۔ یعنی اگر باوجود قدرت کے فرائض فائتہ کو ادا نہ کرے تو کہا جائے کہ توبہ ہی کامل نہیں ہوئی اور اگر توبہ کے بعد ادائے فرائض کا موقعہ ہی نہ ملے تو توبہ کو کامل ومقبول قرار دے دیا جائے اور اس سے مواخذہ نہ ہو قدرت علی الادا میں قدرت علی الوصیت بھی شامل ہے۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہٗ۔ دہلی

سوال

اگر کوئی مسلمان کسی گناہ کبیرہ کا مرتکب ہو تو اسے کافر کہنا درست ہے یا نہیں۔ اور عدم جواز کی صورت میں کافر کہنے والے پر شرعاً کیا حکم صادر ہوگا۔

المستفتی نمبر ۱۵۲۲ خواجہ عبدالمجید صاحب (بنگال) ۱۲ ربیع الاول ۱۳۵۶ھ مطابق ۲۲ جون ۱۹۳۷ء

(۲۹۶) **جواب**۔ گناہ کبیرہ کے ارتکاب سے کفر لازم نہیں آتا۔ محض گناہ کبیرہ کے ارتکاب پر کسی کو کافر کہنا سخت گناہ ہے۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہٗ۔ دہلی

سوال

بار بار گناہ کرنا اور بار بار توبہ کرنا کیسا ہے؟

المستفتی نمبر ۱۵۹۱ جلال الدین صاحب (ضلع حصار پنجاب) ۳ جمادی الاول ۱۳۵۶ھ۔ ۱۲ جولائی ۱۹۳۷ء

(۲۹۷) **جواب** توبہ کرکے پھر گناہ کرنا پھر توبہ پھر گناہ کرنا۔ غرضکہ بار بار ایسا کرنا بہت برا ہے۔ مگر پھر بھی توبہ کرنا لازم ہے۔ مایوسی کہ اب توبہ قبول نہ ہوگی نہیں چاہیئے۔

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہٗ۔ دہلی

سوال

ایک شخص گھر سے زنا کرنے کی نیت سے نکلا اور وہ کسی وجہ سے واپس لوٹ آیا۔ آیا اس پر گناہ عاید ہوا یا نہیں
المستفتی نمبر ۲۲۷۹ اے۔ سی۔ منصوری (بمبئی) ۲ ربیع الثانی ۱۳۵۵ھ مطابق ۲۲ جون ۱۹۳۶ء

(۲۹۸) **جواب**۔ زنا یا گناہ تو نہیں ہوا۔ یہ ارادہ برا تھا اور جب پورا نہیں ہوا تو گناہ نہیں لکھا گیا۔ توبہ کرے تو اس ارادۂ بد کا مواخذہ بھی نہیں ہوگا۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہٗ

سوال

(از اخبار سہ روزہ الجمعیۃ دہلی۔ مورخہ ۲۲ جون ۱۹۲۷ء)

جس گناہ کی وجہ سے توبہ کیا جاتا ہے، بعد توبہ کر لینے کے وہ گناہ کیا ہو جاتا ہے؟ توبہ کے بعد اگر گناہ پورا یا کم باقی رہ جاتا ہے تو پھر توبہ سے کیا حاصل؟ اور اس توبہ کا کیا مقصد ہوا؟

(۲۹۹) **جواب**۔ جس گناہ سے سچی توبہ کر لی جائے وہ گناہ معاف ہو جاتا ہے۔ یعنی پھر اس کا مواخذہ نہیں ہوگا۔ کامل اور سچی توبہ کے بعد گناہ بالکل باقی نہیں رہتا۔ کامل توبہ کے ارکان یہ ہیں۔ اداۓ حق، یعنی کسی کا مال چرایا تھا یا روزہ چھوڑ دیا تھا تو پہلے اُس شخص کا مال اُسے دے دیا جائے یا روزہ قضا کر لیا جائے۔ اگر حق قابلِ ادا نہ ہو تو صاحبِ حق سے معاف کرایا جائے۔ گذشتہ ارتکابِ گناہ پر ندامت اور استغفار۔ آئندہ کے لئے پختہ ارادہ کہ اب یہ کام نہ کرونگا۔ محمد کفایت اللہ غفرلہٗ۔ مدرسہ امینیہ دہلی۔

سوال

(از اخبار سہ روزہ الجمعیۃ دہلی مورخہ ۲۶ جون ۱۹۲۷ء)

ایک آدمی جو آنکھوں سے اندھا کانوں سے بہرا اور زبان سے گونگا ہے۔ یعنی یہ ہر سہ حس قدرت نے اس کو عطا نہیں کیں، تو کیا وہ گناہگار ہو سکتا ہے؟ مذکورہ آدمی جوانی کی حالت میں گھاس کاٹ کر لاتا اور بھیک مانگتا رہا مگر بوساطت دوسرے اشخاص کے۔

(۳۰۰) **جواب**۔ جو شخص فطری اندھا گونگا بہرا ہے اس پر ان اعضا کے متعلق جو اعمال و افعال ہیں ان کے بجالانے کا کوئی مواخذہ نہ ہوگا۔ محمد کفایت اللہ غفرلہٗ

سوال

(از اخبار الجمعیۃ دہلی مورخہ ۱۸ اکتوبر ۱۹۲۷ء) چند مسلمانوں نے ایک بے شرع گمراہ فقیر کے پھندے میں پھنس کر

ادس کا عقیدہ اختیار کیا۔ ادس کے مرید ہوئے۔ نماز روزہ چھوڑ دیا۔ اور وقتاً فوقتاً کلمات نامشروع بھی زبان سے نکالتے تھے۔ اب وہ لوگ اپنی غلطی سے آگاہ ہو کر فقیر کی صحبت کو ترک کر دیا اور اپنی بدعقیدگی سے باز آئے اور بہت سے مسلمانوں کے مجمع میں ایک عالم کے سامنے یہ اظہار کیا کہ ہم لوگوں نے جس عقیدہ کو اختیار کیا تھا اُس سے باز آئے اور توبہ کیا۔ اب کبھی ہم فقیر کے پاس نہیں جائیں گے۔ اِن لوگوں کا توبہ صحیح ہو گیا یا نہیں؟

(۳۰۱) **جواب**۔ جب ان لوگوں نے علی الاعلان توبہ کر لی اور نماز پڑھنی شروع کر دی تو مسلمانوں کو بھی چاہیئے کہ ان کے ساتھ اسلامی برتاؤ اور محبت وسلوک کا معاملہ کر کے اُن کے قلوب کو اپنی طرف مائل اور جہالت سے بالکلیہ علیحدہ کر دیں۔ محمد کفایت اللہ غفرلہٗ

سوال

(از اخبار سہ روزہ الجمعیۃ دہلی مورخہ ۱۰ مارچ ۱۹۲۶ء)

چند لوگوں نے توبہ کرنے کے لئے ایک مولوی صاحب کو دعوت دی۔ مولوی صاحب نے انھوں سے روپیہ کا مطالبہ کیا۔ داعی نے روپیہ دینے کا وعدہ کیا۔ مولوی صاحب وقتِ مقررہ پر کشتی سے وہاں پہنچا اور بولا کہ روپیہ ادا کرو ورنہ کشتی میں سے نہیں نکلوں گا۔ بہت کہنے پر اٹھا اور بولا روپیہ نہ دینے پر توبہ نہیں کراؤنگا۔ داعی نے مجبوراً حسبِ وعدہ دس روپے دیدیئے۔ حاضرین تائبین میں سے ایک شخص بولا کہ ایسے مولوی صاحب کے ہاتھ پر توبہ نہیں کرونگا اور کل دوسرا مولوی صاحب کو بلاکر توبہ کر لونگا۔ اس پر مولوی صاحب نے خفا ہو کر برا بھلا کہا۔ ادس شخص نے بھی اس کا جواب دیا اور یہ بھی کہا کہ تم عالم نہیں مولوی نہیں۔ ان باتوں کی وجہ سے مولوی صاحب نے ان لوگوں پر کفر کا فتویٰ دیا ہے اور لکھا ہے کہ انھوں کی بیویاں مطلقہ بطلاق بائن ہو گئیں۔ کسی مسلمان کو ان کے ساتھ ملنا جلنا جائز نہیں اور اسی حالت میں ان کے جو اولاد ہوں گے وہ حرامزادے ہونگے۔ واضح رہے کہ متعدد شاہدوں کی شہادت سے معلوم ہوا کہ مولوی صاحب مذکور کے اخلاق واعمال بہت خراب ہیں۔ تاش پانسہ وغیرہ کھیلتے ہیں۔ بعض کی زمین غصب کیا ہے۔ اور جعلی مقدمہ کر کے کئی مدیون سے دوبارہ روپیہ وصول کیا۔ اور بھی اسی قسم کے کئی کبائر کے مرتکب ہیں

(۳۰۲) **جواب**۔ معلوم نہیں کہ یہ توبہ کرانے کے لئے مولوی صاحب کو بلانا اور ان کا روپیہ لے کر توبہ کرانا اس کا کیا مطلب ہے اور یہ کیسی رسم ہے۔ ہمارے اطراف میں تو یہ رسم نہیں ہے۔ ہمیں اس کی حقیقت معلوم بھی نہیں۔ تو یہ

کرنے والے خود خدا تعالیٰ کی جناب میں توبہ کر سکتے ہیں۔ کسی مولوی کو بلانے کی ضرورت ہی نہیں۔ اگر کسی عالم کو توبہ کے الفاظ تلقین کرنے کے لئے بلایا جائے تو اس کو اجرت طلب کرنا نہیں چاہئے۔ ہاں اگر مقام دور ہو تو سواری کا کرایہ لے سکتا ہے۔

اگر شخص متخلف نے مولوی صاحب کے متعلق صرف یہی لفظ کہے ہیں کہ "تم عالم نہیں۔ مولوی نہیں۔" تو اس پر کفر کا حکم کرنا درست نہیں۔ نہ ان لوگوں سے مقاطعہ کرنا درست جو اس کے ساتھ ہو گیا کیونکہ اس میں عالم کی بحیثیت عالم ہونے کے توہین نہیں ہے، بلکہ عالم ہونے سے انکار ہے۔

اور اگر مولوی صاحب کے یہ افعال جو سوال میں مذکور ہیں صحیح ہیں تو وہ بوجہ ارتکاب کبائر اور فسق کے کسی تعظیم کے مستحق نہیں ہیں۔ محمد کفایت اللہ غفرلہٗ

سوال

(از اخبار سہ روزہ الجمعیۃ دہلی مورخہ ۲۴ جولائی سنہ ۱۹۲۹ء)

باری تعالیٰ کے نزدیک کس عمر تک کے بچے معصوم قرار دئیے جائیں گے۔ اور معصوم کا کیا درجہ ہے؟

(۳۰۳) **جواب**۔ بچہ جب تک نابالغ ہے اس وقت تک معصوم ہے۔ یعنی اوس سے کوئی مواخذہ نہ ہوگا اوس کی شفاعت قبول ہوگی اور حق تعالیٰ کی نظر رحمت اس کی طرف زیادہ ہوگی۔ محمد کفایت اللہ غفرلہٗ۔

سوال

(از اخبار الجمعیۃ دہلی مورخہ ۱۳ اکتوبر سنہ ۱۹۲۹ء)

زانیہ اگر تائب ہو جائے تو اس کا کسب کردہ مال حلال ہو جاتا ہے یا نہیں؟

(۳۰۴) **جواب**۔ توبہ سے مال حلال نہیں ہوتا۔ زنا کا گناہ معاف ہو جاتا ہے۔ محمد کفایت اللہ غفرلہٗ

سوال

(از اخبار سہ روزہ الجمعیۃ دہلی مورخہ یکم دسمبر سنہ ۱۹۳۵ء)

میرے بزرگ میرے رہبر جناب مفتی صاحب دامت برکاتہم السلام علیکم ورحمۃ اللہ۔ دست بستہ گزارش بندۂ حقیر کی یہ ہے کہ میں جبکہ قرآن شریف پڑھنے کے لئے مسجد میں جایا کرتا تھا اور رات کے وقت گھر میں مطالعہ کیا کرتا تھا ایک روز جبکہ میری طبیعت پڑھنے کی طرف بالکل رجوع نہ تھی مگر والد ماجد ہمشیرۂ محترمہ کی تنبیہ اور زبردستیوں کے باعث مجھ کو قرآن شریف لے کر بیٹھنا پڑا۔ مگر میں بدنصیبی اور غصے کے غلبے

میں اندھا ہو کر قرآن شریف کی بے حرمتی کر بیٹھا (یعنی قرآن شریف کے اوپر اپنا پیر رکھ دیا) اور اس گناہ عظیم کے تقریباً دو ڈھائی سال بعد نادانی کے جوش میں آکر اپنا پیشاب نکال کر خود ہی پی گیا۔ میرے بزرگ یہ دونوں غلطیاں میری نابالغی کے زمانے میں سرزد ہوئی تھیں۔ میرا گمان غالب یہ ہے کہ پہلی غلطی پر میری عمر تقریباً نو سال اور دوسری غلطی کے وقت بارہ سال تھی یہ میں بوجہ شرم کے خود حاضر نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ یہ گناہ عظیم ایسا سرزد ہوا ہے کہ شاید دنیا میں کسی نے بھی نہ کیا ہوگا۔ آپ اس کا جواب اخبار الجمعیۃ میں شائع فرمادیں۔ جو کچھ کفارہ یا ہدایات ہوں وہ بھی تحریر فرمادیں۔ دہلی کا ایک گناہگار مسلمان لڑکا۔

(۳۰۵) **جواب**۔ عزیز من سلمکم اللہ تعالیٰ وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ۔ اگر تمہارا یہ خط بے نام و نشان نہ ہوتا تو میں اس کا جواب خود تمہارے پاس آکر تم کو زبانی بتاتا۔ اور تمہاری تسلی کر دیتا۔ تمہارے اس خط کا میرے دل پر گہرا اثر ہوا ہے۔ کیونکہ اٹھارہ سال کی عمر میں اپنی نادانی کے زمانے کی غلطیوں کا اتنا زبردست احساس و تأثر تمہاری فطری سعادت اور ایمانی قوت کی دلیل ہے۔ میں نے تمہارے لئے بہت مخلصانہ دعائیں کی ہیں کہ رب العزۃ جل شانہ، تم کو اس ایمانی جذبہ میں مزید در مزید ترقی عطا فرمائے۔ آمین!

عزیزم جو غلطیاں کہ تم سے ہوئی تھیں وہ غلطیاں ضرور تھیں مگر اول تو نابالغی اور نادانی کے زمانے کی غلطیاں حضرت حق جل شانہ کے یہاں قابل مواخذہ نہیں کیونکہ صریح حدیث شریف میں ہے رفع القلم عن ثلثۃ[1] عن المعتوہ حتی یفیق والنائم حتی یستیقظ والصبی حتی یحتلم او کما قال۔ یعنی بچہ جب تک بالغ نہ ہو جائے اس وقت تک قابل مواخذہ نہیں۔ دوسرے یہ کہ تمہاری یہ ندامت اور شرمندگی جس کا ثبوت تمہارے اس خط کے ایک ایک حرف سے ہوتا ہے اس سے بہت بڑی غلطیوں کی معافی کے لئے بھی کافی ہے فان العبد اذا اعترف وتاب تاب اللہ علیہ۔ یعنی جب کوئی بندہ اپنے مولی کے سامنے اپنے گناہ کا اعتراف کرے توبہ کرے تو مولائے کریم اسے معاف ہی فرما دیتا ہے۔ اس لئے اب ان غلطیوں کی بنا پر تمہیں تشویش نہیں ہونی چاہئے۔ اور اس کا کوئی کفارہ تمہارے ذمہ واجب نہیں۔ بس آئندہ زندگی میں اطاعت خدا و رسول اور اتباع سنت پر قائم رہنا ہی اس قسم کی تمام گزشتہ غلطیوں کے لئے کفارہ ہے اللہ تعالیٰ تم کو بایں جذبہ ایمانی اپنی توفیق خاص سے نوازے اور تمہارا حافظ و ناصر ہو۔ والسلام علیکم۔

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ،

سوال

(الجمعیۃ مورخہ ۱۴ دسمبر ۱۹۲۵ء)

جو شخص کسی بدعقیدہ کے قول یا فعل سے ایک مجمع عام میں برا جان کر توبہ گار ہو اور پھر اسی قول یا فعل کی اتباع کرے اس کے واسطے شرعاً کیا حکم ہے؟

(۳۰۶) **جواب**۔ توبہ کے بعد پھر اسی برائی کا ارتکاب کرنا بہت زیادہ برا ہے اور اس کا مواخذہ زیادہ سخت ہو جاتا ہے۔ محمد کفایت اللہ غفرلہٗ

سوال

(الجمعیۃ مورخہ ۲ مئی ۱۹۲۷ء)

کوئی شادی کی تقریب یا مکان کی تعمیر یا کسی کا قرضہ ہو اس کا بغیر کسی ظاہرا سامان ہونے کے صرف خدا کے بھروسے پر ان شاء اللہ کے ساتھ وعدہ کرلے کہ فلاں مہینے یا فلاں تاریخ کو یہ کام کردوں گا اور اللہ کے دربار سے کافی امید ہو اور پھر وہ کام مقررہ وقت پر نہ ہو تو جھوٹ ہوا یا نہیں؟

(۳۰۷) **جواب** اس صورت میں جھوٹ کا گناہ نہ ہوگا۔ محمد کفایت اللہ غفرلہٗ

سوال

(الجمعیۃ مورخہ ۹ ستمبر ۱۹۳۱ء)

عابد اور تائب میں کس کا مرتبہ زیادہ ہے؟

(۳۰۸) **جواب** عابد کا مرتبہ زیادہ ہے۔ اگرچہ عاصی تائب جبکہ اس کی توبہ قبول ہو جائے خدا کے نزدیک محل عتاب نہیں رہتا لیکن وہ فضیلت جو عابد نے اوقات عبادت میں عبادت کرکے حاصل کی ہے وہ قاعدہ کی رو سے تائب کو حاصل نہیں۔ محمد کفایت اللہ غفرلہٗ

تیرھواں باب

مختلف فرقے

فصل اول فرقہ شیعہ

سوال۔ شیعوں کے ہاتھ کا ذبیحہ اور ان کے ساتھ کھانا اور رشتہ کرنا درست ہے یا نہیں۔ نیز سلام علیک

کرنا اور جواب سلام دینا کیسا ہے ؟

(۳۰۹) **جواب**۔ رافضیوں کا وہ فرقہ جو حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو (عیاذاً باللہ) خدا یا اور کچھ اسی طرح جو شرعاً کفر ہو، مانتا ہو، ان کے ہاتھ کا ذبیحہ کھانا درست نہیں۔ اور جو لوگ کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو خلفائے ثلثہ پر صرف افضل مانتے ہوں، ان کے ہاتھ کا ذبیحہ جائز ہے۔ اور ان لوگوں کی لڑکیوں سے نکاح کر لینا بھی جائز ہے۔ مگر انھیں اپنی لڑکیاں نہیں دینا چاہیئے۔ بلا ضرورت ان سے سلام کرنا یا خلا ملا رکھنا بھی اچھا نہیں۔

سوال

ایک ہندو ریاست میں ایک شکستہ شاہی جامع مسجد سرکار کے عطیہ اور سنی و شیعہ کے متفقہ چندہ سے انجمن اسلام کی نگرانی میں جس کا صدر ایک شیعہ اسماعیلیہ اور منصرمہ کمیٹی کے اراکین دونوں فریق سے منتخب ہوئے تھے تخمیناً ڈیڑھ لاکھ روپے کے خرچ سے تعمیر ہوئی۔ اس مسجد میں ایک مدت تک فرقہ شیعہ اسمعیلیہ کی ایک شاخ سلیمانیہ کے اراکین جب کبھی نماز کے وقت موجود ہوئے تو حنفی پیش امام کی کامل اقتدا میں نماز باجماعت ادا کر لیا کرتے تھے، کیونکہ یہ گروہ اس مسئلے میں دوسرے شیعوں مثلاً داؤدی اور اثنا عشری وغیرہ (جو کبھی سنیوں کی اقتدا میں نماز نہیں پڑھتے) سے مختلف ہے۔ علاوہ اس کے یہ گروہ سب شیخین نہیں کرتے۔ ہاں عقاید میں تفضیلیہ ہیں۔ تھوڑے عرصے سے سنیوں نے اس بنا پر کہ شیعوں کا داخلہ اس مسجد میں قطعاً ممنوع ہے فرقہ سلیمانیہ مذکورۂ بالا کو مسجد میں داخل ہونے، نماز پڑھنے قرآن مجید اور وعظ سننے سے روکا اور حال میں اس فرقے کے لوگوں کو جبکہ وہ ایک سنی عالم کا وعظ سننے مسجد میں آئے زدوکوب کیا۔ لہٰذا کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مندرجۂ ذیل مسائل میں کہ :۔

(۱) شیعہ اسمٰعیلیہ مذکورۂ بالا مسجد میں نماز پڑھ سکتے ہیں یا نہیں ؟ اور سنیوں کی نماز میں ان کی شرکت باجماعت سے کسی قسم کا خلل تو نہیں آتا ؟ (۲) شیعہ اس مسجد میں قرآن مجید اور وعظ سننے آسکتے ہیں یا نہیں ؟ اور ان میں سے اگر کوئی شخص اس میں علیحدہ اپنے طریق پر نماز ادا کرے تو اس کو اجازت ہے یا نہیں ؟ (۳) جو لوگ مسجد میں اہل قبلہ کو زدوکوب کریں ان کے لئے کیا حکم ہے ؟ دراں حالیکہ وہ اہل قبلہ نماز پڑھنے یا وعظ سننے یا کلام مجید کی تلاوت کے لئے حاضر ہوں۔ بینوا توجروا۔ المستفتی سید نواب علی۔ پروفیسر بڑودہ کالج

(۳۱۰) **جواب**۔ اگر سوال کے امور مذکورہ صحیح ہیں یعنی شیعہ اسمعیلیہ اعتقاداً صرف تفضیلیہ ہیں اور اہل سنت

کے پیچھے نماز پڑھنا جائز سمجھتے ہیں اور یہ کہ پہلے وہ اس مسجد میں نماز پڑھتے رہے ہیں، تو اب بھی وہ مسجد میں نماز اور استماع وعظ کے لئے آسکتے ہیں۔ مسجد میں زدوکوب کرنا سخت مذموم ہے اور جس فریق نے اس کی ابتدا کی ہے وہی ذمہ دار ہے۔

(۳۱۱) **جواب دیگر**۔ شیعہ تفضیلیہ جو تبرا نہیں کرتے سینوں کی مسجد میں سنی امام کے پیچھے نماز پڑھنے کے لئے آئیں تو آسکتے ہیں۔ مگر اپنے مذہب کے ایسے کام جو سنیوں کے مذہب میں ناجائز ہوں یا موجب فتنہ ہوں نہیں کر سکتے۔ اسی طرح مجلس قرآن خوانی اور وعظ میں بھی شامل ہو سکتے ہیں

سوال

سنی حنفی مذہب کی جامع مسجد جو سرکاری نگرانی میں ہے اس میں حنفی المذہب پیش امام کے پیچھے شیعہ نماز پڑھنے کے مستحق ہیں یا نہیں؟ مذکورہ بالا مسجد میں اگر قرآن مجید کی تلاوت ہوتی ہو اس وقت قرآن مجید سننے کے لئے شیعہ بیٹھ سکتے ہیں یا نہیں۔ مذکورہ بالا مسجد میں شیعہ وعظ سننے جا سکتے ہیں یا نہیں؟

المستفتی احمد حسین قاضی شہر نواب باڑہ بڑودہ

(۳۱۲) **جواب** سنی فرقہ کی مسجد یا جامع مسجد میں سنی حنفی امام کے پیچھے شیعوں کے ان فرقوں کے افراد جو حد کفر تک نہیں پہنچتے نماز پڑھ سکتے ہیں۔ مگر اگر وہ ایسے اعمال نہیں کر سکتے جو سنی مذہب میں ناجائز یا موجب فتنہ ہوں۔ تلاوت کے وقت بشرط متذکرہ بیٹھ سکتے ہیں۔ اور بشرط متقدمہ وعظ سننے جا سکتے ہیں۔ مگر ان امور کے استحقاق کے دعوے کا فیصلہ دستور قدیم ہوگا۔ مسلمانوں کی مسجد پر سرکاری نگرانی کا کیا مطلب؟ اگر نگرانی سے مراد صرف حفظ امن ہے تو خیر! اور اگر مسجد کے انتظامات میں مداخلت مراد ہے تو ناجائز ہے۔ غیر مسلم مسجد کے انتظامات میں مداخلت نہیں کر سکتا۔ فقط

(۳۱۳) **جواب دیگر** ایسے لوگوں کا مسجد میں آنا اور سنی امام کے پیچھے نماز ادا کر لینا جائز ہے۔ لیکن بصورت نزاع استحقاق کا فیصلہ دستور قدیم کے موافق ہوگا۔ اگر وہ پہلے سے آتے رہے ہیں اور نماز ادا کرتے رہے ہیں تو آنے اور نماز پڑھنے کا ان کو حق ہے۔ اور اگر پہلے کبھی نہیں آئے اور نماز نہیں پڑھی تو سنیوں کی رواداری پر ہے کہ اب آنے دیں یا نہ آنے دیں۔ بہرحال ان کی شرکت سے سنیوں کی نماز میں خلل نہیں آتا۔ فقط

(۳۱۴) **جواب دیگر** جو لوگ کہ اعتقاداً حد کفر تک نہ پہنچیں مثلاً شیعہ تفضیلیہ وہ مسجد میں نماز پڑھ سکتے ہیں۔ اہل سنت والجماعت کی مسجد میں اگر پہلے سے یہ لوگ نماز پڑھتے چلے آئے ہیں تو اب بھی آسکتے ہیں اور ان میں کا کوئی فرد امین و معتمد

ہو اور مسجد کی بھلائی کی امید ہو تو اس کو منتظمہ جماعت کا رکن بھی بنایا جا سکتا ہے۔ مگر ان کو اس مسجد میں اپنے عقائد کی تبلیغ و اشاعت کرنی یا کوئی امر موجب فتنہ نکالنا جائز نہیں۔ اور نہ اس صورت میں ان کو آنے کی اجازت دی جا سکتی ہے۔ سنی حنفی امام کی اقتداء میں نماز پڑھنا یا وعظ سننا اور کوئی امر تبلیغ مذہب کی غرض سے نہ کرنا ہو تو مضائقہ نہیں کہ آنے دیا جائے۔ جامع مسجد اور دیگر مساجد کا حکم ایک ہے۔ فقط۔

سوال

ایک شیعہ لڑکا سنی لڑکی سے نکاح کرنا چاہتا ہے۔ اس کے متعلق کیا حکم ہے۔ اگر سنی قاضی یا پیش امام نکاح پڑھانے سے انکار کرے اور کوئی شیعہ پڑھا دے تو کیا حکم ہے؟ یہ شیعہ تفضیلی ہے جو حضرت علیؓ کو باقی خلفاء پر فضیلت دیتے ہیں۔ عالمگیری جلد دوم صفحہ ۲۴۶ میں یہ عبارت ہے الرافضی اذا کان یسب الشیخین او یلعنھما او العیاذ باللہ، فھو کافر۔ وان کان یفضل علیا کرم اللہ وجھہ علی ابی بکر الصدیق لا یکون کافرا الا انما ھو مبتدع۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ شیعہ سے سنی لڑکی کا نکاح درست نہیں ہے۔

المستفتی نمبر ۶۳۲ حافظ محمد اسحٰق (کوئٹہ) ۲۹ رجمادی الثانی ۱۳۵۴ھ مطابق ۲۸ ستمبر ۱۹۳۵ء

(۳۱۵) **جواب** شیعہ اگر حضرت علیؓ کو دوسرے صحابہ پر فضیلت دیتا ہے، بس اس کے علاوہ اور کوئی بات اس میں شیعیت کی نہیں تو یہ کافر نہیں ہے۔ اور ایسے شیعہ کے ساتھ سنی لڑکی کا نکاح منعقد ہو جاتا ہے۔ لیکن اگر شیعہ غلطی وحی یا الوہیت علیؓ یا افک صدیقہؓ کا قائل ہو، یا قرآن مجید میں کمی بیشی ہونے کا معتقد ہو، یا صحبت صدیقؓ کا منکر ہو تو ایسے شیعوں کے ساتھ سنی لڑکی کا نکاح منعقد نہیں ہوتا۔ اور چونکہ شیعوں میں تقیہ کا مسئلہ شائع اور معمول ہے اس لئے یہ بات معلوم کرنی مشکل ہے کہ فلاں شیعہ قسم اول میں سے ہے یا قسم دوم میں سے۔ اس لئے لازم ہے کہ شیعوں کے ساتھ مناکحت کا تعلق نہ رکھا جائے۔ شیعہ لڑکی کے ساتھ سنی مرد کا نکاح درست ہے۔ لیکن یہ تعلق پیدا کرنا اکثر حالات میں مضر ہوتا ہے اس لئے اجتناب ہی اولیٰ ہے۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہٗ

سوال

زید کے دادا اپنی زبان سے اقرار کرتے ہیں کہ میں سنت والجماعت ہوں۔ مگر انھوں نے اپنا نکاح ایک عورت شیعہ یعنی عورت رافضی سے کیا ہوا ہے۔ اور اس رافضی عورت سے چار بچے ہیں اور انھوں نے اپنی لڑکیوں کی شادیاں بھی شیعہ لوگوں میں کر رکھی ہیں۔ اور زید کا کہنا ہے کہ میں شیعہ نہیں ہوں۔ سنت والجماعت ہوں حالانکہ اس نے اپنی شادی بھی ایک عورت شیعہ سے کر رکھی ہے۔ اور ملنا جلنا خلط ملط سب اسی طرح ہے کوئی فرق

نہیں ہے۔ زید کہتا ہے میں سنت جماعت ہوں اور ایک سنت جماعت حنفی المذہب کے ہاں رقعہ اپنی شادی کا بھیجا ہے اور شادی سنت جماعت میں کرنا چاہتا ہے۔ ایسی صورت میں اس لڑکے سے سنت جماعت کا نکاح ہو سکتا ہے یا نہیں ہو سکتا۔ جو اولاد رافضی کے تخم سے پیدا ہوئی اور دہیں پرورش پائی، وہ کون ہوئی۔ رافضی ہوئی یا سنت والجماعت ہوئی۔ شیعہ لوگوں میں دھوکہ دینا جائز کر رکھا ہے۔ اپنی مطلب برآری کے واسطے جس کو وہ لوگ تقیہ کہتے ہیں۔ آیا شرعاً کیا حکم ہے۔

المستفتی نمبر ۱۳۵۳ محمد دین صاحب دہلوی ۲۸ ذیقعدہ ۱۳۵۵ھ مطابق ۱۱ فروری ۱۹۳۷ء

(۳۱۶) **جواب**۔ شیعوں کے بہت فرقے ہیں۔ بعض فرقے کافر ہیں مثلاً جو حضرت علیؓ کی الوہیت یا حلول کا اعتقاد رکھتے ہیں یا غلط فی الوحی یا افک عائشہ صدیقہؓ یا قرآن مجید میں کمی زیادتی کے قائل ہیں۔ ایسے شیعوں کے ساتھ رشتہ کرنا ناجائز ہے۔ اور جو لوگ کہ حدِ کفر تک نہیں پہنچتے اُن کے ساتھ مناکحت جائز ہے۔ یہ صحیح ہے کہ شیعوں کے یہاں تقیہ کا مسئلہ ہے اور اس بنا پر ان کے خیالات اور عقائد کا پتہ لگانا مشکل ہے۔ اور جو شخص اس بات سے واقف ہے وہ شیعوں میں رشتہ ناتہ کرنے کی جرأت نہیں کر سکتا۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ،

سوال

(۱) نذیر احمد قوم نداف ساکن نجیب آباد مع متعلقین جو عرصہ تقریباً ڈیڑھ سال سے اپنا مذہب ترک کر کے رافضی ہو گیا ہے اور اب تمام کام وہی کرتا ہے جو رافضی کرتے ہیں۔ اور خلفائے راشدین خصوصاً سیدنا حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین کی شان میں گستاخی کر رہا ہے وہ شرعاً مرتد ہے یا مسلمان۔ (۲) نذیر احمد مذکور کے ساتھ مسلمانوں کو کیا برتاؤ کرنا چاہیئے۔ (۳) ہم لوگوں کی برادری کی پنچایت ہے، شرعاً ہمیں نذیر احمد سے ترک تعلقات کرنا ضروری ہے یا نہیں۔ (۴) اگر برادری کی پنچایت نذیر احمد کو برادری سے خارج نہ کرے تو تمام برادری گناہگار ہوگی یا نہیں (۵) نذیر احمد مذکور سے اور اس کے متعلقین سے جو رافضی ہو چکے ہیں سلسلۂ مناکحت قائم کرنا جائز ہے یا نہیں ؟

المستفتی نمبر ۱۵۵۲ میاں جی خدا بخش نداف (ضلع بجنور) ۲۰ ربیع الثانی ۱۳۵۶ھ مطابق ۳۰ جون ۱۹۳۷ء

جواب (از مفتی مسعود احمد نائب مفتی دار العلوم دیوبند) اگر فی الواقع نذیر احمد نے شیعہ مذہب اختیار کر لیا ہے اور سبِ شیخین کرتا ہے یعنی حضرت ابوبکر صدیق اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہما کو گالی دیتا ہے، تو وہ مرتد ہے۔ فتاویٰ عالمگیری باب المرتد میں ہے الرافضی اذا کان یسب الشیخین ویلعنهما العیاذ باللہ فهو کافر الخ (۲) اول نذیر احمد کو نرمی سمجھایا جائے اور اس باطل مذہب سے اس کو ہٹانے کی کوشش

حسن تدبیر کے ساتھ کی جائے۔ اگر وہ کسی طرح اور کسی صورت سے باز نہ آوے تو اس سے تعلقات برادرانہ منقطع کردیئے جائیں۔ (۳) اگر باوجود سمجھانے کے اور باوجود کوشش کے بھی نذیر احمد راہ راست پر نہ آوے تو اس سے قطع تعلق کرنا ضروری ہے۔ اگر برادری اس سے قطع تعلق نہ کرے گی تو گنہگار ہوگی۔ (۵) ان لوگوں سے سلسلۂ مناکحت کرنا اہل سنت والجماعت کو ناجائز اور حرام ہے۔ کیونکہ مسلمان اور کافر میں باہم نکاح صحیح اور منعقد نہیں ہوتا۔ کذا فی الشامی باب المحرمات فقط واللہ تعالیٰ اعلم سود احمد عفا اللہ عنہ نائب مفتی دار العلوم دیوبند ۱۸ محرم ۱۳۵۶ھ

(۳۱۷) **جواب** (از حضرت مفتی اعظمؒ)۔ ہو الموفق۔ اگر نذیر احمد غالی شیعہ ہو گیا ہے۔ یعنی حضرت عائشہؓ پر تہمت کا قائل ہے یا قرآن مجید کو صحیح اور کامل نہیں سمجھتا۔ یا حضرت ابوبکر صدیقؓ کی صحبت کا منکر ہے یا حضرت علیؓ کو وحی کا اصل مستحق سمجھتا ہے یا حضرت علی کی الوہیت کا قائل ہے تو بیشک وہ کافر ہے۔ اور اس صورت میں باقی سب جواب صحیح ہیں۔ فقط محمد کفایت اللہ کان اللہ لہٗ دہلی

سوال

فتوی کا جواب ۲۵ جنوری ۱۹۳۸ء موصول ہوا تھا۔ اس کو دیکھ کر ایک شخص نے اعتراض کیا ہے کہ اہل سنت والجماعت کو ایسا فتوی دینے کا کوئی حق حاصل نہیں ہے۔ چونکہ اہل سنت کے نزدیک ہر مسلم مومن ہے۔ اور ہر مومن کے ساتھ نکاح جائز ہے۔ اور ہر مومن یا مسلم کی شناخت یہ ہے کہ وہ تین اصول کا قائل ہو۔ توحید، نبوت، قیامت۔ شیعہ علی العموم تینوں اصول کے قائل ہیں۔ لیکن اس فتوی میں مفتی صاحب نے صاف نہیں کیا ہے۔ چونکہ شیعہ غالی نصیری کو کہتے ہیں اور تفضیلیہ اہل سنت والجماعت کا مذہب ہے جس مذہب سے اصل میں معاملہ درپیش ہے اس کو بالکل اڑا دیا ہے یعنی شیعہ اثنا عشری۔ اور علاوہ ازیں کوئی شیعہ اثنا عشری اپنے آپ کو تفضیلیہ یا غالی نہیں کہتا۔ چونکہ زمانہ موجودہ میں تقیہ جائز نہیں ہے۔ اور تبرا اصول مذہب اہل سنت سے کسی طرح بھی مانع نکاح نہیں ہے۔

المستفتی نمبر ۲۲۶۵ جناب شمشاد حسین صاحب (میرٹھ) ۲۴ ربیع الاول ۱۳۵۷ھ مطابق ۲۵ مئی ۱۹۳۸ء

(۳۱۸) **جواب**۔ تفضیلیہ مذہب اہل سنت والجماعت کا نہیں ہے۔ یہ شیعہ مذہب کی ایک شاخ ہے۔ اور غالی سے مراد وہ شیعہ ہیں جو کسی ایسے عقیدہ کے قائل ہوں جس سے کفر لازم آتا ہے مثلاً افک عائشہ صدیقہؓ یا با قرآن مجید میں کمی واقع ہونے کا عقیدہ یا غلط فی الوحی یا الوہیت علی مرتضی کرم اللہ وجہہ یا حلت تبرا یعنی سب وشتم صحابہ وغیرہ۔ اور جواب سابق جو میں نے لکھا تھا وہ صحیح ہے۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہٗ دہلی

سوال

شاہا کہ در خدمت عرضی مفلسی در جہاں بود مرضی

احوال ایں باشد کہ در مقام بہرام پور ضلع گنجام دراسم شیعہ نزاع عظیم برپا شدہ ہست۔ چند نفر می گویند کہ شیعہ سادات را گفتن روا نباشد بلکہ ایں اسم روافض را باشد نہ کہ سادات را گویند و بعض گویند کہ شیعہ سادات اثنا عشری را گویند نہ آنکہ سادات سنت و جماعت را۔ ولیکن گمان فقیر ایں نیا یہ چرا کہ سادات ہمگی از اولاد نبی آخر زماں باشند چنانکہ خداوند تبارک و تعالیٰ در کتاب پاک خود دلالت می کند در سورۂ کوثر انا اعطینٰک الکوثر خبر داد پیغمبر خود از کثرت اولاد در دنیا و عقبیٰ منقطع نشوند اولاد پیغمبر ما را دریں جا ہر دو گروہ سادات یک باشند ہر چند کہ مذہب جدا باشد۔ در نہایہ ابن اثیر جزری در لغت شیعہ نوشتہ است

شیعۃ الرجل بالکسر اتباعہ و انصارہ وقد غلب ھذا الاسم علی کل من یتولی علی ابن ابی طالب۔ خلاصہ مطلب این است کہ شیعہ اکثر آں را گویند کہ محب علی ابن ابی طالب باشد بے شک چنانکہ جملہ سادات اولاد علی علیہ السلام ہیباشند اگر شیعہ گویند چہ اہانت ندارد

(ترجمہ) بہرام پور ضلع گنجام میں لفظ شیعہ کے متعلق بڑا اختلاف پیدا ہو گیا ہے۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ شیعہ سادات کو کہتے ہیں۔ اور بعض لوگ کہتے ہیں کہ سادات کو شیعہ کہنا درست نہیں ہے، بلکہ شیعہ روافض کا نام ہے۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ شیعہ سادات اثنا عشریہ کو کہتے ہیں، نہ کہ سادات اہلِ سنت والجماعت کو۔ لیکن فقیر کا خیال یہ ہے کہ سادات سب کے سب نبی آخر الزماں (صلی اللہ علیہ وسلم) کی اولاد میں سے ہیں۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ اپنی کتاب پاک میں ارشاد فرماتا ہے انا اعطینٰک الکوثر اور خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اپنی کثرت اولاد کے بارے میں خبر دی ہے کہ دنیا و عقبیٰ میں ہمارے پیغمبر کی نسل منقطع نہیں ہوگی۔ اس صورت میں دونوں گروہ سادات ہی ہیں ہر چند کہ مذہب جدا جدا ہوں۔ نہایہ ابن اثیر جزری میں لغت شیعہ کے متعلق لکھا ہے۔ شیعۃ الرجل الخ

اس کا خلاصہ یہ ہے کہ شیعہ اس کو کہتے ہیں جو حضرت علی ابن ابی طالب سے محبت رکھتا ہو۔ اور جبکہ تمام سادات حضرت علی علیہ السلام کی اولاد ہیں اگر ان کو شیعہ کہا جائے تو کیا حرج ہے؟

ایں حالات از لغات کشوری، باب شین فصل ش ی ع

(۱) شیعہ (ع) مطیع۔ تابعدار۔ مددگار گروہ۔ سرخود۔ غالب۔

(۲) مطیع (ع) فرمانبردار۔ خادم۔ اطاعت کنندہ — ومن یطع اللّٰہ والرسول فاولئک مع الذین الخ

(۳) تابعدار (ف) فرمانبردار۔ خادم۔ اطاعت کنندہ — ومن یقنت منکن للّٰہ ورسولہ الخ

(۴) مدد (ع) کمک مددگار۔ مددکنندہ — ان اللّٰہ مع الذین اتقوا والذین ھم محسنون

(۵) گروہ (ف) غول۔ جمعیت آدمیاں — انا اعطیناک الکوثر

(۶) سرخود (ف) خود مختار — لا یملکون الشفاعۃ الا من اتخذ عند الرحمن عھداً

(۷) غالب (ع) زبردست۔ زورآور — وانتم الاعلون

در نصائح از حضرت علی رضی اللہ عنہ رہبر کامل باب ہمزہ سے متعلق ص۱۱۸ نصائح

سب سے زیادہ سعادتمند وہ ہے جس نے ہماری فضیلت کو معلوم کیا ہمارے طفیل سے مقربان بارگاہِ الٰہی میں داخل ہوا۔ ہم سے خالص دوستی اور محبت پیدا کی۔ ہماری ہدایات پر چلا۔ اور جن باتوں سے ہم نے منع کیا ان سے باز رہا سو ایسا شخص ہمارے گروہ میں شامل اور بہشت میں ہمارے ساتھ ہوگا۔"

ازیں تمام حال کہ ظاہر شدہ است امید می دارم کہ از قلم قدرت جناب فتوی روانہ فرمائی۔

ان تمام حالات کے بعد گزارش ہے کہ آپ فتویٰ صادر فرمائیں

المستفتی نمبر ۲۳۱۳ مولوی دلدار بیگ (بہرام پور) (گنجام) ۱۴ ربیع الثانی ۱۳۵۷ھ مطابق ۱۴ جون ۱۹۳۸ء

(۳۱۹) **جواب**۔ لفظ شیعہ یک معنی باعتبار لغت دارد و دیگر معنی باعتبار عرف دارد۔ معنے لغوی ہماں است کہ جناب ایشاں از لغت نقل فرمودند و بمعنی دیگر آں جماعت را گویند کہ مذہب ایشاں مقابل مذہب اہل سنت والجماعت ہست و حضرت علی مرتضیٰ را خلیفہ بلافصل و افضل از جمیع صحابہؓ دانند و در ایشاں فرقہائے مختلفہ ہستند۔ بعض می گویند کہ حضرت علی خدا ہستند بعض می گویند کہ خدا در حضرت علی حلول کردہ۔ بعض می گویند کہ وحی بر حضرت علی نازل شدہ بود۔ جبرئیلؑ

(ترجمہ) لفظ شیعہ کے ایک معنی باعتبار لغت کے ہیں۔ اور دوسرے معنی باعتبار عرف کے۔ لغوی معنی تو وہی ہیں جو آپ نے لغت سے نقل کیے ہیں۔ اور عرف میں شیعہ اس گروہ کو کہتے ہیں جن کا مذہب اہل سنت والجماعت کے مذہب کے بالمقابل ہے۔ جو حضرت علی مرتضیٰ کو خلیفہ بلافصل اور تمام صحابہ سے افضل مانتے ہیں۔ اس گروہ میں بھی مختلف فرقے ہیں۔ بعض کہتے ہیں کہ حضرت علی خدا ہیں۔ بعض کہتے ہیں کہ خدا نے حضرت علی کے اندر حلول کیا ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ وحی حضرت علی کی طرف اتاری گئی تھی مگر جبرئیل علیہ السلام نے غلطی سے حضرت محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو

غلط کردہ بمحمد صلی اللہ علیہ وسلم رسانید. بعض می گویند کہ ایں قرآن کہ نزد ما موجود است قرآنِ منزل نیست بلکہ بیاض عثمانی است بعض می گویند کہ بعد از وفات آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہمہ صحابہ مرتد شدند الا معدودے چند. وہمچنیں خیلے عقائد کفریہ دارند.

پس لفظ شیعہ برائے ایں فرقہا و لفظ روافض و رافضی برائے ایشاں مستعمل می شود اما آل رسول صلی اللہ علیہ وسلم کہ ایں قسم عقائد ندارند شیعہ نیستند. نہ ہر شیعہ از سادات است ونہ ہر سید شیعہ باشد.

پہنچادی۔ بعض کہتے ہیں کہ یہ قرآن جو اس وقت موجود ہے، وہ قرآن نہیں ہے جو آسمان سے اتارا گیا تھا۔ بلکہ یہ بیاض عثمانی ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد چند صحابہ کے علاوہ تمام مسلمان مرتد ہو گئے تھے۔ اسی قسم کے بہت سے کفریہ عقائد رکھتے ہیں۔

پس لفظ شیعہ اور رافضی اور روافض ان فرقوں کے لئے (عرفاً) استعمال ہوتا ہے۔ لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اولاد میں سے جو لوگ ایسے عقائد نہیں رکھتے وہ شیعہ نہیں۔ ہر شیعہ سید نہیں ہوتا اور ہر سید شیعہ نہیں ہوتا۔

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہٗ دہلی۔

سوال

شیعہ مسلمان ہیں یا نہیں؟ المستفتی نمبر ۲۳۵۶ محمد ابراہیم صاحب (فورٹ بمبئی) ۵ جمادی الاول ۱۳۵۶ھ مطابق ۱۴ جولائی ۱۹۳۷ء

(۳۲۰) **جواب**۔ شیعہ اسلامی فرقوں میں سے ایک فرقہ ہے۔ لیکن اہل سنت والجماعۃ فرقۂ ناجیہ ہے اور باقی تمام فرقے ناجیہ نہیں ہیں۔ اہل سنت والجماعت کے عقیدے کے موافق شیعوں کے کئی فرقے اسلام سے خارج ہیں۔ یہ فرقے فرقۂ شیعہ کی ضمنی شاخیں ہیں۔ باوجود اس کے ادعائی طور پر وہ فرقہائے اسلام میں داخل سمجھے جاتے ہیں۔ ان کا حکم اہل کتاب کی طرح ہے کہ وہ باوجود کفریہ عقائد کے (مثلاً الوہیت مسیح یا ابنیت مسیح کے) دوسرے غیر کتابی کفار سے جداگانہ حکم رکھتے ہیں۔

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہٗ دہلی۔

سوال

ایک فرقۂ ضالہ اپنی اذانوں میں اور اپنے جنازوں کے ساتھ اَشْھَدُ اَنَّ عَلِیًّا وَلِیُّ اللّٰہِ وَصِیُّ رَسُوْلِ اللّٰہِ خَلِیْفَتُہٗ بِلَا فَصْلٍ باآواز بلند پکارتا ہے۔ تو کیا اس سے حضرات خلفائے ثلاثہ رضی اللہ عنہم کی خلافت حقہ کی تکذیب نہیں ہوتی۔ اور کیا فرقۂ شاتمہ کی زبان سے اہل سنت والجماعت کے روبرو

اس کلمہ کا اظہار ایک قسم کا تبرا نہیں ہے؟

(۲) کیا جس مقام پر علی الاعلان و برسر راہ یہ کلمہ کہا جاتا ہو اور حکومت وقت نے اس کو قانوناً جائز قرار دیا ہو وہاں کے اہل سنت والجماعت پر یہ لازم نہیں ہے کہ حضرات خلفائے کرام کی خلافت حقہ اور فضیلت بلحاظ ترتیب علی الاعلان و برسر راہ واضح کریں اور ان حضرات کے محامد و فضائل بیان کریں تاکہ جماعت اہل سنت کا کوئی واقف شخص فرقہ ضالہ کی تبلیغ سے متاثر ہو کر عقیدہ فاسدہ میں مبتلا نہ ہو۔

المستفتی نمبر ۲۴۵۶ مولانا ظفر الملک صاحب (الناظر) لکھنؤ ۲ محرم ۱۳۵۸ھ مطابق ۲۲ فروری ۱۹۳۹ء

(۳۲۱) **جواب**۔ تبرا سے مراد سب و شتم ہے تو اس کلمہ کو تبرا میں داخل کرنا مشکل ہے۔ یہ کلمہ اگرچہ اہل سنت والجماعت کے مذہب کے موافق باطل اور غلط ہے، تاہم اس کو کہنے والے اپنے عقیدہ کا اظہار کرتے ہیں، جو اہل سنت والجماعت کے عقیدہ کے خلاف ہے اور ان کے نزدیک باطل ہے۔ اور اگر اس سے اشتعال جذبات اور فساد کا خطرہ ہو تو اس جہت سے اس کی بندش کرنا مقامی حکام کے فریضہ حکومت میں داخل ہے۔

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہٗ۔ دہلی

سوال

زید نے اپنی ابتدائی زندگی میں کافی علم حاصل کیا۔ مگر وہ ہمیشہ بے عمل رہا۔ وہ تارک صوم و صلوٰۃ بھی ہے اور خائن بھی۔ وہ فاسق و فاجر بھی ہے اور عیاش بھی۔ وہ ظالم و غاصب بھی ہے اور غدار بھی۔ اس کے پاس ہر وقت نازنینوں کا جمگھٹ رہتا ہے اور وہ ایک بڑی درگاہ کا سجادہ نشین ہوتے ہوئے بھی ہر وقت اوباشوں کی صحبت میں رہتا ہے۔ جائداد موقوفہ پر متصرف ہونے کی وجہ سے ایک بڑی حیثیت رکھتا ہے اور جہلا میں اسے مذہبی پیشوائی حاصل ہے۔ گو وہ عالم ہے مگر الجاھل الصوفی مرکب الشیطان کی جیتی جاگتی تصویر ہے۔ وہ ایک سنی وقف کا متولی ہے اور اپنے کو سنی اور حنفی کہتا ہے۔ لیکن وہ حضرت امیر معاویہ پر لعن و طعن کرتا ہے۔ اس کا دن بھر کا مشغلہ صرف تبرا بازی ہوتی ہے۔ حتیٰ کہ گالی تک کے ناشائستہ الفاظ استعمال کرتا ہے۔ اس نے عوام میں اپنے اثر سے کام لے کر رافضیوں کو بہت فائدہ پہنچایا ہے۔ مدح صحابہ جیسی اہم تحریک کا مذاق اڑاتا ہے اور اسے بیکار بتلاتا ہے۔ وہ کہتا ہے کہ سنیوں کی تعداد تمام فرقوں سے کم ہے۔

وہ صرف اس بنا پر حضرت مجدد صاحب کی شان میں اور دیگر علمائے اسلام کی شان میں گستاخیاں کیا کرتا ہے کہ وہ حضرات صحابہ سے حسن ظن رکھنے کی تلقین کرتے تھے۔ وہ اکثر مسجد میں امیر معاویہ پر لعنت

کرتاہے اور اسے شعار حیدری بتلاتا ہے۔ اس کے عقائد جو نظم مرسلہ سے (جسے شیخوں نے اپنی طرف سے چھپوا کر مفت تقسیم کیا ہے) بخوبی ظاہر ہوتے ہیں۔ اس کے کیرکٹر اور اس کے عقائد سے مفصل مطلع کر دیا ہے تاکہ نظم مرسلہ میں عقائد باطلہ کی کافی شافی تردید اخبار الجمعیۃ میں جلد از جلد شائع کر دی جائے۔ کیا ایسا شخص شرعاً مسلمان اور سنی کہلانے کا مستحق ہے کیا عقائد مطبوعہ واقعی سنیوں کے عقائد ہیں۔ اگر نہیں تو پھر مسلمانوں کو حضرت امیر معاویہؓ سے کیا عقائد رکھنے چاہئیں۔ کیا ایسے عقائد اور ایسے کیرکٹر کا شخص اس قابل ہے کہ اس کے پیچھے نماز پڑھی جائے۔ کیا نظم مرسلہ تبرا کی حد میں داخل نہیں ہے۔ کیا حوالجات نظم صحیح ہیں۔ عوام کے عقائد اس وقت متزلزل ہیں۔ وہ سخت سراسیمگی اور بےچینی کی حالت میں ہیں۔ لہٰذا امید قوی ہے کہ جریدہ الجمعیۃ میں جلد از جلد کافی وشافی مفصل اور صریح فتوی دے کر جناب والا مسلمانوں کو تفریق اور اختلاف کے گڑھے سے نکال دینگے اور مسلمانوں کو اپنے عقائد صحیح کرنے کا موقع دینگے۔

المستفتی نمبر ۲۵۰۹ جناب محمد فرید عطا صاحب (ضلع رائے بریلی) ۵ رجمادی الاول ۱۳۵۸ھ مطابق ۲۳ جون ۱۹۳۹ء

(۳۲۲) **جواب**۔ جس شخص کے یہ اشعار ہیں وہ یقیناً اہل سنت والجماعت کے دائرہ سے خارج ہے۔ حضرت امیر معاویہؓ کی شان میں جن خیالات کا اظہار کیا ہے وہ روافض کے خیالات اور عقائد ہیں۔ وہ شعر جس کی ابتدا "جو دنیا کا" کے الفاظ سے ہوتی ہے، کھلا ہوا تبرا ہے۔ یہ قائل جس کی زبان سے یہ الفاظ نکلیں چھپا ہوا شیعہ نہیں بلکہ کھلا ہوا رافضی ہے۔ سنیوں کو اس سے مجتنب اور بےتعلق رہنا چاہئیے۔ اور ان عقائد سے بیزاری کا اظہار کرنا چاہئیے۔ فقط محمد کفایت اللہ کان اللہ لہٗ دہلی

سوال

پوری نظم منسلکہ استفتا کا ایک شعر پیش خدمت ہے آیا یہ تبرا میں داخل ہے یا نہیں۔

جو دنیا کا کتا ہو ہمنام سگ — جو حق علی کے لئے بن جائے ٹھگ۔ المستفتی نمبر ۲۵۰۹

(۳۲۳) **جواب** یہ شعر یقیناً تبرا کے اندر داخل ہے۔ فقط محمد کفایت اللہ کان اللہ لہٗ دہلی

سوال

(۱) پٹیالہ میں دو تین برس سے ایک مولوی محبوب علی صاحب لکھنوی مفتی ہیں۔ جو تین چار مہینے سے جونپور کے کسی مقدمہ کی نقل دکھا دکھا کر آپ اور مولانا حسین احمد شیخ الحدیث دیوبند اور مولانا عبدالشکور صاحب کاکوروی کو خارجی وہابی وغیرہ وغیرہ بتاتے ہیں۔ اور یہ کہ اس مقدمہ کی تائید اور

اس کو حق و صحیح ثابت کرنے کے لئے آپ اور مولانا حسین احمد صاحب اور مولانا عبدالشکور صاحب کاکوری نے شہادتیں دی ہیں کہ یزید اور عمر بن سعد و عبدالرحمٰن بن ملجم و عبیداللہ بن زیاد و شمر اور سنان بن انس اور ابو ایوب بن غنوی وغیرہم خبثاء مسلمانوں کے پیشوا ہیں اور محسن الاسلام والمسلمین ہیں اور ان ملاعنہ کی تعریف و مناقب بیان کرنا عبادت ہے۔ خدارا ہم مسلمانوں پر رحم کیجئے اور جلد از جلد جواب دیجئے۔ کیا واقعی آپ صاحبان نے اس مقدمہ میں گواہیاں دی ہیں۔ اگر نہیں تو فوراً اپنی برأت پیش فرمائیں اور اگر دی ہیں تو خدارا ہم مسلمان سنیوں کو یہ بتا کر خلجان سے چھڑا لیجئے کہ اس گواہی کی وجہ کیا ہے۔ اس سے مذہب اہل سنت والجماعت کو کیا فائدہ ہے۔

(۲) کیا جناب والا ان شہادتوں کی نقول عطا فرما سکتے ہیں تاکہ یہاں کے مسلمانوں کو دکھا دکھا کر انھیں راہ راست پر لایا جا سکے۔ اور مفتی صاحب کا جھوٹ ثابت کیا جائے۔ تینوں شہادتوں کی نقل نہ سہی۔ صرف آنجناب کی ہی شہادت کی نقل آجائے تو یہاں کا فتنہ بہت کچھ دور ہو جائے۔ نقل کی روانگی میں تاخیر نہ فرمائیں، یہ مذہب کی خدمت ہے۔

(۳) مدعیان نے بیان دعوی میں لکھوایا ہے کہ وہ شیعہ بنی امیہ ہیں تو تحریر فرمایا جائے کہ شیعہ بنی امیہ کون سا فرقہ ہے۔ اب تک تو صرف شیعان علی تھے۔ یہ دوسرے شیعہ نکل پڑے۔ اس کی تعریف اور پہچان لکھئے۔ اور یہ بھی لکھئے کہ شیعہ بنی امیہ اہل سنت میں داخل ہیں یا خارج۔ یا اہل سنت ہی کو شیعہ بنی امیہ کہتے ہیں

(۴) پٹیالہ میں انھوں نے ایک فتوی کا فوٹو بھی پیش کیا ہے کہ مولوی رشید احمد گنگوہی نے لکھا ہے "وقوع کذب باری کے معنی درست ہو گئے"۔ یہ فتوی حق و صحیح ہے یا نہیں۔ اگر صحیح مانا جائے تو کیا خرابی لازم آئے گی، جبکہ مولانا نے وقوع کذب باری کے معنی درست بتائے۔ ہاں صرف وقوع کا ثبوت باقی رہتا ہے۔ المستفتی ۲۶۶۴ حافظ علی محمد صاحب (پٹیالہ) ۸ ربیع الاول ۱۳۶۰ھ مطابق ۶ اپریل ۱۹۴۱ء

(۳۲۴) **جواب**۔ میں نے جونپور کے مقدمہ میں شہادت نہیں دی۔ نہ اس کے لئے کوئی سعی کی۔ نہ کوئی تائید کی۔ میرے اوپر یہ تہمت اور بہتان ہے۔ جہاں تک مجھے علم ہے حضرت مولانا حسین احمد صاحب اور مولانا عبدالشکور صاحب نے بھی شہادت نہیں دی۔ لوگ تہمت لگانے اور بہتان باندھنے میں خدا کے غضب سے نہیں ڈرتے شیعان بنی امیہ کے متعلق مجھے معلوم نہیں کہ جونپور کے کون لوگ تھے اور انھوں نے کیا دعوی کیا تھا۔ اس قدر

معلوم ہوا تھا کہ وہاں رافضیوں کے مقابلے پر کچھ لوگ کھڑے ہوئے ہیں جو رافضیوں کے تبرائے صحابہ کے مقابلے پر تبرائے علی (رضی اللہ عنہ) کی اجازت مانگتے ہیں۔ ہم تو دونوں تبراؤں کو ایک لعنتی فعل سمجھتے ہیں اعاذنا اللہ منہما۔ حضرت مولانا رشید احمد صاحب قدس سرہٗ کے فتوی کی جب تک پوری عبارت سامنے نہ ہو اس وقت تک ہم کچھ نہیں کہہ سکتے کہ آیا وہ مولانا قدس سرہ کی عبارت ہے یا نہیں۔ اور ہے تو اس کا کیا مطلب ہے۔ وقوعِ کذبِ باری تعالیٰ بالاتفاق محال ہے۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہٗ۔ دہلی۔

سوال

جنگ کربلا جہاد تھا یا کوئی سیاسی جنگ تھی؟

المستفتی نمبر ۲۶۹۹ نسیم میرٹھی ۔ ۹ محرم ۱۳۶۱ھ مطابق ۲۷ جنوری ۱۹۴۲ء

(۳۲۵) **جواب**۔ جنگِ کربلا یزید کی طرف سے محض سیاسی تھی اور حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کی طرف سے بھی سیاستِ حقہ کا پہلو غالب تھا۔ مسلمانوں اور کافروں کی جنگ نہ تھی۔ مسلمانوں مسلمانوں ہی کی باہمی لڑائی تھی۔ ایک فریق باطل پر تھا اور اس کی طرف سے انتہائی ظلم و فساد اور خونخواری کا مظاہرہ ہوا۔ اور امامِ مظلوم کی طرف سے حقانیت مظلومیت اور صبر و رضا کا انتہائی درجہ ظہور میں آیا۔

عہدنامہ[۱] مرسلہ کے متعلق واضح رہے کہ سرنگوں ہوکر دومنٹ کی خاموشی اور عہدنامہ شائع شدہ کی تلاوت کا پروگرام سنیوں کے لئے ناقابل عمل اور ایسی بدعت ہے کہ اس کے نتائج نہایت ہولناک ہوں گے۔

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہٗ۔ دہلی

سوال

(۱) یادگارِ حسینی میں اہلِ سنت کی شرکت کا شرعاً کیا حکم ہے؟

(۲) جب شیعہ اس کو بین الاقوامی جلسہ کہتے ہیں تو شرعاً ان کی تکذیب و تردید کرنے کا کیا حکم ہے؟

(۳) جو اہلِ سنت مقررین اس میں شریک ہوتے ہیں ان کے متعلق عام مسلمانوں کو شرعاً کیا حکم ہے؟

(۴) اگر شرعاً یادگارِ حسینی کی شرکت جائز نہ ہو تو اس کے خلاف تبلیغ و سعی کرنے کا شرعاً کیا حکم ہے؟

المستفتی نمبر ۲۷۴۲ ناظم مجلس خیر (گونڈہ) ۵ جمادی الثانی ۱۳۶۱ھ مطابق ۲۰ جون ۱۹۴۲ء

(۳۲۶) **جواب**۔ ہوالموفق۔ یادگارِ حسینی اور اس کا پروگرام ۱۳۶۱ھ کی شیعی بدعات میں سے ایک ایسی

---

[۱] نوٹ:- عہدنامہ مذکور کی نقل رجسٹر نقول فتاوی میں نہیں ہے۔

بدعت ہے جس کے نتائج اور ثمرات اسلام اور اہل سنت والجماعت کے حق میں نہایت ہولناک ہوں گے۔ اور رسم تعزیہ داری اور علَم اور رشدّوں اور ذوالجناح وغیرہ وغیرہ بدعات کی طرح یہ بھی اسلام اور تعلیم اسلام کے پاک صاف دامن پر ناپاک داغ بن کر موجب رسوائی ہوگا۔ شیعوں نے یہ تجویز نکالی اور وہی پوری سرگرمی سے اس کو پھیلا رہے ہیں۔

اس کو بین الاقوامی بتانا نظر فریب دھوکا ہے مقصد شیعیت کی تبلیغ اور فروغ ہے۔ بالغ النظر اہل سنت اس کے عواقب وخیمہ کو سمجھ کر اس سے اپنی علیحدگی اور بیزاری کا اعلان کر چکے ہیں۔ اس میں شرکت کسی سنی کے لئے جائز نہیں۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ، دہلی

سوال

قاتلانِ حسین اور یزید پلید کو گالیاں دینا جائز ہے یا نہیں ؟

المستفتی نظیر الدین امیر الدین (ایلیزہ۔ ضلع مشرقی خاندیس)

(۳۲۷) **جواب**۔ قاتلان حسین کے متعلق اتنا کہنا تو جائز ہے کہ انھوں نے بہت بڑا گناہ اور ظلم کیا مگر گالیاں دینا درست نہیں۔ اور لعنت کرنا جائز نہیں۔ المؤمن لا یکون لعاناً۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ دہلی۔

سوال

(از اخبار الجمعیۃ دہلی۔ مورخہ ۲۸ جنوری ۱۹۳۵ء)

تعزیہ کو مذہب سے کیا تعلق ہے؟ ماتم کی حقیقت کیا ہے ؟

(۳۲۸) **جواب**۔ اہل سنت والجماعت کے نزدیک تعزیہ بنانا ناجائز ہے۔ اور ماتم کرنا بھی خلاف شریعت ہے۔ کیونکہ خدا اور رسول نے اس کی تعلیم نہیں دی۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ دہلی

سوال

(از اخبار الجمعیۃ دہلی۔ مورخہ ۲۶ دسمبر ۱۹۲۵ء)

یہاں پر فقط ایک گھر روافض درمیان مسلمانوں اور ہنود کے اپنی زندگی بسر کر رہے ہیں۔ اگر وہ رافضی مر جائے تو اس کا کفن دفن مسلمانوں پر لازم ہے یا نہیں؟ اگر لازم ہے تو اس کی نماز جنازہ پڑھی جائے گی یا نہیں ؟

(۳۲۹) **جواب**۔ اگر ان روافض میں سے کوئی شخص مر جائے اور لوگ ان میں موجود ہوں تو وہی اپنی میت کی تجہیز و تکفین کر لیں۔ لیکن اگر ان میں کوئی موجود نہ ہو تو دوسرے مسلمانوں کو لازم ہے کہ ان کی میت کی تجہیز و

تکفین کریں۔ پھر اگر وہ رافضی ایسے عقیدے کا تھا کہ اس پر حکم کفر جاری نہیں ہوتا تھا تو اس کی تجہیز و تکفین مثل مسلمین کے کریں۔ اور نماز جنازہ بھی پڑھ کر دفن کریں۔ لیکن اگر اس پر حکم کفر جاری ہو سکتا تھا تو اس کی تجہیز و تکفین میں رعایتِ سنت نہ کریں اور نہ نماز پڑھیں۔ ویسے ہی دفن کر دیں۔ واللہ اعلم

محمد کفایت اللہ غفرلہ

فصلِ دوم فرقہ دہریہ

سوال

نیچر، دہر، زمانے کو اپنا معبود (الٰہ) کہنے والے درستی پر ہیں یا نہیں؟ بحالیکہ راغب اصفہانی فرماتے ہیں کہ ھل الدھر الا لیلۃ و نھارھا۔ والا طلوع الشمس ثم غیارھا۔ یعنی دہر (زمانہ نیچر) نظامِ شمسی سورج چاند ستارے عناصر وغیرہ ہیں۔ مگر بخاری میں ولا تقولوا خیبۃ الدھر فان اللہ ھو الدھر و قال اللہ یسب بنو ادم الدھر وانا الدھر بیدی اللیل والنھار۔ موطا امام مالک میں لا یقل احدکم یا خیبۃ الدھر فان اللہ ھو الدھر لکھا ہوا ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ بخاری اور امام مالک دہر کو ہی اپنا معبود (الٰہ) مانتے ہیں۔

المستفتی ۲۲۸ ابراہیم حنیف (لاہور) ۳۰ شعبان ۱۳۵۳ھ مطابق ۸ دسمبر ۱۹۳۴ء

(۳۳۰) **جواب** - نیچر، دہر، زمانہ کو معبود کہنے والے غلطی پر ہیں۔ اگر ان کو حدیث کے الفاظ فان اللہ ھو الدھر یا وانا الدھر سے کوئی اشتباہ ہوا ہے تو یہ ان کی کم فہمی اور معانی احادیث سے ناواقفیت پر مبنی ہے۔ ان اللہ ھو الدھر اور انا الدھر کے معنی یہ ہیں ان اللہ ھو صاحب الدھر و مدبر الامور اور انا صاحب الدھر و مدبر الامور یعنی دہر کا مالک اور امور کا مدبر میں ہوں۔ لوگ ناواقفیت اور جہالت سے دہر یعنی زمانے کو حوادث کا فاعل قرار دے کر اسے برا بھلا کہتے ہیں اور یہ نہیں سمجھتے کہ دہر خود حوادث کا فاعل نہیں تو ان کا سب و شتم حقیقی فاعل اور خالق اور متصرف فی الامور پر پہنچے گا۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ انھوں نے فرمایا کان اھل الجاھلیۃ یقولون انما یھلکنا اللیل والنھار فقال اللہ فی کتابہ " وقالوا ما ھی الا حیاتنا الدنیا نموت ونحیا وما یھلکنا الا الدھر " وقال اللہ یوذینی ابن آدم یسب الدھر وانا الدھر بیدی الامر اقلب اللیل و

الدہر - (رواہ ابن جریر وابن ابی حاتم والحاکم وابن مردویہ کذا فی الدر المنثور) اہل جاہلیت کہا کرتے تھے کہ ہم کو رات اور دن ہی ہلاک کرتے ہیں تو اللہ تعالیٰ نے ان کا قول اپنی کتاب میں ذکر فرمایا کہ انہوں نے کہا کہ بس یہی ہماری زندگی پر قصہ ختم ہے۔ مرتے ہیں پیدا ہوتے ہیں اور ہم کو زمانہ ہی ہلاک کرتا ہے۔ حالانکہ حضرت حق نے (ایک حدیث قدسی میں) فرمایا ہے کہ ابن آدم مجھے ایذا پہنچاتا ہے کہ دہر کو برا کہتا ہے (کیونکہ وہ دہر کو فاعل متصرف سمجھتا ہے) اور دہر (کا خالق اور حقیقی متصرف) تو میں ہوں۔ تمام تدبیر و تصرف میرے ہاتھ اور میرے قبضے میں ہے۔ رات اور دن کو میں ہی الٹتا پلٹتا رہتا ہوں۔ والحدیث اخرجہ الطبری عن ابی کریب عن ابن عیینۃ بھذا الاسناد عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال کان اھل الجاھلیۃ یقولون انما یھلکنا اللیل والنھار ھو الذی یمیتنا ویحیینا الحدیث (کذا فی فتح الباری) یعنی اسی حدیث کو طبری نے ابو ہریرہ سے مرفوعاً روایت کیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اہل جاہلیت کہتے تھے کہ رات اور دن ہی ہمیں ہلاک کرتے ہیں (یعنی ان کی گردش ہی ہمیں موت اور زندگی دیتی ہے) جبکہ امام بخاری اور امام مالک اور دوسرے ائمہ حدیث اور علمائے اسلام کے نزدیک حدیث انا الدھر اور فان اللہ ھو الدھر کے یہ معنی ہیں جو مذکور ہوئے یعنی اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ "میں دہر کا خالق اور مالک ہوں" تو یہ کس طرح کہا جا سکتا ہے کہ ان ائمہ کا خیال یہ تھا کہ دہر معبود ہے۔ اور چونکہ دہر اسمائے الٰہیہ میں کسی کے نزدیک داخل نہیں اس لئے انا الدھر کے اور کوئی معنی یہ نہیں جا سکتے۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہٗ۔ دہلی۔

سوال

ایک رسالہ آپ کا ۱۳۲۲ھ میں چھپا ہوا نظر سے گذرا جو کہ مولانا شبلی مرحوم کے ملحدانہ اور زندیقانہ خیالات پر ہے۔ لیکن ایک مولوی صاحب کے کہنے سے معلوم ہوا ہے کہ آپ نے رجوع فرما لیا ہے۔ اس لئے مہربانی فرما کر جواب عنایت فرمائیے کہ مولوی صاحب کا کہنا درست ہے کہ نہیں۔

المستفتی ۱۳۹۶ ابراہیم محمد اولا۔ (راندیر۔ سورت) ۲۲ محرم ۱۳۵۶ھ مطابق ۵ اپریل ۱۹۳۷ء

(۳۳۱) **جواب** ۔ ۱۳۲۲ھ کے رسالے میں مولانا شبلی مرحوم کے چند اقوال و خیالات پر انھیں کا فتویٰ حاصل کرکے اس کو شائع کیا تھا جس کا مطلب یہ تھا کہ ان کی کتابوں میں ایسے عقائد موجود ہیں، جن کو مولانا شبلی خود بھی کفر و الحاد قرار دیتے ہیں۔ مگر ۱۹۳۶ء میں مولانا سید سلیمان صاحب نے مولانا شبلی مرحوم کا ایک

اعتراف نامہ شائع کیا تھا کہ وہ عقائد اسلامیہ کے پابند تھے اور فلاسفہ اور دہریوں کے عقائد سے بیزار تھے۔ اس کی بنا پر میں نے لکھا تھا کہ علماء کو مولانا شبلی مرحوم کی تکفیر نہ کرنی چاہئے کیونکہ تکفیر بہت بڑی ذمہ داری کی چیز ہے۔ اور کسی مسلمان کو کافر کہنے میں انتہائی احتیاط لازم ہے۔ فقط۔

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ۔ دہلی۔

فصل سوم فرقہ خاکساراں

سوال

(از اخبار سہ روزہ الجمعیۃ دہلی مورخہ ۵ مارچ ۱۹۳۶ء)

عنایت اللہ مشرقی اپنے تذکرہ واصلاح اخبار میں یہ لکھتا ہے اور کہتا ہے کہ عمل صالح فقط نئی چیزیں بنانا ہے۔ نماز روزہ حج زکوٰۃ کلمہ شریف وغیرہ میرے نزدیک نیک کام نہیں ہیں۔ اور انگریزوں کی تعریف کرتے کرتے اس قدر بڑھایا اور کہا کہ بجائے آدم علیہ السلام کے اللہ تعالیٰ کے سچے خلیفہ زمین پر انگریز ہی ہیں۔ اور انگریزوں کو فرشتے سجدہ کرتے ہیں۔ اور ان کی خدمت وعبادت کرتے ہیں۔ اور انگریزوں کے برابر کسی نے اللہ تعالیٰ کو نہیں پہچانا اور نہ اس کی قدر کی۔ انگریز، یہودی بت پرست ہی پکے ایماندار اور مسلمان ہیں۔ اور یہی لوگ جنت کے وارث ہیں۔ موجودہ مسلمان اور علما اور پہلے زمانے کے مسلمان بزرگ اولیا صلحا انبیا سب کے سب دوزخ کا ایندھن ہیں۔ اور ہر روز انگریزوں کو فرشتے سلام کرتے ہیں۔ سب مسلمان اندھے بہرے گمراہ ہیں۔ سب مسلمان گمراہ اور سیدھے رستے سے ہٹے ہوئے ہیں۔ فقط انگریز ہی پکے کامل مسلمان ہیں۔ بت پرست یہودی وانگریز ہی توحید کے ماننے والے ہیں۔ اللہ احد کہنا اور جاننا توحید نہیں ہے۔ دنیاوی ترقی خواہ کسی طریق سے خواہ حلال یا حرام سے ہو یہی توحید ہے۔ ہزاروں خداؤں کے ماننے والے پکے موحد اور عابد خدا ہیں۔ کسی نبی نے نماز نہیں پڑھی نہ روزہ رکھا نہ حج کیا نہ زکوٰۃ دی حج کے لئے بیت اللہ شریف مکہ شریف میں جانے کی ضرورت نہیں۔ اچھرا (جو کہ مشرقی کا گاؤں ہے) مکہ سے افضل ہے۔ اسلام کی بنا، نماز روزہ حج زکوٰۃ کلمہ شہادت پر نہیں ہے۔ بلکہ اسلام کے لئے اور خدا کی عبادت کے لئے کسی مذہب کی قید نہیں ہے۔ بت پرستی وصلیب پرستی اور تین خدا ماننا بھی خدائی قانون ہے۔ انگریزوں کی تابعداری کرنا ہی اللہ تعالیٰ کی تابعداری کرنا ہے۔ کسی کے ڈر وخوف کے بغیر کفر کی بات کہنے اور کفر کا فعل کرنے سے انسان کافر

نہیں ہوتا۔ بدھ اور کرشن کو بھی نبی مانتا ہے۔ اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی حیات کا انکار کرتا ہے۔ محمدی نماز کی ظاہری صورت یعنی رکوع سجود وغیرہ اور ارکان نماز سے کوئی سروکار نہیں۔ کسی بزرگ یا امام یا ولی کی تابعداری شرک ہے۔ تمام اولیا اور بزرگ عذاب کے مستحق ہیں۔ حنفی شافعی مقلد غیر مقلد سب جہنم کی تیاری ہے۔ اور سب مشرک ہیں۔ فقہ شریعت پر عمل کرنا سب کفر ہے۔ اللہ تعالیٰ کو ایک ماننے کی ضرورت ہی نہیں۔ اور اس کے حکموں کو ماننے اور کرنے کی ضرورت نہیں۔ اخبار اصلاح میں لکھا ہے کہ جس کے پاس بیلچہ نہیں ہے وہ مسلمان ہی نہیں ہے۔ گویا بیلچہ کو جزو ایمان قرار دیا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی عبادت کرنا مسخرہ پن ہے۔ اور نماز فقط پنجوقتہ سلام کرنا ہے، جیسے نوکر اپنے آقا کو سلام حاضری وغیرہ کر لیتا ہے۔ موجودہ صورت سے نماز مراد لینا غلط ہے۔ جو کثرت سے نمازیں پڑھیں اور عبادت کریں وہ حرام خور کام چور گستاخ بدمعاش ہیں۔ مصلّوں پر بیٹھ کر اللہ اللہ کرنا اعتکاف کرنا کفر شرک اور بدمعاشی ہے۔ مکہ شریف مدینہ شریف پر قبضہ کرنے کے مستحق لندن اور پیرس والے ہیں۔ جتنے مسلمان اس وقت موجود ہیں سب کافر اور مشرک ہیں۔ اور بت پرست ہزاروں خداؤں کو ماننے والے پکے موحد اور مؤمن ہیں۔ بت پرستوں کو مشرک کہنا اندھا پن ہے۔ تین خدا ماننے والے پکے ایماندار مؤمن ہیں۔ اعتقاد بت پرستی بت پرستی نہیں ہے نہ زبان سے تلاوت کرنا اور نماز پڑھنا اور درود شریف پڑھنا عبادت ہے۔ مسیلمہ کذاب کی بنائی ہوئی کتاب کو افضل کہتا ہے۔ اور انبیا علیہم السلام کے معجزات کو مسخرہ پن بتلاتا ہے۔ خدا کی دوستی کے لئے کسی مذہب کی تخصیص اور ضرورت نہیں۔ مسجد میں سنتیں پڑھنا گستاخی ہے۔ ایسے ہی اور بہت گندے اقوال ہیں مقدمہ تذکرہ وغیرہ میں اور دیباچہ تذکرہ اردو مقدمہ تذکرہ اردو سے یہ سب اقوال لیے گئے ہیں۔

(۱) شریعت میں ایسے شخص کا کیا حکم ہے؟ (۲) اور جو شخص ایسے لوگوں کو اچھا سمجھے ان کی تائید کرے اور برا نہ جانے بلکہ ان کی حمایت کرے اور کہے کہ میں دل سے تمہارے ساتھ ہوں اور ظاہر میں بوجہ امامت، نوکری کی وجہ سے میں تمہارا ساتھ نہیں دے سکتا۔ ایسے شخص کی امامت درست ہے یا نہیں؟ (۳) جبکہ یہ لوگ از روئے شریعت مرتد قرار پاویں تو ان کے موجودہ نکاح ٹوٹ گئے یا نہیں۔ اور ان کو تائب ہونے پر دوبارہ نکاح پڑھنے کی ضرورت ہے یا نہیں؟ اور پہلے مہر کا کیا حکم ہے؟ (۴) جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ ہم کو مشرقی کے عقیدے اور اس کے قول و فعل اور اس کی کتابوں سے کوئی تعلق نہیں اور پھر بھی اس کی خاکساری جماعت میں شریک ہوتے ہیں اور دوسروں کو شریک ہونے کی ترغیب دیتے ہیں۔ اور اس کی کتابوں کی اشاعت کرتے ہیں۔ (۵) جو لوگ ورزش اور فوجی قواعد کے

لئے اس جماعت میں شریک ہوں ان کا کیا حکم ہے؟ (۶) بیلچہ رکھنا سنت ہے یا فرض؟ کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے؟ (۷) جو مولوی اپنی تقریر میں یہ کہے کہ جو معنی قرآن وحدیث کے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام اور امام ابوحنیفہؒ وغیرہ نے لیے وہ اس وقت کافی نہیں ہیں۔ ہم بھی اپنے اجتہاد وذہانت سے مناسب وقت معنی لے سکتے ہیں اور اس وقت عالم وحافظ بننے کی ضرورت نہیں۔ بلکہ صناع بننے کی ضرورت ہے۔ اس کا کیا حکم ہے؟

(۳۳۲) **جواب** - یہ جتنے اقوال وخیالات آپ نے سوالات میں نقل کیے ہیں اگرچہ فرداً فرداً ہر قول اور ہر عقیدے کو مشرقی کی کتابوں سے ملانے کی ضرورت ہے تاہم کتاب تذکرہ کو ہم نے بھی دیکھا تھا اور بالاجمال اس قدر صحیح ہے کہ مشرقی اس قسم کے خیالات وعقائد ضرور رکھتا ہے جو جمہور اہل اسلام اور اصول اسلام کے خلاف ہیں۔ آپ کے سوالات جو مذکورہ بالا اعتقاد پر مبنی ہیں ان کا جواب یہ ہے:

(۱) جو شخص ان عقائد کا حامل ہو وہ اسلام کا مبلغ نہیں بلکہ اسلام کا دشمن اور دائرۂ اسلام سے خارج ہے۔

(۲) اور جو شخص کہ ایسے شخص کو اچھا سمجھے اور اس کی جماعت میں شامل ہو اور در پردہ ان کی حمایت کرے اس کا بھی یہی حکم ہے۔ مشرقی اور اس کی جماعت سے میل جول رکھنا خطرناک ہے۔ (۳) جو شخص کہ مرتد ہو جائے اس کا نکاح ٹوٹ جاتا ہے اور اس پر اسلام لانے کے بعد تجدید نکاح لازم ہوتی ہے اور پہلا مہر بھی واجب الادا ہوتا ہے۔ (۴) یہ غلطی ہے کہ مشرقی کی کتابوں سے اور اس کے عقائد واعمال سے بے تعلقی اور بے غرضی ظاہر کرتے ہوئے اس تحریک میں، جس کو وہ مذہبی تحریک اور اسلام کی روح ظاہر کرتا ہے، شرکت کی جائے یا شرکت کی ترغیب دی جائے۔ (۵) بغرض ورزش اور بغرض تحصیل قواعد کسی صحیح العقیدہ متشرع شخص کے ماتحت کام کرنا چاہیئے۔ صرف ورزش اور قواعد کے لئے جو ثانوی درجے میں ہے اصل مذہب کو تباہ کرنا عقل ودیانت کے خلاف ہے۔ (۶) بیلچہ رکھنا نہ فرض نہ سنت نہ مستحب۔ البتہ آیۂ کریمہ واعدوا لهم ما استطعتم کے تحت آلات واسباب جہاد رکھنا مامور بہ ہے۔ (۷) ایسا شخص راہ حق سے بھٹکا ہوا ہے۔ سلف صالحین کے مسلک مجمع علیہ سے ہٹنا ضلالت وگمراہی ہے۔ صناع بننے کی ضرورت ومصلحت سے انکار نہیں۔ مگر یہ کہنا کہ عالم حافظ صوفی بننے کی اب ضرورت نہیں صریح گمراہی ہے۔

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ، دہلی۔

سوال

محترم مفتی صاحب السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ، پرسوں مجھے اخبار دیر بھارت دیکھنے کا اتفاق ہوا۔

اس میں کسی نامہ نگار نے آپ کے اخبار الجمعیۃ کا حوالہ دے کر طویل مضمون شائع کیا ہے جس میں ایک مسلمان نے علامہ مشرقی بانئ تحریک خاکساران کے عقائد بیان کرتے ہوئے آپ سے چند استفسارات کیے ہیں۔ اور ساتھ ہی آپ کی طرف سے ان سوالات کے جواب بھی درج ہیں۔ چونکہ وہ مضمون اہم ہے اور میرے خیال میں اس کا جاننا ہر مسلمان کے لئے ضروری ہے اس لئے بہتر ہو تاکہ آپ اسے صرف اپنے اخبار میں جگہ دینے کی بجائے ہندوستان کے دیگر مسلم جرائد کو بھی اس کی نقول ارسال فرمادیں تاکہ مسلمانوں کا پڑھا لکھا طبقہ اس سے استفادہ حاصل کر سکے۔ آپ نے اس مضمون کے سوال نمبر ۵ کا جواب دیتے ہوئے فرمایا ہے کہ جو شخص مرتد ہو جائے تو اس کا نکاح ٹوٹ جاتا ہے اور اس پر بعد اسلام لانے کے تجدید نکاح لازم ہو جاتی ہے اور پہلا مہر بھی واجب الادا ہوتا ہے۔ میرے چند احباب جو اس تحریک میں بے علمی کی وجہ سے شامل تھے اور یہ معلوم کر کے کہ اس تحریک کا مدعا صرف انگریز کی غلامی اور مذہب سے انحراف ہے انہوں نے اس سے علیحدگی اختیار کرلی ہے۔ مگر جب سے انہوں نے آپ کا بیان پڑھا ہے سخت پریشان ہیں۔ کیونکہ مذکورۂ بالا جواب کی عبارت سے یہی ظاہر ہوتا ہے کہ ان کا پہلا نکاح فسخ ہو چکا ہے اس لئے تجدیدِ نکاح لازم ہے۔ مگر وہ کہتے ہیں کہ ہماری اس جماعت میں شمولیت نیک نیتی پر مبنی تھی۔ ہم علامہ صاحب کو ایک مخلص رہنما تصور کرتے تھے۔ مگر جب سے ہمیں سید عنایت اللہ شاہ بخاری نے ان کے عقائد اور مقاصد سے آگاہ کیا ہے ہم نے اس تحریک سے علیحدگی اختیار کرلی ہے۔ اگر ہمیں معلوم ہوتا کہ علامہ موصوف ایسے بدعقیدہ انسان ہیں تو ہم ان کی تحریک میں کبھی شامل نہ ہوتے۔

المستفتی نمبر ۹۱۱ شمر محمد بی۔اے (گجرات پنجاب) ۱۱ صفر ۱۳۵۵ھ ۳ مئی ۱۹۳۶ء

(۳۳۳) **جواب**۔ جو لوگ کہ مشرقی کے عقائد سے بے خبر تھے اور محض تحریکِ خاکساران میں اس کو ایک مفید تحریک سمجھ کر شریک ہو گئے تھے، وہ خدانخواستہ مرتد نہیں ہوئے۔ اور ان کے متعلق وہ فتویٰ عائد نہیں ہوتا جو مرتد کے متعلق ہے۔ میرا فتویٰ جو ۵ مارچ ۱۹۳۶ء کے الجمعیۃ میں شائع ہوا ہے اس کو بغور ملاحظہ فرمانے سے یہ شبہ پیدا ہی نہیں ہوتا کیونکہ اس میں ۱ سے ۳ تک کے جواب تو ان اعمال و افعال سے متعلق ہیں جو سوال میں مذکور ہیں اور جواب ۴ جو خصوصی طور پر مشرقی سے متعلق ہے اس کے الفاظ یہ ہیں "مشرقی اور اس کی جماعت سے میل جول رکھنا خطرناک ہے۔" یعنی اس کو کفر اور ارتداد نہیں کہا گیا خطرناک بتایا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ جو شخص مشرقی یا اس کی جماعت سے میل جول رکھے اس کے لئے یہ بات مشکل ہے کہ وہ صرف بیلچہ برداری میں تو مشرقی کا متبع اور اس کے احکام کا مطیع و فرمانبردار ہو اور مشرقی کی بدعقیدگی کے اثرات سے محفوظ رہے۔ نمبر ۵ میں ارتداد کا حکم شرعی بتایا گیا ہے۔

جو صحیح و ثابت ہے۔ لیکن اس میں یہ نہیں کہا گیا کہ مشرقی کی تحریک کے تمام شرکا مرتد ہیں۔ اور ان پر مرتد کے احکام جاری ہوں گے۔ اور میں نے تو یہاں تک احتیاط برتی ہے کہ مشرقی کے خیالات و عقائد کو تو بے شبہ جمہور اہل اسلام اور اصول اسلام کے خلاف بتایا ہے مگر مشرقی کی ذاتی اور شخصی حیثیت سے اس کو مرتد اور ملحد نہیں کہا۔ میرا یہ عقیدہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے جو امور اسانید صحیحہ کے ذریعہ سے ثابت ہیں اور وہ سنن نبویہ کے درجے سے بھی آگے (یعنی فرض واجب تک) نہیں بڑھتے ان میں سے کسی ادنیٰ سے ادنیٰ عمل کا استخفاف و استہزا کفر ہے۔ اور تذکرہ میں کتنے ہی مقامات ایسے ہیں کہ سنن نبویہ صحیحہ ثابتہ کا استخفاف و استہزا ان میں آفتاب کی طرح روشن ہے اور ان مضامین کو پڑھنے والے کے دل میں سنت نبویہ کے خلاف ایک قسم کا توہین آمیز خیال پیدا ہونے کے سوا اور کوئی نتیجہ مرتب ہی نہیں ہو سکتا۔ **محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ،**

(۳۳۴) **جواب**[۱۰۳۸] **دیگر۔** جو لوگ کہ عنایت اللہ مشرقی، صاحب تذکرہ کے ہم عقیدہ ہیں وہ گمراہ اور ضال و مضل ہیں۔ مشرقی کے عقائد تعلیمات اسلامی کے خلاف ہیں۔ ہاں جو لوگ مشرقی کے عقائد میں اس کے موافق نہ ہوں، صرف تحریک بیلچہ میں شریک ہوں ان کا حکم جداگانہ ان کے عقائد کے موافق ہوگا۔ **محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ، دہلی**

سوال

میں خاکسار تحریک میں شامل ہوں اور میرے خیال میں سپاہیانہ و مجاہدانہ زندگی ہی قرن اول کا صحیح اسلام ہے۔ اور میرے عقائد یہ ہیں کہ اللہ ایک ہے، قیامت برحق۔ جنت و دوزخ پر میرا ایمان ہے۔ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خاتم النبیین ہیں۔ قرآن کریم آخری کتاب اللہ ہے۔ اور پانچوں ارکان اسلام پر عمل کرنا میرا ایمان ہے۔ اور بندہ اہل سنت والجماعت کا ادنیٰ خادم ہے۔ باوجود ان عقائد کے یہاں پر میں ملازم ہوں، ان مالک کارخانہ کو تسلی نہیں۔ اور فرماتے ہیں کہ تم مفتی صاحب کا فتویٰ لاؤ۔ کہیں تم کفر کے مرتکب یا خارج از اسلام تو نہیں ہو گئے ہو۔

المستفتی نمبر ۱۳۹۴ سید ابن علی چشتی دہلی۔ ۱۷ محرم ۱۳۵۶ھ مطابق ۳۱ مارچ ۱۹۳۷ء

(۳۳۵) **جواب۔** سپاہیانہ اور مجاہدانہ زندگی بے شک اچھی اور محبوب ہے۔ مگر خاکساروں کی تحریک کے بانی یعنی مشرقی صاحب کی کتابوں اور رسالوں ٹریکٹوں میں اسلام کے اصولی عقائد و مسائل و فرائض و واجبات کے متعلق ایسی باتیں درج ہیں جو صریحاً اسلامی تعلیم کے خلاف ہیں۔ نماز کو روزے کو حج کو اور بہت سی صحیح سنتوں کو ایسی طرح ذکر کیا ہے کہ ان کی طرف سے نفرت و حقارت کے جذبات دلوں میں پیدا ہوں۔ اور علمائے اسلام کو برا بھلا کہنا، جاہل بتانا، ان کے اعمال نماز روزے کا مذاق اڑانا تو معمولی بات ہے۔ ان وجوہ پر مسلمانوں کو اس تحریک میں

شریک ہوتا، اگرچہ وہ مشرقی کے عقائد و خیالات سے اپنی بے تعلقی کا اظہار بھی کریں سخت خطرناک ہے۔ اور ایمان کی سلامتی کی امید نہیں۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ

سوال

یہاں خاکسار تحریک شروع ہوگئی ہے۔ لوگ بڑی تندہی اور جانفشانی سے خدمت خلق میں مصروف ہیں۔ ہم لوگ آپ کے ان ارادتمندوں میں ہیں کہ بلا اصلاح و مشورہ کے کام کرنا پسند نہیں کرتے۔ حالانکہ مولانا ظفر علی خاں صاحب۔ مولانا اسلم جیراجپوری۔ و مولانا سید سلیمان ندوی کے اعلانات خاکسار تحریک کی تائید میں آچکے ہیں۔ لیکن بہت سے لوگ آپ کے اعلان کے منتظر ہیں۔ اور بڑی بے تابی سے چشم براہ ہیں کہ کب آنجناب کا اقراری یا انکاری ارشاد ہوتا ہے۔ آپ کی ذات گرامی سے قوی امید ہے کہ اس عریضہ کا ضرور خیال فرمائینگے

المستفتی نمبر ۱۳۹۸ حکیم محمود خاں صاحب (برار) ۲۷ محرم ۱۳۵۶ھ مطابق ۱۰ اپریل ۱۹۳۷ء

(۳۳۶) **جواب**۔ خاکسار تحریک کے بانی عنایت اللہ خاں مشرقی کے خیالات و عقائد سے لوگ واقف نہیں ہیں۔ اور تحریک کی محض ظاہری سطح کو (کہ خدمت خلق اور مسلمانوں میں سپاہیانہ زندگی پیدا کرنا ہے) دیکھ کر اسے پسند کرتے اور شریک ہو جاتے ہیں۔ اس شخص کا مقصد ایک جدید فرقہ پیدا کرنا ہے۔ اور اس کا واجب الاطاعت امیر خود بن کر مسلمانوں کو دہریت و الحاد کے رستہ پر لگادینا ہے مشرقی کی کتاب "تذکرہ" ان کے فلسفیانہ خیالات اور ڈارون تھیوری کے عقیدہ کی آئینہ دار ہے۔ سب سے پہلے کام ان کا یہ ہے کہ مسلمانوں کو علمائے اسلام سے متنفر کریں۔ اس کے لئے ان کے مرکز اچھرہ سے ٹریکٹ شائع ہو رہے ہیں۔ وہ نماز روزہ، حج وغیرہ کو ظاہری صورتوں میں عبادات کا درجہ اور فرائض قرار نہیں دیتے بلکہ کہتے ہیں کہ نماز کی روح اطاعت امیر ہے اور جب کوئی شخص اپنے نفس کو امیر کے حوالہ کردے اور اس کے حکم کی اطاعت کرنے لگے بس اس کی نماز کی روح حاصل ہوگئی۔ اور اس میں وہ نماز ادا کرنے سے مستغنی ہوگیا۔

تحریکِ خاکساراں میں جہاں تک خدمت خلق اور سپاہیانہ اسپرٹ کا تعلق ہے وہ اچھی چیز ہے لیکن یہ ناممکن ہے کہ جو شخص اس تحریک میں شریک ہو وہ بانیٔ تحریک کے خیالات و عقائد سے متاثر نہ ہو۔ قادیانی تحریک کی ابتدا بھی ایک خوش نما عنوان سے ہوئی تھی۔ کہ مرزا غلام احمد قادیانی آریوں اور عیسائیوں کے گندے اور ناپاک حملوں سے ناموس رسالت کی حفاظت کرنے میں علمائے وقت سے پیش پیش ہیں اور ان کے رد میں تن من دھن سبھی کچھ قربان کر رہے ہیں۔ لیکن یہ دیکھنے والوں نے دیکھا کہ آج یہ قادیانی فرقہ اسلام کے لئے اور مسلمانوں کی قومیت کے لئے

سب سے زیادہ مہلک اور تباہ کن ہے۔ اور اس کے بانی نے آہستہ آہستہ مسند نبوت پر نہ صرف اپنی جگہ نکالنے کی کوشش کی بلکہ اب تمام پیغمبروں پر ایمان لانا اور خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانا بھی ان کے نزدیک مؤمن ہونے کے لئے کافی نہیں ہے تاوقتیکہ مرزا غلام احمد پر ایمان نہ لائے نہ کسی کا ایمان معتبر ہے نہ عمل مفید۔ خاکساروں کی تحریک کو حقیقت شناس حضرات قادیانی تحریک سے زیادہ خطرناک سمجھتے ہیں۔ وہ مذہب کے نام سے شروع ہوئی اور یہ خدمت خلق اور سپاہیانہ اسپرٹ کے نام سے شروع ہوئی ہے۔ اور اس نے مذہبی طبقہ کے خلاف اور علم برداران مذہب یعنی علماء کے خلاف جہاد شروع کر دیا ہے۔ یہ قرآن مجید کے نام سے ملاحدۂ یورپ کے عقائد پھیلا رہی ہے اور یہ انگریزوں کو خدا کے مخلص اور مقبول بندے ظاہر کر رہی ہے اور اسی طرح بہت سی خرافات پر مشتمل ہے۔ فقط محمد کفایت اللہ کان اللہ لہٗ۔ دہلی

سوال

حضرت اقدس جناب قبلہ مفتی صاحب دام الطافکم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ۔ سوال کے بعد گرامی نامہ پہنچ کر باعث مسرت ہوا جو جناب کے دست مبارک کا تحریر کردہ معلوم ہوتا ہے۔ جناب کی اس بزرگانہ شفقت اور محبت کا دل سے شکر گذار ہوں۔ اور شرمندہ ہوں کہ ایک عظیم الشان اور واجب التعظیم ہستی کو کیوں جواب لکھنے کی تکلیف دی۔

مجھ کو اس سوا سال کی مدت میں علمائے کرام کی جانب سے انتہائی مایوسی ہو گئی تھی اور میں نے سمجھ لیا تھا کہ واقعی ہمارے علماء کو قوم کا درد نہیں رہا جو ان کی تسلی تشفی کر سکیں۔ مدوجزر کی طرح جناب کے اس اقدام نے پھر امید کی ایک لہر جسم میں دوڑائی۔

خموشی نے بڑی مدت میں کھولی ہے زباں اُن کی چلا ہے رُکتے رُکتے دردِ دل سے پھر قلم ان کا

جناب والا آپ خود فیصلہ فرمالیں کہ جو شخص سوا سال پیشتر مفصل طور پر اپنے خیالات اور عقائد کا صاف صاف اظہار کر چکا ہو اور آپ سے تسلی و تشفی کا طالب ہو اور شریعت اسلامیہ کی روشنی میں سب کچھ معلوم کرنا چاہتا ہو اور بار بار جناب سے التجائیں اور یاددہانی کرتا رہا ہو اور بے چین ہو کر آپ کے خیالات و احکام کی طرف ٹکٹکی لگائے دیکھتا ہو۔ پھر ایسے قابل رحم اور قابل توجہ شخص کو ایک عرصہ دراز کے بعد صرف یہ جواب دینا کہ "مشرقی صاحب کے حالیہ اعلانات اُن کی تحریک کا مقصد سمجھنے کے لئے کافی ہیں" کہاں تک تسلی بخش اور مفید ہو سکتے ہیں۔ جبکہ میں پورے طور پر تفصیل کا بھی طالب تھا۔ میں جناب کے قیمتی وقت کو ضائع اور عظیم الشان مشاغل

میں سد راہ ہرگز نہیں بننا چاہتا، بلکہ اپنی ذاتی اور قوم کی مذہبی ابتری اور روز قیامت کے خوف سے مجبور ہو کر آپ کی جناب میں مؤدبانہ گذارش کر رہا ہوں۔ مسلم قوم کی ذلت اور تباہی ان آنکھوں سے دیکھی نہیں جاتی حتیٰ کہ صبر و تامل اور شریعت اسلامیہ یعنی صراط مستقیم کو جانچنے اور پہچاننے میں جو بال کی کھال نکل رہی ہیں اس نے قوم اور افراد کو موت کے دروازے پر لا ڈالا ہے۔ صرف قضاء و قدر کے حکم کی دیر ہے۔ پھر ایسی صورتِ اختلاف میں جو عام طور پر مسلم علما میں جاری ہے۔ اگر آپ سے مفصل طور پر نہ معلوم کیا جائے تو صحیح راستہ پر پہنچنا دشوار ہے۔ میں جناب کا ادنیٰ عقیدتمند ہونے کی حیثیت سے یہ استدعا کرتا ہوں کہ تحریکِ خاکساران کے جو اعمال و اقوال ہیں وہ اسلامی نقطۂ نظر سے مسلمانوں کے دینی و دنیوی حالت پر کیا اثر ڈال رہے ہیں اور اس کی کیا حقیقت ہے تفصیلی طور پر تحریر فرمائیں تو عین بندہ نوازی ہوگی۔

المستفتی نمبر ۱۵۴۲ محمد اسماعیل خاں صاحب (نجیب آباد) ۱۸ ربیع الثانی ۱۳۵۶ھ م ۲۸ جون ۱۹۳۷ء

(۳۳۷) **جواب**۔ جناب مکرم دام فضلہم

بعد سلام مسنون۔ جناب کا عنایت نامہ باعث ممنونیت ہوا۔ میں پہلے خط میں تاخیرِ جواب کی معذرت کر چکا تھا، اب مکرر آپ کے عتاب آمیز شکوے پر زحمتِ انتظار کی معافی کا طلبگار ہوں۔

میں نے رد و کد میں پڑنا کبھی پسند نہیں کیا۔ اپنے ناقص خیال کے موافق مسئلہ بتا دینا اور اظہارِ حق کر دینا ہی کافی سمجھتا ہوں۔ اس سے زیادہ کی فرصت بھی نہیں ہے اور رد و کد کچھ مفید بھی ثابت نہیں ہوئی۔ جناب نے پہلی تحریر میرے جس جواب کو پڑھ کر اور اس سے متاثر ہو کر لکھی تھی، میں اظہارِ حق کے لئے اس کو کافی سمجھتا ہوں اسی کو مجملاً پھر لکھے دیتا ہوں۔ اگر جناب غور فرمائیں گے تو اس میں تسلی و تسکین پائیں گے۔

مشرقی صاحب کی کتاب تذکرہ میں نے پڑھی ہے۔ اور ان کی دوسری تحریریں بھی پڑھی ہیں۔ ان کی تحریرات میں بہت سی باتیں صحیح اور اچھی ہیں۔ ان کی یہ شکایت بھی بجا ہے کہ مسلمانوں نے عبادات نماز روزہ و حج وغیرہ کی صورتیں تو خوب مضبوطی سے پکڑ رکھی ہیں مگر ان عبادتوں کی روح باقی نہیں ہے۔ اکثر مسلمانوں کی رسمی عبادات کے متعلق یہ خیال ایک حد تک صحیح نہیں ہے۔ مگر اس کے ساتھ ہی ان کا یہ خیال جو ان کی تحریرات سے صاف طور پر ہر پڑھنے والے کے دل میں گھر کر جاتا ہے کہ نماز کی روح اطاعتِ امیر ہے۔ اور اطاعت امیر مضبوطی سے اپنا شعار بنالی جائے تو پھر نماز پڑھنے کی حاجت نہیں رہتی۔ اور ایک ایسا شخص جو اپنے امیر کی پوری اطاعت کرتا ہے، ایسے شخص سے بہتر ہے جو رسمی نماز تو ادا کرتا ہے لیکن امیر کے احکام کو بلا چون و چرا عمل میں نہیں لاتا۔ نہ صرف غلط

ہے بلکہ گمراہ کن اور شریعت کو پلٹ دینے والا ہے۔ ان کی کتابوں میں بیسیوں سنتوں کا جو صحیح سندوں سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرامؓ سے منقول و متوارث ہیں ایسے طور پر مذاق اڑایا گیا ہے اور استہزا کیا گیا ہے کہ ایک ایماندار خشیۂ خداوندی رکھنے والے کا دل لرز جاتا ہے۔ اگرچہ وہ ان سب باتوں کی تاویل کرتے ہیں، وہ تاویل اہل علم کے خیال میں بھی ان کی کتاب پڑھتے وقت بمشکل ہی آسکتی ہے۔ عام لوگ تو سمجھانے سے بھی اس تاویل کو نہیں سمجھ سکتے۔ ان کے قلوب واذہان پر ان کی کتابوں کا براہ راست جو اثر ہوتا ہے وہ یہ کہ نماز و روزہ سب رسمی عبادتیں اور بے جان صورتیں ہیں۔ اور بہت سی سنن و مستحبات کو نہ صرف فضول بلکہ خلاف تہذیب اور قابل نفرت امور سمجھنے لگے ہیں۔ اور اسی مرحلہ پر وہ ایمان کھو بیٹھتے ہیں۔ میں نے ان کی کتابوں کو پڑھ کر ابتدا ہی میں سمجھ لیا تھا کہ یہ تحریک مرزا قادیانی کی تحریک سے زیادہ خطرناک اور مسلمانوں کے ایمان کے لئے تباہ کن ہے۔ وہ تو مجددیت اور مسیحیت اور بالآخر دعوائے نبوت تک پہنچا جس کے لئے اس کو خدا اور رسول کے ساتھ ایمان اور احترام رکھنے کی تلقین لازم تھی۔ لیکن مشرقی صاحب نے جو بنیاد ڈالی تھی وہ خدا اور رسول اور ایمان و اسلام سب کی بیخ کنی کر کے سیدھی دہریت والحاد کی طرف لے جانے والی تھی۔ ان کی کتابیں پڑھ کر نہ خدا کی وقعت دل میں رہ سکتی ہے نہ رسول کی۔ صرف دنیا میں عمل اور عمل بھی مادی اور مادیات سے متعلق انسان کے لئے انتہائی معراج ترقی ہے۔ لیکن انھوں نے اس خیال کو مذہب کے پردے میں بیان کیا اور نصوص قرآنیہ کو توڑ مروڑ کر الحاد و زندقہ کی دلیلوں کے مواقع پر استعمال کیا۔

اور بالآخر تو انھوں نے اعلان کر ہی دیا کہ امیر کا (یعنی خود ان کا) ہر امر واجب الاطاعۃ ہے۔ بلکہ ان کے ماتحت امرا کا حکم بھی علی الاطلاق واجب الاطاعۃ۔ خواہ وہ قرآن کی صریح آیات کے خلاف ہی کیوں نہ ہو ان کے اس اقدام سے مسلمانوں کے لئے اُن کی تحریک کی حقیقت سمجھنے کا راستہ صاف ہو گیا ہے کہ وہ شریعت الٰہیہ کے بالمقابل ایک نئی شریعت ایک نیا مشرقی دین قائم کر کے مسلمانوں کو حجاز مقدس سے پھیر کر اچھرا شریف کی طرف لے جانا چاہتے ہیں۔ اور یہ ایک ایسا فتنہ ہے جو قادیانی فتنہ سے بدرجہا زیادہ خوفناک ہے۔ رہی بیلچہ برداری اور سپاہیانہ اسپرٹ تو وہ اگر ایمان کی سلامتی کے ساتھ ہوتی تو چشم ما روشن دلِ ما شاد لیکن اگر اس پردے میں متاع ایمان پر ڈاکہ ڈالنا مد نظر ہو تو اس کی شرکت سے زیادہ بد نصیبی اور کیا ہو سکتی ہے۔

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہٗ۔ دہلی۔

سوال

(۱) تحریک خاکساران کے متعلق آپ کی شرعی رائے کیا ہے۔ (۲) اس تحریک کے بانی کے متعلق جو کفر و الحاد منسوب کیا جاتا ہے وہ کہاں تک درست ہے۔ کیا جناب والا نے اس تحریک اور بانی تحریک کی تصنیفات کا مطالعہ فرمایا ہے۔ اگر فرمایا ہے تو ہماری رہنمائی فرمائیں۔

المستفتی نمبر ۱۶۲۳ ملک محمد امین صاحب (جالندھر) ۱۳ جمادی الاول ۱۳۵۶ھ ۲۲ جولائی ۱۹۳۷ء

(۳۳۸) **جواب** - (۱ و ۲) تحریکِ خاکساران بظاہر خوشنما اور مفید ہے۔ لیکن اس کا بغور مطالعہ کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ بھی ایک بڑا فتنہ ہے۔ بہت سے اسلامی عقائد و اعمال حتیٰ کہ فرائض قطعیہ سے انکار و استخفاف اس کا لازمی نتیجہ ہے۔ مشرقی کے عقائد تذکرہ اور ان کی دوسری تالیفات میں واضح طور سے موجود ہیں۔ ان کا یقینی نتیجہ ملحدانِ یورپ کی تحسین و تصویب اور علمائے اسلام کی تقبیح و توہین ہے۔

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہٗ دہلی

سوال

کئی سال سے ہندوستان میں امرتسر کے ایک شخص عنایت اللہ خاں نامی نے جس کا تخلص مشرقی ہے۔ اور جس کا موجودہ قیام گاہ لاہور ہے ایک تحریک جاری کی ہے جو تحریکِ خاکساران کے نام سے مشہور ہے۔ مشرقی مذکور اس تحریک میں شامل ہونے والے خاکساران کا امیر ہے۔ وہ کہتا ہے کہ (۱) امیر کے ہر حکم کی تعمیل معروف و منکر کی شرط کے بغیر ہر ایک خاکسار کو بلاچون وچرا کرنی چاہیئے (اخبار الاصلاح)۔ (۲) وہ کہتا ہے کہ ابتدائے آفرینش سے آج تک یہ قطعی فیصلہ نہ ہو سکا کہ کون سا مذہب سچا ہے۔ کون سا شارع کائنات کی منشاء کے عین مطابق ہے۔ پھر کہتا ہے نہ اعتقادی بت پرستی کوئی بت پرستی ہے نہ قولی خدا پرستی کو عبودیت کہہ سکتے ہیں۔ یہ بھی کہتا ہے کہ اسلام میں عمل کے سوا کسی عقیدہ کی ضرورت نہیں۔ (تذکرہ دیباچہ)۔ (۳) مشرقی کہتا ہے کہ سو برس سے مولویوں کا مذہب غلط ہے۔ دوسری جگہ کہتا ہے کہ تین سو برس سے مولویوں کا مذہب غلط ہے۔ پھر ایک جگہ کہتا ہے کہ مولویوں کے بنائے ہوئے اسلام کا قرآن مجید میں ایک لفظ یا ایک حرف بھی نہیں۔ پھر ایک جگہ کہتا ہے کہ خاکسار تحریک اس لئے جاری کی گئی ہے کہ مولویوں کے بنائے ہوئے اسلام کو غلط ثابت کرے وغیرہ (الاصلاح اخبار کے مختلف پرچے)۔ (۴) مشرقی کہتا ہے کہ کلمۂ شہادت نماز روزہ حج زکوۃ پر اسلام کی بنیاد ہرگز نہیں (تذکرہ حصہ عربی ص ۵۶)۔ (۵) مشرقی رمضان کے روزوں کی فضیلت

وفرضیت کو من گھڑت باتیں دروغ بافی اور رفاقہ مستی کے نام سے یاد کرتا ہے اور تیرہ سو برس تک کے مسلمانوں کے روزوں کا تمسخر اڑاتا ہے اور کہتا ہے یہ پچھلے کئی سو برس کی نمازیں اور روزے سب اکارت ہیں۔ان سے جنت تو کیا دوزخ کا بہترین گوشہ بھی نہیں مل سکتا۔(الاصلاح ۵ اپریل ۳۵ء)

(۶) مشرقی نے اپنے اخبار الاصلاح ماہ جولائی ۳۷ء کے کسی نمبر میں اپنے کسی معتقد کا یہ اعلان کہ مشرقی مجددِ دین اسلام اور مامور من اللہ ہے شائع کیا اور اس طرح اپنے مامور من اللہ اور مجدد ہونے کے دعویٰ کی بنیاد رکھ دی ہے۔کیونکہ اس نے خود اس کو شائع کیا اور اس میں کوئی ترمیم نہیں کی۔

(۷) مشرقی کہتا ہے کہ انگریز نصرانی جن کو دنیوی ساز و سامان حاصل ہیں درحقیقت یہی عبادی الصالحون کے مصداق ہیں اور انگریز خدا کے صالح بندے ہیں۔مسلمان کہلانے والوں میں تو اسلام کچھ بھی نہیں۔ہاں نصرانی انگریز حقیقی مسلمان ہیں۔انگریز ہی خلیفۃ اللہ فی الارض ہیں اور اکثر فرشتے اس قوم کے سامنے سجدہ کرتے ہیں۔(تذکرہ حصہ عربی)

(۸) مشرقی کہتا ہے کہ لحم خنزیر کو حرام سمجھنا فی الحقیقت انسان کی معاشری و دنیاوی زندگی کی اصلاح کا ایک منظر ہے اس کو حنما روحانیت سے کوئی تعلق نہیں (تذکرہ مقدمہ) اس طرح مشرقی انگریزوں کی خنزیر خوری کو حقیقت دکھا کر ان کی روحانیت کو گویا محفوظ دکھانا چاہتا ہے۔

(۹) مشرقی نے الاصلاح کے قول فیصل نمبر میں حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ اور مال غنیمت کی چادروں کا ذکر کرتے ہوئے حضرت عمر پر اعتراض کرنے والے صحابی کی نسبت (جو حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ تھے) لکھا ہے کہ وہ بدبخت جہنمی خود چور ہوگا (نعوذ باللہ نعوذ باللہ نعوذ باللہ)

(۱۰) مشرقی نے ابتداءً اپنی تحریکِ خاکساران کی بنیاد صرف خدمتِ خلق اور فوجی قواعد دو چیزوں پر ظاہر کی۔اور مقصد یہ تھا کہ مسلمانوں کو دنیوی حکومت و سلطنت مل جائے گی۔یہ بھی اعلان کیا کہ اس تحریک میں کسی کے مذہبی عقائد سے کوئی بحث نہیں حتیٰ کہ ہندو عیسائی یہودی پارسی وغیرہ کے لئے بھی اس میں شرکت کا موقع ہے۔مذکورہ دونوں کاموں کو اچھا کام سمجھ کر مسلمان اس تحریک میں شامل ہونا شروع ہوئے۔اس لئے کہ مشرقی کی پہلے لکھی ہوئی کتاب تذکرہ سے لوگوں کو عام طور پر کوئی واقفیت نہیں تھی۔مشرقی نے تحریکِ خاکساران کی تبلیغ کے لئے اخبار الاصلاح جاری کیا اور نہایت چالاکی اور ہوشیاری کے ساتھ الاصلاح کے ذریعہ بتدریج لوگوں کے خیالات و عقائد پر اثر ڈالا اور تذکرہ کی اشاعت

بھی ہونے لگی۔ اب یہاں تک نوبت پہنچی کہ وہ مختارِ ناطق، امیر اور مذہبی پیشوا بن گیا۔ اور مامور من اللہ اور مجددِ وقت بننے کی تیاری کر ہی دی۔ اور اپنی جماعت کے لوگوں سے خونی معاہدے بھی لے رہا ہے اور اپنے جانباز وں اور فدائیوں کی ایک جماعت بنا رہا ہے۔ اس مذکورہ تفصیل کے علاوہ ہندوستان کے علمائے کرام کو اس تحریک کے متعلق اپنے اپنے ذرائع واقفیت کے موافق اور بھی صحیح باتیں ممکن ہے کہ معلوم ہوں۔ بہرحال دریافت طلب امور یہ ہیں :۔

(۱) مسلمانوں کو خاکسار تحریک میں شامل ہونا چاہیئے یا نہیں ؟ یہ تحریک اسلامی ہے یا غیر اسلامی ؟

(۲) جو لوگ تحریک میں شامل ہیں ان کو از روئے احکامِ شرع اب کیا کرنا چاہیئے ؟

(۳) جن لوگوں کو اس تحریک میں شامل رہنے اور مشرقی کی بدعقیدگیوں کا علم ہو جانے کے بعد بھی اس تحریک کی اشاعت و حمایت پر اصرار ہے ان کے متعلق شریعت کا کیا حکم ہے ؟

(۴) اس جماعت کے اعمال میں فوجی کیمپ مصنوعی جنگ فوجی مارچ جلسے وغیرہ بھی شامل ہیں مسلمانوں کو ان کے کیمپ اور مصنوعی جنگ کا تماشہ دیکھنے اور ان کے جلسوں میں شریک ہونے اور ان کی تقریر سننے کے لئے جانا چاہیئے یا نہیں۔ اُن کے جلسے اور تقریروں کے سننے اور ان کی نمائشی چیزوں کا تماشہ دیکھنے سے مسلمانوں کو روکنا اور باز رکھنا ضروری اور ثواب کا کام ہے یا گناہ ؟

(۵) اس تحریک اور اس جماعت کی ہمت افزائی اور امداد کرنا یا مدح اور ستائش کرنا، ان کے جلسوں اور کیمپوں کے سامان بہم پہنچانا جائز ہے یا ناجائز۔ نیز اور جو احکام اس تحریک کے معاملے میں مناسب اور ضروری ہوں ان سے آگاہی بخشی جائے۔

المستفتی نمبر ۱۶۷۵ محمد ایوب خاں (نجیب آباد) ۷ رجمادی الثانی ۱۳۵۶ھ م ۱۵ اگست ۱۹۳۷ء

(۳۳۹) **جواب** (۱) مسلمانوں کو اس تحریک میں شامل نہیں ہونا چاہیئے اور اگر محرک اس تحریک میں شامل ہونے والوں کے لئے اسلام کی شرط نہیں کرتا، ہندوؤں عیسائیوں یہودیوں وغیرہم کے لئے بھی صلائے عام ہے تو تحریک کا اسلامی نہ ہونا ظاہر ہے۔

(۲) ان لوگوں کو جو ناواقفیت سے شریک ہو گئے تھے فوراً علیحدگی اختیار کر لینا چاہیئے۔

(۳) یہ لوگ خود بھی غلطی میں مبتلا ہیں اور دوسروں کو بھی مبتلا کرنا چاہتے ہیں اور اگر مشرقی کے عقائد میں بھی شریک ہیں تو زوالِ ایمان کا بھی خطرہ ہے۔

(۴) ان کے اعمال کی تحسین اور بغرض تماشہ ان کے مجامع میں جانا بھی خطرناک ہے۔

(۵) اس جماعت کی ہمت افزائی اور اعانت اور مدح وستائش کرنا باطل کی ہمت افزائی اور اعانت اور ناحق کی مدح وستائش ہے۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہٗ۔ دہلی۔

سوال

(۱) بہرائچ میں کچھ دنوں سے عنایت اللہ مشرقی کی جماعتِ خاکسار قائم ہوئی ہے. جو کتاب تذکرہ کی اشاعت کرتی ہے۔ علما کو برا بھلا کہتی ہے اور عنایت اللہ کو امیرِ مطلق مانتی ہے. کیا اس تحریک میں حصہ لینا جائز ہے یا نہیں۔ (۲) تذکرہ کے مضامین میں الحاد وکفر ہے یا نہیں۔ (۳) جو مولوی صاحب عنایت اللہ کے خیالات سے واقف ہوتے ہوئے اس تحریک میں حصہ لیں اور اس کے ممبر بنیں ان کے پیچھے نماز پڑھی جائے یا نہیں۔ المستفتی نمبر ۲۰۱۹ احمد شاہ (بہرائچ) ۱۰ رمضان ۱۳۵۶ھ مطابق ۱۵ نومبر ۱۹۳۷ء

(۴۰۳) **جواب**۔ یہ تحریک خطرناک اور دینِ حق کے منافی ہے۔ تذکرہ میں بہت سے غیر اسلامی عقائد شامل ہیں اور ان کا نتیجہ الحاد ہے۔ ان عقائد کے معتقد قابلِ امامت نہیں۔ ان لوگوں کا رویہ قادیانیوں سے بھی زیادہ مضر اور مسلمانوں کے ایمان کے حق میں مہلک ہے۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہٗ۔ دہلی۔

سوال

(۱) ہرگاہ واقعات تاریخ اسلام وقرونِ اولیٰ کے مسلمانوں کے مطالعہ حیات سے یہ پایا جاتا ہے کہ آغازِ اسلام میں "عسکریت" بالفاظ دیگر تنظیم وعمل جہاد مسلمانوں کے تمدن وحیات ملی کا ایک اہم جزو رہی ہے اور تا بزماں کہ فدایاں اسلام میں ایثار فنافی الملت روحِ جہاد اطاعتِ امیر اخوت جو عسکریت اور قومیت کے اعضائے رئیسہ ہیں اور اخلاص کے زریں اصول قائم رہے اور جب تک تبلیغ اسلام اور ترویج واشاعت قوانین الٰہیہ اور اپنی قومی زندگی کو برقرار رکھنے کے لئے کتب علیکم القتال ان کے پیشِ نظر رہا، صحیح معنوں میں کنتم خیر امۃ رہے اور ربع مسکون کے خطے خطے میں اللہ اکبر کی پرجوش صداؤں سے فضاءِ عالم گونج اٹھی مگر جب ان خصائص سے یکسر خالی ہو گئے وجاھدوا فی سبیل اللہ سے عملاً روگردانی کی یک رنگی واخوت کی بجائے لاتعداد فرقوں میں منقسم ہو گئے تو ایسے قعرِ مذلت میں گرے کہ عرصۂ حیات تنگ ہو گیا۔ مظلوں کی داد دیتے دیتے خود مظلوم بن گئے۔ غریبوں بیکسوں محتاجوں کی خبر گیری کرنے والے، غلامی کا نام ونشان مٹا کر غلاموں کو برابر کرنے والے خود غلام ہو کر رہ گئے۔ دنیا سے جہالت وبربریت

کو مٹانے والے خود دوسروں کی بربریت کا شکار ہو گئے۔ ببیں تفاوت رہ از کجا ست تا بکجا

فی الجملہ جو کچھ ہوا اور ہو رہا ہے ، اظہر ہے۔ قاعدہ ہے کہ اکثر زمانہ خود ٹھوکریں مار مار کر بیدار کر دیا کرتا ہے اغیار کی روز روز کی یلغاریں ببانگ دہل کہہ رہی ہیں کہ اگر مسلمان کم از کم اپنا تحفظ اور قوانین شریعت کی عملاً ترویج چاہتے ہیں تو انھیں پھر سے مجاہد بننا چاہئے۔ مگر فی زمانہ سنین ماضیہ کا طریق جنگ بیکار اور عبث خیال کیا جاتا ہے۔ اس وقت مادی طاقتیں جس چیز سے مرعوب ہوتی ہیں اور موجودہ تہذیب و تمدن کے ماحول میں قومی وقار کے لئے جو چیز مابہ الامتیاز خیال کی جاتی ہے وہ مروجہ اصول عسکریت ہیں جن میں قابل ذکر قواعد و یک رنگی جن کے لئے معروف انگریزی الفاظ بالترتیب پریڈ و یونیفارم استعمال ہوتے ہیں اور توپ تفنگ وغیرہ ہیں۔ جس قوم میں اس کا رواج نہیں دنیاوی طاقتوں کے نزدیک اُسے اب اس دنیا میں رہنے کا حق نہیں۔ چنانچہ اکثر جگہ اس نظریہ پر عمل ہو رہا ہے۔ بناءً علیہ اگر کوئی اسلامی انجمن عقائد اسلامی کی حد میں رہ کر تحفظِ اسلام کی خاطر مسلمانوں میں عسکریت کی تبلیغ کرے۔ لباس میں سادگی و یکرنگی پیدا کرے مسلمانوں کو استعمالِ اسلحہ اور دیگر ضروریات سے واقف کرے تنظیم و اخوت کا سبق دے اسوۂ حسنۂ رسول اللہ صلعم پر عمل کرائے صوم و صلوٰۃ کی پابندی کرے اور اس کے ساتھ بالالتزام پریڈ کا عمل بھی کرائے تو اس کی یہ حرکت شرعاً کیسی ہے اور کیا مسلمانوں کو اس سے اتحاد کرنا چاہئے۔

المستفتی نمبر ۲۴۳۱ محمد آفاق صاحب (پٹیالہ) ۸ ذیقعدہ ۱۳۵۷ھ مطابق ۳۱ دسمبر ۱۹۳۸ء

(۱۴۳) **جواب** ۔ اسلامی عقائد و اعمال کی صحیح صحیح اتباع و تعمیل کے ساتھ عسکریت نہایت ضروری اور بہتر اور مفید ہے۔ مگر واضح رہے کہ اگر سائل کا مقصد جماعتِ خاکساران کی عسکریت میں داخل ہونے سے ہے تو افسوس کے ساتھ یہ عرض کر دینا ضروری ہے کہ اس جماعت کے قائد اعظم مشرقی صاحب کے عقائد اسلامی عقائد سے منحرف ہیں۔ ان کی کتابیں اسلامی عقائد کے خلاف اور بزرگانِ سلف کے خلاف مضامین سے بھری پڑی ہیں۔ ان کی عسکریت مسلمانوں کے خلاف کام لینے کے لئے بنی ہے۔ انگریزوں کی اطاعت اور خدمت اُن کا منتہائے مقصد ہے۔ اس لئے ان کی جماعت میں داخل ہونا اسلام کے لئے مفید نہیں بلکہ عقائد اسلامیہ کے لئے مضر ہے۔

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہٗ۔ دہلی۔

سوال

ہم خاکسار اشہد ان لا الہ الا اللہ و اشہد ان محمدا عبدہ و رسولہ (خلاصہ ترجمہ) سوائے اللہ تعالےٰ کے

کوئی معبود نہیں اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے بندے اور رسول ہیں ۔ ایمان مفصل اٰمنت باللہ و ملٰئکتہٖ وکتبہٖ ورسلہٖ والیوم الاٰخر والقدر خیرہ وشرہ من اللہ تعالیٰ والبعث بعد الموت (ایمان مجمل) اٰمنت باللہ کما ھو باسمائہٖ وصفاتہٖ وقبلت جمیع احکامہٖ اقرار باللسان وتصدیق بالقلب (خلاصہ ترجمہ) ہم اللہ تعالیٰ اور اس کے فرشتوں اور کتابوں اور رسولوں اور قیامت کے دن اور تقدیر خیر وشر من اللہ اور موت کے بعد اٹھائے جانے پر نیز اللہ تعالیٰ کے اسموں اور صفتوں پر ایمان رکھتے ہیں اور خدائے تعالیٰ کے تمام احکام کو قبول کرتے ہیں ۔ ان عقائد کا اقرار زبان کے ساتھ اور دل سے بھی ان کو سچا سمجھتے ہیں ۔ نیز ہم اسلام کے پانچ ارکان کلمہ شہادت نماز روزہ حج زکوٰۃ کو بنائے اسلام سمجھتے ہیں اور حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خدائے تعالیٰ کا آخری پیغمبر سمجھتے ہیں ۔ ہمارا عقیدہ ہے کہ ان کے بعد قیامت تک کوئی نبی نہیں آئے گا ۔ نیز ہم خاکساروں کے عقائد کو علامہ عنایت اللہ خاں المشرقی بانیٔ خاکسار تحریک کی کتاب تذکرہ سے کوئی تعلق نہیں ۔ ہمارا دستور العمل مسائلِ اصول و فروع میں کتاب اللہ اور سنتِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہے ۔ ہم خاکسار خدائے تعالیٰ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سپاہی ہیں اور قرونِ اولیٰ کے مجاہدین کے طریقہ پر تنظیم کے ساتھ خدمتِ خلق اور غلبہ اسلام کے خواہشمند اور اسی طریق پر زندگی بسر کرنا چاہتے ہیں ۔ تو کیا ان عقائد کے رکھنے والے خاکسار ان مسلمان ہیں یا اسلام سے خارج ؟ اگر مسلمان ہیں تو جو انھیں کافر کہیں وہ گنہگار ہوں گے یا نہیں ۔

المستفتی نمبر ۲۴۹ سید مبارک علی صاحب (فیروز پور شہر) ۳۰ ربیع الاول ۱۳۵۸ھ مطابق ۱۹ مئی ۱۹۳۹ء

(۳۴۲) **جواب** ۔ جو خاکسار کہ عنایت اللہ خاں مشرقی کے عقائد میں ان سے متفق نہ ہوں اور ان کے ملحدانہ عقائد سے بیزار ہوں اور ضروریاتِ اسلامیہ کے قائل ہوں وہ اس جہت سے اسلام سے خارج نہ ہوں گے لیکن ایک ملحد کی دینی اور دنیوی امور میں غیر مشروط اطاعت جو خاکسار تحریک کا اصل اصول ہے ان کے لئے جائز نہیں اور خاکسار تحریک گو بظاہر عسکری تنظیم معلوم ہوتی ہے مگر علمائے اسلام اور سلف صالحین کی تجہیل اور تضلیل اس کے خمیر میں داخل ہے ۔ اس لئے اس تحریک میں شریک ہونے والے تحریک کے بنیادی اصول سے علیحدہ نہیں ہو سکتے ۔ یہ تحریک اسلامی نقطۂ نظر سے بہت خطرناک اور روحِ اسلام کے لئے تباہ کن اور مہلک ہے ۔

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ دہلی ۔

سوال

عنایت اللہ خاں المعروف علامہ مشرقی بانی تحریک خاکسار کے خیالات بذریعہ "تذکرہ" اور اشارات وغیرہ عیاں ہو چکے ہیں اور ان کے متعلق جو کچھ مولویوں کے طبقے میں اضطراب ہے وہ بھی جناب پر روشن ہو چکا ہوگا۔ لہٰذا علامہ مشرقی کے متعلق جناب کا کیا خیال ہے۔ وہ کافر ہے یا مسلم۔ اگر کافر ہے تو جناب کے یہاں ان کے کفر کے متعلق سب سے بڑا ثبوت کیا ہے۔

مجھے ایسے فتویٰ کی ضرورت ہے جس پر مولانا محمد کفایت اللہ صاحب کی تصدیق ہو۔

المستفتی نمبر ۲۵۳۷ مولوی غلام محمد صاحب (ضلع ملتان) ۶ رجب ۱۳۵۸ھ مطابق ۲۳ اگست ۱۹۳۹ء

(۳۴۳) **جواب**۔ بانی تحریک خاکساران یعنی مشرقی کے عقائد جو اس کی کتاب تذکرہ اور اشارات وغیرہ سے ثابت ہیں جمہور امت محمدیہ کے اجماعی عقیدوں کے خلاف ہیں۔ وہ صرف عمل اور مادی ترقی کو اصلِ ایمان کہتے ہیں۔ نماز روزے حج کی یہ صورتیں ان کے نزدیک فضول ہیں۔ نماز ان کے نزدیک اطاعتِ امیر کا نام ہے۔ وہ ڈاردن تھیوری کے قائل ہیں۔ وہ تمام نصاریٰ کو جنتی اور پکا مؤمن قرار دیتے ہیں۔ ان وجوہات سے مشرقی اور ان کے تمام معتقد جو ان کے عقائد کو حق سمجھتے ہیں، سب دائرۂ اسلام سے خارج ہیں۔ فقط محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ دہلی

سوال

ایک شخص مرتد ہے جس کے عقائد باطلہ کی وجہ سے روئے زمین کے علمائے حقہ نے اس کے ارتداد کا متفقہ فتویٰ صادر فرما کر شائع کر دیا ہے یعنی عنایت اللہ مشرقی۔ اب سوال یہ ہے کہ جو شخص اس مرتد کو مسلمان تصور کرے آیا یہ شخص عند الشرع کیسا ہے؟ مسلمان یا مرتد اور یہ بھی ظاہر ہے کہ جو لوگ مشرقی کی تنظیم میں شامل ہیں۔ بیلچہ اٹھائے پھرتے ہیں وہ مشرقی کو مسلمان سمجھتے ہیں اور وہ لوگ علوم دینی سے جاہل ہونے کی وجہ سے اس کے ہر حکم پر جان دینے کو تیار ہیں خواہ وہ حکم جائز ہو یا ناجائز۔ جیسا کہ لاہور میں ہوا کہ جبکہ مشرقی نے حکومتِ وقت کے ساتھ تشدد کا حکم دیدیا جس کی وجہ سے بہت سے خاکساروں نے اپنی جانیں دے دیں۔ آیا یہ لوگ شہید کہلانے کے مستحق ہیں یا کیا؟ دوسری شق ممکن ہے کہ کوئی شخص اس کو مسلمان نہیں سمجھتا مگر تنظیم بیلچہ میں شامل ہے اور اس کے ہر حکم کی اطاعت کرنے کو اور جان دینے کو ہر وقت تیار ہے۔ اور اطاعت بھی مرتد کی بغیر تنخواہ کے۔ یہ شخص اس کے متشددانہ حکم کی تعمیل میں مارا جائے

تو شہید ہو گا یا نہیں ؟ تیسری شق یہ ہے کہ جو خاکسار مشرقی کے معتقد اس کے متشددانہ حکم کی تعمیل کرتے ہوئے ان مقتولوں کو جو شخص شہید تصور کرتا ہو۔ زبان سے اعلان کرے کہ یہ لوگ شہید ہیں اور ان کی اور ان کے ورثاء کی امداد کرنا ہر مسلمان کا فرض ہے، وہ شخص کیسا ہے۔ شریعت ایسے شخص کے متعلق کیا حکم دیتی ہے۔ یہاں لدھیانہ میں بازاروں میں دکانوں پر دن رات یہ جھگڑا ہوتا رہتا ہے۔ بہت سے لوگ کہتے ہیں کہ اگر علمائے کرام ان لوگوں کی شہادت کا فتویٰ دے دیں تو ہم بھی علامہ مشرقی کی تحریک میں شامل ہو کر شہادت حاصل کریں۔

المستفتی نمبر ۲۶۱ محمد عیسیٰ دکاندار (لدھیانہ) ۲۳ ربیع الثانی ۱۳۵۹ھ مطابق یکم جون ۱۹۴۰ء

(۳۴۴) **جواب**۔ مشرقی کے عقائد اور خیالات اسلامی اصول اور الٰہی تعلیم کے خلاف ہیں اور ان عقائد کی بنا پر مشرقی کو علماء اسلام نے خارج از اسلام قرار دیا ہے۔ لیکن مشرقی کی تحریک خاکساری اور فوجی تنظیم میں جتنے مسلمان شریک ہو گئے ہیں وہ سب مشرقی کے عقائد سے واقف نہیں ہیں۔ وہ صرف تنظیم کی ظاہری صورت سے دھوکا کھا کر شریک ہو گئے ہیں۔ اس لئے اگرچہ ان کی شرکت ایک خطرناک امر ہے، مگر ان سب کو مرتد کہنا مشکل ہے۔ وہ غلط کار ضرور ہیں اور ان کے ایمان خطرے میں ہیں لیکن ارتداد کا قطعی حکم ان پر لگا دینا درست نہیں۔

لاہور کے واقعہ میں جن خاکساروں نے تشدد کیا (اگر یہ صحیح ہو کہ انھوں نے تشدد کیا) انھوں نے غلطی کی اور بہت بڑی غلطی کی جس کی شرعی ذمہ داری ان پر عائد ہوتی ہے لیکن جس قدر خاکسار مرے یا زخمی ہوئے ان سب نے تو یقیناً تشدد نہیں کیا تھا اور وہ قتل کے مستحق نہ تھے۔ پھر اگر فائرنگ بلا ضرورت کیا گیا اور اس میں بہت سے ایسے لوگ مر گئے جو مجرم نہ تھے اور قتل کے مستحق نہ تھے وہ مظلوم مرے اور مظلوم مقتول شہید ہوتا ہے۔ اس لئے لاہور کے ۱۹ مارچ کے واقعہ کے مقتولین پر عام طور سے حرام موت مرنے کا حکم لگانا درست نہیں۔ جس طرح عام طور پر تمام مقتولین کو شہید بتانا بھی اس لئے صحیح نہیں کہ اگر کوئی شخص تشدد کی ابتدا کر کے اس کے جواب میں مارا گیا ہو تو وہ شہید نہیں۔ تاہم یہ بات عوام کے لئے ناممکن ہے کہ وہ شخصی طور پر کسی مقتول کو شہید اور کسی کو حرام موت کا مقتول قرار دیں اس لئے ان کے لئے یہی بہتر ہے کہ اس قصے میں نہ پڑیں اور جب تک سچی بےلاگ تحقیقات سے یہ امر ثابت نہ ہو جائے کہ آیا خاکساروں نے تشدد کی ابتدا کی تھی اور وہ تمام اس قتل و خون کے ذمہ دار ہیں یا نہیں اس معاملہ میں گفتگو نہ کی جائے اور ان کا معاملہ خدا کے سپرد کیا جائے۔ جو شخص

کہ بغیر استحقاقِ قتل کے مظلوم مرا ہے وہ شہید ہے اور جس نے تشدد کی ابتدا کی اور اس کے جواب میں مارا گیا اس کو شہید کہنا مشکل ہے۔ یہ بات بھی مشکل ہے کہ ان مقتولین میں کتنے مشرقی کے ہم عقیدہ تھے اور کتنے محض فوجی تنظیم کے خوشنما پھندے میں پھنس کر شریک ہو گئے تھے۔ اس کا علم بھی ہمیں نہیں ہو سکتا۔ اس لئے سب پر ایک ہی حکم جاری نہیں کرنا چاہئے۔ فقط محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ دہلی

سوال

مسٹر عنایت اللہ مشرقی جو لندن کے پولیٹیکل اسکول کے تعلیم یافتہ اور تحریک خاکساران کے بانی ہیں اور جنہوں نے تذکرہ نامی ایک کتاب تصنیف فرمائی ہے۔ جس میں انھوں نے جابجا احکام اسلامی میں تحریف کرنے کے علاوہ آیات قرآنیہ میں تلبیس و تحریف فرمائی ہے بدیں وجہ علمانے ان پر کفر کا فتوی دیا۔ مگر انھوں نے علماء کے فتوی کی کوئی پروا نہ کی اور تا ہنوز تمام عبارت تذکرہ بدستور باقی ہے یہ شخص ۱۳ اکتوبر ۱۹۴۵ء کے خاکساروں کے جلسۂ عام (اردو باغ) میں بزور طاقت عام مسلمانوں سے اپنے تذکرہ پر عمل کا اعلان کرتا ہے۔ اب سوالات یہ ہیں:۔

(۱) جس شخص پر جس کتاب کی تصنیف کے باعث کفر کا فتوی عائد کیا گیا ہو اور وہ مجمع عام میں طاقت کے ساتھ تمام مسلمانوں سے اسی کفریہ تذکرہ پر عمل کرانے کا اعلان کرتا ہے تو کیا ایسے شخص کی اعانت میں مضامین شائع کرنا اور اس کے مددگاروں حامیوں اور اس کے رضاکاروں یعنی خاکساروں کی ہمدردی و اعانت کرنا جائز ہے؟ (۲) جو اخبار مشرقی کی کفریہ عبارت سے توبہ کئے بغیر اس کی اور اس کے گروہ خاکساروں کی حمایت کریں کیا ان اخباروں کو اسلامی ترجمان سمجھا جا سکتا ہے؟ (۳) اگر جمعیۃ اور احرار کے ارکین علانیہ یا در پردہ ایسے شخص کی یا اس کے رضاکاروں کی اعانت و ہمدردی کریں تو ان کے متعلق کیا حکم ہے؟ (۴) جمعیۃ اور احرار کے کارکنان و رضاکاران مشرقی سے اتحادِ عمل کر سکتے ہیں یا نہیں؟ اگر کر سکتے ہیں تو کیا وہ علماء کے شرعی احکام کی توہین کے مرتکب ہوں گے یا نہیں؟

المستفتی نمبر ۲۷۹۷ محمد زکریا۔ دہلی۔ ۱۷ ذیقعدہ ۱۳۶۴ھ

(۳۰۷) **جواب**۔ (۱) مشرقی کی کتاب تذکرہ اور ان کے عقائد بے شک اسلام کے خلاف ہیں۔ اس میں ان کا ساتھ دینا یا امداد کرنا حرام ہے۔ مگر مذہبی عقائد کے علاوہ سیاسی طور پر گروہ صحیح راستے پر ہوں تو ان کا ساتھ دینا مباح ہے۔ جس طرح کہ موجودہ وقت میں مسلمان انگریزی حکومت کا ساتھ دے رہے ہیں۔ تو جن معاملات میں دین کو نقصان نہ پہنچے ان میں انگریزوں کا ساتھ دینا مباح ہے۔

مشرقی کے مذہبی عقائد کی کوئی اخبار حمایت کرے تو وہ غلط ہے. لیکن اگر کوئی اخبار ان کی سیاسی تحریک کی حمایت کرے تو وہ دوسری بات ہے۔

اگر مشرقی کی حمایت اور جنبہ داری حق بات میں ہو تو وہ کافر کی بھی ہوسکتی ہے. اور ناحق بات میں ہو تو وہ ناجائز اور باطل ہے۔

کسی ایسی بات میں جو شرعاً جائز ہو اور اس میں موافقت کرنے سے مسلمانوں کو کوئی دینی ضرر نہ پہنچے اور کوئی فائدہ مدنظر ہو ان کے ساتھ اتحادِ عمل ہوسکتا ہے۔ کیونکہ ہندستان میں شرعی حکومت تو ہے نہیں. انگریزی حکومت ہے. یہاں شرعی حکومت کے سیاسی احکام جاری نہیں ہوسکتے۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ دہلی۔

سوال

استاد العلماء حضرت مولٰنا مفتی کفایت اللہ صدر جمعیۃ علمائے ہند السلام علیکم

آجکل علمائے کرام نے علامہ مشرقی قائدِ تحریکِ خاکسار اور کل خاکساروں پر کفر کا فتوی صادر فرمادیا ہے. اور ان کو واجب القتل قرار دیا ہے. اور ان کے ساتھ نکاح کو بھی ناجائز فرمایا ہے. میں ذیل میں جو مقابلہ کرتا ہوں اس کو ملاحظہ فرماکر جواب مرحمت فرمائیں۔

قائدِ تحریکِ خاکسار. علامہ عنایت اللہ خاں المشرقی:-	قائد کانگریس. مہاتما گاندھی:-
عقائد:- علامہ مشرقی مطابق بیان علامہ موصوف خدائے برتر کو واحد مانتا ہوں. حضرت آدمؑ سے لے کر خاتم الانبیاء محمد صلی اللہ علیہ وسلم تک تمام انبیاء کو برحق اور خدا کے بھیجے ہوئے نبی مانتا ہوں قیامت برحق ہے. فرشتوں پر میرا ایمان ہے. ارکانِ اسلام کا پابند ہوں. قرآن برحق ہے وغیرہ.	عقائد:- گاندھی غیر مسلم ہے. کافر ہے. مشرک ہے اسلام کی کسی کتاب، فرشتوں، انبیاء پر اس کا ایمان نہیں ہے وغیرہ.
بالفرض علامہ مشرقی کافر ہے. لیکن خاکسار کس طرح کافر ہوسکتا ہے جبکہ خاکسار علامہ مشرقی کو نہ خدا مانتے ہیں نہ نبی گردانتے ہیں. نہ علامہ موصوف سے بیعت کی ہے. صرف ان کی جاری کردہ خاکسار	جواہرلال نہرو. لیڈر کانگریس. منکرِ خدا ہے. دہریہ ہے کانگریسی مسلمان اپنے لیڈر گاندھی مذکور کو نہ خدا سمجھتے ہیں نہ نبی بتاتے ہیں نہ گاندھی سے بیعت کی ہے. بلکہ گاندھی کو صرف اپنا لیڈر تصور کرتے ہیں. اس کی کانگریس کے پروگرام کے مطابق کام کرتے ہیں. کانگریسی مسلمانوں کا لیڈر کافر ہے تو کانگریسی مسلمان واجب القتل کیوں نہیں ہوسکتا ہے.

تحریک کے پروگرام کے مطابق کام کرتے ہیں اور علامہ کو جرنیل یا افسر اعلیٰ خیال کرتے ہیں۔ خاکساروں کا جرنیل ایک مسلمان ہے۔ خاکسار علامہ موصوف کو اپنا جرنیل یا قائد تحریک سمجھ کر واجب القتل کیوں ہو گیا۔ ؟ اگر ہو سکتا ہے تو ساٹھ سال سے آج تک ان پر کفر کا فتویٰ کیوں نہیں صادر فرمایا گیا۔ اور بے چارے خاکساروں پر چاروں طرف سے فتوؤں کی بارش ہو گئی اور زمین و آسمان سر پر اٹھا لیا۔

اگر کانگریسی مسلمان بھی واجب القتل ہو سکتا ہے تو علمائے کرام کو لازم ہے کہ پہلے ان کا خاتمہ کر کے بعد میں خاکسار سے بات کرنی چاہیئے۔

المستفتی نمبر ۲۵۴۱ عبداللہ خاں لاہور مورخہ ۲۳ رجب ۱۳۵۸ھ مطابق ۹ ستمبر ۱۹۳۹ء

(۳۴۶) **جواب** ۔ تمام خاکساروں پر کفر کا فتویٰ نہیں ہے۔ صرف مشرقی پر ان کے عقائد کی بنا پر کفر کا فتویٰ ہے کانگریسی مسلمان گاندھی کے کفر کا اقرار کرتے ہیں۔ اگر خاکسار بھی مشرقی کے کفر کا اقرار کرتے ہوں تو پھر وہ خطرہ نہیں۔ لیکن وہ تو مشرقی کو علامہ پکا مسلمان واجب الاطاعت امیر اور امام قرار دیتے ہیں۔ کوئی کانگریسی مسلمان گاندھی یا جواہر لال کو واجب الاطاعت امام نہیں سمجھتا۔ نہ یہ خطرہ ہو سکتا ہے کیونکہ دونوں کا مسلمان نہ ہونا ظاہر ہے۔ جو خاکسار مشرقی کے عقائد کو مشرکانہ عقائد سمجھتے ہوں وہ کافر نہیں۔ مگر ان کو واجب الاطاعت امیر اور امام سمجھنے پر وہ گمراہ ہیں۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ، دہلی۔

فصل چہارم فرقہ قادیانی

سوال

(۱) فرقہ قادیان کہتے ہیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی وفات ہو چکی ہے۔ حنفیہ کہتے ہیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام زندہ آسمان پر اٹھائے گئے ہیں اور قریب قیامت حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا نزول آسمان سے ہوگا اور زمین پر تشریف لا کر خلیفہ وقت ہونگے اور دجال کو ماریں گے۔ آپ آسمان پر زندہ تشریف رکھتے ہیں یا انتقال فرما گئے ؟ (۲) فرقہ قادیان کہتے ہیں کہ من بعدی اسمہ احمد جو آیت قرآن شریف کی ہے، وہ غلام احمد قادیانی کی نسبت ہے۔ حنفیہ کہتے ہیں کہ اس کے مصداق حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں اور آپ کی ہی تشریف آوری کی بشارت حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے دی تھی۔ (۳) قادیانی کہتے ہیں کہ غلام احمد قادیانی عیسیٰ موعود ۱۴۰۰ ہجری کے نبی تھے

حنفیہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق یہ آیت نازل ہوئی ہے۔ ولکن رسول اللہ وخاتم النبیین اس حالت میں غلام احمد نبی کیسے ہوئے جبکہ نبوت کے ختم ہونے کا ثبوت قرآن شریف دیتا ہے؟

(۲۷۴) **جواب** - صرف حنفیہ کا نہیں بلکہ تمام فرقہ اہل سنت والجماعت کا یہی مذہب ہے کہ حضرت عیسی علی نبینا وعلیہ الصلوۃ والسلام زندہ آسمان پر تشریف رکھتے ہیں اور بے شک قریب قیامت نازل ہوکر دجال کو قتل کریں گے۔ جو شخص ان کی وفات کا دعوی کرے وہ زمرۂ اہل السنت والجماعت سے خارج ہے۔ ایسا شخص ہرگز اس قابل نہیں کہ اس کے قول پر کان لگایا جائے۔ (۲) آیت شریفہ و مبشرا برسول یاتی من بعدی اسمه احمد کو مرزا غلام احمد قادیانی کا اپنے لئے بتلانا بالکل غلط ہے۔ کیونکہ اول تو باتفاق مفسرین یہ آیت حضرت رسول کریم علیہ التحیۃ والتسلیم کے متعلق ہے جس میں خدا تعالی نے حضرت عیسی علیہ السلام کی وہ بشارت نقل فرمائی ہے جو انھوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق بطور پیشگوئی اپنی امت کو دی تھی تو اب آیت میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سوا کسی دوسرے کو مراد لینا اجماع مفسرین کا خلاف کرنا ہے۔ دوم یہ کہ مرزا غلام احمد کے متعلق یہ آیت کیسے ہو سکتی ہے کیونکہ اس میں آنے والے رسول کا نام احمد بتایا گیا ہے اور مرزا صاحب کا نام غلام احمد ہے نہ احمد۔ تو ایسی صورت میں ان کا یہ دعوی کہ یہ آیت میرے متعلق ہے صراحۃً غلط اور کھلم کھلا باطل ہے۔ سوم یہ کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے جس آنے والے کی بشارت دی ہے اس کو رسول کے لفظ سے تعبیر کیا ہے اور ان کے بعد جو رسول آئے وہ حضرت محمد مصطفےٰ احمد مجتبیٰ روحی فداہ ہیں اور آپ خاتم النبیین اور خاتم الرسل ہیں اور مرزا صاحب یقیناً و بداہۃً آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد پیدا ہوئے۔ پس اگر مرزا صاحب کو دعوی رسالت نہ ہو تو وہ حضرت عیسی علیہ السلام کی پیشگوئی کا مصداق اس لئے نہیں ہو سکتے کہ یہ پیشگوئی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بعد آنے والے رسول کے متعلق ہے اور مرزا صاحب رسول نہیں۔ اور اگر ان کو دعوائے رسالت ہو تو یہ دعوی صراحۃً آیت قرآنی ولکن رسول اللہ وخاتم النبیین کے خلاف اور حدیث رسول مقبول انا خاتم النبیین لا نبی بعدی کے مخالف ہونے کی وجہ سے باطل اور مردود ہے۔ چہارم یہ کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے یہ پیشین گوئی اور بشارت جس نبی کے متعلق ارشاد فرمائی ہے اسے اپنے بعد آنے والا بتایا ہے اور بعدیت سے ظاہر اور متبادر بعدیت متصلہ ہے۔ اور ظاہر ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بعد ایک رسول یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے جن کی رسالت کو قادیانی بھی مانتے ہیں تو حضرت عیسی علیہ السلام کی بشارت و پیشگوئی کا مصداق تو ہوگیا ہوگیا۔ اب مرزا صاحب کا اپنے آپ کو اس آیت کا مصداق بتانا تو جب صحیح ہو سکتا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے اس کلام میں ایک سے زائد رسولوں

کے آنے کی بشارت ہوتی حالانکہ نہیں ہے۔ بلکہ صرف ایک رسول کے آنے کا ذکر ہے جو آچکے۔ لہٰذا مرزا صاحب کا حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بعد ایک رسول کے آنے کو تسلیم کرتے ہوئے اس آیت کا مصداق اپنے آپ کو ٹھہرانا صریح ہٹ دھرمی اور کھلی ہوئی گمراہی ہے۔ یاد رہے کہ ان کے اس دعویٰ میں حضور انور نبی ہاشمی صلی اللہ علیہ وسلم کی توہین بھی مضمر ہے۔ اور وہ منجر الی الکفر ہے۔ (۳) اس سوال کا جواب بھی مندرجہ بالا جواب کے ضمن میں آگیا ہے۔

سوال

مرزا غلام احمد قادیانی کے اقوال مندرجۂ ذیل ہیں:-

(۱) آیت مبشرا برسول یاتی من بعدی اسمہ احمد کا مصداق میں ہوں (ازالہ اوہام طبع اول صـ۶۷۳)

(۲) مسیح موعود جن کے آنے کی خبر احادیث میں آئی ہے میں ہوں۔ (ازالہ اوہام طبع اول صـ۶۶۵)

(۳) میں مہدی مسعود اور بعض نبیوں سے افضل ہوں۔ (معیار الاخیار صـ۱۱)

(۴) ان قدمی علی منارۃ ختم علیہ کل رفعۃ (خطبہ الہامیہ صـ۳۵)

(۵) لا تقیسونی باحد ولا احد ابی (خطبہ الہامیہ صـ۱۹)

(۶) میں مسلمانوں کے لئے مسیح مہدی اور ہندوؤں کے لئے کرشن ہوں (لیکچر سیالکوٹ صـ۳۳)

(۷) میں امام حسین سے افضل ہوں۔ (دافع البلاء صـ۱۳)

(۸) وانی قتیل الحب لکن حسینکم ٭ قتیل العدی فالفرق اجلی واظہر۔ (اعجاز احمدی صـ۸۱)

(۹) یسوع مسیح کی تین دادیاں اور تین نانیاں زناکار تھیں۔ (ضمیمہ انجام آتھم صـ۵)

(۱۰) یسوع مسیح کو جھوٹ بولنے کی عادت تھی۔ (ضمیمہ انجام آتھم صـ۵)

(۱۱) یسوع مسیح کے معجزات مسمریزم تھے۔ اس کے پاس بجز دھوکہ کے اور کچھ نہ تھا۔ (ازالہ اوہام صـ۳۰۳-۳۲۲ وضمیمہ انجام آتھم صـ۷)

(۱۲) میں نبی ہوں اس امت میں نبی کا نام میرے لئے مخصوص ہے۔ (حقیقۃ الوحی صـ۳۹۱)

(۱۳) مجھے الہام ہوا۔ یا ایہا الناس انی رسول اللہ الیکم جمیعاً۔ (معیار الاخیار صـ۱۱)

(۱۴) میرا منکر کافر ہے۔ (حقیقۃ الوحی صـ۱۶۳)

(۱۵) میرے منکروں بلکہ متأملوں کے پیچھے بھی نماز جائز نہیں۔ (فتاویٰ احمدیہ اول)

(۱۶) مجھے خدا نے کہا اسمع ولدی۔ اے میرے بیٹے سن! (البشریٰ صـ۴۹)

(۱۷) لولاک لما خلقت الافلاک۔ (حقیقۃ الوحی ص۹۹)

(۱۸) میرا الہام ہے وما ینطق عن الھوی (اربعین ص۳)

(۱۹) وما ارسلناک الا رحمۃ للعالمین (حقیقۃ الوحی ص۸۲)

(۲۰) انک لمن المرسلین۔ (حقیقۃ الوحی ص۱۰۷)

(۲۱) اتانی ما لم یؤت احداً من العالمین۔ (حقیقۃ الوحی ص۱۰۷)

(۲۲) اللہ معک یقوم اینما قمت (ضمیمہ انجام آتھم ص۱۷)

(۲۳) مجھے حوض کوثر ملا ہے انا اعطینک الکوثر۔ (ضمیمہ انجام آتھم ص۸۵)

(۲۴) میں نے خواب میں دیکھا کہ میں ہو بہو اللہ ہوں رأیتنی فی المنام عین اللہ وتیقنت انی ھو فخلقت السمٰوٰت والارض۔ (آئینہ کمالات مرزا ص۵۶۴، ۵۶۵)

(۲۵) میرے مرید کسی غیر مرید سے لڑکی نہ بیاہا کریں (فتاوی احمدیہ ص۷)

جو شخص مرزا قادیانی کا ان اقوال میں مصدق ہو اس کے ساتھ مسلم غیر مصدق کا رشتہ زوجیت کرنا جائز ہے یا نہیں؟ اور تصدیق بعد نکاح موجب افتراق ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا

(۳۴۸) **جواب**۔ مرزا غلام احمد قادیانی کے یہ اقوال جو سوال میں نقل کیے گئے ہیں اکثر ان میں سے میرے دیکھے ہوئے ہیں۔ ان کے علاوہ بھی ان کے بے شمار اقوال ایسے ہیں جو ایک مسلمان کو مرتد بنانے کے لئے کافی ہیں۔ پس خود مرزا صاحب اور جو شخص ان کا ان کلمات کفریہ میں مصدق ہو سب کافر ہیں اور ان کے ساتھ اسلامی تعلقات مناکحت وغیرہ رکھنا حرام ہے۔ تعجب ہے کہ مرزا صاحب اور ان کے جانشین تو اپنے مریدوں کو غیر مرزائی کا جنازہ پڑھنا بھی حرام بتائیں اور غیر احمدی انھیں مسلمان سمجھ کر ان کے ساتھ رشتے ناتے کریں۔ آخر غیرت بھی کوئی چیز ہے۔

سوال

جو شخص احمدی فرقہ (المعروف مرزائی فرقہ) سے تعلق رکھنے والا ہو۔ خواہ مرزا آنجہانی کو نبی مانتا ہو یا مجدد اور ولی وغیرہ اس کے ہاتھ کا مذبوحہ حلال ہے یا حرام؟ المستفتی نمبر ۴۶۹ عبداللہ (بھاولپور)

(۳۴۹) **جواب**۔ اگر یہ شخص خود مرزائی عقیدہ اختیار کرنے والا ہے یعنی اس کے ماں باپ مرزائی نہ تھے تو یہ مرتد ہے اس کے ہاتھ کا ذبیحہ درست نہیں۔ لیکن اگر اس کے ماں باپ یا ان میں سے کوئی ایک مرزائی تھا تو یہ اہل کتاب کے حکم میں ہے اور اس کے ہاتھ کا ذبیحہ درست ہے۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ دہلی۔

سوال

بعض مقتدر و با اثر مسلمان مرزا قادیانی اور اس کے مریدوں کو پوری قوت سے مسلمان کہتے ہیں بالی سے فیصلہ ہوا تھا کہ مندرجۂ ذیل پانچ علمائے کرام سے فتوی حاصل کر لیا جائے۔ مولنا ابو الکلام صاحب آزاد حضرت مولنا مفتی کفایت اللہ صاحب۔ مولنا سید سلیمان صاحب ندوی۔ حضرت مولنا حسین احمد صاحب ۔ مولنا ثناء اللہ صاحب امرتسری۔ اس سلسلہ میں مولوی محمد داؤد صاحب پلیڈر قصور نے آنجناب کی خدمت اقدس میں ایک استفتا ارسال کیا تھا۔ اس کا جواب موصول ہو چکا ہے، چونکہ وہ جواب آنجناب کے قلم مبارک سے نہ تھا اس لئے فریق ثانی نے اس کو قبول کرنے میں تامل کیا۔

المستفتی نمبر ۴۹۱ حاجی عبد القادر۔ میونسپل کمشنر کورٹ بدر الدین قصور۔ ۱۳ ربیع الاول ۱۳۵۴ھ م ۱۶ جون ۱۹۳۵ء

(۳۵۰) **جواب** ۔ مرزائے قادیانی نے اپنی تالیفات میں نبوت مجددیت، محدثیت، مسیحیت مہدویت کا اتنی صراحت اور اتنی کثرت سے دعوی کیا ہے کہ اس کا انکار یا اس کی تاویل ناممکن ہے۔ خاتم المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد نبوت کا دعوی کرنا کفر ہے۔ ملتِ اسلامیہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کسی مدعی نبوت کو دائرۂ اسلام میں داخل کرنے کے لئے قطعاً تیار نہیں، خواہ وہ نبوت ظلیہ۔ بروزیہ جزئیہ کی تاویلات رکیکہ کی پناہ لے یا کھلم کھلا نبوتِ تشریعیہ کا مدعی ہو۔ مرزا قادیانی کے کفر کی اور بھی وجوہ ہیں۔ مثلاً عیسیٰ علی نبینا وعلیہ السلام کی توہین۔ معجزاتِ قرآنیہ کا انکار اور ناقابلِ اعتبار تاویلات سے ان کو رد کرنا یا استہزا کرنا۔ اور چونکہ یہ امور مرزا صاحب کی تالیفات میں آفتاب نصف النہار کی طرح روشن ہیں اس لئے لاہوری جماعت کا انکار اور تاویلیں بھی لاہوری جماعت کو کفر سے نہیں بچا سکتیں۔ اگرچہ یہ دونوں جماعتیں اسلام کی مدعی ہیں، لیکن عالمِ اسلامی کے معتمد علیہ علما، ان دونوں کو ملتِ اسلامیہ سے خارج قرار دے چکے ہیں۔

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ

سوال

آجکل نئے فیشن کے تعلیم یافتہ نوجوانوں کی حالت یہ ہے کہ ان کو اپنے مذہب و عقائد کی تو بہت کم خبر ہوتی ہے، بسا اوقات وہ لوگ آجکل کے عقائد باطلہ وافعال ممنوعہ کے مرتکب ہو جاتے ہیں چنانچہ فی زمانہ قادیانیوں کا سلسلہ عام ہو رہا ہے اور عموماً ان کو لوگ کلمہ گو کہہ کر مسلمان سمجھتے ہیں۔ اور باوجود ان کے عقائد کفریہ عام ہو جانے کے پھر بھی ان سے پرہیز اور اجتناب نہیں کرتے۔ اور اگر ان سے کہا جائے کہ

ان لوگوں سے بچنا چاہیئے کیونکہ ان کی صحبت کا برا اثر بڑتے بڑتے ایک روز ان کے عقائد کی خرابی کا دل میں احساس بھی باقی نہیں رہتا۔ لیکن یہ لوگ نہیں مانتے اور ان کو برا بھی نہیں سمجھتے بلکہ اپنی رشتہ داری یا ذاتی اغراض کی وجہ سے خلا ملا رکھتے ہیں اور نوبت یہاں تک پہنچ جاتی ہے کہ وہ ان کے اس قدر حامی اور مددگار ہو جاتے ہیں کہ اصل قادیانی بھی ان سے زیادہ ان کے عقائد باطلہ کی تائید نہیں کر سکتے۔ لہٰذا دریافت طلب یہ امر ہے کہ

(۱) آیا قادیانی یا جو ان کو اچھا سمجھیں ان سے میل جول رشتہ ناطہ کرنا ان کے ساتھ بیٹھنا اٹھنا اور ان کی اعانت و مدد کرنا کیسا ہے؟

(۲) نیز جو رشتے ایسے لوگوں کے ساتھ ہو گئے ہیں ان کو باقی رکھنا بہتر ہے یا ان سے تعلق منقطع کر کے اچھے اور نیک دیندار مسلمانوں کے ساتھ تعلقات قائم کرنا بہتر ہے؟

(۳) اگر کوئی شخص باوجود سمجھانے اور باوجود شرعی حکم پہونچانے اور باوجود قادیانی کے عقائد باطلہ کو جان لینے کے بھی ان کے ساتھ خلا ملا رکھے اور ان کو اچھا سمجھے اور ان سے علیحدگی کو گوارا نہ کرے بلکہ سچے پکے دیندار مسلمانوں کو برا سمجھے، ایسے شخص سے میل جول رکھنا چاہیئے یا نہیں؟

المستفتی نمبر ۵۶۸ عبدالرحمٰن (ریاست جیند) ۱۰ جمادی الاول ۱۳۵۴ھ مطابق ۱۱ اگست ۱۹۳۵ء

(۳۵۱) **جواب**۔ (۱) قادیانی فرقہ جمہور علمائے اسلام کے فتوے کے بموجب دائرہ اسلام سے باہر ہے۔ اس لئے اس فرقہ کے ساتھ میل جول اور تعلقات رکھنا سخت مضر اور دین کے لئے تباہ کن ہے۔ اس حکم میں قادیانی اور لاہوری دونوں برابر ہیں۔

(۲) اگر نادانستگی سے ان لوگوں کے ساتھ رشتہ ہو گیا ہو تو معلوم ہونے پر اسے منقطع کر دینا لازم ہے تاکہ خدا اور رسول کی ناخوشی اور آخرت کے وبال سے نجات ہو۔

(۳) جو لوگ کہ قادیانیوں کے عقائد کفریہ سے واقف ہوں اور پھر بھی ان کو مسلمان سمجھیں وہ گویا خود بھی ان عقائد کفریہ کے معتقد ہیں۔ اس لئے وہ بھی اسلام سے خارج اور قادیانیوں کے زمرے میں شمار ہوں گے۔ دیندار مسلمانوں کو ان سے بھی علیحدگی اور بیزاری کا سلوک کرنا چاہئے۔ فقط محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ

شائع شدہ اخبار الجمعیۃ ۲۰ اگست ۱۹۳۵ء

(۳۵۲) **جواب** ۶۲۶ ۔ قادیان کے نبی کے مقلد (دونوں لاہوری احمدی اور قادیانی) اسلام سے خارج ہیں۔ مرزا غلام احمد قادیانی نے نبوت کا دعویٰ کیا۔ مسیح موعود ہونے کا دعویٰ کیا۔ اور بہت سے کام مسلمانوں کے مذہب کے

خلاف کیے۔ ان وجوہ سے وہ تمام علمائے اسلام کے نزدیک اسلام سے خارج سمجھے جاتے ہیں۔ اور دونوں فرقے
جو کہ یقین کرتے ہیں کہ مرزا صاحب ہادی تھے یا مسیح موعود تھے یا مہدی تھے یا امام وقت تھے اس لئے وہ لوگ
اپنے مقتدا کے مانند ہیں اور وہ لوگ کافر ہیں۔ اور لاہوری جماعت بھی یقین کرتی ہے کہ مرزا غلام احمد قادیانی
قابل تقلید تھے وہ بھی کافر ہیں۔ محمد کفایت اللہ (صدر جمعیۃ علمائے ہند) ۲۶ جمادی الثانی ۱۳۵۴ھ مطابق ۲۵ ستمبر ۱۹۳۵ء

سوال

متعلقہ فتوی مذکورہ۔ ہماری نظر سے ایک فتوی جو قادیانیوں کی بابت انگریزی میں بمبئی کا چھپا ہوا
نظر سے گزرا ہے۔ ہمارے بعض احباب فرماتے ہیں کہ یہ مولانا کفایت اللہ کا فتوی نہیں ہے۔ ہم یہ فتوی انگریزی
کا جناب کی خدمت میں ارسال کر رہے ہیں۔ اگر یہ فتوی آنجناب کا ہو تو مہربانی فرما کر اس کی پشت پر
اپنی مہر اور دستخط وغیرہ کرکے بھیج دیں۔

المستفتی نمبر ۶۲۷ حافظ وزیر محمد (دارجلنگ) ۲۶ جمادی الثانی ۱۳۵۴ھ مطابق ۲۵ ستمبر ۱۹۳۵ء

(۳۵۳) **جواب**۔ ہاں اس فتوی میں جو جواب مرزائی فرقہ کے دونوں گروہ (لاہوری و قادیانی) کے متعلق
درج ہے اس کا مضمون صحیح ہے۔ اور اصل جواب میرا لکھا ہوا تھا جس کا انگریزی ترجمہ کرکے شائع
کر دیا گیا ہے۔ محمد کفایت اللہ

سوال

(۱) علمائے اسلام مطابق شریعت مرزا غلام احمد قادیانی کو کیا سمجھتے ہیں؟ (۲) ان کا پیرو کیسا ہوگا؟
(۳) مسلمانوں کو مرزائیوں سے قطع تعلق کرنا ضروری ہے یا نہیں (۴) اور قطع تعلق کہاں تک ہے؟

المستفتی نمبر ۷۴۳ مسلمانانِ بھدرواہ۔ ۱۸ ذیقعدہ ۱۳۵۴ھ مطابق ۱۳ فروری ۱۹۳۶ء

(۳۵۴) **جواب**۔ (۱) جمہور علمائے اسلام مرزا غلام احمد صاحب قادیانی کو بوجہ ان کے دعوائے نبوت اور توہین
انبیاء کے دائرۂ اسلام سے خارج قرار دیتے ہیں۔ (۲) ان کے پیرؤوں اور ان کو سچا ماننے والوں کا بھی یہی حکم ہے۔
(۳) ہاں اگر دین کو فتنہ سے محفوظ رکھنا چاہتے ہوں تو قطع تعلق کر لینا چاہئے۔ (۴) ان سے رشتہ ناتا کرنا ان کے ساتھ
خلط ملط رکھنا جس کا دین اور عقائد پر اثر پڑے ناجائز ہے۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ، دہلی

سوال

یہاں قادیانی لوگ ہیں۔ مگر بڑے بے شرم ہیں۔ ان کو کتنا جواب دیں مگر وہ لوگ نہیں مانتے اور ان کے

ہاں جو شخص کھانا کھا آیا اس کے لئے کیا سزا ہونی چاہئے ؟

المستفتی نمبر ۸۰۶ منشی مقبول احمد (چھکو ہی) ۱۷ ذی الحجہ ۱۳۵۴ھ مطابق ۱۲ مارچ ۱۹۳۶ء

(۳۵۵) **جواب**۔ قادیانیوں کے یہاں جس شخص نے کھانا کھایا ہے اس سے توبہ کرالی جائے کہ آئندہ ایسا نہیں کرے گا۔ اور قادیانیوں کے ساتھ کھانا پینا رکھنا خطرناک ہے۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ،

سوال

آنجناب نے مرزائیوں کے متعلق ایک سوال کے جواب میں ارشاد فرمایا ہے کہ نسلی مرزائی کو اہل کتاب کا حکم دیا جائے گا۔ یہ سمجھ میں نہیں آیا کہ یہ کیسے اہل کتاب ہو سکتے ہیں۔ مفصل دلائل ارشاد فرمائیں۔

المستفتی نمبر ۸۳۱ مولوی محمد انور (ضلع جالندھر) ۱۳ محرم ۱۳۵۵ھ مطابق ۶ اپریل ۱۹۳۶ء

(۳۵۶) **جواب**۔ نسلی مرزائی اسی طرح اہل کتاب کے حکم میں ہیں جس طرح یہود و نصاریٰ ہیں۔ شامی میں اس مسئلہ کی بحث ہے اور یہی راجح ہے۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ،

سوال

ایک بزرگ جو اپنے آپ کو اللہ والا اور روحانیت کا بادشاہ جتاتے ہیں، مرزا غلام احمد صاحب کے معتقد اور موجودہ جماعت احمدیہ کے قائل ہیں۔ قوم ہنود کے ایک فرقے کے اوتار ہونے کے مدعی اور مامور جماعت احمدیہ کے متمنی۔ مذکورہ اعتقاد رکھنے والے کی رائے امور شرعیہ میں کیا حیثیت رکھتی ہے۔ ایسے بزرگ کا شرعی معاملات میں اعتماد کیا جا سکتا ہے یا نہیں ؟

المستفتی نمبر ۸۷ سلطان احمد خاں (برار) ۲۳ محرم ۱۳۵۵ھ مطابق ۱۶ اپریل ۱۹۳۶ء

(۳۵۷) **جواب**۔ جو شخص غلام احمد قادیانی کو مانے اور ان کے دعووں کی تصدیق کرے اور اپنے آپ کو اوتار بتائے وہ گمراہ اور اسلام سے خارج ہے۔ اس کی بات ماننا اور اس کو پیر بنانا یا اس کی جماعت میں شریک ہونا حرام ہے۔ مسلمانوں کو اس سے قطعاً محترز اور مجتنب رہنا چاہئے۔ محمد کفایت اللہ

سوال

کسی فنڈ میں سے کچھ رقوم تبلیغ اسلام کے لئے مندرجۂ ذیل انجمن کو دیا جا سکتا ہے یا نہیں ؟ اگر دیا جائے تو جائز ہے یا ناجائز جبکہ ان کے اعتقاد یہ ہیں۔ فریق اول۔ مولوی محمد علی کی پارٹی جو لاہور میں "احمدیہ انجمن اشاعت اسلام" کے نام سے موسوم ہے۔ اور برلن ایشیا و افریقہ میں اس مشن کے ذریعہ تبلیغ کا کام کررہی

فریق ثانی۔ خواجہ کمال الدین کی پارٹی جو لندن میں ووکنگ مشن کی بنیاد قائم کرکے لندن اور اس کے قرب و جوار میں اشاعت اسلام کا کام انجام دے رہی ہے۔ ہر دو فریق مرزا غلام احمد قادیانی کے معتقد ہیں۔ فریق اول مرزا غلام احمد قادیانی کو چودھویں صدی کا مجدد مانتے ہیں، نبی نہیں مانتے اور ان کا اعتقاد یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد مجدد آئیں گے نبی نہیں آئیں گے۔ حدیثوں میں جو نزول مسیح کا ذکر ہے اسے وہ درست مانتے ہیں۔ اور کہتے ہیں کہ چونکہ قرآن کریم حضرت مسیح کی وفات کا ذکر صاف الفاظ میں فرماتا ہے اس لئے وہ اس سے مراد ایک مجدد کا مثل مسیح ہو کر ظاہر ہونا لیتے ہیں اور مرزا غلام احمد قادیانی کو چودھویں صدی کا مجدد اور نزول مسیح کی پیشین گوئی کا مصداق مانتے ہیں۔ اور یہ اشعار حسب ذیل مرزا غلام احمد قادیانی کی شان میں فرماتے ہیں۔ آں مسیحا کہ برافلاک مقامش گویند؟ لطف کردی کہ ازیں خاک نمایاں کردی۔ فریق ثانی قریب قریب یہی عقیدہ رکھتے ہیں۔ خود کو پکا سنی حنفی المذہب کہتے ہیں۔ صحیح صورتوں میں اسلام کی تبلیغ کرنے کا دعویٰ کرتے ہیں۔ تو کیا ان ہر دو فریقین میں سے کوئی اسلام کی تبلیغ کا کام صحیح معنوں وصورتوں میں انجام دے رہا ہے۔ کیا ان ہر دو فریقین میں سے کسی بھی ایک فریق کو تبلیغ کے لئے کچھ رقوم اس فنڈ میں سے دی جائے تو کیا مسلمانان عالم وعلمائے اسلام کے نزدیک مذہبی نقطہ نظر سے خلاف سمجھا جائے گا۔

المستفتی نمبر ۱۱۳۵ متولیان اوقاف حاجی اسمٰعیل حاجی یوسف احمد آبادی۔ میمن ایجوکیشنل ٹرسٹ فنڈ بمبئی
۲۸ جمادی الاول ۱۳۵۵ھ مطابق ۱۷ اگست ۱۹۳۶ء

(۳۵۸) **جواب**۔ یہ دونوں جماعتیں احمدی قادیانی فرقہ سے تعلق رکھتی ہیں۔ اور ایک ایسے شخص سے مسلمانوں کو روشناس کراتی اور اس کے حلقہ ارادت میں داخل کرتی ہیں جس نے جمہور اسلام کے علم و تحقیق کے بموجب نبوت کا دعویٰ کیا۔ اور اس کے مرکزی مقام میں اس کے جانشین اور خلفا اس کو نبی اور رسول ہی مانتے ہیں اور منوانے کی کوشش کرتے ہیں۔ اور اس کا اپنا لٹریچر دعوائے نبوت میں اتنا صاف اور واضح اور روشن ہے کہ محمد علی پارٹی یا خواجہ کمال الدین پارٹی کی تاویلات تحریف سے زیادہ وقعت نہیں رکھتیں۔ اور یہ دونوں پارٹیاں ممالک یورپ میں احمدی تبلیغ کرتی ہیں۔ اسلامی تبلیغ کا محض نام مسلمانوں سے چندہ لینے کے لئے ہے۔ ورنہ ان کا ذاتی نصب العین قادیانی مشن کی تبلیغ ہے۔ پس مسلمانوں کو ہرگز جائز نہیں کہ وہ کسی قومی تعلیمی فنڈ سے بلکہ اپنی جیب خاص سے بھی ان کو چندہ دیں۔ ایسا کرنے میں وہ قادیانی نبوت کاذبہ کی اعانت و امداد کے گنہگار اور مواخذہ دار ہوں گے۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہٗ۔ دہلی۔

سوال

ایک شخص جو مرزائی عقائد رکھتا تھا مگر نہایت نیک اور پابند صوم وصلوٰۃ علم احادیث و فقہ سے واقف عالم ربانی کے خصائل و شمائل سے متصف مغرب کی نماز کے لئے وضو کیا اور روزہ افطار کرنے کے انتظار میں مصلے پر دو زانو ہو کر بیٹھا کہ اچانک دل میں گھبراہٹ ہوئی اور با آواز بلند اشھد ان لا الٰہ الا اللہ واشھد ان محمداً عبدہٗ و رسولہ پڑھا۔ حالت بدل گئی اور اسی حالت میں روزہ افطار کیا۔ پھر دو چار منٹ میں ہی روح قفس عنصری سے پرواز کر گئی۔ اہل سنت والجماعۃ نے اس کا جنازہ پڑھا۔ کیا جنازہ پڑھنے والوں پر کوئی شرعی تعزیر عائد ہو سکتی ہے یا نہیں۔ نیز فرمان نبوی صلی اللہ علیہ وسلم الصلوۃ علی برو فاجر کیسے لوگوں کے لئے ہے۔

المستفتی نمبر ۲۰۵۱ محمد اسماعیل صاحب (جہلم) ۱۵ رمضان ۱۳۵۶ھ مطابق ۲۰ نومبر ۱۹۳۷ء

(۳۵۹) **جواب۔** مرزائی عقائد رکھنے والا یعنی مرزا غلام احمد قادیانی کی نبوت پر ایمان لانے والا اسلامی اصول سے خارج از اسلام ہے۔ اس کے جنازے کی نماز پڑھنا درست نہیں تھا۔ اس کے انتقال کے وقت کے یہ حالات جو سوال میں مذکور ہیں اس کے غیر اسلامی عقیدے کو بدل نہیں سکتے۔

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہٗ۔ دہلی۔

سوال

(۱) کسی اسلامی انجمن میں قادیانیوں کو ممبر بنانا شرعاً کیا حکم ہے۔ (۲) اگر کثرت رائے اور متفقہ رائے سے یہ تجویز منظور ہو جائے کہ قادیانیوں کو بھی ممبر بنایا جائے پھر اس انجمن میں شریک ہونا یا اس کی امداد کرنا کیسا ہے۔ المستفتی نمبر ۲۰۴۲ احمد صدیق (کراچی) ۱۳ رمضان ۱۳۵۶ھ مطابق ۱۸ نومبر ۱۹۳۷ء

(۳۶۰) **جواب۔** (۱) قادیانیوں کو کسی انجمن میں ممبر نہ بنایا جائے۔ (۲) ہرگز نہیں۔ بلکہ اس انجمن سے علحدہ ہو جانا چاہئے۔

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہٗ۔ دہلی۔

سوال

(از اخبار الجمعیۃ سہ روزہ دہلی مورخہ ۱۶ دسمبر ۱۹۲۶ء)

یہ گروہ جو قادیانی اور احمدی کے نام سے مشہور ہے حقیقۃً مرتد ہے؟ اگر مرتد ہے تو ان لوگوں کے ساتھ کیسا برتاؤ کرنا چاہئے؟

(۳۶۱) **جواب**۔ جو شخص پہلے مسلمان ہو پھر قادیانی ہو جائے وہ مرتد کے حکم میں ہے۔ اور جو ابتدائے شعور سے ہی قادیانی ہو وہ اگرچہ دائرۂ اسلام سے خارج ہے مگر مرتد کے حکم میں نہیں ہے۔ محمد کفایت اللہ غفرلہٗ

فصل پنجم فرقہ مودودی

سوال

محترمی و مکرمی مفتی صاحب مدظلہ العالی۔

السلام علیکم و رحمۃ اللہ و برکاتہٗ۔ مولانا حبیب الرحمٰن صاحب لدھیانوی نے جناب کے اسم گرامی سے یہ فتوی موسوم کیا ہے کہ مولانا ابو الاعلیٰ مودودی کی جماعت اسلامی سے متعلق حضرات کافر ہیں۔ میں صرف یہ جاننا چاہتا ہوں کہ کیا یہ بات درست ہے کہ جناب نے جماعت اسلامی کے متعلق ایسا فتوی صادر فرمایا ہے تو پھر یہ خاکسار بلا چون و چرا اس کو تسلیم کرلے گا۔ اس لئے کہ جناب کی ذات والا صفات پر بندہ کو کامل اعتماد ہے کہ آپ دین کے معاملہ میں امت محمدی کے کسی فرد کو کسی حالت میں گمراہ نہ کریں گے۔

المستفتی خادم میر مشتاق احمد۔ اردو ناہال۔ اردو بازار۔ دہلی۔

(۳۶۲) **جواب**۔ مکرمی جناب میر صاحب! السلام علیکم و رحمۃ اللہ و برکاتہٗ

مولوی ابو الاعلیٰ مودودی اور ان کی اسلامی جماعت کے متعلق میں نے گمراہ ہونے اور اسلام میں ایک فتنہ ہونے کا بیان تو دیا ہے۔ کافر ہونے کا بیان ابھی تک نہیں دیا ہے۔ تاہم فتنہ قوی اور بہت اندیشہ ناک ہے۔

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہٗ ۹ جون سنہ ۵۱ء

سوال

مودودی صاحب کے زیر اثر جو جماعت اسلامی ہے اس میں شرکت کرنا ان سے تعلق رکھنا ان کی تصانیف پڑھنا کیسا ہے؟

(۳۶۳) **جواب**۔ مودودی جماعت کے افسر مولوی ابو الاعلیٰ مودودی کو میں جانتا ہوں۔ وہ کسی معتبر اور معتمد علیہ عالم کے شاگرد اور فیض یافتہ نہیں ہیں۔ اگرچہ ان کی نظر اپنے مطالعہ کی وسعت کے لحاظ سے وسیع ہے۔ تاہم دینی رجحان ضعیف ہے۔ اجتہادی شان نمایاں ہے۔ اور اسی وجہ سے ان کے مضامین میں بڑے بڑے علمائے اعلام بلکہ صحابہ کرام پر بھی اعتراضات ہیں۔ اس لئے مسلمانوں کو اس تحریک سے علیحدہ رہنا چاہئے اور

ان سے میل جول ربط و اتحاد نہ رکھنا چاہئے۔ ان کے مضامین بظاہر دلکش اور اچھے معلوم ہوتے ہیں مگر ان میں ہی وہ باتیں دل میں بیٹھتی جاتی ہیں جو طبیعت کو آزاد کر دیتی ہیں اور بزرگان اسلام سے بدظن بنا دیتی ہیں۔

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہٗ۔ دہلی۔

فصل ششم فرقہ مہدویہ

سوال

فرقہ مہدویہ جو یہ کہتے ہیں کہ توبہ کا دروازہ بند ہو گیا ان کے ہاتھ کا ذبیحہ جائز ہے یا نہیں؟

(۳۶۴) **جواب**۔ فرقہ مہدویہ جو اطراف دکن میں پایا جاتا ہے، کافر ہے۔ اس کے ہاتھ کا ذبیحہ جائز نہیں

فصل ہفتم فرقہ حران (سندھ)

سوال

ایک مستند پیر جس کے ہزاروں مرید ہیں چند سال سے اپنے دادا پر اس طرح درود پڑھتا ہو اللھم صل علی محمد الزمان السند ھی اللوادی۔ (۲) اپنے دادا کے نام کے ساتھ جل جلالہٗ و جل شانہٗ کہنے کی تلقین کرتا ہو اور اس کو انسانی صورت و جسمانی جامے میں اللہ سمجھنے کی تعلیم دیتا ہو اور اس کے بعد رکن چہارم اسلامی یعنی حج بیت اللہ کی نقل اتار کر شعائر اللہ کی اس طرح توہین کرتا ہو کہ ایک قصبہ کو مکہ اور اس کے نزدیک ایک گاؤں کو مدینہ ایک کوئیں کو چاہ زمزم اور ایک میدان کو عرفات اور ایک قبرستان کو جنۃ البقیع کے نام سے موسوم کر کے نو ذی الحجہ کے دن تین بجے ایک کثیر اجتماع کے سامنے ایک بڑے ممبر پر خطبہ حج پڑھتا ہو اور اختتام حج مصنوعی پر اپنی زبان سے حاضرین کو حج مبارک دیتا ہو اور بطور سند مریدوں کو حج مبارک کا سرٹیفکٹ دیتا ہو اور اپنے دادا کے مقبرہ کا طواف و سجدہ کراتا ہو اور اس کے اشعار پڑھتا ہو جن میں سے چند بطور نمونہ ذیل میں درج کئے جاتے ہیں۔

نور ذاتی کاندراں اوصاف حسنہ شد پدید	شد ظہورش زیں مکان و قصبۂ نور القری
در لواری نور حق شاہ نبیاں آمدہ	آدم و نوح و خلیل و نور رحماں آمدہ
اے ملقب یا محمد سید شاہ زماں!	اے امام الرسل مظہر مصطفی تاج شہاں

مالک ملک نبوت ہم ولایت آمدہ در جہاں ایں نور ذاتی مجسم آمدہ

(۱) ایسے پیر اور اس کے مریدوں کے متعلق شرعاً کیا حکم ہے؟ (۲) ایسے پیر اور اس کے مریدوں سے رشتہ ناتہ کرنا جائز ہے یا نہیں؟ (۳) اور جن سے رشتہ ناتہ ہو چکا ہے اس کے متعلق کیا حکم ہے؟ (۴) ان تمام حالات وحقائق کا علم رکھنے کے باوجود کوئی شخص پیر سے یا پیر کے کسی مرید سے رشتہ ناتہ کرے تو شرعاً کیا حکم ہے؟

المستفتی نمبر ۱۶۶۱ احمد صدیق مدیر اخبار رہبر سندھ کراچی

(۳۶۵) **جواب** - یہ پیر اور اس کے مرید جو ان عقائد شنیعہ کے معتقد ہوں ملحد اور زندیق ہیں۔ ان زنادقہ سے علیحدہ رہنا واجب ہے اور ایسے فاسد العقیدہ لوگوں سے رشتہ ناتہ کرنا ناجائز ہے۔ لیکن اس کے اقارب میں سے اگر کوئی شخص ان عقائد شنیعہ کا معتقد نہ ہو تو محض پیر کا رشتہ دار ہونے کی وجہ سے اس پر یہ حکم عائد نہ ہوگا۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہٗ ۲۷ جمادی الاول ۱۳۵۶ھ مطابق ۵ اگست ۱۹۳۷ء

سوال

(۱) کسی پیر کو شاہ نبیان، مالک ملک نبوت، سید انس وجاں، امام الرسل سمجھنا اور بجائے کعبۃ اللہ کے کراچی میں حج ادا کرنا ایک میدان کو عرفات سمجھنا اور ایک قبرستان کو جنت البقیع کہنا اور ۹ ذی الحجہ کو تین بجے ایک بڑے ممبر پر خطبہ حج ادا کرنا یہ باتیں کہنے اور عقائد رکھنے سے انسان کافر ہو جاتا ہے یا نہیں۔ یہ عقائد کفریہ ہیں یا خوف کفر ہے؟ (۲) کفر اور خوف کفر میں کیا فرق ہے؟

المستفتی نمبر ۲۰۴۲ احمد صدیق (کراچی) ۱۳ رمضان ۱۳۵۶ھ مطابق ۱۸ نومبر ۱۹۳۷ء

(۳۶۶) **جواب** - (۱) یہ عقائد کفریہ ہیں۔ ان سے ہر مسلمان کو تبری کرنا لازم ہے۔ (۲) کفر کا یقینا حکم کر دینا اس وقت ہوتا ہے جبکہ کوئی شبہ باقی نہ رہے۔ اور دلیل میں کوئی شبہ پیش آجائے تو وہاں کہا جاتا ہے کہ خوف کفر ہے۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہٗ دہلی

چودھواں باب
تقلید واجتہاد

سوال

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و ماہرانِ شرع مبین دربارۂ غیر مقلدین جن کے قول حسبِ ذیل ہیں تمام دین اسلام کے احکام حلال و حرام فرض و سنت قرآن کریم و حدیث رسول میں ہیں اور تمام دین آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر پورا ہو چکا ہے اور یہی قرآن شریف میں ہے۔ تمام صحابہ رضی اللہ عنہم اجمعین تمام امت کے پیشوا ہیں۔ ان کے بعد امام اور مجتہد ان کے برابر نہیں ہو سکتے۔ اللہ تعالیٰ اپنی ذات و صفات میں نرالا ہے کوئی اس جیسا نہیں۔ جو کوئی سوا اللہ تعالیٰ کے اوروں سے دعا مانگتے یا ان کو عالم الغیب کہتے ہیں اور مانتے ہیں یا اوروں کا وظیفہ اللہ تعالیٰ کے ذکر کی طرح کرتے ہیں یا مردوں پر چڑھاوے چڑھاتے ہیں۔ قبروں پر عرس میلے کرتے ہیں۔ ان کا طواف کرتے ہیں۔ ان مردوں کو حاضر ناظر جانتے ہیں یا ان کو اولاد دینے والا نفع نقصان پہونچانے والا مانتے ہیں، مشرک ہیں یا ان کا کوئی عمل روزہ نماز عبادت مقبول نہیں۔ اور اللہ تعالیٰ اور اس کے سچے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت و فرمانبرداری سب پر فرض ہے اوروں کی اس طرح نہیں۔ بلکہ جو کوئی امام یا صحابی غلطی سے خلاف قرآن و حدیث کے حکم دیوے وہ ماننے کے قابل نہیں ہے۔ تقلید شخصی قرآن و حدیث اور صحابہ اور چاروں اماموں اور محدثین متقدمین سے ثابت نہیں۔ تقلید کا حکم نہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے دیا نہ چاروں اماموں نے اور نہ صحابہ رضی اللہ عنہم اجمعین میں تقلید جاری تھی نہ اس کا ذکر تھا بلکہ قرآن و حدیث اور چاروں اماموں کے کلام میں اور صحابہ کے عملدرآمد میں تقلید کا لفظ بھی نہیں پایا جاتا جس سے تقلید شخصی جس کا آجکل شور ہے سمجھی جاوے لہٰذا یہ تقلید نہ قرآن نہ حدیث نہ صحابہ نہ اماموں سے ثابت اور نہ کہیں اس کا حکم۔ اور بدعت بڑا گناہ ہے اس سے آدمی مردود و خارج از اسلام ہو جاتا ہے۔ اور بدعت وہ کام ہے جس کو بعد زمانہ آنحضرت رسالت مآب بغیر آپ کے حکم کے اور بعد زمانہ صحابہؓ بغیر ان کے عملدرآمد کے دین میں داخل کیا گیا ہے جس کو لازم سمجھا جاتا ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک طریق و مذہب چھوڑا ہے۔ کئی مذہبوں کی تعلیم و ہدایت نہیں فرمائی۔ اہل سنت والجماعۃ سے مراد آنحضرتؐ کی سنت اور جماعت صحابہؓ کے تابعدار ہیں۔ جو لوگ کسی بزرگ یا امام وغیرہ کی اطاعت و فرمانبرداری کو لازم جانتے ہیں حدیث پر بھی جبھی عمل کرتے ہیں اور اسی حدیث پر کرتے ہیں جس پر ان کے امام و مرشد

نے کہا ہو یا عمل کیا ہو - ورنہ حدیث سے بھی انکار و نفرت و ضد ہے - وہ رسالت کے مخالف ہیں - ان کا کسی حدیث پر عمل کرنا بھی حدیث اور رسول کی عزت اور قدر اور بڑائی کی وجہ سے نہیں ہوتا بلکہ کسی اور کی عزت کی وجہ سے ورنہ وہ سب حدیثوں پر عمل کرتے - سب اماماں و بزرگان دین کی عزت دل میں رکھنی چاہئے - کوئی کلمہ ان کے حق میں سب و شتم یا مذمت کا نہ کہنا چاہئے - اتباع رسول صلی اللہ علیہ وسلم و سبیل المومنین کو اختیار کرنا چاہئے - تمام امت محمدیہ میں قرن اول یعنی جماعت صحابہ بحکم قرآن و حدیث مسلم و مستقل پیشوا اور اماموں کی جماعت ہے - جن کی اتباع اور تابعداری حکم شرعی ہے - سہو و نسیان و غلطی اس امت کی معاف ہے - بحالت خلاف قرآن و حدیث پر پیش کرنا ضروری ہے - اول وقت نماز پڑھتے ہیں - اور جہری نمازوں میں مقتدی و امام بعد ختم سورۂ فاتحہ آمین آواز سے کہتے ہیں - اور سورۂ فاتحہ ضرور پڑھتے ہیں - امام ہو یا مقتدی یا تنہا - رکوع میں جاتے وقت اور رکوع سے اٹھتے وقت دونوں ہاتھوں کو اسی طرح اٹھاتے ہیں جس طرح نیت باندھتے وقت اٹھاتے ہیں - اور نماز ٹھہر ٹھہر کر پڑھتے ہیں - از روئے شرع شریف یہ اچھے مسلمان سنی ہیں یا نہیں - اور ان کے پیچھے نماز ہوتی ہے یا نہیں؟ اور ان کے وعظ سننے اچھے ہیں یا ناجائز؟ اور ان سے ملنا سلام کلام کرنا جائز ہے یا ناجائز؟ بینوا توجروا -

(۳۶۷) **جواب** - غیر مقلدین جن کے خیالات سوال میں مذکور ہیں اصولاً تو اہل السنت والجماعۃ میں داخل ہیں - اور اشخاص کے لحاظ سے اگر ان میں کوئی فرد ائمہ مجتہدین کو سب و شتم کریں یا صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی بدعتیں نکالیں یا سلف صالحین کو برا بھلا کہیں یا مسلمانوں کو بعض معمولی کوتاہیوں پر مشرک و کافر بنائیں یا امامت مطلقہ کا دعویٰ کریں تو میرا اپنا عقیدہ یہ ہے کہ ان باتوں کی ذمہ داری انھیں افراد پر ہوگی جن سے سرزد ہوں - نہ یہ کہ عام غیر مقلدوں کو مورد الزام بنایا جائے یا نفس ترک تقلید پر اہل سنت والجماعۃ سے خارج ہونے کا حکم لگا دیا جائے -

رہے یہ مسائل جن کا سوال میں ذکر ہے، ان میں بہت سے مسائل تو متفق علیہ ہیں اور بہت سے مختلف فیہ اور بعض ہمارے خیال میں افراط و تفریط پر مبنی ہیں - ان کی تفصیل کا نہ یہ فتویٰ متحمل ہے اور نہ سائل کا سوال ان سے متعلق ہے - اس لئے ان تمام افعال کی جملۃً تصویب نہیں کی جا سکتی - اور نہ عام غیر مقلدوں کو اہل السنت والجماعۃ سے خارج کیا جا سکتا ہے اور نہ بالعموم ان سے سلام و کلام کو ناجائز بتایا جا سکتا ہے - واللہ اعلم -

محمد کفایت اللہ غفرلہٗ ۲۰ اکتوبر ۱۹۲۵ء

سوال

ایک شخص تقلید کرنے والے کو مشرک کہتا ہے۔ سو ایسے شخص کے پیچھے نماز ہوتی ہے یا نہیں؟ مدلل بیان فرمائیں۔ بینوا توجروا۔

(۳۶۸) **جواب**۔ جو شخص کہ تقلید کو شرک کہے وہ خود خاطی ہے۔ اور اگر تمام مقلدین کو مشرک بتائے تو اس کے ایمان کی سلامتی مخدوش ہے۔ اس کے پیچھے نماز بھی نہیں ہوتی۔ کیونکہ مطلق تقلید کا ثبوت قرآن مجید اور احادیث صحیحہ اور اقوال صحابہ اور تعامل سلف سے یقینی طور پر موجود ہے اور تقلید شخصی کا جواز بھی قرآن وحدیث واقوال صحابہ وتعامل سلف سے ثابت ہے۔ پس اس کو شرک کہنا جہالت ہے۔

سوال

غیر مقلدین کے یہاں کھانا پینا اور ان کو کھلانا پلانا بلا کراہت جائز ہے یا نہیں؟

المستفتی ۱۱۳ محمد عنایت حسین۔ کھنور۔ ۲۶ رجب ۱۳۵۲ھ مطابق ۱۶ نومبر ۱۹۳۳ء

(۳۶۹) **جواب**۔ بلا کراہت جائز ہے۔ محمد کفایت اللہ۔ کان اللہ لہٗ

سوال

اہل حدیث جن کو ہم لوگ غیر مقلد بھی کہتے ہیں مسلمان ہیں یا نہیں؟ اور وہ اہل سنت والجماعت میں داخل ہیں یا نہیں۔ اور ان سے نکاح شادی کا معاملہ کرنا درست ہے یا نہیں؟

المستفتی ۱۱۷۴ اسمٰعیل محمود ولی صاحب (سورت) ۲۰ جمادی الثانی ۱۳۵۵ھ مطابق ۸ ستمبر ۱۹۳۶ء

(۳۷۰) **جواب**۔ ہاں اہل حدیث مسلمان ہیں اور اہل سنت والجماعت میں داخل ہیں۔ ان سے شادی بیاہ کا معاملہ کرنا درست ہے۔ محض ترک تقلید سے اسلام میں فرق نہیں پڑتا اور نہ اہل سنت والجماعۃ سے تارک تقلید باہر ہوتا ہے۔ فقط محمد کفایت اللہ کان اللہ لہٗ۔ دہلی۔

سوال

(۱) فرقہ اہل حدیث جو فاتحہ خلف الامام آمین بالجہر رفع یدین وغیرہ کرتے ہیں اور رسول اکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بشریت کے قائل ہیں ہم ان کو کافر کہہ سکتے ہیں یا نہیں۔ اگر نہیں تو جو ان کو کافر کہے یا سمجھے اس کے واسطے کیا حکم ہے۔

(۲) ایک معصوم حنفیہ لڑکی فوت ہوتی ہے۔ اس کو ایک اہل حدیث عورت غسل دیتی ہے بدین وجہ

محلہ کا امام اس کا جنازہ نہیں پڑھاتا۔ کیا اس کا فعل شریعت محمدیہ کے موافق ہے۔ اگر نہیں تو ایسے امام کے واسطے کیا حکم ہے۔ (۳) امام مسجد کہتا ہے کہ میں جس آدمی کا جنازہ پڑھاؤں اور جنازہ میں کوئی اہل حدیث شامل نہ ہو تو وہ آدمی قطعی جنتی ہے۔ کیا یہ سرٹیفکٹ صحیح ہے۔ اگر نہیں تو اس کے قائل کے واسطے کیا حکم ہے۔ (۴) ایک شخص کچھ روپیہ مسجد کی توسیع کے واسطے خرچ کرنا چاہتا ہے مگر مولوی کا کہنا ہے کہ وہ اہل حدیث ہے۔ لہٰذا اس کا روپیہ مسجد میں خرچ نہیں ہو سکتا مگر جب وہ شخص خود مولوی سے پوچھتا ہے تو مولوی کہتا ہے کہ وہ روپیہ ہم کو دے دو۔ جب اس کا مال مسجد پر حرام ہے تو مولوی کو کھانا کس وجہ سے حلال ہوا۔ ایسے شخص کے واسطے کیا حکم ہے۔

المستفتی نمبر ۱۲۸۸ محمد اسمٰعیل صاحب (امرتسر) ۲۳ شوال ۱۳۵۵ھ مطابق ۷ جنوری ۱۹۳۶ء

(۳۷۱) **جواب** ۔ (۱) فرقہ اہل حدیث کو کافر کہنا سخت غلطی ہے۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بشر سمجھنے کی بنا پر کافر کہنا تو خود کافر کہنے والے کو کفر کی تاریکیوں میں گرانے کے لئے کافی ہے، کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا بشر ہونا قرآن کی آیات بینات سے ثابت ہے۔ (۲) اس بنا پر کہ معصومہ بچی کو ایک اہل حدیث عورت نے غسل دے دیا، اس کے جنازہ کی نماز نہ پڑھنا سخت جہالت اور گناہ کی بات ہے۔ (۳) امام کا دعویٰ کہ میں جس کے جنازہ کی نماز پڑھاؤں اور نماز میں کوئی اہل حدیث شامل نہ ہو تو وہ میت قطعی جنتی ہے، امام کی جہالت پر مبنی ہے۔ یہ شخص اسلامی تعلیم سے ناواقف یا کوئی بے دین ہے۔ (۴) اہل حدیث کا روپیہ مسجد میں خرچ ہو سکتا ہے۔ لیکن اگر مسجد میں خرچ کر کے اہل حدیث اس پر قبضہ کرنا چاہے تو اس کے روپیہ کو خرچ نہ کرنا مباح ہے۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہٗ۔ دہلی۔

سوال

(۱) یہاں پر اہل حدیث اور حنفیوں میں جھگڑا ہے۔ بہت سے حنفیوں کو ان کے مولویوں نے اہل حدیث کر لیا ہے۔ اور وہ کہتے ہیں کہ الحمد (۲) رفع یدین حضرت نے ہمیشہ کیا اور حضرت نے سینہ پر ہاتھ باندھے۔ اور یہ بھی (۳) تحریر فرمائیے کہ تراویح کتنی پڑھی جاتی ہیں۔ مولوی عبدالغفار اہل حدیث کہتے ہیں کہ حضرت نے رفع یدین مرتے وقت تک کیا ہے۔ آپ تحریر فرمائیے کہ حضور نے رفع یدین کیا یا نہیں اور تراویح ۸ پڑھیں یا ۲۰ پڑھیں۔ اور اہل حدیث کہتے ہیں کہ یہی گروہ جنتی ہے اس کا جواب مع آیت اور حدیث کے تحریر فرمائیے تاکہ مسلمان اس طرف ہو جائیں۔ المستفتی نمبر ۱۵۴۳ ملا عبدالحق صاحب (ضلع متھرا) ۱۸ ربیع الثانی ۱۳۵۶ھ مطابق ۲۸ جون ۱۹۳۷ء

(۲۷۲) **جواب** ۔ (۱) امام کے پیچھے مقتدی کو الحمد نہیں پڑھنی چاہئے ۔ صحیح مسلم میں حدیث ہے کہ پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے ۔ وَإِذَا قَرَأَ فَأَنْصِتُوا یعنی جب امام قرأت کرے تو تم خاموش رہو (۲) رفع یدین پہلے رکوع کو جاتے وقت اور رکوع سے اٹھتے وقت کیا جاتا تھا لیکن عبداللہ ابن مسعودؓ کی روایت سے ثابت ہے کہ اخیر میں یہ رفع یدین ترک کر دیا گیا تھا ۔ وفات تک حضورؐ سے رفع یدین کرنے کا ثبوت نہیں ۔ (۳) تراویح کی بیس رکعتیں پڑھنی چاہئیں ۔ آٹھ رکعتیں تہجد کی ہیں ۔ تراویح کی بیس رکعتیں حضرت عمرؓ کے زمانہ سے ثابت ہیں ۔ اور چاروں اماموں میں سے کوئی بیس سے کم کا قائل نہیں ۔ (۴) قرآن اور حدیث اور فقہ پر عمل کرنے والے ان شاء اللہ سب جنتی ہوں گے ۔ اہل حدیث کا یہ دعویٰ کہ ان کا فرقہ ہی جنتی ہے غلط ہے ۔

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہٗ ۔ دہلی

سوال

(۱) زید فرضی جماعت کے برابر منفرد نماز پڑھتا ہے ۔ اس کے ساتھ نہیں ملتا ۔ کیا اس کی نماز ہوتی ہے یا نہیں ۔ وجہ یہ ہے کہ امام غیر مقلد ہے ۔

(۲) کیا موجودہ وہابیوں یا غیر مقلدوں کے خلف نماز پڑھنی جائز ہے یا نہیں ۔ اثبات و نفی کی وجہ تحریر فرمائیں ۔

(۳) موجودہ وہابیوں یا غیر مقلدوں کو کافر اسلام سے خارج اور جہنمی اور گمراہ کہنا جائز ہے یا نہیں کیا جو شخص یہ الفاظ استعمال کرتا ہے اس پر کوئی حرف منجانب قرآن اور حدیث اور فقہ سے آتا ہے یا نہیں

(۴) اُن کے ساتھ مصافحہ کرنا جائز ہے یا نہیں ۔ (۵) ان کے ساتھ رشتہ کرنا جائز ہے یا نہیں ۔

المستفتی ۲۲۸۹ محمد پنجابی معرفت امیر نواب پشاوری متعلم مدرسہ امینیہ ۵ ربیع الثانی ۱۳۵۷ھ مطابق ۵ جون ۱۹۳۸ء

(۲۷۳) **جواب** ۔ (۱) نماز تو ہو جاتی ہے مگر وہ ترک جماعت کی وجہ سے گنہگار ہوتا ہے امام کا غیر مقلد ہونا جماعت میں شریک نہ ہونے کے لئے عذر صحیح نہیں ہے ۔ (۲) غیر مقلدوں کے پیچھے حنفی کی نماز جائز ہے ۔ (۳) غیر مقلدوں کو کافر اور دائرۂ اسلام سے خارج قرار دینا صحیح نہیں ۔ ایسا کہنے والا سخت گنہگار ہوگا ۔ کیونکہ ترک تقلید فی حد ذاتہ کفر نہیں ہے ۔ (۴) جائز ہے ۔ (۵) جائز ہے ۔

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ دہلی ۔

سوال

ہمارے یہاں ایک اہل حدیث غیر مقلد مولوی صاحب آئے اور تقریریں فرمائیں جس میں تقلید کی رد اکثر بیان کی۔ اس تقریر سے لوگوں کا دل جانب اہل حدیث ہوگیا اور اہل حدیث بننے کے لئے آمادہ ہیں مگر انتظار آپ کے فتوے کا ہے۔ اس لئے ہمارے سوال کا جواب جلدی سے دیویں۔

(۱) کیا تقلید ائمہ اربعہ قرآن و حدیث سے ثابت ہے؟

(۲) تقلید ائمہ اربعہ سے بعضے فرمانِ نبوی بھی چھوٹ جاتے ہیں تو کیا رسول کی پیروی چھوڑ کر امام کی پیروی کریں؟

(۳) رسولِ مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد کوئی امام سو برس کے بعد اور کوئی ڈیڑھ سو برس کے بعد پیدا ہوئے تو پھر ان کی پیروی کس طرح کریں؟

(۴) کیا اماموں نے فرمایا تھا کہ ہماری پیروی کرو؟

(۵) کیا اماموں کا بھی کوئی امام تھا۔ ہمیں جب ضرورت ہے تو ان کو کیوں ضرورت نہ ہو؟

(۶) بعضے فقہ کی کتابوں میں مسئلہ بیان کرتے ہیں تو ایسا لکھتے ہیں کہ فلانے امام نے ایسا کیا فلانے نے ایسا کہا۔ رسول مقبول نے یہ فرمایا ایسا کیوں نہیں لکھتے؟

(۷) کوئی امام فرماتے ہیں حرام ہے اور کوئی فرماتے ہیں حلال ہے تو کیا اسلام نے ایسے فرقے بنائے ہیں؟

المستفتی نمبر ۲۴۹۲ ابراہیم سلیمان صاحب (سورت) ۱۳ ربیع الاول ۱۳۵۸ھ مطابق ۴ مئی ۱۹۳۹ء

(۳۷۴) **جواب** - قرآن مجید میں ہے فاسئلوا اھل الذکر ان کنتم لا تعلمون۔ یعنے (مسلمانو!) تمھیں علم نہ ہو تو اہل علم سے دریافت کرو۔ اہلِ علم میں حضرات ائمہ مجتہدین بدرجۂ اولیٰ داخل ہیں۔ ان کی تقلید کرنا اس بنا پر ہے کہ وہ قرآن و حدیث کے عالم اور ماہر اور مجتہد تھے۔ وہ جو کچھ کہتے تھے قرآن اور حدیث کے ماتحت کہتے تھے۔ اس لئے ان کی بات خدا رسول کے احکام کے خلاف نہیں ہوتی تھی۔

(۲) ائمہ اربعہ کی تقلید سے حدیثِ نبوی چھوٹ نہیں سکتی کیونکہ ان چاروں اماموں کو تمام امت نے مانا ہے کہ یہ امام عالم مجتہد متبع قرآن و حدیث تھے۔

(۳) جس طرح رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد کوئی محدث سو برس کے بعد کوئی دو سو برس کے بعد کوئی اس سے زیادہ زمانہ کے بعد پیدا ہوئے اور اس کے بعد انھوں نے حدیث کی کتابیں لکھیں مگر

اس سے ان کی کتابیں کمزور اور ناقابل اعتبار نہیں سمجھی گئیں۔ اسی طرح امام ابو حنیفہ ۸۰ھ میں پیدا ہوئے اور امام شافعی ۱۵۰ھ میں پیدا ہوئے اور خدا نے انہیں عالم اور مجتہد اور امام بنایا اور انہوں نے قرآن و حدیث سے دین کے مسائل استنباط کئے تو اس میں اعتراض کی کوئی بات نہیں۔

(۴) اماموں نے کہا ہو یا نہ کہا ہو خدا اور رسول نے حکم دیا ہے کہ اہل علم و اجتہاد کی پیروی کرو۔

(۵) اماموں کا علم اور قوت اجتہاد۔ دین کو سمجھنے اور مسائل کا استنباط کرنے کے لئے کافی تھی۔ وہ براہ راست قرآن و حدیث کے مقلد تھے اور ہم ان کے ذریعہ سے قرآن و حدیث کے مقلد ہیں۔

(۶) فلاں امام نے ایسا کہا اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ فلاں امام نے قرآن و حدیث کا یہ مطلب بیان کیا۔ یہ مطلب ہرگز نہیں ہوتا کہ فلاں امام نے اپنی طرف سے یہ بات کہی۔

(۷) یہ اختلاف تو صحابہ میں بھی تھا۔ اور حدیثوں میں بھی ایسا اختلاف ہے کہ ایک حدیث سے ایک چیز کا جواز معلوم ہوتا ہے اور دوسری سے اسی چیز کا عدم جواز۔ پھر مجتہد کا یہ کام ہے کہ وہ یہ بتائے کہ کون سی حدیث قابل عمل ہے اور کون سی منسوخ یا ماؤّل ہے۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہٗ۔ دہلی۔

سوال

اہل سنت والجماعۃ کے چار امام ہیں اور چاروں کے چار طریقے ہیں۔ ان چاروں میں سے کون سا امام موافق طریق نبوی ہے۔ باقی تین کے لئے کیا حکم ہے۔

المستفتی نمبر ۲۸۰۲ محمد انعام الحق۔ دہلی۔ ۸ رمضان المبارک ۱۳۶۵ھ

(۳۷۵) **جواب**۔ ائمہ اربعہ اسلام کے اصول و مبادی میں متفق ہیں۔ ایک ذرہ بھر اختلاف نہیں ہے۔ ہاں عملی مسائل میں ان کے اندر اختلاف پایا جاتا ہے۔ وہ اختلاف دراصل اسلام میں نہیں ہے۔ بلکہ آپس کے دماغی تناسب اور رجحانات کا اختلاف ہے۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اعمال میں مختلف مدارج تسہیل کی غرض سے طے فرمائے ہیں ان مختلف مدارج کی ترتیب نہ معلوم ہونے یا تسلیم نہ کرنے یا مختلف مقاصد پر محمول کرنے کی وجہ سے آپس میں اختلاف ہو گیا۔ مگر مآل اور مقصد میں سب متفق ہیں۔ اس قسم کا اختلاف ہر نیک سے نیک کام میں ہو جاتا ہے۔ مثلاً دس آدمی اس امر میں متفق ہوتے ہوئے کہ محتاج کو کھانا کھلانا ثواب کا کام ہے جب عمل کرنے لگیں تو ایک شخص تو کھانے کی جگہ اس کو نقد پیسے دیدے دوسرا ایک قسم کا کھانا اور تیسرا دوسری قسم کا کھانا دے تو دس آدمیوں کے عمل کی دس صورتیں ہو جائیں گی

مگر مقصد میں سب متفق ہیں۔ اہل سنت کے چار اماموں میں اسی قسم کا اختلاف ہے۔ حقیقت اسلام میں سب متفق ہیں عملی فریضے کی عملی صورت میں اختلاف ہے۔ اور جو صورتیں اختلاف میں متحقق ہوتی ہیں، وہ سب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہیں۔ پس ان میں سے کسی ایک صورت کو کسی نے آخری سمجھا اور اس کو عمل کے لئے متعین کرلیا۔ کسی نے دوسری صورت کو۔ اور کسی نے سب صورتوں کو جائز سمجھ کر عامل کو اختیار دیدیا کہ جو چاہے اختیار کرلے۔ مقصود سب کا اتباع سنت نبویہ ہے۔ اختلاف اس میں ہے کہ کون سی صورت سنت ہے۔ تو یہ اختلاف دین میں نہیں ہے۔ بلکہ لوگوں کے خیال اور تتبع اور تلاش میں ہے اور اس کا دین پر کچھ اثر نہیں۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہٗ۔ دہلی

سوال

مجتہد کس کو کہتے ہیں؟ مجتہد ہر زمانے میں ہوسکتا ہے یا نہیں؟ اگر نہیں تو کیوں؟

المستفتی نمبر ۲۵۳۳ محمد ضیاء الحق متعلم مدرسہ امینیہ دہلی مورخہ ۲۸ جمادی الثانی ۱۳۵۸ھ مطابق ۱۶ اگست ۱۹۳۹ء

(۳۷۶) **جواب**۔ مجتہد اس کو کہتے ہیں جس کو قرآن مجید، حدیث شریف اور علوم شرعیہ میں اتنی دسترس ہو کہ وہ احکام شرعیہ کا استنباط کرسکے۔ مجتہد کا وجود ہر زمانے میں ممکن ہے۔ مگر فقہائے کرام نے قرن اول کے مجتہد کے بعد عوام مسلمین کو سلف کے مجتہدین کے اتباع کا حکم اس لئے دے دیا ہے کہ آئندہ دین متین میں ہر مدعی اجتہاد رخنہ اندازی نہ کرسکے۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہٗ، دہلی۔

سوال

متعلقہ ائمہ مجتہدین (سوال دستیاب نہیں ہوا)

(۳۷۷) **جواب**۔ واضح ہو کہ ہم لوگ حضرت سراج الامۃ امام الائمہ امام اعظم ابوحنیفہ کوفی رحمۃ اللہ رحمۃ واسعۃ کے پیرو اور مقلد ہیں۔ ہمارا اعتقاد ہے کہ حضرت امام اعظمؒ کتاب اللہ قرآن مجید و احادیث نبویہ علی صاحبہا افضل السلام وازکی التحیۃ کے اعلیٰ درجے کے عالم اور علوم دینیہ کے اول درجے کے ماہر تھے۔ انھوں نے قرآن پاک اور احادیث سے جو احکام فقہیہ نکال کر فقہ کو مدون کیا ہے وہ صحیح معنوں میں قرآن پاک اور احادیث کا عطر ہے۔ خدا تعالیٰ نے اپنی رحمت کاملہ کے لازوال خزانوں سے فقہ فی الدین کا بیش قدر ذخیرہ انھیں عطا فرمایا تھا۔ اور تفقہ فی الدین میں ان کی رفعت شان نہ صرف احناف بلکہ علمائے مذاہب اربعہ کے نزدیک مسلّم ہے۔ اس لئے ان کے بتائے ہوئے اور نکالے ہوئے احکام پر عمل

کرنا بعینہ قرآن و حدیث پر عمل کرنا ہے۔ معاذ اللہ ثم معاذ اللہ ہمارا یہ خیال و عقیدہ ہرگز نہیں کہ امام ابو حنیفہ کو منصب تشریع احکام حاصل ہے۔ یعنی احکام شرعیہ محض اپنے قیاس و رائے سے وہ بنا سکتے ہیں یا بناتے تھے۔ یا اون کے احکام بہر صورت واجب التعمیل ہیں، خواہ وہ قرآن و حدیث کے خلاف ہی کیوں نہ ہوں۔ ہم اونھیں معصوم نہیں سمجھتے صحابہ کرام کے برابر نہیں سمجھتے۔ پھر نعوذ باللہ رسول ؐ کے برابر سمجھنا تو کجا۔ وہ صرف ایک امتی تھے۔ بشر تھے۔ لوازم بشریت، خطا و نسیان سے بھی مبرا و منزہ نہ تھے۔ مگر ہاں عالم تھے اور بہت بڑے عالم تھے۔ فقیہ تھے اور کامل فقیہ تھے۔ مجتہد تھے اور مسلم مجتہد تھے۔ مبدأ فیاض نے زیور علم و تفقہ تقوی و پرہیزگاری سے آراستہ کرنے کے ساتھ ہی اونھیں شرف تابعیت بھی عطا فرمایا تھا۔ اور خیر القرون میں ہونے کی بزرگی عطا فرمائی تھی۔ باوجود اس علم و اعتقاد کے وہ ایک انسان تھے۔ اور اون سے غلطی اور خطا ممکن۔ ہمارا یہ اعتقاد بھی ہے کہ ہر کس و ناکس کو یہ مرتبہ اور حق حاصل نہیں کہ اون کے اقوال میں سے کسی قول کو بے اصل یا بے دلیل بتائے یا اون کے کسی قول کو خلاف حدیث ہونے کا الزام لگا کر چھوڑ دے۔ ہمارے مبلغ علم ہی کیا ہیں کہ ہم احادیث کے ناسخ و منسوخ، مقدم و مؤخر، ماؤل و مفسر اور محکم کو معلوم کر سکیں اور حدیث کی چند کتابیں یا چند رسالے پڑھ کر ایک ایسے مسلم مجتہد کے اقوال کی تغلیط اور اوس کے تخطیہ پر آمادہ ہو جائیں۔

بزرگان سلف میں سے جو لوگ کہ علوم دینیہ میں کامل دستگاہ رکھتے تھے۔ اور قدرت نے اونھیں خزانہ علوم سے پورا حصہ عطا فرمایا تھا، اونھوں نے امام اعظم کے اقوال اور مسائل کو نظر تدقیق و تحقیق سے دیکھا اور جانچا۔ مخالفین کے اعتراضات کی جانچ پڑتال کی اور امام صاحب کے اقوال کے ماخذ نکال کر دکھلائے اور اون کے اقوال کو مدلل کر دکھایا۔ ہاں معدودے چند بعض مسائل ایسے بھی ملے کہ اون میں امام صاحب کے قول کے ماخذ پر اونھیں بھی پوری اطلاع نہ ملی اور امام ابو یوسف یا امام محمد رحمہما اللہ کے اقوال کو اونھوں نے اوس مسئلے میں اپنے علم اور خیال کے موافق راجح بتایا تو متاخرین حنفیہ نے بلا تردد ایسے مسائل میں امام صاحب کے قول کو چھوڑ کر اون علمائے اعلام کے قول کے موافق امام ابو یوسف یا امام محمد رحمہما اللہ وغیرہما کے اقوال کو معمول بہا بنا لیا۔ فقہ حنفی میں بہت سے مواقع ایسے ہیں کہ اون میں امام صاحب کے قول پر فتوی نہیں ہے بلکہ صاحبین وغیرہما کے اقوال مفتی بہا ہیں۔ اور یہ صاف اس امر کی دلیل ہے کہ ہم خدانخواستہ امام ابو حنیفہ کو بالذات واجب الاطاعت نہیں سمجھتے۔ بلکہ اون کا اتباع اور تقلید صرف اسی حیثیت سے کرتے ہیں کہ

وہ ہم کو کتاب اللہ تعالیٰ اور سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ سلم کی صراط مستقیم پر چلانے والے ہیں۔ اور شاہراہ سنت پر ہمارے رہبر ہیں۔ اگر کسی موقع پر علمائے متبحرین کاملین کے ارشاد سے امام ابو حنیفہ کے اقوال کا ماخذ ہمیں معلوم نہیں ہوتا اور صاحبین وغیرہما کا قول بظاہر زیادہ اوفق بالکتاب والسنۃ ہوتا ہے تو ہم وہاں امام صاحب کے قول پر اصرار نہیں کرتے بلکہ صاحبین وغیرہما کے قول پر عمل کر لیتے ہیں، کیونکہ مقصود اصلی اتباع خدا و رسول ہے۔

مگر اس کے ساتھ یہ بھی واضح رہے کہ جو مسائل امام ابو حنیفہ اور امام شافعی اور امام مالک اور امام احمد بن حنبل رحمہم اللہ میں مختلف فیہا تھے اور اون میں امام صاحب کی قوت اجتہادیہ نے ایک طرح پر فیصلہ کیا اور امام شافعی کی قوت اجتہادیہ نے دوسری طرح فیصلہ کیا اور یہ بھی ہمیں معلوم ہے کہ امام شافعی نے جن احادیث کی بنا پر یہ حکم دیا ہے وہ حدیثیں امام صاحب کو پہنچیں مگر پھر بھی امام صاحب نے اون کا وہ مطلب نہیں سمجھا اور نہ اون کے نزدیک وہ اس حکم کے اثبات کے لئے کافی ہوئیں جو حکم امام شافعی نے اون کی بموجب دیا ہے تو ایسے مسائل میں ہمارے یعنی حنفیہ کے ذمے لازم ہے کہ۔ (ناتمام)

سوال

(از اخبار الجمعیۃ مورخہ ۱۴ اپریل ۱۹۲۷ء)

میرا ارادہ ہے کہ میں شافعی مذہب میں ہو جاؤں۔ کوئی کتاب ایسی ہووے جس میں مفصل چاروں مذاہب کا خلاصہ ہو اور میں اب تک حنفی مذہب پر رہا۔

(۳۷۸) **جواب**۔ کیوں حنفی مذہب چھوڑ کر شافعی ہو جانے کا ارادہ کیوں ہے؟ ایسی کیا ضرورت پیش آئی ہے؟ محمد کفایت اللہ غفرلہٗ

پندرھواں باب

متفرقات

سوال

عامۂ مسلمین کی ایک کثیر جماعت کا یہ عقیدہ ہے کہ سیدنا حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ حضرت مسیحؑ کی طرح امت محمدیہ کے گناہوں کا کفارہ ہوگئے اور محض حضرت امام کی شہادت کی وجہ سے ہزارہا سیاہ کاران امت بہشت میں داخل ہوں گے۔ چونکہ یہ عقیدہ عام ہوتا جاتا ہے۔ اور ایک گروہ کثیر اس کی جانب رغبت رکھتا ہے بلکہ اس کو بالکل سچ سمجھتا ہے لہٰذا ضرورت ہے کہ گہری تنقیدی نظر ڈالی جائے تاکہ جہلا کے عقائد درست ہوں۔

(۳۷۹) **جواب**۔ قال اللہ تعالیٰ لا تزر وازرۃ وزر اخری یعنی ایک کا گناہ دوسرا نہیں اٹھائیگا۔ یہ نص قرآنی اس بارے میں صریح ہے کہ اصول اسلام کے بموجب کفارہ کا خیال غلط اور محض باطل ہے۔ عیسائیوں کا یہ عقیدہ کہ مسیح گناہگاروں کے گناہوں کا کفارہ بن گئے خود ان کا تراشیدہ عقیدہ ہے۔ عقل اور قوانین الٰہیہ کے خلاف ہے۔ زید کے بدلے عمرو کو پھانسی دینا یا سزا دینا کسی عقلمند کے نزدیک جائز نہیں۔ پس احکم الحاکمین کا عدل ایسے ظلم کو کیسے جائز رکھ سکتا ہے۔ اور اسلام کا مسئلہ شفاعت اس مسئلے سے بالکل جدا ہے۔ کفارہ کو شفاعت پر قیاس کرنا غلط ہے۔ شفاعت کی حقیقت یہ ہے کہ کوئی مقرب بارگاہ خداوندی کسی گناہگار کے متعلق بارگاہ قدسی میں اس کے گناہ معاف کئے جانے کی درخواست کرے۔ اور ظاہر ہے کہ اس میں کوئی عقلی قباحت نہیں ہے۔ کیونکہ سزا دینا خداوند تعالیٰ کا حق ہے۔ اور صاحب حق سے معافی طلب کرنا اور عفو کی درخواست کرنا کسی طرح ظلم یا ناانصافی میں داخل نہیں۔ اور خدا تعالیٰ کا شفاعت کو قبول فرمالینا یہ ہے کہ وہ اپنے حق کو معاف فرمادے۔ اور صاحب حق کا اپنے حق کو معاف فرمادینا رحم وشفقت ہے نہ ظلم وناانصافی۔ اور کفارہ کی حقیقت یہ ہے کہ زید عمرو وغیرہ نے گناہ کیے اور مستحق سزا ہوئے لیکن خدا نے ان کے بدلے میں ایک ناکردہ گناہ کو پکڑ لیا اور ان کے گناہوں کی سزا اس کو دے دی۔ یہ صریح ظلم ہے جو خدا تعالیٰ کی مقدس ذات سے بالکل ناممکن ہے۔ نیز یہ کہنا کہ امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شہادت امت محمدیہ کے گناہوں کا کفارہ ہوئی ہے اس کے معنی یہ ہیں کہ خدا تعالیٰ نے امت محمدیہ

کے گناہگاروں کے گناہوں کی سزا امام حسین علیہ السلام کو دے دی۔ اور یہ خیال سراسر باطل اور بیہودہ ہے۔ اوّل تو یہ کہ اس کے لئے کوئی شرعی دلیل نہیں ہے۔ دوسرے یہ کہ کیا امت محمدیہ حضرت امام حسین علیہ السلام سے زیادہ خدا کے نزدیک پیاری ہے کہ اس کی بلا ان کے سر ڈال دی گئی۔ حضرت امام حسین رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کے جگر گوشہ اور نواسے اور محبوب تھے۔ اور امت اگرچہ امت ہونے کی جہت سے آپ کو پیاری ہے لیکن نہ اتنی پیاری کہ آپ کے جگر گوشہ کو امت پر سے قربان کر دیا جائے۔ الغرض یہ خیال اور عقیدہ شریعت محمدیہ کے سراسر مخالف ہے اور نصوص قرآنیہ سے بالکل مبائن۔ اس سے توبہ کرنا چاہئے۔

سوال

ایک جگہ خلق خدا نے مقرر کی ہے کہ اگر کوئی شخص اس جگہ کے چشمہ میں نہائے تو اس کی بیماری دور ہو جاتی ہے جس پر ایک شخص مدعی ہے کہ یہ شرک ہے۔ حکیم کا علاج کرنا چاہئے۔

(۳۸۰) **جواب**۔ بعض چشمے ایسے ہوتے ہیں کہ بعض قدرتی نامعلوم اسباب کی وجہ سے ان کے پانی میں کوئی خاص تاثیر ہوتی ہے۔ پس اگر شہادتِ تجربہ سے کسی چشمے کے پانی میں کوئی خاص تاثیر ثابت ہو جائے تو اس میں نہلانے کا حکم وہی ہے جو دوا و علاج کرنے کا ہے۔ اور اسے شرک کہنے والا غلط کہتا ہے۔ لیکن پانی میں اگر کوئی خاص تاثیر نہ ہو مگر لوگ اسے متبرک اور بزرگ پانی سمجھ کر نہاتے ہوں تو اگر اس کی برکت اور بزرگی کے لئے کوئی کافی وجہ ہو جیسے آب زمزم اور شفا دینے والا خدا کو ہی سمجھیں تاہم جائز ہے۔ لیکن اگر کوئی کافی وجہ بزرگی اور برکت کی نہ ہو یا اس چشمے کی نسبت یہ عقیدہ ہو کہ حقیقی شفا دینے والا یہی ہے تو نہانا جائز نہیں ہے اور یہ دوسرا خیال شرک ہے۔

سوال

مسلمانوں میں بہت سے لوگوں میں یہ خیال پختہ ہے کہ ہر شہر اور قریہ میں ایک قطب کا ہونا لازمی ہے۔ کیا یہ واقعہ ہے؟ اگر ہے تو جہاں مسلمانوں کی آبادی بالکل نہیں جیسے یورپ اور امریکہ کے بعض شہر تو کیا وہاں بھی قطب ہوتے ہیں۔

المستفتی ۱۸۹ اسمٰعیل ابراہیم محمدی ۱۱ شوال ۱۳۵۲ھ مطابق ۲۷ جنوری ۱۹۳۴ء

(۳۸۱) **جواب**۔ ہر شہر اور قریہ میں قطب کا ہونا روایات صحیحہ سے ثابت نہیں۔ ہاں جہاں مسلم آبادی ہو ان میں خدا کے مقبول بندے بھی ضرور ہوتے ہیں گو وہ عام لوگوں کو معلوم نہ ہوں۔ بعض اولیاء اللہ اصحاب خدمت

ہوتے ہیں اور اکثری طور پر وہ لوگوں کی واقفیت سے باہر ہوتے ہیں۔ لیکن ان کی تعداد اور ان کے نظم کے متعلق بھی کوئی صحیح معلومات نہیں ہیں۔ اہل تصوف نے ابدال اوتاد اقطاب کے درجے مقرر کئے ہیں اور ان کی تعداد اور مفوضہ خدمات کے متعلق کچھ بزرگوں کے مکاشفات ہیں۔ تاہم یہ کوئی عقائد کی بات نہیں۔ اللہ پر ہی اس کے علم کو مفوض کرنا چاہئے۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہٗ

سوال

ایک مولوی نے یہ خبر سنی کہ دہلی سے تار آیا ہے کہ وہاں اونتیس کا چاند ہو گیا ہے۔ اسی خبر پر اس نے روزے افطار کرادیئے اور عید کرلی اور یہ کہہ دیا کہ اس کا تمام گناہ میرے ذمہ ہے۔ آیا اس تار کی خبر پر روزے افطار کرانا اور اپنے ذمہ گناہ لینا درست ہے؟

(۳۸۳) **جواب**۔ صرف اس طرح خبر سن کر کہ دہلی سے تار آیا ہے کہ وہاں چاند اونتیس کا ہو گیا ہے روزے افطار ڈالنا اور عید کرلینا ہرگز درست نہیں۔ عید کے چاند کے ثبوت کے لئے دو عادل آدمیوں کی گواہی شرط ہے۔ صورت مسئولہ میں اول تو تار خود اپنے پاس نہیں آیا، اور پھر اگر اپنے پاس بھی آئے جب بھی چونکہ تار میں کمی بیشی اور غلطی ہوتی رہتی ہے اس لئے وہ ثبوت رویت ہلال کے واسطے کافی نہیں۔ وان کان بالسماء علة لاتقبل الا شهادة رجلين اورجل وامرء تين ويشترط فيه الحرية ولفظ الشهادة كذا في خزانة المفتين وتشترط العدالة هكذا في النقاية انتهى مختصرا (هنديه ص۱۹۸ ج ۱) اور کسی شخص کا نعوذ باللہ یہ کہنا کہ روزے افطار کرلو اس کا تمام گناہ میرے ذمہ ہے بہت بڑی دیدہ دلیری ہے۔ بلکہ اس میں خوف کفر ہے۔ کس میں اتنی طاقت ہے کہ عذاب خداوندی کا متحمل ہو سکے۔ ایسی باتوں سے احتراز واجب ہے۔

سوال

کسی منکر (برا فعل بری رسم) کا ازالہ بروئے شریعت اسلامیہ ضروری ہے یا نہیں؟ کسی شیخ یا پیر کا اپنی جماعت کو یہ ہدایت کرنا کہ صرف میری جماعت سے رشتہ نکاح قائم کرو دوسرے مسلمانوں سے یہ تعلق قائم نہ کیا جائے۔ یا اس کی جماعت اپنے طور سے یہ عقیدہ قائم کرلے۔ ایسا عقیدہ ایسا حکم بروئے شریعت منکرات میں داخل ہے یا نہیں؟ منکرات کے ازالہ اور دور کرنے کی کیا صورت ہے؟

المستفتی نمبر ۲۲۸ محمد الدین نصیر آبادی ۱۶ ذی قعدہ سنہ ۱۳۵۲ھ مطابق ۳ مارچ سنہ ۱۹۳۴ء

(۳۸۳) **جواب** ۔ یہ ہدایت اور تلقین اگر اس بنا پر ہے کہ اپنی جماعت کے سوا دوسرے مسلمانوں کے ساتھ رشتۂ ازدواج قائم کرنے کو وہ ناجائز قرار دیتا ہے تو یہ حکم شریعت کی صریح خلاف ورزی ہے۔ منکر سے مراد وہ چیزیں ہیں جن سے شریعت نے منع کیا ہے۔ اگر وہ اتفاقی طور پر منکر ہیں تو ہر مسلمان کو ان کے روکنے کی سعی کرنی چاہئے اور اگر اختلافی ہیں تو اپنے فریق میں روک سکتے ہیں۔ مثلاً کچھوے کا گوشت کھانا حنفیہ کے نزدیک منکر ہے شوافع کے نزدیک منکر نہیں تو حنفیوں کو روکنا اور منع کرنا درست ہے۔ شوافع کو ہم نہیں روک سکتے۔ ازالۂ منکر کی وہ صورتیں جو ہماری استطاعت میں ہوں اختیار کرنی جائز ہیں۔ اور وہ زبانی نصیحت و تبلیغ یا کبائر کے لئے مقاطعۂ معاشرتی کی صورت ہے۔ واللہ اعلم محمد کفایت اللہ

سوال

شریعت کے احکام امیر و غریب دونوں پر یکساں ہیں یا اس میں کچھ تفاوت ہے؟

(۳۸۴) **جواب** بعض احکام میں فرق ہے۔ مثلاً فقیر پر زکوٰۃ واجب نہیں۔ حج فرض نہیں۔

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہٗ

سوال

لفظ غفران پناہ غیر خدا پر بولا جا سکتا ہے یا نہیں؟

المستفتی نمبر ۱۰۷۵ سیٹھ عبدالستار صاحب (سورت) ۸ رجادی الاول ۱۳۵۵ھ مطابق ۲۸ جولائی ۱۹۳۶ء

(۳۸۵) **جواب** ۔ جب کہ غفران پناہ غیر خدا کے لئے استعمال کیا جائے مثلاً یوں کہیں زید غفران پناہ تو اس کے معنی یہ ہوں گے کہ زید جس کی پناہ غفران ہے یعنی حضرت حق کی مغفرت اور بخشش اس کی پناہ گاہ ہے تو یہ معنی صحیح اور درست ہیں۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہٗ دہلی

سوال

(۱) عاشورہ کے دس روز کے وعظ میں یہاں گشتی مولوی نے وعظ کہا جس میں شہدائے کربلا کے حالات بہت مبالغہ آمیز اور غم و اندوہ کے جذبات کو مشتعل کرانے والے الفاظ میں مرثیہ اور نوحے وغیرہ کے اشعار ملا کر بیان کیے۔ مذہب اہل سنت والجماعت کے مطابق ایسے طرز پر بیان کرنا جائز ہے یا نہیں

(۲) یزید کو کافر کہہ سکتے ہیں یا نہیں اور اس پر لعنت کر سکتے ہیں یا نہیں؟

المستفتی نمبر ۱۱۶۵ عبدالرحمن و محمد حسین صاحبان (سادرہ) ۶ رجادی الثانی ۱۳۵۵ھ مطابق ۲۵ اگست ۱۹۳۶ء

(۳۸۶) **جواب**۔ مبالغہ آمیز حالات بیان کرنا اور لوگوں کو غلط فہمی میں مبتلا کرنا کسی حالت میں بھی جائز نہیں۔ (۲) یزید کو کافر کہنا احتیاط کے خلاف ہے۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہٗ دہلی۔

سوال

آجکل اکثر اخبارات ورسائل میں تکفیر کے جھگڑے دیکھے جاتے ہیں۔ علمائے حق میں سے اکثر لوگ مولانا شبلی اور مولانا حمید الدین فراہی کو کافر سمجھتے ہیں اور اکثر لوگ اس کے مخالف ہیں جیسے حضرت مولانا حسین احمد صاحب مدنی۔ اس کے متعلق حضور کا کیا خیال ہے۔ کیا واقعی وہ لوگ قابل تکفیر ہیں اس مضمون کے زیر عنوان حضور نے جواب عنایت فرمایا ہے۔ اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ حضرت کے فتوی سے مولانا حمید الدین فراہی اور دیگر کارکنان مدرسۃ الاصلاح کی بریت تو ثابت ہوتی ہے۔ مگر مولانا شبلی صاحب کی بریت ثابت نہیں ہوتی۔ بعض لوگ مولانا کے فتوی سے تاویل کرتے ہیں کہ مولانا نے مولانا حمید الدین صاحب فراہی اور مدرسۃ الاصلاح کے دیگر کارکنوں کی تکفیر کے لئے میری نظر میں شرعی وجوہ نہیں ہیں لکھا ہے تو اس جگہ پر لفظ دیگر مولانا شبلی کو کسی طرح شامل ہی نہیں ہو سکتا اور لفظ کارکنان بھی اسی طرح مولانا شبلی کو شامل نہیں۔ اب دریافت طلب یہ ہے کہ مولانا شبلی کے متعلق آپ کیا فرماتے ہیں۔ اور ظاہر ہے کہ مولانا شبلی صاحب مادہ کو غیر حادث اور نبوت کو اکتسابی مانتے تھے جیسا کہ ان کی کتابوں میں مصرح ہے۔ پس ایسے شخص کے متعلق آپ کا کیا خیال ہے۔

المستفتی ۱۱۷۹ حافظ محمد رفیق صاحب (شہر مانڈلے برما) ۲۲ جمادی الثانی ۱۳۵۵ھ مطابق ۱۰ ستمبر ۱۹۳۶ء

(۳۸۷) **جواب**۔ مولانا شبلی مرحوم کی ایک تحریر مولانا سید سلیمان صاحب ندوی نے شائع کی ہے جس میں یہ تصریح ہے کہ مولانا شبلی نے مادہ کے قدیم ہونے اور نبوت کے اکتسابی ہونے کے عقیدے سے تبری کی ہے۔ کوئی وجہ نہیں کہ اس تحریر کو نظر انداز کر دیا جائے۔ اس لئے مولانا شبلی کی تکفیر نہ کرنی چاہئے

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہٗ۔ دہلی۔

سوال

گذارش یہ ہے کہ آپ کا ارسال کردہ فتوی موصول ہوا جس کو پڑھ کر مضمون مافیہا سے آگاہ ہوا آنجناب نے جو تحریر فرمایا ہے کہ مولانا شبلی کی ایک تحریر مولانا سید سلیمان صاحب ندوی نے شائع کی ہے جس میں یہ تصریح ہے کہ مولانا شبلی نے مادہ کے قدیم ہونے اور نبوت کے اکتسابی ہونے کے عقیدے

سے تبری کی ہے۔ کوئی وجہ نہیں ہے کہ اس تحریر کو نظر انداز کر دیا جائے۔ اس لئے مولانا شبلی صاحب کی تکفیر نہ کرنی چاہئے۔ خیر یہ تو معلوم ہوا مگر اب چند شبہات در پیش ہیں۔ امید کہ آپ ان کا ازالہ فرمائیں گے۔ اولاً تو یہ کہ آپ نے اس سے پہلے فتوی میں یہ تحریر فرمایا ہے کہ کفر کا معاملہ بہت سخت اور واجب الاحتیاط ہے۔ بے شک یہ لکھنا آپ کا بہت ہی درست ہے اور کتب فقہ اس مسئلہ سے پر ہیں تاوقتیکہ کوئی تاویل موجود ہو کسی مسلمان کو کافر نہیں کہنا چاہئے۔ اب اس میں یہ سمجھ میں نہیں آتا کہ یہ حکم عام ہے یا خاص۔ اگر عام ہے تو حضرت والا سے دریافت ہے کہ جس زمانے میں آپ نے مولانا شبلی صاحب پر کفر کا فتوی دیا تھا وہ کس دلیل سے اور اس وقت یہ مولانا سید سلیمان صاحب ندوی کہاں تھے جو اس تصریح کو شائع نہیں فرمایا۔ نیز آپ نے ان سے تبادلہ خیال کیوں نہیں کیا اور بغیر تحقیق کئے ہوئے ایک مسلمان کی تکفیر کر دی۔ مسلمان ہی نہیں بلکہ علامہ زماں جس کو آج تک دنیا کافر ہی سمجھتی ہے۔ اور ایک مسلمان کو کافر کہنا کتنے بڑے ظلم کی بات ہے حالانکہ وہ کافر نہیں اور علامہ سید سلیمان ندوی نے جو کچھ اخبار الجمعیۃ اور مدینہ میں شائع کیا ہے اولاً تو اخباری چیزیں صدق اور کذب دونوں کا احتمال رکھتی ہیں۔ عامۃ المسلمین اس تحریر سے مطمئن نہیں اس لئے کہ آپ کا وہ فتوی بھی نظروں کے سامنے ہے۔ اس کو کسی طرح نظر انداز نہیں کیا جا سکتا اس لئے آپ پر یہ واجب اور لازم ہے کہ اپنے سابق فتوی کی تردید شائع کر دیں تاکہ عامۃ المسلمین اس گناہ سے بری ہو جائیں یعنی ان کو کافر نہ سمجھیں۔

المستفتی نمبر ۱۳۰۲ حافظ محمد رفیق صاحب (شہر مانڈلے برما) ۹ رجب ۱۳۵۵ھ مطابق ۲۶ ستمبر ۱۹۳۶ء

(۳۸۸) **جواب** - میرا پہلا کون سا فتوی تکفیر کا ہے جس کا آپ حوالہ دیتے ہیں۔ اگر ۱۳۳۲ھ کا مطبوعہ فتوی مراد ہے تو اسے غور سے پڑھئے اور یہ بھی لحاظ رکھئے کہ اس کے بعد عرصہ تک علامہ شبلی زندہ رہے اور توفیق الٰہی ایک آن میں ملحد کو تائب کر سکتی ہے۔ میں اب بھی کہتا ہوں کہ جو شخص مادہ کو قدیم مانے اور خدا کو فاعل بالاضطرار جانے نبوت کو اکتسابی کہے وہ ملحد ہے۔ ۱۳۳۲ھ کا فتوی الزامی طور پر مرحوم کی تحریرات سے عائد کیا گیا تھا۔ لیکن اگر اس کے بعد انہوں نے تبری کی ہو جیسا کہ مولانا سید سلیمان صاحب ندوی نے شائع کی ہے تو اسے نظر انداز نہ کرنا چاہئے۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ۔ دہلی۔

سوال

(۱) آپ نے دریافت فرمایا ہے کہ میرا پہلا کونسا فتوی تکفیر کا ہے جس کا آپ حوالہ دیتے ہیں۔

اگر ۱۳۳۲ھ کا مطبوعہ فتوی مراد ہے تو اسے غور سے پڑھئے اور یہ بھی لحاظ رکھئے کہ اس کے بعد عرصہ تک علامہ شبلی زندہ رہے اور توفیق الٰہی ایک آن میں ملحد کو تائب کر سکتی ہے ۔ بیشک یہ لکھنا آپ کا بہت ہی درست ہے ۔ مگر اب یہ دیکھنا ہے کہ ان کو بھی توفیق الٰہی ہوئی یا نہیں اور انھوں نے توبہ بھی کی یا نہیں اگر یہ کہا جائے کہ وہ تائب ہو گئے تھے تو اس کا کیا ثبوت ہے اور انھوں نے اپنی کس تصنیف اور کس کتاب اور کس صفحہ پر اپنے سابق عقائد کی تبری کی ہے ۔ براہ کرم اس کا حوالہ دیں ۔ جس تصریح کا آپ بار بار حوالہ دیتے ہیں اس تصریح کو تو آپ خود رد کر چکے ہیں اور وہی تصریح ہے جس کے سائل سید عبدالسلام صاحب مالک مطبع فاروقی دہلی ہیں اور مجیب علامہ شبلی ۔ فقط فرق یہ ہے کہ اس وقت اس کو شائع کرنے والے علامہ سید سلیمان صاحب ندوی ہیں نیز آپ نے اس تحریر کو اپنے مطبوعہ فتوی کے شروع میں نقل کر کے اس کی کماحقہ تردید کر دی ہے ۔ اب اس کے بار بار حوالہ دینے کا کیا معنی ۔ اور فتوی سے وہی فتوی مراد ہے جس کو آنجناب نے ۱۳۳۲ھ میں مرتب فرمایا تھا تو انھوں نے اس کی کسی مقام پر تبری کی ہے براہ کرم اس کا حوالہ دیجئے معہ کتاب اور صفحہ کے اور حوالہ بھی اس تحریر کے علاوہ ہو ۔ کیونکہ یہ تحریر تو خود آپ کے نزدیک غیر مسلم ہے تو دوسروں کے لئے آپ کے نزدیک کیونکر مفید ہونے لگی ۔

(۲) اگر یہ صحیح ہے کہ انھوں نے اپنی سابق تحریرات سے رجوع نہیں کیا پس ایسے شخص کے متعلق آپ کا کیا فتوی ہے جو نبوت کو اکتسابی اور مادہ کو غیر حادث اور غیر مخلوق اور خدا کو فاعل بالاضطرار جانتا تھا ۔

المستفتی نمبر ۱۲۰۵ حافظ محمد رفیق صاحب (شہر مانڈلے) ۲۸ رمضان ۱۳۵۵ھ مطابق ۱۳ دسمبر ۱۹۳۶ء

(۳۸۹) **جواب** ۔ جناب محترم دام فضلہم ۔ بعد سلام مسنون میں جس قدر لکھ چکا ہوں وہی کافی ہے ۔ تکفیر مسلم میں انتہائی احتیاط کرنی چاہئے ۔ میں نے ان کے جواب پر جو کچھ لکھا تھا وہ الزاماً تھا اور خود اپنی طرف سے تکفیر نہیں کی تھی ۔ اور اگر علامہ شبلی ان عقائد سے تبری کرتے ہیں تو ان کی طرف ان عقائد کی نسبت کر کے ان کی تکفیر کا اپنی طرف سے حکم لگانا احتیاط کے خلاف ہے اور وہ بھی اب کہ ان کے انتقال کو سالہا سال گذر چکے ہیں ۔ یہ صحیح ہے کہ نبوت کو اکتسابی ماننا اور مادہ کو غیر حادث کہنا اور خدا کو فاعل بالاضطرار بتانا یہ عقائد کفریہ ہیں اور ان کے عقاید کفریہ ہونے کو علامہ شبلی بھی تسلیم کرتے ہیں تو ضرور ہے کہ وہ اپنی پہلی عبارتوں کو مادل یا منقول یا منسوخ قرار دیتے ہیں ۔ تو عدم تکفیر کے لئے اتنی بات کافی ہے ۔

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ ۔ دہلی

سوال

کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مضمون ذیل مطبوعہ کے متعلق جو بجنسہ رائے عالی کے لئے پیش کیا جاتا ہے. کیا ایک سکنڈ بھی خدا ہونا خدائی کا اہل اپنے تئیں سمجھنا شرک وکفر نہیں ہے۔ اور یہ الفاظ کہ "چالیس روز تک یہ بوجھ اٹھا سکتا ہوں۔ ہاں مجھ میں اس بار کے تحمل کی ہمت ہے۔ تو دیکھے گا کہ میری چالیس روز کی خدائی کیسی آن بان کی ہوتی ہے"۔

المستفتی نمبر ۱۳۰۳ سید فدا حسین صاحب (جامع مسجد دہلی)۔ ۱۰ رجب ۱۳۵۵ھ مطابق ۲۷ ستمبر ۱۹۳۶ء

(۳۹۰) **جواب**۔ میں نے خواجہ حسن نظامی کا سفر نامہ نہیں پڑھا۔ مجھے معلوم نہیں کہ محولہ بالا عبارت اس میں ہے یا نہیں۔ اور ہے تو اس کا اسلوب ومحل بیان کیا ہے۔ منقولہ عبارت جتنی اس میں موجود ہے یہ ایک شاعرانہ تخیل کا انداز رکھتی ہے۔ اور خود اس عبارت کے آخر میں اس کی حیثیت ایک مجذوبانہ گفتگو کی ظاہر کی گئی ہے اور اس کے متکلم کو حد سے گذرنے والا بندہ کہا ہے۔ اس لئے اس پر کفر یا ارتداد کا حکم نہیں کیا جا سکتا ہاں یہ ضرور ہے کہ یہ انداز تحریر ایک غیر مجذوب کے لئے حالت اختیار میں شایان اسلام نہیں کہ عوام کے لئے موجب گمراہی ہو سکتا ہے۔ فقط محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ۔ دہلی

سوال

(۱) کسی قبر پر جا کر قبر والے سے کہنا۔ اے فلاں۔ اللہ سے میرا فلاں کام کرا دو۔ کیا جائز ہے یا ناجائز۔
(۲) گیارھویں دینا جائز ہے یا ناجائز۔ (۳) انسان مسلم کے عقائد صحیح کیا ہونے چاہئے۔

المستفتی نمبر ۱۵۷۲ عبدالمجید صاحب (آگرہ) ۲۶ ربیع الثانی ۱۳۵۶ھ مطابق ۶ جولائی ۱۹۳۷ء

(۳۹۱) **جواب**۔ قبر پر جا کر صاحب قبر سے یہ کہنا کہ اللہ سے میرا فلاں کام کرا دو جائز نہیں کیونکہ کسی کو اللہ سے کام کرا دینے کی قدرت نہیں۔ اور اگر یہ مطلب ہو کہ اللہ سے دعا کرو کہ وہ اپنی رحمت سے میرا کام کر دے۔ یہ بھی مفید نہیں۔ کیونکہ اصحاب قبور کا سماع ثابت نہیں پس ہر حاجتمند کو اللہ تعالیٰ سے ہی سوال اور دعا کرنا چاہئے یہی ہمارے سیدنا مولیٰ خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کی ہمیں تعلیم ہے۔ (۲) گیارھویں دینے کا شریعت مقدسہ میں کوئی حکم اور کوئی ثبوت نہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور خلفائے راشدین اور صحابہ کرام سے یہ امر ثابت نہیں اور نہ ان میں سے کسی کی تاریخ ہائے وفات پر کوئی عمل منقول ومعمول ہے۔ (۳) ایک مسلمان کا عقیدہ یہ ہونا چاہئے کہ اللہ تعالیٰ ہی خالق ورازق اور تمام حاجتیں پوری کرنے والا، ہر شخص کی دعا سننے والا

اور رحمت سے قبول کرنے والا ہے۔ انبیاء کرام اس کے پیغامبر اس کی ہدایت اور وحی کو مخلوق تک پہونچانے کے لئے آئے تھے۔ انبیاء سب معصوم تھے۔ اور اولیاء کرام خدا کے مقبول بندے ہیں مگر خدا کی مرضی کے بغیر نہ کچھ کر سکتے ہیں نہ کرنے کی قدرت رکھتے ہیں۔ اتباع سنت میں نجات ہے۔ اور ہر بدعت سیئہ گمراہی ہے

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہٗ۔ دہلی۔

سوال

(۱) قبرستان نبی کریم (خواجہ باقی باللہ) میں جو قدم شریف ہے اس کی سند کے بارے میں جناب والا کا کیا خیال ہے۔ (۲) گیارھویں شریف کی کیا حقیقت ہے۔ (۳) مزارات پر پھول چڑھانا چراغ جلانا چادر چڑھانا کیسا ہے۔ المستفتی نمبر ۱۶۴۱ بشیر احمد صاحب۔ مالک فیض عالم دواخانہ۔ پہاڑ گنج۔ نئی دہلی۔

۱۸ جمادی الاول ۱۳۵۶ھ مطابق ۲۷ جولائی ۱۹۳۷ء

(۳۹۲) **جواب** (۱) یہ قدم شریف جو مزار شریف میں لگا ہوا ہے، مجھے اس کی سند کے متعلق کوئی معلومات نہیں۔ اللہ کو علم ہے کہ اس کی کوئی قابل وثوق سند ہے یا نہیں۔ مگر دہلی میں بعض بزرگوں کے کشف سے اس کے بعض آثار برکت منقول ہیں۔ کشف اصول شریعت میں صاحب کشف کے سوا دوسروں کے لئے حجت نہیں۔ (۲) گیارھویں کا التزام اور اس تاریخ کی تخصیص اصول شریعت کے خلاف ہے۔ (۳) مزارات پر پھول چڑھانا۔ چراغ جلانا چادر چڑھانا ناجائز ہے۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہٗ۔ دہلی۔

سوال

امام نے خطبہ اولیٰ جمعہ عربی میں پڑھنے کے بعد اردو میں تقریر کرتے ہوئے بیان کیا کہ محی الدین جیلانی رحمۃ اللہ علیہ نے خدا کو دیکھا۔ خدا نے پوچھا اے محی الدین کیا چاہتے ہو فرمایا کہ تیرے پاس رکھا ہی کیا ہے جو تو دے گا۔ نبوت، رسالت، شہادت سب ختم ہی ہو چکا۔ تب خدا نے فرمایا کہ اپنی قادریت میں نے تجھ کو دی۔ اس لئے عبدالقادر ان کا نام ہوا۔ کیا ازروئے شرع محمدی درست ہے۔ اور ایسے امام کے پیچھے نماز درست ہے۔ المستفتی نمبر ۱۷۵۶ حکیم عبدالغفور صاحب (ضلع بھاگلپور)

۸ رجب ۱۳۵۶ھ مطابق ۱۴ ستمبر ۱۹۳۷ء

(۳۹۳) **جواب** یہ روایت غلط اور مشرکانہ مضمون پر مشتمل ہے۔ ایسے امام کی امامت بھی مکروہ ہے

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہٗ دہلی۔

سوال

بعض الناس یقول ان مائة وثلثین مسئلة من عظائم فرائضه ومن لم یعتقدها کان من الآثمین . وتلک المسائل هذه :-

(۱) ستون فرضا فی صوم رمضان (۲) سبعة عشر فرضا فی عدد رکعات الصلوٰة الخمس (۳) ثلثة عشر فرضا فی شرائط الصلوٰة وارکانها (۴) ثلثة فی الغسل (۵) وثلثة فی التیمم (۶) اربعة فی الوضوء (۷) وخمسة فی معرفة اوقات الصلوٰة (۸) وخمسة فی نیة الصلوات الخمس (۹) سبعة فی ارکان الایمان (۱۰) خمسة فی ارکان الاسلام (۱۱) اربعة فی معرفة مذاهب الاربعة (۱۲) اربعة فی معرفة رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

(ترجمہ) ایک شخص کہتا ہے کہ ایک سو تیس مسائل بہت اہم ہیں . جو شخص ان پر اعتقاد نہ رکھے وہ گنہگار ہوگا وہ یہ ہیں :-

(۱) رمضان کے روزوں میں ساٹھ فرض ہیں -(۲) پنجوقتہ نماز کی رکعات میں سترہ فرض ہیں -(۳) شرائط نماز اور ارکان نماز میں تیرہ فرض -(۴) تین فرض غسل میں -(۵) تین فرض تیمم میں -(۶) چار فرض وضو میں -(۷) پانچ فرض اوقات نماز کا جاننا -(۸) پانچ فرض پانچ نمازوں کی نیتیں -(۹) سات ارکان ایمان میں -(۱۰) پانچ ارکان اسلام میں -(۱۱) چار فرض چار مذاہب کا جاننا (۱۲) چار فرض رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی معرفت میں -

المستفتی نمبر ۱۷۶۹ محمد عبدالملک صاحب (بریسال) ۱۲ رجب ۱۳۵۶ھ مطابق ۱۹ ستمبر ۱۹۳۷ء

(۳۹۴) **جواب** . عبادات کے فرائض واجبات اور سنن کا علم تو بے شک چاہئے . لیکن فرائض کی یہ تفصیل جو سوال میں مذکور ہے فضول تطویل ہے . رمضان میں ساٹھ فرض اس کا مطلب دو فرض کہہ کر بھی ادا ہو سکتا ہے . ایک نیت دوسرے رمضان کے روزے . اسی طرح دوسرے فرائض کو سمجھئے . اور چار مذاہب کا علم ہونا . اس کو فرائض میں داخل کرنے کا مطلب بھی سمجھ میں نہیں آیا . اسی طرح دوسرے نمبروں میں بھی غیر معروف اور غیر مقبول باتیں ہیں . محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ . دہلی .

سوال

اولیاء اللہ قبر میں زندہ ہیں یا نہیں .

المستفتی نمبر ۲۳۱۶ اے . بی . منصوری (بمبئی) ۱۵ ربیع الثانی ۱۳۵۷ھ مطابق ۱۵ جون ۱۹۳۸ء

(۳۹۵) **جواب** . شہیدوں کی حیات تو ثابت ہے . اولیاء اللہ کی حیات شہیدوں کی حیات کی طرح

نہیں ہے۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہٗ۔ دہلی۔

سوال

ایک شخص مسلمان مسمی زید ہندوؤں کے دیوتاؤں کے تھان پر جاکر حسب رسم اہل ہنود سلام وغیرہ کرے اور منت وغیرہ مانے اور چڑھاوا وغیرہ چڑھاوے عنداللہ مذہب حنفیہ کی رو سے مع حوالہ کتب جواب باصواب سے آگاہ فرمائیں کہ آیا یہ شخص زید مشرک قرار دیا گیا یا نہیں۔ اور زید کے ساتھ دوسرے مسلمان کس طرح برتاؤ رکھیں۔

(۲) مسمی بکر ایک عورت کا خسر مسماۃ ہندہ کے ساتھ جو کہ ایک نہایت نیچ قوم سے ہے علی الاعلان زنا کرتا ہے۔ اور اس کے ہمراہ خورد و نوش بھی کرتا ہے۔ عنداللہ مذہب حنفیہ کی رو سے مع حوالہ کتب آگاہ فرمائیں کہ اس کے ساتھ شرعاً مسلمان کیا برتاؤ رکھیں۔

المستفتی نمبر ۲۳۵۸ قاری حکیم شفیق احمد صاحب مارواڑ ۶ رجمادی الاول ۱۳۵۷ھ مطابق ۵ جولائی ۱۹۳۸ء

(۳۹۶) **جواب**۔ (۱) دیوتاؤں کے تھان پر جاکر سلام کرنا۔ منت ماننا اور چڑھاوا چڑھانا یہ سب مشرکانہ افعال ہیں۔ اس سے توبہ کرانی چاہئے اور جب تک توبہ نہ کرے اس سے اسلامی تعلقات منقطع کرلئے جائیں۔

(۲) اس زناکار سے مسلمان اسلامی تعلقات سلام کلام اکل و شرب منقطع کرلیں تاوقتیکہ وہ اس فعل سے تائب نہ ہو۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہٗ۔ دہلی۔

سوال

(۱) قرآن شریف کے بھیجنے کا کیا مقصد ہے۔ بعض لوگ اسے رٹا لیتے ہیں۔ اور اس سے افسوں کا کام لیتے ہیں۔ چند آدمیوں سے میں نے کہا کہ قرآن شریف کو یاد کرنے کی جگہ اس کا ترجمہ کرو اور عمل بھی کرو تو یہ اچھا ہوگا وہ جھگڑنے لگے۔ کیا قرآن شریف کو بغیر ترجمہ کے پڑھا جائے اور نہ تو سمجھے نہ عمل کرے۔ اس کو ایک حرف کے بدلہ دس نیکیاں مل سکتی ہیں۔ اور بے ترجمہ اچھا ہے یا کہ با ترجمہ؟

(۲) لوگ ولیوں اور بزرگوں کے مقبروں پر جاتے ہیں اور ان سے مدد مانگتے ہیں۔ اور مختلف قسم کی تکالیف کو رفع کرنے کے لئے انھوں نے ایک ایک زیارت پکڑی ہوئی ہوتی ہے۔ اور اکثر تو اپنے گھر سے نکل کر میلوں دور جاتے ہیں۔ اور راستہ میں فرض نماز بھی ان سے فوت ہو جاتی ہے۔ یہ کہاں تک درست ہے۔ کیا کوئی بابا یا ولی بہ حالت مرگ کسی کی مدد کر سکتا ہے۔

(۳) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب معراج کی رات کو اوپر گئے تو آپ کہاں تک گئے تھے۔ جس رات کو آپ معراج گئے وہ رات اٹھارہ برس کی تھی؟

المستفتی نمبر ۲۴۷۱ جناب کامران صاحب منگورہ (پشاور) ۸ صفر ۱۳۵۸ھ مطابق ۳۰ مارچ ۱۹۳۹ء

(۳۹۷) **جواب**۔ (۱) قرآن مجید کے نزول کی اصل غرض ہدایت اور ارشاد ہے۔ اس کو سمجھ کر پڑھنا اور اس کی ہدایتوں پر عمل کرنا ہر مسلمان کو لازم ہے۔ اس کے ساتھ بے ترجمہ پڑھنے کا بھی ثواب ہے۔ فقط تلاوت بھی مفید ہے۔ اور ترجمہ کے ساتھ پڑھنا اس سے زیادہ مفید ہے۔

(۲) ولیوں کی قبروں پر زیارت کے لئے جانا جائز ہے۔ مگر زیارت کا مقصد یہ ہے کہ زیارت کرنے والے کو اپنی موت اور آخرت یاد آجائے۔ اور میت کے لئے دعائے مغفرت کرے۔ مرادیں مانگنا نذریں چڑھانا اور سفر میں فرض نمازوں کی ادائیگی سے غفلت برتنا۔ یہ سب باتیں ناجائز ہیں۔

(۳) معراج میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو مقام قرب حضرت احدیت میں جو مرتبۂ علیا عطا فرمایا گیا، وہ تمام مخلوق کے عطا شدہ مراتب سے اونچا تھا۔ بس اتنا ہی کہہ سکتے ہیں۔ بمقامے کہ رسیدی نہ رسد ہیچ نبی۔

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ۔ دہلی۔

الاجوبۃ صحیحۃ ۔ فقیر محمد یوسف دہلوی۔ مدرسہ امینیہ۔ دہلی۔

سوال

حسب الذیل الفاظ کہنے والے شخص شاتم صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم ہوتا ہے یا نہیں۔ اور اگر شاتم ہونا ثابت ہو شرعی نقطہ نگاہ سے تو وہ شاتم کونسی جزا کا مستحق ہوتا ہے۔ الفاظ شخص مذکور کے یہ ہیں۔

کبھی آپ نے غور فرمایا کہ جب ملوکیت پرستی دنجی ملکیت اور خاندانی امارت نے اسلامی معاشرہ میں گھر کرلیا ہو تو ایک خاص قسم کی بے دینی پھیلنے لگی جس کے آثار پہلے حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ جیسے بزرگوں میں اور اسی کے بعد خوارج کی مرتب تحریک میں نظر آئے۔

المستفتی نمبر ۲۴۷۷ محمد امین صاحب (بمبئی) ۱۹ صفر ۱۳۵۸ھ مطابق ۱۰ اپریل ۱۹۳۹ء

(۳۹۸) **جواب**۔ اس عبارت میں یہ لفظ ہیں ایک خاص قسم کی بے دینی لہٰذا اس کے قائل کے کلام سے خاص اس قسم کی بے دینی کی تشریح کوئی شرعی حکم بتانے کے لئے ضروری ہے۔ جس عبارت سے یہ اقتباس آپ نے لیا ہے۔ براہ کرم اس کے سیاق و سباق سے اگر اس خاص قسم کی بے دینی کی کوئی تشریح نکل سکتی ہو

تو اسے بھی نقل فرما کر بھیجئے تاکہ غور کے بعد اس کا حکم بتایا جا سکے۔ ممکن ہے کہ یہ فقرہ ایسا ہو جیسے کہ حضرت امام شافعی رحمہ کا یہ قول مشہور ہے :- فلیشھد الثقلان انی رافض۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہٗ۔ دہلی

سوال

(۱) الف۔ زید کہتا ہے کہ مسلمان فاسق و فاجر کے لئے بھی لفظ مرحوم کا استعمال کرنا چاہئے۔ آیا جائز ہے یا ناجائز۔ (ب) اور اہل تسنن کے نزدیک یزید فاسق و فاجر مسلمان تھا۔ اس لئے اس کو بھی مرحوم کہنا جائز ہے کیا زید کے ہر دو قول (ا و ب) صحیح ہیں۔

(۲) ہندو کے ساتھ ایک برتن میں کھانا شاید دودھ جلیبی وغیرہ مسلمان کے لئے جائز ہے یا ناجائز اور حرام؟ المستفتی نمبر ۲۵۰۱ محمد اشرف علی صاحب ضلع ہردوئی ۱۴ ربیع الثانی ۱۳۵۸ھ مطابق ۴ جون ۱۹۳۹ء

(۳۹۹) **جواب**۔ کسی میت کے حق میں مرحوم کا لفظ احتراماً بولا جاتا ہے۔ اس لئے جو میت احترام سے یاد کئے جانے کا مستحق ہے اس کے نام کے ساتھ لفظ مرحوم بولنا درست ہے۔ البتہ اگر مرحوم کا لفظ اس حیثیت سے بولا جائے کہ وہ دعائے رحمت کے قائم مقام ہے تو پھر ہر مسلمان کے نام کے ساتھ بولنا جائز اور درست ہو گا خواہ وہ فاسق ہو یا صالح ہو۔ (۲) غیر مسلم کے ساتھ جب کہ اس کے ہاتھ پاک ہوں اور کھانا بھی حلال اور پاک ہو ایک برتن میں مسلمان کے لئے کھانا فی حد ذاتہ مباح ہے۔

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہٗ۔ دہلی۔

الجواب صحیح۔ فقیر محمد یوسف دہلوی۔ مدرسہ امینیہ دہلی۔

سوال

کیا مسلمانوں کو ایسے لوگوں کے ہاتھ کا کھانا جائز ہے جو خدا اور رسول۔ قرآن۔ حشر و نشر ملائکہ کے منکر ہوں۔ اور ہر طریقے سے مسلمانوں کو نقصان پہنچانے اور برباد کرنے کے درپے ہوں۔ اور جب کہ انھیں اشیاء کے فروخت کرنے والے مسلمان ہر جگہ موجود ہوں۔ کھانے کی اشیا سے مراد پانی دودھ۔ مٹھائی۔ پان۔ ڈبل روٹی۔ مکھن وغیرہ۔ مسلمان فروخت کرنے والوں کے ہوتے ہوئے مذکورۃ الصدر لوگوں سے مذکورہ بالا اشیاء کے خریدنے کا شرع شریف سے جواز کس طرح پر ہے۔ اور منکرین خدا و رسول کے علاوہ شیعہ حضرات کے ساتھ کھانا پینا جائز ہے یا ناجائز؟

(۲) علامہ مشرقی کے خلاف کفر کا فتویٰ کن عقائد کی بنا پر دیا گیا ہے۔

المستفتی نمبر ۲۵۱۳ مستری غلام حسین صاحب۔ دہلی ۔ ۹ جمادی الاول ۱۳۵۸ھ مطابق ۲۸ جون ۱۹۳۹ء

(۴۰۰) **جواب**۔ اسلام ایک فطری اور با اصول دین ہے۔ اس کے اصول وضوابط مستحکم اور عقل صحیح کے موافق ہیں اسلام نے انسان کے بدن کو (جبکہ وہ خارجی نجاست سے ملوث نہ ہو) پاک قرار دیا ہے۔ اور اس میں مسلم و کافر کی تمیز نہیں رکھی۔ پس اصول شرعیہ کے ماتحت انسان کا بدن (خواہ وہ کافر و مشرک ہی ہو) پاک ہے اور اس کے ہاتھ کا پکایا ہوا کھانا تراشیا ، سب پاک ہیں۔ یہ دوسری بات ہے کہ مسلمان کے لئے قومی ہمدردی۔ مذہبی غیرت بلکہ انسانی حمیت کا تقاضا یہ ہے کہ جب تک اس کو مسلمانوں سے یہ اشیا بہم پہنچ سکیں اس وقت تک ایسے لوگوں سے نہ خریدے جو اس کو ناپاک سمجھے اور کتے سے زیادہ ذلیل قرار دیتے ہیں۔ نیز خارجی نجاستوں سے انھیں کوئی احتیاط اور پرہیز نہیں ہے۔ مسلمان سے خریدنے میں قومی ہمدردی بھی ہے۔ اور اپنے مسلمان بھائی کو فائدہ پہنچانا اپنے آپ کو فائدہ پہنچانا ہے۔ بھائی کا نقصان اپنا نقصان ہے۔ شیعہ حضرات کا کوئی حکم جدا نہیں ہے۔ وہ بھی انسان اور اسلامی فرقوں میں سے ایک فرقہ ہے۔ ان کا بدن ان کے ہاتھ بھی پاک ہیں اور کسی عارضی وجہ سے ان کے یہاں کا کھانا وغیرہ نہ کھایا جائے، تو دوسری بات ہے۔

(۲) مشرقی کی کتاب "تذکرہ" اصول اسلام اور اجماعیات کی مخالفت سے بھرا ہوا ہے۔ وہ ڈارون تھیوری کے معتقد اور عبادات شرعیہ کی ایسی تاویلیں کرنے والے ہیں جو بداہۃً باطل اور انکار قطعیات پر منتج ہیں۔ اس لئے علمائے اسلام نے ان کی تکفیر کی ہے اور ان کی تحریک کو قادیانی تحریک سے زیادہ مضر اور خطرناک قرار دیا ہے۔ فقط محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ۔ دہلی۔

سوال

سیدی و مولائی و مرشدی و آقائی حضرت راس الاتقیا فخر الاتقیا حاجی امداد اللہ صاحب طاب ثراہ و جعل الجنۃ مثواہ حضرت شیخ ابوالخیر صاحب و مولانا کرامت اللہ صاحب۔ نیز مولانا محمد عمر صاحب المعروف باخوند صاحب رحمۃ اللہ علیہم اجمعین اعتقاد و اعمال کے اعتبار سے کیسے تھے۔ ان کے پیچھے نماز صحیح تھی یا جن لوگوں نے ان کے پیچھے نماز پڑھی واجب الاعادہ ہے۔ اور ان کی اقتدا کرنے والے لوگ عنداللہ گنہگار ہیں ایک عالم جن کی عمر کا اکثر حصہ کتب حدیث و فقہ و تفسیر کی تدریس میں گذرا۔ عزیز زندگی پند و نصائح میں گذری اور یہ عالم موصوف راس الاولیا تاج الاتقیا سیدنا عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ کے روح پر فتوح

پر قرآن خوانی اور اطعام غربا سے بلا تعین ایام جب انھیں توفیق ہوئی اور کچھ پاس موجود ہوا ایصال ثواب کرتے رہے۔ اور اب بھی ان کا یہی معمول ہے۔ اولیاء اللہ سے خاص لگاؤ اور باخدا ہستیوں سے انھیں خاص تعلق ہو۔ کبھی کسی موقعہ پر کسی بزرگ کے عرس میں شرکت کا موقعہ بھی ملا ہو اور ہر لحاظ اور ہر حیثیت سے عالم موصوف متقی و پرہیزگار ہو۔ اسی حالت میں ان کا وعظ اور ان کی امامت شرعاً مستحسن اور مقبول ہیں؟ (۵) علماء کرام عرس کے عامل اپنی تمام ظاہری زندگی میں رہے ہوں اور یہ عالم ایک مرتبہ عرس میں شریک ہوئے ہوں تو ایسی صورت میں موصوف عالم کی اقتدا عند الشرع جائز نہیں تو ان بزرگان دین کی اقتدا کرنے والوں کا عند الشرع کیا حکم ہے؟

المستفتی نمبر ۲۵۴۸ جناب حمایت علی شاہ ۔ ۲۴ رمضان ۱۳۵۸ھ مطابق ۷ نومبر ۱۹۳۹ء

(۴۰۱) **جواب**۔ یہ تمام حضرات عالم صاحب ارشاد و تلقین بزرگ تھے۔ ان میں سے بعض کے بعض اعمال ایسے تھے کہ ان پر سنت نبویہ کے قانون کے لحاظ سے تنقید کی جا سکتی تھی۔ مگر پھر بھی ان کی شان میں تنقیص کے الفاظ نہیں کہے جا سکتے۔

بلا تعین اور بلا شرط ایصال ثواب کرنے میں مضائقہ نہیں ہے۔ اسی طرح عرس میں اتفاقی غیر لازمی شرکت بھی قابل گرفت و اعتراض نہیں ہے۔ فقط محمد کفایت اللہ کان اللہ لہٗ۔ دہلی۔

سوال

(الف) زید خاندانی مسلمان ہے مگر نماز نہیں پڑھتا اور کبھی کبھی جمعہ کے دن یا عید بقر عید شرماً حضوری سے پڑھ بھی لیتا ہے۔ تو ایسی صورت میں آیا اس کے دیگر نیک اعمال مثلاً قربانی و صدقات یا خیرات وغیرہ عند اللہ مقبول ہوں گے یا نہیں۔

(۲) عمرو کہتا ہے کہ بغیر پنجوقتہ نماز پڑھے کوئی دیگر نیک اعمال عند اللہ مقبول نہیں ہوتے۔ کیا یہ بات صحیح ہے۔ عمرو کا ثبوت ذیل میں درج ہے۔

(۱) ثبوت از قرآن مجید واتل علیھم نبأ ابنی ادم بالحق اذ قربا قربانا فتقبل من احدھما ولم یتقبل من الاخر قال لاقتلنک قال انما یتقبل اللہ من المتقین۔ ترجمہ اور اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں سے حضرت آدمؑ کے دو بیٹوں ہابیل وقابیل کا سچا واقعہ بیان فرمایئے جب ان دونوں نے قربانی کی تو ہابیل کی مقبول ہوئی اور قابیل کی مقبول نہیں ہوئی تو قابیل بولا کہ میں تجھ کو مار ڈالوں گا۔ ہابیل نے

کہا کہ خدا فقط متقی لوگوں کے نیک اعمال قبول فرماتا ہے۔ عمرو کہتا ہے کہ ایک بے نمازی مسلمان چونکہ اہل تقوی سے نہیں ہے لہذا اس کے دیگر نیک اعمال عنداللہ مقبول نہیں ہوتے۔

(۲) ثبوت از حدیث۔ حضرت عبداللہ بن عمر بن العاص سے روایت ہے کہ ایک دن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نماز کا تذکرہ فرما رہے تھے تو فرمایا کہ جو نماز کی پابندی کرے گا اس کو قیامت کے روز ایک نور عطا ہوگا۔ اور نماز اس کے اہل ایمان میں سے ہونے کا ثبوت ہوگی اور وہ نجات پائے گا۔ اور جو نماز کی پابندی نہ کرے گا وہ بے نور رہے گا اس کے پاس اہل ایمان میں سے ہونے کا ثبوت نہ ہوگا اور نہ اس کی نجات ہوگی۔ اور ایسا شخص قیامت کے دن قارون اور فرعون اور ہامان اور ابی بن خلف کے ہمراہ ہوگا۔ احمد۔ دارمی۔ بیہقی فی شعب الایمان۔ عمرو کہتا ہے کہ ایک بے نمازی مسلمان کے دیگر نیک اعمال اگر عنداللہ مقبول ہوتے تو وہ قیامت کے روز قارون و فرعون وغیرہ کے ہمراہ کیوں ہوتا۔

المستفتی نمبر ۲۵۶۳ عنایت اللہ خاں صاحب۔ لکھنؤ ۱۸ ذی الحجہ ۱۳۵۸ھ ۲۸ جنوری ۱۹۴۰ء

(۴۰۲) **جواب**۔ قرآن مجید کی متعدد آیات ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ کسی کا نیک عمل ضائع نہیں ہوتا فمن یعمل مثقال ذرۃ خیرا یرہ یعنی جو شخص ذرہ برابر خیر کرے گا اسے دیکھے گا یعنی پائے گا۔ دوسری آیۃ لا یلتکم من اعمالکم شیئاً یعنی خدا تعالی تمہارے اعمال میں سے کچھ کم نہیں کرے گا۔ تیسری آیت ان اللہ لا یضیع اجر المحسنین بے شبہ اللہ تعالی نیکی کرنے والوں کا اجر ضائع نہیں کرتا۔ چوتھی آیت ان اللہ لا یظلم مثقال ذرۃ وان تک حسنۃ یضعفہا یعنی بے شبہ اللہ تعالیٰ ذرہ بھر ظلم نہیں کرتا اور اگر کوئی نیکی ہو تو اسے بڑھاتا ہے۔ ان آیات کے علاوہ قرآن مجید میں اور بھی آیات ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ نیک عمل کتنا ہی چھوٹا ہو ضائع نہیں ہوتا۔ اور آیت انما یتقبل اللہ من المتقین میں متقین سے مراد مؤمنین ہیں۔ یعنی شرک سے بچنے والے۔ اور قابیل چونکہ مؤمن نہیں رہا تھا کافر ہو گیا تھا اس لئے ہابیل کے قول کا مطلب یہ ہوا کہ خدا مؤمنین کی قربانی یا طاعت قبول فرماتا ہے یہاں قبول سے مراد قبول رضا ہے نہ اعطاء اجر۔ یعنی گنہگاروں کے اعمال حسنہ کا اجر ضرور عطا فرمائے گا۔ (بموجب آیات منقولہ سابقہ) مگر ان اعمال حسنہ کو قبول نہ کرے گا یعنی ان لوگوں سے راضی اور خوش نہ ہوگا۔

حدیثوں میں عدم قبول اعمال کا جو ذکر آیا ہے اس سے مراد بھی یہی قبول رضا ہے۔ یا یہ مطلب ہے کہ بعض گناہ اپنی شدت سے اس درجہ پر پہنچ جاتے ہیں کہ ان کا وزن طاعت کے وزن سے بڑھ جاتا ہے تو اگرچہ طاعات کے اجور اور ثواب بھی ملیں مگر ان کا مجموعی وزن اس شدید گناہ کے وزن سے کم رہ کر بے اثر اور بے فائدہ اور بے حقیقت ہو جاتا ہے

اس کو قبول نہ ہونے سے تعبیر کر دیا گیا ہے۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہٗ۔ دہلی۔

سوال

ایک مسلمان اگر مندرجۂ ذیل بیان اخبار میں شائع کرادے تو اس کی یہ حرکت جائز ہے یا ناجائز۔ اس پر کفر عائد ہوتا ہے یا نہیں "شری کرشن جی کے مقدس پیغام کا سالانہ پرچار اخبار کے لئے یقیناً باعث برکت اور پڑھنے والوں کے لئے وجہ رحمت ہے۔ انسانی زندگی کی تاریکیوں کے لئے اس شمع سرمدی کی روشنی لا دنیا بےانتہا مفید ہے۔ میں اس سلسلہ کے جاری کرنے والوں کو اور اس کے قائم رکھنے والوں کو ملک کا واقعی بہی خواہ سمجھتا ہوں کیونکہ شری کرشن جی کا پیغام اس ملک کی موجودہ کشمکشوں میں ایک نایاب نفع رساں چیز ہے"۔

المستفتی نمبر ۲۵۷۱ دوست محمد ولد مدار بخش صاحب دہلی۔ ۳۰ محرم ۱۳۵۹ھ مطابق ۱۰ مارچ ۱۹۴۰ء

(۴۰۳) **جواب**۔ اس عبارت میں کرشن جی کے پیغام کا مضمون درج نہیں ہے۔ یہ معلوم نہیں ہوا کہ ان کے کس پیغام کے متعلق یہ بات کہی گئی ہے۔ اگر پیغام کا مضمون صحیح اور اسلام کے خلاف نہ ہو اور مخلوق خدا کے لئے نفع رساں ہو تو اس کے حق میں تائیدی بیان دیا جا سکتا ہے۔ کسی شخص کے لئے تقدس اور شمع سرمدی ہونے کا حکم لگانے کے لئے دلیل درکار ہے۔ مگر یہ بات کہ ہندوستان میں بھی خدا کی طرف سے مخلوق کو ہدایت کرنے والے انسان آئے ہوں گے یقینی ہے۔ لکل قوم ھاد۔ بہر حال اس بات پر کفر عائد ہونے کا حکم نہیں کیا جا سکتا۔

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہٗ دہلی

سوال

زید و بکر میں تکرار ہوئی دربارۂ حجر اسود۔ یعنی بکر کہتا ہے کہ پتھر پتھر ہے مثلاً ایک بت ہے۔ وہ بھی پتھر ہے، ایک قبر ہے وہ بھی پتھر ہے جس سے مبتدعین بوسۂ قبور کا جواز بھی لیتے ہیں۔ بکر کہتا ہے پھر دوسری اقوام پر اسلام کیوں معترض ہے۔ زید کہتا ہے ارکان اسلام یعنی رکن حج میں شامل ہے۔ لیکن مسلمان اس کو پتھر ہی مانتے ہیں۔ اس کو حاجت روا مشکل کشا نہیں مانتے۔ زید خود حاجی ہے۔ بالکل موحد راسخ الاعتقاد لیکن کچھ شبہات ضرور پیدا ہو گئے ہیں ان کا رفع کرنا ضروری و لازمی ہے۔

(۱) قرآن شریف میں اس کے متعلق کیا ذکر ہے۔ (۲) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کچھ اصلیت بیان کی ہے؟ (۳) از روئے قرآن پاک و حدیث شریف و تاریخ اصلیت کیا ہے۔ اور کب سے ہے۔ (۴) اس پتھر کو یہ خاص فضیلت کیوں حاصل ہے۔ یعنی انبیاء سابقین و خصوصاً آنحضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے

بوسہ دیا ہے؟ فقط المستفتی نمبر ۲۵۷۴ عبدالرحمن صاحب (بمبئی) ۱۴ صفر ۱۳۵۹ھ مطابق ۱۴ مارچ ۱۹۴۰ء

(۴۰۴) **جواب**۔ حجراسود ایک پتھر ہے۔ حضرت عمرؓ نے اسے بوسہ دیتے وقت یہ الفاظ فرمائے تھے۔ اعلم انک حجر لا تضر ولا تنفع ولولا انی رأیت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقبلک ماقبلتک یعنی میں جانتا ہوں کہ تو پتھر ہے نہ نقصان پہنچا سکتا ہے نہ نفع پہنچا سکتا ہے۔ اگر میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو تجھے بوسہ دیتے نہ دیکھا ہوتا تو میں تجھے بوسہ نہ دیتا۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ حجراسود جنت سے نازل ہوا اور آخرت میں بھی وہ محشور ہوگا اور بوسہ دینے والوں کے حق میں شہادت دے گا۔

بوسہ دینا صرف محبت کی وجہ سے ہے نہ کہ اس کی تعظیم یا عبادت کی بنا پر۔ محبت کی وجہ اس کا جنت کی نشانی اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کی یادگار ہونا ہے۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہٗ، دہلی۔

سوال

یہاں بنگلور میں چند مساجد اور کئی گھروں میں آثار شریف کی عام نمائش کی جاتی ہے اور ان آثاروں کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب سمجھ کر ان کی بہت کچھ عزت وتکریم اور احترام کیا جاتا ہے جس کی صورت یہ ہوتی ہے کہ آثار جو عموماً ایک بال ہوتا ہے چاندی وغیرہ کی نلکی میں رکھ کر اس پر غلاف در غلاف چڑھا کر ایک صندوق میں رکھا جاتا ہے۔ یہ آثار چند مساجد اور کئی گھروں میں رکھے ہوئے ہیں۔ ربیع الاول میں ان مساجد اور گھروں کو خوب آراستہ کیا جاتا ہے اور پھر ان آثاروں کو نعت اور قصائد مدحیہ پڑھتے ہوئے بقصد احترام کھولا جاتا ہے۔ مساجد میں عموماً مردوں کا اجتماع ہوتا ہے۔ اور گھروں میں عموماً بوقت شب مستورات کا اجتماع ہوتا ہے۔ اور ساری رات مستورات قصائد وغیرہ پڑھتی ہیں (نیز مستورات سے نذرانے بھی لیے جاتے ہیں) یکے بعد دیگر زائرین کمربستہ بڑے ادب واحترام کے ساتھ آکر ان آثار کو بوسہ دیتے ہیں اور آنکھوں سے لگا دیتے ہیں۔ اور بعض لوگ آثار کی طرف دست بستہ کھڑے ہو کر یا ہاتھ اٹھا کر دعا بھی مانگتے ہیں۔

پس آنجناب سے التماس ہے کہ زید وعمرو کے مندرجۂ ذیل دلائل پر تنقید وتبصرہ فرماتے ہوئے واضح دلائل شرعیہ سے جواب تحریر فرمائیں کہ ان آثاروں کی زیارت وعزت کرنا جائز ہے یا ناجائز؟ کیونکہ یہاں مسلمانوں میں دو متضاد خیالات کے لوگ موجود ہیں۔ ایک زید کے ہم خیال جو ان آثاروں

کے حامی ہیں اور ان آثاروں کے مخالفوں پر توہین رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا الزام لگاتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ان میں محبت رسول اکرم ہی نہیں۔ دوسری طرف عمرو کے ہم خیال ہیں جو آثار پرستوں کو بدعتی اور گمراہ تصور کرتے ہیں اور ان آثار کی زیارت اور نمائش کرنا ناجائز سمجھتے ہیں۔

زید کے خیالات اور دلائل ۔ زید کہتا ہے آثار مبارک کی زیارت و عزت کرنا نہ صرف جائز، بلکہ موجب ثواب عظیم ہے۔ اور جو شخص ان آثار کی عزت اور زیارت نہیں کرتا وہ دائرۂ حب نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے خارج ہے جس کے دلائل یہ ہیں

دلیل اول ۔ یہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے آثار ہیں جن کی نسبت حدیث شریف میں ہے کہ جس نے میری یا میرے جزو کی زیارت کی تو مجھ پر اس کی شفاعت واجب ہو گئی۔

دلیل دوم ۔ تاریخ اور سیر سے پتہ چلتا ہے کہ بعض صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے پاس آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ناخن وغیرہ ہوتے تھے جن کو وہ بصد احترام اپنے پاس رکھتے تھے۔ پس جس کام کو صحابہ کرام نے کیا ہو اس سے ہمیں کیوں روکا جائے۔

دلیل سوم ۔ قرآن شریف اور تفاسیر میں ہے کہ بنی اسرائیل کے پاس ایک تابوت ہوتا تھا جس میں انبیاء سابقین علیہم وعلی نبینا التحیہ والتسلیم کے آثار ہوتے تھے اس تابوت سے بنی اسرائیل کی تسکین اور تسلی ہوتی تھی یہاں تک کہ بنی اسرائیل اس تابوت کو جنگوں میں بھی ساتھ رکھتے تھے اور اس کی برکت سے کامیاب ہوتے تھے! اس لئے ہم بھی اپنے نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے آثار مقدس اپنے پاس رکھتے ہیں۔ اور ان کی زیارت وتکریم کرتے ہیں اور شرعاً اس کی کوئی ممانعت بھی نہیں۔

عمرو کے خیالات اور دلائل ۔ عمرو کہتا ہے کہ ان آثار کی زیارت کرنا اور عزت وتعظیم بجالانا شرعاً ناجائز اور بدعت ہے۔ کیونکہ باقاعدہ ثبوت ہی نہیں کہ یہ آثار آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ہیں۔ اور جب باقاعدہ ثبوت نہیں تو ایسے آثار کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب کرنا گناہ عظیم ہے جیسا کہ صحیح احادیث میں ہے کہ من کذب علی متعمدا فلیتبوا مقعدہ من النار او کما قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یعنی جس نے جان بوجھ کر مجھ پر جھوٹ بولا پس اس نے اپنا ٹھکانا جہنم بنالیا۔ اب بغیر تحقیق کے کسی آثار کی صرف اس لئے عزت کرنا کہ وہ آنحضرت کے نام سے منسوب ہے یہ بھی اس حدیث کی وعید کا مستحق بننا ہے۔ بلکہ اگر اس قاعدہ کو مان لیا جائے تو اسلام کا سارا نظام درہم برہم ہو جائے گا کہ حضور علیہ السلام کے نام سے کئی ناجائز

احکام کی اتباع اور غلط چیزوں کی تعظیم کرائی جائے گی۔ حضور علیہ السلام کی ذات پر اس سے بڑھ کر اور کیا بہتان عظیم ہوگا۔ خدا معلوم کس کے بال ہیں جن کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مقدس ہستی کی طرف منسوب کرکے ان کی عزت وتکریم کی جاتی ہے۔ کیا یہ حقیقت نہیں کہ مفروضہ بشارتوں کی بنا پر کسی کو دیوار میں یا شربت میں بال مل جاتا ہے تو اس بال کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب کرکے اس کی نمائش اور عزت وتکریم کی جاتی ہے۔ نعوذ باللہ اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے موئے مبارک صحابہ کرام بطور آثار رکھتے تو آج وہ موئے مبارک مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ میں موجود ہوتے۔ حالانکہ وہاں ان موئے مبارک کا نام ونشان تک نہیں اور نہ ممالک اسلامیہ میں یہ آثار اس کثرت سے ہیں جیسا کہ بنگلور میں ہیں۔ پنجاب وسندھ کے پورے دو صوبوں میں صرف اوڑھی (سندھ) میں ایک موئے مبارک بتایا جاتا ہے۔ اور یوپی سی پی دہلی وغیرہ میں صرف ایک مقام یعنی دہلی کی جامع میں کچھ آثار موجود ہیں اور کہا جاتا ہے کہ شاہان اسلام نے بصرف زر کثیر اور بے انتہا کوشش سے ان کو حاصل کیا تھا۔ پھر بھی محققین علمائے اہل سنت والجماعۃ کو شبہ ہے کہ آیا واقعی وہ آثار آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ہیں یا نہیں۔ بنگلور میں ان بالوں کی بہتات اور کثرت ہی صاف شہادت دے رہی ہے کہ یہ بال جھوٹے اور جعلی ہیں اور صرف گھرانے کی شہرت اور پیٹ پالنے کے ذرائع ہیں۔

زید کے دلائل کی تردید۔ (۱) دلیل اول کی تردید۔ زید نے جو حدیث پیش کی ہے کہ جس نے میری یا میرے جز کی زیارت کی تو اس کی شفاعت مجھ پر واجب ہو گئی۔ اس مضمون کی تمام حدیثیں ضعیف بلکہ من گھڑت ہیں۔ صحیح احادیث میں اس کا کوئی ثبوت ہی نہیں۔

(۲) دلیل دوم کی تردید۔ بیشک بعض روایات اور تواریخ سے ثابت ہوتا ہے کہ بعض صحابۂ کرام کے پاس آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ناخن اور موئے مبارک وغیرہ ہوتے مگر انھیں روایات میں یہ بھی ہے کہ ان آثاروں کو انہی صحابۂ کرام رض کی وصیت کے مطابق ان کے کفنوں سے باندھ کر ان کے ساتھ دفن کر دیا جاتا تھا۔ سب سے بڑھ کر یہ کہ اس کا ہرگز ہرگز ثبوت نہیں ملتا کہ صحابہ کرام ان آثاروں کی نمائش کیا کرتے یا ان آثار کی زیارت کے لئے مسلمانوں کا کوئی اجتماع ہوتا تھا۔ پس نمائش اور اجتماع کا موجودہ طریقہ نہ نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں تھا نہ صحابۂ کرام کے زمانہ میں۔ حالانکہ صحابۂ کرام کے پاک دلوں میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پاک محبت اس حد تک تھی کہ صحابۂ کرام اپنا جان و مال تک آپ پر قربان کر دیتے تھے۔ پس جس

طریقہ کو صحابہ کرام نے نہ کیا ہو اس کو کرنا بدعت اور گمراہی نہیں تو اور کیا ہے۔ خصوصاً جعلی اور جھوٹے بالوں کی نمائش اور عزت۔ خدا مسلمانوں کو اس سے بچائے۔ کون مسلمان برداشت کر سکتا ہے کہ کسی اور کے بالوں کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مقدس ہستی کی طرف منسوب کیا جائے۔

(۳) دلیل سوم کی تردید ۔ قرآن مجید اور تفاسیر میں بیشک ایک تابوت کا ذکر ہے جو بنی اسرائیل کے پاس تھا اور وراثۃً انبیاء بنی اسرائیل اور سرداران بنی اسرائیل کو دیا جاتا تھا۔ اور بیشک بنی اسرائیل میں آثار پرستی تھی ۔ اور اسی آثار پرستی کا نتیجہ ہے کہ بنی اسرائیل نے انبیا اور اپنے سرداروں کی تصویریں اور بت تک بنوا دیئے ہیں۔ اس لئے ان پر خدا کی لعنت اور غضب بھی ہے۔ مگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو نہ تو اس قسم کا انبیاء سابقین سے کوئی تابوت دیا گیا ہے اور نہ ہی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے آثار کا کوئی تابوت اپنے مقدس جانشینوں یعنی صحابہ کرام کے حوالے کیا ہے۔ البتہ بوقت وصال الی اللہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآن مجید ہی کو مضبوط پکڑنے کی وصیت فرمائی ہے اور بس۔ اور خدائے تعالیٰ نے بھی مسلمانوں کے لئے قرآن مجید ہی کو شفا اور رحمت قرار دیا ہے۔ غرض مسلمان اگر تسکین اور شفا۔ برکت اور راحت حاصل کر سکتے ہیں تو وہ صرف قرآن مجید ہی سے حاصل کر سکتے ہیں۔ مسلمانوں کے پاس قرآن مجید ہی ایک سچا اور واقعی آثار مبارک ہے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ہم تک پہنچتا ہے اور اسی اصلی اور سچے آثار سے ہی مسلمان یہود و نصاریٰ پر غالب بھی آئے ہیں۔ پس مسلمان اس قرآن مجید کی عزت و تکریم جتنی کریں اتنی کم ہے۔ اس کے سوا مشکوک اور جعلی آثار کی عزت و توقیر کرنا یہود و نصاریٰ اور مشرکین سے تشبہ ہوگا نہ کہ صحابہ کرام کے ساتھ۔

براہ کرم تحریر فرمائیں کہ ان آثاروں کی اصلیت اور واقعیت کی تحقیق اس زمانہ میں کس طرح کی جائے۔ المستفتی نمبر ۲۵۷۸ غلام دستگیر (بنگلور) ۱۱ صفر ۱۳۵۹ھ مطابق ۲۱ مارچ ۱۹۴۰ء

(۴۰۵) **جواب** ۔ اگر یہ ثابت ہو جائے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا موئے مبارک یا اور کوئی چیز کسی کے پاس موجود ہے تو اس اصلی چیز کو محبت کے طور پر احترام سے رکھنا اور اس سے استشفا جائز ہے۔ مگر چونکہ عام طور پر جو آثار حضور کی طرف منسوب کیے جاتے ہیں ان کا ثبوت اور سند نہیں اس لئے ان کی تکریم اور احترام کرنا بے اصل اور بے سند ہونے کی وجہ سے ناجائز ہے۔

کسی چیز کو بے ثبوت اور بے پختہ سند کے حضور کی طرف منسوب کرنا حرام ہے۔ نیز اصلی آثار کے ساتھ

بھی اس قدر غلو کا معاملہ کرنا جیسا کہ سوال میں مذکور ہے ناجائز اور بدعت ہے۔ بے ثبوت ہونے کی بنا پر اگر کوئی شخص ان آثار کی تعظیم و احترام سے منع کرے تو اس کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی توہین کا الزام لگانا ظلم اور جہالت ہے۔

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہٗ۔ دہلی

سوال

(۱) حدیث میں جو وارد ہوا ہے کہ میری امت تہتر گروہ میں تقسیم ہو جائے گی۔ اس لفظ امت سے کیا مراد ہے۔ ساری دنیا کے انسان عام اس سے کہ مسلمان ہوں یا کافر؟ یا صرف مسلمان مراد ہیں۔ مسلمان اور کافر مل کر تہتر گروہ ہو جائیں گے۔ یا مسلمانوں میں تہتر گروہ ہوں گے۔ کیا امت میں مسلمان و کافر دونوں ہی داخل ہیں۔ یہ حدیث کس قسم کی ہے؟

(۲) ناجی کون گروہ ہے۔ کل مسلمان یا ان میں کوئی خاص گروہ مراد ہے۔ ما انا علیہ واصحابی کا کیا مطلب ہے۔ المستفتی نمبر ۲۶۱۲ ابراہیم حسین صاحب (بنگلور) ۲۲ ربیع الثانی ۱۳۵۹ھ مطابق یکم جون ۱۹۴۰ء

(۴۰۶) **جواب** ۔ اس حدیث میں امت سے مراد امت دعوت بھی لی گئی ہے اور امت اجابت بھی۔ مرقاۃ شرح مشکوۃ میں ہے ثم قیل یحتمل امۃ الدعوۃ فیندرج سائر الملل الذین لیسوا علی قبلتنا فی عدد الثلاث والسبعین ویحتمل امۃ الاجابۃ فیکون الملل الثلاث والسبعون منحصرۃ فی اھل قبلتنا والثانی ھو الاظھر ونقل الابھری ان المراد بالامۃ امۃ الاجابۃ عند الاکثر۔ انتھی۔ اکثر علماء کا قول یہ ہے کہ امت اجابت مراد ہے۔ یہ حدیث ترمذی اور مسند امام احمد اور ابو داؤد میں ہے۔ ترمذی نے اس کو حسن کہا ہے۔ "ما انا علیہ واصحابی" سے وہ طریقہ مراد ہے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا اور خلفائے راشدین اور صحابہ کرام کا طریقہ تھا۔ یعنی جو آجکل اہل السنۃ والجماعۃ کا طریقہ ہے۔ اس میں حنفی شافعی مالکی حنبلی اہل حدیث سب داخل ہیں۔ البتہ مبتدع فرقہ ہائے ضالہ جیسے معتزلی خارجی۔ مرجئہ مشبہہ روافض وغیرہ اس سے خارج ہیں۔

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہٗ۔ دہلی۔

سوال

مع عریضہ ہذا ایک اشتہار بعنوان "اعلان خوش بیان" ارسال خدمت ہے۔ اس اشتہار میں سرخ قوسین سے گھرے ہوئے الفاظ یعنی امام الصدیقین، قدوۃ الاولین، صاحب مقام وراء الورٰی

حاکم علی القدر والقضا حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رح کے متعلق استعمال کیے گئے ہیں۔ حالانکہ "امام الصدیقین" حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ ہی ہو سکتے ہیں۔ "قدوۃ الاولین" تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ہی درجہ ہے۔ نیز واقعہ معراج کی نسبت سے بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو صاحب مقام وراء الوری کہا جا سکتا ہے اگرچہ حقیقتاً صاحب مقام وراء الوری خدائے تعالیٰ ہی کی ذات ہے۔ اور حاکم علی القدر والقضا، تو خدائے وحدہٗ لاشریک کے سوا اور کوئی نہیں ہو سکتا۔ مگر المعلن صاحب نے یہ الفاظ حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رح کے متعلق استعمال کیے ہیں۔ کیا اس سے خود حضرت شیخ موصوف کی توہین لازم نہیں آتی کہ آپ کی طرف وہ درجے منسوب کیے گئے ہیں جو فی الواقع آپ میں نہیں ہیں۔ نیز کیا اس سے المعلن نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی توہین کا ارتکاب نہیں کیا۔ اور کیا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں اس سے بڑھ کر اور کوئی گستاخی و بے ادبی ہو سکتی ہے کہ نعوذ باللہ من ذلک آپ کے امتی کو آپ پر فوقیت دی جائے۔ کیونکہ قدوۃ الاولین کے معنی پہلے گذرے ہوئے لوگوں کا سردار۔ ان پہلوں میں تمام پیغمبر اور صحابۂ کرام اور خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات ہے۔ اب شیخ عبدالقادر جیلانی کو قدوۃ الاولین یعنی پہلوں کا سردار کہنا گویا شیخ موصوف کو نعوذ باللہ منہ (نقل کفر کفر نباشد) تمام پیغمبروں، تمام صحابۂ کرام اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا سردار بنانا ہے۔ الامان۔

نیز جب حاکم علی القدر والقضا خدائے تعالیٰ ہی ہے تو خدا کی مخلوق کو حاکم علی القدر والقضا ماننا شرک اور کفر نہ ہو گا۔؟

اس لئے براہ نوازش شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ کے متعلق الفاظ مندرجۂ اشتہار منسلک عریضۂ ہذا کے استعمال سے شرعاً جو نتائج پیدا ہوتے ہیں ان نتائج کو تحریر فرمائیے۔ اور ان پر روشنی ڈالیے یا کوئی ایسی تاویل تحریر فرمائیے جس سے ایسے الفاظ حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی کے متعلق شرعاً استعمال کیے جا سکیں۔

المستفتی نمبر ۲۶۲۵ رانا عبدالواحد صاحب نیاز۔ بنگلور کینٹ۔ ۲۷ جمادی الاول ۱۳۵۹ھ مطابق ۳ جولائی ۱۹۴۰ء

(۴۰۷) **جواب**۔ حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی طاب ثراہ کی رفعت منزلت میں کلام نہیں۔ وہ ایک بڑے درجہ کے بزرگ اور ولی کامل تھے۔ مگر ان کی ثناء و منقبت میں اس قدر مبالغہ کرنا جو حد اطرا تک پہنچے مذموم ہے سید المرسلین ارواحنا فداہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی امت کو خود حضور کی مدح و ثناء میں اطرا کرنے سے منع فرمایا ہے۔ ارشاد ہوتا ہے لاتطرونی کما اطرت النصاریٰ عیسی بن مریم (علیہ السلام) یعنی میری ثنا میں اطرا

نہ کرنا جیسا کہ نصاریٰ نے عیسیٰ بن مریم علیہ السلام کے بارے میں اطراسے کام لیا۔

حضرت غوث الاعظم کے لئے امام الصدیقین اور قدوۃ الاولین کے الفاظ استعمال کرنا بھی فی الجملہ اطرا میں داخل ہے مگر اس میں تو یہ تاویل ممکن ہے کہ الصدیقین اور الاولین میں الف لام استغراق کا نہ لیا جائے یعنی الصدیقین اور اولین سے تمام صدیق اور تمام پہلے لوگ مراد نہ ہوں لیکن صاحب مقام وراء الوریٰ اور حاکم علی القدر والقضاء میں کوئی مقبول تاویل نہیں ہو سکتی۔ اس لئے ان الفاظ کا استعمال حضرت شیخ جیلانی رحمۃ اللہ علیہ کے لئے قطعاً ناجائز ہے۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ۔ دہلی

الجواب صحیح حبیب المرسلین عفی عنہ. نائب مفتی مدرسہ امینیہ دہلی

سوال

(۱) ایک شخص کچھ روپیہ لے کر زنا کرنے کی نیت سے چلا۔ اور کسی وجہ سے راستہ سے پلٹ آتا ہے۔ ایسے موقع میں وہ گناہ کا مرتکب ہو گیا یا نہیں؟

(۲) ایک شخص حج کرنے کی نیت سے چلا اور اثنا راہ میں وہ مر گیا۔ مرحوم کو حج کا ثواب ملے گا یا نہیں؟

المستفتی نمبر ۲۶۷ ایم عبدالرحمٰن صاحب (گیا) ۷ رجمادی الاول سنہ ۱۳۶۰ھ مطابق ۴ جون سنہ ۱۹۴۱ء

(۴۰۸) **جواب** ۔ بدی اور گناہ اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے اس وقت تک نہیں لکھا جاتا جب تک عمل میں نہ آجائے۔ اور نیکی ارادہ کرنے پر لکھ لی جاتی ہے۔ اور عمل میں آنے کے بعد اس کا حقیقی بدلہ لکھا جاتا ہے پس زنا کرنے کے ارادے سے چلا تو اس کا گناہ نہیں لکھا جائے گا۔ اور جب زنا واقع ہونے سے پہلے لوٹ آیا اور نادم ہوا تو یہ جانا کالعدم ہو گیا۔ اور حج کا ارادہ کر کے چلا تو اسی وقت سے اس کے نامہ اعمال میں نیکی (ارادۂ حج) لکھی جائے گی۔ اگر حج وجود میں آگیا تو حج کا حقیقی کامل بدلہ اس کے لئے لکھا گیا اور اگر حج کرنے سے پہلے مر گیا تو ارادۂ حج کی نیکی نامۂ اعمال میں لکھی رہی اور اس کو حکمی حج کا بھی ثواب مل جائے گا۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ۔ دہلی

سوال

گر حقیقت دیکھنی ہو کفر اور اسلام کی روئے انور دیکھ گیسوئے محمد دیکھ کر

مذکورہ بالا شعر میں شاعر نے حضور کی زلف مبارک کی سیاہی سے کفر کی ظلمت کو تشبیہ دی ہے شاعر کا یہ خیال شرعی نقطۂ نظر سے سوء ادبی لیے ہوئے ہے یا کیا۔ مدلل جواب شرعی مرحمت فرمایا جائے۔

المستفتی نمبر ۲۶۷۱ احمد خاں۔ ٹونک (راجپوتانہ) ۸ رجمادی الاول سنہ ۱۳۶۰ھ مطابق ۵ جون سنہ ۱۹۴۱ء

(۴۰۹) **جواب**۔ یہ تعبیر نامناسب ضرور ہے۔ مشبہ اور مشبہ بہ میں وجہ تشبیہ کے لحاظ سے یکسانیت نہیں ہے۔ اس لئے یہ مضمون بھی کوئی مستحسن اور بہتر نہیں ہے۔ کفر و اسلام کے نور و ظلمت میں اجتماع غیر متصور ہے۔ اور ظلمت کفر بجائے خود مذموم اور قابل محو ہے۔ اور زلف و روئے انور کی سیاہی اور نور مجتمع ہیں۔ اور ان کا اجتماع مستحسن اور مطلوب ہے۔ اور زلف کی سیاہی بجائے خود محمود اور قابل حفاظت ہے۔

محمد کفایت اللہ کان لہٗ۔ دہلی

سوال

دل حاوی ہے عقل پر یا عقل حاوی ہے دل پر؟ یعنی کسی کام کسی بات یا کسی فعل کے کرنے میں دل عقل کی متابعت میں چلتا ہے یا عقل دل کی؟ آپ اپنی رائے کا اظہار فرما کر صرف مجھے ہی نہیں بلکہ تقریباً ایک ہزار دیگر سیاسی قیدیوں کو بھی جو اس بحث میں بڑی شدت سے حصہ لے رہے ہیں، شکریہ کا موقع عنایت فرمائیں

المستفتی نمبر ۲۷۶۳ تاج محمد میر۔ سیاسی قیدی۔ سنٹرل جیل۔ ڈیرہ اسمٰعیل خاں ۲۷ ربیع الاول سنہ ۱۳۶۲ھ مطابق ۳ اپریل سنہ ۱۹۴۳ء

(۴۱۰) **جواب**۔ تمام رجحانات و تحریکات نفسانیہ کا مبنیٰ قلب ہے۔ وہی منشائے تحریک ہوتا ہے۔ پھر عقل اس کی رہبری کرتی ہے۔ اگر قلب نے عقل کی رہبری قبول کرلی تو اپنے اعمال میں رشد و استقامت پیدا کرلیتا ہے۔ اور اگر اس سے انحراف کیا تو خبیث و ضلال کی دلدل میں پھنس جاتا ہے۔ ہمارے سید و مولیٰ آقائے نامدار صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔ الا ان فی الجسد مضغۃ اذا صلحت صلح الجسد کلہ واذا فسدت فسد الجسد کلہ الا وھی القلب۔ یعنی جسم میں ایک مضغۂ لحم ہے وہ درست رہے تو سارا جسم درست رہتا ہے اور وہ بگڑ جائے تو سارا جسم خراب ہو جاتا ہے۔ ہاں! وہ دل ہے۔" اس حدیث سے معلوم ہوا کہ جسم انسانی اور حرکات نفسانی اور صلاح و فساد کی ذمہ داری دل پر ہے۔ قرآن پاک میں ہے کہ دوزخ میں دوزخی کہیں گے لو کنا نسمع او نعقل ما کنا فی اصحٰب السعیر یعنی اگر ہم سماعت سے کام لیتے یا عقل سے کام لیتے تو آج دوزخ میں نہ ہوتے۔" معلوم ہوا کہ ان کے تمام اعمال کی ذمہ داری دل پر تھی۔ عقل سے تو انھوں نے کام ہی نہیں لیا۔ ساری زندگی دل کی خواہشات اور تحریکات پوری کرنے میں گذاری۔ لہٰذا دل ہی تمام اعمال کا ذمہ دار ہے۔

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہٗ۔ دہلی

سوال

زید جو مفتی بھی ہیں اہل سنت والجماعت کے عقائد مندرجۂ ذیل قرار دیتے ہیں اور یہ فرماتے

ہیں کہ جس کے عقائد یہ نہ ہوں وہ اہل سنت والجماعت سے خارج ہے اور ایسے شخص کے پیچھے نماز پڑھنا جائز نہیں کیا یہ شخص اس قابل ہے کہ مسلمانوں کا مفتی ہو سکے۔ اور کیا ان عقائد کو نہ رکھنے والا اہل سنت سے خارج ہے۔ مفتی صاحب مذکور اہل سنت والجماعت کے مندرجۂ ذیل عقائد بتاتے ہیں :۔

(۱) مجلس میلاد شریف میں قیام تعظیمی مستحسن ہے۔ (۲) اللہ تعالیٰ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو علم غیب عطا فرمایا تھا۔ (۳) فاتحہ کھانے پر جائز ہے۔ (۴) عرس گیارھویں شریف جائز ہے۔ (۵) اولیاء اہل قبور سے استمداد جائز ہے۔ (۶) یہ کہنا کسی ولی سے جو انتقال فرما چکے ہیں کہ آپ مدد فرمائیے یا خدا سے دعا کیجئے جائز ہے۔ (۷) تمام مردے قبروں میں سنتے ہیں۔ (۸) یا غوث اور یا رسول اللہ کہنا جائز ہے۔ (۹) عبدالنبی عبدالمصطفیٰ، غلام نبی غلام رسول نام رکھنا جائز ہے۔ (۱۰) تقویۃ الایمان مصنفہ مولانا اسمٰعیل شہید دہلوی کے عقائد و مسائل خلاف مذہب اہل سنت والجماعۃ ہیں۔ بینوا بالادلۃ الواضحۃ۔

المستفتی نمبر ۲۷۸۸ افضل المناظرین جہانگیر خاں (آگرہ) ۲۷ ذی قعدہ ۱۳۶۳ھ

(۴۱۱) **جواب**۔ اہل سنت والجماعۃ کی یہ تعریف من گھڑت ہے جو کسی معتبر کتاب میں نہیں ہے۔ جو شخص اہل سنت والجماعۃ کی یہ تعریف بتاتا ہے اس سے دریافت کیا جائے کہ یہ تعریف کس کتاب میں لکھی ہے؟ جو عقائد وہ اہل سنت والجماعت کی طرف منسوب کرتا ہے ان میں سے بعض تو قرآن مجید کی صریح آیات اور احادیث صحیحہ کے خلاف ہیں۔ اور بعض وہ ہیں جن کو وہ خود مستحسن کا درجہ دیتا ہے۔ اور ظاہر ہے کہ کسی چیز کے مستحسن ہونے کو نہ ماننے والا اہل سنت والجماعۃ سے خارج نہیں ہو سکتا۔ اس کے بیان کردہ عقاید کی مختصر تفصیل یہ ہے:۔

(۱) "مجلس میلاد شریف میں قیام تعظیمی مستحسن ہے۔" اس سے پوچھا جائے کہ اہل سنت والجماعۃ کا یہ عقیدہ کس کتاب میں لکھا ہے کہ اہل سنت والجماعت وہ ہے جو مجلس میلاد میں قیام تعظیمی کو مستحسن سمجھتا ہو۔ پھر یہ بھی دریافت کیا جائے کہ قیام تعظیمی صرف مجلس میلاد میں مستحسن ہونے کی وجہ کیا ہے۔ اگر حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرۃ مطہرہ اور ولادت طیبہ کا مجلس وعظ میں ذکر کیا جائے تو اس میں قیام کیوں نہیں کیا جاتا؟ اور اس میں قیام نہ کرنے والے اہل سنت والجماعۃ سے خارج کیوں نہیں ہوتے۔ یہ بات بھی غور کے قابل ہے کہ مجلس میلاد معروف و مروج کی ابتدا یا ایجاد ساتویں صدی ہجری کے شروع میں ہوئی ہے۔ حضور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے مبارک زمانے سے چھ سو سال تک مجلس میلاد کا وجود نہ تھا۔ سب سے پہلے یہ مجلس اربل کے بادشاہ ملک مظفر ابوسعید نے ایجاد کی۔ اول من احدث فعل ذلک صاحب اربل الملک المظفر ابو سعید

کوکبری ابن زین الدین علی (الحاوی) ۔ ملک مظفر نے مولود کی ابتدا شاہانہ طریق پر کی۔ مجلس مولود پر ہر سال تین لاکھ اشرفیاں خرچ کرتا۔ یہ معلوم نہ ہوسکا کہ یہ مصارف بیت المال سے کیے جاتے تھے یا ذاتی ملکیت سے۔ اگر بیت المال سے ہوتے تھے تو اس کا حق نہ تھا۔ اور اگر ذاتی ہوتے تھے تو پھر بھی اس سے زیادہ ضروری اور مفید صیغوں میں مثلاً تبلیغ اسلام و تعلیم میں یہ رقم خطیر خرچ کرنا مناسب تھا۔ سبط ابن الجوزی نے مرآۃ الزمان میں ملک مظفر کی مجلس مولود کے بعض شرکا سے نقل کیا ہے کہ جس مجلس میں وہ شریک تھا اس میں پانچ ہزار بکری کی بھنی ہوئی سریاں اور دس ہزار بھنی ہوئی مرغیاں اور ایک سو گھوڑے اور ایک لاکھ کھانے کی رکابیاں اور تیس ہزار حلوے کی قابیں شمار کی تھیں۔ ملک مظفر ایک تو مجلس مولود اس شان و شوکت سے کرتا۔ دوسرے یہ کہ ظہر کے بعد سے نماز فجر تک مجلس قوالی گرم رہتی۔ اس میں خود شریک ہوتا اور حال کھیلتا اور رقص کرتا تھا۔ اور جو علما اور صوفی آتے ان کو خلعتیں دیتا اور خزانے ان کے لئے کھول دیتا۔ وقال سبط ابن الجوزی فی مرآۃ الزمان حکی بعض من حضر سماط المظفر فی بعض الموالد انہ عدّ فی ذلک السماط خمسۃ آلاف رأس غنم مشوی وعشرۃ آلاف دجاجۃ ومائۃ فرس ومائۃ الف زبدیۃ وثلثین الف صحن حلوی۔ قال وکان یحضر عندہ فی المولد اعیان العلماء والصوفیۃ فیخلع علیہم ویطلق لہم ویعمل للصوفیۃ سماعًا من الظہر الی الفجر ویرقص بنفسہ معہم وکان یصرف علی المولد فی کل سنۃ ثلثمائۃ الف دینار (الحاوی للسیوطی) جبکہ مجلس مولود کا وجود چھ صدیوں تک نہ تھا تو چھ صدی تک مسلمان جو نہ مجلس مولود منعقد کرتے تھے نہ قیام کرتے تھے وہ اہل سنت والجماعت تھے یا نہیں۔ اور ان کا ایمان و اسلام کامل تھا یا ناقص ؟ اگر تمام صحابۂ کرام اور تابعین عظام اور مجتہدین واجب الاحترام مجلس مولود کے اور قیام کے بغیر سچے اور پکے مؤمن و مسلم اور اہل سنت والجماعۃ تھے تو آج بھی وہی ایمان وہی اسلام مومن و مسلم اور اہل سنت والجماعۃ بننے کے لئے کافی ہے۔ ملک مظفر کی کی ایجاد سے اسلام و ایمان کی حقیقت نہیں بدل سکتی۔ اور نہ اہل سنت والجماعۃ میں شمار کیے جانے کی شرط بن سکتی ہے۔ ورنہ تو قوالی اور حال کھیلنا اور رقص کرنا بھی اسلام و ایمان میں داخل اور اہل سنت والجماعت کی علامت قرار دیا جائے گا۔ وحاشا عن ذلک

(۲) "اللہ تعالیٰ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو علم غیب عطا فرمایا۔" ہاں اللہ تعالیٰ نے بیشمار مغیبات کا علم حضورؐ کو عطا فرمایا تھا۔ ہمارا ایمان اس پر ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا علم اللہ تعالیٰ کے بعد تمام خلق سے زیادہ تھا۔ مگر جب مغیبات کا علم اللہ تعالیٰ کے بتانے سے حضور کو حاصل ہوا تو حضور عالم الغیب نہیں ہوئے۔

کسی غیب کی بات کا علم جو بتانے سے حاصل ہو وہ علم غیب اس شخص کے حق میں نہیں رہتا اور اس لئے اس پر عالم الغیب کا اطلاق نہیں ہو سکتا۔ قرآن پاک میں حضور کو حکم دیا گیا کہ امت سے کہہ دو کہ میں علم الغیب نہیں ہوں قل لا اقول لکم عندی خزائن اللہ ولا اعلم الغیب ولا اقول لکم انی ملک تمام امت کا متفقہ عقیدہ ہے کہ علم غیب خاص حق تعالیٰ شانہٗ کی صفت ہے۔

(۳و۴) "کھانے پر فاتحہ دینا اور عرس اور گیارھویں"۔ ان میں دو باتیں ہیں۔ اوّل ایصال ثواب یعنی صدقہ کرکے (خواہ کھانا دیا جائے یا نقد یا اور کوئی چیز) اس کا ثواب کسی میت کو بخش دیا جائے۔ یا کوئی عبادت بدنیہ نافلہ ادا کی جائے (جیسے نماز پڑھے یا روزہ رکھے یا تلاوت قرآن پاک کرے) اور اس کا ثواب کسی کو بخش دے۔ تو یہ بالاتفاق جائز ہے۔ دوم ان رسومات کی تخصیص اور تعیین ایام و شمول منکرات۔ جیسے کھانا سامنے رکھنا۔ فاتحہ کی جگہ کو لیپنا پوتنا۔ کھانے کے سامنے پان کی گلوری عطر کی پھریری حتیٰ کہ اگر میت افیون کھاتا تھا تو افیون۔ اور حقہ پیتا تھا تو بھرا ہوا حقہ بھی سامنے رکھ کر فاتحہ دینا۔ جس کا مطلب یہ ہوا کہ میت کو گویا یہ تمام چیزیں پہنچتی ہیں۔ جو صریح جہالت ہے۔ پھر اس کو لازم و ضروری سمجھنا۔ گیارھویں تاریخ کو اہتمام سے گیارھویں کرنا۔ عرس میں دور و دراز مسافت سے شد رحال کرکے جانا۔ عورتوں کے ساتھ اجتماع و اختلاط کرنا۔ غیر محرم عورتوں کا گانا بجانا۔ یہ تمام باتیں بدعت ہیں۔ ان بدعات کے مرتکب تو اہل سنت والجماعت قرار دیئے جائیں اور جو ان بدعات و منکرات سے بچیں اور امت مرحومہ کو بچائیں وہ اہل سنت والجماعۃ سے خارج ہوں۔ یہ بات ایک ادنیٰ سمجھ والا بھی سمجھ سکتا ہے۔

(۵، ۶، ۷) اہل قبور سے مدد مانگنا تو اس لئے ناجائز ہے کہ وہ ظاہری زندگی کے لوازم اور اسباب اعانت سے علیحدہ ہو چکے ہیں۔ اور روحانی اور باطنی امداد دینے کی قرآن و حدیث و فقہ میں کوئی دلیل نہیں۔ ان کے مزارات کی زیارت مسنون و مستحب ہے۔ مگر زیارت کی غرض تذکر آخرت و تذکر موت اور صاحب قبر کے لئے دعائے مغفرت ہے۔ اور ان کے قرب سے برکت و سعادت حاصل ہوتی ہے جو ان سے مانگنے پر موقوف نہیں ہے۔ اور مُردوں کا سننا یا نہ سننا صحابہ کرام کے زمانے سے مختلف فیہ ہے۔ حضرت عائشہؓ اور بہت سے صحابہ کرام سماع اموات کا انکار فرماتے تھے اور قرآن کریم کی آیات سے استدلال فرماتے تھے۔ پس منکر سماع کو اہل سنت والجماعت سے خارج کرنے والا گویا حضرات صحابہ کو بھی اہل السنت والجماعۃ سے خارج کرتا ہے۔ معاذ اللہ

(۸) یارسول اللہ صلوۃ وسلام کے ساتھ مثلاً الصلوۃ والسلام علیک یارسول اللہ اس نیت سے

کہنا کہ ہمارا یہ کلام فرشتے حضور کو پہنچا دیں گے جائز ہے۔ اور اس اعتقاد سے کہنا کہ خود حضور سنتے ہیں ناجائز اور مفضی الی الشرک ہے۔ اور یا غوث کہنا اور غوث سے مراد حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی ہونا اور یہ سمجھنا کہ حضرت شیخ قدس سرہ ہر شخص کی ندا ہر مقام سے سن لیتے ہیں شرک ہے۔

(۹) عبدالنبی عبدالمصطفی غلام نبی، غلام رسول اور اس قسم کے نام رکھنے کو اس غرض سے منع کیا جاتا ہے کہ اس میں ایہام و اشتباہ ہو سکتا ہے۔ اور عوام اس غلطی اور بدعقیدگی میں مبتلا ہو سکتے ہیں کہ ہم جیسے اللہ کے بندے ہیں ایسے ہی نبی اور رسول کے بندے ہیں۔ اور ظاہر ہے کہ اس بات کو اہل سنت والجماعت کی پہچان قرار دینا کسی ذی فہم آدمی کا کام نہیں ہو سکتا۔ صحابہ کرام باوجود فدائے شمع رسالت ہونے کے عبدالمصطفی عبدالنبی نام نہیں رکھتے تھے۔

(۱۰) تقویۃ الایمان حضرت مولنا اسمٰعیل شہید دہلوی کے مسائل قرآن مجید اور احادیث صحیحہ کے موافق اور مذہب اہل السنۃ والجماعۃ کا آئینہ ہے۔ یہ دوسری بات ہے کہ لفظی تعبیر میں کسی کو تامل ہو۔ لیکن مسائل میں کسی سنی حنفی کو اختلاف نہیں ہو سکتا۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہٗ دہلی۔

سوال

حضرات علمائے دیوبند کو گمراہ جاننا اور ان کے وعظ کو بند کرنا اور ان کو وہابی کہنا کیسا ہے؟

(۴۱۲) **جواب**۔ علمائے دیوبند پکے حنفی اہل السنۃ والجماعۃ ہیں۔ ان کو گمراہ جاننا یا وہابی کہنا غلط ہے۔

محمد کفایت اللہ غفرلہٗ۔ مدرسہ امینیہ دہلی۔

سوال

ایک شاعر مندرجہ ذیل قسم کے اشعار اردو زبان میں کہتا پڑھتا اور شائع کراتا ہے۔ اور خدا اور رسول کے خلاف ایسا لٹریچر پیدا کرتا ہے جو آئندہ نسلوں کے لئے خطرناک ہے۔

اشعار

افق سے سحر مسکرانے لگی — موذن کی آواز آنے لگی

یہ آواز ہر چند فرسودہ ہے — جہاں سوز صدیوں سے آلودہ ہے

مگر اس کی ہر سانس میں متصل — دھڑکتا ہے اب تک محمد کا دل

رباعیات

حق کا ہو عروج ہر ولی چاہتا ہے — باطل مٹ جائے ہر نبی چاہتا ہے
لیکن ان بزرگواروں سے کوئی پوچھے — کیا قادر مطلق بھی یہی چاہتا ہے
آتے نہیں جن کو اور دھندے ساقی — اوہام کے بنتے ہیں وہ پھندے ساقی
جس مے کو چھڑا سکا نہ اللہ اب تک — اس مے کو چھڑا رہے ہیں بندے ساقی

ایسے شاعروں اور ایسے اشعار کے خلاف آواز بلند کرنا ضروری ہے یا نہیں ، اور احترام مذاہب کا خیال رکھتے ہوئے حکومت کو ایسے شاعر کے خلاف قانونی کارروائی کرنی چاہئے یا نہیں ؟

(۳۱۳) **جواب** . ایک فتوی اس سے پہلے شاعر مذکور کے کلام کے متعلق میں لکھ چکا ہوں . وہی اس کا جواب بھی سمجھ لیا جائے . یہ کلام ملحدانہ ہے . اس سے بچنا اور اس کو نقل کرنے سے احتراز کرنا لازم ہے . حکومت موجودہ کوئی اسلامی حکومت تو ہے نہیں کہ وہ ملحدانہ کلام پر کوئی گرفت کرے . ہاں مسلمان اپنے طرز عمل سے شاعر کو اس قسم کی شاعری سے روک سکیں تو ان پر لازم ہے . محمد کفایت اللہ کان اللہ لہٗ . دہلی

سوال

زید کہتا ہے کہ حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی اور شاہ رفیع الدین اور ان کے والد ماجد شاہ ولی اللہ محدث دہلوی اور ان کے والد شاہ عبدالرحیم صاحب اور شیخ عبدالحق محدث دہلوی یہ تمام کوئی بڑے پایہ کے علما نہ تھے . جس طرح میاں نظیر حسین محدث دہلوی بڑے عالم تھے . ان علما نے حدیث کی اور دین کی کوئی نمایاں خدمت نہیں کی . بلکہ ہندوستان میں تقلید کی بدعت پھیلانے کے یہی لوگ سبب ہوئے . عمرو کہتا ہے کہ مذکورہ بالا علما بڑے پایہ کے عالم تھے ہندوستان میں آج علم حدیث کا وجود انھیں حضرات کا طفیل ہے . حدیث کی اور دین کی بڑی خدمتیں کیں . اور ان کے بعد کے علما ان کو اپنا مقتدا اور پیشوا سمجھتے ہیں . دیکھو حضرت شاہ عبدالحق محدث رحمۃ اللہ علیہ نے مشکوٰۃ کی شرح اشعۃ اللمعات تحریر فرمائی اور عقائد میں تکمیل الایمان تحریر فرمائی . حضرت شاہ عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ نے ردشیعہ میں تحفہ اثنا عشریہ تحریر فرمائی اور تفسیر عزیزی فتاوی عزیزیہ وغیرہ لکھی . وغیرہ

سوال یہ ہے کہ دونوں میں سے کس کا قول صحیح ہے ؟ المستفتی منشی رحیم بخش (جھانسی)

(۳۱۴) **جواب** . عمرو کا قول صحیح ہے . حضرت شاہ عبدالحق محدث دہلوی اور حضرت شاہ ولی اللہ و شاہ عبدالعزیز رحمہم اللہ تعالی اور اسی خاندان کے دوسرے بزرگ بڑے مقدس اور متبحر علما تھے . تمام ہندوستان ان کے علمی فیوض سے متمتع ہے . میاں نظیر حسین صاحب محدث دہلوی بھی اسی خاندان کے خوشہ چین اور حضرت شاہ

محمد اسحٰق رحمۃ اللہ کے شاگرد تھے۔ حضرت شاہ ولی اللہؒ اور حضرت شاہ عبد العزیزؒ کے احسانات دینیہ سے ہندوستان کے مسلمان سبکدوش نہیں ہو سکتے۔ ان کی تصنیفات معتبر اور لایق استفادہ ہیں۔ اسی طرح حضرت شاہ اہل اللہ، شاہ رفیع الدین، شاہ عبد القادر، شاہ محمد اسحٰق، شاہ محمد اسمعیل شہید رحمۃ اللہ علیہم اجمعین یہ سب مقدس بزرگ ہیں۔ اور ان کی تصنیفات معتبر اور مقبول ہیں۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہٗ دہلی۔

سوال

(از اخبار سہ روزہ الجمعیۃ دہلی مورخہ ۴ اپریل ۱۹۲۶ء مطابق ۲۲ شوال ۱۳۴۴ھ)

گذارش ہے کہ ایک مطبوعہ اشتہار عریضہ ہذا کے ساتھ ارسال خدمت ہے۔ بار ہا اس قسم کے اشتہارات ہر دو تین سال بعد دیکھنے میں آتے ہیں۔ مگر اشتہار ہذا میں یہ نئی بات ہے کہ بقید سنین پیش گوئی درج ہے۔ لہٰذا استدعا ہے کہ اس کے متعلق رائے عالی سے مطلع فرمائیں۔ اشتہار:۔

فرمان مصطفوی

ہم مسلمان مدد مانگتے ہیں اور درود و سلام بھیجتے ہیں دونوں جہان کے سردار سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے آل و اصحاب پر اس وصیت سے سب مسلمان بھائیوں کو اطلاع کرتا ہوں۔ مدینہ منورہ سے شیخ احمد خادم روضۂ مبارک کی طرف سے۔ کہتے ہیں کہ جمعرات کو میں قرآن مجید کی تلاوت کے بعد اللہ پاک کے نام کا ورد کرنے بیٹھا تھا کہ نیند کا غلبہ ہوا۔ تو میں وہیں سو گیا اور خدائے پاک کی مہربانی سے حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت نصیب ہوئی۔ حضور نے پکار کر فرمایا اے شیخ! میں نے عرض کیا لبیک یا رسول اللہ! آپ نے فرمایا کہ میری امت میں نہایت برے کام ہو رہے ہیں اور میں شرمندہ ہو رہا ہوں۔ اور پروردگار کو اور اس کے ملائک کو مونہہ نہیں دکھا سکتا۔ اس سبب سے کہ اس جمعے سے آتے جمعہ تک ایک لاکھ آٹھ ہزار اسلام کے سوائے دوسرے مذہب پر چل رہے ہیں۔ میں خدا کے آگے پناہ مانگتا ہوں حال میں ایسا ہو رہا ہے۔ مالدار لوگ غریبوں پر رحم نہیں کرتے۔ صبح اٹھتے ہی برے کاموں میں مشغول ہو جاتے ہیں۔ ہر ایک شخص گناہوں کی طرف رجوع ہو رہا ہے۔ کوئی شراب دارو پیتا ہے۔ کوئی ناپ تول کم کر دیتا ہے۔ بیاج کھا رہا ہے۔ زکوٰۃ نہیں دیتے۔ اے شیخ احمد اس میری وصیت کو لوگوں تک پہنچا دے کہ غفلت میں نہ رہیں۔ میں ان کی حالت دیکھ کر حیران و پریشان ہوں کیونکہ ان کے اوپر عذاب نازل ہونے والا ہے۔ اور خدائے پاک ان کا رزق بند کرنے والا ہے۔ اس نشان کو خبر کر دو کہ میں خدا سے پناہ مانگتا ہوں۔ اس زمانے کے لوگ نیک کاموں سے دور اور برے کاموں کے نزدیک

ہو رہے ہیں۔ دین اسلام سے دور بھاگ رہے ہیں۔ آخرت کا دن قریب آ رہا ہے۔ اور سنہ ۱۳۴۰ھ میں عورت اپنے خاوند کی بے اجازت گھر سے باہر جائے گی۔ اور سنہ ۱۳۵۰ھ میں ایک نشانی مرغی کے انڈے کے مانند دکھائی دے گی۔ اور سنہ ۱۳۶۰ھ میں تین دن اور تین رات آفتاب غروب رہے گا۔ اس کے بعد مغرب سے طلوع ہو گا۔ اس وقت توبہ کے دروازے بند ہو جائیں گے۔ اور سنہ ۱۳۸۰ھ میں حافظوں کے سینے سے قرآن شریف نکل جائے گا یادداشت کمزور ہو جائے گی۔ اور مسیح اور دجال ظاہر ہوں گے۔ اور آخری زمانے کے حالات دیکھ کر میں بہت پریشان ہوں گا۔ شیخ یہ ہماری نصیحت لوگوں پر پہنچا دے اور ان کو خبر کر دے کہ اس وصیت کو جو کوئی نقل کر کے ایک شہر سے دوسرے شہر پہنچا دیگا تو خداوند کریم اس کے لئے ایک محل جنت میں تیار کرے گا۔ جو کوئی اس طرح نہ کریگا تو قیامت کے دن اس کو میری شفاعت نصیب نہ ہو گی۔ اور جس کسی کو لکھنا نہ آتا ہو تو تین درم دے کر لکھائے اور جو کوئی مفت لکھ دے تو اللہ تعالیٰ اس کو جنت میں محل دے گا۔ اور قرضدار لکھوا کر اپنے پاس رکھے تو خداوند کریم اس کا قرض ادا کرے گا۔ اس کے اور اس کے ماں باپ کے گناہوں کو بخش دے گا۔ اور جو لکھ کر نہ دے اس کا مونہہ دنیا میں اور آخرت میں کالا ہو گا۔

شیخ احمد کہتے ہیں خدا کی قسم خدا کی قسم یہ اوپر لکھی ہوئی حقیقت سب سچ ہے۔ اور میں جھوٹ کہتا ہوں تو دنیا میں اسلام کے سوائے غیر مذہب کے اوپر میری موت ہو۔ اور جو شخص اس حقیقت کو غلط سمجھے اور ایمان نہ لائے تو وہ کافر ہے۔ اور ایمان لائے گا تو دوزخ کی آگ سے نجات پائے گا میں درود بھیجتا ہوں دونوں جہان کے سردار پر اور سلام بھیجتا ہوں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر اور ان کے آل و اصحاب پر۔ خداوند کریم یہ وصیت ظاہر کرنے والے پر اجر عظیم اور جنات نعیم ظاہر فرما۔ نماز پڑھو اور عذاب سے بچو۔ اور نیک چلنی اختیار کرو۔ آمین ثم آمین

(۱۵۱۴) **جواب**۔ یہ وصیت نامہ اور اسی قسم کے وصیت نامے جو مدت سے شائع کئے جا رہے ہیں، ہرگز اعتبار کے قابل نہیں ہیں۔ شیخ احمد ایک فرضی نام ہے۔ اور تمام واقعہ محض بناوٹی اور گھڑا ہوا ہے۔ یا تو یہ کارروائی دشمنان اسلام کی ہے کہ وہ مسلمانوں کے عقیدے بگاڑنے کے لئے اس قسم کی بے سر و پا باتیں شائع کرتے ہیں۔ یا ان ناواقف اور جاہل مسلمانوں کا کام ہے جو اصول اسلام سے ناواقف اور بے خبر ہیں۔ بہرحال یہ اشتہار اور اسی قسم کے دوسرے اشتہار بالکل ناقابل اعتماد ہیں۔ کسی مسلمان کو حلال نہیں کہ وہ انھیں چھپوائے یا شائع کرے۔ یا اسے پڑھ کر دوسروں کو سنائے۔ بلکہ لازم ہے کہ جسے ملے وہ فوراً ضائع کر دے۔

(۴۱۶) **جواب دیگر** - یہ اشتہار جس کا عنوان "فرمان مصطفوی" ہے عرصۂ دراز سے ہندوستان میں چھپتا اور شائع ہوتا ہے۔ تقریباً پینتالیس برس سے تو میں دیکھ رہا ہوں۔ ابتداء میں اس کی اشاعت غالباً کسی دشمن اسلام نے کی ہوگی۔ پھر بھولے بھالے مسلمان اپنی ناواقفیت کے باعث پھنس گئے۔ اور کوئی نہ کوئی مسلمان اس کو چھپوا کر شائع کر دیتا ہے۔ اس کا مضمون شریعت کے اصول کے خلاف ہے۔ اور اس پر یقین کرنا جہالت اور گناہ ہے۔

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہٗ

(از اخبار سہ روزہ الجمعیۃ مورخہ ۲۴ جون ۱۹۳۴ء)

سوال

(از اخبار الجمعیۃ دہلی مورخہ ۵ اکتوبر ۱۹۲۹ء)

کسی دینی کتاب میں قیامت کے آنے کے لئے کوئی وقت یا صدی معین کی گئی ہے یا نہیں؟ ہم پر اغیار اعتراض کرتے ہیں کہ تمہاری کتابوں میں لکھا ہے کہ چودھویں صدی میں قیامت ہے۔ کیا یہ صحیح ہے؟

(۴۱۷) **جواب** قیامت کا کوئی وقت معین طور پر نہیں بتلایا گیا۔ نہ کوئی صدی معین کی گئی ہے۔ اس کا صحیح وقت خدائے تعالیٰ کے سوا کسی کو معلوم نہیں ہے۔ محمد کفایت اللہ غفرلہٗ۔ دہلی۔

سوال

(از اخبار سہ روزہ الجمعیۃ دہلی مورخہ ۲ جولائی ۱۹۳۶ء)

ہندوستان کے مشہور شاعر سیماب صاحب کے لئے چند شاعروں نے قصیدے لکھے ہیں جن میں سے ایک نے لکھا ہے:-

اے ضیا سیماب وہ پیغمبر اسرار ہے ۔۔۔ رہنما ہے راہبر ہے قافلہ سالار ہے

اس کے علاوہ مضطر لاہوری نے بھی سیماب کے لئے مندرجۂ ذیل اشعار کہے ہیں:-

عشق کا پیغمبر جذبات نقاش بہار ۔۔۔ خالق رومانیت تہذیب کا پروردگار

رہبر راہ طریقت بربط نغمہ فروش ۔۔۔ عارف کعبہ بداماں ساقی کوثر بدوش

ہم زباں روح القدس کا ہمنوائے ساز غیب ۔۔۔ عشق کے بھیدوں کا محرم آشنائے راز غیب

غنچۂ گل کو سکھانے والا طرز گفتگو ۔۔۔ بھرنے والا چشم مینا میں مذاق جستجو

جوڑنے والا لب گفتار سے ساز وجود ۔۔۔ توڑنے والا بت پندار کا طلسم جمود

جس کے لب ہالہام زا جس کی نظر جبریل ساز — جس کی پستی میں ہزاروں آسمانوں کا فراز
جس کی ہر ہر سانس میں پنہاں حدیث راز ہے — آسماں تو کیا فرشتوں کو بھی جس پر ناز ہے
خار صحرا کو کیا جس نے چمن سے آشنا — بے زبانوں کو کیا جس نے سخن سے آشنا

کیا کسی شاعر کو پیغمبر اسرار کہنا جائز ہے؟ مضطر لاہوری کے مندرجہ بالا اشعار شریعت متبرکہ کی رو سے کیسے ہیں؟

(۴۱۸) **جواب**۔ شعرا کے کلام میں اس قسم کی باتیں بکثرت ہوتی ہیں اور یہ مبالغہ میں ہمیشہ حدود اعتدال سے گزر جاتے ہیں۔ ؎ در شعر مپیچ و در فن او — چوں اکذب اوست احسن او

پیغمبر اسرار کہنے سے کفر عائد نہیں کیا جائے گا کیونکہ اسرار سے اسرار الٰہیہ مراد نہیں ہیں۔ بلکہ اسرار کلام یا اسرار عشق و محبت یا اسرار فصاحت و بلاغت مراد ہو سکتے ہیں۔ اسی طرح تہذیب کا پروردگار یعنی رب التہذیب بالاضافت ایسا ہے جیسے رب الغنم رب المال وغیرہ۔ ساقی کوثر بدوش ان تمام الفاظ میں زیادہ سخت ہے۔ مگر شاعر کے لئے والشعراء یتبعهم الغاوون۔ الم تر انهم فی کل واد یهیمون۔ وانهم یقولون مالا یفعلون کے تمغے رکھنے کے بعد یہ باتیں مستبعد نہیں۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ

سوال

(اخبار الجمعیۃ مورخہ ۱۶ / دسمبر ۱۹۳۱ء)

چند اشخاص ہم نوالہ و ہم مشرب تھے۔ یکایک فروعی مسائل میں اختلاف ہو گیا اور ذاتی عداوتیں شروع ہو گئیں۔ زید نے بکر کو زنا کی تہمت لگا کر نماز سے نکال دیا بکر نے ہر چند کہا کہ میں بری ہوں۔ قرآن شریف اٹھا سکتا ہوں اگر تم سچے ہو تو گواہ لاؤ۔ بکر نے قرآن شریف کے حق میں بے ادبی کے الفاظ کہے۔ وغیرہ

(۴۱۹) **جواب**۔ فروعی اختلافات میں تو یہ طرز عمل مناسب نہیں ہے۔ لیکن فروعی اختلاف کو صاف صاف ذکر کرنا چاہئے کہ کس مسئلہ کی بنا پر اختلاف ہوا ہے۔ اور زنا کی تہمت تو بہر حال سخت چیز ہے۔ بغیر حجت شرعیہ کسی کو متہم بالزنا کرنا سخت گناہ ہے۔ قرآن مجید کے بارے میں توہین کے الفاظ کہنا موجب فسق ہے اور بعض صورتیں کفر تک پہنچا دیتی ہیں۔ علمائے کرام اور محدثین عظام کی شان میں بے ادبی کرنا موجب فسق ہے۔ اور اگر بے ادبی حیثیت کسی شرعی مسئلے کے یا علم کی توہین پر مبنی ہو تو موجب کفر ہو سکتی ہے۔

محمد کفایت اللہ عفا عنہ ربہ

فرہنگ اصطلاحات

الف

اَحْوَطْ ۔ قریب باحتیاط، جواز کی دو برابر کی صورتوں میں سے وہ صورت جو تقوی کے قریب تر ہو

اِسْتِخْفَاف ۔ حقیر سمجھنا۔

اِحْتِضَار ۔ نزع کا وقت، موت کے فرشتوں کا قبضِ روح کے لئے حاضر ہونا۔

اِطْرَاء ۔ کسی کی تعریف میں حد سے زیادہ مبالغہ کرنا

اِضْطِرَار ۔ ایسے حالات کا پیدا ہو جانا کہ جان کے ہلاک ہو جانے کا یا کسی عضو کے ٹوٹ جانے کا یقین ہو جائے۔

اِجْمَاعِی مَسْئَلَہ ۔ وہ عقیدہ یا حکم جس پر صحابہ و ائمہ مجتہدین متفق ہوں۔

اِلْہَام ۔ خدا کے نیک بندوں کے دل میں خدا کی طرف سے جو کوئی بات ڈالی جاتی ہے اسے اِلْہَام کہتے ہیں۔ یہ وحی کے بعد کا درجہ ہے۔ مُلْہِمْ اسم فاعل۔ مُلْہَمْ اسم مفعول۔

اَدِلّہُ اَرْبَعَۂ شَرْعِیَّہ ۔ چار شرعی دلیلیں جن پر احکام شرعیہ کا مدار ہے۔ اول قرآن مجید، دوم حدیث شریف۔ سوم اجماع امت، چہارم قیاس (اجتہاد)

اَحْنَاف ۔ حنفی کی جمع۔ حضرت امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے مقلدین۔

اِتِّفَاقًا ۔ متفقہ طور سے، بالاتفاق

اِسْتِدْلَال ۔ دلیل پکڑنا، یعنی کسی مسئلہ مطلوبہ کو ثابت کرنے کے لئے کوئی اصول پیش کرنا۔

اِحْتِجَاج ۔ حجت پکڑنا۔ یعنی کسی مسئلہ کو ثابت کرنے کے لئے ایسی صاف اور واضح دلیل پیش کرنا جو مقابل کی دلیلوں کو کاٹ دے اور اس کو مغلوب کر دے۔

اِسْرَائِیْلِیَّات ۔ زمانۂ ماقبل اسلام کے پیغمبروں امتوں ملکوں اور سلطنتوں سے تعلق رکھنے والی وہ روایات و حکایات جو اہل کتاب کی مذہبی کتابوں سے منقول ہیں۔

اِلْحَاد ۔ بے دینی، مُلْحِد اس کا اسم فاعل ہے۔

ب

بَرْزَخ ۔ موت کے بعد قیامت تک کا زمانہ۔

ت

تعزیر ۔ سزا دینا، کسی جرم کی وہ سزا جو حاکم اسلام اپنی صوابدید اور رائے سے تجویز کرے اور شرعاً اس کی کوئی خاص سزا مقرر نہ کی گئی ہو۔

تکفیر۔ کفر کا حکم لگانا۔

تاویل۔ لفظ مشترک کے چند معانی محتملہ میں سے بقرائن ایک معنی کو ترجیح دینا۔ (اگر وہ ترجیح اصول شرعیہ کے خلاف نہ ہو تو تاویلِ مقبول ہے ورنہ تاویل باطل)

تعبیر۔ کسی مفہوم و معنی کو بیان کرنے کے لئے چند اسالیب بیان میں سے ایک اسلوب بیان کو یا چند مرادف الفاظ میں سے ایک کو اختیار کرنا۔

تحریف۔ الفاظ یا مفہوم میں اصل مقصد کے خلاف اپنی مرضی کے مطابق ادل بدل کر دینا۔

تواتر۔ کسی بات کا اتنے کثیر راویوں کے ذریعے سے تسلسل کے ساتھ ہم تک پہنچنا جن کے متعلق جھوٹ کا گمان نہ ہو سکے۔ جیسے قرآن مجید کہ ہم تک بطریق تواتر پہنچا ہے۔

تشریع۔ کسی بات کو دین قرار دینا، مذہب قائم کرنا۔

تحدی۔ قوت مضبوطی اور دعوے کے ساتھ کسی بات کو دوسروں کے سامنے پیش کرنا، چیلنج کرنا۔

تلبیس۔ جھوٹ سچ کو ملا دینا۔ صحیح بات کو مشتبہ کر دینا۔

توجیہ۔ کلام کے محمل کو بیان کرنا اور وجہ و علت کو ظاہر کرنا تاکہ اس کا اغلاق و ابہام دور ہو جائے۔ اور دوسرے کلام سے اس کا تعارض رفع ہو جائے۔

تھیوری۔ (انگریزی) نظریہ

تثلیث۔ تین خدا ماننا (عیسائیوں کا عقیدہ)

ج

جماہیر۔ (جمہور کی جمع) مراد اسلام کے علما اور صائب الرائے لوگ۔

جاہلیت۔ (عہد جاہلیت) حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے پہلے کا زمانہ

ح

حربی۔ دار الحرب کے غیر مسلم باشندے یا رعایا۔

حنفیہ۔ (حنفی کی جمع) حضرت امام اعظم ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے مقلدین

حنبلیہ۔ (حنبلی کی جمع) حضرت امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ کے مقلدین۔

حجت۔ (برہان) ایسی صاف اور واضح دلیل جو مقابل کی دلیلوں کو کاٹ دے اور اس کو مغلوب کر دے۔

حمد۔ اللہ تعالیٰ کی تعریف بیان کرنا۔

حد۔ جرم کی وہ سزا جو دلیل قطعی کی رو سے شرعاً

ثابت اور مقرر ہو۔

خ

خَارِقِ عَادَتْ۔ کوئی ایسا کام یا واقعہ جو فطرت کے عام دستور و معمول کے خلاف کسی آدمی سے بغیر اسباب و آلات کے ظاہر ہو۔ (پیغمبر سے ظاہر ہو تو اس کو معجزہ اور ولی سے ظاہر ہو تو اس کو کرامت اور غیر مسلم سے ظاہر ہو تو اس کو استدراج کہتے ہیں۔ لیکن ان تینوں میں اور بھی بہت سے باریک فرق ہیں۔)

د

دَارُالْاِسْلَام۔ وہ ملک جس میں مسلمانوں کی خود مختار حکومت ہو اور اسلامی احکام و قوانین جاری کرنے پر قادر ہو۔

دَارُالْحَرْب۔ وہ ملک جس میں اقتدار اعلیٰ غیر مسلموں کے ہاتھ میں ہو۔

دِیَانَۃً۔ وہ معاملہ جو بندے اور خدا کے درمیان ہو

دلیل۔ کوئی اصول جس سے مسائل ثابت کیے جائیں۔

دَلِیْل قَطْعِی۔ وہ دلیل جو صاف و صریح اور واضح طور پر کتاب و سنت میں موجود ہو اس میں توجیہ و تاویل کی گنجائش نہ ہو۔

ڈ

ڈَارْوَنْ تھیوری۔ ڈارون کا نظریہ۔ (ڈارون یورپ کا ایک فلاسفر تھا۔ اس نے اسلامی عقیدے کے خلاف یہ نظریہ پیش کیا تھا کہ انسان کی آفرینش حضرت آدم علیہ السلام کی صورت میں نہیں ہوئی ہے۔ بلکہ پہلے ایک کیڑا تھا پھر اس نے گرگٹ وغیرہ کی شکل اختیار کی پھر تدریجاً بہت سی مختلف صورتیں اختیار کرتا ہوا بندر کی صورت میں آیا اور بندر سے ترقی کر کے انسان بنا)

ر

رِبٰوا۔ رِبا۔ سود، بیاج

رِدَّۃ۔ ارتداد، مرتد ہونا، اسلام سے پھر جانا۔

ز

زَجْراً۔ تنبیہاً، اظہار نفرت کے طور پر

زِنْدِیق۔ جو شخص آخرۃ کو نہ مانے اور خالق کے وجود کا قائل نہ ہو۔ زَنَادِقَہ جمع

زَنْدَقَہ۔ آخرۃ کو نہ ماننا اور خالق کے وجود سے انکار کرنا۔

زمانۂ جاہلیت۔ عہد جاہلیت۔ حضور انور رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے پہلے کا زمانہ۔

س

سِیَر۔ (سیرۃ کی جمع) سیرۃ کے معنی کسی شخص کی سوانح عمری۔ مگر اصطلاحاً رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حالات زندگی مراد لیئے جاتے ہیں سیر کے دوسرے معنی مغازی

سُنَّتْ۔ حدیث شریف یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دین کی حیثیت سے جو کام کیے یا کرنے کا حکم دیا۔ (آپ کا طریقہ اور نمونۂ عمل)

سماعِ مَوْتیٰ۔ مردوں کا سننا۔ (یعنی یہ مسئلہ کہ آیا قبروں میں مردے باہر کی آواز سنتے ہیں یا نہیں؟)

سِیَاسَتْ۔ کسی جرم کی سزا جو حاکم انتظاماً اپنی رائے سے جاری کرے۔

ش

شُہُود۔ (شاہد کی جمع) گواہ

شَہَادَتَین۔ دو شہادتیں جو کلمۂ شہادت میں ہیں اللہ کی وحدانیت کی شہادت اور حضرت محمد مصطفی صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کی شہادت۔

شانِ نُزُوْل۔ جن حالات کی وجہ سے یا جن اسباب کی بنا پر کوئی آیت نازل ہو۔ (سببِ نزول یا موقعۂ نزول)

شوافع۔ (شافعی کی جمع) حضرت امام شافعی رحمہ اللہ کے مقلدین۔

ص

صَرَاحَۃً۔ صاف واضح، غیر مشتبہ طور پر۔

ع

عُقُودِ رِبَوِیَّہ۔ سودی معاملات۔

غ

غَالِی۔ کٹر، متشدد

غُلُوْ۔ کٹرپن، شدت

غیر مُوَجَّہ۔ وہ کلام جس میں توجیہ نہ کی گئی ہو۔

ف

فُرُوْعِی مَسَائِل۔ جزدی مسائل۔ ایسے مسائل جو بطریق اجتہاد اخذ کیے گئے ہوں۔

ق

قَاضِی۔ وہ با اختیار مسلم جج جو سلطان اسلام کی طرف سے مقرر کیا گیا ہو اور شریعت کے مطابق فیصلے کرے۔

قضا۔ وہ حکم یا فیصلہ جو قاضی کی عدالت سے جاری ہو۔

قُرُونِ ثَلٰثَہ مَشْہُود لَہَا بِالْخَیر۔ یا قُرُونِ اُولیٰ مَشْہُود لَہَا بِالْخَیر۔ وہ تین زمانے جن کے افضل و اعلیٰ اور باخیر ہونے کی شہادت مخبر صادق (صلی اللہ علیہ وسلم) نے دی۔ آپ نے فرمایا خیر القرون قرنی ثم الذین یلونہم ثم الذین یلونہم یعنی بہترین زمانہ میرا زمانہ ہے پھر ان لوگوں کا زمانہ جو میرے زمانے کے لوگوں کے بعد آئیں گے۔ پھر ان کا زمانہ جو ان کے بعد آئیں گے۔

م

مُحَارِبْ۔ دار الحرب کے غیر مسلم باشندے جو بر سر جنگ ہوں۔

مَعْتُوہ۔ ناقص العقل۔ مالیخولیا زدہ آدمی۔

مُقَاطَعَہ۔ قطع تعلق، بائیکاٹ

مُنْجَر بِکُفر۔ کفر تک پہنچانے والا۔ یعنی کوئی ناجائز کلام جو کفر کے قریب قریب ہو۔

مُجْتَہَدْ فِیہ۔ وہ مسئلہ جس کا حکم قرآن و حدیث میں صاف اور واضح طور پر موجود نہ ہو اور بطریق اجتہاد اخذ کیا گیا ہو۔

مُتَّفَقْ عَلَیہ۔ وہ مسئلہ جس میں ائمہ مجتہدین کا اتفاق رائے ہو۔

مُحْتَضَر۔ وہ شخص جو نزع کی حالت میں ہو۔

مُخْبِرِ صَادِق۔ سچی خبر دینے والا۔ یعنی حضرت رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم۔

مَعْہُود۔ ایسا کام جو اوپر سے ہوتا چلا آتا ہو۔

مَندوب۔ مستحب۔

مُخْتَلَفْ فِیہ۔ وہ مسئلہ جس میں مختلف رائیں ہوں ضد متفق علیہ۔

مُحْدَثْ۔ نئی ایجاد کردہ چیز۔ اس کا مصدر احداث اور اسم فاعل مُحْدِث ہے۔

مُحَدِّث۔ حدیث شریف کا جید عالم

مَالِکِیَّہ۔ مالکی کی جمع۔ حضرت امام مالک رحمہ اللہ کے مقلدین۔

مُلْہَم۔ وہ شخص جس کو الہام ہو۔ اس کا مصدر اِلہام اور اسم فاعل مُلْہِم ہے۔

مَلَائِکَہ سَیَّاحِین۔ وہ فرشتے جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس خدمت پر مقرر ہیں کہ دنیا میں ہر جگہ چلتے پھرتے رہیں اور جہاں کہیں لوگ عبادت اور وعظ و تذکیر و تلاوت وغیرہ میں مشغول ہوں وہ فرشتے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں ان کی گواہی دیں۔ درود وسلام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تک وہی ملائکہ سیاحین پہنچاتے ہیں۔

مَنْقَبَتْ۔ صحابہ و اہل بیت رضوان اللہ علیہم کے اوصاف اور کارنامے۔

مُلْحِدْ۔ بے دین۔ وہ شخص جو کسی دین کا قائل نہ ہو۔

مُتَخَلِّفْ۔ وعدہ خلافی کرنے والا۔ اس کا مصدر تَخَلُّفْ ہے۔

مُنْکَرْ۔ وہ چیزیں یا وہ کام جن سے شریعت نے منع کیا ہے۔

مُنْکِرْ۔ انکار کرنے والا۔ انکار کا اسم فاعل۔

مُضْطَرْ۔ وہ شخص جو حالت اضطرار میں ہو (دیکھو اضطرار)

مُتَوَاتِرْ۔ بطریق تواتر پہنچنے والی چیز۔ (دیکھو تواتر)

مباشرۃ۔ عمل درآمد کرنا، عمل میں لانا۔ بوس و کنار کرنا۔ اردو کے محاورہ میں مباشرت کے معنی جماع اور وطی کرنا ہیں۔ لیکن عربی میں صرف بوس و کنار کے معنی میں استعمال ہوتا ہے

ن

نَصّ۔ حلت و حرمت کا وہ واضح اور صاف حکم جو کتاب و سنت سے ثابت ہو۔ اس میں کسی قسم کا ابہام نہ ہو۔

نَظْمِ قرآن۔ مراد قرآن شریف کی عبارت۔

نعت۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اوصاف بیان کرنا۔ (خاص کر اشعار میں)

و

وَاجِبُ الْہَدْم۔ ڈھادینے کے لائق۔ جس کا ختم کردینا ضروری ہو۔

وَظِیفَہ۔ فرض، ڈیوٹی۔

وارداتِ دل

خدا کا ہے یہ مجھ پر خاص انعام — ہوا رحمت سے اس کی اک اہم کام
کہاں یہ ایک علمی کارنامہ — کہاں یہ دا آصف بے علم و بدنام
خدا جانے تصرف ہے یہ کس کا — کہ بہتر ہوگئی تبویب احکام
بڑی محنت بڑی کاوش ہوئی ہے — بہت ہی سخت گزرے ہیں یہ ایام
موانع سیکڑوں پیش نظر تھے — مقابل یاس آتی تھی بہر گام
رفیقوں کی نگاہیں! اللہ اللہ! — خدا کے ہاتھ میں ہے عز و اکرام
دل مظلوم کو معذور سمجھو! — چھلک جاتا ہے جب لبریز ہو جام
اِدھر دن رات اک دُھن تھی لگن تھی — اُدھر تشمیت و استخفاف و ابرام
یہاں دل میں کڑھن لب پر دعا تھی — وہاں ایذا، حسد، توہین و الزام
بڑے ہمت شکن تھے اپنے حالات — مسلط دل پہ تھے افکار و آلام
معاذ اللہ غضب کا ابتلا تھا — دعا قاصر تھی اور تدبیر ناکام
نہ حامی تھا نہ کوئی تھا مددگار — نہ دل جمعی میسر تھی، نہ آرام
اسی غم میں یہ سولہ سال گزرے — کہ تھا خطرے میں ہر دم حسن انجام
مگر اس کام کی ایسی لگن تھی — رہا جاری بایں آفات و آلام
بایں بیچارگی، الحمد للہ — کہ مسودہ فتاوی کا ہوا تام
سوادِ منزلِ مقصود آیا — بتوفیق خدائے پاکِ علام
ادائے شکر گو ممکن نہیں ہے — مگر بندوں کے لائق ہے یہی کام
اگر فردوس کی جانب گزر ہو — تو لے جانا صبا میرا یہ پیغام
کہ اے فخر وطن صدر افاضل — امام اتقیا، سرخیلِ اسلام
فقیہ امت و نباض ملت — خجستہ سیرت و پاکیزہ انجام
نہ ہونے سے ترے سُونی ہے محفل — زبانیں گُنگ ہیں عاجز ہیں اقلام

نہیں تجھ سا کوئی اب صاحبِ فیض — مبارک طلعت و فرخندہ اقدام
ترے واصف نے رولے ہیں یہ موتی — با معان نگاہ و محنت تام
جواہر پارے جو بکھرے ہوئے تھے — دیا ہے ان کو یکجا زیب ارقام
تری یہ باقیات جاودانی — رہے گی مرجع احبار و اعلام
مگر تیرے نہ ہونے کا قلق ہے — عجب ہے یہ سرور و غم کا ادغام
کہے جو آفریں کوئی نہیں ہے — یہاں جو ہے وہ ہے مغرور و خودکام
نہیں کوئی جو دے داد مشقت — سوائے منعم ستار و علام
کروں اب اس سے عرض مدعا کیا — کہا ہے جس نے خود لستُ بظلّام
یہ مسودہ تو بیشک ہے مکمل — ہوا ہے اس کا تو بندوں میں اتمام
مگر اب فکر یہ ہے دل پہ طاری — کہ ہو جائے یہ محنت نیک فرجام
تمنا ہے کہ شائع جلد ہو جائے — مگر بے زر بنے کیونکر کوئی کام
جگر سوزی ہے رہن بے نوائی — یہاں کچھ ہے تو بس اللہ کا نام
قلندر بھی ہے قدرت کی نشانی — اگر اس کا غم الفت نہ ہو خام
یہ ہے کس کام کی طبع درخشاں — نہ ہو روشن اگر بخت سیہ فام
ادیباں را بکیسہ چوں درم نیست — بسا اہل قلم رفتند گمنام
کہاں عادت ہے عرض مدعا کی — نہیں طاقت کہ لوں احباب سے وام
عجب خوف و رجا میں مبتلا ہوں — کہ گردش میں یہ کیونکر آئے گا جام
بھروسہ خالق اسباب پر ہے — اسی سے لو لگی ہے صبح اور شام
وہی ہے کارساز ہر دو عالم — وہی ہے مالک آغاز و انجام
پئے تاریخ جب دل کو ہوا فکر — کہے دو مصرعے ہاتف نے الہام
مبارک نسخہ رشد و اطاعت — خجستہ معہد احکام اسلام
۱۹۶۹ء — ۱۳۸۹ھ

سخن کیا اور کیا واصف کی پونجی
بجز حرف دعا، واللہ اعلم

مردے از غیب بروں آمد

جب کفایت المفتی کا مسودہ مکمل ہوا تو دل و دماغ پر اس کی طباعت کا فکر مسلط تھا۔ اور اکثر زبان حال پر نوح ناروی کا یہ شعر جاری ہوتا تھا:۔

سواد منزل مقصد نظر آنے لگا مجھ کو کسی صورت سے طے اتنی مسافت اور ہو جاتی

مسودہ کی تکمیل کا اعلان اخبار الجمعیۃ میں بھی کر دیا گیا تھا۔ ملاقات کے وقت احباب سے، اور متفرق محفلوں میں فکر طباعت کے تذکرے بھی رہتے تھے۔ اسی حالت انتظار میں کافی عرصہ گزر گیا

شاید کہ ملتفت ہو کوئی شہسوار ناز کس آرزو سے ہم سر منزل کھڑے رہے (واصف)

ناگاہ کارساز حقیقی کی رحمت متوجہ ہوئی اور ایک صاحب دل جواں ہمت، رجال الغیب کی طرح پردۂ غیب سے خود بخود نمودار ہوا۔ قربان جائیے رب العزۃ کی کارسازی پر!

وہ چراغ جو دہلی میں جھلملا رہا تھا اس کی روشنی کہاں جا کر چمکی! یہ سعادت کس خوش نصیب کے لئے مقدر تھی؟ وہ کون صاحب دل عالی حوصلہ بندۂ صالح ہے جس کی مبارک آنکھوں نے اوس روشنی کو محسوس کیا؟

اپنے گرد و پیش کے کرم فرماؤں سے معذرت چاہتے ہوئے بصمیم قلب شکریہ ادا کرتا ہوں جناب حاجی ابراہیم محمد ڈایا (ٹرانسوال) کا، اور دعا کرتا ہوں کہ رب العزۃ ان کو جزائے خیر عطا فرمائے اور تمام دینی و دنیاوی نعمتوں سے نوازے! انھیں کی بھرپور اعانت سے یہ علمی ذخیرہ اشاعت پذیر ہو رہا ہے۔

فدائے ہمتِ آں اہلِ خیرم کہ کارِ خیر بے روی و ریا کرد
خوشش بادا نسیمِ صبح گاہی کہ دردِ شب نشیناں را دوا کرد

الدال علی الخیر کفاعلہ

اس اعانت کا وسیلہ اور واسطہ وہ سعید النفس و مبارک نفس بزرگ ہیں جو احقر کے محسن قدیم ہیں اور رشتۂ تسبیح کی طرح اپنے اسم گرامی کو گوہر ہائے تسبیح کے اندر پنہاں رکھنا چاہتے ہیں۔

اگرچہ حضرات محرکین و معاونین کا خلوص و ایثار احقر کے اظہار تشکر سے بے نیاز ہے لیکن بفحوائے من لم یشکر الناس لم یشکر اللہ نعمت خداوندی کو یاد کرنا نیز اس کے محرکات و بواعث کا

ممنون احسان ہونا ایک انسانی فریضہ ہے۔ وان اجرهم الا علی اللہ۔

اولین معاونین

مسودہ کی تحریر کے سلسلے میں مندرجۂ ذیل اہل خیر حضرات نے مالی تعاون فرمایا۔ ان کے جذبات بھی بفحوائے الاقدم فالاقدم درخور صد تحسین ہیں۔ احقران کا بھی شکریہ ادا کرتا ہے کہ ان کی ابتدائی اعانت و ہمت افزائی سے قلم کا سفر جاری رہا۔

جناب[۱] مولانا صالح ابن محمد منگیرا (جوہانسبرگ) جناب[۲] حاجی ابراہیم ابن حاجی یوسف لہر (جوہانسبرگ) جناب[۳] مولانا حاجی محمد بن موسی میاں (جوہانسبرگ) ازطرف[۴] مجلس علمی جوہانسبرگ۔ جناب[۵] حاجی ابراہیم تونلا (اسٹانگر) ازوقف[۶] حاجی محمد میاں پٹیل (جوہانسبرگ) جناب[۷] حافظ احمد علی صاحب (ضلع متھرا) جناب[۸] ایچ۔ آئی۔ نقارچی صاحب (ضلع بیلگام) جناب[۹] محمد ادریس صاحب (بمبئی) جناب[۱۰] محمد یوسف ابن شیخ علی صاحب (بمبئی) جناب[۱۱] محمد عمر صاحب (ضلع ریوا)

رب العزۃ تمام معاونین کی اس اہم دینی خدمت کو قبول فرمائے۔ آمین

احقر حفیظ الرحمان واصف عفی عنہ

سنہ ۱۳۹۱ھ

کفایت المفتی

جلد دوم

کتاب العلم، کتاب السلوک والطریقۃ، کتاب التفسیر والتجوید، کتاب الحدیث والآثار

کتاب التاریخ والسیر، کتاب الجہاد، کتاب الحدود والجنایات

کتاب الاکراہ والاضطرار، کتاب اللقیط واللقطۃ،

کتاب الیمین والنذر، کتاب القضاء والافتاء،

کتاب الطہارۃ، کتاب الختان والخفاض

جامع و مؤلف

حفیظ الرحمان واصف

مکتبہ حقانیہ

ملتان ۰ پاکستان

فہرست مضامین کفایت المفتی جلد دوم

فہرست مضامین کفایت المفتی جلد دوم

دیباچہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للہ رب العٰلمین والصلوٰۃ والسلام علیٰ نبیہ الامی الامین وعلیٰ
آلہ واصحابہ الطاہرین المھدیین

امابعد۔ یہ کفایت المفتی کی جلد دوم قارئین کے پیش نظر ہے۔ جلد اوّل کے دیباچے میں عرض کیا گیا تھا کہ جو فتاویٰ جمع کیے گئے ہیں وہ تین قسم کے ہیں۔ اوّل وہ فتاوی جو مدرسہ امینیہ کے رجسٹروں میں سے لیے گئے ہیں، ایسے فتاویٰ کی پہچان یہ ہے کہ لفظ المستفتی پر نمبر بھی ہے اور مستفتی کا نام و مختصر پتہ اور تاریخ روانگی بھی درج ہے، بعض جگہ سوال نقل نہیں کیا گیا ہے بلکہ لفظ جواب دیگر کے اوپر مستفتی کا نمبر ڈال دیا گیا ہے۔ دوسرے وہ فتاویٰ جو سہ روزہ الجمعیۃ سے لیے گئے ہیں، ان میں لفظ سوال کے نیچے اخبار کا حوالہ لکھا گیا ہے۔ تیسرے وہ فتاویٰ جو گھر میں موجود تھے یا باہر سے حاصل کیے گئے یا مطبوعہ کتب میں سے لیے گئے۔

لفظ جواب کے شروع میں جو نمبر لکھا گیا ہے وہ مجموعہ میں شامل شدہ فتاوٰی کی کل تعداد ظاہر کرنے کے لئے سیریل نمبر ہے۔ یہ جلد دوم جو آپ کے پیش نظر ہے اس میں درج شدہ فتاویٰ کی اقسام کی تفصیل یہ ہے۔

رجسٹروں سے ۲۲۹ الجمعیۃ سے ۵۵ متفرق ۸۷ کل ۳۷۱

کفایت المفتی جلد اوّل اور جلد دوم کے کل فتاویٰ کی تعداد سات سو نوّے ہوئی۔

اب انشاء اللہ جلد سوم بھی جلد شائع ہوگی جو کتاب الصلوٰۃ سے شروع ہوتی ہے وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العٰلمین

احقر حفیظ الرحمان واصف

۲۴ ربیع الاول ۱۳۸۹ھ

کِتَابُ العِلم

پہلا باب، دینی تعلیم اور تبلیغ

فصل اوّل، دینی تعلیم اور تبلیغ کی فضیلت

سوال

ہمارے یہاں کچھ عرصہ سے ایک مدرسہ قائم ہے جس کی آمدنی کے یہ ذریعہ ہیں کہ ہم سب بستی والے اس کا چندہ بھی دیتے ہیں اور گولک بھی ہر ایک کے یہاں رہتی ہے اور آٹے کی چٹکی بھی لی جاتی ہے، گولک میں ہر شخص حسب حیثیت وقتاً فوقتاً کچھ ڈالتا رہتا ہے۔ سال بھر کے بعد گولک سب سے واپس لی جاتی ہے۔ لہذا مسمّٰی عمرو جو بستی میں ایک سربرآوردہ آدمی ہے اس کے پاس جب محصّل چندہ گولک لینے گیا تو اس نے کہا کہ میں تو ماہواری چندہ گولک سے دیتا ہوں۔ محصّل کے پوچھنے پر کہا کہ میرے والد بھی اسی طرح دیتے تھے۔ میں تو ان کی تقلید کروں گا۔ محصّل نے کہا کہ وہ تو وعدہ کر چکے تھے کہ گولک الگ دیں گے اور چندہ الگ دیں گے۔ عمرو نے کہا کہ جا کر ان کی قبر پر پوچھو۔ محصل واپس آیا۔ جب اسکو منتظمان مدرسہ نے زیادہ کہا تو اس نے کہا چندہ کا رجسٹر دکھاؤ، منتظمان نے کہا کہ تم کو پہلے جواب دینا چاہیئے تھا۔ پھر ہم رجسٹر دکھائیں گے۔ غرضکہ اس پر بہت دیر تک جھگڑا رہا اور اس نے جواب دیا۔ بعدہٗ عمرو نے دو چار دیگر لوگوں سے مل کر گاؤں میں گھر گھر یہ اعلان کرایا کہ جو کوئی شخص مدرسے میں چٹکی اور گولک دیگا، اس سے ہم سمجھ لیں گے۔ لہذا سوال یہ ہے کہ اس شخص سے اسلامی تعلقات منقطع کر دینا چاہیئے یا نہیں؟ بیّنوا توجروا۔

(۱) جواب - فی زمانہ جبکہ دیگر اقوام روز بروز اسی فکر میں ہیں کہ ترقی کی جائے اور نعوذ باللہ من ذلک اسلام کو بیخ و بُن سے اکھاڑ کر پھینک دیا جائے تو مسلمانوں کو لازم ہے کہ وہ بھی ایسے اسباب مہیّا کریں جس کی وجہ سے دیگر اقوام کو اُن کے مقابلے میں اوّل تو جرأتِ مقابلہ ہی نہ ہو سکے اور اگر کسی وقت جرأت کر کے آگے بڑھیں تو ان کو پسپائی نصیب ہو اور وہ اسباب جن کی وجہ سے مخالف اقوام کا وار مسلمانوں پر نہ چل سکے ان کی اپنی دینی تعلیم ہے۔ جس قدر تعلیم عام ہوگی اسی قدر مخالفین کو زک اٹھانا پڑے گی۔ اس لئے ہر جگہ

اور ہر ملک کے باشندوں کا فرض ہے کہ وہ اسلامی تعلیم کی ترقی میں کوشاں رہیں۔ جو خدا کے بندے اس ضرورت کو محسوس کر کے مدرسے اور انجمنیں قائم کرتے ہیں دیگر مسلمانوں کو ان کی امداد و اعانت کرنا واجب ہے، جو کوئی شخص اس کے برخلاف ان کی ترقی میں روڑے اٹکائے وہ درحقیقت ان باخدا لوگوں کا ہی دشمن نہیں ہے بلکہ وہ اسلام کا دشمن ہے وہ رسول عربی روحی فداہ کا دشمن ہے وہ خدا کا دشمن ہے۔ ایسے شخص سے مسلمانوں کو اسلامی تعلقات زجراً منقطع کر دینے چاہئیں۔ ایسا شخص ہرگز اس قابل نہیں کہ مسلمان اس سے خلاملا رکھیں۔ جو شخص اسلام کی بیخ کنی خود اپنے ہاتھوں سے کرے وہ کب اس قابل ہے کہ مسلمان اس سے اسلامی اخوت کو قائم رکھیں

ہر کس از دستِ غیر نالہ کند ۔ سعدی از دستِ خویشتن فریاد واللہ اعلم

سوال

بعض مقامات پر بسا اوقات دیکھا گیا ہے کہ خود مسلمان جو احکام اسلام سے ناواقف ہیں یا ہنود کی صحبت سے متاثر ہو کر یا ہنود سے دبے ہوئے ہونے کے سبب یا ہنود کا دستِ نگر ہونے کے باعث یا اپنی ذاتی ثروت و شرافت پر مغرور ہوتے ہوئے پست اقوام کے مسلمان ہونے میں حارج و مانع نظر آتے ہیں اس جہالت کو مدنظر رکھتے ہوئے عامۃ المسلمین کی آگاہی کے لئے ارقام فرمایا جائے۔

(۱) تبلیغِ اسلام و تالیف قلوب کی نیت سے ہر مسلمان کو غیر مسلم پست اقوام کے ساتھ رواداری خیر طلبی اور جاذبانہ حسنِ سلوک کا کیا حکم ہے؟

(۲) جو لوگ خود مسلمان ہو کر نو مسلموں کو ذلیل سمجھیں ان سے نفرت و حقارت کا برتاؤ کریں۔ ایسے لوگوں کے لئے کیا حکم ہے۔؟

(۳) جو لوگ خود مسلمان ہو کر پست اقوام کو مسلمان بنانے میں رکاوٹ پیدا کریں اور مخالفت پر آمادہ ہوں، ان کے لئے کیا حکم ہے؟

(۴) جدید مسلمان پست اقوام کے ساتھ محبت، اخوت، کھانے پینے، مسجدوں میں پہلو بہ پہلو نماز پڑھنے ان کو کلمہ کا شریک بھائی جاننے کا کیا حکم ہے؟

(۵) تبلیغ اسلام کیا صرف علماء کرام کا کام ہے؟ یا ہر مسلمان کو سرگرمی سے اپنی اپنی وسعت و ہمت کے مطابق اس خدمت کو انجام دینا چاہیئے۔ المستفتی نمبر ۱۰۱۶ محمد زکریا۔ ناظم جمعیۃ تبلیغ الاسلام بمبئی

۲۵ شوال ۱۳۵۴ھ م ۲۱ جنوری ۱۹۳۶ء

(۲) جواب ۔ (۱) نہایت مناسب بلکہ ضروری اور موجب اجر ہے کیونکہ حسن سلوک بھی ایک طرح سے فریضہ تبلیغ کی ادائیگی ہے ۔

(۲) نومسلموں کو حقیر وذلیل سمجھنا سخت گناہ اور قرآن و حدیث کی تعلیم کے خلاف ہے ۔

(۳) یہ لوگ خدا اور رسول کے مجرم اور اسلام کے باغی ہیں ۔

(۴) ضروری ہے اور اسلام کی تعلیم یہی ہے کہ سب کلمہ گو بھائی بھائی ہیں ۔

(۵) ہر مسلمان پر بقدر اس کی معلومات کے تبلیغ فرض ہے محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ

سوال

ایک مشرک بغرض قبول اسلام مسجد میں آیا اور امام مسجد سے کہا مجھکو کلمہ پڑھا کے مسلمان بنایئے اور سند دیدیجئے جس میں چندہ خیرات کا ذکر نہ ہو ۔ امام صاحب نے کہا کہ مسلمان ہونے سے ہر مسلمان اعلان کی سند نہیں دے سکتے ۔ مشرک نے عاجزی سے کہا کہ آخر مسلمانی کے اعلان کی سند دینے سے آپ کا کیا نقصان ہے امام صاحب نے کہا کہ متولی صاحب سے دریافت کروں گا ۔ وہ شخص بیٹھا رہا ۔ پھر امام صاحب اور متولی صاحب سے گفتگو ہوئی یا نہیں ہمکو اس کا علم نہیں ۔ عشاء کے بعد امام صاحب نے کلمہ نہیں پڑھایا اور کمرہ کی طرف چلدیئے ایک مصلی نے متولی صاحب سے کہا کہ یہ شخص مسلمان ہونا چاہتے ہیں ۔ متولی صاحب نے کہا کہ کدھر کا ، ڈھیر چار ہے ہم پہچانتے نہیں ۔ مسلمانی سند دیکے مسلمان نہیں بنا سکتے ۔ غرضکہ اس مصلی اور متولی میں بہت حجت ہوئی اور متولی نے الٹی سیدھی بکواس کی اور اس کو کلمہ نہ پڑھایا ۔ المستفتی نمبر ۷۲۰ ایم اے مصطفیٰ (برما)

۲۹ شوال ۱۳۵۴ھ ۲۵ جنوری ۱۹۳۶ء

(۲) جواب ۔ جو شخص مسلمان ہونے کے لئے آئے اسکو مسلمان کر لینا ضروری ہے اور اسلام لانے کی سند دیدینا ضروری تو نہیں ہے مگر جائز ہے ، ناجائز یا ممنوع نہیں ۔ مسلمان نہ کرنا یا اسکو حقیر وذلیل سمجھ کر مسلمان کرنے سے انکار کر دینا یا برا بھلا کہنا یہ سب گناہ کی باتیں ہیں ۔ متولی کا یہ فعل سخت گناہ تھا جس سے ایمان جاتے رہنے کا خطرہ ہے ۔ امام کا فعل بھی گناہ تھا ۔ ان دونوں کو فوراً توبہ کرنی لازم ہے اور اگر وہ آدمی مل سکے جو مسلمان ہونے آیا تھا اور انھوں نے اس کو زجر کر کے مسجد سے نکال دیا تو ان پر لازم ہے کہ اس سے معافی مانگیں ۔ اگر وہ مسلمان ہو گیا ہو جب بھی اور نہ ہوا ہو جب بھی اور اگر مسلمان نہ ہوا ہو تو اس کو ترغیب دیکر مسلمان کرنے کی کوشش کریں ۔ فقط محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ

سوال

(۱) کیا حضرت مولانا محمد الیاسؒ کی تبلیغی تحریک بہیئت کذائی قرونِ اولیٰ میں پائی جاتی ہے؟ (۲) کیا صحابۂ کرام وفود بناکر مسلمانوں میں کلمہ و نماز سکھانے کے لئے تشریف لے گئے تھے۔ یا علمار سلف بدوین مسلمانوں کے گھروں پر کلمہ و نماز وغیرہ کے لئے جماعتیں بناکر اپنا ایک امیر بناکر تشریف لیجاتے تھے؟ (۳) یہ تحریک فرضِ عین ہے یا فرضِ کفایہ؟ (۴) اس تحریک میں شامل ہونے کو فرضِ عین کہنے والے حق بجانب ہیں یا نہیں؟ (۵) اس تحریک پر جہاد متعارف جو قرآن و حدیث میں آتا ہے صادق آتا ہے یا نہیں؟ نیز انفروا خفافا و ثقالا کی آیاتِ جہاد ولغدوۃ ورَوحۃ فی سبیل اللہ کی احادیثِ جہاد کا اس تحریک کو مصداق ٹھہرانا درست ہے یا نہیں؟ (۶) جو وعیدیں قرآن و حدیث میں ترکِ جہاد پر وارد ہوئی ہیں اس تحریک میں شامل نہ ہونے والوں پر چسپاں ہو سکتی ہیں یا نہیں؟ (۷) امر بالمعروف ونہی عن المنکر کا فریضہ عام مسلمانوں پر عائد ہوتا ہے یا مخصوص طبقے کے ساتھ خاص ہے؟ (۸) جبکہ کلمہ و نماز کا ہر شخص قائل ہے اور اس کو کلمہ کی حقیقت اور نماز کی فرضیت معلوم ہے لیکن اپنی سستی و کاہلی کی وجہ سے ان کا پابند نہیں ہے یا کلمہ کے صحیح الفاظ کا تلفظ نہیں کر سکتا تو اب نماز کی پابندی کے متعلق کہنا یا کلمہ کی صحت الفاظی کرانا یہ تبلیغ ہے یا نہیں؟ المستفتی نمبر ۲۷۹۴ حاجی حنیف الدین صاحب بندوق والے۔ دہلی مورخہ ۱۶ ربیع الثانی ۱۳۶۴ھ

(۴) **جواب** (۱) یہ تحریک اصل حقیقت کے اعتبار سے تو اسلام کی بنیادی چیز ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کا پیغام اس کے بندوں کو پہنچانا اور ان کے گھروں پر جا کر خود پہنچانا ہی اصل تبلیغ ہے، قرونِ اولیٰ میں ہر شخص بجائے خود یہ خدمت انجام دیتا اور زندگی کے ہر شعبے میں اس کو پیشِ نظر رکھتا تھا۔ اس لئے اس وقت جماعتیں بنانے اور کسی نظام کے جداگانہ قائم کرنے کی ضرورت نہ تھی۔

(۲) صحابۂ کرام فرداً فرداً اور کئی کئی مل کر یہ خدمت انجام دیتے تھے مگر اس وقت یہ خدمت کلمہ پڑھانے اور نماز سکھانے کی صورت میں ہوتی تھی یعنی غیر مسلم کلمہ پڑھکر مسلمان ہوتے اور نماز وغیرہ سیکھتے تھے قرآن مجید پڑھتے اور یاد کرتے تھے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بعض کو فرداً اور بعض کو دوسرے رفقاء کے ساتھ تبلیغِ اسلام و تعلیم احکام کے لئے بھیجا ہے۔ آجکل بدقسمتی سے مسلمانوں کو کلمہ صحیح یاد کرایا جاتا اور ان کو گھیر کر مسجد میں نماز کے لئے لایا جاتا ہے۔ غیر مسلموں میں تبلیغ کے لئے جانے کا موقع ہی دستیاب نہیں ہوتا۔ ان نام کے مسلمانوں کی حالت اصلاح پذیر ہو تو پھر غیر مسلموں کی طرف توجہ کی جائے۔

(۳ و ۴) فرضِ عین تو نہیں ہے مگر فرض کفایہ ہونے میں شبہ نہیں ہے۔

(۵) جہاد کے تو ایک مخصوص معنی ہیں یعنی اعلاء کلمۃ اللہ کے لئے قتال کرنا اور ظاہر ہے کہ یہ تحریک اس معنی کے لحاظ سے جہاد نہیں ہے۔ جہاد کے دوسرے معنی اللہ کے راستے میں کوشش اور ریاضت سے کام لینا۔ اس معنی کے لحاظ سے اس تحریک کو جہاد کہہ سکتے ہیں اور آیہ کریمہ انفرو اخفافاً و ثقالاً اور حدیث شریف لغدوۃ اوروحۃ فی سبیل اللہ کے حکم میں اسکو داخل کرسکتے ہیں۔

(۶) ترکِ قتال کی وعیدیں اس پر چسپاں کرنا صحیح نہیں۔ ہاں ترکِ تبلیغ اور مداہنت کی وعیدیں اس کے ساتھ متعلق ہوں گی۔

(۷) امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے بہت سے درجات ہیں۔ اس کا ابتدائی اور عام درجہ ہر مسلمان کے ساتھ متعلق ہے۔

(۸) اس کو تبلیغ کہا جائے یا ترغیب اس کا کچھ فرق نہیں۔ کلمہ کا بالاجمال قائل بھی اس کے صحیح مفہوم اور صحیح تلفظ کی تبلیغ کا محتاج ہے۔ اسی طرح نماز کو فرض جاننے والا اور ماننے والا بھی احکام و مسائل نماز کی تفصیلات کی تبلیغ کا محتاج ہے　　　محمد کفایت اللہ کان اللہ لہٗ دہلی۔

سوال

(۱) کیا عورتوں کا تبلیغ کے لئے سفر کرنا مع محرم کے درست ہے؟ (۲) مردوں کا تبلیغ کو جانا اور اپنے اہل وعیال کے نان نفقہ کا انتظام بھی نہ کرنا کہاں تک درست ہے (۳) کیا تبلیغ کرنا ہر مسلمان مرد و عورت پر فرض ہے؟ یا واجب یا سنت ہے؟

(۵) جواب - تبلیغ دین ہر مسلمان پر بقدر اس کے مبلغ علم کے لازم ہے لیکن تبلیغ کی غرض سے سفر کرنا ہر مسلمان پر فرض نہیں بلکہ صرف ان لوگوں پر جو تبلیغ کی اہلیت بھی رکھتے ہوں اور فکر معاش سے بھی فارغ ہوں تبلیغ کے لئے سفر کرنا جائز ہے۔ فرض لازم ہر مسلمان کے ذمے نہیں ہے۔ اور عورتوں کا تبلیغ کے لئے گھروں سے نکلنا زمانہ خیر الامم میں نہ تھا اور نہ اس کی اجازت معلوم ہوتی ہے کہ عورتیں تنہا تبلیغ کیلئے سفر کریں۔ عورت کو بغیر محرم کے سفر کرنے کی بھی اجازت نہیں۔ حج فرض کے لئے بھی بغیر محرم کے جانا جائز نہیں تو صرف تبلیغ کے لئے کیسے جاسکتی ہیں۔ واللہ اعلم　　　محمد کفایت اللہ کان اللہ لہٗ دہلی

فصل دوم، تعلیم قرآن

سوال

(۱) قرآن شریف بے سمجھے پڑھنے سے کیا قرآنِ شریف کی بے عزتی ہوتی ہے۔ اگر نہیں تو کیا بے سمجھے پڑھنا داخلِ ثواب ہے ؟

(۲) قرآن شریف سمجھ کر پڑھنا کیا مسلمانوں پر فرض ہے ؟

(۳) جو شخص مطلقاً قرآن شریف نہ پڑھا ہو تو کیا وہ گناہگار ہے۔ (نیاز مند محمد سلیمان، واوڑا)

(۱) **جواب** ۔ قرآن شریف کی عبارت کی تلاوت خواہ سمجھ کر ہو یا بے معنی سمجھے ہو موجب اجر و ثواب ہے۔ ہاں سمجھکر پڑھنے والے کو ثواب زیادہ ہوگا اور بے سمجھے ہوئے پڑھنے والے کو کم۔ لیکن ثواب دونوں کو ملے گا۔ یہ خیال کہ بے سمجھے ہوئے پڑھنے سے قرآن کی بے عزتی ہوتی ہے غلط ہے بلکہ اس میں تو اس بات کا ثبوت ہے کہ پڑھنے والے کے دل میں قرآنِ مجید کی اتنی عزت ہے کہ باوجود معنیٰ نہ سمجھنے اور معنیٰ سے لطف اندوز نہ ہونے کے بھی وہ اس کی تلاوت میں اپنا وقت اور قوت خرچ کرتا ہے۔ حدیثِ شریف میں آیا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو قرآن مجید کا ایک حرف پڑھے اسے دس نیکیاں ملتی ہیں، اور مثال میں فرمایا کہ الم ایک حرف نہیں بلکہ تین حرف ہیں. الف ایک حرف ہے لام ایک حرف ہے میم ایک حرف ہے تو اس کلمہ الم کے پڑھنے والے کو تیس نیکیاں ملیں گی. باوجودیکہ اس کلمہ یعنی حروفِ مقطعات کے معنیٰ کو کوئی نہیں سمجھتا ہے کیونکہ اس کے معنیٰ خدا تعالیٰ ہی جانتا ہے. یہ حضرت حق اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے درمیان راز ہے ۔

(۲) سمجھ کر قرآنِ شریف پڑھنا اور اس کے حلال و حرام امر و نہی کا علم حاصل کرنا مسلمانوں پر فرضِ کفایہ ہے یعنی کچھ لوگ ایسے ضرور ہونے چاہئیں جو قرآن پاک کے معانی اور مطالب سمجھتے ہوں اور وہ لوگوں کو بتاتے رہیں۔ ہر ایک مسلمان کے ذمے یہ فرض نہیں ہے ہاں ہر مسلمان کے ذمے قرآنِ مجید کی اتنی عبارت یاد کرنی فرض ہے جس سے نماز پوری ہو سکے ۔

(۳) اگر نماز درست ہونے کے لائق بھی قرآنِ مجید اس نے نہیں پڑھا اور یاد نہیں کیا تو گناہگار ہوگا بشرطیکہ پڑھنے اور یاد کرنے کا وقت پایا ہو اور قدرت رکھتا ہو، یعنی نو مسلم اس وقت تک معذور ہے

کہ اسے پڑھنے اور یاد کرنے کے لائق وقت ملے اور گونگا عمر بھر کے لئے معذور ہے ۔

سوال

زید کے پاس چند چھوٹے چھوٹے بچے قرآن شریف پڑھتے ہیں جنھیں ابتدا میں قاعدہ یسرنا القرآن (جس کے مصنف ایک قادیانی ہیں) پڑھایا جاتا ہے ۔ محض اس خیال سے کہ قاعدہ مذکورہ بہ نسبت مروجہ قاعدوں کے آسان ہے ۔ آیا جائز ہے یا نہیں ؟ علیٰ ہٰذا غیر مترجم قرآن شریف یسرنا القرآن مطبوعہ قادیان پر مسلمانوں کو پڑھنا جائز ہے یا نہیں ۔ المستفتی نمبر ۹۳ عبدالحق کراچی ۹ رجب ۱۳۵۲ھ ۳۰ اکتوبر ۱۹۳۳ء

(۷) جواب ۔ اس قاعدہ اور قرآن مجید کو تعلیم کے لئے استعمال کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں ہے بشرطیکہ قاعدہ اور قرآن مجید کے ساتھ قادیانی مشن کی تبلیغ اور تعریف کا مضمون چھپا ہوا نہو ۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہٗ

سوال

زید کہتا ہے کہ بغیر معنیٰ اور مطلب سمجھے ہوئے قرآن پاک کی تلاوت کرنا بیسود اور بے ثواب ہے ۔ المستفتی نمبر ۶۶۵ عبدالعلیم عزیز اللہ متعلم عربک کالج دہلی ۲۹ رجب ۱۳۵۴ھ م ۲۸ اکتوبر ۱۹۳۵ء

(۸) جواب ۔ قرآن مجید کی عبارت اور نظم کی حفاظت بھی ایک مقصود اور مہتم بالشان امر ہے ۔ حضرت حق تعالیٰ نے انّا نحن نزلنا الذکر و انا لہ لحافظون میں قرآن مجید کے اپنی طرف سے نازل فرمانے کو ذکر کرنے کے ساتھ اس کی حفاظت کا بھی خود ہی ذمہ لیا ہے اور عالم اسباب میں حفاظت کا ذریعہ یہ قرار دیا کہ مسلمان اپنے سینوں میں اس کی حفاظت کریں اور ظاہر ہے کہ اسی حفاظت کے لئے اس کی عبارت اور نظم کو پڑھنا اور یاد کرنا لازمی تھا اس لئے شریعتِ مقدسہ نے نفسِ عبارت کی تلاوت کو بھی موجبِ اجر و ثواب قرار دیا ہے ۔ حدیث شریف میں ہے کہ جو شخص نظم قرآنی میں سے ایک حرف کی تلاوت کرے وہ دس نیکیوں کے اجر کا مستحق ہوتا ہے اور پھر یہ نہیں کہ الٓمٓ ایک حرف قرار دیا جائے بلکہ اس کے تین حرف ۔ اَلف ۔ لام ۔ میم ۔ جدا جدا معتبر ہوں گے اور تیس نیکیاں ملیں گی ۔ کتب سماویہ میں سے تبدیل و تحریف سے محفوظ رہنے میں کوئی کتاب قرآن مجید کی ہمسری کا دعویٰ نہیں کرسکتی اور اس خاص تفوّق کی اصل وجہ یہی ہے کہ مسلمانوں نے نظمِ قرآنی کی تلاوت اور حفظ کے ساتھ والہانہ شغف رکھا اور یقیناً ان کا یہ فعل موجب اجر و ثواب ہے کہ اس سے قرآن پاک کا تحفظ مربوط ہے ۔

ہاں یہ ضرور ہے کہ نزولِ قرآن کا اصل مقصد اسکی ہدایات پر عمل کرنا ہے تو وہ اسکو مستلزم نہیں کہ

عبارت کی تلاوت موجب اجر نہ ہو۔ یہ بجائے خود ایک ثواب کا عمل ہے اور عمل کرنا بجائے خود دوسرا عمل ہے۔ اور موجب اجر ہے اور وہ راجح وفائق ہے اور عمل نہ ہو تو معنی و مطلب سمجھ کر پڑھنے اور بے سمجھے پڑھنے میں کوئی بڑا فرق نہیں ہے۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہٗ۔ الجواب صحیح حبیب المرسلین عفی عنہ۔ الجواب صواب بندہ محمد یوسف عفی عنہ

سوال

زید اور عمرو کے عقائد حنفی ہیں۔ زید کہتا ہے کہ بچوں سے کھڑے کھڑے قرآن مجید پڑھوانا خلاف ادب ہے عمرو کہتا ہے کہ مبلغین وقرار قیام فرما کے حدیث شریف اور قرآن شریف کی تلاوت کرتے ہیں اور حاضرین جلسہ اپنی اپنی جگہ بیٹھے رہتے ہیں تو کیا یہ خلاف ادب نہیں ہوتا۔ زید نے ایک جلسے کے موقعہ پر ایک قاری صاحب کا رکوع سنوایا اور تمام جلسے کو کھڑا کر دیا۔ یہ کہاں تک صحیح ہے۔

المستفتی نمبر ۱۰۱۲ حافظ محمد صدیق (ہمت نگر) یکم ربیع الثانی ۱۳۵۵ھ ۲۲ جون ۱۹۳۶ء

(۹) جواب ۔ بچوں سے قرآن مجید کا آموختہ یا سبق کھڑا کر کے سننا جائز ہے۔ زید کا قول کہ کھڑے کھڑے قرآن مجید پڑھوانا خلاف ادب ہے صحیح نہیں۔ جلسے میں قاری کے کھڑے ہونے پر سارے جلسے کو کھڑا کر دینا درست نہ تھا۔ یہ فضول حرکت کی گئی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ خطبۂ جمعہ میں قرآن مجید پڑھتے تھے اور ساری جماعت بیٹھی رہتی تھی اور یہی طریقہ متوارث چلا آتا ہے۔ فقط محمد کفایت اللہ کان اللہ لہٗ

سوال

بچوں کو سکھانے کے لئے جلسہ کرایا جاتا ہے۔ اس میں قرآن شریف کی تلاوت اور کہانی یا مضمون اور نظم تین چیزیں ہوتی ہیں۔ اس میں ایک ترتیب تو یہ ہے کہ اوّل بچے قرآن شریف کی تلاوت کریں اس کے بعد کہانی اور نظم کا مرتبہ رکھا جائے۔ دوسری ترتیب یہ ہے کہ اوّل کہانی، پھر قرآن شریف، پھر نظم۔ ان دونوں صورتوں میں بہتر صورت کونسی ہے۔ قرآن شریف کی تقدیم افضل ہے یا نظم اور کہانیوں کا مقدم کرنا جو صورت شرعاً افضل ہو۔ ارقام فرمائیں۔ المستفتی نمبر ۱۰۸۳ عبدالعلیم دہلی۔ ۱۰ رجمادی الاولی ۱۳۵۵ھ ۳۰ جولائی ۱۹۳۶ء

(۱۰) جواب ۔ قرآن شریف کی تقدیم افضل ہے تاکہ وہ پہلے ہو جانے کی وجہ سے کہانی اور نظم کے ساتھ اختلاط سے محفوظ رہے۔ فقط محمد کفایت اللہ کان اللہ لہٗ دہلی۔ الجواب صحیح حبیب المرسلین عفی عنہ نائب مفتی مدرسہ امینیہ دہلی۔ الجواب صحیح۔ ریاض الدین عفی عنہ، مدرس دارالعلوم دیوبند۔ الجواب صحیح۔ محمد مظہر اللہ غفرلہٗ۔ امام مسجد فتحپوری، دہلی۔

سوال

ایک شخص ہندو اپنے شوق سے قرآن مجید پڑھنا چاہتا ہے بلکہ قرآن مجید پڑھنے کا دل سے بہت شوق رکھتا ہے. پڑھانے والا بوجہ حرمت وادب کلام پاک تامل کرتا ہے. اس لئے تصدیعہ خدمت ہے کہ ایسے غیر مسلم کو قرآن مجید کا پڑھانا از روئے شرع جائز ہے یا نہیں۔

المستفتی نمبر ۱۵۰۶ ملا عبدالغنی صاحب دجے پور، ۹ ربیع الثانی ۱۳۵۶ھ ۔ ۱۹ جون ۱۹۳۷ء

(۱۱) جواب ۔ غیر مسلم کو قرآن شریف کی تعلیم دینا جائز ہے. معلم اس کو احترام کلام مجید کی تعلیم بھی دے اور اپنے اوپر بے حرمتی کا کام نہ ہونے دے. اس قدر کافی ہے۔ اس کا بھی اندازہ کرلے کہ غیر مسلم کی نیت تو خراب نہیں ہے ۔ فقط محمد کفایت اللہ کان اللہ لہٗ دہلی

سوال

قرآن پاک کی تلاوت بغیر فہم معانی باوجود مترجم قرآن کے، باعث اجروثواب ہے یا نہیں؟ مع حوالہ تحریر فرمائیں ۔ المستفتی نمبر ۲۷۶۵ حکیم محمد ایوب مراد آباد ۔ ۱۹ ربیع الثانی ۱۳۶۲ھ ۲۵ اپریل ۱۹۴۳ء

(۱۲) جواب ۔ قرآن پاک کی تلاوت بغیر فہم معانی کے بھی موجب ثواب ہے ۔ حدیث شریف میں آیا ہے کہ جو شخص قرآن پاک کا ایک حرف پڑھے اس کو دس نیکیاں ملتی ہیں ۔ پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ الٓمٓ ایک حرف نہیں بلکہ الف ایک حرف ہے اور لام ایک حرف ہے اور میم ایک حرف ہے ، یعنی صرف الٓمٓ پڑھنے والے کے لئے تیس نیکیاں ہیں. اس سے صاف ظاہر ہے کہ صرف نظم قرآن کی عبارت پڑھنا بھی موجب اجر ہے اور الٓمٓ تو معلوم المعنیٰ بھی نہیں ہے، متشابہات میں سے ہے ۔ ہاں قرارت قرآن فہم معنیٰ کے ساتھ ہو تو اور زیادہ ثواب ملے گا ۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہٗ

سوال

چونکہ آجکل جبریہ تعلیم کا نفاذ روز بروز ترقی پر ہے اور اس میں بعض جگہ میونسپل کمیٹی وغیرہ نے استثنائے تعلیم مذہبی کو برقرار نہیں رکھا جو کہ اصل قانون میں موجود ہے (ایکٹ ۷، ۱۹۱۹ء دفعہ ۱۰ میں درج ہے کہ (ب) لڑکے کو مذہبی وجوہات کی بنا پر کمیٹی حاضری مدرسہ نے حاضر ہونے سے معاف کردیا ہے) ایسی صورت میں مسلمانوں کو کیا کرنا چاہیئے ۔

(۱۳) جواب ۔ مسلمانوں کے بچوں کے لئے قرآن پاک کی تعلیم (حفظ و ناظرہ) ضروری ہے اور یہ

بھی ظاہر ہے کہ اس کے لئے گیارہ سال سے کم عمری کا وقت ہی مناسب ہے۔ اس لئے ضروری ہے کہ جو بچے قرآن مجید کے مکتبوں میں قرآن مجید پڑھ رہے ہیں خواہ حفظ یا ناظرہ، ان کو اس شرط کے ساتھ کہ وہ قرآن مجید پڑھتے رہیں۔ اس جبریہ تعلیم سے مستثنیٰ کرایا جائے۔ لیکن جب وہ قرآن بھی نہ پڑھیں بیکار پھرنے لگیں تو پھر ان کو تعلیم حاصل کرنے پر مجبور کیا جائے۔ محمد کفایت اللہ غفرلہٗ

(ماخوذ از رسالہ جبریہ تعلیم شائع کردہ حضرت مولانا محمد الیاس کاندھلوی ۱۳۴۶ھ)

دوسرا باب
تعلیم کے احکام وآداب

فصل اول، تعلیم کا معاوضہ لینا

سوال

امامت یا تعلیم قرآن ودیگر کتب دینیہ کی اجرت لینا جائز ہے یا نہیں؟

(۱۴۳) **جواب** ۔ امامت وتعلیم قرآن کی اجرت لینا (بنابر فتوی متاخرین حنفیہ) جائز ہے۔ قال فی الهداية وبعض مشائخنا رحمهم الله تعالى استحسنوا الاستيجار على تعليم القرآن اليوم لظهور التوانی فی الامور الدينية ففی الامتناع تضييع حفظ القرآن وعليه الفتوى وزاد فی مختصر الوقاية ومتن الاصلاح تعليم الفقه وزاد فی متن المجمع الامامة ومثله فی متن الملتقى ودرر البحار (رد المختار مختصراً)

سوال

حفّاظ کے لئے اجرت ومعاوضہ جائز ہے یا نہیں؟ خواہ وہ تعلیم قرآن شریف کا ہو یا ایصال ثواب کے لئے ختم پڑھنا یا رمضان المبارک میں تراویح یا شبینہ پر ہو۔ اجرت ومعاوضہ اگر جائز ہے تو تعین کے ساتھ یا بلا تعین؟ شبینہ کی دو صورتیں ہیں (ایک رات میں اور تین رات میں) ہر دو جائز ہے یا ناجائز؟ یا کوئی

ایک جائز ہے؟ المستفتی نمبر ۳۰۲ حافظ محمد عزیز اللہ خوشنویس (اجمیر شریف) ۱۸ صفر ۱۳۵۳ھ م ۲ جون ۱۹۳۴ء

(۱۵) جواب ۔ قرآن پاک اور علوم دینیہ کی تعلیم کی اجرت متاخرین حنفیہ کے فتوے کے بموجب جائز ہے حنفیہ کا اصل مسلک عدم جواز تھا۔ جواز کا فتویٰ انہوں نے ضرورت کی بنا پر دیا ہے۔ تعلیم کی اجرت کے جواز کی ضرورت ظاہر ہے کہ اگر اجرت لینی ناجائز قرار دی جائے تو اس کا نتیجہ ترک تعلیم کی صورت میں ظاہر ہوگا اور قرآن مجید اور علوم دینیہ کی تعلیم کا متروک ہونا عظیم الشان نقصان ہے۔ اس لئے جواز اجرت کا فتویٰ دے دیا گیا۔ اسی پر امامت و اقامت کو بھی قیاس کیا گیا۔ مگر صرف تلاوت قرآن مجید (بغرض ایصال ثواب) کی اجرت کو اصل مسلک کے موافق ناجائز ہی رکھا گیا۔ کیونکہ اگر عدم جواز اجرت کی وجہ سے تلاوت قرآن بغرض ایصال ثواب متروک ہو جائے تو کسی ضرورت دینیہ میں کمی نہیں آتی۔ اس لئے قرآن مجید تراویح میں سنانے کی اجرت بھی ناجائز قرار دی گئی کہ اس کے ترک سے کسی ضرورت دینیہ میں کمی نہیں آتی۔ سورتوں کے ساتھ تراویح پڑھکر سنت قیام رمضان ادا کر سکتے ہیں۔

۲ بلا تعیین دے دیا جائے اور نہ دینے پر کوئی شکوہ شکایت نہ ہو تو یہ صورت اجرت سے خارج اور حد جواز میں داخل ہو سکتی ہے۔

۳ شبینہ کی دونوں صورتیں بوجہ ان عوارض کے جو پیش آتے ہیں اور تقریباً لازم ہیں مکروہ ہیں۔ اگر پڑھنے والا اور سننے والے سب کے سب مخلص ہوں اور بہ نیت عبادت شوق سے پڑھیں اور سنیں تو تین دن میں ختم کرنا بہتر ہوگا۔ محمد کفایت اللہ

سوال

زید ایک جگہ ملازم ہے وہاں دینی کتابیں پڑھاتا ہے اور امامت کرتا ہے اور اسکو تنخواہ ملتی ہے کتابیں پڑھانے کو وہ کارکردنی سمجھتا ہے یعنی اگر ملازمت نہ رہے تب بھی وہ تھوڑا بہت پڑھانے کا کام جاری رکھے اور امامت کے کام کو وہ کارکردنی نہیں سمجھتا یعنی اگر امامت کی تنخواہ نہ ملے تو وہ امامت نہ کرے۔ امامت کرنے کو پسند نہیں کرتا۔ امامت کے پندرہ روپے اور مدرسی کے دس روپے ملتے ہیں۔ اگر امامت کو چھوڑ دے تو اس جگہ مدرسی کرنا مشکل ہو جاتا ہے تو عرض یہ ہے

(۱) صورت مذکورہ میں تنخواہ لیکر امامت کرنے سے امامت کا ثواب ملے گا یا نہیں؟

(۲) صورت مذکورہ میں تنخواہ لیکر دینی کتابیں پڑھانے کا ثواب ملے گا یا نہیں؟

(۳) کوئی شخص تنخواہ لیکر اگر امامت کرے یا تعلیم دینی کرے تو کن وجوہ میں ثواب ہوگا اور کن وجوہ میں ثواب ہوگا، کس طرح نیت کرنے سے ثواب ہوگا۔ مالدار اور غریب میں فرق ہے یا نہیں ؟

(۴) تعلیم دینی و امامت پر تنخواہ ٹھہرا کر لینا جائز ہے یا نہیں ؟

(۵) طلباء سے استاد کام لے تو جائز ہے یا نہیں ؟ اور استاد کو اجر ملے گا یا جاتا رہے گا ؟

(۶) اگر کوئی شخص محلہ والوں کو یا متولی مسجد کو یوں کہے کہ میں امامت کروں گا یا مسجد کا کام کروں گا اللہ واسطے۔ اور تم مجھ کو اللہ کے واسطے کھانا اور تنخواہ دو۔ تو اس طرح للہ مانگنا جائز ہے یا نہیں اور یہ مانگنا سوال ممنوع میں داخل ہے یا نہیں ؟

(۷) شاہ عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ نے سورۂ بقر آیت وفی ذٰلکم بلاء من ربکم عظیم کے تحت میں فرمایا ہے کہ " اجرت بر عبادت گرفتن دراں صورت جائز است کہ نیتِ خالص محض برائے خدا باشد و بودن و نبودنِ اجرت برابر گردد۔ آن عبادت را کار کردنی خود داند خواہ کسے براں اجرت بدہد یا نہ دہد و اگر مانند حرفتہا و مزدوریہائے دنیاوی آں عبادت را معلق بر گرفتن اجرت سازد کہ اگر اجرت دادند بجا آورد و الا ترک کرد پس او محض مزدور است از ثواب بہرہ ندارد بلکہ خوفِ عقاب دارد کہ کارِ دین را برائے دنیا کرد و آخرت را با دنیٰ فروخت، معاذ اللہ من ذٰلک " عبارت مذکورہ کا کیا مطلب ہے ؟ فی زمانہ امامت کو شاید ہی کوئی کار کردنی سمجھتا ہو۔ اس لئے کہ اس میں بہت ذمہ داری ہے۔ اگر تنخواہ نہ دی جائے تو اکثر مساجد خالی رہیں۔ المستفتی نمبر ۵۲۰ محمد ابراہیم (احمد آباد) ۶ ربیع الثانی ۱۳۵۴ھ م ۸ جولائی ۱۹۳۵ء

(۱۶) جواب ۔ نمبر ۱ سے نمبر ۴ تک کا جواب یہ ہے کہ امامت اور تعلیم و تدریس کی تنخواہ ٹھہرا کر لینا جائز ہے۔ اور اگر اس کی نیت یہ ہو کہ رفع ضروریات کے لئے تنخواہ لیتا ہوں اور اگر ان کاموں کو دینی کام سمجھکر اختیار کرتا ہو تو اس کا ثواب بھی ملے گا۔ اگرچہ بلا تنخواہ حسبۃً للہ یہ کام کرے تو ثواب زیادہ ہوگا۔

(۵) طلباء سے عرفی طور پر کوئی کام لینا جو وہ بطیب خاطر خدمتِ استاد سمجھکر کردیں اور خوش ہوں جائز ہے اور اس میں اس کے ثواب تعلیم پر کوئی اثر نہ ہوگا۔

(۶) یہ تعبیر تو ممنوع نہیں اور نہ یہ سوال میں داخل ہے مگر جبکہ نیت معاوضہ کی ہو تو اس کلام سے کچھ فائدہ بھی نہیں۔

(۷) شاہ صاحبؒ کی عبارت اس قول پر مبنی ہے کہ عبادت پر اجرت لینی ناجائز ہے اور جو صورت

جواز کی تحریر فرمائی ہے وہ درحقیقت اجرت کی حد میں داخل نہیں ہوتی اور جو صورت عدم جواز کی تحریر فرمائی ہے وہ اجرت ہے جیسا کہ ان کا فقرہ "پس او محض مزدور است" اسکی دلیل ہے اور یہ متقدمین کے نزدیک ناجائز اور متاخرین کے فتوے کے بموجب جائز ہے۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہٗ

سوال

عوام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر سے کھانا کھایا کرتے تھے نہ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کسی کے گھر سے کھاتے تھے اور نہ ہی کوئی مزدوری یا اجرت لیتے تھے اور قرآن اس حکم کو کئی جگہ فرماتا ہے۔ اس کے مخالف آج علماء مقتدیوں کے گھروں سے کھاتے ہیں اور اپنی نماز پڑھائی جنازہ یا نکاح پڑھائی کی اجرت لے لیتے ہیں۔ المستفتی نمبر ۶۹۹ حکیم سید عبداللہ شاہ دہلی۔ ۹ شوال ۱۳۵۴ھ م ۵ جنوری ۱۹۳۶ء

(۱۷) **جواب**۔ قرآن مجید میں کہیں پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کو امت کے گھر کھانا کھانے سے منع فرمایا نہیں گیا۔ اس لئے امت کے افراد بھی حضورؐ کے دولت خانے پر کھانا کھاتے تھے اور حضور بھی کبھی کبھی اپنے مخلصین کے مکان پر کھانا تناول فرماتے تھے لیکن حضور کا تناول فرمانا معاذ اللہ اجرت کے طور پر نہیں ہوتا تھا بلکہ محبت و صداقت کی بنا پر ہوتا تھا جس کا قرآن پاک میں بھی ذکر ہے۔ رہا آجکل مساجد کے اماموں، موذنوں یا استادوں کا اجرتِ امامت و اذان یا اجرتِ تعلیم لینا تو یہ مسئلہ مجتہدین امت میں مختلف فیہ تھا۔ امام ابوحنیفہ عبادات کی اجرت لینے دینے کو ناجائز فرماتے تھے اور دوسرے ائمہ جائز فرماتے تھے۔ متاخرین حنفیہ نے بھی دوسرے ائمہ کے قول کے موافق تعلیم و امامت و اذان کی اجرت کے جواز کا فتویٰ دے دیا ہے۔ کیونکہ بغیر اجرت ان چیزوں کا بقاء اور نظام کا قیام مشکل ہے۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہٗ

سوال

دینی طلباء کو آجکل علمائے کرام دینی تعلیم کے ساتھ ساتھ ہنر کیوں نہیں سکھاتے تاکہ ہنر کے ذریعے اپنی روزی کما سکیں اور علم دین سے دوسروں کو بلا کسی مزدوری کے فیض پہنچائیں۔

المستفتی نمبر ۶۹۹ حکیم سید عبداللہ شاہ زنجانی (دہلی)

(۱۸) **جواب**۔ ہاں یہ بات کہ طالب علم کو علم کے ساتھ کوئی صنعت و حرفت بھی سکھائی جائے بہتر ہے اور بہت سے لوگوں نے اس پر عمل شروع بھی کر دیا ہے۔ مگر اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ صرف دینی علوم کی تعلیم دینا ناجائز یا غیر مفید ہے۔ محمد کفایت اللہ

سوال

ایک اسلامی مدرسہ کی مالی حالت نہایت خراب ہے ، یہاں کے مسلمان اس قدر بے حس ہیں کہ باوجود خدمات کے اعتراف کے مالی امداد کی طرف راغب نہیں ہوتے ۔ اس مدرسہ میں نہ گورنمنٹ سے کوئی مالی امداد لی جاتی ہے نہ کسی بورڈ وغیرہ سے ۔ اندریں صورت (۱) اگر بچوں کے داخلہ کے وقت کوئی رقم داخلہ فیس کے طور پر لی جائے تو جائز ہے یا نہیں (۲) درجہ قرآن یا حفظ و ناظرہ اردو و فارسی یا عربی ان میں سے کسی درجہ کے لڑکوں پر ماہواری فیس شرعاً مقرر کرنا درست ہے یا نہیں ۔

المستفتی ۱۰۸۱ مہتمم مدرسہ دینیہ اسلامیہ ، غازی پور (یو ، پی) ۱۰ رجمادی الاولیٰ ۱۳۵۵ھ م ۳۱ رجولائی ۱۹۳۶ء

(۱۹) **جواب** ۔ (۱) داخلہ کی فیس تو کوئی معقول نہیں (۲) ماہوار فیس لی جاسکتی ہے ۔

سوال

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ تعلیم قرآن مجید اور اذان اور امامت کی اجرت لینا جائز ہے یا نہیں ؟ بینوا توجروا ۔

(۲۰) **جواب** ۔ واضح ہو کہ یہ مسئلہ قدیم سے مختلف فیہ ہے ۔ امام شافعی اور امام احمد بن حنبل رحمہا اللہ اور ایک جماعت کا مذہب یہ ہے کہ ایسی طاعات پر جو اجیر کے ذمہ متعین نہ ہوں عقد اجارہ منعقد کرنا اور اجرت لینا دینا جائز ہے ۔ جیسے تعلیم قرآن ، اذان ، امامت وغیرہ ۔ اور امام ابوحنیفہ اور زہری اور قاضی شریح اور ایک جماعت اس کی قائل ہے کہ طاعات پر اجارہ ناجائز ہے ۔ ہمارے اصحاب متقدمین حنفیہ کا یہی مسلک تھا کہ طاعات پر اجرت لینا دینا ناجائز ہے ۔ اور قدمائے حنفیہ اسی کے موافق فتویٰ دیتے اور عمل کرتے رہے ۔ علم دین پڑھانے والوں ، اذان کہنے والوں اور امامت کرنیوالوں کے وظائف بیت المال سے مقرر ہوتے تھے اور یہ لوگ نہایت اطمینان اور فارغ البالی سے اپنا کام انجام دیتے تھے ۔

کچھ عرصے کے بعد اسلامی سلطنت نہ رہنے یا بیت المال کے مصارف میں بعض مسلمان بادشاہوں کے شرعی حدود سے تجاوز کر جانے کی وجہ سے ان علماء اور مؤذنین وائمہ کے وظائف بند ہوگئے اور تعلیم علوم دینیہ یا اذان وامامت کی انجام دہی میں جو فراغت قلبی انہیں حاصل تھی وہ جاتی رہی ، چونکہ یہ لوگ بھی آخر انسان تھے اور انسانی ضروریات معاش ان کی زندگی کے لوازمات میں بھی داخل تھیں اس لئے ان کو مجبوراً مال حاصل کرنے کے ذرائع کی طرف متوجہ ہونا پڑا جس کے وسیلے سے اپنی اور اپنی اولاد و متعلقین کی اوقات بسری کر سکیں ۔ ذرائع معاش چونکہ مختلف اقسام کے ہیں ۔ کسی نے کوئی طریقہ اختیار کیا کسی نے کوئی ۔ کسی نے تجارت

کسی نے زراعت کسی نے ملازمت۔ کسی نے صنعت و دستکاری اختیار کی۔ اسی طرح ضرورتیں بھی کمی بیشی میں مختلف تھیں اس لئے رات دن کے چوبیس گھنٹوں میں ایک بڑا حصہ کسب معاش میں خرچ کر دینے کے باوجود بھی بعض افراد کی ضرورتیں پوری نہ ہوئیں۔

ان حالات کی وجہ سے بہت سے علماء، بہت سے موذن، بہت سے امام مجبوراً ان مشاغل کی وجہ سے تعلیم یا اذان یا امامت کی خدمت کو بالالتزام پورا نہ کر سکے اور بالآخر انہیں اضطراری حالت سے ان خدمات کو چھوڑنا پڑا۔ لیکن تعلیم چھوڑنے سے یہ نقصان متصور تھا کہ علم دین کا سلسلہ منقطع ہو جائے گا۔ کیونکہ جب پڑھانے والوں کو اپنی ضروریاتِ معاش میں مشغولی کی وجہ سے اتنی فرصت نہ ملتی کہ طلبہ کو پڑھا سکیں تو پھر علم دین کی زندگی اور بقاء کی کیا صورت تھی۔ اذان چھوڑ دینے سے یہ نقصان متصور تھا کہ نماز کے اوقات کا انضباط جو معین موذن ہونے کی صورت میں ہو سکتا ہے درہم برہم ہو جاتا۔ چونکہ اس زمانے میں بڑے بڑے شہروں بلکہ بعض قصبوں میں بھی اکثر غریب مسلمان کارخانوں اور کمپنیوں اور ملوں میں مزدوری پر کام کرتے ہیں اور اپنے افسروں کی خوشامد کر کے نماز اور جماعت کے لئے اجازت حاصل کرتے ہیں۔ ایسے لوگوں کو اس بات کی زیادہ ضرورت ہے کہ اذان اور نماز کا وقت معین ہو کہ اس کے موافق وہ کارخانوں سے ٹھیک وقت پر آجایا کریں اور جماعت سے نماز پڑھکر اپنے کام پر چلے جائیں۔ اگر اذان و جماعت کے اوقات معین نہ ہوں تو ان لوگوں کو یا تو جماعت چھوڑنی پڑے یا اپنے کام میں زیادہ دیر تک غیر حاضر رہنے کی وجہ سے افسروں سے ناچاقی پیش آئے اور اپنے ذرائع معاش کو کھو بیٹھیں۔ امام معین نہ ہونے کی صورت میں جماعت کا انتظام درست نہیں رہ سکتا، اور پورے انضباط سے نماز نہیں ہو سکتی۔ جن مساجد میں کوئی موذن اور امام مقرر نہیں ہے نماز کے وقت جو پہلے آگیا اس نے اذان کہدی اور جس کو مناسب سمجھا امام بنا دیا۔ ایسی مسجدوں میں جماعت کا کوئی خاص وقت مقرر نہیں ہو سکتا اور اس لئے ان لوگوں کو جو دوسروں کی تابعداری میں پھنسے ہوئے ہیں اکثر اوقات ایسی مسجدوں میں جماعت سے نماز نصیب نہیں ہوتی۔

پس متاخرین فقہاء حنفیہ نے اس ضرورتِ شرعیہ کی وجہ سے حضرت امام شافعیؒ کے قول کے موافق یہ فتویٰ دے دیا کہ مواقع ضرورت میں طاعات پر اجرت لینا جائز ہے اور قرآن مجید و حدیث و فقہ کی تعلیم اور اذان و امامت پر اجرت لینے کے جواز کی تصریح کر دی۔ کیونکہ یہ چیزیں ایسی ہیں کہ بغیر ان کے بقاء کے اسلامی حقیقت کا باقی رہنا بھی مشکل ہے۔

ہم ذیل میں فقہاء کی وہ تصریحات نقل کرتے ہیں جن میں آج کل اذان و امامت اور تعلیم پر اجرت لینے کا جواز مذکور ہے ۔

وبعض مشائخنا رحمہم اللہ استحسنوا الاستیجار علی تعلیم القرآن الیوم لظہور التوانی فی الامور الدینیۃ ففی الامتناع تضییع حفظ القرآن وعلیہ الفتوی اھ کذا فی الھدایۃ ۔

اور ہمارے بعض مشائخ رحمہم اللہ نے آجکل تعلیم قرآن پر اجرت لینے دینے کا جواز بہتر سمجھا کیونکہ امور دینیہ میں لوگوں کی سستی ظاہر ہوگئی ہے تو ممانعت کے حکم میں اندیشہ ہے کہ حفظ قرآن ضائع ہو جائے ۔ اور اسی جواز اجرت پر فتوی ہے ۔

ومشائخ بلخ جوّزوا الاستیجار علی تعلیم القرآن اذا ضرب لذلک مدۃ وافتوا بوجوب المسمّٰی کذا فی المحیط

اور مشائخ بلخ نے تعلیم قرآن کی اجرت لینے کو جائز فرمایا ہے جبکہ اس کی مدت معین کی جائے اور معین شدہ اجرت کے واجب التسلیم ہونے کا فتوی دیا ہے ۔

وکذا اجوّزوا الاستیجار علی تعلیم الفقہ ونحوہ والمختار للفتوی فی زماننا قول ہؤلاء کذا فی الفتاوی العتابیۃ فتاوی عالمگیری باختصار

اسی طرح تعلیم فقہ اور اس کے امثال (اذان و امامت) پر اجرت لینے کا جواز بھی ہے اور ہمارے زمانے میں فتوی کے لئے انہیں لوگوں کا قول مختار ہے ۔

الاستیجار علی الطاعات کتعلیم القرآن والفقہ والتدریس والوعظ لا یجوز ای لا یجب الاجر واہل المدینۃ طیّبَ اللہ ساکنہا جوّزوہ وبہ اخذ الامام الشافعی قال فی المحیط وفتوی مشائخ بلخ علی الجواز قال الامام الفضلی والمتاخّرون علی جوازہ وکان الامام الکرمانی یفتی "بدر نارسیدہ معلم را خوشنود بکنید" وفتوی علمائنا علی ان الاجارۃ ان صحّت یجب المسمّٰی وان لم تصحّ یجب اجر المثل الخ فتاوی بزازیہ

طاعات پر عقد اجارہ مثلاً تعلیم قرآن و فقہ اور تدریس اور وعظ پر اجرت لینا جائز نہیں یعنی اجرت واجب نہیں ہوتی اور اہل مدینہ طیّبَ اللہ ساکنہا طاعات پر اجرت لینے کو جائز کہتے ہیں اور امام شافعیؒ اسی کے قائل ہیں ۔ محیط میں فرمایا کہ مشائخ بلخ کا فتوی جواز پر ہے ۔ امام فضلیؒ نے فرمایا کہ متاخرین حنفیہ جواز کے قائل ہیں اور امام کرمانی فتوی دیتے تھے کہ "دروازے تک پہونچنے سے پہلے معلم کو خوش کردو" اور ہمارے علماء کا فتوی ہے کہ اگر عقد اجارہ صحیح طور پر کیا گیا تو اجرت معینہ واجب ہوگی ورنہ اجر مثل لازم ہوگا ۔

وقال محمد بن الفضل كره المتقدمون الاستيجار لتعليم القرآن وكرهوا اخذ الاجرة عليه لوجود العطية من بيت المال مع الرغبة فى امور الدين وفى زماننا انقطعت فلو اشتغلوا بالتعليم بلا اجر مع الحاجة الى معاش لضاعوا وتعطلت المصالح فقلنا بما قالوا . فتاوى برازية ومثله فى الخانية

امام محمد بن الفضلؒ نے فرمایا کہ متقدمین حنفیہ نے قرآن مجید کی تعلیم پر اجرت لینے کو اسلئے مکروہ فرمایا تھا کہ بیت المال سے معلمین کے لئے عطیات مقرر تھے اور لوگوں کو امور دین کی رغبت بھی تھی، اور ہمارے زمانے میں عطیات منقطع ہوگئے تو اب اگر تعلیم میں مشغول ہوں اور اسباب معیشت کی حاجت اسی طرح باقی رہنے کے باوجود اجرت نہ لیں تو مرنے لگیں اور مصالح زندگی درہم برہم ہو جائیں گے اسلئے ہم بھی اسی بات کے قائل ہوگئے جسکے وہ (یعنی امام شافعی و امام احمد و اہل مدینہ وغیرہ) قائل تھے یعنی جواز اجرت کا فتویٰ ہم نے بھی دے دیا۔

قال الشيخ الامام شمس الائمة السرخسى رحمه الله تعالى ان مشائخ بلخ جوزوا الاجارة على تعليم القرآن واخذوا فى ذلك بقول اهل المدينة وانا افتى بجواز الاستيجار ووجوب المسمّى . فتاوى قاضى خان

امام شمس الائمہ سرخسیؒ نے فرمایا کہ مشائخ بلخ نے تعلیم قرآن پر اجرت لینے دینے کو جائز فرمایا ہے اور اس بارے میں انہوں نے اہل مدینہ کے قول پر عمل کیا ہے۔

اور میں بھی اجرت لینے دینے کے جواز اور اجرت معینہ کے واجب ہونے کا فتویٰ دیتا ہوں۔

والفتوى اليوم على جواز الاستيجار لتعليم القرآن وهو مذهب المتاخرين من مشائخ بلخ استحسنوا ذلك لظهور التوانى فى الامور الدينية وكسل الناس فى الاحتساب

آج کل تعلیم قرآن کی اجرت لینے کے جواز پر فتویٰ ہے، اور یہ متاخرین مشائخ بلخ کا مذہب ہے، انہوں نے اس جواز اجرت کو اس لئے بہتر سمجھا کہ امور دینیہ میں لوگوں کی سستی ظاہر ہو رہی ہے اور ثواب کی نیت سے کام کرنے میں لوگ کسل کرنے لگے ہیں۔

وكذا يجوز على الامامة فى هذا اليوم لان الائمة كانت لهم عطيات فى بيت المال وانقطعت اليوم بسبب استيلاء الظلمة عليها۔

اور اسی طرح اس زمانہ میں امامت کی اجرت بھی جائز ہے کیوں کہ پہلے اماموں کے لئے بیت المال سے وظائف مقرر ہوتے تھے۔ وہ اب بند ہوگئے، کیونکہ بیت المال ظالموں کے قبضے میں ہیں۔

وفی روضة الزندویستی کان شیخنا ابو محمد عبداللہ الخیزاخیزی یقول فی زماننا یجوز للامام والمؤذن والمعلم اخذ الاجرة ۔ انتھی عینی شرح کنز الدقائق ۔

اور روضہ زندویستی میں ہے کہ شیخ ابو محمد عبداللہ الخیزاخیزی فرماتے تھے کہ ہمارے زمانے میں امام، اور مؤذن اور معلّم کو اجرت لینا جائز ہے ۔

ویفتی الیوم بصحتھا لتعلیم القرآن والفقہ والامامة والاذان ۔ انتھی (در مختار)

اور آجکل قرآن وفقہ کی تعلیم اور امامت اور اذان پر اجرت لینے دینے کے جواز پر فتویٰ دیا جاتا ہے ۔

ان نصوص فقہیہ سے امور ذیل بوضاحت ثابت ہو گئے ۔

(۱) متقدمین حنفیہ طاعات پر اجرت لینے دینے کو ناجائز فرماتے تھے اور اہل مدینہ اور امام شافعی اور امام احمد بن حنبل اور ایک جماعت اس کے جواز کی قائل ہے ۔

(۲) متاخرین حنفیہ نے یہ دیکھکر کہ بیت المال کے عطیات موقوف ہو گئے اور ذرائع معیشت میں دشواریاں پیدا ہو گئیں اور امور دین میں سستی اور بے پروائی ظاہر ہو گئی ۔ پس ایسی حالت میں عدم جوازِ اجرت کا حکم دینے سے دین اور شعائر مذہب کو سخت صدمہ پہنچنے کا اندیشہ تھا اسلئے اونھوں نے اس مسئلہ میں امام شافعیؒ اور اہل مدینہ کا قول اختیار کرلیا جیسے کہ متاخرین حنفیہ نے اسی قسم کی ضرورتوں کی وجہ سے زوجۂ مفقود کے بارے میں امام مالک کے قول کو اختیار کیا ہے ۔

(۳) متاخرین حنفیہ کا متقدمین کے قول سے اختلاف کرنا اس ضرورتِ شرعیہ پر مبنی تھا ۔ پس جن صورتوں میں یہ ضرورت متحقق ہو گی وہیں یہ حکم ہوگا اور جہاں یہ ضرورت نہ ہو گی وہاں یہ حکم جاری نہ ہوگا ۔ چنانچہ علامہ شامیؒ نے ردالمحتار میں تصریح کردی ہے کہ تلاوت قرآن اور تسبیح وتہلیل بغرضِ ایصالِ ثواب پر اجرت لینا دینا اب بھی ناجائز ہے کیونکہ اس میں کوئی ضرورت نہیں اور ان کے چھوڑنے سے دین اور شعائر مذہب کو کوئی صدمہ نہیں پہنچتا ۔ اسی طرح وعظ کی اجرت اس صورت سے کہ وعظ کہنے کی نوکری کرلی جائے جائز ہے ۔ لیکن متفرق طور پر واعظ جو وعظ کہتے ہیں اون کی اجرت لینا جائز نہیں اور عدمِ جواز کی وجہ ایک عارضی[ع] خارجی ہے ۔

ع احقر کے نزدیک "عارضی" کہنے کی ضرورت نہیں ۔ فقہاء نے وعظ کو امامت وتعلیم قرآن کے ساتھ ذکر کیا ہے ۔ یہ قرینہ ہے اس کا کہ اس کا حکم مثل ان دونوں کے ہے ۔ اور ان کا حکم یہ ہے کہ اگر التزام کے طور پر عمل ہو تو استیجار جائز ہے اور اگر کسی نے ایک مسئلہ پوچھ لیا یا ایک وقت کی نماز پڑھانے کو کہہ دیا تو اجرت لینا جائز نہیں ۔ پس یہی حکم (بقیہ بر صفحہ ۲۴)

جو اکثری طور پر ان متفرق وعظوں کو لاحق ہے وہ یہ کہ اجرت کے خیال سے واعظ کتمانِ حق کر جاتا ہے۔ یعنی اگر اجرت دینے والے کے اندر کوئی خلافِ شرع امر پایا جاتا ہو تو واعظ اس کا رد نہیں کرتا کہ مبادا اجرت ملنے میں کوئی روک پیدا ہو جائے کیونکہ ایسے متفرق وعظوں کی اجرت اکثری طور پر شخصیت سے متعلق ہوتی ہے۔ یا سامعین سے ہی وصول اجرت کی امید ہوتی ہے اور نوکری کی صورت میں اکثری طور پر یہ عارض نہیں پایا جاتا۔ اور اگر کسی ملازمت میں بھی کتمانِ حق کی نوبت آئے تو وہ بھی ناجائز ہوگی۔

(۴) تعلیم قرآن مجید۔ تدریس حدیث وفقہ۔ اذان وامامت کی مذکورہ بالا عبارتوں میں تصریح موجود ہے پس ان چیزوں کی اجرت جائز ہونے میں کوئی شبہ نہیں۔ واللہ اعلم

کتبہ الراجی رحمۃ مولاہ محمد کفایت اللہ عفا عنہ ماجناہ المدرس فی المدرسۃ الامینیۃ الواقعۃ بدہلی۔ ۲۰ شعبان ۱۳۳۴ھ

الجواب صواب، محمد انور عفا اللہ عنہ معلم دارالعلوم دیوبند۔ الجواب صحیح۔ خلیل احمد عفی عنہ

الجواب صحیح عزیز الرحمٰن عفی عنہ، مفتی مدرسہ دیوبند ۲۴ ذی الحجہ ۱۳۳۴ھ

فصل دوم۔ آدابِ تعلیم

سوال

شہر بھاگلپور میں شہر اور میونسپل حلقے سے کچھ دور شاہ جنگی تالاب سے متصل پورب کی طرف ایک قدیم عیدگاہ کی مسجد ہے۔ اب جماعت کی روزافزوں ترقی کی وجہ سے اتر دکھن اور پورب کی جانب پختہ چار دیواری سے اس کا محاصرہ کر دیا گیا ہے۔ جماعت اس میں کثیر ہوتی ہے۔ پانچ ہزار کی جماعت ہوتی ہے۔ سوائے عیدین۔ اس کے پچھم جانب بڑا تالاب ہے اور اتر اور دکھن جانب میدانِ کربلا ہے صرف پورب جانب دو تین رسّی کے فاصلے پر بستی ہے۔ چند روز سے اس مسجد کے اندر ایک شخص نے چھوٹے بچوں کی تعلیم کا سلسلہ جاری کیا ہے جس میں چھوٹی چھوٹی ابتدائی درسی کتابوں اور قرآن شریف کی تعلیم بچوں کو دی جاتی ہے، وہ بھی باضابطہ اور منظم طریقے سے نہیں مسجد کے اندر اس تعلیم کا سلسلہ جاری رکھنے کے بارے میں دو

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۲۳) وعظ کا ہوگا کہ اتفاقاً کسی نے وعظ کی درخواست کی اوس پر اجرت لینا جائز نہ ہوگا اور جب نوکری کرلی تو جائز ہوگا۔ ھذا ما فہمت۔ البتہ حضرت مفتی صاحب سلمہ نے جو متن میں ذکر کیا ہے وہ ان دونوں صورتوں میں فرق ہونے کا ایک لطیف نکتہ ہوسکتا ہے۔ واللہ اعلم ۱۲۔ اشرف علی (تھانوی)

مختلف جماعتیں پیدا ہوگئی ہیں۔ ایک جماعت کا خیال ہے کہ مسجد کے اندر تعلیمی سلسلہ رہے تو کوئی قباحت نہیں اور دوسرا فریق کہتا ہے کہ مسجد صرف نماز کی جگہ ہے اس میں سوائے نماز کے اور کوئی کام جائز نہیں۔ اس کے متعلق آپ شریعت کا حکم بتائیں۔ المستفتی ۲۴۷ سید احسن علی (بھاگلپور) ۲ محرم ۱۳۵۴ھ م ۶ اپریل ۱۹۳۵ء

(۲۱) **جواب** - عیدگاہ کا حکم مسجد کے احکام سے کچھ تھوڑا سا مختلف ہے۔ لیکن تعلیم کے حق میں کچھ زیادہ اختلاف نہیں۔ حتی الامکان مسجد یا عیدگاہ میں بچوں کی تعلیم کا سلسلہ جاری نہ کیا جائے کہ بچے پاکی، ناپاکی اور احترام مسجد کا خیال نہیں رکھ سکتے۔ لیکن اگر کسی دوسری جگہ کا انتظام نہ ہو سکے تو پھر مجبوری کی حالت میں مسجد یا عیدگاہ میں بھی تعلیم دینا ناجائز نہیں۔ ہاں معلم کا فرض ہے کہ وہ مسجد یا عیدگاہ کے احترام وصفائی کا لحاظ رکھے۔ فقط محمد کفایت اللہ کان اللہ لہٗ۔

سوال

(از الجمعیۃ دہلی، مورخہ ۱۰ دسمبر ۱۹۲۵ء)

استاد شاگرد کو عاق کر سکتا ہے یا نہیں؟ اگر عاق کر دیا تو کیا حکم ہے؟

(۲۲) **جواب** - عاق کر دینے کا کسی کو اختیار نہیں اور نہ یہ کوئی شرعی اصطلاح ہے۔ جو شخص استاد کا نافرمان اور ایذا رساں ہے وہ خود عاق ہے خواہ استاد عاق کرے یعنی عاق کرنے کا اعلان کرے یا نہ کرے۔ اور جو فی الحقیقت نافرمان نہیں ہے اسکو اگر استاد عاق کرنے کا اعلان بھی کر دے جب بھی وہ عاق نہیں ہو سکتا۔ محمد کفایت اللہ غفرلہٗ

تیسرا باب

تعلیم زنان

سوال

استفتائے وزارت جلیلۂ معارف (افغانستان)

از جمعیۃ عالیہ علمائے ہند در دہلی بنمبر ۱۰۵ مورخہ ۱۴ ربرج سنبلہ

معلوم نقاہت و درایت حضرات علمائے حقیقی

است کہ دریں روزہا مرکز خلافت و دار الفتوائے اسلامی

(ترجمہ) یہ فتویٰ حکومت افغانستان کی وزارت معارف کی طرف سے جمعیۃ علمائے ہند سے طلب کیا گیا۔

حقیقت شناس علمائے حق پر یہ بات روشن ہے کہ فی زمانہ کوئی ایک اسلامی و شرعی مرکز نہ ہونے کی

متنازع فیہ افتادہ مصالح وحوائج طبقۂ اہل اسلام در ہر مملکت بنا بر سبب فوق متشتت گردیدہ ۔ رجحان حکم نسبت باختلاف آرائے مجتہدین سابق ولاحق در مسائل متفرعہ متزلزل ماندہ عجالۃً فیصلۂ احتیاجات فقہی وعقلی بدون استفتاہائے متفرق ومنفرد امکان تلفیق نمی یابد خاصۃً مسائل اجتماعیہ امت محمدیہ ﷺ کہ عمدۂ آں دریں عصر بصد ہا بالغ می شود ۔

ازاں جملہ امروزہا مسئلہ تحصیل مستورات بنا بر آرائے علماء ایں ولا بسکتہ انجامیدہ حال آنکہ بیشتر علمائے ہند، ایران، ترکستان، کانکاس، ترک، عربستان وافریقا جواز ولزوم آں بدعت حسنہ (عموماً مدرسہ وخصوصاً مدرسہ اناثیہ) را تقویت فرمودہ اند ۔

اما علمائے افغانستان دلائل نصی واصولی سائر قطعات اسلامی را طلب می نمایند ۔

اینست کہ وزارت جلیلۂ معارف دولت متبوعہ ما استفتائے مسئلہ فوق را از مقام رفیع استدلال وافتائے شما استفسار می کند کہ " آیا مجتمعاً در مدارس تحصیل اناث استحسان شرعی دارد یا نہ ؟ کیفیت اجرائے آں چگونہ باید کرد " ؟

ایں قدر را خاطر نشان خدمت شما رشداں دینی میدارد کہ در فتوائے فوق جہت ہائے ذیل در نظر گرفتہ می شود :-

(۱) سن بلوغ یعنی ابتدائے مکلفیت صنف اناث اصغری

وجہ سے ہر ملک کے مسلمانوں کی دینی وشرعی ضرورتیں اور احکام مختلف فیہ ہو گئے ہیں اور فروعی مسائل میں متقدمین ومتاخرین کے اختلاف رائے کی وجہ سے کسی قطعی فیصلے پر جلد پہونچنا دشوار ہو گیا ہے ۔

خاص کر وہ فقہی وعقلی مسائل جو اس زمانے میں اجتماعی طور پر امت محمدیہ کو پیش آرہے ہیں ان پر عمل کرنا ممکن نہیں ہے جبتک کہ متعدد مقامات سے استفتا طلب کئے جائیں ۔

ان سینکڑوں مسائل میں سے ایک مسئلہ تعلیم نسواں کا ہے جو مقامی علماء کی رائے کی بنا پر معرض التوا میں ہے اور صورت حال یہ ہے کہ ہندوستان، ایران، ترکستان، قفقاز، ٹرکی عرب وافریقہ کے بیشتر علماء عام اسکولوں میں اور خاصکر زنانہ اسکولوں میں لڑکیوں کی تعلیم کو جائز اور ضروری (بدعت حسنہ) قرار دیتے ہیں ۔

لیکن علمائے افغانستان تمام دنیائے اسلام کے علماء سے اسکے جواز واستحسان کیلئے واضح اور قوی دلائل طلب کرتے ہیں

اس بنا پر ہماری واجب الاطاعت حکومت کی وزارت معارف کی طرف سے مذکورہ بالا مسئلے میں آپکا مدلل فتوے مطلوب ہے کہ آیا اجتماعی طور پر اسکولوں کالجوں میں لڑکیوں کو تعلیم دلانا شرعاً مستحسن ہے یا نہیں ؟ اور اس کو جاری کرنے کی کیا صورت اختیار کی جائے ؟

رہنمایان دین کو اتنا ذہن نشین کرا دینا ضروری معلوم ہوتا ہے کہ مذکورہ مسئلے کی تحقیق میں مندرجۂ ذیل امور کو پیش نظر رکھا جائے ۔

(۱) لڑکیوں کی عمر بلوغ بلحاظ آب وہوا، نسل اور

چیست؟ و اعظمی کدام؟ بشرط آب و ہوا نسل و اصول معیشت) مشتہاۃ چہ درجہ دارد؟ ستر مشتہاۃ تا چہ اندازہ است؟

(۲) حقوق و وظائف تربیوی آنہا پیش از بلوغ چیست؟ وبعد از بلوغ تا چہ اندازہ است؟ یعنی جبر و اختیار آنہا را نقل (شرع) چہ حدود گذاشتہ؟

(۳) رکن و شرط ستر حقیقی چیست؟ یعنی استتار عورت آنہا؟ پیش از سن تکلیف وبعد از تکلیف، ہمچنیں قبل از تاہل وبعد ازاں برائے اجنبی و محارم چہ فرقہا دارد چنانچہ تستر احتیاطی یعنی شعائر عصمت برائے آنہا چہ شرائط اجتماعی و دینی دارد؟

(۴) علوم مفروضہ و استحسانیہ کہ از آیات کریمہ، و احادیث صحیحہ مستنبط میگردد کدام ہاست یعنی درجہ تحصیل آنہا را شریعت اسلامیہ تا کجا لزوم و جواز می دہد؟

(۵) ممنوعیت اجتماع نسواں نظر بدلائل اربعہ تا کدام حد است و در کدام مقامہا است؟

(۶) حقوق و وظائف نسوان محترم تنہا بقواعد اجتماعی و مدنی. علاوہ بر حقوق شرعی، نسبت بحالت امروزہ ما مسلماناں چہ باید شد؟ از علوم و صنائع، نظر باحتیاج تمدنی. کدام ہا پے در پے لزوم دارد؟

(۷) حکمہائے فوق عموماً در مذاہب اہل سنت و خصوصاً در مذہب امام ابوحنیفہ رح سنجیدہ شود چیست؟ و تطبیق آنہا بچہ ذریعہ ممکن می شود؟

پیشوں کے کم سے کم اور زیادہ سے زیادہ کیا ہے؟ مشتہاۃ کب ہوتی ہے؟ اور مشتہاۃ کا ستر کس قدر ہے؟

(۲) لڑکیوں کی تربیت کے حقوق والدین پر قبل بلوغ کیا کیا ہیں؟ اور بعد بلوغ کس قدر ہیں؟ یعنی لڑکیوں کو شریعت نے کس عمر میں خود مختار قرار دیا ہے؟ اور کس عمر تک باپ کی ولایت میں رکھا ہے؟

(۳) ستر عورت کی تفصیل کیا ہے؟ مکلف ہونے سے پہلے اور بعد، تاہل سے پہلے اور بعد. اجانب سے اور محارم سے کتنا ستر ہے؟ اور کیا کیا فرق ہے. اسی طرح پردہ کے کیا کیا حدود و شرائط شریعت نے اور اسلامی معاشرے نے مقرر کئے ہیں؟

(۴) وہ فرض اور مستحب علوم جو قرآن و حدیث سے مستنبط ہوتے ہیں کون کونسے ہیں؟ شریعت نے انکے حصول کیلئے لزوم و جواز کے کیا درجات مقرر کئے ہیں؟

(۵) ائمہ اربعہ کے مسلک کے لحاظ سے عورتوں کا اجتماع کس حد تک ممنوع ہے؟ اور کن مقامات میں؟

(۶) عورتوں کے حقوق شرعی کے علاوہ محض اجتماعی و شہری حقوق عصر حاضر کے تقاضوں کے مطابق کیا کیا ہونے چاہئیں؟ اور موجودہ طرز تمدن کی ضرورتوں کے پیش نظر کون کونسے علوم و فنون اور ہنر درجہ بدرجہ ضروری ہیں؟

(۷) مذکورہ بالا مسائل میں تمام اہل سنت کے مذاہب اور خاصکر مذہب حنفیہ کے مطابق حکم دیا جائے اور قابل عمل بنانے کا سہل طریقہ ارشاد فرمایا جائے.

خلاصہ ۔ مسئلہ فوق یکے از مسائل اجتماعی و اخلاقی است کہ حل و فصل اورا از دین و مذہب استنباط کردہ بدلائل تحقیقی باید اثبات نمود و علمائے ایں ولا در بسیار مسائل مختلف فیہ کہ از امور مہمہ انام اسلام است تا تشکل و تمرکز مقام خلافت و مشیخت اسلامیہ در ویزہ واستفتار می نمایند ۔ بریں وجہ پے در پے مسائل مغلقہ را باجماع علمائے امت، اگر ممکن باشد استدعائے فیصلہ دارند ۔

حاشیہ ۔ تائید فتوائے مذکور بواسطہ تاریخ اسلام نیز کردہ شود، جائے امتنان است ۔ فیض محمد وزیر معارف ۔

غرضنکہ مذکورہ بالا مسئلہ اخلاقی واجتماعی مسائل میں سے اہم ترین مسئلہ ہے ۔ اس کا فیصلہ دین وشریعت کے مضبوط دلائل کے ساتھ ہونا چاہیئے ۔ ہمارے مقامی علماء عالم اسلام کے اور بھی بہت سے اہم ترین اور مختلف فیہ مسائل میں آپ سے استصواب کرنا چاہتے ہیں، مثلاً خلافت اور اسلامی مرکزیت کی تشکیل اور مقام خلافت کی تعیین اور اسی قسم کے اور بہت سے پیچیدہ مسائل بشرط امکان تمام علمائے امت کے اجماع کیساتھ حل کرنے کے خواہشمند ہیں

(نوٹ) فتوی ہذا کی تائید میں اگر اسلامی تاریخ سے بھی کچھ شواہد پیش کئے جائیں تو موجب ممنونیت ہوگا ۔

(۲۳) جواب

باسمہ وبحمدہ سبحانہ وتعالیٰ ۔ حضرت منعم حقیقی جل شانہ وعز سلطانہ انسان را بحلہ علم وحلیہ ہنر آراستہ، لوائے تکریم او بمنشور و لقد کرمنا بنی آدم برافراشتہ، وصدور بنی آدم را مستودع امانات ربانیہ ومستقر ودیعات رحمانیہ گردانیدہ ۔ بہ پرتو ضیائے علوم لدنیہ منور ساختہ وامت محمدیہ را علی صاحبہا افضل الصلوۃ والتحیۃ بخطاب کنتم خیر امۃ اخرجت للناس سربلندی بخشیدہ ۔ وعلمائے ایشاں را بمیراث انبیاء ومرسلین بہرہ ور فرمودہ، شریعت اسلامیہ را برائے ایشاں مکمل و مختتم نازل فرمودہ بطغرائے "الیوم اکملت لکم دینکم واتممت علیکم نعمتی" مسجل نمود ۔ خاتم الانبیاء سیدنا و مولانا محمد رسول اللہ

اسکے نام اور تعریف کے ساتھ ۔ پاک اور بلند ہے وہ بارگاہ منعم حقیقی جل شانہ وعز سلطانہ جس نے انسان کو لباس علم اور زیور ہنر سے آراستہ کرکے اسکی عظمت کے جھنڈے کو بفرمان "ولقد کرمنا بنی آدم" بلند کیا ۔ اور اولاد آدم کے سینوں کو امانت ربانی اور ودیعت رحمانی کا مستقر بنا کر خداداد علوم کی روشنی سے منور کیا ۔ اور امت محمدیہ علی صاحبہا افضل الصلوۃ والتحیۃ کو "کنتم خیر امۃ اخرجت للناس" سے سرافرازی بخشی اور اس امت کے علماء کو انبیاء ومرسلین کی میراث سے بہرہ مند فرماکر اور ان کے لئے اسلام کی مکمل اور آخری شریعت نازل فرماکر "الیوم اکملت لکم دینکم واتممت علیکم نعمتی" کی مہر لگادی ۔ خاتم الانبیاء سیدنا و مولانا

صلی اللہ علیہ وسلم از ما مفارقت نہ ورزید تا آنکہ شریعت مقدسہ اسلامیہ درجہ شریعۃ بیضاء لیلہا ونہارہا سواءٌ نگرفتہ ۔ بابے از ابواب معاش ومعاد نگزاشتہ کہ توضیح احکام او نفرمودہ ونوعے از انواعِ نفسیات واجتماعیات نماندہ کہ کشف حقائق آں نہ نمودہ

تکمیل تعلیم اسلامی برائے نجات اسلامیاں کفیل ومنار ارشاد نبوی برائے ہدایتِ ایشاں خیر دلیل است اسفار ائمہ ومجتہدین از تفصیلات احکام مملو ومشحون واز تلبیس اغیار مصون ومامون۔

اقوام غیر اسلامیہ از تعلیم وتہذیب اسلامی خوشہ چین وحامیان تہذیب نوع انسانی بکہف ہدایت اسلامیاں پناہ گزین ۔ اسلام تہذیبے دارد کہ بمرور اعصار ودہور مبدل نہ شد ونخواہد شد وتازگی ونضارت آں بسموم وحرور حوادث پژمردگی نہ پذیرفت ونخواہد پذیرفت ۔ مکوّن الاکوان ومقدر الاقدار جامۂ تہذیب کہ بر قد اسلامیان راست فرمودہ حقا کہ کہنگی وخرق دراں راہ یافتن نمی توانند۔

طبقات انام کہ باجتماعیات حکم ارکانِ حقیقتِ واحدہ دارند ہر یکے را از ایشاں مرتبۂ مقرر وہر رکن را محلے مقدر وجائے معین ہست ، اگر ذکور بمزیتے شرف دارند اناث ہم بخصوصیتے ممتاز اند۔

عملہا است کہ مرداں را شاید وہنرہا است کہ زناں

محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات سے پہلے شریعت اسلام کو ایک واضح روشن اور معتدل شریعت بنایا جا چکا تھا، دنیا وآخرت کا کوئی ایسا باب نہیں چھوڑا جسکے متعلقہ احکام وضاحت کے ساتھ بیان نہ فرمائے ہوں اور نفسیات واجتماعیات کا کوئی شعبہ ایسا باقی نہیں رہا جس کی حقیقت کا اکتشاف نہ کیا ہو۔ دین کی مکمل تعلیم مسلمانوں کی نجات کی کفیل اور ارشادات نبوی کا مینار ان کیلئے بہترین رہنما ہے ۔ ائمہ مجتہدین کی تصانیف مفصل احکام ومسائل سے معمور اور اغیار کی تلبیس سے دور ہیں۔

دنیا کی غیر مسلم اقوام نے اسلام کی تعلیم وتہذیب سے بہت کچھ خوشہ چینی کی ہے اور حامیان تمدن وتہذیب نے اسلام کی رہنمائی میں ہی پناہ لی ہے اسلام ایک ایسا مضبوط کلچر رکھتا ہے جو تغیرات زمانہ کے ساتھ متغیر نہیں ہو سکتا اور اسکی تازگی ورعنائی میں حوادث کی گرم ہواؤں سے کوئی پژمردگی پیدا نہیں ہو سکتی ۔ مومن کے قد وقامت پر پروردگارِ عالم اور کارکنان قضا وقدر نے جو مخصوص ثقافتی لباس چست کیا ہے واللہ اسکو کبھی بوسیدگی وکہنگی لاحق نہ ہو سکے گی۔

مختلف انسانی طبقات جو اجتماعیات میں حقیقتِ واحدہ کے ارکان کا حکم رکھتے ہیں ان میں سے ہر ایک رکن کا ایک خاص درجہ مقرر اور ہر ایک کا ایک موقف ومقام معین ومقدر ہے ۔ اگر مرد کو خاص خاص اعزازات بخشے گئے ہیں تو عورت کو بھی خاص خاص امتیازات عطا فرمائے گئے ہیں بعض کام مردوں کے مناسب ہیں اور بعض کام عورتوں

را می زیبد ، دراجتماعیات مرداں را حدیست مقرر و زناں را منزلیست محدود ۔ ہر یکے را از محل و مقر خویش اعتدا نباید ۔ و ایں سخن شکے و شبہتے نشاید ۔

مسئلہ تعلیم زناں کہ امروز ہا محل اختلاف است دو مرتبہ دارد ۔ مرتبہ اولیٰ تحصیل علم فی حد ذاتہ ، و مرتبہ ثانیہ صورت و تشکیل تحصیل ۔

مسئلہ اولیٰ اختلاف را نشاید کہ از بدیہیات اسلام است ، خطابات افتراض تحصیل علوم و اوامر تفکر و تدبر در آیات انفسی و آفاقی مخصوص بذکور نیست و ضرورت تنور بنور علم اختصاصے بمرداں و اقتصارے بصنفے نہ دارد ۔ چہ علم از لوازم حیات نفس انسانی ہست ۔

انسانے مرد باشد یا زن کہ بہرہ از علم نہ دارد در حقیقت از حیات انسانیہ حظے ندارد ۔ و ازینجاست کہ حق تعالیٰ شانہ عالم را حی و جاہل را میت خواندہ حیث قال وما یستوی الاحیاء ولا الاموات رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرمود طلب العلم فریضۃ علی کل مسلم و مسلمۃ ؎

کے لائق ہیں ، اجتماعی زندگی میں مردوں اور عورتوں کیلئے جدا جدا حدود مقرر ہیں ۔ لہذا ہر ایک کو اپنے اپنے مقام اور حدود سے تجاوز نہیں کرنا چاہیئے اور یہ ایک ایسی ناقابل تردید بات ہے جس میں کسی قسم کا شک و شبہ پیدا نہیں ہو سکتا ۔

عورتوں کی تعلیم کا مسئلہ جو آج کل زیر بحث ہے اس کے دو حصے ہیں ایک تو یہ کہ عورتوں کو تعلیم دینی چاہیئے یا نہیں ؟ دوسرے یہ کہ انکو تعلیم دینے کی کیا صورت اختیار کی جائے ؟

صورت اول میں کسی قسم کے اختلاف کی گنجائش نہیں کیونکہ حصولِ علم اسلام کے فرائض میں سے ہے تحصیل علم کی فرضیت کا خطاب اور انفرادی و اجتماعی آیاتِ قرآنیہ میں تدبر و تفکر کا حکم صرف مردوں کیلئے مخصوص نہیں ہے علم کی روشنی حاصل کرنے کی ضرورت صرف مردوں یا کسی ایک صنف کے لئے منحصر نہیں ہے کیونکہ علم حیاتِ انسانی کے لوازم میں سے ہے ۔

کوئی انسان مرد ہو یا عورت جو علم سے بہرہ مند نہیں ہے وہ حقیقۃً حیاتِ انسانی سے محروم ہے اور اسی وجہ سے حق تعالیٰ نے عالم کو زندہ اور جاہل کو مردہ کہا ہے جیسا کہ فرمایا " وما یستوی الاحیاء ولا الاموات " اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے " طلب العلم فریضۃ علی کل مسلم و مسلمۃ "

؎ اگر زیادت لفظ مسلمہ کہ در اکثر طرق نیست بصحت نہ رسد ثبوت حکم خلل نہ پذیرد ۔ زیرا کہ عموم خطابات شرعیہ ذکور و اناث را شامل است ۔ پس لفظ مسلم بمعنی صاحب اسلام ست مرد باشد یا زن ، چنانکہ المسلم من سلم المسلمون من لسانہ ویدہ و دیگر نصوص بمرداں خصوصیتے نہ دارد ۔ واللہ اعلم ۔ محمد کفایت اللہ

؎ لفظ مسلمہ جو اکثر روایتوں میں نہیں ہے اگر صحیح تسلیم نہ کیا جائے تب بھی ثبوت حکم میں خلل واقع نہ ہوگا ۔ کیونکہ شریعت میں خطابات کا عموم ذکور و اناث کو شامل ہوا کرتا ہے ۔ پس مسلم سے مراد صاحب اسلام ہے خواہ مرد ہو یا عورت ، جیسا کہ المسلم من سلم المسلمون من لسانہ ویدہ ، اور اسی قسم کے دیگر نصوص صرف مردوں کیلئے مخصوص نہیں ہیں ۔ واللہ اعلم (مترجم)

صحابیات کبار برائے تحصیل علم اعتنائے بلیغ فرمودہ وصالحات سلف بتعلم علوم اہتمامے عظیم نمودہ۔

زنان پاک طینت برائے اکتساب فوائد علمیہ در ذات اقدس رسالت پناہ راہِ منافست اختیار نمودند وگفتند کہ غلبنا علیک الرّجال فاجعل لنا یومًا من نفسک۔

ومربّی اعظم سوال ایشاں را درجہ اجابت عطا فرمودہ بمکان یک صحابیہ تشریف ارزانی داشتند وزنان مجتمعہ را درس وتعلیم فرمودند۔

ودر خطبۂ عید مرداں را خطبہ دادہ گماں بردند کہ شاید زناں از سماع خطبہ محروم ماندند پس خود بہ نفس نفیس نزد جماعت زناں رفتند وایشاں را خطبہ دادند۔

پس افتراض تحصیل علوم ضروریہ واستحباب اکتساب علوم مستحبہ واباحت اخذ علوم مباحہ برائے زناں محلّ تردّد نیست ودلیلے فارق میان مرداں وزناں دریں باب در شریعت مقدسہ وجود ندارد۔

اما مسئلہ ثانیہ کہ بصورتِ تحصیل وتشکیل آں تعلق دارد پس بیان آں تمہید مقدمہ را می خواہد وآں مقدمہ ایں کہ حق تعالیٰ شانہ انسان را بحوائج گوناگون ومقتضیات بوقلمون آفرید۔

اکل وشرب وازدواج وغیرہ از ضروریاتِ

بڑی بڑی صحابیات نے تحصیل علم کیلئے سخت جدّوجہد فرمائی ہے اور سلف میں سے بہت سی صالحات نے علم حاصل کرنے میں بڑی بڑی کوششیں کی ہیں۔ ان پاک طینت مخدراتِ عصمت نے استفادۂ علم کیلئے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اقدس سے گلے شکوے کئے اور کہا کہ ہمارے مقابلے میں مردوں نے آپکو گھیر لیا ہے۔ پس آپ ہمکو بھی اپنا ایک دن عطا فرمائیے۔ چنانچہ مربی اعظم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی درخواست قبول فرمائی، آپ ایک صحابیہ کے مکان پر تشریف لے گئے اور وہاں بہت سی عورتوں کا اجتماع ہوا اور آپ نے ان کو احکام شریعت کی تعلیم دی۔

اسی طرح ایک عید کے موقعہ پر آپ نے عید کا خطبہ دیا اور پھر خیال ہوا کہ عورتیں خطبہ نہیں سن سکیں لہذا آپ خود بہ نفس نفیس عورتوں کے اجتماع کے قریب تشریف لیگئے اور دوبارہ خطبہ دیا۔

پس علوم ضروریہ کی تحصیل کی فرضیت اور علوم مستحبہ کے حصول کا استحباب اور مباح علوم کے اکتساب کی اباحت عورتوں کیلئے محل تردد نہیں ہے اور اس مسئلہ میں عورتوں مردوں کے درمیان امتیاز کرنے کے لئے کوئی دلیل شریعت مقدسہ میں موجود نہیں ہے۔

دوسرا مسئلہ یہ ہے کہ عورتوں کو تعلیم دلانے کی صورت اور طریقہ کیا ہونا چاہیئے۔ پس اس پر بحث کرنے سے پہلے تمہید ذیل پر غور کرنا ضروری ہے وہ یہ کہ حق تعالیٰ شانہ نے انسان کو انواع واقسام کی احتیاجات وخواہشات کے ساتھ پیدا کیا ہے۔ مثلاً کھانا پینا اور ازدواج وغیرہ

طبیعیۂ انسان است ۔ اما برائے ہر یکے حدود وضوابط معینہ ہست ۔ کسے را نمی رسد کہ بوقت جوع مال غیر یا چیزے حرام را بخورد۔

ونمی رسد کہ بوقت تشنگی آب نجس وحرام بنوشد ونمی رسد کہ بجز زنان مباحہ راہ استمتاع بجوید۔

چنانکہ برائے تحصیل مآکل ومشارب وجوہ معینہ ہست ہمچنیں برائے تحصیل ازواج طرق محدودہ است وچنانکہ اعتدار از حدود تحصیل غذا وشرب ولباس بجرائم ظلم وعدوان وغصب وسرقہ ورشوت وغیرہ می رساند ومغضوب خالق می سازد ہمچنیں اعتدار از حدود مخالطت بفواحش زنا ونظر محرم وقبلہ محرمہ می برد وممقوت منتقم حقیقی می کند۔

ہرگاہ کہ فتنۂ اعتدائے حدود مخالطت خیلے عظیم وفساد او فساد ہائل بود شریعت مطہرۂ اسلامیہ دریں باب خیلے احتیاط مرعی داشت ومردان وزناں را بتجنب از دواعی فساد بتاکید اکید امر فرمود ۔ رب العزۃ بجناب رسالت پناہ خطاب فرمودہ گفت قل للمؤمنین یغضوا من ابصارھم ویحفظوا فروجھم وگفت وقل للمؤمنات یغضضن من ابصارھن ویحفظن فروجھن ولا یبدین زینتھن الا ماظھر منھا ولیضربن بخمرھن

انسان کی فطری ضرورتیں ہیں لیکن ہر ایک ضرورت پوری کرنے کیلئے کچھ حدود اور ضابطے مقرر ہیں، کسی کو یہ جائز نہیں ہے کہ بھوک کے وقت غیر کا مال یا کوئی حرام چیز کھالے یا پیاس کے وقت ناپاک یا حرام مشروب پی لے اور جائز نہیں کہ جائز وحلال عورت کے سوا کسی عورت سے حظِ نفس حاصل کرے۔

جسطرح معاش حاصل کرنے کیلئے جائز طریقے مقرر ہیں اسی طرح زوجہ حاصل کرنے کیلئے بھی خاص حدود ہیں اور جس طرح کہ تحصیلِ رزق ولباس کے مقررہ طریقوں سے تجاوز کرنا جرائمِ ظلم، عدوان وغصب، سرقہ ورشوت کی طرف لیجاتا ہے اور خالق کے غضب کا سبب بنتا ہے، اسی ہی طرح صنفی تعلقات کے حدود سے تجاوز کرنا بدکاری، وبدنگاہی اور ناجائز اختلاط کی طرف لے جاتا ہے اور منتقم حقیقی کے عتاب کا مستحق بنا دیتا ہے۔

یہ ناجائز اختلاط کا فتنہ چونکہ عظیم الشان فتنہ ہے اور اس کے نتائج بہت تباہ کن ہوتے ہیں اس لئے شریعت اسلامیہ نے اس باب میں بہت زیادہ احتیاط مدنظر رکھی ہے اور مردوں اور عورتوں کو دواعی فساد سے بچنے کی سخت تاکید فرمائی ہے ۔ اللہ تعالیٰ حضرت رسالت پناہ صلعم کو خطاب فرماتا ہے ۔ "قل للمومنین یغضوا من ابصارہم ویحفظوا فروجہم" اور فرمایا: وقل للمومنات یغضضن من ابصارہن ویحفظن فروجہن ولا یبدین زینتہن الا ماظہر منہا ولیضربن بخمرہن علی جیوبہن

علی جیوبھن ولایبدین زینتھن الا لبعولتھن او اٰباءھن الاٰیۃ

وحضرت رسالت پناہ صلی اللہ علیہ وسلم زناں را از حضور مجالس رجال واجتماع باایشاں باز داشت تا آنکہ نماز زنے را اندرون خانہ از نمازش بدالان ونمازش را بدالان از نمازش بصحن ونمازش را بصحن دار از نمازش بمسجد محلہ ونمازش را بمسجد محلہ از نمازش بمسجد جامع افضل وبہتر فرمود وزناں را از اتباع جنائز منع فرمود بلکہ مطلقاً خروج زناں از بیوت بغیر ضرورت مستحسن نشمردہ وفرمود المرأۃ عورۃ وانھا اذا خرجت استشرفھا الشیطان وانھا اقرب ما تکون الی اللہ وھی فی قعر بیتھا (رواہ الطبرانی فی الکبیر، مجمع الزوائد) ونیز فرمود ما من امرأۃ تخرج فی شھرۃ من الطیب فینظر الرجال الیھا الا لم تزل فی سخط اللہ حتی ترجع الی بیتھا (مجمع الزوائد من الطبرانی)

ازیں تمام نصوص شرعیہ واضح شد کہ شریعت مقدسہ مطہرہ برائے زناں اطلاقے ما جائز نداشتہ کہ برائے مرداں مباح است ودر سد باب مفاسد ودواعی اعتداء از حدود استمتاع خیلے اہتمام وتاکید فرمود۔

ولا ریب کہ مسلماناں بہ برکت اتباع اوامر الہیہ وتعمیل ارشادات نبویہ در معاشرات امم معاشرتے دارند کہ از ہمہ فسادات مبرّا واز جمیع فواحش منزہ است

پردۂ متعارف اسلامیاں شعبۂ از شعب ہمیں معاشرہ

ولا یبدین زینتھن الا لبعولتھن او آبائھن:

اور حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے عورتوں کو مردوں کے اجتماعات میں شریک ہونے سے منع فرمایا ہے۔ یہاں تک فرمایا کہ عورت کا کوٹھڑی کے اندر نماز پڑھنا دالان میں نماز پڑھنے سے بہتر ہے اور دالان کی نماز صحن کی نماز سے اور گھر کے صحن کی نماز مسجد محلہ کی نماز سے اور مسجد محلہ کی نماز مسجد جامع کی نماز سے بہتر ہے اور عورتوں کو جنازے کیساتھ جانے سے منع فرمایا۔ بلکہ مطلقاً گھروں سے بلا ضرورت عورتوں کے نکلنے کو اچھا نہیں سمجھا۔ فرمایا: "المرأۃ عورۃ وانھا اذا خرجت استشرفھا الشیطان وانھا اقرب ما تکون الی اللہ وھی فی قعر بیتھا" رواہ الطبرانی فی الکبیر۔ مجمع الزوائد) اور فرمایا: "ما من امرأۃ تخرج فی شھرۃ من الطیب فینظر الرجال الیھا الا لم تزل فی سخط اللہ حتی ترجع الی بیتھا" (مجمع الزوائد من الطبرانی)

ان تمام نصوص شرعیہ سے واضح ہے کہ جو آزادی مردوں کو دی گئی ہے شریعت مطہرہ نے عورتوں کے لئے جائز نہیں رکھی اور صنفی تعلقات کی حدود سے تجاوز کرنے کے اسباب اور اسکے مفاسد کے سدباب کیلئے بے انتہا سعی بلیغ فرمائی ہے۔ بیشک احکام خداوندی کی اطاعت اور ارشادات نبوی کی تعمیل کی برکت سے دنیا کی دوسری قوموں کے مقابلے میں مسلمانوں کا معاشرہ بدکاری و فواحش سے پاک اور محفوظ ہے۔

پردہ جو مسلمانوں میں رائج ہے وہ اسی تہذیب و معاشرہ

وتہذیب است۔ مفاسد نسائیہ کہ در اقوام غیر مسلمہ ایشیا ویورپ وافریقہ وامریکہ مشاہدہ می رود در شرفائے اہل اسلام اثرے ازاں یافتہ نمی شود۔

اسلامیاں را می سزد کہ بر جمیع اقوام عالم در خصوص ایں امر بنازند وطبل افتخار بنوازند۔ امروزہا مفاسد اطلاق زناں در ممالک یورپ بر ہمہ عالم ہویدا است۔

دریں زمانِ پرفتن بر ذمہ اولی الامر سلاطین اسلام متحتم است کہ مراقبہ احوال مسلمین بکنند وایشاں را از حضیض تنزل باوج ترقی برسانند۔

ضروریات زمانہ حاضر بتوسیع تعلیم واشاعتِ علوم در جماعتِ زناں احتیاجے شدید پیدا کردہ۔ اہم ترین فوائد از تعلیم زناں حاصل وبسبب جہالت ایشاں فوت می شود۔ لیکن شک نیست کہ وظائف حفظ حدود الہیہ وصیانتِ شعار اسلامیہ وترویج سنتِ نبویہ و ابقائے قوانین متعارفہ قومیہ نسبت بہمہ وظائف اقدم واہم است۔ چہ سلاطین اسلام بمقتضائے السلطانُ ظل اللہ فی الارض اظلال حضرت احدیت و نائبین حاملین رسالت اند وظلِّ شے را باید کہ از ذی ظل متفاوت نباشد۔

نظر بریں لازم آمد کہ سلاطین اسلام اولاً وبالذات احیائے ملت وسلوک مسالک تہذیب اسلامی ودر رعایت آداب معاشرۃ سلف صالحین لازم دارند وصبیات را بحدے اطلاق نہ دہند کہ ایشاں عادات واطوار

کا ایک حصہ اور شعبہ ہے۔ صنفی بگاڑ جو ایشیا، یورپ افریقہ اور امریکہ کی غیر مسلم اقوام میں دیکھا جا رہا ہے شرفائے اہلِ اسلام کے اندر اس کا کوئی اثر نہیں پایا جاتا۔

خاصکر اس باب میں اگر مسلم قوم تمام اقوام عالم پر فوقیت کا ناز کرے اور فخر کرے تو زیبا ہے۔ دورِ حاضر کی عورتوں کی مطلق العنانی سے ممالک یورپ میں جو تباہی برپا ہے وہ دنیا پر روشن ہے۔ اس عہد پرفتن میں سلاطین اسلام کے ذمہ واجب ہے کہ مسلمانوں کے حالات کا جائزہ لیں اور ان کو تنزل کی پستی سے اوجِ ترقی پر پہنچانے کی کوشش کریں۔

زمانہ حاضر کے مقتضیات نے عورتوں کے اندر تعلیم کی توسیع واشاعت کی شدید ضرورت پیدا کر دی ہے وہ اہم فوائد جو ان کی تعلیم کی صورت میں حاصل ہو سکتے ہیں وہ محض ان کی جہالت کی وجہ سے فوت ہو رہے ہیں لیکن اس میں بھی شک نہیں کہ حدود الہیہ کی نگہداری اور شعائر اسلامیہ اور ترویج سنت نبویہ کی پاسداری اور قومی تہذیب معاشرہ کا باقی رکھنا دوسرے تمام امور سے زیادہ اہم اور مقدم ہے۔ کیونکہ سلاطین اسلام خدائے واحد کے سائے اور انبیاء کے قائم مقام ہیں اور کسی چیز کا سایہ اس چیز کے مطابق ہی ہونا چاہیئے۔

ان امور کے پیش نظر لازم آیا کہ سلاطین اسلام سب سے پہلے اور بذات خود دین کا احیاء کریں اور اسلامی تہذیب کے راستے اختیار کریں اور سلف صالحین کے آداب معاشرہ کی حفاظت ضروری سمجھیں اور لڑکیوں کو اتنی آزادی نہ دیں کہ

زنانِ یورپ آموختہ از معاشرۂ اسلامیہ وتہذیب سلف مطلق وآزاد شوند وعواقب وخیمۂ اطلاق وآزادی بایشاں رسد۔

اگر اسلامیاں از قوانین وشعائر اسلامیہ بے نیاز شدہ ترقی کردند (اگر تسلیم کردہ شود کہ ایں چنیں ترقی، ترقی ہست) ترقی اسلام واقوام مسلمہ نباشد۔ واللہ لن یفلح آخر ھذہ الامۃ الا بما افلح بہ اولہا۔ نظر بر امور فوق جواب استفسار ایں کہ۔

افتتاح واجرائے مدارس خاصہ بزنان واجتماع صبیات برائے تعلیم۔ وتعلیم فنون لائقہ بزناں وتعلیم کتابت بزناں ہمہ امور مشروعہ ہست واستحسان شرعی دارد چہ اصل آں نظم تعلیم است واز حامل لوائے رسالت صلی اللہ علیہ وسلم فی الجملہ تخصیص زناں بہ تعلیم مجتمعاً در مکانے مروی شدہ واز یں است کہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ عقد بابے بایں ترجمہ نمودہ ھل یجعل للنساء یوماً علی حدۃ واثبات حکم بحدیثے کہ مشعر است بجواز اجتماع زناں در مکانے برائے تعلیم فرمودہ۔ وتجربہ شاہد کہ فائدہ کہ در تعلیم اجتماعی میسر شود بانفرادی حاصل نمی گردد۔

اجرائے مدارسِ زنان اگر بصورت شخصیہ در قرون اولی نبود مضائقہ ندارد چہ قیام مدارس صبیان ہم بصورت شخصیہ در زمانِ سلف نشانے

وہ زنانِ یورپ کے عادات واطوار سیکھ کر اسلامی معاشرۃ اور اسلاف کی تہذیب کو خیرباد کہدیں، اور پھر اس آزادی کے خطرناک نتائج ان کو بھگتنے پڑیں۔

اگر مسلم قوم اسلامی قوانین وشعائر کو چھوڑ کر ترقی کرے (بشرطیکہ اس کو ترقی مانا جائے) تو یہ ترقی اسلام کی اور مسلم قوم کی ترقی نہ ہوگی۔ خدا کی قسم اس امت کے متاخرین ہرگز ترقی نہ کرسکیں گے جبتک کہ متقدمین کے اسوۂ حسنہ کو اختیار نہ کریں۔ امور مذکورۂ بالا کو پیش نظر رکھتے ہوئے استفسار کا جواب یہ ہے کہ۔

زنانہ مدارس کا کھولنا اور جاری کرنا اور لڑکیوں کا تعلیم کے لئے وہاں جانا اور عورتوں کو ان کی صنف کے مناسب علوم وفنون سکھانا اور کتابت سکھانا یہ تمام امور شریعت کے مطابق اور مستحسن ہیں کیونکہ ان کا مبنا تعلیم وتعلم کی تنظیم و تشکیل ہے۔ تعلیم کیلئے اجتماعی طور پر عورتوں کا ایک مقام پر جمع ہونا احادیث سے ثابت ہے اسی وجہ سے امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے ایک باب اس عنوان کا باندھا ہے کہ ھل یجعل النساء یوماً علی حدۃ اور اسکے تحت وہ حدیث لائے ہیں جس سے تحصیلِ علم کیلئے کسی مکان میں عورتوں کا اجتماع ثابت ہوتا ہے۔ اور تجربہ شاہد ہے کہ اجتماعی طور پر تعلیم جسقدر مفید ہے انفرادی طریقے سے اتنی مفید نہیں۔

زنانہ مدارس کی تشکیل اگر قرونِ اولیٰ میں نہیں تھی تو کوئی حرج نہیں کیوں کہ لڑکوں کے اسکول اور مدرسے بھی زمانۂ ماضی میں نہ تھے۔ پھر بھی

ندارد۔ مع ہذا جماہیر امت محمدیہ بجوازش قائل ودر مدارس رجال بتعلیم وتعلم شاغل اند۔

تعلیم فرائض اسلامیہ وواجبات شرعیہ معادیہ ومعاشیہ فرض وتعلیم علوم مستحبہ مثل سیرِ صالحین وعبر وحکم مستحب وتعلیم فنون مباحہ مباح است۔

وظیفہ سلطان الاسلام والمسلمین ظل اللہ فی الارضین اینکہ صیانت اوضاع اسلامیہ ومراقبہ احوال مدارس صبیات وسد ابواب خلل ورفع اسباب زلل بذمۂ ہمت مبارکۂ خود بگیرند ووظیفۂ قوم اینکہ بامتثال اوامر ظل اللہ تقدم نمایند۔ اگر ہر وظیفہ بجائے خود بکمال انجامید خیلے فوائد مہمہ وعوائد فاضلہ بقوم وملک خواہد رسید انشاء اللہ تعالیٰ۔

کیفیت اجرائے آں بہ نہجیکہ سلطان الاسلام والمسلمین ظل اللہ فی الارضین بمشورۂ اساطین علم وحامیان تہذیب اسلامی ومحافظین شعائر اسلامیہ وقومیہ نظر بخصوص احوال افغانستان مناسب بینند بکنند

جملۃ الامر ایں کہ مدارس صبیات مختصہ بصبیات باشد واجتماع وحضور وآمد ورفت ایشاں بمدارس بطورے منضبط کردہ شود کہ احتمال تطرق فساد باقی نماند۔

نسائے صالحات را خدمت تعلیم وتہذیب تفویض کردہ شود۔ اگر زنان معلمہ میسر نہ آیند باضطرار

امت محمدیہ کے تمام علما اس کے جواز کے قائل ہیں اور مردانہ مدارس کے اندر پڑھتے پڑھاتے چلے آرہے ہیں۔

فرائض اسلامیہ اور واجبات شرعیہ خواہ عبادات میں سے ہوں خواہ معاملات میں سے ان کی تعلیم فرض ہے اور علوم مستحبہ مثلاً صلحا و علما کے تذکرے اور عبرت آموز تاریخی روایات اور اخلاقیات وغیرہ کی تعلیم مستحب ہے اور فنون مباحہ کی تعلیم مباح ہے۔

سلطان اسلام ظل اللہ کا فرض ہے کہ اسلامی طرز معاشرت کی حفاظت کرے اور زنانہ مدارس کے حالات کی نگرانی اور مفاسد وفتن کی روک تھام کو اپنے ذمہ لازم سمجھے۔ اور رعایا کا فرض ہے کہ ظل اللہ کی اطاعت کریں۔ اگر ہر کام کو حق شناسی کے ساتھ عمدہ طریقے سے انجام دیا جائے تو ملک وقوم کو انشاء اللہ بہت فائدہ پہنچے گا۔

زنانہ اسکولوں کے اجرا کا طریقہ پادشاہ اسلام بمشورۂ ارکان دولت وعلمائے ملت وحکمائے امت طے کرے خاص کر افغانستان کے حالات کو مد نظر رکھ کر جو طریقہ مناسب ہو وہ اختیار کیا جائے۔

اجمالاً یہ کہ لڑکیوں کے اسکول صرف لڑکیوں کے لئے مخصوص ہونے چاہئیں۔ اور ان کے لئے اسکولوں میں جمع ہونے اور آمد ورفت کے ایسے طریقے اختیار کیے جائیں کہ فتنہ کا احتمال باقی نہ رہے۔ نیک کردار اور پاک دامن عورتوں کو تعلیم وتربیت کی خدمت کے لئے مقرر کیا جائے اگر معلمات نہ مل سکیں تو مجبوراً نیک اور صالح قابل اعتماد

رجال صالحین معتمد علیہم را معین نمایند و مراقبۂ احوال ایشان لازم دانند۔

(۱) ابتدائے سن بلوغ نہ سال و انتہایش پانزدہ سال است۔ یعنی امکان دارد کہ صبیۂ نہ سالہ بالغہ و مکلفہ شود و باختلاف قوت و استعداد و صلاحیت جسمانیہ و تنوع آب و ہوا و خصوصیات نسلیہ و قومیہ سن بلوغ و تکلیف مختلف می شود۔ ارباب بصیرت در ہر مقام تعیین سال می توانند کرد۔

درجۂ مشتہاۃ نیز باختلاف مقام و احوال متفاوت می شود۔ ممکن کہ صبیۂ ہشت سالہ یا ہفت سالہ مشتہاۃ گردد و ممکن کہ تا یازدہ دوازدہ سال بحد مشتہاۃ نہ رسد۔

حکم ستر صبیات آنکہ بعمر دہ سالگی ستر واجب می شود حد ستر صبیہ دہ سالہ مثل حد ستر بالغہ ہست در در مختار می آرد ثم کبالغ۔ صاحب رد المحتار می گوید اے عورتہ تکون بعد العشرۃ کعورۃ البالغین۔ و صاحب رد المحتار در بیان درجۂ مشتہاۃ می آرد واختلفوا فی حد المشتہاۃ وصحح الزیلعی وغیرہ انہ لا اعتبار بالسن من السبع علی ما قیل او التسع وانما المعتبر ان تصلح للجماع بان تکون عبلۃ ضخمۃ والعبلۃ المرأۃ التامۃ الخلق۔

(۲) وظائف تربیت اولاد بذمۂ پدر متعلقہ

مردوں کو معین کیا جائے اور ان کی کڑی نگرانی کی جائے۔

(۱) بلوغ کی عمر کم سے کم نو سال اور زیادہ سے زیادہ پندرہ سال ہے۔ یعنی نو سال کی لڑکی کا بالغ اور مکلف ہو جانا ممکن ہے۔ اور جسمانی قوت و استعداد اور نوعیت آب و ہوا اور نسلی و قومی خصوصیات کے اختلاف سے بلوغ و مکلفیت کی عمروں میں اختلاف ہوتا ہے۔ ارباب بصیرت مختلف مقامات کے مطابق عمر بلوغ متعین کر سکتے ہیں۔

مشتہات کے درجات بھی احوال و مقامات کے اختلاف سے مختلف ہوتے ہیں۔ ہو سکتا ہے کہ سات آٹھ سال کی لڑکی مشتہات ہو جائے اور ہو سکتا ہے کہ گیارہ بارہ سال تک مشتہات نہ ہو۔

لڑکیوں کے لئے ستر عورت کا حکم یہ ہے کہ دس سال کی عمر میں ستر واجب ہو جاتا ہے اور دس سال کی لڑکی کے لئے ستر کی حد مثل بالغہ عورت کے ہے۔ در مختار میں ہے ثم کبالغ۔ صاحب رد المحتار فرماتے ہیں ای عورتہ تکون بعد العشرۃ کعورۃ البالغین۔

اور صاحب رد المحتار نے درجۂ مشتہاۃ کو اس طرح بیان کیا ہے واختلفوا فی حد المشتہاۃ وصحح الزیلعی وغیرہ انہ لا اعتبار بالسن من السبع علی ما قیل او التسع وانما المعتبر ان تصلح للجماع بان تکون عبلۃ ضخمۃ والعبلۃ المرأۃ التامۃ الخلق

(۲) باپ کے اوپر اولاد کی تربیت کی ذمہ داریاں جو

بغذا ولباس وتہذیب وتعلیم بر درجات متفاوتہ منقسم است۔ تعلیم فرائض وواجبات شرعیہ فرض وتعلیم محاسن اخلاق وحسن معاشرت وفنون ممدۂ معیشت وحرف وصنائع مستحب ومباح بقدر درجہ ہائے شرعیہ وطبیعیہ ہست۔

پدر را می رسد کہ اولاد را بر تعلم فرائض وواجبات مجبور کند وتادیب نماید۔

قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم علموا الصبی الصلوٰۃ ابن سبع سنین واضربوہ علیہا ابن عشرۃ (ترمذی) وقال النبی صلی اللہ علیہ وسلم لان یؤدب الرجل ولدہ خیر من ان یتصدق بصاع (ترمذی) وقال صلی اللہ علیہ وسلم ما نحل والد ولدا من نحل افضل من ادب حسن (ترمذی)

(۳) سترے کہ در نماز شرط است سوائے وجہ ویدین وقدمین ہمہ جسم را شامل است وستر عرفی کہ نظر بحفظ عصمت است وجہ ویدین وقدمین را نیز شامل است۔ زیرا کہ غلطت فتنہ بکشف وجہ اغلب است۔ وحکم دائر بعلت خود باشد۔ حجت تحتم ستر عرفی قول باری عزاسمہ واذا سالتموھن متاعا فاسئلوھن من وراء حجاب وقول نبی صلی اللہ علیہ وسلم افعمیاوان انتما ہست۔ نعم فرق درمیان

غذا لباس اور تادیب وتعلیم سے تعلق رکھتی ہیں چند درجات پر منقسم ہیں۔ فرائض وواجبات شرعیہ کی تعلیم فرض ہے اور حسن اخلاق ومعاشرۃ اور روزگار اور پیشہ وہنر وغیرہ کی تعلیم شرعی وطبعی درجات کے مطابق مستحب اور مباح ہے۔

باپ کا حق ہے کہ اولاد کو فرائض وواجبات شرعیہ کے سیکھنے پر مجبور کرے اور ضرورت ہو تو سزا دے۔

قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم علموا الصبی الصلوٰۃ ابن سبع سنین واضربوہ علیہا ابن عشرۃ (ترمذی) وقال النبی صلی اللہ علیہ وسلم لان یؤدب الرجل ولدہ خیر من ان یتصدق بصاع (ترمذی) وقال صلی اللہ علیہ وسلم ما نحل والد ولدا من نحل افضل من ادب حسن (ترمذی)

(۳) عورتوں کے لئے جو ستر کہ نماز میں شرط ہے چہرے اور دونوں ہاتھوں اور پیروں کے علاوہ تمام جسم پر مشتمل ہے۔ اور پردۂ عرفی کہ شعار عصمت ہے، چہرہ اور دونوں ہاتھوں اور پیروں کو بھی شامل ہے کیونکہ چہرے سے ہی فتنے کا قوی تعلق ہے اور حکم اپنی علت پر ہی جاری ہوتا ہے۔ اس پردۂ عرفی کے وجوب کی دلیل اللہ تعالیٰ کا یہ قول ہے کہ واذا سالتموھن متاعا فاسئلوھن من وراء حجاب اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان افعمیا وان انتما۔ البتہ اجنبی اور محرم کے فرق

اجانب و محارم چیزے است معتمد علیہ۔ چہ در محارم احتمال فساد منعدم و ضروریات معاشرۃ مقتضیۂ تسامح موجود است۔ و ہمچنیں درمیان صبیان صغیر السن و صبیات صغیرۃ السن کہ غایت بہ نہ سالگی باشند و میان زائد العمر فرقے ہست کہ اشارتے بآں در فوق رفت۔ اما قبل تاہل و بعد تاہل فرقے بنظر نیامدہ۔

(۴) علوم فرائض و واجبات اسلامیہ از عبادات و معاملات و معاشرات و اجتماعات فرض۔ و علوم مستحبات مستحب۔ و علوم مباحات مباح۔ حسب تفصیل نمبر ۲ باید فہمید۔

(۵) اجتماع نسواں فی حد ذاتہ محظور نیست۔ اگر زناں در جائے مجتمع شوند و اجتماع را غرضے مفید و غایتے نافع باشد شرعاً خطرے لازم نیاید۔ اما اختلاط زناں برجال در مجامع نظر بر تطرق فتن ممنوع است۔ و ازیں است کہ زنان از اتباع جنائز و خروج از خانہائے خود بلا ضرورت شدیدہ باز داشتہ شدند و ترغیب نماز در خانہا ایشاں را دادہ شد۔ و نماز خانہ در حق ایشاں از نماز مسجد محلہ بلکہ مسجد نبوی ہم افضل شمردہ شد۔

(۶) حقوق نسوان محترم تنہا بقواعد اجتماعی و مدنی ہمیں قدر است کہ ایشاں بعد ادائے

کا اعتبار کیا گیا ہے۔ کیونکہ محارم میں بدنیتی کا احتمال نہیں ہوتا۔ اور معاشری ضروریات کشف حجاب کی اجازت کی مقتضی ہیں۔ اسی طرح چھوٹے لڑکوں اور زیادہ سے زیادہ نو سال کی لڑکیوں اور زیادہ عمر والوں کے درمیان بھی فرق ہے جس کے بارے میں کچھ اشارات اوپر گزر چکے ہیں لیکن قبل تاہل اور بعد تاہل کا فرق میری نظر سے نہیں گزرا۔

(۴) شرعی فرائض و واجبات کا علم حاصل کرنا فرض ہے، خواہ وہ علوم عبادات و معاملات سے تعلق رکھتے ہوں خواہ معاشرۃ اور تہذیب و تمدن سے۔ اور مستحبات کا علم مستحب اور مباحات کا علم مباح۔ جیسا کہ نمبر ۲ میں ذکر کیا جا چکا ہے۔

(۵) محض اجتماع عورتوں کا ممنوع نہیں ہے۔ اگر صرف عورتیں کسی جگہ جمع ہوں اور اجتماع کی غرض و غایت مفید ہو تو شرعاً کوئی ممانعت نہیں ہے۔ لیکن عورتوں اور مردوں کا مخلوط اجتماع بہت سے فتنوں کا سبب ہونے کی وجہ سے ممنوع ہے۔ اسی وجہ سے عورتوں کو جنازے کے ساتھ جانے اور بلا ضرورت شدیدہ گھر سے نکلنے سے منع فرمایا ہے۔ اور ان کو اپنے گھروں میں نماز پڑھنے کا حکم دیا گیا ہے۔ اور گھر میں نماز پڑھنے کو مسجد محلہ سے بلکہ مسجد نبوی سے بھی بہتر قرار دیا ہے۔

(۶) اجتماعی و تمدنی حیثیت سے محترم خواتین کے صرف اتنے ہی حقوق ہیں کہ وہ حقوق دینیہ کی ادائیگی

حقوق دینیہ خاصہ ادائے حقوق اقارب و زوج و تربیت اولاد و تنظیم امور منزل شعار خود سازند و از اجانب احتراز و اجتناب ورزیدہ اگر صنعتے بدست دارند و فرصت بہم رسد بداں مشغول باشند۔ در مجالس و محافل بے باکانہ درآمدن و در مجامع لہو و لعب بے حجابانہ شریک شدن و راہ اختلاط با جانب پوئیدن نہ صرف ذاتیات نسواں را مضرت ہائلہ رساند بلکہ تہذیب اسلامی را از بیخ برکند۔

(۷) ایں ہمہ لوائح کہ بروئے قرطاس آوردیم برطبق اصول سادات حنفیہ بود۔ شواہد و نظائر ہر لائحہ در کتب مشائخ و اسفار مذہب موجود است واللہ اعلم

کتبہ الراجی رحمۃ مولاہ محمد کفایت اللہ عفا عنہ

ربہ دکفاہ ۔ ۱۴ / جمادی الاولیٰ ۱۳۴۳ھ

(یادداشت) فتوائے بحیثیت شخصیۂ کاتب الحروف مقصود باید داشت

کے بعد شوہر اور اقارب کے حقوق بجالائیں اولاد کی تربیت امور خانہ داری میں دلچسپی لیں۔ اجنبی سوسائٹی سے دور رہیں اور اگر کوئی ہنر آتا ہو اور فرصت ملے تو اس میں مشغول رہیں۔ بیباکانہ مردانہ اجتماعات اور جلسوں میں شریک ہونا اور بے حجابانہ لہو و لعب کے مجمعوں میں جانا اور غیر مردوں سے بے تکلف ہونا نہ صرف یہ کہ نسوانی خصوصیات کو فنا کردے گا بلکہ اسلامی تہذیب کو بھی تباہ کردے گا۔

(۷) یہ جو کچھ مسائل لکھے گئے اکابر حنفیہ کے مسلک کے مطابق ہیں۔ ہر مضمون کے متعلق دلائل و شواہد مشائخ مذہب کی تصانیف میں موجود ہیں۔ واللہ اعلم

کتبہ الراجی رحمۃ مولاہ محمد کفایت اللہ عفا عنہ

ربہ دکفاہ ۔ ۱۴ / جمادی الاولیٰ ۱۳۴۳ھ

(نوٹ) فتوی ہذا کو راقم الحروف کا ذاتی جواب سمجھنا چاہئے

سوال

بعض کہتے ہیں کہ لڑکیوں کو لکھانا پڑھانا ہی نہیں چاہئے۔ بس قرآن شریف پڑھا دینا چاہئے۔ کیونکہ بڑے اسکولوں کی نازیبا افواہیں پہنچی ہوئی ہیں۔ مسلمان راجپوتوں کی بستی ہے۔ اکثر گھرانے مہذب ہیں۔ پردہ کی پابندی ہے۔ لیکن اس عمر کی لڑکیاں ملاجی کے پاس تقریباً بیس تیس جاتی ہیں۔ اس مدرسے کی مدد کرنی چاہئے یا نہیں؟

المستفتی نمبر ۴۶ نور محمد صاحب ہیڈ ماسٹر جونڈلہ ضلع کرنال ۔ ۷ ذیقعدہ ۱۳۵۴ھ مطابق ۱۱ فروری ۱۹۳۶ء

(۴۲) **جواب**۔ لڑکیوں کو لکھنا پڑھنا سکھانا جائز ہے۔ حساب اردو وغیرہ پڑھانے اور ہنر سینا پکانا کاڑھنا وغیرہ سکھانے میں کوئی مضائقہ نہیں۔ ہاں پردے اور صلاحیت کا لحاظ رکھنا ضروری ہے۔

سوال

شریعت عورت کو کار خیر یا رفاہ عام میں اقدام کرنے کی اجازت دیتی ہے یا نہیں۔ حضور نے تعلیم یافتہ خواتین کے متعلق ارشاد فرمایا ہے۔ لہذا عرض ہے کہ پنجاب میں بڑی بڑی قابل ترین عورتیں مل سکتی ہیں۔

المستفتی نمبر ۱۲۰۵ مختار جہاں بیگم معرفت آغا محمد حفیظ اللہ صاحب (جالندھر)

۱۰ رجب ۱۳۵۵ھ مطابق ۲۷ ستمبر ۱۹۳۶ء

(۲۵) **جواب**۔ شریعت مقدسہ اسلامیہ عورتوں کو کسی اسلامی خدمت سے جو ان کے لائق ہو منع نہیں کرتی۔ پردہ کی محافظت کے ساتھ عورت مردوں کے مجمع میں تقریر کر سکتی ہے۔

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہٗ۔ دہلی

سوال

(از اخبار الجمعیۃ دہلی۔ مورخہ ۲۴ جون ۱۹۳۳ء)

ایک صاحب جو علم دین کے مدعی ہیں اور ایک اسلامی جامعہ کے پرنسپل ہیں اپنے وعظ کا افتتاح ایک نابالغ لڑکی کی قرآن خوانی سے فرماتے ہیں باوجودیکہ اس کی حاجت نہیں جلسہ میں بہترین حفاظ موجود ہوتے ہیں۔ کیا یہ جائز ہے؟

(۲۶) **جواب**۔ نابالغہ بچی سے قرآن شریف کی تلاوت کرانے میں کوئی مضائقہ نہیں بشرطیکہ بچی اتنی چھوٹی ہو جس کی طرف بدنظری سے دیکھنے کا موقع نہ ہو۔ محمد کفایت اللہ عفا عنہ ربہ۔ مدرسہ امینیہ دہلی

سوال

(الجمعیۃ مورخہ ۵ نومبر ۱۹۳۱ء)

لڑکیوں کو کتابت کی تعلیم دینی بروئے شریعت جائز ہے یا نہیں؟

(۲۷) **جواب**۔ لڑکیوں کو کتابت کی تعلیم دینے کے بارے میں فقہا کا اختلاف ہے۔ بعض فقہا نے سدّ الذریعۃ الفساد منع کیا ہے۔ لیکن صحیح یہ ہے کہ جائز ہے۔

محمد کفایت اللہ غفرلہٗ

چوتھا باب
متفرقات

سوال

بہشتی زیور مولانا اشرف علی صاحب کی لکھی ہوئی کتاب ہمارے مدرسہ میں چلانے کا ارادہ ہے۔ اس کے پڑھانے میں کچھ برکت ہے یا نہیں۔ اس کتاب میں غلط مسئلہ ہے یا نہیں۔ جاہلوں میں یہ بات مشہور ہے اس لئے آپ کا جواب آنے کے بعد اس میں چلانے کا ارادہ ہے۔

المستفتی نمبر ۱۸۲۰ محمد اسماعیل جی پٹیل (ضلع سورت) ۲۲ رجب ۱۳۵۶ھ مطابق ۲۸ ستمبر ۱۹۳۷ء

(۲۸) **جواب**۔ بہشتی زیور بہت اچھی اور معتبر اور مفید کتاب ہے۔ اس کے مضامین اور مسائل جو اس میں لکھے ہیں معتبر اور صحیح ہیں۔ بچوں اور طالب علموں کو اس سے دینی اور دنیوی فائدے پہنچیں گے۔ تعلیم الاسلام بھی بچوں کے لئے مفید ہے۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ دہلی

سوال

ایک شخص نے کہا کہ فی زمانہ جتنے علماء واعظ ہیں وہ سب شیطان ہیں اور بدمعاش اور ظالم اور چور ہیں۔ المستفتی نمبر ۱۸۴۷ محمد عبدالحق صاحب (ضلع ہوڑہ) ۲۸ رجب ۱۳۵۵ھ مطابق ۱۴ اکتوبر ۱۹۳۷ء

(۲۹) **جواب**۔ یہ کہنا کہ فی زمانہ جتنے واعظین ہیں سب شیطان اور بدمعاش اور ظالم اور چور ہیں غلط ہے اور کہنے والا ظالم اور فاسق ہے۔ اس کو توبہ کرنی چاہئے۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ دہلی

سوال

میں ایک نو مسلم ہوں۔ آغوش اسلام میں آئے ہوئے صرف پانچ سال ہوئے ہیں۔ لیکن تعلیم الاسلام اور دیگر اسلامی کتابوں کا مطالعہ میں نے اپنی طالبعلمی کے زمانہ میں کیا تھا۔ یہ اعزاز مجھے میرے محسن استاد مولانا مولوی رحمت اللہ صاحب ورنیکولر ٹیچر مشن ہائی اسکول لاہور کی بدولت نصیب ہوا۔ قصہ بڑا طویل ہے اور آزمائشوں سے بھرا ہوا ہے۔ لیکن اللہ کریم نے میری ہر حال میں مدد فرمائی اور لغزش سے محفوظ رکھا۔ مختصر اعرض ہے کہ میں نے ایک متمول ہندو گھرانے میں پرورش پائی ہے۔ میرے والد لالہ ہیرالال صاحب جائیداد ہیں۔ اور سات سو روپیہ ماہوار کے قریب صرف مکانات کا کرایہ آمدنی ہے۔ مجھ کو انھوں نے بی۔ اے۔ تک تعلیم دلائی اور میرا اسلامی خیالات

سے ہمیشہ خائف رہے اور ڈی۔اے۔وی کالج میں خاص طور پر مجھ پر نگاہ رکھی جاتی تھی اور ہندو مذہب کی تعلیم میں کوشاں تھے لیکن میری رغبت دن بدن اسلام کی طرف ہوتی گئی۔اور میں نے اپنے رہبر مولانا صاحب کا ساتھ نہ چھوڑا۔انہوں نے بھی مجھے قرآن شریف اور دینیات اور دیگر اسلامی مسائل کا درس دیا۔یہ سب تعلیم بالکل خفیہ طریق پر ہوتی رہی۔میں نے اس اثنا میں اپنے اسلام پاک کا اعلان کرنے کا ارادہ کیا۔لیکن میرے اخراجات، بیوی بچوں کا گذارہ بچوں کی تعلیم، بیوی کا اپنے ہی مذہب پر رہنے کا اصرار، والدین کی محبت و دیگر امیرانہ زندگی تھی۔ الغرض شیطانی وسوسے تھے لیکن حقیقتاً میں مولوی صاحب کے دست مبارک پر قبول اسلام کر چکا تھا۔اور صوم و صلوٰۃ پر پابند تھا۔میرے والدین ہر ممکن طریقے سے میرے اس مبارک کام میں حائل ہوتے تھے۔لیکن میرا ذوق اور مولوی صاحب کا اخلاص بالکل بھی اثر نہ ہونے دیتا تھا۔والدین روپیہ پیسہ مجھ پر بہت خرچ کرتے اور تمام جائیداد کا مجھ کو انچارج بنایا۔لیکن میرے مذہب نے مجھ کو دیانتداری سچ بولنا اور سچائی کی حمایت کا درس پہلے ہی دیا تھا۔لہذا میں نے اپنے ملازموں سے اچھا منافع دکھایا۔اخیر میں میری بیوی بھی قبول اسلام پر رضامند ہو گئی اور میرے دو بڑے لڑکے بھی جو انٹرنس کلاس میں پڑھتے تھے تعلیم الاسلام مجھ سے لیتے اور پورے طور پر مجھ سے متفق تھے۔اور ۳۲ء کے درمیان میں ۱۵ جون کو ہم نے اپنے آپ کو خدا کے حوالے کرتے ہوئے قبول اسلام کر لیا۔اس کے بعد جو مجھ پر اور میری نیک بیوی پر گذری وہ خدا ہی بہتر جانتا ہے لیکن ہم نے صبر سے برداشت کیا۔میرے والدین نے میری بیوی کا تمام زیور اور جہیز جو اس کے قبضے میں تھا، طلب کیا۔یہ امتحان عورت کے لئے بہت سخت تھا، لیکن خدا کا فضل شامل حال تھا، بلا دریغ سب پیش کر دیا۔اور ہم لوگ تنہا علیحدہ رہے اور کسی کے سامنے دست سوال دراز نہیں کیا۔میں نے محنت و مزدوری کی اور اپنا اور اپنے بچوں کا پیٹ پالا۔ہاں البتہ بچوں کی تعلیم جاری نہ رکھ سکا۔لیکن ایک ماہ کی آزمائش کے بعد بچوں کو میری والدہ نے کالج میں داخل بلا کسی شرط کے کروا دیا۔اس وقت دو بچے بڑا بی۔ایس۔سی میں چھوٹا ایف۔ایس۔سی میں تعلیم پاتا ہے۔ذہین محنتی اور اسلامی رکن پر پابند ہیں۔ لیکن اب جبکہ میرے بچے اعلیٰ تعلیم کے اختتام پر ہیں، میرے دیگر عزیز و اقارب نے والدین کو مجبور کر دیا ہے اور انہوں نے میرے بچوں کو تعلیم دلوانے سے اگست ۳۷ء سے انکار کر دیا ہے۔اور فیس وغیرہ بچوں کی نہیں دی۔چند مسلم بھائیوں نے مل کر بچوں کی چار چار ماہ کی فیس اور ان کے خورد و نوش کا انتظام کر دیا تھا، لیکن آئندہ کے لئے ان کا خرچ مشکل نظر آتا ہے۔بچوں کو اتنے اعلیٰ مقام تعلیم پر لے جا کر چھوڑنا ایک صدمے سے

خالی نہیں۔ لیکن یہ قربانی بھی میں اور میرے بچے کرنے کو تیار ہیں۔ اسلام قبول کرنے سے پیشتر ہم لوگوں نے تہیہ کیا تھا کہ ہم لوگ اسلام پر بار ڈالنے کے لئے اسلام میں داخل نہیں ہوئے ہیں اور کسی مسلم برادر کو تکلیف نہیں دینگے۔ مولوی صاحب مرحوم کا ارشاد تھا کہ خدا کے سوا کسی کے سامنے ہاتھ نہ پھیلانا۔ لیکن میرے چند دوست مصر ہیں۔ لہذا اب از روئے شرع جو مناسب احکام ہیں اس کے متعلق فتوی صادر فرمائیں۔

(۱) مندرجۂ بالا بیان کو مد نظر رکھتے ہوئے کیا اسلام مجھے اجازت دیتا ہے کہ اپنے متمول مسلم بھائیوں سے امداد کے لئے عرض کروں۔ (۲) کیا امداد کنندہ بھائی کے روپے کا مصرف جائز ہوگا۔ (۳) کیا اس قسم کی امداد کی درخواست میرے لئے خدا کی درگاہ میں قابل مواخذہ تو نہ ہوگی جبکہ امداد دنیاوی تعلیم کے لئے طلب کی جائے۔ کیا امداد کنندگان کو اس کا اجر ویسے ہی ملے گا جیسا کہ دیگر اسلامی کاموں میں روپیہ خرچ کرنے سے ملتا ہے۔

(نوٹ) میری مستقل آمدنی اس وقت 52 روپیہ ماہوار ہے۔ بچوں کا خرچ تعلیم تقریباً 80 روپے ہے۔ موجودہ تعلیم سے فارغ ہونے میں 8 ماہ باقی ہیں۔ میں اپنی آمدنی میں سے 22 روپے ماہوار ان کو دے سکتا ہوں۔ باقی تقریباً 60 روپے ماہوار کا خرچ ہے۔ اس طرح سے مجھے تقریباً 480 روپے کی ضرورت ہے۔ یہ فتوی صرف اپنے چند مہربانوں کے اصرار پر طلب کیا گیا ہے کیونکہ وہ لوگ مجھے دست سوال دراز کرنے پر مجبور کرتے ہیں۔ لیکن میرے ضمیر نے اس کی اجازت نہیں دی۔ میرا خدا میرا خود کفیل ہے۔ بچوں کے لئے بھی وہی کفالت فرمائے گا۔ یہ میرے بچوں پر امتحان کا موقعہ ہے۔ دعا فرمایئے اللہ کریم صبر عطا فرمائے۔ میں اپنے کافر والدین کے سامنے دست سوال دراز نہیں کرونگا۔ انشاء اللہ۔

المستفتی ۱۹۷۲ محمد عبداللہ نو مسلم معرفت سید محمد احسان صاحب۔ نیو دہلی ۲۷ شعبان ۱۳۵۶ھ مطابق ۲ نومبر ۱۹۳۷ء

(۳۰) **جواب**۔ آپ اپنے مسلم دوستوں کے سامنے یہ تمام حالات بیان کرنے میں مواخذہ دار نہیں ہونگے۔ پھر مسلم احباب آپ کے بچوں کی تعلیم کی تکمیل میں جو خرچ کریں گے ان کو اس کا ثواب ضرور ملے گا۔ آپ اُن کی اعانت قبول کرنے سے انکار نہ کریں۔ اللہ تعالیٰ آپ کی آپ کے بچوں کی صداقت اور اخلاص کا نعم البدل اور اجر جزیل عطا فرمائے گا۔ یہ تعلیم اگرچہ دنیاوی ہے لیکن یہ بھی صدق نیت اور اخلاص کے ساتھ دینی حیثیت حاصل کر سکتی ہے۔ کیونکہ فراغت کے بعد اس کے ذریعہ سے بھی دین کی خدمت کی جا سکتی ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنی رحمتوں اور برکتوں سے آپ کو نوازے۔

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہٗ۔ دہلی۔

سوال

تبلیغ کا کام اگر کوئی شخص اردو یا فارسی خواں کتاب دیکھ کر بیان کرے تو جائز ہے یا نہیں۔ ایک شخص کو دلچسپی ہے اور اکثر اشخاص کو امر معروف نہی منکر کرتا ہے۔ اور کئی سال سے دینیات سے شوق ہے تو ایسا شخص کسی کو وعظ و پند وغیرہ کہنے کا حق رکھتا ہے یا نہیں۔ المستفتی عبدالعزیز ٹونکی

(۳۱) **جواب** ۔ اگر یہ شخص خود عالم نہ ہو تو تبلیغ کا کام کتابوں سے کر سکتا ہے۔ مگر صرف کتابیں سنادے۔ اپنی طرف سے کچھ بیان نہ کرے۔ اور کتابیں بھی معتبر اور معتمد علیہ ہوں۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہٗ۔ دہلی۔

سوال

حکومت ہند نے مدح صحابہؓ کی ممانعت کا ایک دل آزار قانون بنایا ہے جس کا نفاذ لکھنؤ میں بالکل جابرانہ طور پر ہو رہا ہے۔ اہل السنت والجماعۃ کے بعض علما کا فتویٰ ہے کہ مدح صحابہ کی ممانعت مداخلت فی الدین ہے۔ اس موقع پر خاموش رہنا حرام ہے۔ لہٰذا ہم طلبہ دارالعلوم آپ کی رائے دریافت کرتے ہیں کہ تعلیم کا خیال کریں یا قانون شکنی کے لئے تیار ہو جائیں؟

المستفتی نمبر ۱۱۹۶ خواجہ محمد احمد غازیپوری متعلم دارالعلوم دیوبند ۶ رجب ۱۳۵۵ھ مطابق ۲۳ ستمبر ۱۹۳۶ء

(۳۲) **جواب** ۔ مداخلت فی الدین کا مفہوم بہت عام ہے اور عموم کے لحاظ سے ہر آن میں سیکڑوں بلکہ ہزاروں مداخلتیں ہندوستان میں ہو رہی ہیں۔ امتناع مدح صحابہ کا قانون جہاں تک مجھے معلوم ہے نہ حکومت ہند کا ہے نہ حکومت صوبہ کا۔ وہ صرف ایک مقامی کمیٹی کا جو اس کام کے لئے مقرر کی گئی تھی فیصلہ تھا جسے مقامی حکومت نے انتظاماً نافذ کر دیا ہے۔

میرے خیال میں دارالعلوم کے طلبہ مذہباً ابھی تک شرکت پر مجبور نہیں ہیں۔ مسلمان تحریک کو چلا رہے ہیں۔ طلبہ کو تعلیمی ضروریات میں مشغول رہنا چاہئے۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہٗ

سوال

(از اخبار سہ روزہ الجمعیۃ دہلی مورخہ ۱۸ جون ۱۹۲۷ء)

ایک شخص جو اپنے آپ کو مولوی اور واعظ اسلام کہتا اور لکھتا ہے، مسجد میں کھڑے ہو کر نہایت بیباکی سے فحش کلامی کرتا ہے۔ مسلمانوں کے درمیان تفرقہ پیدا کرتا ہے۔ مسلم خادمان قوم کو مسلم نما ہندو کہتا ہے۔ نعرۂ تکبیر کے مقابلے میں ہر ہر مہادیو کا جیکارہ لگاتا ہے۔ دوسرے لوگوں کو بھی اس جیکارہ کی تلقین کرتا ہے۔ مسلمانوں پر جھوٹے

بہتان باندھتا ہے۔ ماؤں بچوں بوڑھوں کی موجودگی میں مسجد کے اندر فحش مغلظات گالیاں زبان سے نکالتا ہے جن کا نقل کرنا بھی خلاف تہذیب ہے۔ مسلمان شہدائے مقتولین کو کوئی شہید کے نام سے یاد کرتا ہے وغیرہ

(۳۴۳) **جواب**۔ ایسا شخص اس لائق نہیں کہ اس کو وعظ کی اجازت دی جائے۔ وعظ و تذکیر کا مقصود لوگوں کی اصلاح اور ان کے اخلاق کی درستی ہے۔ ان میں اسلامی اتفاق و اتحاد پیدا کرنا واعظ کا پہلا فرض ہے۔ ہر ہر مہلا یو کا جیکارہ لگانا کفر کی نشانی اور کافروں کا شعار ہے۔ مسلمان کی شان کے لائق نہیں۔

محمد کفایت اللہ غفرلہٗ

سوال

(الجمعیۃ مورخہ ۱۴ دسمبر ۱۹۲۵ء)

ایک شخص پیرزادہ منظور محمد نام نے ایک طویل قاعدہ بچوں کی تعلیم کے لئے بنایا ہے جس کا نام قاعدۂ یسرنا القرآن ہے۔ یہ شخص قادیانی ہے اور مرزا غلام احمد قادیانی کو نبی اور صاحب وحی مانتا ہے۔ اس قاعدہ کو پڑھانا جائز ہے یا نہیں؟ اگر کوئی شخص قاعدہ لکھے اور قاعدہ کا نام یسرنا القرآن رکھ دے تو جائز ہے یا نہیں؟

(۳۴۴) **جواب**۔ میں نے قاعدۂ یسرنا القرآن اب تک نہیں دیکھا۔ اگر اس قاعدہ میں قادیانی مشن کی باتیں لکھی ہوں تو یقیناً اسے بچوں کو پڑھانا نہیں چاہئے۔ ایسا نہ ہو کہ ابتدا ہی سے ان کے دل میں گمراہی کی طرف میلان ہو جائے۔ اور صرف حروف اور تراکیب حروف کی پہچان کرانے اور تعلیم دینے کے طریقے ہی مذکور ہوں اور قادیانیت کی کوئی بات نہ ہو تو اس کی تعلیم مباح ہو گی۔ لیکن بہر صورت اس سے احتراز اولیٰ و انسب ہے۔ کیونکہ بچوں کی تعلیم کے لئے دوسرے قاعدے بہت اچھے اچھے (مثلاً نورانی قاعدہ وغیرہ) موجود ہیں۔ قاعدہ کا نام یسرنا القرآن رکھنے میں کوئی مضائقہ نہیں۔

محمد کفایت اللہ غفرلہ

كتاب السلوك والطريقة

پہلا باب

اذکار و اشغال

فصل اول، ذکر جلی و خفی اور ختم وغیرہ

سوال

(از اخبار سہ روزہ الجمعیۃ مورخہ ۱۴ ستمبر ۱۹۲۵ء)

زید کہتا ہے ذکر جلی حرام ہے اور عمرو کہتا ہے کہ ذکر جلی جائز ہے۔

(۳۵) **جواب**۔ ذکر جلی جائز ہے اور مشائخ صوفیہ کا معمول و متوارث ہے۔ احادیث کثیرہ سے اس کا ثبوت ہوتا ہے۔ جن مواقع میں کہ شریعت نے خود ذکر جلی مقرر فرمایا ہے اس کے اندر تو کوئی کلام ہی نہیں کر سکتا جیسے اذان، تکبیر، تلبیۂ حج، تکبیر تشریق وغیرہ کہ یہ سب اذکار ہیں اور جہر سے ہی ثابت ہیں۔ ہاں جن مواقع میں کہ شریعت سے ثبوت نہیں وہاں اگر کوئی وجہ عارضی مانع نہ ہو تو نفس حکم یہی ہے کہ جائز ہے۔ اور اگر کوئی عارضی مانع موجود ہو تو ناجائز ہو جائے گا۔ موانع عارضیہ کی مثال یہ ہے کہ ذاکر کے جہر سے کسی سونے والے کو تکلیف ہو یا کسی نماز پڑھنے والے کی نماز میں خلل پڑتا ہو یا ذکر کرنے والا جہر کو ضروری یا لازم سمجھے وغیرہ۔ اور جہاں یہ موانع موجود نہ ہوں وہاں ذکر جلی جائز مگر ذکر خفی اولیٰ ہے۔ محمد کفایت اللہ غفرلہ

سوال

(۱) بوقت خطبہ جمعہ سورۂ کہف کا دور باواز بلند ایک ایک رکوع کر کے پڑھتے ہیں۔ نو وارد مصلیوں کی نماز میں خلل آتا ہے۔

(۲) جماعت کے ختم ہوتے ہی فوراً کلمہ طیبہ کا ذکر بالجہر کیا کرتے ہیں تین مرتبہ اس طرح لا الٰہ الا اللہ الا اللہ الا اللہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہ جائز ہے یا نہیں؟

المستفتی نمبر ۲۶۰ سیٹھ قاسم باپو ولد حسین باپو (مہی کانٹھا) مورخہ ۶ ربیع الثانی ۱۳۵۹ھ مطابق ۱۵ مئی ۱۹۴۰ء

(۳۶) **جواب**۔ سورۂ کہف آواز بلند سے مسجد میں پڑھنا جس سے نمازیوں کی نماز میں خلل آئے ناجائز ہے۔
(۲) اسی طرح نماز کے بعد کلمہ طیبہ کو بلند آواز سے پڑھنے کی رسم بھی درست نہیں۔ اتنی آواز سے کہ کسی

نمازی کی نماز میں خلل نہ آئے سلام کے بعد کلمات ماثورہ کو پڑھنا جائز ہے۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہٗ۔ دہلی۔

سوال

(از اخبار سہ روزہ الجمعیۃ مورخہ ۱۴ اکتوبر سنہ ۱۹۲۵ء)

(۱) ان فی دیارنا انعقدت محافل متعددۃ فی اماکن مختلفۃ موسومۃ بحلقۃ الذکر بین معاشر المسلمین۔ فمن الناس من ینعقد ھا فی اسبوع مرۃ۔ ومنہم من یحضرھا فی شہر مرۃ۔ فیہا یذکرون اللہ تعالیٰ ویکبرونہ ویسبحونہ ویمجدونہ ویھللون ویستغفرون ویحمدون ویتلون القرآن ویصلون علی النبی الکریم۔ واحیاناً یقرأ فیہا المولد ویذکر وغیر ذالک من الاوراد یقرؤن مجتمعین و الغرض من ذالک ان یؤلف اللہ تعالیٰ بھذہ البرکات بین قلوب المؤمنین وینور قلوبہم بنور الھدایۃ فیفوزوا بالفلاح والنجاح یوم الدین

(۲) وقوافل من شبان الاسلام متعلقۃ بھا الموسومون بالمبلغین وھم یتعلمون المواعظ الحسنۃ والمسائل الشرعیۃ منظومۃ لتکون اقرب الی الحفظ والقبول فاحیاناً ھم یخرجون مزینا بالاعلام والمباض ویطوفون فی اماکن مختلفۃ وینشدون المنظوم المذکور مبلغا ویکبرون اللہ تعالیٰ بین ذالک لکلمۃ اللہ معلیا فوجدت زھاء ثلثۃ آلاف من

(ترجمہ) ہمارے علاقے میں مختلف مقامات پر متعدد محفلیں قائم ہیں جن کو حلقۂ ذکر کہا جاتا ہے۔ بعض لوگ ایسی محفلیں ہفتے میں ایک مرتبہ منعقد کرتے ہیں۔ اور بعض مہینے میں ایک مرتبہ ان محفلوں میں لوگ جمع ہو کر اللہ کا ذکر کرتے ہیں۔ اور تکبیر و تسبیح اور تمجید بیان کرتے ہیں۔ کلمۂ طیبہ استغفار تحمید کا ورد کرتے ہیں۔ تلاوت کرتے ہیں اور درود شریف پڑھتے ہیں۔ کبھی کبھی ان محفلوں میں مولود شریف اور دیگر اذکار بھی پڑھتے ہیں۔ اور اس سے مقصد یہ ہے کہ ان اذکار کی برکت سے اللہ تعالیٰ مسلمانوں کے قلوب میں محبت و الفت پیدا کر دے اور نور ہدایت سے منور کر دے تاکہ آخرت میں ان کی کامیابی کا سبب ہو۔

ان محفلوں سے مسلم نوجوانوں کی کچھ ٹولیاں وابستہ ہیں جن کو مبلغین کہا جاتا ہے۔ وہ وعظ و نصیحت کے مضامین اور مسائل شرعیہ بصورت نظم سیکھتے ہیں تاکہ جلدی اور بآسانی یاد ہو جائیں۔ پھر کبھی کبھی وہ ٹولیاں جھنڈیاں اور روشنی لے کر نکلتی ہیں اور وہ نظمیں باواز بلند پڑھتی ہوئی آبادی میں چکر لگاتی پھرتی ہیں اور اس سے مقصد تبلیغ اور اللہ کے نام

شبان المبلغین انھم صاروا مصلیاو محسنا مزکیا. فما قول جمعیۃ علماء الھند فی ذالک الامر؟

(۳۷) **جواب** اعلموا رحمکم اللہ انہ لاخیر الا فی اتباع سیدنا و مولانا محمد ن المصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم وما من رجل احدث فی الدین مالیس منہ الا یکون مردوداً علیہ ما احدث. وما من حدث الا وقد یری المحدث انہ احدث خیرا فیضل ویضل وقد رای ابن مسعود رضؓ قوما یجتمعون فیذکرون اللہ تعالیٰ یسبحون ویھللون فقام فقال انا ابن مسعود ولا ادرکم الا قد احد ثتم ما ھکذا وجدنا اصحاب النبی صلی اللہ علیہ وسلم فمن کان منکم ذاکرا فلیذکر اللہ فی نفسہ وفی بیتہ او کما قال. وانکر ابن عمر رضؓ علی قوم کانوا یجتمعون فی المسجد لصلوٰۃ الضحیٰ ویھتمون لھا کالفرائض وقال انھا بدعۃ. فھٰذہ الحلق المسئول عنھا من الاحداث التی یری محدثوھا انھا خیرو ذریعۃ للاصلاح وما ھی الا وبال ونکال اذلیس لھا فی الشریعۃ الاسلامیۃ اصل یعتمد علیہ ولا حول ولا قوۃ الا باللہ

کو بلند کرتا ہے. چنانچہ میں نے مشاہدہ کیا ہے کہ کئی ہزار ایسے مبلغ نوجوان نمازی اور نیک بن گئے تو اس سلسلے میں ہندوستان کے علماء کی جمعیۃ کیا رائے رکھتی ہے.؟

جواب. جان لو خدا تم پر رحم فرمائے کہ بھلائی اگر ہے تو صرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی میں ہے. اور جس آدمی نے دین میں کوئی ایسی چیز ایجاد کی جو ہم تک نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے نہیں پہنچی تو وہ اس کی ایجاد کی ہوئی بدعت اسی پر رد کردی جائے گی یعنی نامقبول ہے. اور ہر بدعت کا موجد یہی سمجھتا ہے کہ اس نے بڑا عمدہ اور مفید کام جاری کیا ہے. اس غلط فہمی میں وہ خود بھی گمراہ ہوتا ہے اور دوسروں کو بھی گمراہ کرتا ہے. حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے ایک جگہ دیکھا کہ کچھ لوگ جمع ہو کر اللہ تعالیٰ کا ذکر اور تسبیح و تہلیل کرتے ہیں. آپ نے کھڑے ہو کر فرمایا کہ میں ابن مسعود ہوں، یہ جو کچھ تم کر رہے ہو، یہ تمہاری ایجاد کی ہوئی بدعت ہے. ہم نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب کو کبھی ایسا کرتے ہوئے نہیں دیکھا. پس تم میں سے جو شخص ذکر کرنا چاہے وہ چپکے چپکے اپنے دل میں کرے. اور اپنے گھر میں جا کر کرے. او کما قال. اور حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہ نے ان لوگوں کو منع کیا جو نماز چاشت کے لئے مسجد میں جمع ہوتے تھے اور اس کے لئے فرائض کی طرح اہتمام کرتے تھے. آپ نے فرمایا کہ اس طرح اہتمام کرنا

العلی العظیم۔

وکذا انشاد الاشعار فی الطرق والاسواق لیس من التبلیغ فی شئ وانما ہو تھییج النفوس المستعدۃ للشہوات وتزکیۃ النفوس بکتاب اللہ والسنۃ واحوال صالحی الامۃ وسیر الصحابۃ والتابعین ادنٰی من ھذا الطریق واللہ الموفق۔

محمد کفایت اللہ غفرلہ
مدرسہ امینیہ دہلی

اور جمع ہونا بدعت ہے پس یہ حلقہ ہائے ذکر جن کے متعلق دریافت کیا گیا ہے اُسی قسم کی بدعات میں سے ہیں جن کے ایجاد کرنے والے ان کو عبادت سمجھتے اور اصلاح کا ذریعہ جانتے ہیں۔ حالانکہ یہ گناہ اور موجب عذاب ہے۔ کیونکہ شریعت میں اس قسم کے حلقہ ہائے ذکر کے اہتمام و انتظام کا کوئی قابل اعتبار ثبوت نہیں ہے۔ اور گمراہی سے بچنے اور سیدھا راستہ پانے کی توفیق خدائے بزرگ و برتر ہی کی طرف سے ہوتی ہے اور یہی حکم ہے نظمیں پڑھنے کا۔ اس طرح ٹولیاں بنا کر جھنڈیاں اور روشنی لے کر بازاروں اور گذرگاہوں میں نظمیں پڑھنا کوئی تبلیغ نہیں ہے۔ یہ تو محض رنگین طبائع کے لئے حظ نفس کا ذریعہ اور تحریک ہے۔

نفوس کی اصلاح و تزکیہ قرآن و احادیث اور امت کے صلحا کے حالات اور صحابہ و تابعین کی سیرت کے ساتھ بہتر ہے بہ نسبت ایسے من گھڑت طریقوں کے۔ اور اللہ ہی توفیق دینے والا ہے۔ محمد کفایت اللہ

سوال

(۱) بستی میں عام طور سے یہ طریقہ رائج ہے کہ لوگ ثواب کی خاطر قرآن ختم کراتے ہیں۔ اور ختم کے بعد کچھ سورتیں یعنی قُلْ یٰٓاَیُّهَا الْكٰفِرُوْنَ سے لے کر مفلحون تک پڑھتے ہیں۔ اور صل علی نبینا صل علی کریمنا صل علی محمد اس قسم کا ایک سلام پڑھتے ہیں اور اس کو اتنا ضروری سمجھتے ہیں کہ اکثر اوقات فرض نماز بھی قضا کر دیتے ہیں۔

(۲) یہ لوگ تبارک پڑھواتے ہیں۔ اگر کوئی نہیں پڑھتا تو اس کو ذلیل کرتے اور برا بھلا کہتے ہیں۔

(۳) بعض لوگ کہتے ہیں کہ جس مجلس میں ذکر ہوتا ہو اس میں تمام انبیا اولیا کی ارواح موجود ہوتی ہیں۔ اس لئے اس مجلس میں سے نماز کے لئے بھی اوٹھ کر نہیں جانا چاہیئے۔

(۳۸) **جواب ۔(۱)** ختم کا یہ طریقہ مسنون نہیں ہے۔ اس کو ضروری سمجھنا اور اس کی وجہ سے نماز فرض قضا کر دینا ناجائز ہے۔ اس طریقے کو بند کر دینا چاہئے۔

(۲) تبارک پڑھنے اور پڑھوانے کا طریقہ بھی شریعت سے ثابت نہیں۔ یہ بھی لوگوں کا خود گھڑا ہوا طریقہ ہے اسے بھی ترک کر دینا لازم ہے۔

(۳) یہ قول بھی بے اصل ہے۔ تمام انبیاء اور اولیاء کی رُوحوں کا آنا بے دلیل ہے۔ اور یہ بات کہ مجلس ذکر میں سے نماز کے لئے بھی اوٹھ کر نہیں جانا چاہئے بے دینی ہے۔ فریضۂ نماز اللہ تعالی کا فرض کیا ہوا ہے۔ اس کی ادائگی سے کوئی چیز نہیں روک سکتی نہ اس پر غالب آسکتی ہے۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہٗ۔

فصل دوم اسمائے حسنیٰ وغیرہ

سوال

نودو نہ ۹۹ اسمائے الٰہی کہ مندرج کلام شریف میں ہیں مثل رحیمؔ، کریمؔ، علیؔ وغیرہ میں سے کوئی اسم مبارک لیویں اور اس کی دعوت کریں اور بحسب شرائط علم عمل کے جیسا کہ انبیاء علیہم السلام اور اولیاء اللہ متقدمین نے ہر اسم الٰہیہ کو باشرائط مزبورہ جدا جدا دعوت کے ساتھ معہ موکلہائے ان اسماء کے قبضہ عمل کا کیا ہے۔ مجاہدات کلیہ اور محنت تامہ اپنے سے باتباع ان متقدمین کے صاحب مذکور عمل اسم الٰہی کا کریں اور موکل اسم کو کہ اثر اسم ہے حاضر کریں کہ جس کا نام حاضرات ہے۔ یہ جائز ہے یا نہیں؟ اور نیز بحاضری موکلہا کے کہ جو اللہ پاک کے نام کے موکل ہیں ان کے توسط سے اکثر دخل آسیب وخارجی امراض جسم انسانی وغیرہ کے جو بالکل موہومیت سے متعلق ہیں دریافت کا ذریعہ وہ موکلہا کیے جا کر افادہ عامہ بسوئے خلائق عامل کا رجوع ہونا اور فیض عام جاری کرنا خلقت کی طرف۔ شریعت پاک کیا حکم نافذ کرتی ہے۔ بینوا توجروا

جواب (از مولوی محمد وزیر الدین چشتی نظامی سلیمانی) اسمائے صفات الٰہی کی دعوت بوجوہات کلیہ از روئے شرع شریف کے جائز ہے۔ اس دعوت میں کسی کا اختلاف نہیں ہے۔ بلکہ دلائل کے ساتھ دعوت اسمائے الٰہی کا حکم نافذ ہے۔ اور اللہ پاک زور کے ساتھ اپنے بندوں کو ارشاد فرمادے ہے کہ وللہ الاسماء الحسنی فادعوہ بہا (وخدائے راست ناموہائے نیک پس بخوانید اور ابآں نامہا۔ سورۂ اعراف ۹) اور منکر دعوت اسمائے الٰہی کا بدلیل نص صریح قطعی کافر ہے۔ اور وہ نص صریح یہ ہے۔ وذروا الذین یلحدون فی اسمائہ سیجزون

ما کانوا یعملون ہ (وبگذارید آناں راکہ کجروی می کنند در نامہائے خدا۔ دادہ خواہد شد مر ایشاں را جزائے آنچہ می کردند۔ سورہ اعراف) اور مشکوۃ کے عذاب قبر میں لکھا ہے کہ جو کوئی نودو نہ ناموں کا منکر ہووے اس کو قبر میں ننانوے سانپ آویں گے کہ بہت زہردار ہونگے اور اس کو کھاویں گے۔

از علمائے صوفیہ رحمۃ اللہ علیہم اجمعین طریق شرائط خواندن اسم اعظم یابدیع العجائب بالخیر یا بدیع در یا بداایں مشترک ہم بصفت جلالی و ہم بصفت جمالی موصوف است۔ و دعوت اسم مذکور جمیع اولیاء اللہ متقدم و متاخر کردہ اند۔ چنانچہ حضرت میران سید محی الدین عبدالقادر جیلانی قدس اللہ سرہ العزیز و حضرت شاہ مدار بدیع الدین و حضرت نور قطب عالم و حضرت شیخ حسام الدین مانک پوری و اکثر خواجگان چشت از تصرف ایں اسم متصرف بودہ اند۔ چنانچہ میر سید علاؤالدین کنوزی خلیفہ حضرت سلطان نصرالدین محمود چشتی یک رسالہ جدا خاصیت اسم مذکور نوشتہ است کہ علم ہیمیا و ریمیا و سیمیا و کیمیا ہر چہار علم از دعوت اسم مذکور نوشتہ اند و از ارواح انبیا و اولیا و شہدا در بیداری ملاقات کنند و صاحب عمل ہر مقامے راکہ خواہد بیند و در ساعت سیر کند و سیر افلاک نیز از اندک توجہ میسر آید۔ عالم ملکوت و جبروت و لاہوت را معائنہ کند۔ واللہ اعلم بالصواب۔ و در جواہر خمسہ شیخ محمد غوث گوالیری رحمۃ اللہ علیہ در جوہر سوم می نویسد عبارتہ ہذا۔ "ایں دعائے کبیر منزل است بر مہتر آدم علیہ السلام وصحف آدم بزبان ہندی بود۔ دراں ایں دعا مسطور است و از توریت و از صحف ابراہیم علیہ السلام ہم روایت کردہ اند و اکثر انبیائے عظام و اولیائے کرام ایں دعا خواندہ اند۔ و قوم عیسی ہنوز بدعوت ایں دعا، عامل اند و حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رضی اللہ عنہ اسناد ایں دعا بے نہایت فرمودہ اند و بعضے مشائخ نیز گفتہ اند کہ ایں دعا را مقید باسناد نکنند۔ بہر نیتے کہ خوانند مستجاب گردد۔ دریں دعا الفاظ گوناگوں لغات اند۔ زیرا کہ بہر لسانے آدم علیہ السلام سخن کردہ اند۔ حق تعالیٰ ایشاں را اسمائے الٰہی و کونی معلوم کردہ بود کقولہ تعالیٰ وعلم اٰدم الاسماء کلہا شاہد بر آن است۔ دعائے کبیر این است۔ یاحی حین لاحی فی دعوۃ ملکہ وبقائہ یاحی۔ اُدامُ ھوامُ دھین نسرین برین دائی برم ھنسا اُدنگ ھانگ دھنگ برنگ سرنگ اُننگ لُونگ نُمو۔ بلکہ بعض اسمائے فرقان شریف کے علاوہ صحیفہ آدم علیہ السلام میں نازل ہوئے۔ ان کے دعوت بھی ہمارے اولیاء اللہ و مشائخ عظام نے بہت کچھ کیے ہیں۔ بلکہ تعلیم و تلقین دعوت اسمائے الٰہی کا سلسلہ ہمیشہ تادور قیام جاری رکھا گیا ہے۔ کیونکہ آدم علیہ السلام ابوالبشر کو تمام اسم تعلیم ہوئے ہیں۔ ہر اقلیم کی زبان میں ان اسموں کی دعوت آدم علیہ السلام نے کی اور اولاد میں بھی دعوت اسماء کا سلسلہ جاری ہوا۔ الولد سر لابیہ

جس نبی علیہ السلام نے جس اسم کو لیا اور اپنے عمل میں لانا چاہا مع موکل اس کی دعوت کے وہی اسم ان کے لئے اسم اعظم بن گیا۔ اللہ پاک کے تمام ہی نام اسم اعظم ہیں۔ وعلی ہذا امت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں اولیاء اللہ و مشائخ متقدمین و متاخرین اسی طرح تمام دعوت کرتے رہے ہیں۔ اور اسم اعظم وہی اسم ان کے حق میں ہوا عمل دو طرح ہیں۔ ایک ورد اور ایک عمل۔ ورد وہ ہے کہ جو تبرکاً پڑھا جاوے۔ عمل وہ ہے کہ با موکل ترک حیوانات کے ساتھ واسطے حاضری موکلہا کے پڑھا جاوے۔ اگر با موکل پڑھا گیا اور اثر ظاہر ہوا یعنی مُوکل حاضر ہوئے اسم اعظم ہو گیا۔ واللہ اعلم بالصواب۔ فقیر محمد وزیر الدین چشتی النظامی السلیمانی۔

(۳۹) **جواب** (از حضرت مفتی اعظم) ہو المصوب۔ خدا تعالیٰ و تقدس کے اسماء بطور ورد کے پڑھنا اور ان کے ذریعے سے خدائے تعالیٰ کو اپنی دعا میں پکارنا شریعت مقدسہ میں ثابت اور محمود و مستحسن ہے۔ باقی رہا بطور عمل کے پڑھنا اور مؤکلوں کو تابع یا حاضر کرنا تو اس کا جواب یہ ہے کہ اگر اوس طریقۂ عمل اور قواعد دعوت میں کوئی بات قوانین شرعیہ کے خلاف نہ ہو تو حد جواز و اباحت میں داخل ہے اور اگر اس میں کوئی بات خلاف شریعت یا اس دعوت سے غرض کوئی بری بات ہو تو قطعاً ناجائز ہوگا۔

اور جواب مذکور بچند وجوہ مخدوش ہے۔ اول تو جواز دعوت پر آیۂ کریمہ فادعوہ بہا سے استدلال کرنا صحیح نہیں کیونکہ اس میں فقط یہ حکم ہے کہ خدا تعالیٰ کو اس کے اسمائے حسنی کے ساتھ پکارو نہ کہ اور گھڑے ہوئے ناموں کے ساتھ۔ اور نہ اس کے اسمائے حسنی کے ساتھ پکارنے کو برا سمجھو۔ آیت میں یہ مراد نہیں کہ دعوت اصطلاحی اسما کی ادا کرو کیونکہ یہ دعوت جس کو عامل اپنی اصطلاح میں دعوت کہتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور اصحاب کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین سے ثابت نہیں ومن ادعی فعلیہ البیان پس اس دعوت اصطلاحیہ کے منکر کو کافر کہنا سخت جرأت ہے۔ اور کافر کہنے والے کے ایمان کی خیر نہیں۔ اور جواہر خمسہ اور اس قسم کی اور اعمال کی کتابیں اس بارے میں حجت نہیں ہیں۔ اور نہ ان کے مضامین فتوے میں بطور دلیل پیش کیے جاسکتے ہیں۔ اور عاملوں اور صوفیہ کے اقوال شرعاً دلیل نہیں ہیں۔ پس سوال مذکور کا جواب وہی ہے جو اوپر بندہ نے تحریر کیا ہے۔ واللہ اعلم۔ کتبہ محمد کفایت اللہ عفا عنہ مولاہ

مدرس مدرسہ امینیہ، دہلی۔

فصل سوم، توسّل

سوال

یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰہَ وَابْتَغُوْا اِلَیْہِ الْوَسِیْلَۃَ الخ زید کہتا ہے کہ اس آیت میں جو وسیلہ کا لفظ آیا ہے اس سے اولیاء اللہ مراد ہیں۔ یعنی اولیاء اللہ کو وسیلہ بناؤ۔ نیز حضرت شاہ رفیع الدین صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی مترجم حمائل کے ص۱۴۳ پارہ ششم سورۂ مائدہ رکوع ۶ کے حاشیہ میں یہ عبارت مندرج ہے۔ "حضرت ابن عباس نے کہا مراد وسیلہ سے قربت ہے۔ یہی قول مجاہدؒ اور بہت سے مفسرین کا ہے۔ قتادہؒ نے کہا یعنی تقرب حاصل کرو اللہ کا اطاعت کر کے اور عمل پسندیدہ بجالا کے۔ بعض جاہل لوگوں نے لفظ وسیلہ کو اس جگہ پیری مریدی پر اتارا ہے۔ یہ تفسیر حقیقت میں مجرد رائے کے ساتھ کی ہے۔ حدیث شریف میں آیا ہے۔ جس شخص نے قرآن شریف کی تفسیر اپنی رائے کے ساتھ کی وہ اپنا ٹھکانا دوزخ بنالے (ابن کثیر و فتح)۔"

اب دریافت طلب یہ امر ہے کہ حمائل شریف کی یہ عبارت صحیح ہے یا زید کا قول؟

(۴۰) **جواب**۔ آیۂ کریمہ میں وسیلہ سے مراد اعمال صالحہ یا قرآن پاک پر عمل کرنا ہے۔ اور اگر نبی یا ولی بھی مراد ہوں تو ان کی اطاعت اور فرمانبرداری امور شرعیہ میں مراد ہوگی نہ ان کی ذات اور شخصیت۔

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ۔ دہلی

سوال

جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم و دیگر اکابر امت کے ساتھ دعا میں توسل کرنا جائز ہے یا نہیں؟ یعنی حضور صلعم و دیگر حضرات انبیا علیہم السلام و اولیائے کرام کے توسل سے دعا مانگنا قرون ثلاثہ سے ثابت ہے یا نہیں اہل سنت والجماعت و دیگر اکابر امت کا اس مسئلے میں کیا مسلک رہا ہے۔

المستفتی نمبر ۵۰ مولنا محمود احمد صدیقی حسن پور۔ ۲۲ ربیع الاول ۱۳۵۴ھ ۲۵ جون ۱۹۳۵ء

(۴۱) **جواب**۔ توسل بالصالحین کے مسئلے میں اختلاف ہے۔ بعض علما منع کرتے ہیں لیکن اکثر جواز کے قائل ہیں۔ قائلین بالجواز کا مطلب یہ ہے کہ حضرت حق تعالی سے دعا کی جائے کہ وہ فلاں اپنے مقرب و مقبول بندے کی برکت سے یا اپنے عباد مقبولین مقربین کی برکت سے میری دعا قبول فرمائے تو اس میں مضائقہ نہیں ہے۔ اللھم انی اتوجہ الیک بنبیک نبی الرحمۃ الخ حدیث میں موجود و مذکور ہے جو جواز کے لئے دلیل ہے۔

سوال

عمر کہتا ہے کہ جس طرح دنیا میں کسی شخص کو بغیر وسیلہ امیر وزیر کے بادشاہ تک رسائی نہیں ہو سکتی، ٹھیک اسی طرح بغیر بزرگان دین کا وسیلہ پکڑے ہماری دعا درگاہ رب العزۃ میں قبول ہونا تو درکنار وہاں تک پہنچ بھی نہیں سکتی۔ اگر کسی بزرگ کا وسیلہ نہ بھی لیا جائے تو حرج نہیں مگر حضور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا وسیلہ لینا تو ضروری ہے۔ آپ کے وسیلے کے بغیر ہماری کوئی مراد پوری نہیں ہو سکتی۔ یعنی یوں دعا مانگنی چاہئے کہ "اے معبود حقیقی مالک دو جہاں اپنے محبوب پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے صدقے یا طفیل سے میری یہ دعا قبول فرما۔" بکر جواب دیتا ہے کہ یہ صریح شرک ہے۔ کیونکہ ہمارے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے کے مشرک بھی اپنے معبودوں کو خدا نہیں سمجھتے تھے بلکہ خدا کا مقرب سمجھ کر ان کا وسیلہ لیتے تھے۔ اور اسی فاسد عقیدے کو مٹانے کے لئے خداوند عالم نے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو مبعوث فرمایا۔ البتہ یہ دعا جائز ہے کہ "اے معبود حقیقی مالک دو عالم اپنے محبوب پاک کی برکت سے میری یہ دعا قبول فرما۔"

براہ کرم تحریر فرمائیں کہ طفیل صدقہ اور برکت میں کیا فرق ہے؟ دعا میں اگر لفظ طفیل یا صدقہ استعمال کیا جائے تو شرک ہو جاتا ہے اور اگر برکت کہا جائے تو جائز ہو جاتی ہے۔ کیا ان کے معنی میں کچھ فرق ہے؟

المستفتی نمبر ۵۴۴ فقیر احمد (سنگرور) ۲۰ ربیع الثانی ۱۳۵۴ھ مطابق ۲۲ جولائی ۱۹۳۵ء

(۴۲) **جواب**۔ بکر کا جواب صحیح ہے۔ حضرت حق کی جناب مقدس میں کسی واسطے اور وسیلے کی ضرورت نہیں ہے۔ دعا میں وہی الفاظ جو بکر کے بیان میں ہیں کہے جائیں۔ یا لفظ وسیلہ کہا جائے اور اس سے وہی مطلب مراد ہو تو جائز ہے۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ

سوال

اگر کوئی اللہ تعالیٰ سے مدد مانگے اور یہ کہے کہ بحق النبی وآلہ الامجاد کیا یہ جائز ہے؟

المستفتی نمبر ۹۵۷ مولوی عبدالحلیم (پشاور) ۴ ربیع الاول ۱۳۵۵ھ مطابق ۲۶ مئی ۱۹۳۶ء

(۴۳) **جواب**۔ بحق النبی وآلہ الامجاد کہنا منع ہے۔

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ

سوال

عوام الناس میں مشہور ہے کہ حاجت اور ضرورت مصیبت کے وقت اللہ و رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی مدد مانگتے ہیں اور کہتے ہیں اللہ و محمد کی مدد یا اللہ و رسول ؐ کی مدد یا یوں کہتے ہیں یا اللہ و رسول ؐ مدد کر یا یوں کہتے ہیں یا اللہ و یا رسول ؐ مدد کر سوال یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مدد مانگنا الفاظ مذکورہ سے یا اس کے ہم معنی الفاظ سے جائز ہے یا نہیں جو شق اختیار کی جائے ۔ مدلل بیان ہو ۔ درصورت عدم جواز امداد الفاظ مذکورہ کے ساتھ چاہنے والے اور مانگنے والے کا حکم کیا ہے ؟

المستفتی نمبر ۱۱۴۲ مولوی محمد صدیق صاحب ، مدرس مدرسہ صدیقیہ (پھاٹک حبش خاں ۔ دہلی)

۵ جمادی الثانی ۱۳۵۵ھ مطابق ۲۴ اگست ۱۹۳۶ء

(۴۴) **جواب** ۔ ہر حاجت اور مصیبت کے وقت اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مدد مانگنے والے کا اگر قصد یہ ہوتا ہے کہ جس طرح اللہ تعالیٰ ہر شخص کی دعا اور درخواست کو سنتا اور جانتا ہے ، اسی طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی سنتے اور جانتے ہیں ۔ اور جس طرح اللہ تعالیٰ ہر حاجت کو رفع اور ہر مصیبت کو دفع کرنے پر قادر ہے اسی طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی ہر حاجت کو رفع اور ہر مصیبت کو دفع کرنے پر قادر ہیں ۔ اور اس قصد اور اس خیال سے وہ اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ناموں کو استمداد و استعانت کے وقت جمع کرتا ہے تو یہ کھلی ہوئی بدعقیدگی اور اسلامی تعلیم کی مخالفت ہے ۔ اسلامی تعلیم یہ ہے جو خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ترمذی شریف میں مروی ہے اذا سألت فاسئل اللہ واذا استعنت فاستعن باللہ (اوکما قال) یعنی حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد اور حکم یہ ہے کہ جب کچھ مانگے تو اللہ سے مانگ اور جب مدد طلب کرے تو اللہ سے مدد طلب کر ۔ اس تعلیم اور اس حکم کے موافق مسلمانوں کو مدد طلب کرتے وقت صرف حضرت حق کا نام لینا چاہئے ۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا نام شریک کرنا درست نہیں ۔ فقط

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ ، دہلی ۔

سوال

مسجد کے ایک امام صاحب نے محراب پر ایک چھپا ہوا نقشہ نعلین کا لگا رکھا ہے اور وہ اس کو حضور پاک کی نعلین مبارک کی صورت قرار دے کر ہر نماز پڑھانے کے بعد اس پر ہاتھ پھیر کر اور آنکھوں سے لگا کر اس کو بوسہ دیتے ہیں اور تمام مقتدیوں کو مسجد میں وہ اپنے اس نئے فعل کی اور مصافحے کی ترغیب دیتے ہیں ۔

اور ان سے کراتے ہیں۔ آیا یہ ایسا عمل شریعت میں درست ہے یا نہیں۔

المستفتی نمبر ۱۳۰۶ حافظ محمد رحیم بخش صاحب، لال دروازہ متھرا۔ ۷ صفر ۱۳۵۶ھ ۱۹ اپریل ۱۹۳۷ء

(۴۵) **جواب**۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے نعل مبارک کا نقشہ کسی کے پاس ہو اور وہ براہ محبت اس کو بوسہ دے تو مضائقہ نہیں۔ لیکن اس کو کسی جگہ لگا کر لوگوں کو ہدایت کرنا کہ وہ اس پر ہاتھ پھیریں اور بوسہ دیں یہ جائز نہیں کہ اس میں ایک رسم پڑ جائے اور تعظیم میں غلو پیدا ہونے سے ایک بدعت قائم ہو جائیگی۔ اور نماز کے بعد خصوصیت سے مصافحہ کرنا بھی جائز نہیں ہے۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ دہلی۔

سوال

کیا حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے کسی مقصد کی استدعا کرنا ناجائز ہے۔

المستفتی نمبر ۱۵۶۴ جناب سید عبد المعبود صاحب (ضلع بدایون) ۲۴ ربیع الثانی ۱۳۵۶ھ مطابق ۴ جولائی ۱۹۳۷ء

(۴۶) **جواب**۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے کسی مقصد کی استدعا کرنا صحیح نہیں۔ دعا اور سوال سب اللہ تعالیٰ سے ہونی چاہئے۔ خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں یہ تعلیم دی ہے۔ فرماتے ہیں اذا سالت فاسئل اللّٰہ واذا استعنت فاستعن باللّٰہ کہ جب تو سوال کرے تو اللہ سے سوال کر اور جب مدد چاہے تو اللہ سے مدد مانگ۔ اس پر عمل کرنا امتی کو لازم ہے۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ

سوال

اکثر علما کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نام کے آگے یا کا حرف لگا سکتے ہیں۔ اور کسی کے نام کے آگے نہیں۔ بعض لوگ یہ کہتے ہیں کہ جب رسول اللہ کے نام کے آگے یا کا حرف لگایا گیا تو غوث پاک رحمۃ اللہ علیہ ان کی اولاد میں سے ہیں۔ اگر یا غوث کر کے یاد کیا یا پکارا تو کیا حرج ہے

المستفتی نمبر ۲۳۱۸ اے۔ سی۔ منصوری (بمبئی) ۱۵ ربیع الثانی ۱۳۵۷ھ مطابق ۱۵ جون ۱۹۳۸ء

(۴۷) **جواب**۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے نام کے ساتھ بھی یا لگانا جائز نہیں۔ ہاں درود شریف میں صلی اللّٰہ علیک یا رسول اللّٰہ کہنا جائز ہے وہ بھی اس خیال سے کہ فرشتے یہ درود حضورؐ کو پہنچا دیں گے۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ

سوال

استفتا ہذا کی پشت پر رسول کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کے نعل مبارک کا نقشہ ہے اور اسی

کے ساتھ اس نعل مبارک کے بعض آثار و خواص اور اس کی تعریف میں بعض بزرگوں کے اشعار اور اس نعل مبارک کے وسیلے سے اللہ تعالی سے حاجات طلب کرنے کا طریقہ بھی تحریر ہے۔ زید نے یہ نقشۂ نعل مبارک معہ امور بالا حضرت مولانا محمد اشرف علی صاحب دامت برکاتہم کی کتاب زاد السعید سے ملحقہ رسالہ نیل الشفا بنعل المصطفے سے نقل کر کے طبع کرایا اور مسلمانوں کے مجمع میں اس لئے تقسیم کیا تاکہ وہ اس کی برکات سے بہرہ اندوز ہوں۔ حضرات اکابر تحریر فرمائیں کہ کیا (۱) زید کا یہ فعل ناجائز ہے (۲) اس کے آثار و خواص میں جن برکات کے ظہور کا ذکر ہے ان کا اعتقاد ناجائز ہے (۳) اس نقشہ مبارک کو باعث برکت سمجھنا ناجائز ہے (۴) اس نقشۂ مبارک کے وسیلے سے اللہ تعالی سے دعا مانگنا ناجائز ہے (۵) زید جو ایک مسجد میں امام ہے اس نے اس نقشہ کو طبع کرا کے اپنے نام سے پہلے خادم دربار محمدی لکھ دیا۔ کیا یہ لکھنا ناجائز ہے (۶) زید نے صبح کو یہ مبارک نقشے مسلمانوں میں تقسیم کیے۔ دوسرے دن صبح کو زید کی کمر میں کپڑے وغیرہ اتار کر ٹھنڈی ہوا میں لیٹنے کی وجہ سے درد ہو گیا۔ اس پر ایک شخص نے زید سے کہا کہ تم نے یہ نقشہ طبع کرا کے تقسیم کیا تھا اس وجہ سے تمہارے سر اور کمر میں درد ہو گیا۔ اور تم دو دن ترجمہ نہ کر سکے۔ کیا اس شخص کا یہ قول صحیح ہے؟ اگر غلط ہے تو اس شخص کا شرعاً کیا حکم ہے؟ بینوا توجروا

المستفتی نمبر ۱۵۵۷ مولوی محمد یوسف صاحب امام مسجد حوض والی محلہ چوڑی والان دہلی

مورخہ ۲۱ ربیع الثانی ۱۳۵۶ھ مطابق یکم جولائی ۱۹۳۷ء

(۳۸) **جواب** ۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے آثار متبرکہ طیبہ سے برکت حاصل کرنا تو علماء متقدمین اور صحابہ اور تابعین سے ثابت ہے لیکن آثار و اشیاء متبرکہ سے مراد یہ ہے کہ ان چیزوں کے متعلق یہ بات ثابت ہو کہ وہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی استعمال کی ہوئی اشیاء (مثل جبہ مبارک یا قمیص مبارک یا نعل مبارک) یا حضور کے جسم اطہر کے اجزاء (مثل موئے مبارک) یا حضور کے جسم اطہر کے ساتھ مس کی ہوئی چیزیں ہیں (مثل اس خاص پتھر کے جس پر قدم مبارک رکھنے سے نشان قدم بن گیا ہو) لیکن ان میں سے کسی چیز کی تصویر بنا کر اس سے برکت حاصل کرنے کا معتمد اہل علم و ارباب تحقیق سے ثبوت نہیں۔

اگر تصویر سے تبرک حاصل کرنا بھی صحیح ہو تو پھر نعل مبارک کی کوئی تخصیص نہ ہوگی بلکہ جبہ مبارک قمیص شریف موئے مبارک اور قدم شریف کی کاغذ پر تصویریں بنانے اور ان سے تبرک و توسل کرنے کا حکم اور نقشۂ نعل مبارک سے تبرک و توسل کا حکم ایک ہوگا۔ اور ایک ماہر بالشریعۃ اور ماہر نفسیات اہل زمانہ اس کے نتائج

سے بے خبر نہیں رہ سکتا۔ جن بزرگوں نے نعل مبارک کے نقش کو سر پر رکھا بوسہ دیا اس سے توسل کیا وہ ان کے وجدانی اور انتہائے محبت بالنبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اضطراری افعال ہیں۔ ان کو تعمیم حکم اور تشریع للناس کے موقع پر استعمال کرنا صحیح نہیں۔

نیز اس امر کا بھی کوئی ثبوت نہیں کہ نعل مبارک کا یہ نقشہ فی الحقیقت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے نعل مبارک کی صحیح تصویر ہے۔ یعنی حضور کے نعل مبارک کے درمیانی پٹھے (شراک) کے وسط میں اور آگے کے تسموں (قبالین) پر ایسے ہی پھول اور نقش و نگار بنے تھے جیسے اس نقشے میں بنے ہوئے ہیں۔ اور بلا ثبوت صورت و ہیئت کے حضور کی طرف نسبت کرنا بہت خوفناک امر ہے۔ اندیشہ ہے کہ من کذب علی متعمداً الخ کے مفہوم کے عموم میں شامل نہ ہو جائے۔ کیونکہ اس ہیئت کے ساتھ اس کو مثال نعل مصطفیٰ قرار دینے کا ظاہر مطلب یہی ہے کہ اس کو مثال قرار دینے والا یہ دعویٰ کرتا ہے کہ حضور نے ایسی نعل مبارک استعمال کی تھی جس کے پٹھوں اور اگلے تسموں پر اس قسم کے پھول بنے تھے۔ اور اس طرح کے نقش و نگار بھی تھے۔

پھر یہ سوال بھی پیدا ہوگا کہ یہ نقش و نگار ریشم سے بنائے گئے تھے یا کلابتوں اور زری کے تھے یا محض ٹھپہ تھا۔ اور ان تمام امور میں سے کسی ایک کا بھی ثبوت مہیا نہ ہوگا۔ اور اختلاف اہوا سے مختلف حکم لگالیے جائیں گے۔ وغیرہ وغیرہ۔

بہرحال تصویر کو اصل کا منصب دینا اور اس کے ساتھ اصل کا معاملہ کرنا احکام شرعیہ سے ثابت نہیں۔ اگر حضور کی نعل مبارک جو حضور کے قدم مبارک سے مس کر چکی ہو کسی کو مل جائے تو زہے سعادت۔ اس کو بوسہ دینا، سر پر رکھنا سب صحیح۔ مگر نعل کی تصویر اور وہ بھی ایسی تصویر جس کی اصل سے مطابقت کی بھی کوئی دلیل نہیں، اصل نعل مبارک کے قائم مقام نہیں ہو سکتی۔

سوال نمبر ا سے ۴ تک کا تو یہ جواب ہو گیا، نمبر ۵ کا جواب یہ ہے کہ کسی شخص کا اپنے متعلق خادم دربار محمدی لکھ دینا ناجائز نہیں ہے۔ اور نمبر ۶ کا جواب یہ ہے کہ جو شخص سر اور کمر کے درد کو اس پرچہ کی اشاعت کا نتیجہ ہونے کا اعتقاد رکھے وہ بھی غلطی کرتا ہے۔ اور لا تقف ما لیس لک بہ علم کے تحت اس کو ایسا حکم لگانے سے اجتناب کرنا چاہئے۔

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہٗ۔ دہلی۔

سوال

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک نقشہ معہ ہدایت شائع ہوا ہے جس میں نشانِ کفِ پائے مبارک کا نقشہ دیا گیا ہے۔ یہ نقشہ جو شائع کیا گیا ہے کیا حضور کے نعلین شریف کا درست نقشہ ہے۔ کیا اس کی اصل احادیث شریف یا اقوال خلفائے راشدین سے ثابت ہے۔ دوسرے مشتہر نے یہ بھی تحریر کیا کہ بتوسل نعلین شریف دعا کرنا چاہئے۔ یہ نقشہ معہ تحریر ارسال ہے۔ لہٰذا شرع شریف میں اس نقشہ کو بوسہ دینا۔ سر پر رکھنا۔ اس کے توسل سے اپنی حاجت طلب کرنا جائز ہے یا نہیں۔

المستفتی نمبر ۱۵۶۸ انوار احمد صاحب (دریبہ کلاں دہلی۔ مورخہ ۲۵ ربیع الثانی ۱۳۵۶ھ مطابق ۵ جولائی ۱۹۳۷ء

(۴۹) **جواب**۔ اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی استعمال کی ہوئی نعل شریف کسی کو مل جائے تو نہ ہے سعادت اور فرط محبت سے اس کو بوسہ دینا۔ سر پر اٹھا لینا بھی موجب سعادت ہے۔ مگر یہ تو اصل نعل نہیں اس کی تصویر ہے۔ اور یہ بھی متیقن نہیں کہ یہ تصویر اصل کے مطابق ہے یا نہیں اور تصویر کے ساتھ اصل شے کا معاملہ کرنا شریعت میں معہود نہیں۔ ورنہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دست مبارک پائے مبارک موئے مبارک اور قمیص مبارک جبہ مبارک کی تصویریں بھی بنائی جاسکتی ہیں اور اگر ان میں بھی اصل کی مطابقت کے ثبوت سے قطع نظر کرلی جائے تو پھر آج ہی بیشمار تصویریں بن جائیں گی۔ اور ایک فتنہ عظیمہ کا دروازہ کھل جائے گا۔ جن بزرگوں نے اس تصویر کے ساتھ محبت کا معاملہ کیا وہ ان کے والہانہ جذبات محبت کا نتیجہ تھا مگر دستور العمل قرار دینے کے لئے حجت نہیں ہوسکتا۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ دہلی۔

خط و کتابت

(ماخوذ از رسالہ اتمام المقال)

مذکورہ بالا دو فتووں کے بعد بھی حضرت مفتی صاحب قبلہ کی خدمت میں مختلف اشخاص کی طرف سے سوالات آئے اور بعض مخلصین نے حاضر خدمت ہوکر موافق و مخالف اپنے خیالات کا اظہار کیا۔ اور مسلمانوں میں اس مسئلہ کے متعلق اختلاف ہونے لگا۔

حضرت مفتی صاحب نے دیکھا کہ اختلاف و شقاق بین المسلمین کا ایک نیا دروازہ کھل رہا ہے۔ اگر ممکن ہو تو اسی وقت اس کا تدارک کرلیا جائے۔ چنانچہ حضرت ممدوح نے اپنے یہ دونوں جواب حضرت

حکیم الامۃ مولانا اشرف علی صاحب مدظلہم کی خدمت میں ایک مکتوب کے ساتھ روانہ کر دیئے۔ افسوس کہ اس مکتوب کی نقل مفتی صاحب نے نہیں رکھی تھی۔ (غالباً حضرت حکیم الامۃ مدظلہم العالی کے یہاں محفوظ ہوگی) مگر اس کا خلاصہ مضمون یہ تھا:-

خلاصہ مضمون مکتوب مولانا مفتی محمد کفایت اللہ صاحب مدظلہ

بخدمت حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی صاحب دام فیضہم

حضرت محترم دام فیوضکم۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ'۔ یہاں اپنی جماعت کے ایک اچھے مستعد عالم نے یہ نقشہ جوارسال خدمت ہے چھپوا کر شائع کیا۔ لوگوں میں اس کی اشاعت سے کچھ اختلاف پیدا ہو گیا ہے اور اس کے جواز و عدم جواز کے متعلق سوالات ہو رہے ہیں۔ میرے پاس بھی دو سوال آچکے ہیں میں نے جو جواب تحریر کیے ہیں وہ ملاحظہ اقدس کے لئے ملفوف ہذا ہیں۔ براہ کرم ملاحظہ کے بعد رائے عالی سے مطلع کر کے ممنون فرمائیں۔ اگر جواب درست نہ ہونے کا مجھے اطمینان ہو جائے گا تو میں بلا تکلف رجوع کر لونگا۔ یہ عرض کر دینا مناسب ہے کہ رسالہ نیل الشفا میں نے مطالعہ کیا ہے۔ وہ میرے لئے موجب اطمینان نہیں ہوا۔ والسلام محمد کفایت اللہ کان اللہ لہٗ۔ دہلی

مفتی صاحب کے خط کے جواب میں حضرت مولانا تھانوی کا جو گرامی نامہ آیا اس کی نقل یہ ہے

ارشاد نامہ حضرت حکیم الامۃ مولانا اشرف علی صاحب مدظلہم

بجواب مکتوب مفتی محمد کفایت اللہ صاحب دامت فیوضہم

تصحیح الجواب و توثیقہ من الاحقر الافقر اشرف علی عفی عنہ

بعد الحمد والصلوٰۃ احقر نے دونوں جواب پڑھے جو بالکل حق ہیں۔ اور صحت معنی کے ساتھ اسلوب[عہ] کلام میں ادب کی رعایت خاص طور پر قابل داد ہے جس کی ایسے نازک مسائل میں سخت ضرورت ہے۔ اب ان کے مضامین کے متعلق بغرض توضیح بعض ضروری معروضات پیش کرتا ہوں۔

نمبر ۱۔ بدلائل ثابت ہو چکا کہ یہ اعمال شرعیہ نہیں۔ اور ایسے اعمال کے لئے جن کا منشا حب و شوق طبعی

عہ ھذا مفاد کلامہ مدظلہ ولفظہ لفظی ادب ۱۲ سے بدلہ فی مکتوبہ الاخیر بالمقاصد الشرعیۃ ۱۲

وادب ہو مستقل دلیل کی حاجت نہیں. خلاف دلیل نہ ہونا کافی ہے. کما قال عثمان رضؓ وامسست ذکری بیمینی منذ بایعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم. رواہ ابن ماجہ ظاہر ہے کہ یہ رعایت بنا بر حکم شرعی نہیں ورنہ ثوب نجس کا دلک یا عصر بھی یمین سے جائز نہ ہوتا۔

نمبر ۲۔ جب ان اعمال کی بنا ادب و حب و شوق طبعی ہے اور بعض اوقات صرف تشاکل و تشابہ بھی منشا ان جذبات کا ہو جاتا ہے تو وہاں بھی اجازت دی جائے گی. کما فی فتاوی العلامۃ عبد الحی صفحہ ۳۲۲. نقل عیاض عن احمد بن فضلویۃ الزاہد الغازی قولہ ما مسست القوس بیدی الا علی طہارۃ منذ بلغنی ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اخذ القوس بیدہ. ظاہر ہے کہ مبنیٰ اس کا بجز دونوں قوس کے تشابہ کے اور کیا تھا پھر تشابہ و تشاکل عام ہے. ناقص ہو یا تام اور کسی عین کا ہو یا تمثال کا چنانچہ حضرت مولانا گنگوہیؒ نے تصویر روضہ منورہ و نقشہ مدینہ منورہ و مکہ مکرمہ واقعہ دلائل الخیرات کے باب میں جواب دیا ہے کہ بوسہ دادن و چشم مالیدن بریں نقشہ ہا ثابت نیست و اگر از غایت شوق سرزد ملامت و عتاب ہم بر جا نباشد اھ من الفتاوی الامدادیہ جلد ثالث ص۱۴۰ اور نعل شریف کی تمثال اگر پوری مطابق بھی نہ ہو مگر کسی درجہ میں تو مشابہ ضرور ہے جیسا روضہ شریفہ کا نقشہ واقعہ دلائل الخیرات. بس غایت ما فی الباب تطابق تام کا دعویٰ و اعتقاد ناجائز و محتاج نقل صحیح ہوگا. باقی مطلق تشابہ تو احادیث سے ثابت ہے۔

نمبر ۳۔ ایسے احکام حبیہ شوقیہ میں تعدیہ نہیں ہوتا. اس لئے ضروری نہیں کہ نعل مبارک کے تمثال کے ساتھ کوئی معاملہ کرنا مستلزم ہو. دوسرے تبرکات کے تماثیل کے ساتھ ویسا ہی معاملہ کرنے کو. کما قال بعض العشاق ؎ امر علی الدیار دیار لیلی ؛ اقبل ذا الجدار و ذا الجدارا ؛ وما ھذی الدیار شغفن قلبی ؛ ولکن حب من سکن الدیارا ؛ ولم یقل اقبل ذی الثمار و ذی الثمارا. اور مثلاً مساجد میں مستعمل طاہر جوتہ پہن کر نہ جانا جس کی بنا محض ادب طبعی عرفی ہے اس کو مستلزم نہیں کہ جرابیں پہن کر بھی جانا مساجد میں قیاساً خلاف ادب سمجھا جاوے اور مثلاً تقبیل تمثال روضہ شریفہ کا جواز مذکور نمبر ۲. اس کو مستلزم نہیں کہ اصل قبر شریف کی تقبیل کی اجازت دی جائے. بلکہ اس کا مدار اہل ادب کے ذوق و عادت پر ہے. باقی تمثال نعل شریف کی تخصیص اول تو بوجہ ذوقی ہونے کے محل سوال نہیں. لیکن ممکن ہے کہ داعی اس تخصیص عادی کا طالب کا اپنے لئے غایت تذلل اختیار کرنا ہو کہ اس سے زیادہ درجہ کی چیزوں تک میری کہاں رسائی ہوتی. کما قیل ؎

نسبت خود بسگت کردم دبس منفعلم زانکہ نسبت بسگ کوئے تو شد بے ادبی

واللہ اعلم باسرار عبادہ

نمبر۴۔ یہ سب تفصیل حکم فی نفسہ کی ہے۔ ورنہ جہاں احتمال غالب مفاسد کا ہو وہاں نقشہ تو کیا خود اصل تبرکات کا انعدام بھی بشرط عدم اہانت و بشرط عدم لزوم ابقا مطلوب و مامور بہ ہوگا۔ جیسا حضرت عمرؓ کا قصہ قطع شجرہ کا منقول ہے۔

نمبر۵۔ میں نے جب رسالہ نیل الشفا بنعل المصطفے لکھا تھا جس کو غالباً چھتیس سال کا زمانہ ہوگیا گو اس میں بھی کافی احتیاطیں کرلی گئی تھیں منشا میں بھی کہ ثقات سے نقل کیا گیا اور ناشی میں بھی کہ آخر میں غلو سے اہتمام کے ساتھ روک دیا گیا تھا۔ مگر تاہم اتنے مفاسد محتملہ سے ذہن خالی تھا۔ لیکن پندرہ سال سے زائد مدت گذری کہ اس قسم کے شبہات قلب میں پیدا ہوئے کہ عوام غلو نہ کرنے لگیں۔ اس کے چند روز بعد ایک صاحب توفیق نے اس کے متعلق استفسار کیا۔ جس کا جواب لکھ کر میں مطمئن ہوگیا۔ یہ جواب النور محرم ۴۲؁ھ کے صفحہ ۹ میں بعنوان تنبیہ بر اصلاح معاملہ بامثال نعل شریف شائع ہوا ہے۔ پھر مزید احتیاط کے لئے النور شوال ۴۲؁ھ کے صفحہ ۲ میں اس تنبیہ کی تجدید اس عبارت سے کردی کہ نیل الشفاء کے متعلق النور نمبر ۹ جلد ۳ میں ایک تنبیہ شائع ہوئی ہے، اس کے خلاف نہ کریں۔ اھ

اب بحمد اللہ دوسرے علماء کی تحریر سے بھی میرے مقصود کی تائید ہوگئی۔ پس کسی کو غلو کی گنجائش نہیں رہی۔ اور اس مفصل و مکمل تحقیق کے بعد احقر کی تحریرات میں باہم بھی اور دوسرے حضرات اہل تحقیق کی تحریر سے بھی تعارض کا احتمال نہیں رہ سکتا۔ لیکن اگر اب بھی کسی کے خیال میں تعارض کا شبہ ہو تو اس کے لئے میں اعلان کررہا ہوں کہ دوسرے حضرات کی تحقیق پر عمل کیا جاوے اور میری تحریر کو مرجوح بلکہ مجروح و ممنوع عنہ بلکہ مرجوع عنہ سمجھا جاوے۔ فقط ۲۶ ربیع الثانی ۱۳۵۶؁ھ

مفتی صاحب قبلہ کے دونوں جوابوں کی تصدیق و تصحیح اور نفس مسئلہ کی توضیح کے متعلق تو حضرت حکیم الامۃ مولانا تھانوی دام ظلہ کی یہ تحریر تھی جو اوپر نقل کی گئی۔ اس کے ساتھ ایک مکتوب بھی تھا۔ جس کی نقل ذیل میں درج کی جاتی ہے:۔

مکتوب حضرت حکیم الامت مولانا تھانوی دام فیضہ

بنام مفتی محمد کفایت اللہ صاحب مدظلہٗ

مولانا۔ السلام علیکم۔ اگر اصل جواب شائع ہو تو بشرط خلاف مصلحت نہ ہونے کے میری تحریر[1] بھی شائع فرمادی جائے۔ خواہ بعینہ خواہ بعد تلخیص و حذف اجزاء مضرہ للعوام۔ البتہ صورت ثانیہ میں اگر تلخیص کو میں بھی دیکھ لوں تو یہ فائدہ ہے کہ اس کو یہاں بھی محفوظ کرلوں تاکہ آئندہ جواب میں اس کی رعایت رہے۔

اور بعینہ شائع کرنے کی صورت میں یہ بھی اختیار ہے کہ اجزاء مضرہ کا جواب و رد بھی ساتھ ساتھ حواشی میں شائع کردیا جائے اور اس صورت میں مجھ کو دکھلانے کی ضرورت نہیں۔ کیونکہ وہ تصرف میری عبارت میں نہ ہوگا جیساکہ تلخیص کی صورت میں ہوگا۔

اور اگر خلاف مذاق نہ ہو تو اس مجموعہ کا کوئی لقب بھی رکھدیا جائے۔ خواہ "اتمام المقال فی بعض احکام التمثال"[2] یا اور کچھ۔ اور اشاعت کی صورت میں النور کا مضمون بعنوان تنبیہ[3] بھی شائع ہوجائے تو انفع ہے جس کا پتہ نمبر ۵ میں لکھا ہے فقط۔

حضرت حکیم الامت مولانا تھانوی مدظلہ کے اس ارشادنامہ کے موصول ہونے پر حضرت مفتی صاحب قبلہ نے پھر ایک خط حضرت حکیم الامت مدظلہ کی خدمت میں لکھا جس کی نقل حسب ذیل ہے۔

مکتوب دوم مفتی محمد کفایت اللہ صاحب مدظلہ

بخدمت حضرت حکیم الامت مولانا تھانوی دام فیوضہم

۳۰ ربیع الثانی ۱۳۵۶ھ۔ مدرسہ امینیہ دہلی

حضرت مخدوم محترم دام فضلہم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ مکرمت نامہ نے معزز و مفتخر فرمایا۔ جزاکم اللہ تعالیٰ۔ مجھے دو باتیں عرض کرنی ہیں۔ امید کہ تسلی بخش جواب سے شادکام فرمائیں گے۔ حضرت عثمانؓ کی حدیث کے ابن ماجہ میں یہ الفاظ ہیں ما تغنیت ولا تمنیت ولا مسست ذکری بیمینی منذ بایعت بہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔ اس میں تین باتیں مذکور ہیں۔ اور تینوں اسلام میں ممنوع ہیں۔ تو کیا اس قول کا مطلب یہ ہو سکتا

---

[1] اس تحریر سے وہ تحریر مراد ہے جو اوپر بعنوان تصحیح الجواب و توثیقہ نقل کی جاچکی ہے ۱۲۔ [2] اس مشورہ مفیدہ کے ماتحت یہ مجموعہ اسی لقب سے ملقب کردیا گیا ہے۔ حضرت اقدس کی پوری تحریر شائع کردی گئی۔ اس کی تلخیص نہیں کی گئی ۱۲

[3] یہ مضمون ابتدائے رسالہ اتمام المقال میں ہے۔

ہے یا نہیں کہ جب سے میں نے حضور سے بیعت کی یعنی اسلام لایا ہوں یہ کام نہیں کیے۔ جیسے حضرت عمر کا قول ہے ما بلت قائما منذ اسلمت (رواہ البزاز و رجالہ ثقات کذا فی مجمع الزوائد) اگر یہ مطلب ہو تو مس ذکر بالیمین نہ کرنے کی وجہ اس کا اسلام میں ممنوع ہونا ہوگا نہ یہ کہ حضورؐ کے دست مبارک سے مس کرنے کی وجہ سے مس ذکر بالیمین ترک کیا۔

دوسری بات یہ کہ احمد بن فضلویہ کا قول ما مسست القوس بیدی الا علی طہارۃ الخ ہر قوس کے متعلق ہے یا القوس میں الف لام عہد کا ہے اور اس سے ایک خاص قوس مراد ہے جس کے متعلق انھیں یہ علم ہوا تھا کہ اس قوس کو حضور کے دست مبارک میں جانے کا شرف حاصل ہوا ہے۔ میرے خیال میں قوس معہود کا مراد لینا راجح ہے۔ کیونکہ عام قوس کا مراد لینا اور محض اس خیال سے کہ کمان کو حضورؐ نے ہاتھ میں لیا ہے اس لئے تمام کمانوں کو محض مشاکلت کی وجہ سے بے وضو نہ چھونا موجّہ نہیں حضورؐ نے صرف کمان دستِ مبارک سے نہیں پکڑی بلکہ تلوار سکین۔ ازار۔ رداء۔ عمامہ قمیص اور بہت سی چیزیں دست مبارک سے چھوئی ہیں تو اگر محض مشاکلت اس کی وجہ ہوتی تو ان کا یہ جذبہ صرف قوس میں نہ پایا جاتا۔ اگر دوسرا احتمال مراد ہو تو معقول بات ہے اور جو چیز بھی ان کو ایسی مل جاتی کہ حضور کے دست مبارک میں آئی ہوتی تو اس کے ساتھ یہی معاملہ کرتے۔ مگر اور کوئی ایسی چیز نہ ملی۔ صرف کوئی کمان ایسی ہاتھ لگی جس کے متعلق یہ معلوم ہوا کہ حضور کے دست مبارک سے مس کرنے کا شرف اس کو حاصل ہے تو ان کے جذبہ محبت نے اس کمان کو بے وضو چھونے سے انھیں باز رکھا۔ جناب نے اس عبارت کا حوالہ مجموعہ فتاوٰی مولانا عبدالحی کے صفحہ ۳۰۲ کا دیا ہے۔ میرے پاس جو مجموعہ فتاوی ہے اس کی جلد اول و دوم کے صـ ۳۲۲ میں یہ عبارت نہیں ملی اور جلد سوم کے صفحات ہی اتنے نہیں ہیں۔ براہ کرم جلد کی تعیین کے ساتھ کوئی مزید نشان بھی تحریر فرمادیں۔ ان دو باتوں کے علاوہ ایک اور بات بھی عرض کرنی ہے کہ جذبۂ محبت سے جو افعال سرزد ہوں وہ اختیاری ہوں گے یا اضطراری۔ اگر اختیاری ہوں گے تو احکام شرعیہ (وجوب۔ سنیت۔ ندب۔ اباحت۔ کراہت۔ حرمت) میں سے ان کے ساتھ کوئی حکم ضرور متعلق ہوگا۔ ہاں اگر اضطراری ہوں گے تو ان احکام میں سے کوئی حکم ان سے متعلق نہ ہوگا۔ تو تصویر اور نقشہ کو بوسہ دینا سر پر رکھنا اگر اختیاری ہو تو وہ کم از کم مستحب یا مباح ضرور ہوگا۔ یا بصورت دیگر اس کو کم از کم مکروہ کہا جائے گا۔ پھر اس کو امور شرعیہ سے خارج کرنے کی کیا صورت ہے۔

استحباب کی صورت میں اس کی تشریع اور عمل کی ترغیب بھی صحیح ہوگی۔

لیکن اگر اضطراری ہونے کی صورت میں اس کو جائز فرمایا جائے تو یہ کہنا تو صحیح ہے کہ وہ امور شرعیہ میں سے نہیں کیونکہ شرع کا تعلق اختیار سے ہے نہ اضطرار سے۔ مگر اس صورت میں مضطر کا یہ فعل (بوسہ دینا

سر پر رکھنا۔ توسل کرنا) جواز یا استحباب یا اباحت یا کراہت کے ساتھ متصف نہ ہو سکیگا۔ بلکہ زیادہ سے زیادہ مسکوت عنہ ہوگا۔ اور تشریع للعوام اور ترغیب للناس کے لئے حجت بھی نہ ہو سکے گا۔ کیونکہ امور اضطراریہ کی تشریع اور ترغیب غیر معقول ہے۔ وہ تو اضطرار اور غلبۂ شوق سے خود بخود سرزد ہو سکتے ہیں نہ کسی کے کہنے اور ترغیب دینے سے۔

میری جرأت کو معاف فرماتے ہوئے تسلی بخش جواب سے سرفراز فرمائیں۔

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہٗ

اس کے جواب میں حضرت حکیم الامۃ کا جو ارشاد نامہ آیا اس کی نقل حسب ذیل ہے:۔

ارشاد نامۂ دوم حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی دام فیضہم

بنام حضرت مولانا مفتی محمد کفایت اللہ صاحب مدظلہ

مولانا۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ۔ الطاف نامہ نے ممنون فرمایا۔ فبارک اللہ تعالیٰ فی صونکم للدین جو احتمال منذ بایعت بہا الخ میں اور اسی طرح ماسسست القوس کے الف لام میں ظاہر کیا گیا ہے، گو ذوقؔ[1] اس سے آبی ہے۔ خصوص لفظ بہا پر نظر کر کے۔ مگر صونِ دینِ عوام کے لئے نافع ہے۔ باقی تخصیص قوسؔ[2]

---

[1] حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی حدیث میں چونکہ تین باتوں کا ذکر ہے ما تغنیت ولا تمنیت ولا مسست ذکری بیمینی الخ یعنی وہ فرماتے ہیں کہ میں نے گانے کا ارتکاب نہیں کیا اور جھوٹ نہیں بولا اور ذکر کو سیدھا ہاتھ نہیں لگایا اور یہ تینوں باتیں اسلام میں ممنوع ہیں تو غالباً ان کا مقصد یہ ہے کہ جب سے میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دست مبارک پر بیعت کی یعنی اسلام لایا ان ممنوعات شرعیہ میں سے کسی کا ارتکاب نہیں کیا۔ اور اس تقدیر پر لفظ منذ کا تعلق تینوں باتوں سے ہے نہ صرف مسست سے۔ اور جبکہ تینوں سے تعلق ہو تو پھر منذ بایعت کے معنی منذ اسلمت ہی زیادہ موزون اور مناسب ہیں اور اب وجہ مس ذکر بالیمین نہ کرنے کی اسلام لانا ہے۔ کیونکہ یہ فعل اسلام میں ممنوع ہے۔ یعنی اگر ان کا سیدھا ہاتھ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دست مبارک سے مس بھی نہ کرتا جب بھی بحکم اسلام یہ مس ذکر بالیمین ترک کرتے جیسے کہ بحکم اسلام غنا اور امنیہ کو ترک کر دیا تھا ہاں چونکہ مس ذکر بالیمین میں ترک کی ایک دوسری لطیف وجہ بھی تھی، اس کی طرف خاص اشارہ کرنے کے لئے بہا بڑھا دیا۔ مگر مطلب یہی ہے کہ جب سے اسلام لایا ہوں ان تینوں باتوں کا ارتکاب نہیں کیا ہے۔ اگر ان کا مقصد یہ ہوتا کہ اپنے یمین کے حضور کے دست مبارک سے مس کرنے کی بنا پر میں نے مس ذکر بالیمین ترک کر دیا تو اس کی تعبیر بجائے منذ بایعت بہا کے منذ صافحت بہا زیادہ موزون ہوتی۔ اور شیخ احمد بن فضلویہ کے کلام میں قوس سے خاص قوس مراد لینے کو میں زیادہ قوی اور راجح سمجھتا ہوں۔ اور مولانا محمد اسمٰعیل صاحب بھی خاص قوس مراد لینے کو ہی راجح سمجھے اور اسی لئے وہ ترجمہ کیا جو حاشیہ آئندہ میں مجموعہ فتاوی سے نقل کیا گیا ہے۔ واللہ اعلم ۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہٗ۔

[2] حضرت مولانا تھانوی مدظلہم العالی کے اس گرامی نامہ سے جب اس عبارت کا پورا پتہ معلوم ہوا تو میں نے (بقیہ بر صفحہ آئندہ)

کی سوا اول تو ایسے احکام ادبیہ میں تعدیہ نہیں ہوتا۔ کما ذکرتہ فی نمبر ۲ من تحریری السابق۔ دوسرے کثرت استعمال فی عبادۃ الغزو فی ذاک الزمان۔ اس تخصیص کی ایک وجہ بھی ہو سکتی ہے کہ اس کو تلبس دینی زیادہ ہے۔ اور یہ عبارت مجموعہ فتاوی کی جلد اول مطبوعہ شوکت اسلام ۱۳۰۲ھ صفحہ ۳۲۲ میں ہے۔ صفحہ ۳۱۸ سے کتاب النوادر کے تحت میں شروع ہو کر صفحہ ۳۲۷ تک چلی گئی ہے۔ اصل مجیب مولانا محمد اسمٰعیل ہیں۔ اور مولانا عبدالحی صاحب مُصوِّب ہیں۔ اور امور شرعیہ سے خارج کرنے کے متعلق جو صورت پوچھی گئی ہے یہاں افعال مقصودہ فی الشرع مراد ہیں نہ کہ احکام شرعیہ۔ میں نے یہ عنوان آپ ہی کی رعایت سے اختیار کیا تھا کہ آپ کی عبارت خطِ سابق میں ہے۔ اب اس کو مقاصد شرعیہ کے عنوان سے بدلتا ہوں۔ اور اس کے اختیاری ہونے اور اس کے ساتھ حکم شرعی کے متعلق ہونے سے انکار نہیں کرتا۔ اور وہ حکم اباحت فی نفسہ اور استحباب یا کراہت لغیرہ بالتسبب للمقاصد اوللمفاسد ہے۔ یہ تو طالبعلمانہ کلام ہے جس میں جانبین کو بہت وسعت ہے ہر جواب پر شبہہ اور ہر شبہہ کا جواب ہو سکتا ہے۔ لیکن شیخ شیرازی کا ارشاد یاد آتا ہے

ندانی کہ مارا سر جنگ نیست وگرنہ مجالِ سخن تنگ نیست

اس لئے مناظرانہ کلام کو بند کر کے ناظرانہ عرض کرتا ہوں کہ گو احتیاطی تحریرات میں ہمیشہ شائع کرتا رہا۔ چنانچہ مکتوبات خبرت کے حصہ سوم بابت ۳۳ھ کے صفحہ ۱۵ میں بھی ایک صاف مضمون ہے۔ مگر مسئلہ میں تردد نہ ہوا تھا۔ لیکن اب مجھ کو خواص کے اس اختلاف آراء سے نفس مسئلہ میں تردد پیدا ہو گیا۔ پھر اس کے ساتھ عوام کے اختلاق اہواء سے جس سے میرا ذہن خالی تھا۔ مصالح دینیہ اسی کو مقتضی ہیں کہ بحکم دع مایریبك الی مالا یریبك (الحدیث) اپنے رسالہ نیل الشفاء سے رجوع کرتا ہوں۔ اور کوئی درجہ تسبب للضرر کا اگر واقع ہو گیا ہو اس سے استغفار اور کسی عاشق صادق کے اس فیصلہ کا استحضار اور تکرار کرتا ہوں

علی اننی راض بان احمل الھوی واخلص منہ لا علی ولا لیا۔ والسلام

(نوٹ) اگر ممکن ہو کم از کم اس مضمون کو مکملاً یا ملخصاً جلدی شائع فرما دیں۔ پھر خواہ مستقلاً دیوا دلی

(بقیہ صــ۶۷) اپنے پاس کے مجموعہ فتاوی مولانا عبدالحی رحمہ اللہ مطبوعہ مطبع یوسفی ۱۳۲۱ھ کے جلد اول صــ۲۷ میں یہ عبارت دیکھی۔ مولانا محمد اسمٰعیل صاحب مجیب نے اس عبارت کا جو ترجمہ کیا ہے وہ میری توجیہ کے موافق ہے۔ ان کے ترجمہ کی عبارت یہ ہے (انھوں نے کہا کہ جب سے میں نے یہ سنا کہ میری کمان کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دست مبارک سے چھوا اس وقت سے میں نے اس کو کبھی بے وضو نہیں چھوا) یعنی انھوں نے کمان سے ایک خاص کمان ہی مراد لی ہے۔ ہر کمان کے متعلق یہ طرز عمل قرار نہیں دیا۔ واللہ اعلم محمد کفایت اللہ کان اللہ لہٗ

یا اخبار میں۔ اشرف علی ۴ر جمادی الاولی ۱۳۵۶ھ

حاشیہ از مولانا تھانوی مدظلہ متعلقہ حاشیہ صفحہ ۶۸

قولہ ترجمہ کی عبارت یہ ہے الخ اقول گو اس میں سہو کاتب کا بھی احتمال ہے۔ نیز اس کی کوئی دلیل بھی نہیں۔ لیکن مانع کو دلیل کی حاجت نہیں۔ احتمال کافی ہے۔ اور اس احتمال کے فرض وقوع کے بعد بھی منشا اس کا حکم شرعی نہیں۔ محض عاشقانہ ادب ہے۔ اور اسی حکم شرعی نہ ہونے کی بنا پر حضرت عثمانؓ کے قول ما مسست الخ کو ظاہر سے معدول کیا گیا ہے ۱۲۔

ضروری توضیح

حضرت اقدس حکیم الامت مولانا تھانوی مدظلہ کے رسالہ نیل الشفا سے اس اعلان رجوع کا مطلب یہ ہے کہ رسالہ نیل الشفا سے یہ سمجھا جاتا تھا کہ نقشہ نعل شریف سے استبراک و توسل کی مسلمانوں کو تلقین و ترغیب اور نقشہ کی تشہیر و اشاعت کی تحریض مقصود ہے۔ اب حضرت مولانا دام فیضہم نے عوام کے تجاوز عن الحد اور غلو کو مدنظر رکھ کر استبراک و توسل کی ترغیب اور تشہیر و اشاعت کی تلقین سے رجوع فرما لیا ہے۔ رہا کسی عاشق صادق اور مجذوب محبت کا والہانہ طرز عمل تو وہ بجائے خود مذموم نہیں بلکہ مسکوت عنہ ہے۔ اسی طرح نفس مسئلہ میں تردد پیدا ہو جانے کا جو ذکر ہے اس کا حاصل بھی بجائے جزم جواز سابق کے عدم جزم جواز ہے نہ کہ جزم عدم جواز۔ پس عشاق پر طعن نہ کیا جائے۔

حضرت مولانا کے اعلان رجوع سے کوئی غلط فہمی نہ ہو، اس نظر سے یہ ضروری توضیح کر دی گئی اور حضرت مولانا کی اجازت سے شائع کی گئی۔

میں نے اس مجموعہ کی اشاعت کا ارادہ حضرت مولانا پر ظاہر کیا تو جواب میں فرمایا کہ (اشاعت) عین مطلوب ہے۔ اور ساتھ ہی یہ دعا بھی ارشاد فرمائی جزاکم اللہ تعالیٰ و بارک فیکم

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہٗ

فصل چہارم، درود شریف و دعائے گنج العرش وغیرہ

سوال

درود تاج، درود لکی، دعائے گنج العرش وغیرہ کی اسناد جو لکھی ہیں، یہ کہاں تک صحیح ہے۔

المستفتی نمبر ۱۲۰۱ غلام ربانی عباسی صاحب (ضلع غازیپور) ۹ رجب ۱۳۵۵ھ مطابق ۲۶ ستمبر ۱۹۳۶ء

(۵۰) **جواب**۔ درود تاج اور دعائے گنج العرش کی اسناد بے اصل ہیں۔

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ، دہلی۔

سوال

آج کل مروجہ درود صلی اللہ علیک یارسول اللہ وسلم علیک یا حبیب اللہ کب کی ایجاد ہے اور یہ غنا کے طور پر پڑھنا جائز ہے یا نہیں اور نبی علیہ الصلوۃ والسلام۔ سلام و صلوۃ کی بابت دریافت ہوا تو آپ نے کون سا ارشاد فرمایا تھا۔

المستفتی نمبر ۱۳۸۸ محمد اسمٰعیل صاحب (امرتسر) ۲۳ شوال ۱۳۵۵ھ مطابق ۷ جنوری ۱۹۳۶ء

(۵۱) **جواب**۔ یہ درود بھی جائز ہے۔ اور اس کی اصل نماز کی یہ تعلیم السلام علیك ایها النبی۔ حضور کا تعلیم کردہ درود یہ ہے اللهم صل علی محمد وازواجه وذریته کما صلیت علی آل ابراهیم وبارك علی محمد وازواجه وذریته کما بارکت علی آل ابراهیم انك حمید مجید۔ اس کے علاوہ اور بھی درود حضور کے تعلیم فرمودہ ہیں۔

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ، دہلی۔

سوال

ہر جمعرات کو ایک جگہ پر جمع ہو کر درود شریف کا ختم سوا لاکھ کا مسلمانوں کی بہبودی کے لئے پڑھ کر دعا مانگنا کیسا ہے۔ اس مجمع میں شریک ہونا اور درود شریف پڑھنا چاہئے یا نہ پڑھنا چاہئے؟

المستفتی نمبر ۱۳۳۳ محمد عزت علی خاں صاحب (ضلع ہردوئی) ۲۲ ذیقعدہ ۱۳۵۵ھ مطابق ۶ فروری ۱۹۳۷ء

(۵۲) **جواب**۔ ایسے اجتماع کا التزام کرنا بے اصل ہے۔ درود شریف فرداً فرداً پڑھنے کا بہت ثواب ہے۔

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ، دہلی۔

سوال

چند لوگوں کا مجتمع ہو کر زور زور سے درود شریف پڑھنا یا ذکر کرنا کیسا ہے۔ اگر جواب نفی میں ہے تو دلیل کیا ہے۔ المستفتی نمبر ۱۹۶۱ محمد انصار الدین صاحب (آسام) ۲۵ شعبان ۱۳۵۶ھ مطابق ۳ اکتوبر ۱۹۳۷ء

(۵۳) **جواب**۔ اس طرح جماعت بنا کر درود پڑھنا ثابت نہیں۔ اس لئے اس ہیئت کا التزام نہ چاہئے۔ بطور خود درود شریف جس قدر پڑھا جائے موجب ثواب ہے۔ اور زور سے پڑھنا بھی جائز ہے بشرطیکہ کسی نماز پڑھنے والے یا مریض کو تکلیف نہ ہو۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہٗ۔ دہلی۔

سوال

کیا درود شریف کا ثواب مخصوص بذات آنحضرت ﷺ ہے یا اس کا ثواب دوسروں کو بھی بخشا جا سکتا ہے۔ عموماً مشہور ہے کہ بجز سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کسی اور کو نہیں پہونچ سکتا۔

المستفتی نمبر ۲۴۶۹ مولوی محمد ابراہیم صاحب (گوڑگاؤں) ۲۲ شوال ۱۳۵۷ھ مطابق ۱۵ دسمبر ۱۹۳۸ء

(۵۴) **جواب**۔ ایک ثواب تو درود شریف پڑھنے کا ہے وہ تو پڑھنے والے کو ملتا ہے اور اسے اختیار ہے کہ وہ اپنا ثواب کسی دوسرے کو بخش دے۔ اور ایک وہ ثواب ہے جو درود میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے اللہ تعالیٰ سے طلب کیا جاتا ہے اس کا حکم یہ ہے کہ لفظ صلوٰۃ یا اس کے مشتقات سے صرف انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کے لئے وہ طلب کرنا چاہئے قصداً و بالذات دوسروں کے لئے اللّٰھم صل علی فلان نہ کہنا چاہئے۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہٗ۔ دہلی۔

سوال

درود تاج کا ثبوت کسی حدیث سے ہے یا نہیں؟

(۵۵) **جواب**۔ درود تاج کوئی ایسا درود نہیں ہے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہو اور اس کے بعض جملے مفہوم کے لحاظ سے بھی قابل اعتراض ہیں۔ اس سے بہتر وہ درود ہیں جو حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہیں جیسے نماز کے درود۔ یہ افضل و اعلیٰ ہیں۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہٗ

سوال

(اخبار الجمعیۃ حبیب نمبر مورخہ ۶ فروری ۱۹۲۵ء)

(۱) درود تاج کے پڑھنے میں جناب کا کیا ارشاد ہے؟ (۲) درود اکبر اور دعائے گنج العرش کا پڑھنا کیسا ہے؟

(۵۶) **جواب** (۱) درود تاج کا پڑھنا گناہ نہیں ہے۔ مگر دوسرے ماثور درود اس سے افضل ہیں۔ (۲) جائز ہے مگر ان

کی اسنادیں معتبر نہیں ہیں۔ محمد کفایت اللہ غفرلہٗ

دوسرا باب

پیری مریدی

فصل اول، بیعت

سوال

اکثر علمائے دین فی زمانہ بغیر ان پانچ طریقوں کے توبہ نہیں کراتے ہیں۔ خصوصاً بعض علما یہ کہتے ہیں کہ ان طریقوں کا نام لینا ضروری نہیں۔ بس معروف و مشہور طریقہ محمدیہ کافی ہے۔ آیا حسب شرع ان میں توبہ کرنا فرض ہے یا واجب یا سنت؟ اگر کسی نے سوا ان طریقوں کے توبہ کی تو قبول ہوگی یا نہیں؟

(۵۷) **جواب** بیعت توبہ مسنون ہے۔ اور چاروں طریقے جو مروج ہیں اور معروف ہیں ان میں مرید کرنا مستحب ہے۔ واجب فرض یا سنت مؤکدہ نہیں۔ پس ان طریقوں کے علاوہ بھی مرید کرنا اور توبہ کرانا جائز ہے۔ حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمہ اللہ تعالیٰ قول جمیل میں فرماتے ہیں۔ اعلم ان البیعۃ سنۃ ولیست بواجبۃ لان الناس بایعوا النبی صلی اللہ علیہ وسلم وتقربوا بھا الی اللہ تعالیٰ ولم یدل دلیل علی تاثیم تارکھا ولم ینکر احد من الائمۃ علی تارکھا الخ اور اسی میں ہے، اعلم ان البیعۃ المتوارثۃ بین الصوفیۃ علی وجوہ احدھا بیعۃ التوبۃ من المعاصی والثانی بیعۃ التبرک فی سلسلۃ الصالحین الخ اور اسی میں ہے، ولا باس ان یلقنہ فیقول قل اخترت الطریقۃ النقشبندیۃ او القادریۃ او الچشتیۃ الی آخرہ اور لفظ لاباس کی دلالت اس امر پر ظاہر ہے کہ ان طریقوں کا نام نہ لینا بھی جائز ہے۔ واللہ اعلم

کتبہٗ محمد کفایت اللہ عفا عنہ مولاہ

سوال

خادم نے ایک بزرگ سے کچھ درود وظیفہ خط کے ذریعہ دریافت کیا تھا اور ہاتھ پر بیعت نہیں ہوا تھا۔ اب اگر میں کسی اور بزرگ کے ہاتھ پر بیعت ہو جاؤں تو شرعاً درست ہے یا نہیں؟

(۵۸) **جواب** صورت مسئولہ میں کسی دوسرے بزرگ کے ہاتھ پر بیعت ہونے میں کوئی مضائقہ نہیں کسی دوسرے سے اُس وقت بیعت ہونا مناسب نہیں جبکہ پہلے سے بیعت ہو جاؤ اور باوجود اُس سے

فائدہ پہنچنے کے دوسرے سے بیعت کی جائے۔ لیکن اگر پہلے سے بیعت ہی نہ کی ہو تو کسی دوسرے سے بیعت ہونے میں کوئی مضائقہ نہیں۔ واللہ اعلم۔

سوال

(۱) پیر بلند جگہ تخت پر بیٹھے اور دوسروں کو نیچے بٹھا کر بغیر ضرورت ذکر کرا دے۔ اس طرح خدا کے نام کی ہتک دبے حرمتی ہوتی ہے یا نہیں؟

(۲) پیر دائماً دوسروں کو نیچے بٹھا کر ذکر کرا دے تو ایسا فعل حضرت سرور کائنات نے یا خلفائے راشدین نے یا حضرت عبدالقادر جیلانی نے کیا ہے؟

(۳) کرامت خدا تعالیٰ کی طرف سے ملتی ہے یا پیر کی طرف سے؟

المستفتی نمبر ۴۱۴ فقیر محمد دکاندار (ضلع ہزارہ) ۲۹ جمادی الثانی سنہ ۱۳۵۳ھ مطابق ۹ اکتوبر سنہ ۱۹۳۴ء

(۵۹) **جواب** (۱) یہ فعل پیر کا اچھا نہیں ہے۔ (۲) حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اور صحابہ کرام اور بزرگان دین کی یہ عادت نہ تھی۔ (۳) کرامت خدا تعالیٰ کی طرف سے ملتی ہے۔ پیر کے اختیاری نہیں ہوتی۔ محمد کفایت اللہ

سوال

زید تصویر کشی اور تصویروں کی زینت سے اپنے مکانوں کو زیبائش دیتا اور اس کو جائز خیال کرتا ہو اور لوگوں کو مرید کرنے میں کسی مذہب وملت کی قید نہ رکھتا ہو۔ مسلم ہندو عیسائی پارسی کو بلا دعوت اسلام پیش کیے اور بلا توبہ کرائے مرید کرتا ہو اور اس طریقۂ کار کو جائز اور اچھا سمجھتا ہو۔ اور طوائفوں کا گانا سنتا ہو اور ریڈیو پر غزلیں اور گانا بھی سنتا ہو۔ اور نماز جماعت کا پابند نہ ہو۔ عین نماز جماعت کے وقت سینما ہال میں تماشا اور ناچ درنگ دیکھتا ہو اور اپنی مرید بہنوں کو اور دوستوں کی عورتوں کا حلیہ اور خد وخال اور زلفوں کا حال اپنے اخبارات میں لکھتا ہو اور اس سے دلچسپی اور مزہ لیتا ہو اور مولویوں کو برا بھلا کہتا ہو۔ اور سجدہ تعظیمی مقابر وغیرہ کو جائز قرار دیتا ہو اور اپنے اخبار میں بھی تحریر کرتا ہو کہ نہ میں سنی ہوں نہ میں شیعہ ہوں۔ اپنا مذاق مذہبی بفضلہ رکھتا ہوں۔ بہت سے امور بدعت کا مرتکب ہو۔ عورتوں کو بے حجابانہ اپنے سامنے رکھتا ہو اور اپنی اولاد کو تھیٹر سینما اور اپنے مریدوں کو بھی اس کی تعلیم دیتا ہو تو کیا ایسے شخص کو جس کے اندر اس قدر منہیات شرع مذکورہ بالا موجود ہوں اس سے بیعت جائز ہے

المستفتی نمبر ۱۳۰۹ اعجاز حسین صاحب (دہلی) ۱۳ رجب سنہ ۱۳۵۵ھ ۲۹ ستمبر سنہ ۱۹۳۶ء

(۶۰) **جواب** تصویر بنانا اور بنوانا اور تصویروں سے گھر کو مزین کرنا صریح اور صحیح احادیث کے بموجب ناجائز ہے۔

مذہب راجح یہی ہے کہ تصویر کی حرمت دستی تصاویر اور فوٹو اور تصویروں اور نصف تصویروں کو شامل ہے۔ غیر مسلموں کو مرید کرنا اگر ان کو اسلام میں داخل کرنے کے لئے ہو تو حد اباحت میں آسکتا ہے۔ لیکن غیر مسلم کے غیر مسلم رہنے اور رہنے دینے کے ساتھ اس کو مرید کرنے کے کوئی معنی نہیں۔ کیونکہ مرید کرنے کی غرض ارشاد حق اور تصفیۂ باطن ہے۔ اور غیر مسلم غیر مسلم رہنے کی حالت میں تصفیہ باطن کا اہل نہیں۔ اسلام کے بغیر نور قلب کا حصول ناممکن ہے۔ اور غیر مسلم کو مرید کرنا اور اس کو صحیح وجائز طور پر مرید سمجھنا عملی طور پر اس امر کا اعلان ہے کہ نور باطن کے حصول کے لئے اسلام لانا ضروری نہیں۔ اور یہ خیال بداہۃً اصول اسلامیہ کے خلاف اور باطل ہے۔ طوائفوں کا گانا سننا حرام ہے۔ ریڈیو پر جائز باتیں سننا جائز ہے اور ناجائز باتیں سننا ناجائز۔ ترک نماز موجب گناہ کبیرہ اور ترک جماعت بلاعذر احیاناً ہو تو موجب ملامت اور عادۃً ہو اور اکثری ہو تو موجب گناہ ہے۔ سجدۂ تعظیمی غیر اللہ کو کرنا حرام اور سجدۂ عبادت غیر اللہ کو کرنا کفر ہے۔ بہر حال جو شخص امور مذکورہ فی السوال کا مرتکب ہو وہ ارشاد و تلقین کا اہل نہیں اور اس کے ہاتھ پر بیعت کرنی جائز نہیں۔　　　　محمد کفایت اللہ کان اللہ لہٗ، دہلی

سوال

فی زمانہ مشائخین جو سلسلہ بیعت جاری رکھتے ہیں عوام الناس کو حلقہ اطاعت میں لانا فرض عین سمجھتے ہیں ہر ممکن طریقہ سے ہزاروں لاکھوں کو مرید بننے کی ترغیب دے کر مرید بنا لیتے ہیں۔ پھر مرید غیر مرید پیر صاحب کی قدمبوسی باعث برکت سمجھتے ہیں۔ حتی کہ پیر صاحب کے مبارک قدموں کو آنکھوں سے لگاتے ہیں۔ علاوہ بریں پیر صاحب طبقۂ نسواں کو اپنے حلقہ میں بے پردہ داخل فرما کر رشد و ہدایت کرتے ہیں مذکورہ طبقہ بھی پیر صاحب کی قدمبوسی کا شرف حاصل کرتا ہے۔ ازاں بعد پیر صاحب اشغال ذکر میں مصروف کراتے ہیں۔ ہزاروں عورتیں بے پردہ حلقہ ذکر میں مستغرق ذکر ہو کر بیخود ہو جاتی ہیں۔ آیا یہ طریقۂ بیعت وطریقۂ ذکر جائز ہے یا نہیں؟

دیگر پیر صاحب خوان طعام ماحضر نوش فرماتے ہوئے گاہ گاہ اپنے مریدوں پر توجہ فرماتے ہوئے لقمہ دہان نکال کر مریدوں کے برتنوں میں ڈال دیتے ہیں۔ لقمۂ مذکور کو مریدان بہترین نعمت سمجھ کر نوش کرتے ہیں۔ اس قسم کی حرکت پیر کے لئے جائز ہے یا نہیں؟

پرچہ ہذا جو اس میں ملفوف ہے، اس قسم کے مضامین بڑھا چڑھا کر مشتہر کرنا جائز ہے یا نہیں؟

المستفتی نمبر ۲۶۳ سید افضل صاحب (میسور اسٹیٹ) ۲۱ جمادی الثانی ۱۳۵۵ھ مطابق ۲۸ جولائی ۱۹۳۶ء

(۶۱) **جواب** - بیعت توبہ کا طریقۂ مسنونہ یہ ہے کہ مرشد لوگوں سے اس بات پر بیعت لے کہ وہ گناہوں سے

اجتناب کریں گے اور فرائض الٰہیہ بجالاتے رہیں گے۔ نیز لازم ہے کہ مرشد خود بھی سنت نبویہ کا متبع ہو اور کوئی امر قصداً سنت کے خلاف نہ کرے۔ پس پیری مریدی اگر اس حد تک محدود رہے تو وہ صحیح اور جائز ہے۔ اور اگر اس حد سے متجاوز ہو مثلاً مرشد خود ہی بے شرع ہو۔ سنت کے خلاف اعمال کرتا ہو۔ مریدوں کو بھی اتباع شریعت اور پیروی سنت کی تلقین نہ کرتا ہو، گناہوں سے بچنے کی ہدایت نہ کرتا ہو۔ ان سے کوئی ٹیکس وصول کرتا ہو، عورتوں کو بے پردہ سامنے آنے دیتا ہو۔ ان سے پاؤں دبواتا ہو۔ یا بے پردہ حلقۂ ذکر عورتوں کا منعقد کرتا ہو تو ان حالات میں بیعت اور پیری مریدی ناجائز ہے۔

اگر پیر صاحب نے یہ طریقہ بنالیا ہو کہ نیک متبع شریعت مریدوں کی درخواست کے بغیر اپنے منہ کا لقمہ نکال کر ان کے آگے کھانے میں ڈال دیتے ہیں تو یہ ناجائز اور بد تہذیبی ہے۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہٗ دہلی

سوال

ایک شخص مولانا تھانوی علیہ الرحمۃ سے بیعت ہے۔ اور ان کی رحلت کے بعد اس نے ان کے ایک خلیفہ مجاز سے تجدید بیعت کر رکھی ہے۔ ایسی صورت میں وہ اس بات کے بھی خواہشمند ہیں کہ ان حضرات کے سیاسی عقیدے کے خلاف کانگریس میں شریک ہو جائیں اور کانگریسی یا کانگریس کی بعض دیگر ہم خیال و ہمنوا جماعتوں میں سے کسی کے امیدوار کو الیکشن میں ووٹ دے۔ پس کیا ایسا کرنے سے بیعت فسخ ہو جائے گی؟

المستفتی محشر حسینی (ضلع بلیا) ۲۰ محرم ۱۳۶۵ھ

(۶۲) **جواب**۔ سیاسی معاملہ بیعت سے علیحدہ ہے۔ مرشد کے خلاف رائے دینے سے بیعت پر کوئی اثر نہیں پڑتا مگر جب کہ مرشد اس بات سے منع نہ کرے اور ناراض نہ ہو۔ اور اگر وہ منع کرے اور ناراض ہو تو پھر اس کے خلاف کرنا مضر ہوگا۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہٗ۔ دہلی

(۶۳) **جواب دیگر**۔ برادر مکرم السلام علیکم۔ آپ کا خط موصول ہوا۔ کثرت مشاغل کی وجہ سے جواب میں تاخیر ہوئی۔ امید کہ معاف فرمائیں گے۔ آپ کے سوالات کے مختصر جواب تحریر کرتا ہوں۔ کیونکہ تفصیل بہت زیادہ وقت چاہتی ہے۔

(۱) پیر کی حیثیت ایک استاد کی ہے۔ اگر استاد کی ہر شخص کو ضرورت ہے تو پیر کی بھی ہر شخص کو ضرورت ہے۔ پیر اخلاق رذیلہ کو دور کرنے اور اخلاق حسنہ کو حاصل کرنے کے طریقے تعلیم کرتا ہے اور ان طریقوں پر عمل کرنے کے راستے بتاتا ہے۔ (۲) تمام ان لوگوں کو پیر کی ضرورت ہے جو مذکورہ بالا باتیں خود نہ کر سکیں۔ اور اس لئے کہ استاد کے ذریعے سے تحصیل

معارف آسان ہوتی ہے۔ (۳) میں بھی ایک مرشد سے بیعت رکھتا ہوں۔ اب ان کا وصال ہو چکا ہے۔ (۴) ہاں بزرگوں اور اولیاء اللہ سے کرامتیں ظاہر ہوتی ہیں۔ مگر یہ ضروری نہیں کہ بزرگوں سے کرامتیں ضرور ظاہر ہوں اور ایسے پیر بھی ہو سکتے ہیں جو اپنی روحانی قوت سے مرید کی قلبی کثافتیں دور کر دیں۔ (۵) موجود ہوں گے۔ اگرچہ ہمیں معلوم نہ ہوں۔ جیسے یہ ممکن ہے کہ بدخشاں کے پہاڑوں میں لعل موجود ہوں لیکن ان کا علم نہ ہو (۶) بزرگوں و اولیاء اللہ کی حقیقی پہچان مشکل ہے۔ ظاہری پہچان اتباع سنت ہے۔ جو شخص جس قدر زیادہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت اور طریقوں کا متبع ہوگا اسی قدر زیادہ بزرگ ہوگا۔ (۷) میرے خیال میں آجکل تصفیۂ باطن کے لئے حضرت مولینا اشرف علی صاحب کی ذات گرامی مغتنم ہے۔ آپ قصبہ تھانہ بھون ضلع مظفر نگر میں قیام رکھتے ہیں۔ (۸) جبکہ کوئی شخص اس بات پر ایمان لائے کہ خدا ہے اور اس نے اپنی مخلوق کی ہدایت کے لئے پیغمبروں کو بھیجا ہے اور حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خدا کے سچے پیغمبر اور رسول تھے۔ قرآن پاک خدا کی کتاب ہے تو اس کے بعد قرآن پاک کے تمام احکام اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کا اتباع واجب ہونے میں کوئی شبہ اور تامل باقی نہیں رہتا۔ اور یہ سوال ہو سکتا ہے کہ پانچ نمازیں کیوں ہوئیں۔ یا ایک مہینے کے روزے کیوں ہوئے۔ یہ خدا کے احکام ہیں اور ہر شخص جو خدا رسول اور قرآن کو مانتا ہے اسے ان احکام کا ماننا لازم ہے۔ (۹) دنیاوی عیش و آرام حاصل کرنے سے اسلام نے منع نہیں کیا۔ اسلام صرف یہ چاہتا ہے کہ شریعت کے موافق عیش و آرام اٹھایا جائے۔ (۱۰) دنیا کی زندگی یقیناً فانی ہے۔ اس میں کسی کو ہمیشہ رہنا نہیں۔ اس کے بعد جس عالم سے سابقہ پڑنا ہے وہ باقی ہے۔ عقل مند کا فرض ہے کہ وہ فانی پر باقی کو قربان نہ کرے۔ شریعت کی متابعت اس عالم باقی کی بہتری کی کفیل ہے۔ اس کی فکر رکھنی اور ہمیشہ کا آرام حاصل کرنے کی سبیل پیدا کرنی عقل کا مقتضا ہے نہ کہ خلاف عقل۔ (۱۱) جن صاحب کا نام آپ نے تحریر فرمایا ہے، میرے خیال میں وہ ارشاد و ہدایت کے لئے منتخب کیے جانے کے لائق نہیں۔

محمد کفایت اللہ

سوال

(از اخبار الجمعیۃ دہلی مورخہ ۶ نومبر ۱۹۲۵ء)

هل یلزم لبیعۃ الطریقۃ للمشائخ المعروف بالقادریۃ والشاذلیۃ وغیرهما ویجب العمل بما یلقنه اهلا وان لم یدخل البیعۃ یخشی علیه سوء الخاتمۃ ؟

(ترجمہ) مشائخ طریقت کے جو سلسلے مشہور ہیں مثلاً قادریہ شاذلیہ وغیرہ تو کیا ان میں سے کسی سلسلے میں کسی مرشد سے بیعت ہونا اور مرشد کی ہر ہدایت پر عمل کرنا واجب ہے؟ اور اگر کوئی شخص کسی مرشد سے بیعت نہ ہو تو کیا سوء خاتمہ کا خطرہ ہے؟

(۶۴) **جواب**۔ لایلزم بیعۃ الرسمیۃ فی طریقۃ من طرق المشائخ. نعم تستحب فمن اتی بہا ودنی توفی اجرہا ومن لم یات بہا وسلک الطریق المستقیم اخذا من الکتاب والسنۃ وآداب السلف الصالحین لایخشی علیہ سوء الخاتمۃ. ھذا واللہ اعلم. محمد کفایت اللہ غفرلہ مدرسہ امینیہ

جواب۔ مشائخ طریقت کے مشہور و مروجہ سلسلوں میں بیعت ہونا (شرعاً) لازم نہیں ہے۔ ہاں مستحب ہے۔ تو جو شخص بیعت اختیار کرے اور کما حقہ عمل کرے تو ماجور ہوگا۔ اور جو بیعت اختیار نہ کرے مگر کتاب و سنت اور آداب سلف صالحین کے مطابق صراط مستقیم پر گامزن رہے اس کے سوئے خاتمہ کا خطرہ نہیں ہے۔ میری رائے تو یہی ہے۔ اور اللہ تعالیٰ سب سے زیادہ علیم و خبیر ہے۔ محمد کفایت اللہ غفرلہ

سوال

(از اخبار الجمعیۃ دہلی مورخہ ۱۶ جولائی سنہ ۱۹۳۴ء)

(۱) مرید کرنے یا مرید ہونے کے کیا معنی ہیں؟ (۲) مرید ہونے کے متعلق شریعت میں کوئی تاکید یا ہدایت ہے یا نہیں؟ (۳) کیا بیعت کرنا اور مرید ہونا دونوں ایک ہی طرح کا عمل ہے؟ (۴) اگر کوئی شخص بغیر مرید ہوئے مرجائے تو کیا آخرۃ میں اس کو کچھ نقصان پہونچے گا؟ (۵) اگر مرید ہونا لازمی ہے تو مرید کرنے کا حق کس کو ہے؟ (۶) مرید ہونے کے متعلق اگر مزید تفصیلات ہوں تو تحریر فرمائیے۔

(۶۵) **جواب** کسی بزرگ کے ہاتھ پر یہ معاہدہ کرنا کہ میں آئندہ معصیت نہ کروں گا اور تصفیۂ قلب کے لئے آپ کی ہدایات پر عمل کرونگا، اس کا نام بیعت کرنا یا مرید ہونا ہے۔ (۲) کوئی تاکید نہیں۔ صرف استحباب اور اولویت کا درجہ ہے۔ (۳) دونوں کا ایک ہی مطلب ہے۔ (۴) اگر وہ شریعت کے احکام کے مطابق عمل کرتا رہا تو اس کو صرف اس وجہ سے کہ وہ کسی کا مرید نہیں تھا کوئی نقصان نہیں ہوگا۔ (۵) لازمی تو نہیں مگر جائز ہے۔ اور مرید کرنے والا شخص واقف شریعت اور متبع سنت ہونا چاہیئے۔ (۶) عام طور پر لوگ ایسے پیروں کے مرید ہو جاتے ہیں جن کے افعال صریحاً خلاف شریعت ہوتے ہیں۔ مثلاً پیر صاحب نماز نہیں پڑھتے۔ یا نشہ استعمال کرتے ہیں۔ یا اور اسی قسم کی خلاف شرع حرکات کے مرتکب ہوتے ہیں۔ اور لوگ ان کو خدا رسیدہ سمجھتے ہیں۔ یہ سخت غلطی ہے۔ ایسے لوگوں کا مرید ہونا ناجائز ہے۔ پیر کو عالم متقی متبع سنت پابند شریعت ہونا چاہیئے۔

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ

سوال

(از اخبار الجمعیۃ دہلی مورخہ ۲۰ جولائی ۱۹۳۶ء)

یہاں چاٹگام کے قریب ایک قریہ ہے جس میں ایک بزرگ کا درگاہ ہے جس کا نام مجھبنڈار شریف رکھا گیا ہے اور جو بزرگ درگاہ میں ہیں اس کا نام مولانا مولوی احمد اللہ شاہ تھا جو عرصہ بیس سال قبل ان کا انتقال ہوا۔ اور آج ان کا خلیفہ جانشین خود کا لڑکا مولوی غلام الرحمن ہے جو ہمیشہ مست رہتا ہے۔ چلم حقہ خوب پیتا ہے۔ کھانا پینا کبھی کبھی کھاتا پیتا ہے۔ مگر غسل وضو کبھی نہیں کرتا۔ ہاتھ منھ بھی نہیں دھوتا۔ بالکل مادر زاد برہنہ رہتا ہے۔ اس کی اولاد بھی ہے۔ لوگ مرد و عورت سب اس کے لئے اور درگاہ کے لئے سجدہ کرتے ہیں۔ اور عورتیں بھی اس کے ستر کو دیکھتی ہیں۔ چند مولوی حضرات جو اس کے خلیفہ ہیں مثلاً مولوی امین الحق فرہادآبادی و مولوی عبدالسلام وغیرہ کہتے ہیں کہ سجدہ کرنا بزرگان دین کے لئے جائز ہے۔ اس کے اکثر مرید مالدار ہیں مگر بے نماز ہیں۔ زکوٰۃ بھی نہیں نکالتے۔ ہر سال چندہ کرکے عرس منایا جاتا ہے۔ اس میں ہزاروں مرد و عورت تماشا کے لئے جمع ہوتے ہیں۔ طوائفیں بھی آتی ہیں۔ خوب ناچ گانا ہوتا ہے۔ زائرین قربانیاں نذر و نیاز کے نام سے لاکر ذبح کرتے ہیں۔ ذبح کے وقت بسم بنداری یا بسم احمد اللہ پڑھتے ہیں۔ پھول ہار سے مزین کرکے ذبح کرتے ہیں کہتے ہیں جنہوں نے چالیس بار زیارت کیا وہ حج کا ثواب ہوگا۔ اس لئے اکثر لوگ حج کو نہیں جاتے وغیرہ

(۶۶) **جواب** وضو و غسل نہ کرنا۔ نماز روزہ زکوٰۃ اور فرائض شرعیہ ادا نہ کرنا اور اپنے لئے سجدہ کرانا اور جانوروں کو غیر اللہ کے نام پر ذبح کرنا یا کرانا اور رنڈیوں کو ناچ گانے کی اجازت دینا اور فواحشات کا مرتکب ہونا یہ تمام افعال حرام اور سخت کبائر اور موجبات فسق ہیں۔ اور ان کو حلال سمجھنا کفر ہے۔ یہ لوگ جو ان فواحش کے مرتکب اور ذمہ دار ہیں زندیق ہیں۔ ان کے حلقۂ بیعت میں داخل ہونا حرام ہے۔ غیر اللہ کو سجدہ کرنا شریعت محمدیہ میں ہرگز مباح نہیں۔ آیات سجدۂ ملائکہ اور سجدۂ برادران حضرت یوسف علیہ السلام امم سابقہ کے واقعات ہیں۔ اور امم سابقہ کے احکام ہمارے لئے اس وقت حجت ہوتے ہیں جبکہ ہماری شریعت میں اس کے خلاف حکم نہ آیا ہو اور ظاہر ہے کہ شریعت محمدیہ میں سجدۂ غیر اللہ کی حرمت اور ممانعت صراحۃً موجود ہے۔ اگر غیر اللہ کو سجدۂ عبادت کیا جائے تو کفر ہے اور سجدۂ تحیۃ ہو تو حرام اور موجب فسق ہے۔

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ

فصل دوم، ریاضت

سوال

کیا از روئے قرآن کریم یا احادیث صحیحہ مراقبہ یعنی چند آدمیوں کا اندھیرے میں بیٹھ کر مسجد کے ایک پہلو میں کچھ پڑھنا یا امام صاحب کا ان پر توجہ ڈالنا یا منھ پر کپڑا ڈال کر کسی کا تصور باندھ کر کچھ وظائف وغیرہ پڑھنا جائز ہے؟ کیا رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی اس طرح کا فعل کیا یا کرنے کا حکم دیا ہے؟

المستفتی نمبر ۵۴۸ رحیم بخش (آبادان ایران) ۲۲ ربیع الثانی ۱۳۵۴ھ مطابق ۲۴ جولائی ۱۹۳۵ء

(۶۷) **جواب** مراقبہ اور اسی قسم کے اور افعال جو مشائخ کے یہاں تزکیۂ نفس اور ریاضت کے سلسلے میں معمول ہیں بشرطیکہ ان میں کوئی ناجائز چیز شامل نہ ہو مباح ہیں۔ وہ فی حد ذاتہ مقاصد میں داخل نہیں ہیں۔ بلکہ اصل مقصود یعنی تذکر قلب یا تخلیۂ رذائل یا تحلیہ بالفضائل کے ذرائع میں سے ہیں۔ پس اگر کوئی انھیں عمل میں نہ لائے یا ان کو نہ مانے تو اس پر کوئی شرعی مواخذہ نہیں۔ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم یا صحابۂ کرام سے ان اعمال کی موجودہ مروجہ شکلیں ثابت نہیں۔ ہاں اصولاً یہ چیزیں شریعت کے دائرہ کے اندر ہیں بشرطیکہ بتانے والا شیخ عالم متقی اور متبع سنت ہو۔

محمد کفایت اللہ

سوال

آجکل عموماً جتنے پیر و مرشد ہوا کرتے ہیں وہ مرید کرنے کے بعد مرید کو پہلے وظائف بتلاتے ہیں اور پھر کہتے ہیں کہ میری صورت کا تصور کرو۔ اور اپنی صورت کو وسیلہ قرار دیتے ہیں ذات باری جل شانہ کے تصور کا۔ اب دریافت طلب یہ امر ہے کہ آیا رہبر کی صورت کا تصور جائز ہے یا ناجائز۔ اگر جائز ہے تو اس میں کچھ ثواب ہے یا نہیں۔ اور یہ کہ اگر مرید کا جام عمر اس صورت میں لبریز ہو گیا تو کیا اس کی موت صورت پرستی پر ہو گی؟

المستفتی نمبر ۷۷۷ سید حمید شاہ (پامرو، ضلع کسٹبنا) یکم ذی الحجہ ۱۳۵۴ھ مطابق ۲۵ فروری ۱۹۳۶ء

(۶۸) **جواب** ۔ تصور کا مطلب صرف اس قدر ہے کہ مرشد کا خیال پیش نظر رہے تاکہ منہیات کے ارتکاب سے احتراز کرنا آسان ہو۔ اس سے زیادہ اس کی کوئی وقعت نہیں۔ اور عبادت مثلاً نماز کے اندر یہ تصور اور خیال بھی نہ ہونا چاہئے۔ نماز میں تو تعبد اللہ کانک تراہ کی تعلیم ہے۔ یعنی یہ خیال رہے کہ میں اللہ تبارک و تعالیٰ کے حضور میں اور اس کے سامنے ہوں اور گویا اس کو دیکھ رہا ہوں۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ

سوال

(از اخبار الجمعیۃ دہلی مورخہ ۲۴ جون ۱۹۳۷ء)

تصور شیخ جو کہ اکثر مشائخ اپنے مریدوں کو تلقین کرتے ہیں مراقبہ میں یا نماز میں جائز ہے یا نہیں؟ خصوصاً جب کہ اللہ کے ذکر کے ساتھ ہو۔

(۶۹) **جواب**۔ تصور کا مسئلہ تصوف کا مسئلہ ہے۔ صوفیہ اس کو توحید خیال کے لئے مفید سمجھتے ہیں لیکن نماز کی حالت میں اصول فقہیہ کی رو سے اس کی اجازت دینی مشکل ہے۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہٗ

تیسرا باب

متفرقات

سوال

چار پانچ ڈاڑھی منڈے بے نماز زنانی و مردانی مجلسوں میں بیٹھ کر نعت خوانی و غزل خوانی اور منڈھا خوانی نہایت خوش الحانی سے کرتے ہیں اور ایسے اشعار پڑھتے ہیں جن میں اللہ تعالیٰ کی توہین ہوتی ہے۔ مثلاً "اللہ کے پلے میں سوائے وحدت کے رکھا ہی کیا ہے۔ ہمیں جو کچھ لینا ہے وہ سرکار محمد سے لے لیں گے۔" وغیرہ ایسی مجلسوں میں شرکت جائز ہے یا نہیں۔ المستفتی نمبر ۳۳ ۲۳ جمادی الاخری ۱۳۵۳ھ مطابق ۴ اکتوبر ۱۹۳۴ء

(۷۰) **جواب** یہ اشعار جو سوال میں مذکور ہیں سخت ملحدانہ اور عوام مسلمین کی گمراہی کا باعث ہیں۔ اور اس قسم کی غزل خوانی جس کو نعت خوانی کے نام سے مشہور کیا جاتا ہے درحقیقت شریعت اور پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کی توہین ہے۔ اور عورتوں کے مجمع میں نوجوان مردوں کا خوش الحانی سے گانا موجب شیوع فسق ہے۔ لہٰذا یہ تمام باتیں جو سوال میں مذکور ہیں ناجائز و حرام ہیں۔ اور بعض تو زندقہ و الحاد میں داخل ہیں۔ مسلمانوں کو ایسی مجالس سے بچنا فرض ہے۔ محمد کفایت اللہ

سوال

ایک بزرگ، عالم باعمل اہل سنت والجماعت ذکر الٰہی میں ہمیشہ مشغول رہتے ہیں۔ سنت جناب رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر قربان و فدا اور بدعات سے نہایت متنفر اور بیزار۔ اہل اسلام کو ذکر الٰہی کرنے کی

ترغیب وہدایت دیتے ہیں۔ جن کے وعظ وہدایت سے ایک گروہ اہل اسلام نماز پنجگانہ نوافل و تہجد و ذکر و شغل رابطہ مراقبہ محاسبہ میں مشغول ہے اور شریعت جناب سرور عالم محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر قائم۔ اگر کوئی شخص یا بہت سے آدمی ان کے اس گروہ یاد الٰہی کرنے والوں کی خواہ مخواہ مخالفت کریں یا ان پر استہزا کریں تو عند الشرع ان پر کیا حکم ہوگا۔

جو شخص اپنے آپ کو مسلمان اور مقلد ظاہر کرے اور علم تصوف سے منکر ہو یا علم تصوف اور صوفیوں اور ذکر الٰہی کرنے والوں کو حقیر جانے اس پر کیا حکم ہے؟

(۱۷) **جواب**۔ جو لوگ کہ احکام شرعیہ کے پابند اور سنت نبویہ علی صاحبہا افضل الصلوۃ والتحیۃ کے موافق عامل اور ذکر و اشغال مشروعہ میں مشغول رہتے ہیں ان کی توہین و تذلیل کرنا یا استخفاف و استہزا سے پیش آنا اگر ان کے عمل واتباع شریعت و امتثال احکام الٰہیہ و نبویہ کی وجہ سے ہو تو بے شک و شبہ کفر ہے۔ کیونکہ وہ درحقیقت شریعت بیضاء و سنت غرا کا استخفاف ہے جس کے کفر ہونے میں کوئی شبہ نہیں ترك السنن فان راٰها حقاً اثم والا كفر (در مختار) قوله والا كفر اى بان استخف فيقول هى فعل النبى صلى الله عليه وسلم وانا لا افعله الخ (رد المحتار) وفى العقائد النسفية والاستهزاء على الشريعة كفر انتهى بالخصوص کسی بزرگ عالم کی توہین یا تذلیل کرنا بہت سخت گناہ ہے۔ عن ابى امامة مرفوعاً ثلاثة لا يستخفهم الا المنافق ذو الشيبة فى الاسلام وذو العلم وامام مقسط رواه الطبرانى فى الكبير انتهى (كذا فى مجموعة الفتاوى) وفيها نقلاً عن البزازية الاستخفاف بالعلماء لكونهم علماء استخفاف بالعلم والعلم صفة الله تعالى منحه فضلا على خيار عباده ليدلوا خلقه على شرعه نيابة عن رسله فاستخفافه بهذا يعلم انه من يعود۔ انتهى

علم تصوف جسے علم اخلاق و علم القلب کہا جاتا ہے شرعی علوم میں داخل ہے اور اس میں سے اتنی مقدار کا سیکھنا جس کے ذریعے سے اپنے رذائل باطنیہ کا ازالہ اور اخلاق و ملکات نفسانیہ کے استعمال محرم سے اجتناب ہو سکے لازم ہے۔ فى تبيين المحارم لا شك فى فرضية علم الفرائض الخمس وعلم الاخلاص لان صحة العمل موقوفة عليه وعلم الحلال والحرام وعلم الرياء لان العابد محروم من ثواب عمله بالرياء وعلم الحسد والعجب اذ هما ياكلان العمل كما تاكل النار الحطب الخ (رد المحتار) وقال فى رد المحتار لما علمت ان علم الاخلاص والعجب والحسد والرياء فرض عين ومثلها غيرها من آفات النفوس كالكبر والشح والحقد والغش والغضب والعداوة والبغضاء والطمع والبخل والبطر و

الخیلاء والخیانۃ والمداھنۃ والاستکبار عن الحق والمکر والمخادعۃ والقسوۃ وطول الامل ونحوھا مما ھو مبین فی ربع المھلکات من الاحیاء قال فیہ ولا ینفک عنھا بشر فیلزمہ ان یتعلم منھا ما یری نفسہ محتاجا الیہ وازالتھا فرض عین. الخ (ردالمحتار) ہاں صوفیہ کے اذکار و مراقبات وغیرہ کا علم جو زائد از حاجت ہو وہ فرض و واجب نہیں. مگر مستحب ضرور ہے. پس اس علم کو مطلقاً برا کہنے والا فاسق ہے اور استخفاف و استہزا میں خوف کفر ہے۔

سوال

ایک شخص نے جو اپنے آپ کو طبقہ فقرا میں سے بتاتے ہیں اپنی قوم کی اصلاح کا بیڑا اٹھایا ہے اور ایک پمفلٹ شائع کیا ہے جس میں مندرجۂ ذیل امور پر نفیاً و اثباتاً روشنی ڈالی ہے۔

(۱) نسل و خاندان پر فخر و غرور زمانہ جاہلیت کی یادگار ہے اور اسلام نے پتھر کے بتوں کی طرح اس کو بھی توڑا ہے۔

(۲) فقرا کو چاہئے کہ وہ سستی کاہلی بے علمی جمود اور نشہ بازی کی عادتوں کو ترک کر دیں۔

(۳) جو فقرا لوہا پہنتے، سینگ بجاتے، ماتھے پر بصورت الف ٹیکا لگاتے، بدن پر راکھ ملتے اور لنگوٹا باندھ کر برہنہ رہتے ہیں وہ گنہ گار ہیں اور اسلامی تعلیمات کے خلاف جا رہے ہیں۔

(۴) فقیروں کو نفس کشی کے بہانے گداگری کرنا اور مرید بنا کر لوگوں کو خلاف سنت اعمال کی ترغیب دینا، عقل و خرد رکھتے ہوئے اپنے آپ کو ملنگ کہنا منع ہے۔

(۵) السلام علیکم کے بجائے یا علی مدد اور وعلیکم السلام کے بجائے مولی علی مدد کہنا ناجائز ہے۔

(۶) ڈھولک سارنگی کے ساتھ گانا سننا اسلامی تعلیم کے خلاف ہے۔

(۷) فقیری کو ایک مستقل پیشہ بنانا سخت معیوب ہے۔

(۸) فقرا کا فرض ہے کہ اپنے بچوں کی تعلیم کے لئے مدرسے کھولیں اور ان میں مذہبی تعلیم کا انتظام کریں۔ ان مدارس میں دستکاری کی تعلیم بھی دی جائے۔

(۹) فقرا کو صرف خدا ہی کا محتاج ہونا چاہئے۔

(۱۰) فقرا صرف خدا سے لو لگائیں۔ اسی ذات کو مستعان اور حاجت روا سمجھیں۔

(۱۱) شادیوں میں گانٹھ رنگ وغیرہ ترک کر دیئے جائیں۔

(۱۲) بارات میں ناچ رنگ اور تاشہ باجہ ممنوع ہیں۔

(۱۳) رخصت کے وقت لوگوں کو جہیز وغیرہ نہیں دکھانا چاہئے۔

(۱۴) جالا گونہ وغیرہ قابل ترک ہیں کھانے کی جو رسم جھوٹ کے نام سے موسوم ہے ترک کر دینی چاہئے۔

(۱۵) غمی کے موقع پر تعزیت کنندگان کے لئے پان حقہ اور کھانا مہیا کرنا قابل ترک ہے۔

(۱۶) تیجہ دسواں چہلم وغیرہ رسوم کا ترک کرنا مستحسن ہے۔

صاحب رسالہ نے مندرجۂ بالا امور لکھے ہیں وہ از روئے شرع شریف صحیح ہیں یا نہیں اور فقرا کو ان پر عمل کرنا چاہئے یا نہیں؟

المستفتی نمبر ۵۰۳ محمد عمر علی قصبہ پلکھوہ ضلع میرٹھ۔ ۲۳ ربیع الاول ۱۳۵۴ھ مطابق ۲۶ جون ۱۹۳۵ء

(۷۲) **جواب** ۔ یہ تمام امور صحیح ہیں اور شرع شریف کی تعلیم کے مطابق ہیں۔ پہلے نمبر کا مطلب ہے کہ نسل اور خاندان پر تکبر اور ایسا فخر کرنا جس سے دوسرے مسلمانوں کی توہین ہوتی ہو ناجائز ہے۔ اور باقی سب نمبر درست ہیں۔ محمد کفایت اللہ

سوال

جاہل آدمی عارف ولی ہو سکتا ہے یا نہیں؟ اور اگر قسمت کی تیزی سے ہو جائے تو اس کو علم لدنی حاصل ہونا ضروری ہے یا نہیں؟

المستفتی نمبر ۹۴۴ محمد مقصود احمد خاں (تانبوے)۔ ۲۹ صفر ۱۳۵۵ھ مطابق ۲۱ مئی ۱۹۳۶ء

(۷۳) **جواب** ۔ عرفی طور پر جاہل آدمی یعنی لوگ جس کو جاہل سمجھتے ہوں وہ ولی ہو سکتا ہے اور ولایت کے لئے جس قدر علم ضروری ہے وہ خداوند تعالیٰ اس کو عطا فرما دیتا ہے۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہٗ

سوال

کیا مرنے کے بعد کسی ولی کی کرامت ماننا کفر ہے؟

المستفتی نمبر ۹۵۷ مولوی عبدالحلیم (ضلع پشاور) ۴ ربیع الاول ۱۳۵۵ھ مطابق ۲۶ مئی ۱۹۳۶ء

(۷۴) **جواب** ۔ ولی کی کرامت بعد موت بھی ممکن ہے۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہٗ

سوال

(۱) اذان کے درمیان جب مؤذن اشہد ان محمداً رسول اللہ کہتا ہے تو نام مبارک محمد پر سامعین اپنے دونوں ہاتھوں کے ابہام کو چوم کر آنکھوں پر رکھتے ہیں۔ یہ جائز ہے یا نہیں؟

المستفتی نمبر ۱۲۸۳ محمد گھوڑ دخاں صاحب (ضلع دھارواڑ) ۱۹ شوال ۱۳۵۵ھ مطابق ۳ جنوری ۱۹۳۷ء

(۷۵) **جواب** آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا نام نامی سننے پر ابہام کو چومنا اور آنکھوں سے لگانا سنت نہیں ہے۔ حضور

صلی اللہ علیہ وسلم نے کوئی ایسا حکم نہیں دیا اور نہ صحابہ کرام سے یہ عمل عامۃً ثابت ہوا۔ ہاں مسند فردوس دیلمی ہے ایک روایت اس کے متعلق نقل کی گئی وہ روایت ضعیف ہے۔ بعض بزرگوں نے اس عمل کو آنکھیں نہ دکھنے کے لئے مؤثر بتایا ہے تو اگر کوئی شخص اس کو سنت نہ سمجھے اور آنکھوں کے نہ دکھنے کے لئے بطور ایک علاج کے عمل کرے تو اس کے لئے فی نفسہ یہ عمل مباح ہوگا۔ مگر لوگ اس کو شرعی چیز اور سنت سمجھ کر کرتے ہیں اس لئے اس کو ترک کر دینا ہی بہتر ہے۔ تاکہ لوگ التباس میں مبتلا نہ ہوں۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ دہلی

سوال

جو شخص کسی پیر کا مرید ہوا اور اس کا شجرہ دوسرے گاؤں کو رہ گیا ہو اور اس شخص کا دوسری جگہ انتقال ہو جائے تو اس شجرہ کو کیا کرنا چاہئے۔ بعض کہتے ہیں کہ بعد میں اس قبر پر تھوڑا کھود کر اس میں دفن کر دینا چاہئے۔

المستفتی نمبر ۱۳۷۶ شیخ اعظم شیخ معظم ملاجی صاحب (مغربی خاندیس) ۲۷ ذی الحجہ ۱۳۵۵ھ مطابق ۱۱ مارچ ۱۹۳۷ء

(۷۶) **جواب۔** شجرہ کو قبر میں دفن کرنا ناجائز ہے۔ انتقال کے بعد شجرہ کسی دوسرے شخص کے کام میں آجائے گا۔

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ دہلی

سوال

زید بعمر ۷۵ سال ایک مستند عالم فاضل اجل مدرسہ عربیہ دیوبند کا قدیم سند یافتہ حافظ قاری حاجی سلسلہ عالیہ نقشبندیہ مجددیہ کا کامل مکمل بزرگ متبع سنت کہ شاید اس کی نظیر متقدمین میں ہی ملے۔ زہد و اتقا میں آپ اپنی نظیر۔ صحبت ایسی بابرکت اور پر اثر کہ بہت سے نسبت مجددیہ سے سرشار ہو کر سلوک ختم کر چکے۔ اور بفضلہ تعالیٰ اشاعت طریقہ میں مشغول ہیں۔

ایک عورت مسماۃ خالدہ بعمر ۳۰ سال، انگریزی تعلیم یافتہ جدید تہذیب و تمدن کی دلدادہ۔ اس کی اپنے خاوند سے اس بنا پر نا چاقی ہو گئی کہ وہ قادیانی مذہب پر تھا۔ خالدہ کو بھی مجبور کرتا تھا کہ قادیانی مذہب اختیار کرے۔ خاوند نے خالدہ کو میکہ پہنچا دیا اور کہہ دیا کہ میرے یہاں آنے پر تجھ کو طلاق ہے بلکہ اس کو لکھ دیا۔ خالدہ نے میکے آکر زید کی صحبت اختیار کی اور مرید ہو گئی۔ زید کی صحبت اور توجہ کا خالدہ پر یہ اثر ہوا کہ انگریزی تہذیب و تمدن غائب ہو گیا۔ خالدہ پر اب زید کی جدائی شاق ہے۔ معمولاتِ طریقت پر حسب ہدایت سختی سے پابند ہے۔ زید کی ہر خدمت مثلاً وضو کا پانی دینا، سوتے میں پنکھا جھلنا، غسل کرانا، کپڑے سینا سب کچھ اپنے ذمہ لے لیا ہے۔ زید کو بھی اس سے مثل بیٹی کے ایسی ہی محبت ہے چنانچہ زید اس کو بیٹی ہی کہتا اور لکھتا ہے۔ پردہ نہیں ہے چنانچہ جہاں جاتا ہے خالدہ بھی ساتھ جاتی ہے۔ کھانا بھی ساتھ کھاتے ہیں۔ ایک ہی کمرے میں سوتے ہیں حتیٰ کہ زید

کبھی اپنے ہاتھ سے خالدہ کے مونہہ میں لقمہ بھی دیتا ہے۔ خالدہ کی یوماً فیوماً استقامت شریعت ترقی پذیر ہے۔ سلوک قریب الختم ہے۔ لباس اور ہر چیز مطابق شریعت وطریقت ہے۔

لوگ ان تعلقات پر انگشت بدنداں ہیں۔ زید یہ جواب دیتا ہے کہ میری عمر تقریباً ۷۰ سال ہو چکی ہے۔ شہوانی خیالات کا مجھ پر اثر بھی باقی نہیں ہے۔ میں جو کچھ کرتا ہوں حسبۃً للہ خالدہ کی تکمیل کے واسطے کرتا ہوں۔ کوئی وجہ معلوم نہیں ہوتی کہ زید اس امر میں کذب کا مرتکب ہو۔ نہ ان امور کو پوشیدہ رکھتا ہے۔ خالدہ کے خاندان کے سب لوگ موجود ہوتے ہیں۔ دلیل میں پارہ ۱۸ کی آیت حجاب (غیر اولی الاربۃ) اور حدیث جابر حجۃ الوداع واقعہ فضل بن عباس اور حدیث ام ہانی فتح مکہ بیان کرتا ہے۔

اگر ان امور میں شرعی حرمت یا عدم جواز ہے تو زید و خالدہ کے باطنی امور سلب ہو جانے چاہئے تھے۔ مگر ایسا نہیں ہے۔ بلکہ جملہ مشاغل شرعی ترقی پذیر اور صحبت و توجہ میں اثر بدستور ہے۔ المستفتی نمبر ۱۲۷۸ حکیم عبدالقدیر خاں۔ بہرائچ۔ مورخہ ۲۴ ستمبر ۱۹۳۴ء

(۷۷) **جواب**۔ آپ کی تحریر سے معلوم ہوتا ہے کہ خالدہ ابھی تک منکوحہ عورت ہے۔ اس کے شوہر نے اس کو میکے پہنچا دیا ہے اور یہ کہہ دیا ہے یا لکھ دیا ہے کہ اگر تو میرے یہاں آئی تو تجھ کو طلاق ہے۔ اور سوال سے یہ معلوم نہیں ہوا کہ اس کے بعد خالدہ زوج کے یہاں گئی اور مطلقہ ہو گئی۔ پس اگر وہ اب تک منکوحہ عورت ہے تو اس کو اپنے خاوند کی اجازت کے بغیر میکے کے سوا کسی دوسری جگہ رہنا ہی جائز نہیں۔ پھر منکوحہ غیر منکوحہ کے امتیاز سے قطع نظر کرتے ہوئے بھی وہ اپنے مرشد زید کی غیر محرم ہے۔ غیر محرم عورت کا مرشد کے ساتھ ایک حجرے میں تنہا رہنا، سونا، زید کا اس کے مونھ میں لقمہ دینا۔ یہ سب باتیں باوجود بدظنی نہ کرنے کے بھی قانون شریعت کے خلاف ہیں۔ اور قانون شریعت کی خلاف ورزی مرشد کے لئے دوسروں سے زیادہ قابل گرفت ہے۔ کیونکہ اس کا فعل دوسروں کے لئے حجت ہوتا ہے۔ اور نفس پرست اس سے اپنی بوالہوسی کے لئے استدلال کر سکتا ہے۔

رہی یہ بات کہ اگر یہ امور خلاف شریعت ہیں تو زید و خالدہ کے باطنی امور سلب ہو جانے چاہئے تھے مگر ہم دیکھتے ہیں کہ ایسا نہیں ہے۔ تو اس کا جواب یہ ہے کہ اگر ہم یہ فرض کرلیں کہ ان کے باطنی امور سلب نہیں ہوئے تو یہ بات بھی ہمارے جواب پر اثر انداز نہیں ہو سکتی کیونکہ جواب قانون شرع پر مبنی ہے اور سلب ہونا نہ ہونا معاملہ خداوندی پر موقوف ہے جو علیم بذات الصدور ہے۔ ایک شخص قانون کی رو سے ملزم اور عنداللہ بری ہو سکتا ہے جیسے منصور حلاج۔ اور اگر ہم اسے تسلیم ہی نہ کریں کہ ان دونوں کے باطنی کمالات سلب نہیں ہوئے تو یہ بھی درست ہے۔ کیونکہ ہمارے پاس علم بالباطن کا کوئی ذریعہ نہیں ہے۔ وما ادریک ان اللہ اکرمہ۔ واللہ لا ادری وانا رسول اللہ ما یفعل بی۔ ہم تو اس کے مکلف ہیں کہ کسی شخص کے اعمال کو اسوۂ حسنہ اور سیرۃ مقدسہ جناب خاتم المرسلین رحمۃ للعلمین کی کسوٹی پر جانچیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان یہ ہے۔ لا یخلون رجل بامرأۃ الا کان ثالثہما الشیطان۔ اور حضور کا عمل یہ ہے۔ واللہ ما مست یدہ ید امرأۃ قط یعنی تمام عمر حضور نے عورتوں کو بیعت کرتے وقت بھی عورت کے ہاتھ کو اپنا دست مبارک نہیں لگایا صلی اللہ علیہ وسلم۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ۔ دہلی

سوال

متعلق وظائف ماثورہ وغیر ماثورہ

(۷۸) **جواب**۔ جو وظائف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول ہیں ان کو اسی ثابت شدہ ترکیب و ترتیب سے پڑھنا چاہئے اس میں برکت اور امید قبولیت ہے۔ اور جو وظائف حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول نہیں ان میں اختیار ہے جس طرح چاہے پڑھے۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ

سوال

متعلقہ التزام وظائف اجتماعاً

(۷۹) **جواب**۔ نماز عشاء کے بعد روزانہ درود شریف پڑھنے کو لازم کر لینا بھی درست نہیں۔ جو لوگ فارغ ہوں اور اپنی خوشی اور اخلاص سے پڑھنا چاہیں وہ پڑھیں۔ اور جو نہ پڑھنا چاہے اس پر کوئی دباؤ اور جبر نہ کیا جائے۔ درود شریف کا دم کیا ہوا پانی پینا ہر شخص پر لازم نہ کریں۔ جو پینا چاہے پئے۔ نہ پینا چاہے نہ پئے۔ اس کو برا بھی نہ کہا جائے اور نہ کوئی بدگمانی کی جائے۔ وظیفہ کے شمار کے لئے پتھر کی کنکریاں ہوں یا بادام ہوں دونوں برابر ہیں۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ دہلی

سوال

اکثر مولود خواں صاحبان معراج مبارک کے واقعات میں یہ بات بیان کرتے ہیں کہ جب رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم معراج میں تشریف لے گئے اور براق پر سوار ہونے لگے تو براق نے شوخی کرنا شروع کی اس وقت حضرت غوث پاک محی الدین جیلانی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی گردن مبارک حضور کے قدم کے نیچے رکھ دی۔ اس وقت آپ براق پر سوار ہو گئے اور آپ نے فرمایا کہ جیسا میرا قدم تیری گردن پر ہے ویسا ہی تیرا قدم کل اولیاء اللہ کی گردن پر ہو گا۔ کیا یہ روایت صحیح ہے؟

المستفتی نمبر ۱۶۱۱ نذیر احمد عزیز احمد ریاست ریواں ۱۰ جمادی الاول ۱۳۵۶ھ مطابق ۱۹ جولائی ۱۹۳۷ء

(۸۰) **جواب**۔ یہ قصہ بے اصل ہے۔ اس کی کوئی معتبر سند اور ثبوت نہیں۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ

سوال

سماع متعارف یعنی قوالی مع مزامیر ڈھول طبلہ ستار سارنگی وغیرہ محرمات شرعیہ کے ساتھ از روئے شرع خواص و عوام کے لئے جائز ہے یا نہیں؟

(۸۱) **جواب**۔ قوالی اور مزامیر اور ڈھول طبلہ سارنگی وغیرہ سب شرعاً ممنوع اور بدعت ہیں۔ کل بدعۃ ضلالۃ۔ بدعت کو رواج دینے والا اور اس میں شریک ہونے والا اور سننے والا سب فاسق ہیں۔ التغنی باللھو معصیۃ فی جمیع الادیان وعلل بانہ یجمع الناس علی ارتکاب کبیرۃ کذا فی العینی علی الھدایۃ۔ وفی الحدیث نھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عن الصوتین الاحمقین النائحۃ والمغنیۃ کذا فی الھدایۃ ص ۱۴۶۔ قال رحمہ اللہ تعالی السماع والقول والرقص الذی یفعلہ المتصوفۃ فی زماننا حرام لایجوز القصد الیہ والجلوس علیہ وھو والغناء والمزامیر سواء۔ کذا فی الھندیۃ۔ واللہ اعلم بالصواب۔

کتاب التفسیر والتجوید

پہلا باب
آیات کی تشریح
سوال

ولو علم اللہ فیھم خیرا لاسمعھم ولو اسمعھم لتولوا وھم معرضون ○

اگر اللہ جانتا ان میں بھلائی تو ان کو سناتا اور اگر ان کو سنا دیتا تو بھاگتے منہ پھیر کر۔

اللہ تعالیٰ ان کو سمجھاتا اور سناتا اور پھر بھی وہ نہ سنتے اور نہ سمجھتے اور بھاگ جاتے، یہ عقل میں نہیں آتا۔ اس سے قلب پر یہ اثر ہوتا ہے کہ گویا اللہ تعالیٰ کا یہ کہنا ہے کہ میں کیا ان کو سناتا۔ میرا سنانا بے کار ہے۔ اگر میں ان کو سناتا تو بھی وہ نہ سنتے اور منہ پھیر کر بھاگ جاتے۔ اس آیت کے صحیح مطلب سے آگاہ فرمائیں تاکہ یہ اثر رفع ہو۔ فقط۔

المستفتی نمبر ۲۳۸۴ ایس۔ محمد اسماعیل صاحب۔ صدر بازار (دہلی) ۲۷ رجمادی الاول ۱۳۵۷ھ مطابق ۲۶ جولائی ۱۹۳۸ء

(۸۲) **جواب**۔ آیت کے شان نزول میں یہ مذکور ہے کہ مشرکین نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے مطالبہ کیا تھا کہ اگر آپ سچے پیغمبر ہیں تو قُصَیٰ کو زندہ کیجئے (قصی عرب کے ایک جد اعلیٰ کا نام ہے)۔ قصی بڑا اچھا اور مبارک آدمی تھا۔ اگر وہ زندہ ہو کر آپ کی نبوت کی تصدیق کرے۔ اور ہم خود ان کی تصدیق ان کی زبانی سن لیں تو آپ کی نبوت پر ایمان لائیں گے۔

اس مطالبے کے جواب میں یہ آیت کریمہ نازل ہوئی۔ حضرت حق جل مجدہ نے ارشاد فرمایا کہ اگر اللہ تعالیٰ جانتا کہ ان کے دل میں خیر ہے اور وہ ایمان لانے کے لئے تیار ہیں تو ان کو قصی کی زبان سے تمہاری نبوت کی تصدیق سنا دیتا مگر چونکہ اللہ تعالیٰ کے علم میں ان کے دل میں خیر نہ تھی اور اللہ تعالیٰ جانتا تھا کہ ان کا یہ مطالبہ خلوص پر مبنی نہیں ہے اگر قصی زندہ ہو کر بھی حضور کی نبوت کی تصدیق کر دے اور یہ لوگ قصی کو زندہ دیکھ لیں اور اس کی زبان سے تصدیق نبوت سن لیں جب بھی ایمان نہ لائیں گے۔ اس لئے حضرت حق نے ان کا مطالبہ پورا نہ کیا اور قصی کی زبان سے ان کو تصدیق نبوت نہیں سنائی) اور اگر وہ باوجود ان کی بدنیتی اور خبث باطن کے علم کے ان کو قصی کی زبان سے تمہاری نبوت کی تصدیق سنا بھی دیتا تو اس کا بھی نتیجہ یہی ہوتا کہ ایمان نہ لاتے اور اعراض کرتے اور پشت پھیر کر بھاگ جاتے۔

اس شان نزول کے واقعہ کو پیش نظر رکھ کر آیت کریمہ کا مطلب اور مضمون سمجھنے میں کوئی دشواری

اور پریشانی باقی نہیں رہتی۔ اس کے علاوہ اور بھی توجیہ ہے۔ مگر مسلمانوں کے اطمینان قلب کے لئے یہ کافی ہے، جو میں نے ذکر کردی۔ فقط محمد کفایت اللہ کان اللہ لہٗ۔ دہلی۔

سوال

ایک عالم مندرجۂ ذیل آیت میں انما کے معنی اس طرح کرتا ہے۔ قل إِنَّمَا انا بشر مثلکم۔ کہہ دو تحقیق نہیں ہوں میں بشر مانند تمہارے۔ ایک بار نہیں بلکہ بار بار وہ عالم یہی کہتا ہے کہ انما کے معنی ہیں تحقیق نہیں۔ اب سوال یہ ہے کہ (۱) انما کے صحیح معنی کیا ہیں مدلل بیان فرمائیں۔ (۲) اور ایسا شخص جو انما کے معنے "تحقیق نہیں" کرتا ہے شریعت کی طرف سے اس پر کیا حکم وارد ہوتا ہے۔ نیز ایسے شخص کی امامت جائز ہے یا نہیں؟ (۳) جو مسلمان ضد اور ہٹ سے یہ کہیں کہ ہمارے عالم کے معنی (تحقیق نہیں) ہی صحیح ہیں اور ہم یہی مانیں گے ان کے لئے شریعت کا حکم واضح فرمایا جائے۔

المستفتی نمبر ۲۴۰۹ حکیم محمد صادق صاحب۔ سیالکوٹ۔ ۷ رجب ۱۳۵۷ھ مطابق ۳ ستمبر ۱۹۳۸ء

(۸۳) **جواب**۔ یہ ترجمہ غلط ہے اور قرآن پاک کے مفہوم کی تحریف ہے۔ انما کلمۂ حصر ہے جس کے ترجمہ کا حاصل یہ ہوتا ہے کہ جس جملہ پر یہ داخل ہو اس میں خبر یا مسند کا مبتدا یا مسند الیہ کے لئے ثبوت لازم اور ضروری ہوتا ہے جیسے قرآن مجید میں ہے انما ھو الٰہ واحد۔ ھو کی ضمیر کا مرجع اللہ ہے۔ اور معنی یہ ہوئے ضروری طور پر اللہ تنہا معبود ہے۔ اور دوسری جگہ فرمایا انما إِلٰھُکُم إِلٰہ واحد۔ یعنی ضروری طور پر تمہارا معبود ایک ہے۔ اس کلمہ کا ترجمہ اہل علم 'جز این نیست' کے ساتھ کرتے تھے۔ ایسے ہی آیت کریمہ انما انا بشر مثلکم کا ترجمہ یہ ہے۔ ضروری طور پر میں بشر ہوں مثل تمہارے۔ یعنی بشریت میں تمہاری طرح ماں باپ سے پیدا ہوا ہوں۔ کھاتا پیتا سوتا جاگتا بول و براز کرتا۔ بولتا چالتا۔ چلتا پھرتا ہوں۔

اس لفظ میں ما نفی کے معنی نہیں دیتا۔ ورنہ انما ھو الٰہ واحد کے معنی یہ ہو جائیں گے تحقیق نہیں وہ (یعنی اللہ) ایک معبود۔ اور انما الٰھکم الٰہ واحد کے معنی یہ ہوں گے تحقیق نہیں معبود تمہارا ایک معبود۔ اور یہ دونوں معنی کفر کو مستلزم ہیں۔ پس جو شخص کہ انما انا بشر مثلکم کا ترجمہ یوں کرتا ہے کہ تحقیق نہیں میں بشر مانند تمہارے وہ قرآن مجید کی تحریف کرتا ہے۔ اس کی امامت بھی درست نہیں۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہٗ۔ دہلی۔

سوال

آیات ذیل کا مطلب وضاحت کے ساتھ مع اس کی تفسیر کے بیان فرمائیں۔

(۱) وآت ذاالقربیٰ حقه والمسکین الخ (۲) وبالوالدین احسانا وبذی القربیٰ والیتامیٰ و المساکین الخ (۳) واذا حضر القسمه اولوا القربیٰ والیتامیٰ والمساکین فارزقوهم منه وقولوا لهم قولاً معروفا۔ (۴) وآت ذاالقربیٰ حقه والمسکین وابن السبیل ولا تبذر تبذیراً

اب یہ عام بات ہے کہ غیر لوگ آتے ہیں زکوٰۃ خیرات چندہ وغیرہ خوشامد درآمد سے وصول کر لیتے ہیں اور دینے والے صاحب یہ فرماتے ہیں کہ اگر ہمارا نام صف اول میں ہوگا تو ہم اور دیں گے۔ مگر اپنے عزیز ان کا منہ دیکھتے رہتے ہیں حالانکہ صاحب مال کو یہ معلوم رہتا ہے کہ ہمارے عزیز قرضدار ہیں، ضرورتمند ہیں، لیکن وہ ان کو خیال میں نہیں لاتے۔ حالانکہ جو پوزیشن خاندانی ان کی ہے وہی ان کی ہے۔ فرق اتنا ہے وہ صاحب مال ہیں اور یہ بے مال وزر ہیں۔ شرم و حیا کے مارے زبان سے کچھ نہیں کہہ سکتے۔ کیونکہ ان کو حقیر سمجھا جاتا ہے دعا سلام میں گریز کیا جاتا ہے۔ اگر کسی رشتہ دار کو ملازم رکھ لیں تو اس کے ساتھ ایسا سلوک کیا جاتا ہے کہ غیر ملازمان سے بھی نہیں کرتے۔ اس پر بھی بس نہیں بلکہ تا توطعن و تشنیع وغیرہ سے بھی گریز نہیں کرتے۔ کلاں ہوں یا خورد سب ہی سے ایک طرح کا ہی برتاؤ کرتے ہیں۔ کیا اسلام کے لوگوں نے یہی معنی اخذ کئے ہیں؟

نوٹ۔ صاحب مال کو چاہئے کہ وہ خود اپنے عزیزوں کو جو کچھ دینا ہے دے۔ یا ضرورتمند کو چاہئے کہ وہ سوال کرے، حالانکہ صاحب مال جانتا ہے؟

المستفتی نمبر ۲۷۰۲ محمد سرور ولد حمید اللہ صاحب (جہلم) ۱۷ محرم ۱۳۶۱ھ مطابق ۴ فروری ۱۹۴۲ء

(۸۴) **جواب**۔ ان آیات کریمہ میں ذوی القربیٰ اور مساکین اور مسافر کا ذکر ہے۔ ذوی القربیٰ سے کنبہ کے لوگ مراد ہیں۔ قریب و بعید ہونے کے لحاظ سے ان کے درجات مختلف ہیں۔ ان کے حقوق بھی مختلف ہیں۔ بعض کے حقوق مؤکد اور مقدم ہیں اور بعض کے مستحب اور مؤخر ہیں۔ مثلاً مستطیع پر اس کی اولاد اور ماں باپ کا نفقہ واجب ہے مگر ایسے شخص پر جو یا تو اولاد کو نفقہ دے سکتا ہے یا ماں باپ کو یعنی دونوں کو دینے کی استطاعت نہیں رکھتا اولاد کا نفقہ مقدم ہے۔

صدقات واجبہ یعنی زکوٰۃ۔ فطرہ۔ عشر۔ کفارہ۔ اپنے اصول و فروع کو نہیں دے سکتا۔ ان کے علاوہ باقی تمام قرابت داروں کو، جبکہ وہ مسکین ہوں، دے سکتا ہے۔ بلکہ اجنبی مسکینوں سے ان کا حق مقدم ہے۔

صاحب مال کو جب علم ہو کہ اس کے کنبے میں غریب اور حاجتمند لوگ ہیں تو اس کو خود ان کو دینا چاہئے۔ ان کے مانگنے کا انتظار نہ کرنا چاہئے۔ ضروری نہیں ہے کہ یہ ان کو زکوٰۃ یا صدقہ جتا کر دے۔ بلکہ جتا کر نہ دینا ہی

بہتر ہے۔ کیونکہ زکوۃ۔ صدقہ۔ خیرات کا نام سن کر وہ قبول کرنے سے احتراز کریں گے۔

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہٗ۔ دہلی۔

سوال

قرآن شریف میں حضرت آدم علیہ السلام کے واقعہ میں مذکور ہے کہ ابلیس کو جب اللہ تعالیٰ نے یہ فرمایا "ان عبادی لیس لک علیھم سلطان" اور خود ابلیس کا اقرار بھی ہے کہ لاغوینھم اجمعین الا عبادک منھم المخلصین۔ حضرت آدم و حوا علیہما السلام کے مخلصین میں سے ہونے میں شک نہیں۔ اور صراحۃً یہ بھی مذکور ہے کہ ابلیس نے دونوں کو بہکایا۔ مثلاً فازلھما الشیطان وغیرہ۔ اس سے من وجہ سلطان اور اغوا بھی ثابت ہوتا ہے۔ ان آیات کا تعارض رفع فرمائیں۔

المستفتی نمبر ۲۷۸۳ مولوی عبدالحمید۔ مہتمم مدرسہ رشیدیہ لدھیانہ۔ مورخہ ۱۵ نومبر ۱۹۳۳ء

(۸۵) **جواب**۔ قرآن مجید میں اِنَّ عِبَادِیْ لَیْسَ لَکَ عَلَیْھِمْ سُلْطَانٌ۔ اس بارے میں صریح ہے کہ شیطان کا مقربین و مخلصین پر قابو اور غلبہ نہیں ہوتا۔ بہکانا یا بہکانے کی کوشش کرنا منفی نہیں ہے۔ اور لَاُغْوِیَنَّھُمْ اَجْمَعِیْنَ اِلَّا عِبَادَکَ مِنْھُمُ الْمُخْلَصِیْنَ میں استثنا دراصل لاغوینھم سے نہیں ہے بلکہ اس کے مطاوع سے ہے۔ تقریر عبارت کی یوں ہے۔ لَاُغْوِیَنَّھُمْ اَجْمَعِیْنَ فَیَکُوْنُوْنَ مِنَ الْغَاوِیْنَ اِلَّا عِبَادَکَ مِنْھُمُ الْمُخْلَصِیْنَ۔ مگر چونکہ مطاوع مذکور نہیں (گو مراد ہے) اس لئے مستثنیٰ کا اعراب نصب لایا گیا۔

حضرت آدم علیہ السلام سے جو لغزش ہوئی وہ ابلیس کے سلطان اور قابو پانے سے نہیں ہوئی۔ بلکہ نسیاناً ہوئی جس کی شہادت قرآن مجید میں موجود ہے۔ وَلَقَدْ عَھِدْنَا اِلٰٓی اٰدَمَ مِنْ قَبْلُ فَنَسِیَ وَلَمْ نَجِدْ لَہٗ عَزْمًا۔ فَاَزَلَّھُمَا میں شیطان کی طرف نسبت اس کی سعی اور کوشش کے اظہار کے لئے کی گئی ہے کہ اس نے ایڑی چوٹی کا زور لگایا مگر آدم پر قابو نہ پا سکا۔ لیکن آدم سے نسیاناً وہ فعل سرزد ہو گیا جو شیطان چاہتا تھا۔　　محمد کفایت اللہ کان اللہ لہٗ

سوال

(اخبار الجمعیۃ مورخہ ۱۳ نومبر ۱۹۳۴ء)

(۱) یٰعیسیٰ انی متوفیک ورافعک الی ومطھرک الخ اس آیت میں متوفیک کے کیا معنی ہیں؟

(۲) مرج البحرین یلتقین ٥ بینھما برزخ لایبغیان ٥ یخرج منھما اللؤلؤ والمرجان ٥ ایک مولوی صاحب نے آیات مذکورہ کی تشریح میں بحوالہ تفسیر روح البیان یہ بیان کیا ہے کہ اول سے مراد حضرت علی کرم اللہ وجہہ حضرت

فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا ہیں۔ اور آیت ثانی کا تعلق حضرت حسن و حضرت حسین رضی اللہ عنہما سے ہے۔ کیا یہ صحیح ہے؟

(۸۶) **جواب**۔(۱) آیت شریفہ کے معنی یہ ہیں کہ اے عیسیٰ میں ہی تم کو وفات دینے والا ہوں یہود تم کو قتل نہیں کر سکتے جب وفات کا وقت آئے گا تو میں تم کو قبض کرونگا اور تم کو اپنی طرف اٹھاؤنگا اور تم کو کفار کی تہمت سے پاک کرونگا

(۲) یہ مطلب لغت اور محاورے کے لحاظ سے نہیں بلکہ ایک تخیل ہے جو کسی طرح حجت نہیں ہو سکتا۔

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ

سوال

(از اخبار سہ روزہ الجمعیۃ دہلی مورخہ ۲۸ جنوری ۱۹۳۵ء)

(۱) کیا کلام پاک کی کوئی آیت منسوخ الکلام بھی ہے؟ یعنی ایک مرتبہ ایک بات کا حکم صادر ہوا ہو اور پھر دوسرے موقعہ پر کلام پاک ہی میں اس کی تردید کردی گئی ہو۔ (۲) قانون مذہب اسلام کی بنیاد عقل پر ہے یا محض اعتقاد پر؟

(۸۷) **جواب**۔(۱) ہاں بعض آیتیں ایسی ہیں جن کا حکم موقت تھا اور دوسری آیت کے نازل ہو جانے سے سابقہ آیت کا حکم مرتفع ہو گیا۔ یہ بات نہیں کہ کوئی حکم دیا گیا تھا اور اس کی تردید کردی گئی۔ بلکہ سابقہ حکم اسی وقت تک کے لئے تھا جب تک دوسری آیت نازل ہو۔ (۲) اسلامی قانون کی بنیاد قرآن پاک اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات و تعلیمات پر ہے۔ اور تمام اسلامی قانون مقتضائے عقل کے موافق ہے۔ اسلام کا کوئی مسئلہ عقل صحیح و رائے سلیم کے خلاف نہیں۔ البتہ بعض مسائل ایسے دقیق ضرور ہیں کہ عقل کی وہاں تک رسائی نہیں، مگر یہ بات نہیں کہ عقل ان کے خلاف کوئی دلیل قائم کر سکتی ہے۔ جیسے محسوسات میں بعض جرم ایسے ہیں کہ قوت بصارت ان کے ادراک سے قاصر ہے مگر ان کا وجود صحیح و ثابت ہے۔ اور خوردبین کے ذریعے سے وہ دیکھے جا سکتے ہیں ایسے ہی معقولات میں بعض مسائل ایسے باریک ہیں کہ عقل بغیر الہام یا وحی کی خوردبین کے انھیں دریافت نہیں کر سکتی

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ۔ دہلی

دوسرا باب

رموز اوقاف

سوال

ایک شخص اپنے کو قاری وواقف تجوید بتاتا ہے مگر وقت تلاوت قرآن مجید اوقاف پر وقف نہیں کرتا بلکہ آیات وطلق وغیرہ حتی کہ رکوع پر نیز اختتام سورت پر بھی وقف نہیں کرتا۔ برابر اعراب کے ساتھ پڑھے جاتا ہے۔ جب ہم لوگوں نے اس کے متعلق کہا کہ متقدمین ومتاخرین نے یہ علامتیں مقرر کی ہیں تم اس کے خلاف ہو، تو اس کے جواب میں قاری صاحب نے یہ کہا کہ اول تو صحت لفظ آخر حرف کی حرکت سے ہو جائے گی۔ دوسرے علم تجوید دنیا سے مفقود کے قریب ہو چکا ہے۔ صحیح ہم پڑھتے ہیں۔ سویم یہ کہ قرآن پڑھنے والا مسافر ہے کہ اس کو اپنی منزل پر پہنچنا ہے۔ لہذا اگر تھکا نہ ہو تو اور تھوڑا راستہ طے کرے۔ اگر قاری وقف کریگا تو راستہ طے نہ ہوگا اور اگر برابر چلا جائے گا تو زیادہ تلاوت کرے گا ہاں سانس ٹوٹ جائے تو وہیں وقف کرنا اولی واجب ہے ورنہ اور سب فضول ہے۔ وقف لازم وغیرہ کسی وقف کے کرنے کی ضرورت نہیں۔ لہذا غور وخوض سے جواب عنایت فرمائیں۔

(۸۸) **جواب.** شخص مذکور فی السوال کا قول غلط ہے اور اس کی تمام دلیلیں باطل ہیں۔ آیات قرآن مجید توقیفی ہیں ان پر وقف کرنا عین اتباع ما نزل ہے۔ بعض مقامات میں وقف کرنا ضروری ہے کیونکہ وقف نہ کرنے سے معنی فاسد ہو جاتے ہیں یہ کہنا کہ وقف نہ کرنے سے آخر حرف کی صحت حرکت ہو جائے گی غلط ہے۔ کیونکہ وقف کے موقع پر وقف کرنا ہی صحیح ہے۔ نہ کرنے سے اختلال نظم واقع ہوگا۔ نیز وقف کرنا بھی عرب عرباء کی اسالیب کلام میں داخل ہے۔ پس اسالیب عربیت کی رعایت نہ کرنے کا نام صحت رکھنا ناواقفیت کا نتیجہ ہے۔ اور یہ فرمانا کہ علم تجوید تقریباً مفقود ہو چکا ہے یہ بھی مغالطہ ہے۔ علم تجوید ویسا ہی موجود ہے جیسا پہلے تھا۔ اور اس کی کتابیں اور قواعد تجوید ان کتابوں میں موجود ہیں۔ اگر اس علم کے عالموں کا وجود کم بھی ہو تاہم علم کا فقدان غلط ہے۔ اوقاف کے قواعد کتب تجوید میں موجود ہیں جو شخص مذکور کی بات کی صریح تغلیط کرتے ہیں قرآن پڑھنے والے کا مثل مسافر کے ہونا مسلّم، لیکن یہ کون عقلمند کہہ سکتا ہے کہ مسافر کو حالت سفر میں ٹھہرنے اور توقف کرنے کے مواقع میں بھی ٹھہرنا نہ چاہئے۔ مثلاً کھانے پینے یا دیگر ضروریات کے لئے وغیرہ وغیرہ جو مواقع کہ وقف کے لئے مقرر کئے ہیں وہ وہی ہیں جہاں ٹھہرنا مناسب یا ضروری ہے۔ واللہ اعلم۔

سوال

اگر سانس ٹوٹنے یا کسی اور عذر کی وجہ سے غشاوۃ پر وقف کر دیا اور ولہم کو علیحدہ پڑھ دیا تو جائز ہے یا نہیں؟

المستفتی نمبر ۱۱۵۱ نذیر احمد (ضلع منٹگمری، پنجاب) ۱۰ جمادی الثانی ۱۳۵۵ھ مطابق ۲۹ اگست ۱۹۳۶ء

(۸۹) **جواب**. سانس ٹوٹنے یا کسی اور عذر سے غشاوۃ پر وقف کر دینا اور ولہم کو علیحدہ پڑھنے میں کوئی مضائقہ نہیں ہے۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہٗ دہلی

سوال

اگر کسی لفظ پر سانس ٹوٹ جائے اور وہاں وقف نہ ہو تو اس لفظ کا دوبارہ لوٹانا کیسا ہے؟

(۹۰) **جواب**. سانس ٹوٹ جائے تو اس لفظ کو جس پر سانس ٹوٹا ہے اور وقف نہیں ہے، دوبارہ پڑھ لینا بہتر ہے۔

(۹۱) **جواب** (از استفتاء دیگر) سانس ایسی جگہ ٹوٹ جائے کہ وہاں وقف نہ ہو تو اوپر سے ملا کر پڑھنے میں کوئی مضائقہ نہیں ہے۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہٗ

تیسرا باب
مخارج حروف

سوال

(۱) حرف ضاد کا مشتبہ الصوت بظا جو کہ اکثر کتابوں میں اور زندہ قاریوں کے فتاوے میں مصرح ہے تو اس کا مطلب یہ ہو سکتا ہے کہ صوت صفاتی میں تشابہ ہے۔ سننے میں ظا کی آواز کے مشابہ نہ ہوگا۔ اس دعوی میں یہ بھی دلیل پیش کرتے ہیں کہ مفتی کفایت اللہ صاحب استاد کل ہیں۔ تشابہ کے قائل ہیں اور اس کا قرات یہ تھا کہ اس کا ضاد سننے میں ظا کے ہرگز قریب نہ تھا۔

(۲) حرف ضاد اگر سننے میں نہ دال ہو نہ دال مفخم ہو نہ دال کے مشابہ ہو نہ مخلوط بدال ہو نہ مشابہ بالظا ہو بلکہ مستقل صوت ہو یہ صحیح ہے۔

(۳) فتاوی سعدیہ صفحہ ۲۴ میں مفتی سعد اللہ فرماتے ہیں کہ "حال دال وضاد مثل صاد صالحات و

طائے طالحات کہ ہر کسے فرق بینہما بلا مشقت حاصل تواں کرد وزبان وقت ادائے ہر یکے بر دیگرے لغزش نہ کند نیست الخ" اس کا مطلب کیا ہے؟ یہ ضاد صحیحہ اور دال کے درمیان کی نسبت کا ذکر ہے یا ضاد غیر صحیحہ اور دال کے درمیان ہے؟

(۴) مولانا رشید احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ دالِ پُر خود کوئی مستقل حرف نہیں بلکہ وہی ضاد ہے۔ ضاد کے ہی مخرج سے پورے طور ادا نہ ہوا تو کیا ان کے کلام سے کہ وہی ضاد ہے یہ ثابت ہو سکتا ہے کہ ضاد جو کہ سمع میں دال کے مشابہ ہے اور ظا کے مشابہ نہیں صحیح ہے؟ (فتاوی رشیدیہ حصہ سوم ص ۹۳ و ۹۴)

(۵) دال پُر کی آواز میں پڑھنے والے کی نماز صحیح لکھا ہے۔ قاری کا نماز بھی اس کے پیچھے صحیح لکھا ہے۔ قصد وغیر قصد کا ذکر نہیں۔ اس کی وضاحت فرما دیں۔

المستفتی نمبر ۳۳ خان محمد بنوی متعلم مدرسہ امینیہ دہلی ۱۰ جمادی الاول ۱۳۵۲ھ مطابق ۲ ستمبر ۱۹۳۳ء

(۹۲) **جواب**۔(۱) کتب تجوید میں جو لکھا ہے اور قرائے موجودین جو فرماتے ہیں کہ ضاد صفات میں ظا کے مشابہ ہے یہ صحیح ہے مگر ظاہر ہے کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ ضاد مستقل اور ظا سے جداگانہ حرف ہے۔ ادا کے وقت سماع میں بھی اس کو ظا سے علیحدہ آواز میں مسموع ہونا چاہئے۔ یہ دوسری بات ہے کہ اس کی آواز میں ظا کی آواز کے ساتھ مشابہت پائی جائے۔ جس آواز کو دال مفخم کی آواز سے تعبیر کیا جاتا ہے یہ محض برائے تفہیم ہے ورنہ دال مفخم کوئی حرف نہیں اور نہ اس کی کوئی آواز ہے۔ ضاد کی ادا دو قسم کی آواز سے کی جاتی ہے۔ ایک آواز تو بالکل ظا کی آواز ہوتی ہے۔ اور دوسری وہ آواز ہے جو نہ ظا کی طرح ہے نہ دال کی طرح۔ اس کو بوجہ اس کے مستقل نام نہ موجود ہونے کے دال مفخم کی آواز سے بغرض تفہیم تعبیر کر دیتے ہیں۔ وہ ضاد ہی کی آواز ہے جو مختلف ادا کرنے والوں کی قوت ادا کے اختلاف کی وجہ سے بیشمار مراتب و مدارج رکھتی ہے۔ بعض مراتب میں وہ صحیح ضاد اور بعض میں اقرب الی الصحۃ اور بعض میں قریب الی الصحۃ اور بعض میں غلط اور بعض میں اقرب الی الغلط ہو جاتی ہے۔ مگر بہر صورت وہ ضاد ادا کرنے کی نیت سے ادا کی جائے تو اقرب الی الصواب ہے۔

(۲) بیشک ضاد مستقل حرف ہے اور اس کے لئے مستقل صوت ہے۔ نہ وہ دال ہے نہ ظا۔ اور جسے دال مفخم کی آواز کہا جاتا ہے وہ ضاد کو ادا کرنے کی نیت سے مستقل آواز ہے جو دال سے بالکل جدا ہے۔ اور صفات ظا کی حامل ہے۔

(۳) یہ عوام کے ضاد اور دال کے متعلق بیان کیا گیا ہے کہ وہ بسا اوقات اس کو دال خالص کی آواز سے ادا کرتے ہیں۔ بالخصوص جبکہ وہ کلمہ کا ابتدائی حرف ہو اور مکسور ہو۔ مثلاً ضِدًّا کہ عوام اس کو خالص دِدًّا پڑھ دیتے ہیں۔

(۴-۵) حضرت مولانا رشید احمدؒ کا یہ فرمانا کہ دال پُر کوئی حرف نہیں ہے صحیح ہے۔ اور جس آواز کو دال پر کی آواز سے تعبیر کیا جاتا ہے وہ دال نہیں ہے بلکہ ضاد ہے جو اپنے مخرج سے پورا ادا ہونے کی صورت میں صفات ظا کا حامل ہوتا ہے اور نہ ہونے کی صورت میں اس کو تفہیم کے لئے دال پُر سے تعبیر کیا جاتا ہے کیونکہ اس آواز کو اور کسی لفظ سے تعبیر کرنا دشوار تھا۔ ایسے شخص کی اپنی نماز بھی صحیح ہے اور اس کی اقتدا بھی درست ہے۔ اور اگر کوئی قاری مجود ضاد کو اپنے صحیح مخرج سے ادا کرے اور بوجہ صفات ظا کا حامل ہونے کے اس کی آواز ظا کے مشابہ مسموع ہو وہ بھی درست و صحیح ہے۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہٗ

سوال

حرف ضاد کو مشابہ ظا پڑھنا درست ہے یا دال پُر پڑھنا درست ہے۔ نیز کس طرح ادائیگی سے نماز درست ہوگی اور کس طرح ادائیگی سے فاسد ہوگی؟

المستفتی ۲۸۴ قاری امیر احمد صاحب۔ امام مسجد مورسرائے دہلی ۲۹ محرم ۱۳۵۳ھ مطابق ۱۴ مئی ۱۹۳۴ء

جواب (از قاری محی الاسلام پانی پتی) حرف ضاد اکثر صفات میں ظا سے مشابہ ہے۔ لیکن مخرج میں ظا سے قطعاً جدا اور صفت استطالہ کی بنا پر صفۃً بھی ممتاز ہے۔ صحیح یہ ہے کہ ضاد کو حافۂ لسان یعنی زبان کی کروٹ اور اضراس سے ادا کیا جائے۔ اس کی صورت میں تشابہ بالظا ضرور ہوتا ہے مگر عینیت نہیں ہوتی۔ ضاد کے ادا کرنے والوں کی کئی حالتیں ہیں۔ بعض آدمی اس کو اس کے مخرج سے برعایت صفات صحیح ادا کرتے ہیں اور بعض غلط۔ ان میں سے جو لوگ ادا پر قادر نہیں ہوتے یا ان کو سکھانے والا نہیں ملتا وہ معذور ہیں۔ اور جو لوگ صحیح ادا کر سکتے ہیں مگر نہیں کرتے یا سیکھ سکتے ہیں مگر نہیں سیکھتے وہ خاطی ہیں۔ غلط پڑھنے والوں میں سے بعض آدمی زبان کی نوک اور سامنے کے دانتوں کے سر (یعنی ظا کے مخرج) سے ادا کرتے ہیں جو عین ظا ہو جاتا ہے یہ غلط ہے۔ اور بعض آدمی زبان کی نوک اور سامنے کے دانتوں کی جڑ (یعنی دال کے مخرج) سے ادا کرتے ہیں۔ یہ دال بن جاتا ہے جو غلط تر ہے اگرچہ پر ہو۔ خلاصہ یہ کہ ضاد صحیح ایک ممتاز حرف ہے مگر ظا سے صفاتی تشابہ ضرور رکھتا ہے۔ اور دال سے اس کو بہت بعد ہے۔ یہ حضرات علما بتلا سکتے ہیں کہ نماز کس سے درست ہوتی ہے اور کس سے غلط۔ واللہ اعلم بالصواب

خاکسار ابو محمد محی الاسلام عفی عنہ پانی پتی۔ دولت خانہ حضرت مولانا قاری محمد اسحٰق صاحب مدظلہ دہلی۔ ۲۸ محرم ۱۳۵۳ھ۔ ما اجاب المجیب اللبیب فہو حق صحیح و بالقبول حقیق۔ احقر محمد اسحٰق عفی عنہ میرٹھی۔ مہر

(۹۳) **جواب**۔ از حضرت مفتی اعظم۔ جو لوگ قصداً خالص ظا پڑھیں یا خالص دال پڑھیں ان کی نماز

نہیں ہوگی اور جو ادائے صحیح کا قصد کریں مگر صحیح ادا نہ کر سکنے کی وجہ سے مشابہ بظا مسموع ہو یا دال پُر سنائی دے ان دونوں کی نماز درست ہو جاتی ہے۔ مشابہ بظا پڑھنے والوں کی ادا اقرب الی الصحۃ ہے۔

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہٗ

الجواب صحیح حبیب المرسلین عفی عنہ۔ نائب مفتی مدرسہ امینیہ دہلی۔

جواب از مولوی قاری سید طاہر حسن۔ امام عیدگاہ دہلی - حرف (ض) کے متعلق ایک فتوی اور بھی ہو چکا ہے جو جمعیۃ القراء والحفاظ دہلی کی جانب سے شائع ہوا ہے۔ جس پر اکثر و بیشتر علماء و قراء کے مفصل بیان اور دستخط ثبت ہیں۔ وہ قابل ملاحظہ ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ اس کو مخرج سے ادا کرنا نہایت مشکل ہے۔ جن حضرات سے اس کا مخرج پورا ادا نہ ہو ان کو اہل فن سے حاصل کرنا ضروری ہے۔ باوجود کوشش کے پھر بھی ادا نہ ہو سکے تو معذوری خیال کی جائے گی اور نماز درست ہو جائے گی۔ احقر الزمن سید طاہر حسن عفی عنہ شاہی امام عیدگاہ دہلی۔ ۲۹ محرم ۵۳ھ

الجواب صحیح۔ احقر محمد یوسف عفی عنہ۔ ناظم اعلیٰ جمعیۃ القراء والحفاظ دہلی۔

الجواب صحیح۔ حفیظ الدین احمد امام مسجد رنگریزاں۔ بارہ ہندو راؤ۔ دہلی۔

سوال

ضاد مشابہ بالصوت ظاء کے ہے یا مشابہ بالصوت دال کے۔ کس صورت میں نماز فاسد ہوگی۔ مولنا عبدالحی لکھنوی فتاوی جلد اول صفحہ ۱۹۵ پر لکھتے ہیں کہ "مشابہ بالدال پڑھنے سے نماز باتفاق علما فاسد ہو جاتی ہے اور مشابہ بظا پڑھنے سے اکثروں کے نزدیک فاسد نہیں ہوتی" یہ صحیح ہے یا نہیں؟

المستفتی نمبر ۲۹۳ مولوی محمد سعید (سکھر ضلع اٹک) ۱۴ صفر ۱۳۵۳ھ مطابق ۲۹ مئی ۱۹۳۴ء

(۹۴) **جواب**۔ ضاد جب اپنے مخرج سے صحیح ادا ہو تو وہ ظا کے مشابہ ہوتا ہے۔ لیکن عام طور پر جو دال پُر کے مشابہ ادا کرتے ہیں یہ اسی ضاد کی بگڑی ہوئی ادا ہے۔ اور جو لوگ کہ بالکل ظا کی آواز سے پڑھ دیتے ہیں وہ بھی صحیح نہیں۔ لہذا دال پُر کی آواز سے پڑھنے والے اور مشابہ بظا پڑھنے والے دونوں کی نماز صحیح ہو جاتی ہے۔ اس میں جھگڑا فساد نہ کرنا چاہیئے۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہٗ

سوال

ضاد کو مشابہ بظا پڑھنے والے کے پیچھے نماز ہو جاتی ہے یا نہیں؟

المستفتی نمبر ۵۷۱ عبدالرشید (ضلع سلہٹ) ۱۱ جمادی الاول ۱۳۵۴ھ مطابق ۱۲ اگست ۱۹۳۵ء

(۹۵) **جواب**۔ جو لوگ کہ ضاد کو اس کے اصل مخرج سے ادا کرنے کی کوشش کرتے ہیں اور سننے والے ان کی ادا میں صوت مشابہ بظا سنتے ہیں ان کی ادا صحیح ہے۔ اور جو لوگ اصل مخرج سے ادا کرنے کی کوشش میں اس طرح پڑھتے ہیں کہ سننے والے کو دال مفخم کی آواز سنائی دیتی ہے یہ بھی درست ہے۔ وہ بھی ضاد ہی کی آواز ہے کیونکہ صرف دال میں درحقیقت تفخیم کی صلاحیت ہی نہیں ہے۔ مگر ان دونوں اداؤں میں وہ ادا جس میں صوت مشابہ بظا مسموع ہوتی ہے اقرب الی الصحۃ ہے۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ

سوال

حرف (ض) کو اگر صحیح طور پر ادا کیا جائے جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے قراء مجودین اور حفاظ متقنین کے صدور میں ہم تک پہونچا ہے تو اس کی آواز مانند آواز ظائے معجمہ کے ہوگی یا نہیں۔ نیز آجکل عام طور پر حرف (ض) کو دال مفخم یا مشابہ دال کے پڑھتے ہیں اور عوام کالانعام سے کیا شکایت بہت سے علماء و اتقیا بھی بلا دریغ بغیر تحقیق ہر ایک کے پیچھے نماز پڑھتے رہتے ہیں۔ موجودہ زمانے کے رسائل کو جب ہم نے غور سے مطالعہ کیا جیسا کہ رسالہ الاقتصاد فی الضاد یا الارشاد فی الضاد وغیر ذلک تو ہم نے بحوالہ کتب معتبرہ تجوید و فقہ و تفسیر و صرف کے مصرح پایا کہ حرف (ض) صحیح عربیہ صوت اور سمع میں ظاء کے مانند ہے اور عیر اس کے دال مفخمہ یا مشابہ دال کے جو کہ آجکل مروج ہے غلط اور لحن جلی قرار دیا ہے۔ برائے نمونہ عبارت جہد المقل نقل کی جاتی ہے۔ فان لفظت بالضاد فان جعلت مخرجھا من حافۃ اللسان مع ما یلیہا من الاضراس بدون اکمال حصر الصوت واغلبت لہا الاطباق والتفخیم الوسطین و التفشی القلیل فہذا ھو الحق المؤید بکلمات ائمۃ التجوید والتصریف فی کتبہم ویشبہ صوتہا حینئذٍ صوت الظاء المعجمۃ بالضرورۃ وماذا بعد الحق الا الضلال۔ اور جہد المقل کے منہیہ پر عبارت شعلہ (فارسی) کی یہ ہے:۔ وانا اقول لو کان حق اداء الضاد المعجمۃ کالدال المہملۃ المطبقۃ اوالدال الخالصۃ کما ھو الذائع بین اکثر الناس من الخواص والعوام فی زماننا ھذا یقدر علیہ الشارع فی اول الشروع ولا یتعسر علی احد فما اسعد زماننا بعد زمان صاحب الرعایۃ بثمان مائۃ وستین سنۃ۔ انتھی۔ اب ہم حیران ہیں کہ اگر دین کی کتابوں کو دیکھیں تو حرف (ض) صحیحہ عربیہ آواز میں مانند ظا کے معلوم ہوتا ہے۔ اور اگر چودھویں صدی کے عمل کو دیکھتے ہیں تو مشابہ دال کے پڑھتے ہیں۔ لہذا یہ بات قابل دریافت ہے کہ اگر ضاد مروجہ یعنی مشابہ دال کی صحت کسی کتاب میں کتب دین سے ہو تو براہ کرم نام کتاب مع عبارت درج استفتا فرمادیں اور اگر نہیں تو جو صحیح حرف ہے اس کی ترویج و اشاعت میں عضوا علیہا بالنواجذ کا

مصداق بن جائیں۔ حدیث میں ہے کہ جو شخص ایک سنت کو میری سنتوں میں سے بعد اماتت کے رائج کرے تو اس کے واسطے اتنا ثواب ہے۔

المستفتی نمبر ۸۱۱ سید خلیل احمد شاہ (ضلع مظفر گڑھ) ۲۰ ذی الحجہ ۱۳۵۴ھ مطابق ۱۵ مارچ ۱۹۳۶ء

جواب ۔(از مولنا غلام رسول بنوی)۔ ہو الموفق للصواب ۔ حرف (ض) کو اگر صحیح ادا کیا جائے تو ضرور اس کی آواز مانند آواز ظا کے ہوگی۔ کیونکہ ان سب میں باہم سخت مشابہت ہے۔ تفسیر کبیر جلد اول میں ہے ۔ والمختار عندنا ان اشتباہ الضاد بالظاء لایبطل الصلوۃ و یدل علیہ ان المشابھۃ حاصلۃ بینھما جدا والتمییز عسیر فوجب ان یسقط التکلیف بالفرق ۔ دوسری جگہ اس جلد میں ہے ۔ فثبت بما ذکرنا ان المشابھۃ بین الضاد والظاء شدیدۃ والتمییز عسیر فنقول لوکان ھذا الفرق معتبرا لوقع السوال عنہ فی زمان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اوفی ازمنۃ الصحابۃ لاسیما عند دخول العجم فی الاسلام فلما لم ینقل وقوع السوال عن ھذہ المسئلۃ علمنا ان التمییز بین ھذین الحرفین لیس فی محل التکلیف ۔ اور شیخ احمد مکی نے اپنے فتاوی میں لکھا ہے لو ابدل الضاد بغیر ظاء لم یصح قرائتہ قطعا فعلم من ھذا انہ لم یقع خلاف فی ابدالھا دالا کما وقع فی الظاء فالنطق بھا دالا لم یقل احد بصحتہ ۔ اور مولوی عبدالحی صاحب لکھنوی نے مجموعۃ الفتاوی میں پوری تحقیق اس مسئلہ میں کی ہے۔ جو شخص دیکھنا چاہے دیکھ سکتا ہے۔ وما علینا الا البلاغ ۔ فقط کتبہ غلام رسول بنوی ۔ سابق مدرس مدرسہ امینیہ ۔ دہلی ۔ ہذا الجواب ہو الصحیح ۔ العبد محمد صدیق بقلم خود ۔ اصاب المجیب فیما اجاب بارک اللہ فی علمہ وعملہ ۔ سلطان محمود بقلم خود عفا عنہ ۔

(۹۶) **جواب** ۔(از حضرت مفتی اعظم) یہ صحیح ہے کہ ضاد کی آواز صحت ادا کی صورت میں ظا کے مشابہ ہوتی ہے اور صحت ادا نہ ہو تو یہ آواز ایک ایسی آواز ہو جاتی ہے کہ وہ نہ ظا کی آواز ہوتی ہے نہ دال کی ۔ اور جو شخص صحت ادا پر قادر ہو اس کو صحیح ادا کرنی چاہئے ۔ فقط محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ،

(۹۷) **جواب** [۵۶] (دیگر) ضاد کو جب صحیح طور پر اپنے مخرج سے ادا کیا جائے تو اس کی آواز ظا کے مشابہ ہے۔ اس لئے جو لوگ کہ اس کو مشتبہ الصوت بظا پڑھتے ہیں وہ غلط نہیں ہے ۔ ہاں جو خالص ظا پڑھیں تو وہ غلط ہے۔ اور خالص دال کی آواز سے پڑھنا جیسے اکثر عوام پڑھتے ہیں یہ بھی غلط ہے۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ

۲۱ محرم ۱۳۵۵ھ مطابق ۱۴ اپریل ۱۹۳۶ء

سوال

قرآن پاک میں غیر المغضوب یا ولا الضالین ظا کے ساتھ قصداً اور دال پُر کے ساتھ پڑھنا اور مقصود غیر المغضوب کو ادا کرنا ہے اور مروج یعنی دال پُر ہے اور ظا سے فتنہ پیدا ہوتا ہے۔ اب دونوں جائز ہیں یا ایک اور اگر ایک جائز ہے تو کون سا جائز ہے۔ اور اگر ناجائز کو کوئی پڑھے تو کیا سزا ہے ؟

المستفتی نمبر ۱۱۷۵ اکرم خاں طالب علم مسجد چوری خیل (صوبہ سرحد) ۲۰ جمادی الثانی ۱۳۵۵ھ مطابق ۸ ستمبر ۱۹۳۶ء

(۹۸) **جواب**۔ ضاد کی ظا پڑھنا غلط ہے۔ اسی طرح دال پڑھنا بھی غلط ہے۔ ضاد اگر اپنے مخرج سے صحیح طور پر ادا ہو تو اس کی آواز ظا کے مشابہ ہوتی ہے۔ دال پُر جسے کہا جاتا ہے وہ بھی ضاد کی آواز ہے اور ضاد ادا کرنے کی نیت سے ہی آواز نکالی جاتی ہے۔ لہذا دونوں فریق ایک دوسرے پر اعتراض کرنے کا حق نہیں رکھتے۔ محمد کفایت اللہ۔

(۹۹) **جواب دیگر** ۱۴۰۵۔ ضاد اپنے مخرج و صفات میں ظا کے قریب اور مشتبہ الصوت بظا ہے۔ یہ بات تمام تجوید کی کتابوں میں مذکور ہے۔ اور فقہ حنفی میں بھی اسی طرح مرقوم ہے۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ،

۹ ربیع الاول ۱۳۵۶ھ مطابق ۳۰ مئی ۱۹۳۷ء

سوال

عام طور سے بعض جگہ ضاد کو مشابہ بمخرج دال پڑھتے ہیں جیسا کہ رضی اللہ عنہ کو ردی اللہ عنہ۔ ولا الضالین کو ولا الد الین اور عید الضحی کو عید الدحی وغیرہ۔ مگر اکثر مقامات پر ضاد کو ضاد ہی پڑھتے ہیں۔ مثلاً ماہ رمضان کو رمدان۔ حضرت کو حدرت اور مرض کو مرد نہیں کہتے۔ اور رضی اللہ عنہ کو ردی اللہ عنہ کہتے ہیں۔ تو معنی ہی بدل جاتے ہیں۔ رد کے معنی پھیرنا۔ انکار۔ تو خی وغیرہ کے ہیں۔ اگرچہ اس سے یہ معنی نہیں لیتے۔ مگر ظاہر میں ردی باللہ کہنا کریہ ہے۔ رسالہ زینت القاری میں لکھا ہے کہ ہم لوگوں میں یہ ایک ایسی وبا پھیل گئی ہے کہ ضاد کو دواد پڑھتے ہیں باوجودیکہ ضاد کا تلفظ ظ سے ملتا ہوا ہے۔ دال سے نہیں ملتا۔ جیسا کہ تمام تفاسیر اور کتب قرأت مثلاً فتح العزیز اور فتح القدیر نیز اتقان وغیرہ میں لکھا ہے کہ ض ظ سے ملتا ہوا حرف ہے۔ دال سے ملتا ہوا نہیں ہے۔ لہذا ضاد کو دواد پڑھنا غلط ہے۔

المستفتی نمبر ۱۵۲۹ مدیر راہ نجات (کاٹھیاواڑ) ۱۴ ربیع الثانی ۱۳۵۶ھ مطابق ۲۴ جون ۱۹۳۷ء

(۱۰۰) **جواب**۔ یہ صحیح ہے کہ حرف ضاد کو دال کے ساتھ کوئی تعلق نہیں۔ اور یہ کہ وہ ظا کے ساتھ اپنی اکثر صفات میں مشابہ ہے۔ مگر ظا سے بھی وہ جداگانہ حقیقت رکھتا ہے۔ پس جو شخص اس کو خالص ظا پڑھے وہ اور جو شخص خالص دال

پڑھے وہ دونوں تبدیل حرف کے مرتکب ہیں۔ اور جو شخص ضاد کو ادا کرنے کے قصد سے پڑھے اور اس کی آواز دال پُر کی نکلے یا ظا کے مشابہ نکلے ان دونوں کی نماز صحیح ہوگی۔ اور ظا کے مشابہ پڑھنے والا اقرب الی الصحۃ ہوگا۔ اور خالص دال کی آواز سے ادا کرنا غلط ہے۔ دال پُر جس آواز کو ہم نے کہا ہے۔ وہ ضاد کی بگڑی ہوئی آواز ہے۔ کیونکہ دال میں فی حد ذاتہ تفخیم نہیں ہوتی۔

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہٗ دہلی

سوال

شہر اکولہ میں کچھ روز سے ایک فتنہ پھیلا ہوا ہے کہ ایک شخص جو پیش امام ہے اس کا کہنا ہے کہ سورہ فاتحہ میں ولا الضالین کو لفظ ظ سے پڑھنا صحیح ہے اور والضالین کو ض سے پڑھنا غلط ہے۔ لہٰذا بروئے اظہار حق یہ استدعا ہے کہ ولا الضالین پڑھنا چاہیئے یا ولا الظالین۔ اور شخص مذکور کا کہنا ہے ولا الضالین پڑھنے سے نماز فاسد ہو جاتی ہے۔

المستفتی ۱۸۱۴ اسماعیل خاں حسن خاں (برار) ۲۲ رجب ۱۳۵۶ھ مطابق ۲۸ ستمبر ۱۹۳۷ء

(۱۰۱) **جواب** ۔ یہ کہنا کہ (ضالین کو لفظ ظا سے پڑھنا صحیح ہے اور لفظ ض سے پڑھنا صحیح نہیں ہے) درست نہیں ہے۔ اس کو ض سے پڑھنا چاہیئے۔ ظا سے پڑھنا جائز نہیں ہے۔ مگر بات یہ ہے کہ ض کو اصل مخرج سے ادا کیا جائے تو اس کی آواز ظا کے زیادہ مشابہ ہوتی ہے اور دال سے اس کو کوئی نسبت نہیں ہے۔ لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ ظا سے پڑھا ہے حالانکہ وہ ضاد ہی ہوتا ہے ظا نہیں ہوتا۔ پس ضاد پڑھنے کا قصد کر کے اصل مخرج سے نکالنے کی سعی کرنے والا ٹھیک پڑھتا ہے اگرچہ سننے والوں کو ظا معلوم ہو۔ لیکن اگر وہ ظا پڑھنے کا قصد کر کے ظالین پڑھے تو یہ غلط ہے۔ فقط

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہٗ۔ دہلی۔

سوال

ولا الضالین کے ضاد کو کوئی نماز میں (یا باہر نماز سے) مخرج بالظا مثلاً ظوالّین پڑھتے اور کوئی ضاد مخرج بالدال پڑھتے مثلاً دُوالّین پڑھا کرتے ہیں۔ اب بتلائیے کہ کس کی نماز صحیح ہوئی اور کس کی باطل اور کس کا پڑھنا غلط ہوگا۔

اکثر علماء کا فتویٰ مخرج بالدال پر ہے یا نہیں۔ اگر نہیں ہے تو عوام الناس واکثر حافظ قرآن وعلماء ضاد کو مخرج بالدال کیوں پڑھتے ہیں۔ آیا ان لوگوں کا پڑھنا غلط ہے یا صحیح۔ عوام الناس خصوصاً مریدان مونگیر کے کہتے ہیں کہ میرے پیر ومرشد مجمع فیوض والبرکات مولانا محمد علی مونگیری رحمۃ اللہ علیہ بھی ضاد کو تا زیست مخرج بالدال مثلاً دُوالین پڑھتے

تھے۔ آیا حضور کا پڑھنا کیا غلط تھا۔ پھر ایسا ہی مکہ و مدینہ منورہ کہ قراء حرمین شریفین کے چاروں مصلوں کے امام و علمائے محدثین بلکہ تمام اہل عرب ولا الضالین کو مخرج بالدال مثلاً ددالین پڑھتے ہیں۔ تمام جگہ سارے قرآن میں ضاد کو مخرج بالدال پڑھتے ہیں۔ آیا ان حضرات مجمع الفیوض والبرکات واقف احادیث و آیات مجدد العلم والقرآن کا پڑھنا کیا غلط ہے ؟

مفتی امارت شرعیہ پھلواری شریف پٹنہ نے اس مسئلہ کا جواب یوں دیا ہے کہ ض اور ظ یہ دونوں حرف قریب المخرج ہیں۔ اس لئے اگر ضالین میں باوجود کوشش کے ض صحیح مخرج سے ادا نہ ہو اور اس کی جگہ ظ پڑھا گیا ہو تو نماز فاسد نہ ہوگی۔ بخلاف اس کے اگر دال پڑھا جائے گا تو نماز فاسد ہوگی۔ کیونکہ یہ خلاف مخرج بھی ہے اور اس سے معنی بھی متغیر ہو جاتے ہیں (فتاویٰ قاضی خاں میں ایسا ہی لکھا ہے ص ۶۹) باقی رہا قراء اور علماء جو قرأت و تجوید کے فن سے واقف ہیں وہ ضاد کو صحیح مخرج سے ادا کرتے ہیں۔ وہ ددالین نہیں پڑھتے ہیں لیکن جو لوگ اس فن سے ناواقف ہیں وہ قراء کی غلط نقل کر کے ددالین پڑھتے ہیں تو ان کی نماز اس سے فاسد ہوتی ہے۔ ایسے لوگوں کو کسی قاری سے سیکھ لینا چاہئے۔ اور کوشش کرنا چاہئے کہ ض کو صحیح مخرج سے ادا کریں۔ فقط

المستفتی نمبر ۲۶۶۹ منشی جلال الدین صاحب ۶ جمادی الاول ۱۳۶۰ھ مطابق ۳ جون ۱۹۴۱ء

(۱۰۲) **جواب** ۔ ضاد کو قصداً دال یا ظا کے مخرج سے ادا کرنا غلط ہے اور اس سے نماز فاسد ہو جاتی ہے۔ لیکن ایسا کوئی شخص نہیں کرتا کہ قصداً دال پڑھے یا قصداً ظا پڑھے۔

لوگ ارادہ تو یہی کرتے ہیں کہ ضاد کو صحیح اپنے مخرج سے ادا کریں لیکن ان سے صحیح ادا نہیں ہوتا اور اس میں تین صورتیں ہو جاتی ہیں۔ اول تو عوام کی قرأت کہ وہ صاف دال پڑھتے ہیں اور کبھی کوشش بھی نہیں کرتے کہ اس کو سیکھیں اور دال سے علیحدہ کر کے اصل مخرج سے یا اس کے قریب قریب ادا کریں۔ ان کا یہ فعل ناجائز اور عمل غلط ہے۔ ان کی نماز بھی نہیں ہوتی۔

دوسری صورت یہ ہوتی ہے کہ دال سے تو ممتاز کر لیتے ہیں اور ظا سے دور رہتے ہیں۔ ان دونوں سے ممتاز اور جدا ایک آواز ہوتی ہے جس کو بتانے کے لئے کوئی صحیح تعبیر نہیں مگر عام طور سے اس کو دال مفخم کی آواز کہا جاتا ہے (حالانکہ حقیقت میں وہ دال کی آواز نہیں ہے کیونکہ اس میں تفخیم ہوتی ہے اور اصل دال میں تفخیم کا تصور اور وجود نہیں) یہ آواز چونکہ علیحدہ آواز ہے۔ نہ دال ہے نہ ظا ہے اور ضاد کو ادا کرنے کی نیت کی گئی ہے اس لئے یہ ادائے حرف ضاد کے لئے کافی ہوگی۔ اور نماز ہو جائے گی۔ قراء اور علماء اور اکثر حضرات اسی طرح سے پڑھتے ہیں پھر

ان میں سے جو مخارج کے عالم ہیں ان کی ادا بالکل صحیح ہوتی ہے اور جو اچھی واقفیت یا مہارت نہیں رکھتے ان کی ادا میں نقصان رہتا ہے۔ مگر یہ یقینی ہے کہ ان کا ادا کیا ہوا حرف دال یا ورظا نہیں ہوتا۔

تیسری صورت یہ ہے کہ ادا کرنے والا ظا قین پڑھے یعنی بالکل ظا پڑھ دیتا ہے اور سمجھتا ہے کہ چونکہ میں ضاد کو ادا نہیں کر سکتا اس لئے اس کو ظا کی آواز کے مشابہ ادا کروں کیونکہ ضاد اور ظا آپس میں قریب الصوت اور مشابہ صفات رکھنے والے ہیں تو اگرچہ یہ خیال تو صحیح نہیں مگر اس شخص کی نماز اس لئے ہو جائے گی کہ یہ ضاد کو اس کے اصل مخرج سے ادا نہیں کر سکتا اور جس طرح ادا کیا ہے وہ اس کے مخرج کے بعض اوصاف پر مشتمل ہے۔ اور اگر یہ شخص یہ نیت کرلے کہ میں ظا پڑھتا ہوں تو اس کی نماز بھی نہ ہوگی۔

نماز اسی صورت میں ہوگی کہ قصد تو کرے ضاد کا اور ادائگی میں مشتبہ الصوت بظا معلوم ہو۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ۔ دہلی۔

چوتھا باب

اعراب قرآن

سوال

قرآن شریف کے اعراب کس زمانے میں اور کس نے لگائے ہیں؟

المستفتی نمبر ۲۹۹ حسینی جمال الدین منہار راجپور ۱۸ صفر ۱۳۵۳ھ مطابق ۲ جون ۱۹۳۴ء

(۱۰۳) **جواب**۔ قرآن مجید کے اعراب زمانہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے تقریباً ستر برس کے بعد لگائے گئے ہیں۔

سوال

اعراب زیر اور پیش کو کس طرح پڑھا جائے۔ کوئی یہ کہتا ہے کہ زیر اور پیش کو باریک آواز سے پڑھنا صحیح ہے۔ کوئی کہتا ہے کہ موٹی آواز سے پڑھنا چاہئے۔ مثلاً الف زیر اے۔ ب زیر بے۔ یا الف زیر اِی ب زیر بی۔ کون سا صحیح ہے؟

المستفتی نمبر ۵۱۷ عبدالغفور (کوٹہ راجپوتانہ) ۶ ربیع الثانی ۱۳۵۴ھ مطابق ۸ جولائی ۱۹۳۵ء

(۱۰۴) **جواب**۔ صحیح یہ ہے کہ پیش کو واؤ معروف کی طرف اور زیر کو یائے معروف کی طرف مائل کر کے پڑھا جائے مگر زیادہ کھینچا نہ جائے۔ کیونکہ کھینچنے سے پوری واؤ یا پوری یا ہو جائے گی اور وہ صحیح نہیں۔ اور واؤ مجہول یا یائے مجہول کی طرف مائل کرنا عربی لہجے کے خلاف ہے۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ

(۱۰۵) **جواب** ۶۳۷ متعلقہ سوال مذکورہ۔ فقیر کے پہلے جواب کا مطلب یہ ہے کہ اَلحَمْدُ کی دال پر جو پیش ہے

اس کو واؤ معروف کی طرف مائل کر کے پڑھا جائے۔ اور لِلّٰہِ کی ہا کے نیچے جو زیر ہے اس کو یائے معروف کی طرف مائل کر کے پڑھا جائے۔ مگر زیادہ نہ کھینچنا چاہئے کہ اَلْحَمْدُ وْ ہو جائے یا لِلّٰھِی بن جائے۔

قاعدہ یسرنا القرآن مطبوعہ علمی پرنٹنگ پریس لاہور ہمارے پاس موجود نہیں ہے۔ ہمیں معلوم نہیں اس میں کیا لکھا ہے۔ لیکن اگر یہ بات لکھی ہے کہ جس حرف پر پیش ہو اس کی حرکت یعنی پیش کو واؤ مجہول کی طرح پڑھا جائے، تو یہ بات غلط ہے۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ، ۳ رجب ۱۳۵۴ھ مطابق ۲ اکتوبر ۱۹۳۵ء

پانچواں باب

متفرق مسائل

سوال

بعض قرآن مجید مطبوعہ بمبئی میں سورۂ توبہ کے حاشیہ پر یہ عبارت مرقوم ہے۔ ونقل الجزری یقرأ عند مکان البسملۃ اعوذ باللہ من النار ومن شر الکفار ومن غضب الجبار العزۃ للہ ولرسولہ وللمؤمنین کذا فی المبسوط۔ انتہی دریافت طلب یہ امر ہے کہ جزری یا مبسوط یا دیگر کسی کتاب میں یہ عبارت پڑھنا لکھا ہے؟

(۱۰۶) **جواب**۔ اس دعا کا کسی معتبر کتاب سے ثبوت نہیں ملتا۔ سورۂ توبہ سے پہلے بسم اللہ نہ لکھنے کی وجہ یہی ہے جو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے ترمذی میں منقول ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے وفات سے پہلے اس سورت کے متعلق یہ بیان نہ فرمایا تھا کہ یہ کہاں پر لکھی جائے۔ اس لئے انہوں نے اپنے اجتہاد سے اس کو یہاں پر درج کر دیا اور بسم اللہ نہ لکھی۔

سوال

مولوی نذیر احمد دہلوی کا ترجمۂ قرآنی صحیح ہے یا نہیں۔ اور حنفی مذہب کے موافق ہے یا نہیں؟ یہ ترجمہ لڑکوں کو کارآمد ثابت ہوگا یا مضر؟ کیونکہ اس ترجمہ کی بنا ایک آزاد شخص نے حنفیوں کے مدرسے میں ڈالی ہے جس کا عقیدہ بہت سے مسلمانوں کے نزدیک برا ہے کیونکہ وہ شخص عام جلسوں میں تقدیر اور وسیلہ پکڑنے سے لوگوں کو منع کرتا ہے اور کہتا ہے کہ بھائیو تقدیر کوئی چیز نہیں تدبیر کرو۔ اور وسیلہ کیا چیز ہے اپنی جانوں پر کھیلو۔

(۱۰۷) **جواب**۔ مولوی نذیر احمد صاحب کے ترجمۂ قرآنی میں بہت سی غلطیاں ہیں۔ علمائے احناف کے خلاف ایسی بہت سی باتیں اس میں ہیں جو لڑکوں کو مضر ہوں گی۔ لہٰذا اگر وہ ترجمہ مدرسے میں داخل کر لیا گیا ہے تو مناسب ہے کہ اس کے ساتھ اصلاح ترجمہ دہلویہ جو حضرت مولانا اشرف علی تھانوی کی کتاب ہے بچوں کو ضرور

پڑھائی جائے تاکہ جو کچھ غلطیاں اس ترجمہ میں ہیں اس کتاب سے ان کی اصلاح ہو جائے۔ مولانا نے مولوی نذیر احمد کی غلطیوں کی اس کتاب میں اصلاح کی ہے اور بتایا ہے کہ انھوں نے کیا کیا غلطیاں کی ہیں۔

سوال

آیت الکرسی جو کہ سورہ بقرہ کے چونتیسویں رکوع میں اللہ لا الہ الا ھو سے وھو العلی العظیم تک ہے۔ یہ ایک ہی آیت مانی جائے گی یا درمیان میں علامات وقف ہیں یہ بھی آیت کا حکم رکھتی ہیں؟ بعض لوگ کہتے ہیں کہ آیت الکرسی میں دس آیات ہیں۔

المستفتی نمبر ۴۸۶ حافظ محمد شفیع (ضلع بجنور) ۲۸ صفر ۱۳۵۴ھ مطابق یکم جون ۱۹۳۵ء

(۱۰۸) **جواب**۔ آیت الکرسی اللہ لا الہ الا ھو سے شروع ہو کر وھو العلی العظیم پر ختم ہوتی ہے۔ یہ کوئی ایک آیت ہے۔ درمیان میں جو رموز او قاف ہیں وہ آیات نہیں ہیں۔ لفظ آیت الکرسی میں بھی اس کو واحد کے صیغے سے تعبیر کیا گیا ہے۔ آیات الکرسی نہیں کہا گیا۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ

سوال

کلام مجید میں ھاروت وماروت کا جو ذکر آیا ہے اس کا صحیح شان نزول اور اصل قصہ کیا ہے؟ حضرت مولانا عبدالحق صاحب تفسیر حقانی میں تحریر فرماتے ہیں کہ ہاروت اور ماروت شہر بابل میں دو شخص تھے جن کو ان کے عجائب افعال اور نیک چلنی کی وجہ سے فرشتہ کہتے تھے۔ اور ان کا یہ لقب مشہور ہو گیا تھا۔ اور اس بات کی وہ قراۃ مؤید ہے جس میں ملکین کو بکسر لام پڑھا ہے اور حسن بصری کا بھی یہی قول ہے۔ (بیضاوی تفسیر کبیر) یہ دو شخص اس فن سے واقف تھے مگر اس کو برا سمجھتے تھے۔ یہاں تک کہ جو ان کے پاس سیکھنے آتا اس سے یہ کہہ دیتے تھے کہ بھائی خدا نے یہ علم ہم کو تمہاری آزمائش کے لئے دیا ہے کہ تم ایمان پر ثابت قدم رہتے ہو یا نہیں۔ اس کو نہ سیکھو ورنہ ایمان جاتا رہے گا مگر بیہودہ ایمان کی کیا پرواکرتے تھے۔ سیکھنے سے باز نہ آتے تھے۔ پس ان پر نازل ہونے سے یہ مراد ہے کہ خدا نے ان کو اس فن میں ماہر و عالم ہونے کی قدرت عطا کی تھی۔ نہ یہ کہ کتاب آسمانی کی طرح ان پر خدا نے جادو نازل کیا تھا کہ وہ اس کو تعلیم دیا کرتے تھے۔ بعض مفسرین نے لفظ انزال سے یہ سمجھ لیا کہ وہ دو فرشتے تھے جو حضرت ادریس علیہ السلام کے عہد میں زمین شہر بابل میں آئے تھے۔ پھر ایک حسین عورت زہرہ پر عاشق ہو گئے تھے۔ اس کے کہنے سے شراب پی کر اس کے خاوند کو قتل کیا اور بت کو سجدہ کیا۔ اور زہرہ نے اسم اعظم ان سے سیکھ لیا جس سے وہ تو آسمان پر چلی گئی اور یہ بابل کے کنویں میں الٹے لٹکے ہیں۔ اور وہاں آگ سے ان کو عذاب ہوتا ہے۔ پھر جو کوئی ان کے پاس جادو سیکھنے جاتا ہے پہلے اس کو سمجھا دیتے ہیں

پھر سکھا دیتے ہیں۔ چنانچہ ایک شخص عبدالملک بن مروان کے پاس ان سے مل کر آیا تھا الخ۔ یہ بے اصل کہانیاں ہیں۔ دریافت طلب یہ امر ہے کہ مولنٰنا عبدالحق نے بحوالہ حسن بصریؒ بیضاوی و تفسیر کبیر جو لکھا ہے وہ ٹھیک ہے یا دیگر مفسرین کا قول صحیح ہے؟ المستفتی نمبر ۵۴۴ فقیر احمد نقشبندی (سنگرور) ۲۰ ربیع الثانی ۱۳۵۴ھ مطابق ۲۲ جولائی ۱۹۳۵ء

(۱۰۹) **جواب**۔ ہاروت و ماروت فرشتے نہیں تھے۔ اور ان کا آسمان سے اترنا اور زہرہ پر عاشق ہونا اور زہرہ کا ان سے اسم اعظم سیکھ کر آسمان پر جانا اور فرشتہ بن جانا یا ستارہ بن جانا اور ان فرشتوں کا بابل میں ایک کنویں میں الٹا لٹکایا جانا۔ یہ معتبر قصہ نہیں ہے۔ ظاہر یہ ہے کہ مولنٰنا عبدالحق صاحب کا بیان کردہ قصہ ہی قابل قبول ہے۔

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہٗ

سوال

کیا قرآن شریف کا اردو میں ایسا ترجمہ جس میں عربی عبارت بالکل نہ ہو اور بامحاورہ عبارت ہو شائع کرنا درست ہے۔ المستفتی نمبر ۱۱۹۶ نیاز احمد صاحب (لاہور) ۶ رجب ۱۳۵۵ھ مطابق ۲۳ ستمبر ۱۹۳۶ء

(۱۱۰) **جواب**۔ قرآن مجید کے اصل نظم عربی اور اس کی خصوصیات کی حفاظت کے لئے ضروری ہے کہ اس کی عبارت ترجمہ کے ساتھ ضرور رہے۔ خالص ترجمہ کی اشاعت میں تغیر و تبدیل کے امکانات زیادہ ہیں۔ اس لئے اس پر اقدام کرنا مسلمانوں کے لئے قرین صواب نہیں۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہٗ۔ دہلی۔

سوال

قرآن کریم کو خوش آوازی کے ساتھ پڑھنا کیسا ہے؟

المستفتی نمبر ۱۵۹۱ جلال الدین صاحب (ضلع حصار) ۳ جمادی الاول ۱۳۵۶ھ مطابق ۱۲ جولائی ۱۹۳۷ء

(۱۱۱) **جواب**۔ قرآن مجید کو خوش آوازی سے پڑھنا جائز ہے۔ مگر گانے کے لہجے میں پڑھنا مکروہ ہے۔

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہٗ۔ دہلی۔

حروف مقطعات کے بارے میں بڑا اختلاف برپا ہے چنانچہ ایک عالم فرماتا ہے کہ حروف مقطعات کا علم اللہ اور اللہ کے رسول کو معلوم ہے۔ کیونکہ یہ ایک راز ہے جو مرسل اور مرسل (اللہ) کے درمیان واقع ہے جس کو ان کے علاوہ اور کوئی نہیں جانتا۔ اور دوسرا عالم یہ فرماتا ہے کہ اس کا علم بغیر اللہ کے کوئی نہیں جانتا خواہ وہ رسول ہو یا فرداً من عامۃ الناس ہو۔ جو شخص یہ کہے کہ حروف مقطعات اللہ اور رسول کے درمیان راز ہے وہ شخص

کافر ہے۔ اور اگر اس اعتقاد میں کفر عائد نہ ہو تو ایسے معتقد کا گنہگار ہونا یقینی ہے۔ چنانچہ اس اختلاف کی وجہ سے عامہ مخلوق میں کشیدگی پھیلنے کے بعد یہ بات عمل میں آئی کہ اس کا فیصلہ مفتی صاحب سے کرانا چاہئے۔ لہٰذا آنجناب کی خدمت میں التماس ہے کہ جو فیصلہ شرعی ہو تحریر فرما کر قاطع اختلاف ہوں۔ اور اگر اختلاف مذاہب اس میں واقع ہو تو جو قول آپ کے نزدیک مرجح ہو تحریر فرمائیں۔

المستفتی نمبر ۲۶۸۱ غلام محمد صاحب مظفر گڈھ پنجاب ۹ رجب سنہ ۱۳۶۰ھ مطابق ۱۲ اگست سنہ ۱۹۴۱ء

(۱۱۲) **جواب**۔ حرف مقطعات کے متعلق سلف صالحین رحمۃ اللہ علیہم اجمعین سے متعدد اقوال منقول ہیں نصوص کتاب و سنت کے لحاظ سے راجح اور قوی قول یہ ہے کہ ان کے معنی اور مراد کا علم ذات باری تعالیٰ کے ساتھ مخصوص ہے۔ اسی مذہب کی رعایت کرتے ہوئے جلالین میں الٓمٓ کے آگے اللہ اعلم بمرادہ بذلک فرمایا گیا ہے اور اس پر صاحب جمل فرماتے ہیں۔ اشار بھذا الی ارجح الاقوال فی ھذہ الاحرف التی ابتدئ بھا کثیر من السور وھو انھا من المتشابہ وانہ جری علی مذھب السلف القائلین باختصاص اللہ تعالیٰ بعلم المراد منھا انتھی مختصرا (جمل جلد ۱)

مگر اس کے ساتھ ہی دوسرا قول یہ بھی ہے کہ حروف مقطعات اللہ اور اس کے رسول کے درمیان میں اسرار ہیں یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کا علم عطا فرمایا گیا تھا مگر چونکہ وہ ایک سر تھا اس لئے حضور نے اس کو امت پر ظاہر نہیں فرمایا۔ حضرت شاہ عبدالعزیز قدس سرہٗ نے تفسیر عزیزی میں ان اقوال کو ذکر فرمایا ہے جو حروف مقطعات کے بارے میں سلف سے منقول ہیں۔ فرماتے ہیں:۔

اول آنست کہ ایں حروف اسرار محبت است کہ از اغیار پوشیدہ بہ پیغمبر حبیب خود صلعم نشان دادہ اند۔ گویند کہ التخاطب بالحروف المفردۃ سنۃ الاحباب فان سر الحبیب مع الحبیب یجب ان لا یطلع علیہ الرقیب (فتح العزیز سورہ بقرہ مطبوعہ مجتبائی صـ۴۷)۔ اور قاضی بیضاوی نے اپنی تفسیر میں تحریر فرمایا ہے:۔

وقیل انہ سر استاثرہ اللہ بعلمہ وقد روی عن الخلفاء الاربعۃ وغیرھم من الصحابۃ ما یقرب منہ ولعلھم ارادوا انھا اسرار بین اللہ ورسولہ ورموز لم یقصد بھا افھام غیرہ الخ (بیضاوی جلد اول صـ۱۵ مجتبائی)

یعنی بیضاوی نے خلفائے اربعہ اور دیگر صحابہ رضی اللہ عنہم کے ان اقوال کو جن میں حروف مقطعات کو اسرار

یا المکتوم الذی لا یفسر یا صفوۃ القرآن فرمایا تھا اس پر محمول کیا کہ یہ اللہ اور رسول کے درمیان اسرار و رموز ہیں
تیسرا قول یہ ہے کہ ان کی مراد معلوم ہے۔ پھر تعیین مراد میں بہت اقوال ہیں اور امام شافعیؒ کا یہ مذہب مشہور ہے کہ متشابہات کے معانی راسخین فی العلم جانتے ہیں۔ پس جو شخص یہ کہتا ہے کہ حروف مقطعات اللہ اور رسول کے درمیان میں راز ہیں وہ اقوال سلف سے باہر نہیں نکلتا۔ یہ دوسری بات کہ راجح اور قوی قول کے خلاف ہے مگر اس کی بنا پر اس کی تکفیر تو کجا تفسیق و تضلیل بھی نہیں کی جا سکتی۔

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہٗ دہلی۔

سوال

قرآن مجید کے دسویں پارے میں سورۂ برات میں بسم اللہ نہیں نازل ہوئی؟ کیا وجہ ہے؟
المستفتی نمبر ۲۴۷۲ شیخ اعظم شیخ معظم (دھولیہ۔ ضلع مغربی خاندیس) ۸ صفر ۱۳۵۸ھ ۳۰ مارچ ۱۹۳۹ء

(۱۱۳) **جواب**۔ اس میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بسم اللہ نہیں لکھوائی تھی۔ یہ سورت پہلی سورت کے ساتھ بسم اللہ میں شامل ہے۔

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہٗ۔ دہلی۔

كتاب الحديث والآثار

پہلا باب
متفرق احادیث کی تشریحات

سوال

حدیث شریف فرائض دین میں سے ہے یا نہیں؟ اگر ہے تو رسول خدا و صحابہ کبار نے بہ طریق قرآن مجید حدیث شریف لکھوا کر حفاظت کیوں نہیں فرمائی۔ خلفائے اربعہ رضی اللہ عنہم نے اپنے عہد خلافت میں بکثرت حدیث بیان کرنے کو منع کیوں فرمایا؟

المستفتی نمبر ۳۴ نذیر احمد ضلع بلیا ۱۲ جمادی الاولی ۱۳۵۲ھ مطابق ۴ ستمبر ۱۹۳۳ء

(۱۱۴) **جواب**۔ حدیث شریف کی تعلیم اور تعلم بھی بقدر ضرورت فرض کفایہ ہے۔ اس کی تدوین کا اہتمام خلط بالقرآن کے خوف سے ابتدا میں نہیں کیا گیا۔ بکثرت بیان کرنے سے ممانعت اس احتیاط کے لئے تھی کہ لوگوں کو غیر مستند احادیث کے بیان کرنے سے روکا جائے۔ اور جرأت مضرہ سے ڈرایا جائے۔

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ

سوال

خچر کی سواری کی جو حدیث ہے وہ کس کتاب میں ہے۔ حوالہ سے ممنون فرمائیں۔

المستفتی نمبر ۷۹۱ محمد نور بدیعی (ضلع جالندھر) ۷ ذی الحجہ ۱۳۵۴ھ مطابق ۲ مارچ ۱۹۳۶ء

(۱۱۵) **جواب**۔ خچر کی سواری کی حدیث بخاری شریف ترمذی شریف اور دوسری کتابوں میں موجود ہے، بخاری شریف جلد اول صفحہ ۴۲۷ میں ہے۔ وکان ابو سفیٰن بن الحارث آخذاً بعنان بغلتہ۔ یعنی یوم حنین میں ابو سفیٰن بن الحارث حضور کے سفید خچر کی باگ تھامے ہوئے تھے جس پر حضور سوار تھے۔ اور ترمذی شریف جلد اول صفحہ ۲۰۲ میں ہے۔ ورسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم علی بغلتہ۔ الخ

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ

سوال

نحن احق بالشك من ابراهیم۔ تو نبی احق کیوں ہے اور اس حدیث کا مطلب کیا ہے؟

المستفتی نمبر ۹۵۷ مولوی عبد الحلیم (ضلع پشاور) ۴ ربیع الاول ۱۳۵۵ھ مطابق ۲۶ مئی ۱۹۳۶ء

(۱۱۶) **جواب**۔ نحن احق بالشك من ابراهیم تواضعاً فرمایا ہے۔ اور اس کا یہ مطلب نہیں کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو کوئی شک تھا۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہٗ

سوال

بعض احباب عمل سے بچنے اور اس سے چھٹکارا پانے کے لئے ہر حدیث کو روایت اسرائیلی کہہ دیتے ہیں۔ مشکوٰۃ کی ذیل کی حدیث کو بھی انھوں نے روایت اسرائیلی بتا دیا۔ ازراہ کرم حدیث مذکورہ کے متعلق واضح فرمائیں۔

عن ابی هریرة قال اخذ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بیدی فقال خلق اللہ التربة یوم السبت وخلق فیها الجبال یوم الاحد وخلق الشجر یوم الاثنین وخلق المکروه یوم الثلثاء وخلق النور یوم الاربعاء وبث فیها الدواب یوم الخمیس وخلق اٰدم بعد العصر من یوم الجمعة فی اٰخر الخلق واٰخر ساعة من النهار فیما بین العصر الی اللیل۔ مشکوٰۃ ص۵۱۰ مطبع مجتبائی دہلی

المستفتی مولوی محمد رفیق صاحب دہلوی

(۱۱۷) **جواب** - یہ روایت مشکوٰۃ میں امام مسلم کی طرف منسوب ہے۔ اور مسلم کی روایتیں صحیح ہیں۔ اس حدیث کو اسرائیلی کہنے کی کوئی وجہ بھی نہیں ہے۔ کیونکہ اس میں اسرائیلیات کی کوئی بات نہیں ہے۔

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہٗ دہلی

سوال

محترم حضرت علامہ مفتی اعظم مولانا محمد کفایت اللہ صاحب مدظلہٗ۔ سلام مسنون

کرم فرما کر حضرت عبدالرحمٰن بن عوف کی یہ حدیث جو مشکوٰۃ صفحہ ۴۲۰ پر ہے اور جو اس الجمعیۃ اخبار میں بھی شائع ہے لیس کو ملاحظہ فرما کر اس کے ترجمہ اور فٹ نوٹ کے متعلق فرمائیے صحیح ہے کہ نہیں؟

المستفتی مولوی محمد رفیق صاحب دہلوی ۲۲ ۸/۴۹

(۱۱۸) **جواب** حدیث کا ترجمہ حاصل مطلب کے لحاظ سے ٹھیک ہے فمن وصلها وصلته ومن قطعها بتته کا ترجمہ مناسب الفاظ میں یوں ہونا چاہئیے تو جو شخص رحم یعنی رحمی رشتہ داری کو جوڑے گا میں اس کو جوڑونگا اور جو اسے توڑے گا میں اس کو توڑ دوں گا۔

شققت لها من اسمی کا مطلب یہ ہے کہ میں نے اپنے نام رحمٰن سے بھی اس کے لئے رحم کا نام نکالا ہے۔ یہاں اشتقاق اصطلاحی مراد نہیں ہے۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہٗ

سوال

کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا کہ جب تم کو کہیں کوئی مصیبت پڑے اور اس جگہ تم تنہا ہو کوئی دوسرا موجود نہیں ہے تو اس طرح کہو کہ اے خدا کے بندو ہماری مدد کرو۔ اور یہ حدیث طبرانی سے روایت ہے یہ بات مجھے ٹھیک نہیں معلوم ہوئی۔ اور مجھے یہ خیال ہوا کہ ایسی باتوں کا بیان کرنا کیسا ہے اور کیا کوئی روایت ایسی ہے

المستفتی نمبر ۱۶۱۱ نذیر احمد عزیز احمد (ریوان) ۱۰ جمادی الاول ۱۳۵۶ھ مطابق ۱۹ جولائی ۱۹۳۷ء

(۱۱۹) **جواب** حدیث یاعباد اللہ اعینونی الخ حصن حصین میں بروایت طبرانی مروی ہے۔ مگر اس میں عباد اللہ سے فرشتے یا مسلمان جن مراد ہیں جو انسان کی نظر سے مخفی مگر وہاں قریب میں موجود ہوتے ہیں۔ یا ان کا وجود مظنون ہے۔ اور ان کو مدد کے لئے پکارنا اس تصور پر ہے کہ وہ پکارنے والے کے قریب سے اس کی آواز سن کر اس کی مدد کر سکتے ہیں جیسے ایک انسان دوسرے مصیبت زدہ انسان کی فریاد سن کر اس کی مدد کر سکتا ہے۔

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہٗ دہلی۔

سوال

اکثر مولود خواں صاحبان معراج مبارک کے واقعات میں یہ بات بیان کرتے ہیں کہ جب رسول خدا محمد مصطفی صلی اللہ علیہ وسلم معراج میں تشریف لے گئے اور براق پر سوار ہونے لگے تو براق نے شوخی کرنا شروع کی اس وقت غوث پاک محی الدین جیلانی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی گردن مبارک حضور کے قدم کے نیچے رکھ دی۔ اس وقت آپ براق پر سوار ہو گئے۔ اور آپ نے فرمایا کہ جیسا میرا قدم تیری گردن پر ہے۔ ویسا ہی تیرا قدم کل اولیاء اللہ کی گردن پر ہوگا۔ کیا یہ روایت صحیح ہے۔

المستفتی نمبر ۱۶۱۱ نذیر احمد عزیز احمد (ریوان)

(۱۲۰) **جواب** یہ قصہ بے اصل ہے اس کی کوئی معتبر سند اور ثبوت نہیں۔

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہٗ۔ دہلی۔

سوال

زید کہتا ہے کہ (۱) شان صاحب لولاک سردار انبیاء شفیع المذنبین محمد بن عبداللہ ہاشمی العربی المدنی بحکم رب اکبر ما ینطق عن الھوی ان ھو الا وحی یوحی ہے۔ اللہ و رسول میں فرق نہیں کرتا ہے۔ پھر جو کوئی آنحضرت کے قول مبارک حدیث شریف کو قول ضعیف یا موضوع یا منکر یا معلل یا مدلس یا مدرج کہتا ہے، وہ آنحضرت کی حدیث

شریف کی کھلی توہین کرتا ہے۔ اور جو کوئی اقوال صحابی وتابعی یا تبع تابعی کو حدیث موقوف یا حدیث مرفوع یا حدیث مرسل یا حدیث منقطع کہتا ہے وہ غیر نبی کے قول کو برابر قول جناب سردار انبیاء والمرسلین کر کے حدیث فرد و حدیث شاذ و حدیث معلق کو حدیث آنحضرت میں شامل کرتا ہے وہ بھی کھلی توہین آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی کرتا ہے۔

(۲) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے تمام ارشادات صحیح ہیں۔ کوئی ضعیف یا موضوع یا منکر نہیں کہلا سکتا اور قول غیر معصوم کا قول معصوم کے برابر ہرگز نہیں کیا جا سکتا اس لئے جو کوئی آنحضرت کی توہین کا مرتکب ہو وہ کافر ہے۔ خدا کا دشمن ہے اور آنحضرت کا دشمن ہے۔

(۳) اور اگر امام اسماعیل بخاری نے غلطی کی ہو تو خدا کے نزدیک سب کی غلطیاں حسب دستور الٰہی قابل سزا ہوں گی۔ میں نہیں جانتا کہ امام اسماعیل بخاری نے غلطی کی یا نہیں۔ اگر کی تو ضرور سزا کے مستحق ہوئے۔

المستفتی نمبر ۱۳۶۸ منشی فضل الرحمن پہاڑ گنج۔ دہلی۔ ۳ جمادی الثانی ۱۳۵۶ھ مطابق ۱۱ اگست ۱۹۳۷ء

(۱۲۱) **جواب** (۱) یہ قائل اصطلاح فن حدیث اور حقیقت حال سے ناواقف ہے۔ حدیث کو ضعیف یا موضوع یا منکر یا معلل یا مدلس یا مدرج باعتبار ثبوت اور سند کے کہا جاتا ہے۔ قول رسول ہونے کی جہت سے یہ اوصاف حدیث شریف کے نہیں ہیں۔ جس حدیث کو منکر کہیں گے تو مطلب یہ ہوگا کہ اس کی سند منکر ہے۔ جس کو ضعیف کہیں گے تو مطلب یہ ہوگا کہ اس کی سند ضعیف ہے۔ اس طرح ذکر کرنے سے حدیث رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی کوئی توہین نہیں ہوتی۔ صحابی کے قول کو حدیث موقوف کہنا صحیح ہے۔ اس میں حدیث کے معنی قول رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے نہیں ہیں بلکہ مطلب یہ ہے کہ یہ قول صحابی کا ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا نہیں ہے۔ اس میں بھی کوئی توہین نہیں۔

(۲) حضور کا قول تو بے شک موضوع اور ضعیف یا منکر نہیں ہو سکتا۔ مگر سندیں تو ضعیف اور منکر ہوتی ہیں اور لفظ حدیث ان مثالوں میں مطلق قول یا خبر کے معنی میں استعمال کیا جاتا ہے۔

(۳) ہاں اختیاری اور قصدی غلطی میں مواخذہ ہے خواہ کسی سے ہو۔ اور بے قصد غلطی ہو جائے تو اس میں مواخذہ نہیں۔ خواہ کسی سے ہو۔

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ، دہلی

سوال

حدیث مثل قرآن ہے یا نہیں؟ المستفتی نمبر ۱۸۲۷ محمد میاں حویلی اعظم خاں۔ دہلی۔

۲۴ رجب ۱۳۵۶ھ مطابق ۳۰ ستمبر ۱۹۳۷ء

(۱۲۲) **جواب**۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال متعلقہ دین ان لوگوں کے لئے جو خود حضور کی زبان سے سنتے تھے یا جن کو تواتر سے پہنچیں قرآنی احکام کے موافق واجب التعمیل ہیں۔ لیکن جو احادیث کہ نقل غیر متواتر سے منقول ہو کر آئیں ان کا درجہ بوجہ طریق نقل کے اَدْوَن ہونے کے آیات قرآنی سے کم ہے۔ تاہم احادیث صحیحہ ثابتہ پر عمل لازم ہے۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ، دہلی۔

سوال

(۱) حدیث میں جو وارد ہوا ہے کہ میری امت تہتر گروہ میں تقسیم ہو جائے گی۔ اس لفظ امت سے کیا مراد ہے ساری دنیا کے انسان عام اس سے کہ مسلمان ہوں یا کافر۔ یا صرف مسلمان مراد ہیں۔ مسلمان اور کافر مل کر تہتر گروہ ہو جائیں گے یا مسلمانوں میں تہتر گروہ ہوں گے۔ کیا امت میں مسلمان و کافر دونوں ہی داخل ہیں؟ یہ حدیث کس قسم کی ہے؟

(۲) ناجی کون گروہ ہے، کل مسلمان۔ یا ان میں کوئی خاص گروہ مراد ہے۔ "ما انا علیہ واصحابی" کا کیا مطلب ہے۔ المستفتی ۲۶۶۳ ابراہیم حسین (بنگلور) ۲۳ ربیع الثانی ۱۳۵۹ھ مطابق یکم جون ۱۹۴۰ء

(۱۲۳) **جواب** اس حدیث میں امت سے مراد امت دعوت بھی لی گئی ہے اور امت اجابت بھی۔ مرقاۃ شرح مشکوۃ میں ہے۔ ثم قیل یحتمل امۃ الدعوۃ فیندرج سائر الملل الذین لیسوا علی قبلتنا فی عدد الثلاث والسبعین ویحتمل امۃ الاجابۃ فیکون الملل الثلاث والسبعون منحصرۃ فی اھل قبلتنا والثانی ھو الاظھر ونقل الابھری ان المراد بالامۃ امۃ الاجابۃ عند الاکثر۔ انتھی۔ اکثر علماء کا قول یہ ہے کہ امت اجابت مراد ہے۔ یہ حدیث ترمذی اور مسند امام احمد اور ابوداؤد میں ہے۔ ترمذیؒ نے اس کو حسن کہا ہے۔ ما انا علیہ واصحابی سے وہ طریقہ مراد ہے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا اور خلفاء راشدین اور صحابہ کرام کا طریقہ تھا۔ یعنی جو آجکل اہل السنۃ والجماعۃ کا طریقہ ہے۔ اس میں حنفی شافعی مالکی حنبلی اہل حدیث سب داخل ہیں۔ البتہ مبتدع فرقہ ہائے ضالہ جیسے معتزلی خارجی مرجئہ مشبہہ روافض وغیرہ اس سے خارج ہیں۔

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ، دہلی

سوال

(۱) رزین۔ شعب الایمان۔ بیہقی ابن عساکر وغیرہ کتابوں کا شمار حدیث کے تیسرے اور چوتھے طبقہ میں ہے اور ان کا پایہ زیادہ بلند نہیں ہے۔ پھر کیا وجہ ہے کہ بڑے بڑے محدثین ان احادیث کو اپنی تصانیف میں لائے ہیں۔

حتی کہ شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ نے مدارج النبوۃ میں مواہب لدنیہ وغیرہ کی بہت احادیث ذکر کی ہیں، جنھیں صاحب سیرت النبی نے غیر مستند قرار دیا ہے ؟

(۲) علم الصیغہ میں لفظ لا کے ماضی پر داخل ہونے کی شرط یہ رکھی گئی ہے کہ تکرار لا ہونا ضروری ہے دراں حالیکہ یہ کلیہ بعض مقامات پر ٹوٹ بھی گیا ہے مثلاً مشکوٰۃ شریف ص۱۶ میں ہے۔ انك مررت ولا سلمت (حدیث عثمانؓ مشکوٰۃ ص۱۶ نور محمدی) یہاں لا ماضی پر داخل ہوا ہے لیکن تکرار نہیں ہے۔

المستفتی نمبر ۲۶۷۶ نجم الحسن صاحب رضوی (سیتاپور) ۱۳ جمادی الثانی سنہ ۱۳۶۰ھ مطابق ۹ جولائی سنہ ۱۹۴۱ء

(۱۲۴) **جواب** (۱) ان کتابوں میں چونکہ ضعیف روایتیں بھی ہیں اس لئے ان کا درجہ گھٹا دیا گیا ہے۔ مگر یہ مطلب نہیں کہ ان کی کوئی روایت قابل اعتماد نہیں۔ مشکوٰۃ میں بھی ان کی روایتیں لی گئی ہیں۔ اور دوسری کتابوں میں بھی لی جاتی ہیں۔ اخبار و سیر کی کتابوں میں زیادہ چھان بین نہیں ہوتی۔ اس لئے شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ اور سیرت کے دوسرے مصنفین نے ان کتابوں کی حدیثوں سے استناد کیا جن مولفین نے سیرت میں بھی تنقید کا راستہ اختیار کیا انھوں نے ضعیف روایات کو علیحدہ کر دیا۔

(۲) لا کا ماضی پر نفی کے لئے داخل ہونا صرف تکرار کے ساتھ مشروط نہیں ہے بلکہ یا تو لا کی تکرار ہو جیسے فَلَا صَدَّقَ وَلَا صَلّٰی یا نفی کی تکرار ہو جیسے ما طلعت الشمس ولا غربت یا موضع دعا میں ہو اَلَا لا بارك اللہ فی سهیل یا معنًی تکرار نکل سکتی ہو جیسے فلا اقتحم العقبۃ کہ یہاں معنًی تکرار نکل سکتی ہے اور لا اقتحم کو لا فك رقبۃ ولا اطعم مسکینا کے معنی میں لے سکتے ہیں۔ ان کے علاوہ علی سبیل الندرت بغیر تکرار اور بغیر موضع دعا کے بھی لا کا ماضی پر استعمال ہوا ہے جیسے وَاَیُّ عَبْدٍ لَكَ لَا اَلَمَّا آپ نے جو جملہ نقل فرمایا ہے اس میں تو معنوی تکرار موجود ہے کیونکہ اس کی عبارت یوں ہوتی ہے ما شعرت انك مررت ولا سمعت انك سلمت۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ۔ دہلی۔

سوال

(۱) وہ حدیث مع اعراب کے اور حوالہ کتاب کے درج فرمایئے جس کے معنی ہیں کہ تین آدمی بہشت میں نہیں جائیں گے۔ ایک متکبر دوسرا جس کا ازار ٹخنوں سے نیچا ہو اور تیسرا راقم کو یاد نہیں۔ نیز تفصیل درکار ہے کہ آیا ازار ٹخنوں سے نیچا ہو تو نماز ہو جاتی ہے یا نہیں۔ کیا ازار کا ٹخنوں سے نیچے فخر سے ہونا شرط ہے۔ یا ہر حالت میں؟

(۲) وہ حدیث مع اعراب و کتاب درکار ہے جس کے معنی ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ

اگر میری امت کو تین چیزوں کے اجر و ثواب کا علم ہوتا تو وہ ان چیزوں کو حاصل کرنے کے لئے آپس میں لڑ پڑتے ایک اذان۔ دوسرے پہلی صف میں کھڑا ہونا۔ لیکن تیسری راقم کو یاد نہیں۔ بینوا توجروا۔

المستفتی نمبر ۲۷۲ محمد حنیف قریشی معرفت حافظ حبیب الرحمٰن امام جامع مسجد کالکا۔

۲۳ جمادی الثانی ۱۳۶۱ھ مطابق ۸ جولائی ۱۹۴۲ء

(۱۲۵) **جواب** (۱) اس حدیث کے الفاظ یہ ہیں :- ثَلٰثَةٌ لَا یَنْظُرُ اللّٰهُ اِلَیْهِمْ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ وَلَا یُزَکِّیْهِمْ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِیْمٌ۔ اَلْمَنَّانُ وَالْمُسْبِلُ اِزَارَهٗ وَالْمُنْفِقُ سِلْعَتَهٗ بِالْحَلْفِ الْکَاذِبِ یعنی تین شخص ہیں جن کی طرف قیامت میں اللہ تعالیٰ نظر رحمت نہیں کرے گا۔ نہ ان کو پاک کرے گا اور ان کے لئے دردناک عذاب ہے۔ اول احسان جتلانے والا۔ دوم ازار لٹکانے والا۔ سوم جھوٹی قسم کھا کھا کر اپنا مال نکالنے (یعنی بیچنے) والا۔ (ترمذی شریف) ازار ٹخنوں سے نیچی ہو تو نماز ہو تو جاتی ہے۔ مگر کراہت کے ساتھ۔ اور یہ کراہت جب ہے کہ ازار کا نیچا ہونا فخر و تکبر کے ساتھ ہو۔

(۲) اس حدیث کے الفاظ یہ ہیں :- لَوْ اَنَّ النَّاسَ یَعْلَمُوْنَ مَا فِی النِّدَاءِ وَالصَّفِّ الْاَوَّلِ ثُمَّ لَمْ یَجِدُوْا اِلَّا اَنْ یَّسْتَهِمُوْا عَلَیْهِ لَاسْتَهَمُوْا عَلَیْهِ (ترمذی) یعنی اگر لوگوں کو اذان اور صف اول کے حقیقی ثواب کا علم ہو جاتا اور پھر یہ ان کو قرعہ ڈالے بغیر نہ مل سکتیں تو قرعہ ڈال کر حاصل کرتے۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہٗ۔ دہلی

سوال

زید نے اپنا اور کسی مولوی صاحب کا واقعہ یوں بیان کیا کہ ایک مولوی صاحب طالب علموں کو حدیث کا درس دے رہے تھے۔ اس وقت یہ حدیث پڑھی گئی۔ عن جابر قال خرجنا مع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الی سعد ابن معاذ حین توفی فلما صلی علیہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ووضع فی قبرہ وسوی علیہ فسبح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فسبحنا طویلا ثم کبر فکبرنا فقیل یا رسول اللہ لم سبحت ثم کبرت قال لقد تضایق علی ھذا العبد الصالح قبرہ حتی فرجہ اللہ عنہ رواہ احمد وابن عمر قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ھذا الذی تحرک له العرش وفتحت له ابواب السماء وشھدہ سبعون الفا من الملائکة لقد ضم ضمة ثم فرج عنه رواہ النسائی۔ یعنی فرمایا جابر رضی اللہ عنہ نے نکلے ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ طرف سعد بن معاذ انصاری کے جبکہ فوت ہوئے۔ پس پڑھی آپ نے ان پر نماز جنازہ اور رکھا قبر میں اور دفن کیا تو آپ نے تسبیح پڑھی یعنی سبحان اللہ والحمد للہ ولا الہ الا اللہ

واللہ اکبر پس ہم نے بھی تسبیح کہی دراز پھر آپ نے تکبیر کہی یعنی اللہ اکبر اللہ اکبر لا الہ الا اللہ واللہ اکبر اللہ اکبر وللہ الحمد۔ پس ہم نے بھی تکبیر کہی بعض صحابہ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ کیوں آپ نے اول تسبیح کہی اور بعد میں تکبیر؟ فرمایا کہ تحقیق تنگ ہوگئی تھی اس بندۂ صالح پر قبر اس کی حتیٰ کہ کشادہ کیا اللہ نے اس کی قبر کو۔ روایت کیا اس حدیث کو احمد نے۔ اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ سعد بن معاذ ایسا شخص تھا کہ جنبش میں آیا عرش اور کھل گئے دروازے آسمانوں کے اور ستر ہزار فرشتے واسطے نماز جنازہ کے حاضر ہوئے۔ تحقیق دبا لیا قبر نے جو حق دبانے کا تھا پھر فراخ ہوئی روایت کیا اس حدیث کو نسائی نے۔ اس حدیث شریف کو بیان فرما کر مولوی صاحب رونے لگے۔ کہ بڑے خوف کا مقام ہے جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابی کا یہ حال ہو تو عوام امت کا کیا ٹھکانا ہے۔

زید نے عرض کیا کہ جناب مولوی صاحب یہ تو رونے کا مقام نہیں بلکہ بڑی خوشی کا مقام ہے۔ اس خبر عبرت اثر سے ارباب فہم کو نہایت عمدہ نصیحت حاصل ہوتی ہے۔ یہ جائے غور ہے کہ حضرت سعد بن معاذ انصاری جیسے ذی رتبہ اور بزرگ صحابی کہ ان کے جنازے کی نماز رسول خدا نے پڑھی ان کے لئے عرش کو جنبش ہوئی آسمانوں کے دروازے کشادہ ہوئے۔ ستر ہزار فرشتوں نے نماز جنازہ پڑھی۔ پھر کیا سبب تھا کہ ان کی قبر تنگ ہوگئی؟ ظاہر ہے کہ ان کو حضرت رسالت پناہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شفقت و عنایت پر ناز تھا۔ اپنی مغفرت و نجات کا ذریعہ رسول خدا کو سمجھتے تھے اور جانتے تھے کہ ہمارے ہادی و شفیع تا بدفن ہمارے ساتھ ہیں۔ پس یہی خیال ان کا کہ خالصاً تکیہ رحمت الٰہی پر نہ تھا بلکہ رسول مقبول کی عنایت کا سہارا بھی لگا ہوا تھا جو تنگی قبر کا باعث ہوا۔ غیرت کبریائی اور عظمت الٰہی نے ان کو دکھا دیا کہ تم نے ہماری ذات پر اعتماد نہ کیا۔ اب ایسا بڑا حامی تمہاری قبر پر کھڑا ہے دیکھیں تو وہ کیا مدد کر سکتا ہے۔ اور کیونکر بچا سکتا ہے۔ من ذا الذی یشفع عندہ الا باذنہ۔ رسول خدا نے راہ بتائی۔ خدا پرستی سکھائی۔ توحید ربانی کا نعرہ بلند کیا۔ خدا پر توکل کرنا۔ ذات حق پر بھروسہ رکھنا اور اس ذات کو فاعل مطلق اور لاشریک سمجھنا تعلیم فرمایا۔ پس جو کوئی خلاف ان ہدایات کے غیر خدا پر نظر رکھے خواہ نبی پر خواہ ولی پر بیشک وہ مستحق عذاب و سزاوار عتاب ہے۔ اور جس قدر اس کے دل میں تعلق ماسوی اللہ ہے اسی قدر تنگی قبر کا باعث ہے۔ جبکہ خداوند ذوالجلال نے اپنی قدرت کاملہ اور رحمت شاملہ سے انسان کو پیدا کیا۔ جان دی جسم دیا۔ پالا پرورش کیا۔ زن و فرزند مال و متاع کا مالک بنا دیا۔ ان سب کاموں میں کوئی نبی یا ولی خدا کے ساتھ

شریک نہ تھا نہ سفارشی تھا. کسی کی خاطر و مروت سے اللہ تعالی نے یہ عنایتیں نہیں کیں پھر حیف کی بات ہے کہ ایسی ذات کو چھوڑ کر نجات و مغفرت اور معاملہ آخرت کے لئے کسی دوسرے کی حمایت اور سفارش پر آدمی نظر ڈالے اور کوئی وسیلہ اور واسطہ تلاش کرے. مثل الذین اتخذوا من دون اللہ اولیاء کمثل العنکبوت اتخذت بیتاً وان اوھن البیوت لبیت العنکبوت لو کانوا یعلمون۔

اب سوال یہ ہے کہ مولوی صاحب کی بیان کردہ حدیثوں پر زید نے جو خیال ظاہر کیا ہے کیا وہ توہین رسالت اور انکار شفاعت کو شامل ہے؟ اور یہ کہ زید کی اقتدا میں نماز درست ہے یا نہیں؟

المستفتی نمبر ۲۷۷۲ سردار علی۔ سبزی منڈی۔ دہلی۔

مورخہ ۲ شعبان سنہ ۱۳۶۲ھ مطابق ۵ اگست سنہ ۱۹۴۳ء

(۱۲۶) **جواب**۔ زید کا بیان گو توہین رسالت اور انکار شفاعت کو شامل نہیں تاہم اس اعتبار سے صحیح نہیں ہے کہ اس نے حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کی طرف ایک ایسی بات کو منسوب کر دیا ہے، جس کا کوئی ثبوت نہیں ہے۔ یعنی یہ کہ حضرت سعدؓ نے شفاعت پر تکیہ کر لیا تھا اور رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی شفقت پر ناز تھا اور خالصاً رحمت الٰہی پر تکیہ نہ تھا۔ یہ بے ثبوت بات ان کی طرف منسوب کرنا غلط اور جرأت ہے۔ اس سے توبہ کرنی چاہئے۔ قبر کی تنگی کا سبب رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان فرمایا ہوتا تو اس پر یقین ہوتا۔ اللہ ہی جانتا ہے کہ کیا سبب تھا۔

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہٗ۔ دہلی۔

سوال

مشہور حدیث اتبعوا السواد الاعظم (مشکوۃ) میں بعض کی رائے ہے کہ اعظم مقولہ کیف سے ہے جس کے معنی رفعت شان کے ہیں۔ اور بعض کہتے ہیں کہ اعظم مقولہ کم سے ہے جس سے مراد عدد کثیر ہے۔

ارشاد فرمایا جاوے کہ ان دونوں قولوں میں کون سا قول درست اور شارع کے منشا کے مطابق ہے؟

المستفتی نمبر ۲۷۹۳ ۱۴ ربیع الثانی سنہ ۶۴ھ

(۱۲۷) **جواب**۔ لفظ اعظم تو عظمت سے مشتق ہے جس کے معنی درجہ اور شان کی بڑائی بھی ہے اور عددی کثرت پر بھی اس کا اطلاق کر دیا جاتا ہے۔ حدیث میں اعظم سواد کی صفت کے طور پر مذکور ہے اور سواد کے معنی جماعت کے

ہیں جس کے مفہوم میں عددی کثرت داخل ہے۔ تو سوادِ اعظم کے معنی بڑی جماعت ہوئی۔ اور بڑی جماعت کا مفہوم عرفاً عددی اکثریت لیا جاتا ہے۔ یہ دوسری بات ہے کہ ایسی عددی اکثریت جو باطل پر ہو قابل اتباع نہیں۔ پس حدیث سے مراد یہ ہے۔ اتبعوا السواد الاعظم من اھل الحق۔

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہٗ

سوال

(از اخبار الجمعیۃ مورخہ ۲۸ اکتوبر ۱۹۲۶ء)

(۱) بخاری شریف کو اصح الکتاب بعد کتاب اللہ کیوں کہا جاتا ہے؟

(۲) قرآن شریف کے بعد درجہ بخاری شریف کا ہمارے حنفی مذہب میں بھی مانا جاتا ہے یا نہیں؟

(۳) کتاب مشکوٰۃ شریف ہمارے حنفی مذہب میں بھی قابل تسلیم ہے یا نہیں؟

(۴) آپ کے اخبار الجمعیۃ میں جس قدر فتوے شائع ہوتے ہیں وہ مذہب حنفی کے موافق ہوتے ہیں یا نہیں؟

(۵) اخبار الجمعیۃ کے اراکین اور مفتی صاحب حنفی مذہب کے پیرو ہیں یا کسی دوسرے مذہب کے؟

(۶) فتاویٰ رشیدیہ اور مجموعہ فتاویٰ مولانا عبدالحی ہمارے حنفی مذہب کی کتابیں ہیں یا نہیں؟

(۱۲۸) **جواب** (۱) بخاری شریف کو اصح الکتاب بعد کتاب اللہ اس لئے کہا جاتا ہے کہ اس کے مؤلف حضرت امام محمد بن اسمٰعیل بخاری نے اس کتاب میں صحیح حدیثیں جمع کرنے کا جو التزام کیا تھا اس میں وہ بہ نسبت دوسرے مؤلفین صحاح کے زیادہ کامیاب ہوئے ہیں۔ اور اس کی حدیثیں نسبۃً دوسرے صحاح سے زیادہ صحیح ہیں۔

(۲) حنفیہ کو اس سے اختلاف کرنے کی کوئی وجہ نہیں۔

(۳) مشکوٰۃ شریف معتبر کتاب ہے۔ مگر یہ مطلب نہیں کہ اس کی تمام حدیثیں صحیح ہیں۔

(۴) ہاں حنفی مذہب کے موافق فتوے دیئے جاتے ہیں۔

(۵) اراکین عملہ الجمعیۃ اور خاکسار حنفی مذہب کے پیرو ہیں۔

(۶) فتاوی رشیدیہ اور مجموعہ فتاوی مولانا عبدالحی معتبر اور حنفی مذہب کے فتاوی ہیں۔

محمد کفایت اللہ غفرلہ

کتاب التاریخ والسیر

پہلا باب
سیرت وشمائل (علیٰ صاحبہا التحیۃ)

سوال

سیرۃ النبی از مولانا شبلی (حصہ دوم باب شمائل) میں لکھا ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی رفتار بہت تیز تھی۔ چلتے تھے تو یہ معلوم ہوتا تھا کہ ڈھلوان زمین میں اتر رہے ہیں۔ اور قرآن شریف کی آیت ہے واقصد فی مشیک تو آیت کریمہ اور حضور صلعم کی رفتار میں جو تناقض معلوم ہو رہا ہے اس کی تطبیق کیا ہے؟

المستفتی محمد سلیمان وادڑا

(۱۲۹) **جواب** آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی رفتار مبارک کا بیان جس حدیث میں آیا ہے (اور سیرۃ النبی میں غالباً اسی حدیث کا مطلب ادا کیا گیا ہے) اس کے الفاظ یہ ہیں :- اذا مشی تکفأ تکفؤاً کانما ینحط من صبب۔ یعنی حضور جب چلتے تھے تو ذرا آگے کو مائل ہوتے تھے گویا کہ نشیب کے سبب اتر رہے ہیں۔ اور راوی کا مطلب یہ ہے کہ آپ کی چال متکبروں کی طرح اکڑ کر چلنے کی نہ تھی بلکہ متواضعانہ تھی۔ اور سست رفتار نہ تھے بلکہ قوت و سرعت کے ساتھ چلتے تھے۔ مگر یہ سرعت یعنی تیزی قوت کی وجہ سے تھی۔ حد اعتدال واقتصاد سے متجاوز نہ تھی۔ تو آیۂ کریمہ واقصد فی مشیک کی حضور پوری تعمیل فرماتے تھے نہ کہ مخالفت۔ واللہ اعلم۔　　　محمد کفایت اللہ غفرلہٗ مدرسہ امینیہ دہلی۔

سوال

آنجناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے مبارک ہاتھ سے خود کسی بادشاہ کے نام بطور عہد نامہ یا کسی دوسری بنا پر کوئی خط یا دستخط کیا ہے یا نہیں؟

المستفتی ۵۸۸ مولوی محمد دلبر (پشاور)　　　۳ جمادی الثانی ۱۳۵۴ھ مطابق ۲ ستمبر ۱۹۳۵ء

(۱۳۰) **جواب** حضور صلعم نے جو خطوط یا فرامین بھیجے ہیں یہ ثابت نہیں کہ حضور نے اپنے دست مبارک سے کوئی خط یا فرمان تحریر کیا ہو۔ البتہ حدیبیہ کا صلحنامہ لکھتے وقت جب کفار نے لفظ رسول اللہ لکھے جانے پر اعتراض کیا تو حضور ؐ نے حضرت علیؓ سے جو صلحنامہ لکھ رہے تھے فرمایا کہ بجائے محمد رسول اللہ کے محمد بن عبداللہ لکھ دو تو حضرت علی نے لفظ رسول اللہ کو اپنے ہاتھ سے مٹانے میں تامل اور عذر کیا اور حضور ؐ نے مسودہ اپنے ہاتھ میں لے کر لفظ رسول اللہ

کو مٹا دیا اور ایک روایت میں اس کے آگے وکتب محمد بن عبد اللہ ہے یعنی آپ نے محمد بن عبد اللہ لکھ دیا۔ بعض علمانے اس سے یہ سمجھا کہ یہ لفظ حضور نے اپنے دست مبارک سے بطور معجزہ کے لکھ دیا تو اگر ان علما کی رائے کے موافق کوئی یہ کہے کہ حضور سے بطور معجزہ کے یہ لفظ لکھنا مروی ہے تو اس کی گنجائش ہے۔ ورنہ حضور کا فرمان نحن امۃ امیۃ لا نکتب ولا نحسب موجود ہے۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ'

سوال

حضور علیہ السلام کا بول شریف آپ کی ایک خادمہ نے پی لیا تھا تو اس کے واسطے نہ منہ پاک کرنے کے لئے فرمایا اور نہ یہ فرمایا کہ دوبارہ ایسا مت کرنا۔ (۲) حضور علیہ السلام کے پچھنوں کا خون ایک صحابی نے پی لیا تھا تو حضور علیہ السلام نے ان کے لئے فرمایا تھا کہ تم نے اپنی جان کو محفوظ رکھا۔ (۳) حضور کی ایک اور خادمہ نے بھی ایک مرتبہ اسی طرح بول شریف پی لیا تھا جو کہ شب میں پیالہ میں حضور نے بول کیا تھا۔ ان کے واسطے حضور نے فرمایا تھا تو ہرگز بیمار نہ ہوگی۔ (۴) حضور علیہ السلام کے جمیع فضلات یعنی پیشاب پاخانہ وغیرہ پاک تھا یا نہیں؟

المستفتی نمبر ۱۱۴۵ محمد حسین (دہلی) ۶ جمادی الثانی ۱۳۵۵ھ مطابق ۲۵ اگست ۱۹۳۶ء

(۱۳۱) **جواب** حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا پیشاب یا خون بعض صحابہ نے پی لیا ہے۔ لیکن حضور سے اجازت لے کر پیا ہو اس کا ثبوت نہیں۔ اور نہ اس کا ثبوت ہے کہ ان صحابہ کے اس فعل سے یا حضور کے ان الفاظ سے جو خبر ہونے پر آپ نے فرمائے تھے۔ دوسرے لوگوں کے لئے پیشاب یا خون کا پینا جائز ہو گیا تھا۔ بعض علمائے شوافع اور ان کی متابعت میں بعض علمائے حنفیہ اس کے قائل ہو گئے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا بول و براز پاک تھا لیکن قرآن و حدیث میں اس کی کوئی صریح دلیل جس میں یہ تصریح کی گئی ہو کہ حضور کے فضلات پاک تھے موجود نہیں ہے۔

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ'

الجواب صحیح۔ فقیر احمد سعید کان اللہ لہ'۔ فقیر محمد یوسف دہلوی۔ عبد الشکور عفی عنہ مدرس حسین بخش دہلی۔ محمد اسحٰق عفی عنہ

سوال

جناب پیغمبر رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم اپنی امت کے وارث ہیں یا نہیں اور حامی و مددگار ہیں یا نہیں۔ اور جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی جگہ مقام محمود ہے یا نہیں۔ اور جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی شان مبارک میں نعت پڑھنا جائز ہے یا نہیں۔ اور اس کی توہین کرنا کیسا ہے کہ یہ کیا اٹھالائے۔

المستفتی نمبر ۱۲۴۹ عثمان خاں ڈگے خاں صاحب۔ مقام دھرن گاؤں۔ خاندیس۔ ۱۹ رمضان ۱۳۵۵ھ مطابق ۵ دسمبر ۱۹۳۶ء

(۱۳۲) **جواب** آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنی امت کے وارث نہیں ہیں۔ حضور نے خود ارشاد فرمایا ہے نحن معاشر الانبیاء لا نرث ولا نورث یعنی ہماری پیغمبروں کی جماعت نہ کسی کی وارث ہوتی ہے اور نہ کوئی اوران کا وارث ہوتا ہے۔ ہاں حضور اپنی امت کے حامی و مددگار تھے اور قیامت کے دن امت کی شفاعت فرمائیں گے۔ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ حضور کو مقام محمود عطا فرمائے گا جو حضور کے لئے ہی مخصوص ہے۔ حضور کی نعت و مدح وثنا پڑھنا جائز ہے۔ بشرطیکہ نعت کا مضمون صحیح ہو اور پڑھنے کا طریقہ بھی درست ہو۔ گانا بجانا یا لونڈوں کا خوش آوازی سے پڑھنا درست نہیں۔

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ، دہلی

سوال

(۱) حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کس تاریخ کو وفات پائی۔

(۲) حضرت ابوبکر اور حضرت عثمان و حضرت عمر رضی اللہ عنہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز جنازہ میں شریک تھے یا نہیں؟

المستفتی نمبر ۱۳۲۷ ۱۹ ذی قعدہ ۱۳۵۵ھ مطابق ۲ فروری ۱۹۳۷ء

(۱۳۳) **جواب** حضور نے ماہ ربیع الاول میں دوشنبہ کے دن وفات پائی ہے۔ اتنی بات تو متفق علیہ ہے لیکن اس میں اختلاف ہے کہ ربیع الاول کی تاریخ کیا تھی۔ تو اس میں کئی قول ہیں۔ دوسری تاریخ پہلی تاریخ - بارہ تاریخ - تیرہ تاریخ اور اس کے علاوہ بھی قول ہیں۔

(۲) حضور کے جنازہ کی نماز جماعت سے نہیں پڑھی گئی۔ لوگوں نے فرداً فرداً ادا کی ہے اور حضرت ابوبکر صدیقؓ و حضرت عمرؓ و حضرت عثمانؓ نے سب سے پہلے نماز ادا کی ہے۔ فقد جاء ان ابا بکر رضی اللہ عنہ دخل علیہ صلی اللہ علیہ وسلم فکبر اربع تکبیرات ثم دخل عمر رضی اللہ عنہ فکبر اربعاً ثم دخل عثمان رضی اللہ عنہ فکبر اربعا ثم طلحۃ بن عبید اللہ والزبیر بن العوام رضی اللہ عنہما ثم تتابع الناس ارسالا یکبرون علیہ (سیرت حلبیہ)

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ، دہلی

دوسرا باب

اہل بیت واہل قریش

سوال

حضرت ابوطالب مسلمان تھے یا کافر؟ ان کے ایمان اور کفر کے متعلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا کیا خیال تھا

(۱۳۴) **جواب**۔ جہاں تک کہ روایات صحیحہ معتبرہ سے ثابت ہے وہ یہی ہے کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے والد ابوطالب کا اسلام لانا ثابت نہیں۔ بلکہ کفر پر ہی انتقال ہونا ثابت ہوتا ہے۔ بخاری شریف میں باب قصۃ ابی طالب میں یہ حدیث مذکور ہے۔ عن المسیب ان اباطالب لما حضرته الوفاة دخل علیه النبی صلی الله علیه وسلم وعنده ابوجهل فقال ای عم قل لا اله الا الله کلمة احاج لك بها عند الله فقال ابوجهل وعبدالله بن ابی امیة یا اباطالب ترغب عن ملة عبد المطلب فلم یزالا یکلمانه حتی قال اٰخر شئ کلمهم به علی ملة عبد المطلب۔ الحدیث۔ یعنی مسیب بیان کرتے ہیں کہ جبکہ ابوطالب کی وفات کا وقت آیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے پاس آئے۔ وہاں ابوجہل بھی موجود تھا۔ حضور نے فرمایا اے میرے چچا آپ لا الٰہ الا اللہ کہہ لیجئے۔ یہ ایک کلمہ ہے جس کی وجہ سے میں آپ کے لئے خدا کے سامنے گواہی دے کر شفاعت کر سکوں گا۔ اس پر ابوجہل اور عبداللہ بن ابی امیہ نے کہا کہ اے ابوطالب کیا تم عبدالمطلب کے مذہب کو چھوڑ دوگے؟ اور دونوں یہ بات برابر کہتے رہے یہاں تک کہ ابوطالب نے آخری بات جو کہی وہ یہ تھی کہ (میں) عبدالمطلب کے مذہب پر (قائم ہوں) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ ابوطالب نے آخری دم تک بھی اسلام قبول نہیں کیا۔ بخاری میں اسی باب قصۃ ابی طالب میں یہ حدیث بھی مذکور ہے۔ قال عباس بن عبد المطلب للنبی صلی الله علیه وسلم ما اغنیت عن عمك فانه کان یحوطك ویغضب لك قال هو فی ضحضاح من نار ولولا انا لکان فی الدرك الاسفل من النار۔ یعنی حضرت عباسؓ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ آپ نے اپنے چچا (ابوطالب) کو کیا نفع پہنچایا وہ آپ کی حفاظت کرتے تھے۔ اور آپ کی وجہ سے آپ کے دشمنوں پر غضبناک ہوتے تھے۔ حضور نے فرمایا وہ چھچلی آگ میں ہوں گے۔ اور اگر میرا تعلق نہ ہوتا تو وہ دوزخ کے سب سے نیچے کے طبقے میں جاتے۔ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ ابوطالب کی وفات کفر پر ہوئی اور وہ مبتلائے عذاب بھی ہوں گے۔ مگر حضور کی شفاعت سے عذاب کی نوعیت میں تخفیف

ہو جائے گی۔ اسی باب کی تیسری حدیث یہ ہے کہ حضور نے ابو طالب کے متعلق فرمایا کہ لعلہ تنفعہ شفاعتی یوم القیامۃ فیجعل فی ضحضاح من النار یبلغ کعبیہ یغلی منہ دماغہ یعنی امید ہے کہ ابو طالب کو میری شفاعت قیامت کے روز فائدہ پہنچائے گی وہ یہ کہ چھچلی آگ میں رکھے جائیں گے جو صرف پاؤں کے ٹخنوں تک ہوگی۔ مگر اس کی گرمی سے دماغ کھولتا ہوگا۔ اس حدیث سے قیامت کے روز حضور کی جانب سے شفاعت ہونا اور شفاعت سے صرف عذاب کی تخفیف ہونا معلوم ہوتا ہے۔ اور ثابت ہوتا ہے کہ اس کے بعد وہ عذاب میں مبتلا رہیں گے۔

حافظ ابن حجرؒ نے فتح الباری میں اسی حدیث کے ذیل میں لکھا ہے کہ کافر کو حضور کی شفاعت سے تخفیف عذاب کا فائدہ پہنچنا ابو طالب کی خصوصیت ہے کہ حضور کی حفاظت اور حمایت کے صلہ میں حضور کی برکت سے اس قدر فائدہ ان کو پہنچے گا۔ یہی حدیث حافظ ابن حجرؒ نے اصابہ میں مسلم سے نقل فرمائی ہے۔ اس میں لعلہ نہیں بلکہ ینفعہ شفاعتی کا لفظ ہے۔ اور ظاہر ہے کہ قیامت کی یہ خبر اور عذاب کی تخفیف کی یہ صورت واقعات مستقبلہ میں سے ہے۔ جس کا علم حضور کو اعلام الٰہی سے ہوا ہوگا۔ اس لئے اس کے متحقق الوقوع ہونے میں کوئی شبہ نہیں ہو سکتا۔ اور اس بنا پر اب کوئی امکان اس کا باقی نہ رہا کہ ابو طالب کا اسلام کسی طور سے ثابت ہو سکے۔ واللہ اعلم۔

سوال

میں نے ایک رسالہ میں یہ حدیث دیکھی ہے۔ قدموا قریشا ولا تقدموھا وتعلموا منہا ولا تعلموھا الحدیث۔ اخرجہ ابن البخاری (از کنز جلد ۷۔ صفحہ ۱۴۰) اس حدیث کے متعلق یہ سوال ہے کہ آیا یہ حدیث صحیح ہے یا غیر صحیح۔ بصورت صحیح ہونے کے اس کا مطلب کیا ہے۔ اور بصورت ضعیف یا موضوع ہونے کے اس کے ضعیف یا وضعی ہونے پر کیا ثبوت ہے؟

المستفتی نمبر ۱۴۳ مولوی محمد زکریا عربک ٹیچر مسلم ہائی اسکول انبالہ۔ ۲۴ شوال ۱۳۵۴ھ مطابق ۲۰ جنوری ۱۹۳۶ء

(۱۳۵) **جواب** - یہ حدیث کنز العمال کے صفحہ ۱۴۰ جلد ہفتم میں موجود ہے۔ ابن النجار سے نقل کی ہے۔ اور مناوی نے کنوز الحقائق میں اس کو روایت کر کے (الشافعی) کی طرف منسوب کیا ہے اور لا تعلموھا کے بجائے لا تعالموھا ذکر کیا ہے۔ اور جامع صغیر میں کئی حوالوں سے بالفاظ مختلفہ ذکر کیا ہے مثلاً اس میں ہے۔ قدموا قریشا ولا تقدموھا وتعلموا من قریش ولا تعالموھا۔ الشافعی والبیہقی فی المعرفۃ عن ابن شہاب بلاغا (عل) عن ابی ھریرۃ (صح) قدموا قریشا ولا تقدموھا وتعلموا من قریش ولا تعلموھا ولولا ان تبطر قریش لاخبرتہا ما لخیارھا عند اللہ تعالی (طب) عن عبد اللہ بن السائبؓ

(صحیح) قدموا قریشا ولا تقدموھا ولولا ان تبطر قریش لاخبر تھا بما لھا عند اللہ۔ البزار عن علی (صحیح) یعنی یہ حدیث ابن النجار اور شافعی اور بیہقی اور ابن عدی اور طبرانی اور بزار نے روایت کی ہے۔ اور جامع صغیر میں اس کی تمام روایتوں پر صحت کی علامت کی گئی ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ حدیث صحیح ہے۔ اور اس کے معنی یہ ہیں کہ قریش مقدم (مقتدا) ہونے کے اہل ہیں ان کو مقدم رکھو اور (ما اقاموا الدین) جب تک ان کی اہلیت قائم ہو تم ان سے مقدم ہونے کی کوشش نہ کرو اور قریش یعنی عترتِ نبویہ سے دین سیکھو یا قرآن مجید کی قرأت (ان القرآن نزل بلغۃ قریش) حاصل کرو اور اس بارے میں ان کے ساتھ مقابلہ کرنے کی راہ اختیار نہ کرو۔ یہ فقط ایصال الحق الی اھلہ کی تعلیم ہے اور اہلیت کا ثبوت ان کے لئے علی ماینبغی ہے نہ بطور لزوم۔ جیسے کہ لفظ ما اقاموا الدین سے ظاہر ہے کہ دین سے روگردانی پر وہ قیادت اور تقدم کے مستحق نہیں۔ فقط　　محمد کفایت اللہ کان اللہ لہٗ

سوال

حضرت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے سر مبارک کو ابن زیاد نے بید سے مارا۔ اور ناک اور آنکھوں کی راہ شراب ڈالی اور کہا کہ حسین تم کو شراب سے زندگی میں بہت انکار تھا اب مرنے کے بعد شراب ہم تم کو پلاتے ہیں۔ کیا یہ واقعہ تاریخ کی کسی کتاب میں درج ہے؟ اور کیا اس واقعہ کو عام پبلک کے سامنے منبر پر کہنا چاہیئے۔ المستفتی نمبر ۸۴۰ محمد اسرائیل خاں (آدرہ) ۱۸ محرم ۱۳۵۵ھ مطابق ۱۱ اپریل ۱۹۳۶ء

(۱۳۶) **جواب** بید مارنے کا واقعہ تو دیکھا ہے۔ شراب کا واقعہ نظر سے نہیں گزرا۔ ایسے واقعات کا ذکر کچھ اچھا نہیں۔　　محمد کفایت اللہ کان اللہ لہٗ۔ دہلی۔

سوال

حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ نے لشکر اعدا کے مقابلہ کے وقت تلوار کا ایک ہاتھ اس زور سے مارا کہ گھوڑا مع زین اور سوار معہ خود وغیرہ کٹ کر تلوار زمین میں اتر گئی۔ امام حسین رضی اللہ عنہ جس طرف رخ پھیرتے تھے ہزاروں اعدا کو چشم زدن میں فنا کر دیتے تھے۔ ایک بار امام رضی اللہ عنہ نے لشکر اعدا کے سامنے ہاتھ اٹھا کر رومال سے اشارہ کیا تو تمام صف اول کے آدمیوں کے سر تن سے جدا ہو گئے۔ یہ روایات صحیح ہیں اور کسی مستند و معتبر کتاب سے اس کا ثبوت ملتا ہے یا نہیں؟

المستفتی نمبر ۱۱۰۶ عبدالرحمن و محمد حسین صاحبان (سادرہ) ۲۰ جمادی الثانی ۱۳۵۵ھ مطابق ۸ ستمبر ۱۹۳۶ء

(۱۳۷) **جواب**:۔ اس روایت کی سند اور حوالہ بیان کرنے والے سے دریافت کرنا چاہیئے۔ ہماری نظر میں اس کی سند نہیں ہے۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہٗ۔ دہلی۔

سوال

دہرہ دون میں ۷ دسمبر ۱۹۳۶ء کو مندرجۂ ذیل افسوسناک مکالمہ عمرو کے مکان پر زید اور بکر کے درمیان وقوع میں آیا۔ تینوں صاحبان اوسط عمر کے مسلمان اہل سنت والجماعت ہیں۔ مکالمہ مذکورہ مندرجۂ ذیل عالیجناب کی خدمت بابرکات میں بطور استفسار ارسال کیا جاتا ہے کہ ہر دو صاحبان زید اور بکر یا دونوں میں سے کوئی کس حد تک مرتکب جرم شرعی ہے؟

نیز درصورت ثابت ہونے گناہ کے گناہ گار پر کیا کفارہ اور ازالہ واجب وعائد ہوتا ہے۔

زید (عمرو سے) حضرت علی کرم اللہ وجہہ ایک معمولی گھرانے کے تھے۔ پستہ قد تھے۔ تنادر تھے۔ پہلوانی کیا کرتے تھے۔ ہمارے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی نگاہ کرم سے کہیں سے کہیں پہنچے اور شیر یزداں لکھا ہے۔

عمرو۔ معمولی گھرانے سے تمہارا کیا مطلب ہے۔ کیا تمہارا مطلب ان کی نجابت سے ہے؟

زید۔ نہیں عمرو میرا مطلب یہ ہے کہ وہ متمول نہیں تھے۔ ان کی نجابت کے احترام سے کون منکر ہے۔

عمرو۔ حضرت علی تو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے گھرانے کے تھے۔

زید۔ ہرگز نہیں۔ وہ علیحدہ تھے۔ بلکہ شاید کسی تنقید میں میں نے ایک اور تعجب خیز امر دیکھا تھا کہ ابوطالب عم رسول اکرم صلعم اور ابوطالب والد حضرت علی دو جدا جدا شخص تھے۔

عمرو۔ اس کو تو شیعہ سنی سب مانتے ہیں اور جانتے ہیں کہ وہ ایک ہی خاندان تھا۔

زید۔ میرا مطلب خاندان کے ایک نہ ہونے سے نہیں ہے۔ بلکہ حضرت علی الگ رہتے تھے۔

بکر۔ (نہایت طیش میں زید سے مخاطب ہو کر) لاحول ولاقوۃ تمہیں عربی نہیں آتی۔ میں تم کو اسلام سے خارج سمجھتا ہوں۔ تم کافر ہو۔ تم سے بات کرنا گناہ ہے۔

زید۔ (نہایت خندہ پیشانی سے) ادہو اس میں گناہ کیا ہے۔ ضمناً ایک بات ہے۔ ایمان سے تو متعلق نہیں ہے۔ کفر مجھ پر کیوں عائد کرتے ہو۔ میں کوئی وعظ تو نہیں کہہ رہا ہوں۔ اگر میں غلط ہوں تو صحت کر دو۔ میں نے شاید کہیں یہی پڑھا ہے۔ غالباً شاہنامہ یا کہیں اور۔

بکر۔ (پہلے سے بھی زیادہ طیش میں) لعنت ہے تم پر۔ تم جیسے کافر خارج از اسلام سے تو بات کرنا بھی گناہ ہے

وغیرہ وغیرہ۔ المستفتی ۱۲۷۹ مسٹر عبدالخالق انصاری ایم۔ اے۔ (دہرہ دون) ۲۸ شوال ۱۳۵۵ھ مطابق ۲ جنوری ۱۹۳۷ء

(۱۳۸) **جواب** زید کے کلام میں کئی ایک غلطیاں ہیں۔ یہ کہنا کہ ان کے والد ابوطالب اور شخص تھے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عم مکرم ابوطالب اور شخص تھے بالکل غلط ہے۔ اسی طرح یہ کہنا کہ حضرت علی الگ رہتے تھے یہ بھی غلط ہے۔ پھر یہ کہ انھوں نے شاہنامہ میں یہ باتیں پڑھی ہیں یہ اور زیادہ غلط اور جاہلانہ بات ہے۔ بکر کے کلام میں زید پر جو الزام ہیں عربی نہ آنا۔ اس قسم کی باتیں بلا تحقیق کرنا۔ روزہ نہ رکھنا اگر یہ واقعات ہیں تو بے شک الزامات درست ہیں۔ رہا لہجہ کا تشدد جو بکر کی طرف سے ظاہر ہوا اور زید پر کفر کا حکم کر دینا تو یہ نامناسب تشدد ہے۔ اور تکفیر کی ان میں کوئی معقول وجہ نہیں ہے۔

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ، دہلی

سوال

قاتلان حسین اور یزید پلید کو گالیاں دینا جائز ہے یا نہیں؟

المستفتی نظیر الدین امیر الدین (املیزہ ضلع مشرقی خاندیس)

(۱۳۹) **جواب** قاتلان حسین کے متعلق اتنا کہنا تو جائز ہے کہ انھوں نے بہت بڑا گناہ اور ظلم کیا۔ مگر گالیاں دینا درست نہیں۔ اور لعنت کرنا جائز نہیں۔ المؤمن لایکون لعاناً۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ، دہلی

سوال

(الجمعیۃ مورخہ ۲۴ اکتوبر ۱۹۳۴ء)

بعض لوگوں کا خیال ہے کہ شہادتِ امام حسین کے اندر یزید کا بالکل ہاتھ نہ تھا۔ بلکہ اس واقعہ پر یزید بہت نادم ہوا اور اہل بیت کے ساتھ ہمدردی سے پیش آیا۔ یہ بات کہاں تک صحیح ہے؟

(۱۴۰) **جواب** ہاں یزید اس طرز عمل کی روداد سن کر جو اس کے لشکر والوں نے برتا مکدر ضرور ہوا۔ اور اہل بیت کے ساتھ اس نے ان کے احترام کے خلاف کوئی حرکت نہیں کی۔

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ،

تیسرا باب

صحابہ وتابعین

سوال

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے وقت صحابہ کرام کی تعداد کل کتنی تھی؟

المستفتی نمبر ۲۹۸ حسین جمال الدین منہار ۱۶ صفر ۱۳۵۳ھ مطابق ۳۱ مئی ۱۹۳۴ء

(۱۴۱) **جواب** آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے وقت صحابہ کی صحیح تعداد کا علم تو خدا کو ہی ہے۔ تاہم محدث کبیر ابو زرعہ رازی نے فرمایا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے وقت ایسے صحابہ جنہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے رؤیت یا سماع کے ذریعہ سے کوئی روایت کی ہے ان کی تعداد ایک لاکھ تھی۔ اور ظاہر ہے کہ ایسے صحابی جن سے کوئی روایت نہیں ان کی تعداد اس کے علاوہ ہوگی۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ

سوال

ایک روز چند اشخاص اہل السنت والجماعۃ کے ایک جگہ بیٹھے تھے۔ اس میں تذکرہ مذہب کا تھا۔ تفضیل الشیخین پر فریقین متفق ہیں۔ (۱) احمد کا دعوی ہے کہ اولاد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شان اعلیٰ ہے۔ محمود کا دعوی ہے کہ صحابہ کی شان اہل بیت اطہار سے بڑھی ہوئی ہے اور یہ کہ صحابہ کی شان میں حدیث آئی ہے کہ جو کوئی ان کی پیروی کرے گا ہدایت پائے گا۔ اس کے علاوہ قرآن پاک کی آیت سے بھی ان کی شان و مرتبہ کا پتہ چلتا ہے۔ احمد نے کہا اہل بیت کی شان میں بھی حدیثیں آئی ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ میں دو چیزیں اپنے بعد موجب نجات اپنی امت میں چھوڑے جاتا ہوں۔ ان میں سے ایک قرآن پاک اور دوسری اہل بیت ہے۔ جو ان دونوں کو اختیار کرے گا نجات پائے گا۔ محمود نے کہا وہ حدیث جو صحابہ کی شان میں ہے اس کے مقابل میں اہل بیت کی شان کی حدیث نہیں ہے۔

(۲) اسی مجلس میں ذکر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا آیا۔ اس پر محمود نے کہا کہ وہ عشرہ مبشرہ میں ہیں احمد نے کہا کہ مجھے عشرہ مبشرہ کی تو تحقیق نہیں لیکن آپ صحابی ضرور ہیں مگر ان سے کچھ غلطی ہوئی۔ چنانچہ حضرت مولانا شاہ عبدالعزیزؒ نے تحفۂ اثنا عشریہ میں لکھا ہے کہ ان سے خطا ضرور ہوئی۔ محمود نے کہا کچھ بھی ہو لیکن حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کا درجہ حضرت سیدہ فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہا اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ

اور حضرت امام حسین علیہ السلام یعنی اہل بیت سے بڑھا ہوا ہے۔ براہ کرم اپنی رائے سے مطلع فرمائیں۔

(۳) بعدہ ایک مولوی صاحب نے فرمایا کہ ایسا اعتراض حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے ایمان پر بھی ہے۔ کیونکہ وہ نابالغی کی حالت میں ایمان لائے تھے اور نابالغی کے ایمان اور فعل کا اعتبار نہیں ہوتا۔

(۴) حضرت علی کرم اللہ وجہہ پر کن کن صحابہ کو فضیلت ہے؟

(۵) ایک بار تذکرہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی شہادت کا آیا تو کسی نے کہا کہ ان کی شہادت تو مروان کے فعل سے ہوئی جیسا کہ مشہور ہے کہ فاقبلوا کی جگہ فاقتلوا لکھ دیا۔ جب حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو خبر ملی کہ دشمنوں نے خلیفہ سوم کے مکان کو گھیر لیا ہے اور حملہ آور ہیں تو اپنے دونوں صاحبزادوں کو مسلح کر کے بھیجا اور سمجھا دیا کہ حضرت عثمان کو دشمنوں کے آزار سے بچانا۔ اس پر محمود نے کہا کہ یہ کام حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا صرف دکھانے کا تھا حقیقۃً ان کو حضرت عثمان کی حفاظت منظور نہ تھی۔

حضرات علما سے دریافت کیا جاتا ہے کہ کیا واقعی حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا ظاہر کچھ تھا اور باطن کچھ؟ المستفتی نمبر ۵۲۳ شیخ شفیق احمد (ضلع مونگھیر) ۷ ربیع الثانی ۱۳۵۴ھ مطابق ۹ جولائی ۱۹۳۵ء

(۱۴۲) **جواب** (۱) صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کی شان بھی رفیع ہے۔ اور اہل بیت رضی اللہ عنہم کی شان بھی بلند ہے۔ اہل بیت میں داخل ہونے کا شرف جدا ہے اور فضیلتِ صحبت جدا۔ دونوں کے متعلق صحیح حدیثیں موجود ہیں۔ جن لوگوں کو دونوں شرف حاصل ہوئے یعنی وہ اہل بیت میں بھی ہیں اور صحابی بھی ہیں جیسے حضرت امام حسن اور حضرت امام حسین رضی اللہ عنہما، ان کی فضیلت دونوں جہت سے ثابت ہے۔ اور جو اہل بیت میں شامل ہیں مگر صحابی نہیں ان کو ایک شرف حاصل ہے دوسرا نہیں۔ جو صحابی ہیں مگر اہل بیت میں شامل نہیں، ان کو بھی ایک شرف حاصل ہے دوسرا نہیں۔ اس کے بعد علم و تقوی اور دیگر صفات کی وجہ سے فضیلت کے مراتب کم و بیش ہوتے ہیں۔ اس لئے اس بارے میں اسی قدر اعتقاد پر اکتفا کرنا اسلم ہے۔ شیخین کی فضیلت کلیہ باوجود اہل بیت میں داخل نہ ہونے کے صرف صحابی ہونے کی بنا پر نہیں بلکہ ان کے اوصاف کاملہ علم و تقوی اور خدمات دینیہ کی بنا پر ہے جن میں وہ خاص امتیازی شان رکھتے ہیں۔

(۲) حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ جلیل القدر صحابی ہیں عشرہ مبشرہ میں داخل نہیں ہیں۔ اور یہ کہنا بھی درست نہیں کہ وہ حضرت سیدہ فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہا اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ اور

حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ سے افضل ہیں۔ ان کے لئے وہ مناقب جو احادیث میں آئے ہیں کہ وہ حضورؐ کے کاتب وحی تھے اور حضور نے ان کو اپنا کرتہ مرحمت فرمایا تھا اور دعا دی تھی اور ان کے پاس حضور کے

(آگے کچھ عبارت رجسٹر میں منقول نہیں ہے۔ واصف)

(۳) یہ اعتراض مہمل اور لغو ہے۔ یہ تو حضرت علی کی فطری اور طبعی صلاحیت کی دلیل ہے کہ بچپنے میں ہی ان کو معرفت حق اور قبول صداقت کی توفیق مبدأ فیاض سے عطا ہوئی تھی۔

(۴) ترتیب فضیلت ترتیب خلافت کے موافق ہے۔ یعنی حضرت ابو بکر صدیق حضرت عمر فاروق حضرت عثمان غنی ذوالنورین حضرت علی سے افضل ہیں۔ ان تینوں کے بعد حضرت علی باقی صحابہ کرامؓ سے افضل ہیں

(۵) یہ خیال کہ حضرت علی نے صرف دکھاوے کے لئے حضرت حسن و حسین کو بھیجا تھا، حفاظت منظور نہ تھی، بدگمانی ہے۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی طرف سے ایسی بدگمانی کرنی مناسب نہیں۔

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہٗ

سوال

(۱) حضرات خلفائے ثلاثہ رضی اللہ عنہم کے ساتھ گروہ شیعہ کو اس قدر بغض ہے کہ ایک طرف خود سراً وجہراً اپنے گھروں میں اور سنیوں کی سماعت میں ان پر سب وشتم اور لعن وطعن کرتے ہیں اور دوسری طرف اگر سنی ان کی مدح میں قصائد یا نظمیں پڑھیں تو کہتے ہیں کہ اس سے ہماری دل آزاری ہوتی ہے اور اس بنا پر اسے روکنے کی کوشش کرتے ہیں۔ ایسی صورت میں سنیوں پر مدح خلفائے ثلاثہ میں قصائد یا نظموں کا پڑھنا۔ اپنے گھروں محفلوں میں عام مقامات اور شارع عام پر مذہباً ضروری ہے یا نہیں؟

(۲) حکومت وقت نے شیعوں کی درخواست اور شکایات پر حفظ امن کے بہانہ سے شارع عام پر مجمع عام میں اور ایسے مقامات پر جو محلہ نہ ہوں یا عامۃ الناس کے استعمال کے لئے ہوں حضرات خلفائے ثلاثہؓ کی مدح کرنا یا مدح میں، قصائد اور نظمیں پڑھنا ممنوع قرار دیا ہے تو حکومت کی یہ کارروائی مداخلت فی الدین ہے یا نہیں؟

(۳) شیعوں کی مخالفت اور حکومت وقت کی مزاحمت کی بنا پر جیسا کہ اوپر مذکور ہے ان سنیوں کے لئے جو ایسے مقام پر سکونت پذیر ہوں جہاں کہ یہ مخالفت اور مزاحمت کی جا رہی ہو، اس مخالفت کا انسداد کرنا اور حضرات خلفائے ثلاثہؓ کے محامد ومناقب کو نثر یا نظم میں علی الاعلان و بر سر عام جلسوں یا جلوسوں

میں بیان کرنے کا حق حاصل کرنا مذہباً لازم ہے یا نہیں۔

(۴) جس مقام پر حضرات خلفائے ثلاثہؓ کے محامد و مناقب کا بیان علی الاعلان و برسر عام کرنے کی مخالفت و مزاحمت ہوتی ہو جیسے کہ اودھ میں لکھنؤ ہے اور وہاں کے کچھ سنی اس مخالفت و مزاحمت کے انسداد کے لئے کوشاں ہوں تو جو لوگ ان کی تائید و نصرت کریں اور ان کو مالی یا کسی قسم کی امداد دیں تو وہ عند اللہ ماجور ہوں گے یا نہیں اور جو اہل علم یا علمائے دین یا امرا یا ارباب ثروت اس کوشش کرنے والی جماعت کی تائید و نصرت اور امداد سے پہلو تہی کریں وہ اعانت روافض اور تعاون علی الاثم والعدوان کے مرتکب ہوں گے یا نہیں؟

المستفتی نمبر ۱۱۴۳ مولوی عبدالرحیم صاحب (انجمن تحفظ ملت لکھنؤ)

۶ جمادی الثانی ۱۳۵۵ھ مطابق ۲۵ اگست ۱۹۳۶ء

جواب (از جناب مولوی محمد اسباط صاحب مدرس مدرسہ عالیہ فرقانیہ لکھنؤ) جواب عرض کرنے سے پہلے چند مقدمات کی تمہید ضروری ہے:-

(۱) ہر مسلمان کا مذہبی فریضہ ہے کہ احکام شرعیہ و نیز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے اصحاب کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے صحیح صحیح حالات ناواقف مسلمانوں بلکہ غیر مسلموں تک بھی پہونچائے تاکہ اسلامی تعلیمات اور رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے اصحاب کرام کی صداقت کے اذعان اور ان کی محبت سے ان کے قلوب معمور ہو جائیں اور اللہ کی حجت بندوں پر پوری ہو جائے۔ قال اللہ تعالیٰ ادع الی سبیل ربك بالحکمۃ والموعظۃ الحسنۃ وجادلھم بالتی ھی احسن وقال اللہ تعالیٰ فاصدع بما تؤمر۔ وقال اللہ تعالیٰ وانذر عشیرتك الاقربین۔ وقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بلغوا عنی ولو آیۃ۔ وقال علیہ السلام نضر اللہ امرأ سمع منا شیأ فبلغہ کما سمعہ فرب مبلغ اوعی لہ من سامع (رواہ الترمذی وابن ماجہ ورواہ الدارمی عن ابی الدرداء) (مشکوٰۃ)

(۲) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب کرام آپ کی امت اور آپ کے درمیان واسطہ کبریٰ ہیں ان ہی کی مساعی جمیلہ اور ان ہی کی کوششوں اور جانفشانیوں سے ساری دنیا کے لوگوں کو دولت اسلام ملی ہے اور اللہ تعالیٰ نے ان کو اپنے بندوں پر حجت بنایا قال اللہ تعالیٰ وکذلك جعلنٰکم امۃ وسطا لتکونوا شھداء علی الناس ویکون الرسول علیکم شھیداً۔ اور امت کی گردن پر ان کا احسان ہے لہٰذا شریعت نے ان کی عظمت اور محبت اور ان کی اطاعت اور ان کے لئے دعائے مغفرت ہمارے اوپر لازم کر دی

قال اللہ تعالیٰ والذین جاؤا من بعدھم یقولون ربنا اغفرلنا ولاخواننا الذین سبقونا بالایمان ولا تجعل فی قلوبنا غلا للذین اٰمنوا ربنا انک رؤف رحیم۔ وعن عبداللہ بن مغفل قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ اللہ فی اصحابی لا تتخذوھم غرضا من بعدی فمن احبھم فبحبی احبھم ومن ابغضھم فببغضی ابغضھم ومن اٰذاھم فقد اٰذانی ومن اٰذانی فقد اٰذی اللہ ومن اٰذی اللہ فیوشک ان یاخذہ (رواہ الترمذی) وعن عمر قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اکرموا اصحابی فانھم خیارکم ثم الذین یلونھم ثم الذین یلونھم ثم یظھر الکذب الخ (مشکوۃ) وعن حذیفۃ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انی لا ادری ما بقائی فیکم فاقتدوا بالذین من بعدی ابی بکرؓ وعمرؓ۔

(۳) شریعت نے چونکہ تبلیغ کے لئے کسی طریقۂ خاص کا پابند نہیں بنایا ہے بلکہ مسلمانوں کو اختیار دیا ہے کہ شریعت کے حدود میں رہتے ہوئے ہر ایسے طریقہ کو اختیار کر سکتے ہیں کہ جس سے مقصود تبلیغ ہو سکے۔ لہٰذا ان کو اختیار ہے کہ خواہ نثر میں خواہ نظم میں۔ خواہ انفرادی طور پر ہو یا اجتماعی طور پر جس طرح بھی ہو سکے، ان کے فضائل ومناقب ان کے کارنامے ان کی اسلام کے ساتھ اور اپنے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ شیفتگی کے واقعات پڑھیں اور مسلمانوں کے سامنے پیش کریں۔ خصوصاً نظم اور قصائد کی صورت میں۔ کیونکہ اس صورت کے ساتھ تبلیغ کا خاص طور پر موثر اور مفید ہونا ظاہر ہے۔

(۴) یہ بھی ظاہر ہے کہ مذہبی مجالس اور محافل میں صرف وہی مسلمان شرکت کرتے ہیں کہ جن کو کسی نہ کسی درجہ میں مذہبی دلچسپی ہے۔ لیکن جو مسلمان مذہب سے کوئی دلچسپی نہیں رکھتے ان کو مذہب اور بزرگان دین کی طرف مائل کرنے کا طریقہ صرف یہی ہو سکتا ہے کہ عام بازاروں اور سڑکوں اور تفریح گاہوں میں بھی ہم مذہبی تبلیغ کریں۔

(۵) یہ ظاہر ہے کہ دنیا میں ہمیشہ مذہب والوں نے دوسرے مذاہب کو اور ان کے اصول وفروع کو اپنے لئے دل آزار قرار دیا ہے خواہ وہ کتنے ہی صحیح اور معقول کیوں نہ ہوں اپنی دسترس بھر انھوں نے دوسرے مذاہب کو مٹانے میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کیا۔ ہندوستان اور یورپ کی ازمنہ ماضیہ کی تاریخ پڑھنے والوں پر یہ حقیقت پوشیدہ نہیں ہے۔ بلکہ آج بھی ہندوستان کی ریاستوں میں اذان اور نماز اور قربانی وغیرہ پر جو سخت پابندیاں عائد ہیں وہ اس دعوے کے لئے شاہد عدل ہیں اور خود قرآن حکیم نے بھی فرمایا ولن ترضی عنک الیھود ولا النصاری حتی تتبع ملتھم۔ ایسی حالت میں کسی قوم کا یہ دعوی کرنا کہ

فلاں قوم فلاں مذہب کی فلاں بات سے ہماری دل آزاری ہوتی ہے ہرگز قابل سماعت نہیں ہو سکتا۔ بلکہ اس کے لئے حقوق وحدود کی تعیین ضروری ہے۔ ان حقوق اور حدود میں یہ چند باتیں خاص طور سے قابل لحاظ ہیں۔ (الف) جب ایک ملک میں مختلف قوم اور مختلف مذہب وملت کے لوگ آباد ہوں تو ہر قوم کا جان و مال عزت و مذہب دوسری قوم کی دست اندازی اور حملہ سے محفوظ رہنا ضروری ہے۔ (ب) ہر قوم اپنے مذہبی فرائض کے ادا کرنے میں آزاد ہے، چاہے اپنے گھروں میں ہو یا عبادت گاہوں میں یا شاہراہوں میں یا تفریح گاہوں میں۔ جب تک کہ کسی قوم کی توہین اور دل آزاری نہ کریں۔ (ج) یہ بھی ظاہر ہے کہ دنیا کے تمام اہل مذاہب کو یہ دعوی ہے کہ صرف انھیں کا مذہب حق ہے اور اس کے علاوہ تمام مذاہب جھوٹے اور غلط ہیں۔ ایسی حالت میں یقیناً کسی ایک مذہب کی تبلیغ اور فضائل اور مناقب اور محاسن کو بیان کرنا لزوماً دوسرے مذہب کا رد ہے۔ اور ایک مذہب کے بزرگوں کی تعریف دوسرے مذہب کا ابطال ہے۔ یہ بھی ظاہر ہے کہ اکثر مذاہب کے بزرگوں سے دوسرے مذہب اور مذہب والوں کو نقصان بھی پہونچا ہے۔ کون نہیں جانتا کہ حضرات صحابہ کرام کے ہاتھوں آتش پرستوں کی قومیت کا شیرازہ بکھر گیا اور عیسائیوں کی روم اور مصر کی بڑی بڑی سلطنتیں برباد ہو گئیں۔ ہندو برہمنوں نے بدھ مذہب والوں کو کس طرح ہندوستان سے مٹایا لیکن بایں ہمہ نہ کبھی عیسائیوں نے صحابہ کرام کی مدح کو دل آزاری سمجھا نہ پارسیوں نے۔ ہندو اور سکھ بھی اپنا مذہبی جلوس نکالتے ہیں لیکن کسی قوم نے آج تک یہ دعوی نہیں کیا کہ اس سے ہماری دل آزاری ہوتی ہے۔ کیوں؟ صرف اس لئے کہ دل آزاری صرف اسی وقت دل آزاری ہے جب قوم و مذہب پر تعریض ہو یا کسی طرح بھی اشارۃً یا کنایۃً اس کی توہین کی جاتی ہو ورنہ صرف اپنے بزرگوں کی مدح چاہے کسی دوسری قوم کے لئے وہ کیسے ہی مبغوض ہوں ہرگز دل آزاری نہیں ہو سکتی۔ اور ہو تو قابل التفات نہیں۔ (۶) حفظ امن کے معنی یہ ہیں کہ ایک قوم کو دوسری قوم کے حقوق میں دست اندازی کرنے سے روکا جائے نہ یہ کہ ایک قوم کی خاطر دوسری قوم کو اس کے واجبی حقوق سے روکا جائے۔

(۷) حکومت کا جو حکم مداخلت فی الدین کی قبیل سے ہو ہمیں ہرگز اطاعت جائز نہیں۔ عن ابن عمر قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم السمع والطاعۃ علی المرء المسلم فیما احب وکرہ مالم یؤمر بمعصیۃ فاذا امر بمعصیۃ فلا سمع ولا طاعۃ (متفق علیہ مشکوۃ) عن علی رضؓ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لا طاعۃ فی معصیۃ انما الطاعۃ فی المعروف (متفق علیہ مشکوۃ)۔

(۸) ہر مسلمان کا مذہبی فرض ہے کہ جب اس کے مذہب میں مداخلت کی جائے تو بقدر استطاعت اُس کی مخالفت

کرے اور ہرگز اس مداخلت کو روا نہ رکھے ورنہ تعاون اثم و عدوان کا مرتکب ہوگا۔ عن ابی سعید الخدری عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال من رأی منکم منکرا فلیغیرہ بیدہ فان لم یستطع فبلسانہ فان لم یستطع فبقلبہ وذلک اضعف الایمان (رواہ مسلم مشکوۃ) وقال اللہ تعالی تعاونوا علی البر والتقوی ولا تعاونوا علی الاثم والعدوان۔

البتہ ابتداءً سختی کی ضرورت نہیں ہے۔ پہلے حدود قانون میں رہ کر تحصیل حق کی کوشش کرنا ضروری ہے۔ اگر خدانخواستہ ناکامیابی ہو تو پھر خدائی قانون کے آگے کسی قانون کی پروا نہ کریں۔

ان آٹھ مقدمات کے بعد ہر نمبر کا جواب ملاحظہ ہو۔

(۱) حسب مقدمہ ثانیہ آیات واحادیث سے ثابت ہوا کہ صحابہ کرام بندوں پر اللہ تعالیٰ کی حجت ہیں اور امت مسلمہ کے دولت اسلام پانے کے لئے واسطہ عظمیٰ ہیں۔ یہ بھی معلوم ہوا کہ بسبب مسلمانوں کی گردن پر ان کے احسان عظیم کے ان پر شریعت نے صحابہ کرام کے حقوق قائم و مقرر کیے ہیں۔ عظمت و محبت و اطاعت و دعائے مغفرت۔ اور حسب مقدمہ اولیٰ یہ بھی ثابت ہوا کہ جملہ احکام شریعت کی تبلیغ مسلمانوں پر ضروری ہے۔ اور منجملہ حقوق یہ حقوق اربعہ بھی ہیں۔ لہٰذا ان کی تبلیغ بھی ضروری ہے۔ اور حسب مقدمہ ثانیہ یہ بھی ثابت ہوا کہ تبلیغ کے کسی خاص طریقہ کا ہم کو شریعت نے پابند نہیں بنایا، جب تک ہم حدود شریعت سے تجاوز نہ کریں۔ اور حسب مقدمہ رابعہ عامہ مسلمانوں تک ان احکام کے پہونچانے کی صرف یہی صورت ہے کہ ہم ہر جگہ بازاروں اور سڑکوں اور سیرگاہوں میں بھی تبلیغ کریں اور حسب مقدمہ خامسہ یہ بھی ثابت ہوا کہ صرف اپنے بزرگوں کے فضائل و مناقب بشرطیکہ دوسرے مذاہب اور ان کے بزرگوں کی توہین و تعریض کے ساتھ نہ ہو، موجب دل آزاری نہیں ہے۔ یا ہے تو قابل التفات نہیں ہے۔ لہٰذا ثابت ہوا کہ صحابہ کرام کی عموماً اور خلفائے راشدین کی خصوصاً مدح اور ان کے فضائل و مناقب خواہ بصورت نظم ہو یا بصورت نثر، خواہ ایک آدمی پڑھے یا متعدد آدمی، خواہ گھروں میں ہو یا مسجدوں میں، بازاروں میں ہو یا سیرگاہوں میں، ہر جگہ اور ہر طرح پڑھ سکتے ہیں۔ بلکہ شرعاً ضروری ہے۔ ورنہ ترک فریضۂ تبلیغ کا گناہ بھی ہوگا۔ اور "من لم یشکر الناس لم یشکر اللہ" کے بھی مصداق ہوں گے۔ خاص کر جب کہ ایک قوم ان پر سب و دشنام تبرا و افترا نہایت منظم طریقہ پر کر رہی ہے۔ نظم و نثر میں ان کی ہجو اور معائب بیان کرتی ہے حالانکہ ان کو ان چیزوں کا کوئی حق حاصل نہیں۔ ایسی حالت میں مسلمانوں کا قطعی صحابہ کے فضائل اور مناقب بھی نہ بیان کرنا کس قدر خسران دنیوی و اخروی کا باعث ہے۔

(۲) حسب مقدمہ ثانیہ ثابت ہوا کہ مسلمانوں کو مدح صحابہ سے روکنا یقیناً مداخلت فی الدین ہے جس میں اطاعت کرنے سے مسلمان اپنے مذہب کی رو سے معذور ہیں۔

(۳-۴) حسب مقدمہ ثانیہ مسلمانوں پر اپنے اس حق کو حاصل کرنا شرعاً ضروری ہے اور جو لوگ اس حق کے حاصل کرنے میں سعی کریں گے یا جو لوگ ان کی تائید و نصرت کریں گے وہ یقیناً ماجور و مثاب ہوں گے۔ ورنہ بقدر اپنی استطاعت کے نہی عن المنکر نہ کرنے سے گنہگار اور تعاون علی الاثم والعدوان کے مرتکب ہوں گے۔

ھذا واللہ اعلم و علمہ اتم واحکم۔ کتبہ محمد اسباط مدرس مدرسہ عالیہ فرقانیہ لکھنؤ ۲ جمادی الاولیٰ ۱۳۵۵ھ

الجواب صحیح — محمد صدیق الہ آبادی مدرس مدرسۂ عالیہ فرقانیہ لکھنؤ

الجواب صحیح — ظہور احمد کان اللہ لہ مدرس و مفتی مدرسہ عالیہ فرقانیہ لکھنؤ

الجواب صحیح۔ حیدر حسن شیخ الحدیث و مہتمم دار العلوم ندوۃ العلماء

الجواب صحیح (مہر) ابو العماد محمد شبلی مدرس دار العلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ ۲۹ جولائی ۱۹۳۶ء

واقعی صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کے کارناموں ان کے فضائل و مناقب کا بیان کرنا امر دینی ہے اور اس پر حکومت کا پابندی عائد کرنا نہ صرف مداخلت فی الدین بلکہ جنبہ داری ہے فصح الجواب و اللہ اعلم بالصواب۔ حررہ ابو الرحیم محمد ایوب غفرلہ ۵/۵ ۵۵ھ (مہر)

الجواب صحیح۔ ننگ اسلاف حسین احمد غفرلہ۔ الجواب صواب۔ احقر محمد طیب غفرلہ مہتمم دار العلوم دیوبند ۵۵ھ

الجواب صواب۔ بندہ محمد ابراہیم عفی عنہ۔ مدرس دار العلوم دیوبند۔ المجیب مصیب۔ ریاض الدین عفی عنہ مدرس دار العلوم دیوبند

الاجوبۃ کلہا صحیحۃ وحصول ھذا الحق فرض لاھل السنۃ والجماعۃ مما لابد لاھل الاسلام قاطبۃ وان غصبہ الحکومۃ المتسلطۃ لبعض اعوانہ ویجب علی المسلمین کافۃ الاجتہاد فی تحصیل ھذا الحق الصریح بای طریق کان مما لم یتجاوز حدود الشرع۔ محمد اعزاز علی غفرلہ مقیم دار العلوم دیوبند ۱۶ جمادی الاول ۱۳۵۵ھ

جواب ۱۰۲ (از نائب مفتی دار العلوم دیوبند)۔ جواب صحیح ہے لیکن مسلمانوں کو ایسی تدبیر اور تنظیم سے کام کرنا چاہئے جو حصول مقصد کے لئے موثر اور مفید ہو اور بدامنی نہ ہو۔ بلا سوچے سمجھے اپنے نفوس کو مقید کرنا اور کاروبار کو تباہ کرنا مناسب نہیں۔ فقط۔ واللہ اعلم۔ مسعود احمد عفا اللہ عنہ۔ نائب مفتی دار العلوم دیوبند ۲۴ جمادی الاول ۱۳۵۵ھ

الجواب صواب۔ محمد سہول عثمانی عفی عنہ۔ مفتی دار العلوم دیوبند۔

الجواب صحیح۔ شمس الحق۔ مدرس دار العلوم دیوبند۔

لقد اصاب من اجاب۔ محمد عبد الحق نافع عفی عنہ۔ مدرس دار العلوم دیوبند

مہر دار الافتاء
دار العلوم دیوبند

(۱۴۳۳) **جواب** (از حضرت مفتی اعظمؒ) ھو الموفق۔ صحابۂ کرام کے فضائل وکمالات اور مآثر حسنہ بیان کرنا اور ان کی اشاعت وتبلیغ کرنا اہل السنۃ والجماعۃ کا ایک مذہبی اور اخلاقی بلکہ قانونی حق ہے۔ اس پر پابندی عائد کرنا حکومت کے لئے آئین اور انصاف کے خلاف ہے۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہٗ۔ دہلی۔

مہر دار الافتاء
مدرسہ امینیہ دہلی

جواب ۱۵۱۸۔ (از حضرت مفتی مظاہر العلوم سہارنپور) حضرات خلفائے راشدین اور دیگر صحابۂ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا ذکر اور بیان اہل السنت کا ایسا شعار ہے کہ جس سے کوئی وعظ کوئی تقریر کوئی خطبہ کتاب کا یا جمعہ کا خالی نہیں ہوتا اور شرعاً مدح صحابہ کے لئے عام آزادی ہے۔ کسی محل کی تقیید کرنا اور اہل السنۃ کو روکنا بلا وجہ شرعی یقیناً مداخلت فی الدین وظلم ہے۔ حکومت کا فرض ہے کہ وہ انصاف ہی کو قائم رکھے اور جنبہ داری سے کام نہ لے۔ جیسے دوسری اقوام کو مذہبی شعار کی ادائیگی میں آزادی ہے، اسی طرح اہل السنت کو بھی آزادی ہونی چاہئے۔ ورنہ اس غلط اقدام سے جو برے نتائج رونما ہوں گے ان کی، حکومت ذمہ دار ہوگی۔ اگر حکومت مسلمانوں کے شعائر مذہبی میں مداخلت کرے تو مسلمانوں کو چاہئے کہ وہ ہر ممکن تدبیر سے اس کی مدافعت کریں اور اپنا حق حاصل کرنے میں کوئی دقیقہ اٹھا نہ رکھیں اور امراء وعلماء کو متفق ہو کر کوشش کرنی چاہئے۔ ایسی صورت میں حکومت روافض کے ساتھ تعاون کرنا گناہ ہے۔ امام ربانی مجدد الف ثانی مکتوب ۲۶۶ جلد ۱ میں تحریر فرماتے ہیں ذکر خلفائے راشدین اگرچہ از شرائط خطبہ نیست لیکن شعار اہل سنت است۔ منہاج السنۃ میں ہے۔ ان المسلمین والکفار اذا کان ھولاء شعار وھولاء شعار وجب شعار الاسلام فی کل زمان وفی کل مکان فقط واللہ اعلم۔ حررہ سعید احمد اجراڑوی غفرلہٗ مفتی مظاہر علوم سہارنپور۔ ۱۴؍ ج ا ۱۳۵۵ھ۔ عبد اللطیف عفا اللہ عنہ ناظم مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔ ۲۵ ج ا ۱۳۵۵ھ

جوابات سب صحیح ہیں۔ بندہ عبد الرحمن غفرلہٗ۔ صدر مدرس مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔ ۲۵ ج ا ۱۳۵۵ھ

سوال

حکومت ہند نے مدح صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کی ممانعت اور انسداد کا ایک دل آزار قانون بنایا ہے۔ جس کا نفاذ لکھنؤ میں بالکل جابرانہ طور پر ہو رہا ہے۔ اہل السنت والجماعۃ کے بعض علماء کی نہ صرف رائے بلکہ فتوی ہے کہ مدح صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کی ممانعت درحقیقت مداخلت فی الدین ہے۔ اس موقع پر نطق پر سکوت کو ترجیح دینا حمایت دین پر اہانت دین کو ترجیح دینا ہے جو قطعاً حرام ہے۔ لہٰذا ہر مسلمان اہل سنت والجماعۃ کا فرض اولین ہے کہ اس کار خیر میں اقدام کرے اور ایثار سے کام لے کر کبھی نہ فنا ہونے والا توشہ عقبی تیار کرے۔ تو اب چند امور مذکورہ ذیل دریافت طلب ہیں۔

(۱) علمائے کرام کی مذکورہ بالا رائے یعنی ممانعت مدح صحابہؓ مداخلت فی الدین ہے یا نہیں؟

(۲) ہر مسلمان اہل السنت والجماعۃ کو بلا امتیاز تذکیر و تانیث و بلا تفاوت سن و سال اس میں حصہ لینا چاہئے یا نہیں؟

(۳) ہم طلبہ دارالعلوم دیوبند وغیرہ کا اس موقعہ پر کیا فرض ہے۔ ایثار کریں یا سکوت؟ بالخصوص ایسی حالت میں۔ ادھر تعلیم کا خیال، ادھر قانون شکنی کا عزم۔ ہاں اتنا خیال رہے کہ اگر اہل علم طبقہ خصوصاً علماء و طلبہ نوجوان متفقہ طور پر کھڑے ہو گئے تو بحول و قوۃ الٰہی وہ دن کچھ دور نہیں کہ حکومت ہی اس قانون کو اپنے ہاتھوں پارہ پارہ کر دے گی۔

المستفتی نمبر ۱۱۹۶ خواجہ محمد احمد صاحب غازیپوری متعلم دورۂ دارالعلوم دیوبند۔ ۶ رجب ۱۳۵۵ھ مطابق ۲۲ ستمبر ۱۹۳۶ء

(۱۴۳۴) **جواب** مداخلت فی الدین کا مفہوم بہت عام ہے۔ اور عموم کے لحاظ سے ہر آن میں سیکڑوں بلکہ ہزاروں مداخلتیں ہندوستان میں ہو رہی ہیں۔ امتناع مدح صحابہ کا قانون، جہاں تک مجھے معلوم ہے، نہ حکومت ہند کا ہے نہ حکومت صوبہ کا۔ وہ صرف ایک مقامی کمیٹی کا جو اس کام کے لئے مقرر کی گئی تھی فیصلہ تھا جسے مقامی حکومت نے انتظاماً نافذ کر دیا ہے۔ میرے خیال میں دارالعلوم کے طلبہ مذہباً ابھی تک شرکت پر مجبور نہیں ہیں۔ مسلمان تحریک کو چلا رہے ہیں۔ طلبہ کو تعلیمی ضروریات میں مشغول رہنا چاہئے۔

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہٗ۔ دہلی۔

سوال

(۱) زید کہتا ہے کہ جس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا ہے اسے صحابی کہتے ہیں اور جس نے صحابی

کو دیکھا ہے اسے تابعی کہتے ہیں۔ اور جس نے تابعی کو دیکھا اسے تبع تابعی کہتے ہیں۔ زید کہتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے صحابی کا زمانہ کتنا تھا اور صحابی سے تابعین تک کتنا وقت اور تابعین سے تبع تابعین تک کتنا وقت تھا۔

المستفتی نمبر ۱۳۵۴ نورالاسلام (رنگون) ۳ ذی الحجہ ۱۳۵۵ھ مطابق ۱۵ فروری ۱۹۳۷ء

(۱۴۵) **جواب** - صحابی وہ شخص ہے جس نے ایمان کے ساتھ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا یا حضور سے ملا ہے اور ایمان پر وفات پائی۔ صحابۂ کرام کا زمانہ سنہ ایک سو ہجری تک ہے اور تابعی وہ شخص ہے جس نے ایمان کی حالت میں صحابی کو دیکھا یا ملا۔ اور ایمان پر وفات پائی۔ تابعین کا زمانہ ایک سو ستر ہجری تک ہے تبع تابعین وہ لوگ ہیں جنھوں نے ایمان کی حالت میں تابعی کو دیکھا اور ایمان پر وفات پائی۔ تبع تابعین کا زمانہ دو سو بیس ہجری تک ہے۔ کذا فی المرقاۃ لعلی القاری ج ۵ صنہ ۵۲

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ۔ دہلی۔

سوال

متعلقہ واقعہ شہادت حضرت عثمان رضی اللہ عنہ۔

(۱۴۶) **جواب** - جب مفسدوں نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے مکان کا محاصرہ کر رکھا تھا تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے حضرت امام حسن و امام حسین رضی اللہ عنہما کو ان کے دروازے پر حفاظت کے لئے متعین کر دیا تھا کہ کوئی مفسد گھر میں داخل نہ ہو سکے۔ مفسد دروازہ چھوڑ کر دوسری طرف سے دیوار پر چڑھ کر گھر میں اترے اور حضرت عثمان کو قتل کر دیا۔ حضرت علی کو جب خبر ہوئی تو انھوں نے آکر امام حسن کے منہ پر طمانچہ مارا۔ اور حضرت امام حسین کے سینے پر تھپڑ مارا اور فرمایا کہ تم دونوں کے موجود ہوتے ہوئے حضرت عثمان کیسے شہید کر دیئے گئے۔ جب حضرت علی کو واقعہ معلوم ہوا کہ قاتل دیوار پھاند کر گھر میں گھسے تو انھوں نے امام حسن اور امام حسین کو معذور سمجھا۔ حضرت عثمان کے منہ پر طمانچہ مارنے کا بیان صحیح نہیں۔ اور حضرت عثمان دوسرے روز دفن ہوئے۔ تین دن نعش کا پڑا رہنا بھی غلط ہے۔ اور جنت البقیع میں دفن ہوئے۔ یہودیوں کے قبرستان میں دفن ہونا بھی درست نہیں۔

محمد کفایت اللہ

سوال

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی نسبت غصب خلافت کا الزام نیز یزید کو آپ کا ولی عہد سلطنت

باوجود اس کے فسق وفجور کے بنانا جس کو بعض سنی بھی کہتے ہیں کس حد تک صحیح و درست ہے؟

المستفتی نمبر ۱۴۰۲ سید خلیل حیدر (کانپور) ۵ صفر ۱۳۵۶ھ مطابق ۱۷ اپریل ۱۹۳۷ء

(۱۴۷) **جواب** حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ سے صلح کرلی تھی اور اس کے بعد وہ جائز طور پر خلافت کے حامل تھے۔ انھوں نے یزید کے لئے بیعت لینے میں غلطی کی۔ کیونکہ یزید سے بہتر اور اولیٰ وافضل افراد موجود تھے۔ لیکن اس غلطی کے باوجود یزید کے اعمال وافعال کی ذمہ داری اُن پر عائد نہ ہوگی۔ کیونکہ اسلام اور قرآن پاک کا اصول ہے۔ لا تزر وازرۃ وزر اخریٰ۔ اس لئے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی شان میں گستاخی اور درشتی نہیں کرنی چاہیئے۔

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہٗ۔ دہلی۔

چوتھا باب

ائمہ مجتہدین

سوال

تاریخ وفات امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرمائی جائے۔ ایک کتاب میں ۲ شعبان لکھا ہے، ایک کتاب میں صرف رجب ۱۵۰ھ لکھا ہے۔

المستفتی نمبر ۹۱۵ بدھا منیم صاحب (کھیری) ۱۴ صفر ۱۳۵۵ھ مطابق ۶ مئی ۱۹۳۶ء

(۱۴۸) **جواب** کتب معتبرہ متداولہ سے اسی قدر معلوم ہوتا ہے کہ رجب ۱۵۰ھ میں حضرت سیدنا الامام الاعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی وفات ہوئی ہے۔ اس سے زیادہ کسی معتبر کتاب میں نہیں ملا۔

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہٗ

سوال

(از اخبار الجمعیۃ سہ روزہ دہلی مورخہ ۱۸ جون ۱۹۲۶ء)

ابن ہمام علمائے حنفیہ میں کس پایہ کے بزرگ تھے اور ان کی کتاب فتح القدیر کو علمائے حنفیہ میں کیا وقعت حاصل ہے؟

(۱۴۹) **جواب** علامہ ابن ہمامؒ علمائے حنفیہ میں بڑے پایہ کے محقق ہیں۔ اصحاب ترجیح میں سے ہیں۔ فتح القدیر بہت معتبر اور مستند کتاب ہے۔ محمد کفایت اللہ غفرلہٗ

سوال

خادم نے عرض کیا تھا کہ طحطاوی علی المراقی آخر کتاب الجنائز میں نماز جنازہ کی تیسری تکبیر کے بعد ہاتھ اٹھانا مستحب لکھا ہے۔ لیکن وہ ابن امیر حاجؒ کا قول تھا۔ حضرت اقدس نے فرمایا تھا کہ وہ مالکی ہیں۔ فقیر بھی یہی سمجھتا تھا۔ لیکن بعض کتب فقہ میں ان کے اقوال سے استشہاد پایا اور شبہ ہوا تو فوائد بھیہ میں نکال کر دیکھا تو مولانا عبدالحیؒ نے ان کو حنفیہ میں شمار کیا ہے۔ المستفتی کفش بردار فقیر محمد یوسف دہلوی۔

(۱۵۰) **جواب** غالباً یہ ابن امیر الحاجؒ حنفی ہیں جن کے قول سے یہ استشہاد ہے۔ اور وہ ابن الحاج صاحب مدخل مالکی ہیں۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہٗ

پانچواں باب
متفرقات

سوال

مسجد اقصیٰ کہاں ہے اور بیت المقدس میں جو مسجد ہے اس کا کیا نام ہے۔ جامع مسجد دہلی کا نقشہ مسجد اقصیٰ کے مشابہ ہے یا نہیں؟ اور اس کے ساتھ کوئی تاریخی واقعہ ثابت ہے یا نہیں؟

المستفتی نمبر ۴۴۶ منشی محمد صدیق عاصی (بمبئی) یکم محرم ۱۳۵۴ھ مطابق ۱۶ اپریل ۱۹۳۵ء

(۱۵۱) **جواب** مسجد اقصیٰ زمین پر ہے۔ بیت المقدس کی مسجد کا نام مسجد اقصیٰ ہے۔ جامع مسجد دہلی کا نقشہ مسجد اقصیٰ کے مشابہ نہیں ہے۔ اور نہ اس کے نقشے کے ساتھ کوئی تاریخی واقعہ صحیح طور پر ثابت ہے۔

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ

سوال

(از اخبار الجمعیۃ مورخہ ۱۳ اکتوبر ۱۹۳۶ء)

کتاب قصص الانبیا کلاں اور تذکرۃ الاولیا مؤلفہ شیخ فریدالدین عطارؒ مستند اور صحیح ہیں یا نہیں؟

(۱۵۲) **جواب** قصص الانبیا اور تذکرۃ الاولیا میں صحیح اور ضعیف ہر قسم کی باتیں ہیں۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہٗ

كتاب الجهاد

پہلا باب

ہجرت و جہاد

(۱۵۳) ھو الموفق. قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم الخیل معقود فی نواصیہا الخیر الی یوم القیامۃ. وفقہ ھذا الحدیث أن الجہاد لاعلاء کلمۃ اللہ ماض الی یوم القیامۃ. ومن المعلوم ان الجہاد والقتال باعداء اللہ واعلاء الاسلام لابد لہ من امور و شرائط. فمنہا الامام ومنہا آلات الحرب ومنہا القدرۃ علی القتال وغیرھا وھذا القدر مما لاخفاء فیہ.

اما الھجرۃ فھی انما کانت فریضۃ فی ابتداء الاسلام من مکۃ المکرمۃ لانہا کانت دار کفر وعدوان کان المومنون لایامنون فیہا علی انفسہم واعراضہم واموالہم وکان احدھم یوذی فی اللہ اشد مایکون من ضرب و اھانۃ ونھبۃ وغیرھا وکانوا لایقدرون علی اقامۃ الصلوات واداء الفرائض الاسلامیۃ وبالجملۃ کان الاسلام واھلوھا ضعفاء ففرض اللہ سبحانہ وتعالیٰ علیہم ان یھاجروا

ترجمہ:- نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ گھوڑوں کی پیشانیوں میں بھلائی قیامت تک کے لئے ودیعت رکھی گئی ہے۔ اس حدیث سے یہ حکم مستنبط ہوتا ہے کہ جہاد بغرض اعلائے کلمۃ اللہ قیامت تک جاری ہے۔ اور یہ ہر شخص جانتا ہے کہ جہاد و قتال کچھ امور و شرائط کے بغیر نہیں ہو سکتا۔ اس کے لئے امام کا ہونا اور سامان جنگ کا میسر آنا اور جنگ پر قادر ہونا ضروری ہے۔ اتنی بات تو بالکل صاف ہے۔

اور ہجرت کا حکم یہ ہے کہ ابتدائے اسلام میں مکہ مکرمہ سے ہجرت فرض کی گئی تھی کیونکہ اس وقت مکہ دارالکفر اور دارالعدوان تھا۔ مسلمانوں کی جانیں آبرو اور اموال غیر محفوظ تھے اور ایمان لانے والوں میں سے ایک ایک کو مار پیٹ توہین اور لوٹ مار کی صورت میں زیادہ سے زیادہ سخت اذیت پہنچائی جارہی تھی۔ وہ نماز قائم کرنے اور فرائض اسلامیہ ادا کرنے کی بھی طاقت نہیں رکھتے تھے۔ غرض کہ اس وقت مکہ میں اسلام اور اہل اسلام نہایت کمزور اور بے بس تھے تو اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے ان پر یہ فریضہ عائد کیا کہ مکہ سے ہجرت کریں اور اپنے وطن کو چھوڑ دیں تاکہ وہ امن

من مکة ویخرجوا عن اوطانهم کی یقدروا علی اقامة الدین وینجوا عما یوقعه الکفار والاعداء بهم۔

ولما فتح الله تعالی مکة علی رسوله قال صلی الله علیه وسلم لا هجرة بعد الیوم ولکن جهاد ونیة واذا استنفرتم فانفروا۔ فبین صلی الله علیه وسلم ان الهجرة التی کانت فریضة لم تبق فریضة وهی الهجرة من مکة لانها صارت دار الاسلام بعد ان کانت دار کفر وعدوان۔

فقوله صلی الله علیه وسلم لا هجرة بعد الیوم انما هو فی شان الهجرة الخاصة فلا یکون متعلقا بالهجرة العامة ونفی الهجرة من مکة انما کان بسبب رفع سببه الخاص والرفع برفع سبب خاص لا یستلزم عدم الثبوت مطلقا فانه لا مزاحمة فی الاسباب

ویجوز ان یکون شیٔ لها اسباب متعددة فان ارتفع منها سبب خاص جاز ان یحکم برفع هذا الشیٔ من جهة ارتفاع هذا السبب الخاص المرتفع وحکم بوجوده بسبب وجود سبب اخر الا تری انه صلی الله علیه وسلم

کے ساتھ دین کو قائم کرسکیں اور کفار کی دست برد اور ایذا سے نجات پائیں۔

اور جب اللہ تعالی نے مکہ پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فتحیاب کیا تو آپ نے فرمایا کہ آج کے بعد سے ہجرت نہیں ہے لیکن جہاد اور نیت (یعنی ہجرت عامہ) ہے اور جب کبھی جہاد فی سبیل اللہ کے لئے نکلنے کی ضرورت پیش آئے تو فوراً نکل پڑو۔ آپ نے یہ بات واضح فرمادی کہ جو ہجرت فرض تھی پھر بحیثیت فریضہ باقی نہیں رہی وہ ہجرت مکہ تھی کیونکہ جو دار الکفر والعدوان تھا وہ دار الاسلام ہوگیا۔

پس آپ کا فرمان لا هجرة بعد الیوم یہ اسی خاص ہجرت کے بارے میں ہے۔ اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ فریضۂ ہجرت مطلقاً ساقط ہوگیا۔ اور مکہ سے ہجرت کرنے کی ممانعت محض اس لئے فرمائی کہ اب وہ خاص سبب ہجرت باقی نہیں رہا تھا اور کسی سبب خاص کے باقی نہ رہنے سے کسی حکم کا اٹھ جانا اس کے مطلقاً عدم ثبوت کو مستلزم نہیں ہے کیونکہ نئے اسباب کے پیدا ہونے میں کوئی رکاوٹ نہیں ہے۔ ایک حکم کے لئے متعدد اسباب ہوسکتے ہیں۔ اگر ان میں سے ایک سبب مرتفع ہوگیا تو جائز ہے کہ اس حکم کو بھی مرتفع کردیا جائے۔ اور پھر جب کبھی نئے اسباب پیدا ہوجائیں تو وہ حکم پھر عائد کردیا جائے۔

دیکھو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد ولکن

اشار الی ذلک بقولہ ولکن جہاد و نیۃ یعنی ان فریضۃ الھجرۃ انما ارتفعت برفع سببہ وھو المنع عن اقامۃ الصلوات و غیرھا من فرائض الدین لانہ حصل بفتح مکۃ شوکۃ للمسلمین ولم یبق للمشرکین المانعین قوۃ مانعۃ عن اداء الفرائض الاسلامیۃ وارشد الی اھم الفرائض بقولہ ولکن جہاد و نیۃ فثبت بقولہ ھذا ان الجہاد ایضاً من الفرائض التی ان منع عنھا لزمت الھجرۃ۔

لاسیما اذا بلغھم استیلاء الکفار علی الممالک الاسلامیۃ واستیصالھم للسلطنۃ الاسلامیۃ وظھورھم علی المقامات المقدسۃ التی امرنا نبینا صلی اللہ علیہ وسلم باخراج المشرکین عموماً واخراج الیھود والنصاری منھا خصوصاً و جاءنا النفر الحکمی من سلطان الاسلام خلد اللہ ملکہ و سلطنتہ وانکشف لنا عجز السلطنۃ الاسلامیۃ عن المقاومۃ والمدافعۃ

وبعد ما مھدنا لا یبقی خفاء فی ان فریضۃ الجہاد والمدافعۃ توجھت علی المسلمین عامۃ حیث کانوا و مسلمو الھند وان کانوا عاجزین عن الجہاد ما داموا

جہاد و نیۃ میں اسی بات کی طرف اشارہ ہے کہ فریضۂ ہجرت کا سبب مرتفع ہوجانے کی وجہ سے ہی فریضۂ ہجرت بھی مرتفع ہوگیا۔ اور وہ سبب یہ تھا کہ فریضۂ نماز اور دیگر فرائض دینیہ کی ادائگی میں سخت رکاوٹ تھی۔ اور جب مکہ فتح ہوگیا تو مسلمانوں کی برتری کی وجہ سے ادائگیٔ فرائض اور اقامۃ دین میں سہولت حاصل ہوگئی۔ اور کفار کے اندر ادائگیٔ فرائض سے روکنے کی قوت باقی نہ رہی۔ آپ کے اسی فرمان سے ایک اہم فریضہ کی طرف بھی رہنمائی ہوتی ہے اور ثابت ہوتا ہے کہ جہاد بھی ان فرائض میں سے ہے کہ اگر اس کی ادائگی میں رکاوٹ ڈالی جائے تو ہجرت لازم ہوجائے گی۔ خصوصاً ایسے حالات میں جبکہ مسلمانوں کو یہ خبر پہنچ چکی ہو کہ ممالک اسلامیہ پر کفار نے ہجوم کرکے اسلامی سلطنت کو مغلوب کرلیا ہے اور ان مقامات مقدسہ پر وہ متسلط ہوگئے ہیں جن سے کفار کو اور خاص کر یہود و نصاریٰ کو نکال دینے کا حکم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم کو دیا تھا اور جب کہ سلطان اسلام خلد اللہ ملکہ کی طرف سے بزبان حال ہمارا بلاوا آچکا ہو اور ہم پر یہ بات کھل چکی ہو کہ سلطنت اسلامیہ کی قوتِ مقابلہ اور قوتِ دفاع کمزور ہوگئی ہے۔

اس تمہید کے بعد یہ حقیقت بالکل واضح ہوگئی کہ جہاد و دفاع کا فریضہ علی الاطلاق تمام دنیا کے مسلمانوں پر عائد ہوتا ہے۔ اور مسلمانان ہند ہندستان میں رہنے کی صورت میں اگرچہ جہاد کی

فی الھند لکن لھم سبیل الی اقامۃ ھذہ الفریضۃ وھو الخروج عن البلاد الھندیۃ والھجرۃ الی البلاد الاسلامیۃ۔ فافتراض الھجرۃ فی ھذہ الاوان انما ھو لاقامۃ فریضۃ الجھاد والمدافعۃ عن الاسلام والممالک الاسلامیۃ لا لان المسلمین لا یقدرون فی الھند علی الصوم والصلوۃ وغیرھا وھذا الحکم مما لا خفاء فیہ۔

وما یقال ان الجھاد لا یفترض علی مسلمی الھند لانھم لیسوا بقادرین علیہ فلا تفترض الھجرۃ علیھم لانھا حینئذ لا تکون مقدمۃ للفریضۃ قلنا نعم ان الجھاد لیس بمقدور علیہ فی الھند لکن لا مانع من اقامتہ اذا خرجوا عن الھند فالخروج عن الھند مقدمۃ لمساعدۃ الاسباب ومُیَسِّرٌ لاقامۃ الفریضۃ فکیف لا تکون فرضاً۔

نعم یشترط لافتراض الھجرۃ حصول الیقین او الظن الغالب بتیسر الغزو والمدافعۃ فما لم یحصل ھذا الیقین او الظن لم نحکم بافتراض الھجرۃ عینا وھذا ما کنا علیہ الی الیوم من عدم الحکم بافتراض الھجرۃ عینا لانا

طاقت نہیں رکھتے لیکن اس فریضے کی اقامت کے لئے دوسرا راستہ اختیار کر سکتے ہیں اور وہ ترک وطن کر کے بلاد اسلامیہ کی طرف ہجرت کرنا ہے۔ پس اس زمانے میں ہجرت کی فرضیت جہاد کو قائم کرنے اور اسلام و مملکت اسلامیہ کی طرف سے دفاع کرنے کے لئے ہے۔ نہ کہ اس وجہ سے کہ مسلمانان ہند دائگی صوم و صلوۃ وغیرہ پر قادر نہیں ہیں۔ اور یہ حکم بالکل صاف اور واضح ہے۔

اور یہ جو کہا جاتا ہے کہ مسلمانانِ ہند پر جہاد فرض نہیں ہے کیونکہ وہ جہاد کی طاقت نہیں رکھتے۔ لہٰذا ہجرت بھی فرض نہیں کیونکہ اس صورت میں وہ ادائے فریضہ کے اسباب پیدا نہیں کر سکتی۔ اس کا جواب یہ ہے کہ بیشک جہاد ہندستان میں دشوار ہے لیکن اگر وہ ہندستان سے باہر چلے جائیں تو اقامۃ جہاد کے لئے کوئی مانع نہیں ہے۔ ہندستان سے نکل جانا مساعدتِ اسباب کا پیش خیمہ ہے۔ اور اقامۃ فریضہ میں سہولت پیدا کرنے والا ہے۔ تو کوئی وجہ نہیں کہ اس کو فرض نہ مانا جائے۔

البتہ فرضیت ہجرت کے لئے یہ شرط ہے کہ جنگ و دفاع کر سکنے کا یقین یا ظن غالب ہو۔ جب تک یہ یقین یا ظن غالب حاصل نہ ہو گا ہم ہجرت کے فرض عین ہونے کا حکم نہیں دیں گے۔ اور بحالات موجودہ ہماری رائے یہی ہے کہ ہجرت کو فرض عین قرار نہیں دیا جا سکتا کیوں کہ ہمیں اب تک کسی حیثیت سے یہ یقین نہیں ہے

لم یحصل لنا الیقین من جہۃ بان المہاجرین یحصل لہم قدرۃ علی الجہاد والمدافعۃ بعد ما خرجوا عن الہند وھجروا اوطانہم۔

مع انا لم نشک فی استحباب الھجرۃ واستحسانہا لمن یجد فی نفسہ قوۃ و استقامۃ وتحملا للشدائد فقلنا بہ وافتینا بہ مرارا۔ والحکم للہ العلی الخبیر وھو اعلم وعلمہ اتم واحکم فقط

محمد کفایت اللہ غفرلہ۔ مدرس مدرسہ امینیہ دہلی
(غالباً تحریر فرمودہ ۱۹۱۸ء۔ واصف)

کہ ہند سے نکلنے اور ترک وطن کرنے کے بعد مہاجرین کو دفاع و جہاد کی قوت حاصل ہو جائے گی۔

اس کے ساتھ ہی اس میں بھی شک نہیں ہے کہ ہجرت اس شخص کے لئے مستحب اور مستحسن ہے جو اپنے اندر سختیوں کے برداشت کرنے کی طاقت اور ثابت قدم رہنے کی قوت رکھتا ہو۔ ایسے لوگوں کے لئے ہم نے متعدد مرتبہ استحباب ہجرت کا فتویٰ دیا ہے اور حکم خدائے بلند و دانا کے لئے زیبا ہے۔ وہ سب سے زیادہ جاننے والا ہے اور اس کا علم کامل اور محکم ہے۔ فقط

دوسرا باب
شہادت
سوال

اگر کوئی شخص قومی مفاد کے لئے اپنی جان کو بندوق چاقو یا زہر سے یا بھوک پیاس سے ہلاک کردے اور منع کرنے سے باز نہ آئے وہ اگر مرجائے تو اس کو شہید کہہ سکتے ہیں یا نہیں؟

المستفتی نمبر ۵۵۳ مولانا ابوالوفاق (ضلع ہزارہ) ۲۵ ربیع الثانی ۱۳۵۴ھ مطابق ۲۸ جولائی ۱۹۳۵ء

(۱۵۴) **جواب** جو فعل براہ راست قتل ہے مثلاً اپنے ہاتھ سے چھری یا چاقو سے اپنے گلا کاٹ لیا یا پیٹ پھاڑ ڈالا یا بندوق یا پستول سے گولی مار لی یا خود کو کنوئیں میں گرا دیا یا تنور میں کود پڑا، یہ تو خودکشی ہے۔ اور یقیناً گناہ کبیرہ ہے۔ اور جو فعل کہ براہ راست قتل نہیں بلکہ مفضی الی القتل ہو سکتا ہے مثلاً تنہا دشمنوں پر حملہ کردیا، ان کی صفوں میں گھس گیا۔ یا کھانا ترک کردیا کہ جب تک فلاں مطالبہ پورا نہ ہوگا کھانا نہ کھاؤں گا۔ ایسے افعال اچھی نیت سے اچھے اور بری نیت سے برے ہو سکتے ہیں یعنی ان کو علی الاطلاق

خودکشی قرار دینا اور بہر صورت حرام اور گناہ کہہ دینا درست نہیں۔

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ (۲۸ جولائی ۱۹۳۵ء)

سوال

ایک غیر مسلم شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شان پاک میں بہت بیہودہ الفاظ استعمال کئے ہیں۔ پولیس نے اس کو حراست میں لے کر چالان کر دیا ہے۔ اب وہ شخص اپنے اس گناہ سے شرمسار ہو کر معافی مانگتا ہے اور مسلمان نہیں ہونا چاہتا۔ حالت کفر ہی میں رہنا چاہتا ہے۔ تو کیا اس حالت میں اس کو بروئے شریعت معافی ہو سکتی ہے یا نہیں؟ اگر معافی نہیں ہو سکتی تو اس کی سزا کیا ہے؟ کیا وہ شخص واجب القتل ہے؟

(۲) اس سے پہلے ایک فتویٰ صادر ہوا ہے۔ وہ لکھتے ہیں کہ ہر ایسے شخص کے لئے سزائے موت کے سوا اور کوئی سزا نہیں بشرطیکہ حکومت اسلام کی ہو۔ اگر اسلام کی حکومت نہیں ہے تو وہ شخص اگر معافی مانگتا ہے تو اس کو معافی دی جا سکتی ہے۔ لہٰذا آپ بھی اس مسئلہ پر رائے دے کر مطمئن فرمائیں۔

(۳) اس سے پہلے اس قسم کے کئی ایک معاملے رونما ہوئے ہیں جن کے نتیجہ آپ کو معلوم ہوں گے کہ وہ اشخاص جنھوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شان اقدس میں بے حرمتی کی تھی مسلمانوں کے ہاتھوں قتل ہوئے۔ مثلاً علم الدین عبدالرشید وغیرہ جنھوں نے ان کو قتل کر کے خود تختۂ دار پر چڑھ کر بروئے قانون سرکاری جان دے دی اور ان کو شہید کہا جاتا ہے۔ تو کیا ان کا یہ قتل کرنا شریعت کے لحاظ سے جائز تھا یا ناجائز؟ کیونکہ شریعت میں ایسے شخص کا قتل کرنا واجب ہے بشرطیکہ حکومت اسلام کی ہو۔ یہاں پر حکومت ہے انگریز کی۔ تو کیا اس صورت میں علم الدین عبدالرشید شہید ہوئے ہیں یا نہیں؟ کیا ہر ایسا شخص جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم..... کی بے حرمتی کرنے والے کو قتل کرے اور حکومت اسلام کی نہ ہو اس شخص کو قتل کے عوض میں پھانسی دی جائے تو ایسے شخص کو شہید کہا جا سکتا ہے یا نہیں؟ اگر وہ شہید نہیں ہے تو وہ کس شمار و قطار میں ہے؟

المستفتی نمبر ۱۳۰۷ مولوی عزیز احمد صاحب (راولپنڈی) ۱۱ رجب ۱۳۵۵ھ مطابق ۲۸ ستمبر ۱۹۳۶ء

(۱۵۵) **جواب** چونکہ ہندوستان میں اسلامی حکومت نہیں، اس لئے اگر غیر مسلم معافی مانگے تو اس کو معافی دے دینا جائز ہے۔ کسی مسلمان کو قتل کر دینے کا حق نہیں ہے۔ اگر کوئی محبت رسول میں سرشار اور

بیخود ہو کر قتل کر دے تو وہ معذور قرار دیا جاسکتا ہے۔ اور اس صورت میں اس کو شہید کہنا بیجا نہیں۔
محمد کفایت اللہ کان اللہ لہٗ۔ دہلی۔

سوال

یہاں پر جس پلٹن میں میں رہتا ہوں چند دن گذرے کہ دو مسلمان پٹھانوں نے گولی سے مار ڈیئے تھے مولوی صاحب نے فتویٰ دیا تھا کہ یہ شہید ہیں۔ کیونکہ باغیوں کے ہاتھ سے ان کی موت واقع ہوئی ہے۔ پھر ان کو اسی حالت پر دفن کیا گیا۔ یہ صحیح ہے کہ پٹھان باغی ہیں۔ جو مرے ہیں وہ شہید ہیں یا نہیں؟

المستفتی نمبر ۱۵۶۷ مولوی محبت حسین شاہ امام مسجد پلٹن ۴/۸ پنجاب کیمپ رزمک وزیرستان۔

۲۵ ربیع الثانی ۱۳۵۶ھ مطابق ۵ جون ۱۹۳۷ء

(۱۵۶) **جواب**۔ انگریزی فوج کے سپاہی جو مقابل کی گولی سے مارے گئے ان کو غسل وغیرہ عام اموات کے مانند دینا چاہئیے تھا۔　　محمد کفایت اللہ کان اللہ لہٗ۔ دہلی۔

سوال

ایک مذہبی معاملہ میں مسلمان اور برمی جو کہ گوتم بدھ کو ماننے والے ہیں ان دونوں کے درمیان فساد ہو گیا۔ مسلمان کو ظلماً قتل کرنا شروع کر دیا۔ بعد میں گورنمنٹ وقت نے بھی رفع فساد کے لئے مسلمانوں اور برمیوں پر بندوق سے فیر کیا جس سے بعض مسلمان مقتول ہوئے۔ اب شہید مسلمانوں کے بارے میں کیا حکم ہے۔ یہاں کے علماء میں اختلاف ہے۔ بعض فرماتے ہیں کہ یہ وہ شہید نہیں ہیں جن کے لئے غسل و کفن کا مخصوص حکم ہے۔ یہ حکم خاص کفار سے جو جنگ ہوا کرتی ہے اس کے لئے ہے۔ دوسرا فریق کہتا ہے کہ چونکہ مذکورۂ بالا مسلمان ظلماً مقتول ہوئے اور اکثر آلۂ جارحہ سے بعض جلا دینے کی وجہ سے۔ پس جن کے متعلق یہ علم ہو گیا کہ مقتول ہونے کے بعد کسی قسم کا نفع نہ اٹھایا ہو یا ایک وقت نماز سے کم زندہ رہا ہو اور گفتگو وغیرہ کی نوبت نہ آئی ہو وہ سب شہید ہیں۔ اسی طرح جو مقتول پایا گیا اور اس کے بدن پر زخم ہے لیکن نہ معلوم ہوا کہ وہ زندہ رہا یا نفع بھی اٹھایا ایسوں کے لئے بھی قرینہ کی وجہ سے شہید ہونے کا حکم لگایا جائے گا۔ اور ان پر وہ احکام جاری ہوں گے جو ایک شہید کے لئے ہونا چاہئے۔ نیز گورنمنٹ نے جن مسلمانوں پر گولی چلائی وہ بھی ظلماً مارے گئے اس لئے وہ بھی شہید ہوں گے۔ پس صاف اس کے متعلق شرعی اور دینی حکم سے مطلع فرما دیں۔

المستفتی نمبر ۲۳۹۴ محمود راندیری　رنگون برما　۱۲ جمادی الثانی ۱۳۵۷ھ مطابق ۱۰ اگست ۱۹۳۸ء

(۱۵۷) **جواب**۔ جو شخص معرکہ میں ہتھیار دھار دار سے مارا جائے یا شہر میں ظلماً قتل کیا جائے خواہ قاتل باغی ہو یا قاطع طریق یا مکابر ہو اور خواہ قتل بالمحدد ہو یا بالاحراق یا بالمثقل تو ان سب صورتوں میں مقتول پر شہید کے احکام جاری ہوں گے۔ بشرطیکہ ارتثاث نہ پایا گیا ہو۔

اس فساد میں جو مسلمان برمیوں کے ہاتھ سے یا حکومت کے آدمیوں کے فائرنگ سے مقتول ہوئے یا ایسے فساد زدہ علاقہ میں مقتول یا محروق پائے گئے یہ سب شہید ہیں اگر ارتثاث نہ ہوا ہو تو شہید کے احکام جاری ہوں گے۔ ایسے فساد کے وقت کہ شہر کا انتظام مختل ہو جائے اور دن دہاڑے قتل کا ارتکاب ہونے لگے قاتل قطاع الطریق میں داخل ہو جاتے ہیں اور قطاع الطریق کا فعل قتل محدد کے ساتھ مقید نہیں رہتا۔ وھکذا اکلہ ظاہر۔

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ۔ دہلی۔

سوال

(از اخبار الجمعیۃ مورخہ ۱۶ فروری ۱۹۳۲ء مطابق ۸ شوال ۱۳۵۰ھ)

موجودہ کشمیر کی تحریک میں کوئی آدمی ڈوگرے کے ہاتھ سے مارا جائے تو وہ شہید کہلائے گا یا نہیں؟ بعض لوگ کہتے ہیں کہ بغیر ہتھیار کے جانا اور اپنا سر دشمن کے آگے رکھ دینا جہاد نہیں ہے۔ کیا یہ صحیح ہے؟

(۱۵۸) **جواب** ڈوگرے یا اور کسی شخص کے ہاتھ سے ظلماً مارا جانے والا یقیناً شہید ہے اور جبکہ مسلح مقابلہ زیادہ مضر ہو تو خاموش مقابلہ ہی جہاد ہے۔ موجودہ تحریک کشمیر بھی اسی حکم میں داخل ہے۔

محمد کفایت اللہ غفرلہ

سوال

(از اخبار الجمعیۃ دہلی مورخہ ۱۶ اکتوبر ۱۹۳۴ء)

مسجد قدیمی ہو یا نئی غیر معمولی طور پر ہندو مسجد کے سامنے باجا بجانے کے خاطر نماز میں خلل پیدا ہونے کی وجہ سے مسجد کی حفاظت کے لئے کسی ہندو کے ہاتھ سے موت ہوئی تو اس کا کیا حکم ہے؟

(۱۵۹) **جواب** اگر ہندو تعدی اور ظلم سے کسی مسلمان کو مار ڈالیں تو وہ مسلمان یقیناً ثواب شہادت کا مستحق ہوگا۔ بشرطیکہ زیادتی کی ابتدا مسلمان نے نہ کی ہو۔

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ۔ دہلی۔

تیسرا باب
غلام وجاریہ
سوال

ماقولکم دام فضلکم فی رجل اشتری امرأۃ من بنات المشرکین بثمن معلوم من ابویھا۔ ھل یصح ھٰذا البیع والتقویم؟ وھل یجوز مواقعتھا وتدخل فی ملکہ ام لا؟ بینوا توجروا۔

(ترجمہ) کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلے میں کہ ایک شخص نے مشرکین میں سے ایک لڑکی قیمت دے کر اس کے ماں باپ سے خریدی۔ کیا یہ بیع وشرا صحیح ہے؟ اور کیا اس سے مجامعت کرنا جائز ہے؟ اور کیا وہ لڑکی اس خریدار کی ملکیت میں داخل ہو جائے گی؟

(۱۶۰) **الجواب**۔ قلت تحقیق المسئلۃ یقتضی تمھید مقدمات۔ المقدمۃ الاولی ان اھل الحرب احرار قال فی البحر ولو قھر حربی بعض احرارھم الخ وفی رد المحتار نقلا عن الدر المنتقی فلو اھدی ملکھم لمسلم ھدیۃ من احرارھم الخ ففی ھاتین الروایتین تصریح بان اھل الحرب احرار فی دارھم اما ما قال فی المستصفے انھم لیسوا باحرار بل ارقاء فیھا ای فی دار الحرب وان لم یکن ملک لاحد علیھم (رد المحتار) فلیس علی ظاھرہ۔ بل المراد انھم ارقاء بعد القھر والغلبۃ کما قال فی رد المحتار مانصہ۔ قلت لکن قدمنا فی العتق ان

جواب۔ اس مسئلے کی تحقیق کے لئے چند مقدمات کی ضرورت ہے

(۱) اہل حرب (دار الحرب میں) آزاد ہیں۔ (مملوک نہیں ہیں)۔ بحر میں ہے ولو قھر حربی بعض احرارھم الخ اور رد المحتار نے در منتقی کے حوالہ سے لکھا ہے۔ فلو اھدی ملکھم لمسلم ھدیۃ من احرارھم الخ ان دونوں روایتوں سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ حربی دار الحرب میں آزاد ہیں۔ لیکن مستصفی میں جو کہا ہے کہ اہل حرب دار الحرب میں آزاد نہیں ہیں بلکہ غلام ہیں اگرچہ وہ کسی خاص شخص کی ملک نہ ہوں تو اس کے لفظی اور ظاہری معنی مراد نہیں ہیں۔ بلکہ اصل مطلب یہ ہے کہ وہ تسلط اور غلبہ کے بعد مملوک بن سکتے ہیں۔ جیسا کہ صاحب رد المحتار نے اس کی وضاحت کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ ہم عتق کے بیان میں کہہ چکے ہیں کہ دار الحرب میں اہل حرب کے

المراد بكونهم ارقاء اي بعد الاستيلاء عليهم اما قبله فهم احرار الخ انتهى (رد المحتار صـ۲۵۳ ج۳ طبع مصر)

(۲) المقدمة الثانية ان بيع الحر وكذا شراءه باطل وهذا ظاهر.

(۳) المقدمة الثالثة ان الاستيلاء بالقهر والغلبة موجب للملك. سواء كان من مسلم او كافر بعد ان يكون المستولى عليه كافرا حربيا اومالا متقوما.

واذا تمهد هذا فاعلم ان بيع الحربي حربيا اما ان يكون في دار الاسلام بان دخل حربي دارنا مستامنا فباع فيها احدا او في دار الحرب بان دخل مسلم دارهم مستامنا فباع فيها منه حربي حربيا آخر. على الاول لا يجوز البيع لانه بيع الحر اذ لم يوجد الاستيلاء الموجب للملك واهل الحرب احرار للمقدمة الاولى. قال في رد المحتار نقلا عن الولوالجية ولو دخل دارنا بامان معه ولده فباع الولد لا يجوز في الروايات اي لان في اجازة بيع الولد نقض امانه انتهى (رد المحتار صـ۲۵۳ ج۳. طبع مصر)

مملوک اور غلام ہونے سے مراد یہ ہے کہ استیلا کے بعد وہ غلام بن سکتے ہیں لیکن استیلا اور قبضہ یا اسیری سے قبل وہ آزاد ہیں۔ (رد المحتار صـ۲۵۳ ج۳ طبع مصر)

(۲) آزاد کی بیع وشرا باطل ہے۔ اور یہ ایک ظاہر امر ہے۔

(۳) تسلط باقتدار وغلبہ موجب ملک ہے متسلط خواہ مسلم ہو یا کافر، بشرطیکہ مغلوب کافر حربی یا مال متقوم ہو۔

مقدمات ثلاثہ کے ذہن نشین کرنے کے بعد جاننا چاہیئے کہ ایک حربی کا دوسرے حربی کو فروخت کرنا دو طرح ہو سکتا ہے۔ ایک یہ کہ یہ معاملہ دار الاسلام میں ہو کہ ایک حربی مستامن بن کر دار الاسلام میں داخل ہو اور دوسرے حربی کو فروخت کردے۔ دوسری صورت یہ کہ یہ معاملہ دار الحرب میں ہو کہ ایک مسلمان مستامن بن کر دار الحرب میں داخل ہو اور وہاں ایک حربی دوسرے حربی کو اس کے ہاتھ فروخت کردے۔ پہلی صورت میں یہ خرید و فروخت جائز نہیں۔ کیونکہ یہ بیع ایک آزاد کی بیع ہوگی اور وہ استیلا جو موجب ملک ہوتا ہے اس صورت میں نہیں پایا جاتا۔ اور مقدمہ اولی کی رو سے اہل حرب آزاد ہیں۔ صاحب رد المحتار نے بحوالہ ولوالجیہ فرمایا ہے کہ اگر کوئی حربی اپنے بچے کو لے کر دار الاسلام میں داخل ہوا اور بچے کو فروخت کردیا تو یہ بیع منعقد نہ ہوگی کیونکہ وہ بچہ بھی مستامن ہے۔

وعلى الثاني فاما ان يكون البائع قد قهر المبيع واستولى عليه ام لا؟ وعلى الثاني لا يجوز البيع ايضا لانه بيع الحر ولا سبيل الى جوازه وعلى الاول ان لم يكن عندهم في دينهم ان من قهر منهم احدا ملكه لم يجز هذا البيع لكونه بيع الحر الاستيلاء الواقع لا يكون موجبا للملك في اعتقادهم وكذا عندنا لانه وُجد في دارهم من غير اخراج واحراز۔

وان كان المذهب عندهم ان من قهر احدا واستولى عليه ملكه جاز البيع لان البائع قد باع مملوكه في اعتقاده قال في البحر ولو قهر حربي بعض احرارهم ثم جاء بهم الى المسلم المستأمن فباعهم منه ينظر ان كان الحكم عندهم ان من قهر منهم صاحبه فقد صار ملكه جاز الشراء لانه باع المملوك وان لم يملكه لا يجوز لانه باع الحر۔ انتهى (بحر)

ثم اعلم ان هذا البيع وان جاز

اور اگر اس کی فروخت کی اجازت دے دی جائے تو نقض امان لازم آتا ہے۔ (رد المحتار ص ۲۵۳ ج ۳ طبع مصر)

دوسری صورت یعنی دار الحرب میں مسلم مستامن کسی حربی سے دوسرے حربی کو خریدے تو اس میں دیکھنا یہ ہے کہ بائع حربی کو مبیع پر غلبہ اور قبضہ حاصل ہے یا نہیں؟ اگر نہیں ہے تو یہ معاملہ بھی ناجائز ہوگا۔ کیونکہ یہ بھی آزاد کی بیع ہے جس کے جواز کی کوئی صورت نہیں۔ اور اگر غلبہ و قبضہ حاصل ہے تو اگر حربیوں کے مذہب میں اس قسم کا غلبہ و قبضہ موجب ملک نہیں ہے تو یہ خرید و فروخت جائز نہ ہوگی۔ اور یہ قبضہ نہ تو حربیوں کے مذہب کی رو سے موجب ملک ہوگا اور نہ اسلام کی رو سے۔ کیونکہ دار الحرب سے اخراج اور دار الاسلام میں داخلہ کے بغیر یہ غلبہ و قبضہ جواز بیع کا موجب نہیں ہوتا۔ اور اگر حربیوں کے مذہب میں ایک حربی کا دوسرے حربی پر قبضہ و استیلا موجب ملک ہو جاتا ہو اور اس قسم کا ایک حربی اپنے مملوک کو مسلم مستأمن کے ہاتھ فروخت کردے تو یہ بیع جائز اور منعقد ہو جائے گی۔ کیونکہ بائع نے جس کو فروخت کیا ہے وہ اس کے مذہب اور اعتقاد کی رو سے اس کی جائز ملکیت ہے۔ صاحب بحر نے فرمایا ہے کہ اگر حربی نے دوسرے آزاد حربیوں پر استیلا حاصل کر کے ان کو مملوک بنالیا اور کسی مسلم مستأمن کے ہاتھ فروخت کر دیا تو یہ دیکھا جائے گا کہ اگر حربیوں کے مذہب کی رو سے یہ غلبہ موجب ملک ہے تو یہ خرید جائز ہوگی۔ کیونکہ اس حربی نے ایک ایسی چیز کو فروخت کیا ہے جو اس کے مذہب کی رو سے اس کی جائز ملکیت ہے۔ اور اگر اس کو اپنے مذہب کے لحاظ سے حق ملکیت حاصل نہیں تو یہ

لکنه لا یکون مفید الملك للمشتری ما لم یُخرج المشتری المبیع الی دار الاسلام قهرا. قال فی رد المحتار ولو دخل دارهم مسلم بامان ثم اشتری من احدهم ابنه ثم اخرجه الی دارنا قهراً ملکه. واکثر المشائخ علی انه لا یملکهم فی دارهم وهو الصحیح انتهی. رد المحتار ص ۲۵۳ ج ۳ طبع مصر)

ویعلم من حکم المشائخ بعدم دخول المبیع فی ملك المشتری ما دام فی دارهم ان الموجب للملك هو الاخراج قهراً لا البیع والشراء. فان قیل اذا لم یکن هذا البیع مفیدا للملك فما فائدة الحکم بجوازه کما قلتم فی صورة بیع الحربی حربیا آخر قد قهره واعتقده مملوکه بالقهر. وکما نقلتم من البحر قلت فائدة الحکم بجواز البیع انما هی نفی نسبة الغدر من المسلم المستامن الذی دخل دارهم بامان فانه مامور بان لا یغدر بهم. واخراجه احداً منهم

آزاد کی بیع ہوگی جو ناجائز ہے. (بحر)

یہ یاد رکھنا چاہئے کہ اوپر جس عقد بیع کو جائز قرار دیا گیا ہے اگرچہ یہ خرید تو جائز ہے مگر اس میں بھی مسلم مستامن اس مبیع کا مالک نہیں بنتا جب تک کہ اس کو خود اپنے قبضے کے ساتھ دارالاسلام میں نہ لے آئے. صاحب رد المحتار فرماتے ہیں کہ اگر کوئی مسلم امان حاصل کرکے دار الحرب میں گیا اور پھر کسی کافر سے اس کا لڑکا خرید لیا اور اس کو اپنے قبضے کے ساتھ دارالاسلام میں لے آیا تو اب وہ اس لڑکے کا مالک بن جائے گا. اور اکثر علما کا مذہب ہے کہ دار الحرب میں مالک نہیں بن سکتا اور یہی مذہب صحیح ہے.

(رد المحتار ص ۲۵۳ ج ۳ طبع مصر)

اور مشائخ نے جو یہ فرمایا ہے کہ جب تک دار الحرب میں رہے وہ مبیع مسلم مستامن کی ملک میں داخل نہیں ہوتا اس سے معلوم ہوگیا کہ غلبہ و استیلا اور قبضہ و حراست کے ساتھ دار الحرب سے نکال لانا موجب ملک ہوتا ہے نہ کہ صرف خرید و فروخت. اگر کہا جائے کہ جبکہ یہ معاملہ دار الحرب میں موجب ملک نہیں تو اس قسم کی خرید و فروخت کو جائز قرار دینے سے کیا فائدہ ہے؟ یعنی اوپر تو اس کا جواب یہ ہے کہ اس معاملے کے جواز کا حکم دینے سے سب سے بڑا فائدہ یہ ہے کہ اس صورت میں مسلم مستامن پر بد عہدی کا الزام نہیں آئے گا. کیونکہ جو مسلمان کہ کفار کی امان میں ہو اس پر لازم ہے کہ ان کے ساتھ بد عہدی (یا ان کے قوانین کی خلاف ورزی) نہ کرے. اور مسلم مستامن کا کسی حربی کو جبراً پکڑ کر دارالاسلام

الی دار الاسلام قهرا یعد غدرا الا اذا کان فی صورة البیع والشراء الجائز عندهم ایضا فانه لا یکون غدرا والملك الحاصل للمسلم بالاخراج الکذائی لا یکون ملکا خبیثا

میں لے جانا بدعہدی ہے۔ لیکن اگر ایسی خرید وفروخت کی صورت میں ہو جو کفار کے نزدیک جائز سمجھی جاتی ہو تو یہ بدعہدی نہ ہوگی۔ اور اس طریقے سے اگر مسلم مستامن اُس خرید کردہ مملوک کو دار الاسلام میں لے جائے تو وہ اس کا جائز مملوک ہوگا۔

وجملة الکلام ان الموجب للملك انما هو الاخراج قهرا من دار الحرب الی دار الاسلام. ولیس للبیع والشراء فی حصول الملك کثیر نفع. وانما نفعه فی نفی کون الاخراج غدرا. فالبیوع التی حکم الفقهاء بجوازها معناها انها تصلح لنفی نسبة الغدر من الاخراج المترتب علیها والبیوع التی حکموا بعدم جوازها معناه انها لا تصلح لنفی هذه النسبة. والاخراج المترتب علیها یُعَدُّ غدرا۔

غرضکہ دار الحرب سے صرف غلبہ وحراست کے ساتھ نکال کر لے جانا موجب ملکیت ہو سکتا ہے۔ مذکورہ خرید وفروخت کی صورت میں جو حق ملکیت حاصل ہوتا ہے اس کا کچھ زیادہ فائدہ نہیں۔ بس اتنا فائدہ ضرور ہے کہ اگر مسلم مستامن اس کو دار الحرب سے باہر لے جائے تو بدعہدی نہیں ہوگی۔ پس جس خرید وفروخت کو فقہا نے جائز کہا ہے اس کے جواز سے غرض یہ ہے کہ اخراج کی صورت میں بدعہدی وغداری کا الزام نہ آئے۔ اور جس کو ناجائز کہا ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ بدعہدی کے الزام سے محفوظ رکھنے کے لئے کافی نہیں ہوتی۔ اور اس کی وجہ سے جو اخراج ہوتا ہے اس کو عہد شکنی قرار دیا جاتا ہے۔

ویدخل فیما ذکرنا حکم بیع کفار الهند اولادهم فی المملکة الانجلیزیة من انه لا سبیل الی جواز هذا البیع فان هذه البلاد ان کانت دار الاسلام کما هو رأی جماعة من العلماء لم یجز هذا

مذکورہ بالا تفصیل سے معلوم ہوگیا کہ حکومت انگلشیہ میں ہندوستان کے کفار اگر اپنی اولاد کو فروخت کریں تو ان کی خرید وفروخت کے جواز کی کوئی صورت نہیں۔ کیونکہ اگر یہ مملکت بقول بعض علما دار الاسلام ہے تو یہ بیع ناجائز ہے۔ جیسا کہ بحوالہ رد المحتار ہم اوپر ذکر چکے ہیں کہ دار الاسلام میں ایک حربی کا دوسرے حربی کو فروخت کرنا جائز نہیں۔

البیع لما نقلنا سابقا عن رد المحتار من ان بیع الحربی حربیا فی دار الاسلام لا یجوز فی الروایات۔ وان کانت دار حرب لا یجوز البیع ایضا فان حکم جواز البیع فی دار الحرب ایضا مشروط بکون البائع قاهرا مستولیا علی المبیع۔ والقهر والاستیلاء کذالک لا یوجد فی الحکومة الانجلیزیة وایضا قدمنا ان حصول الملک للمشتری مشروط باخراجه المبیع الی دار الاسلام وما دام فی دار الحرب لا یحصل له الملک عند اکثر المشائخ وهو الصحیح۔

فالمسلم الذی یشتری فی المملکة الانجلیزیة من کافر اولاده لا یجوز له البیع والشراء لکون هذا البیع والشراء غدرا بالحکومة التی نحن من معاهدیها ومن عهدها ان تجارة الانسان جریمة قانونیة عندها ونحن التزمنا العهد۔ وکذلک لا یحصل له الملک علی المبیع لعدم وجود الاخراج قهرا مع انه شرط لحصول الملک کما قدمنا۔ ولا یفید ان یکون اقوام من کفرة الهند یعتقدون جواز هذا البیع وان تتفق لبعضهم ان تقهر احدا سرا من عمال الحکومة لان اعتقاد

اور اگر برٹش انڈیا کو دار الحرب مانا جائے تب بھی یہ بیع جائز نہیں۔ کیونکہ دار الحرب میں بھی جواز بیع کے لئے یہ شرط ہے کہ بائع کو مبیع پر پورا قبضہ و اختیار اور حق تصرف حاصل ہو اور ایسا اختیار و قبضہ حکومت انگلشیہ میں موجود نہیں ہے۔ اور اوپر ہم یہ بھی بتا چکے ہیں کہ مشتری کے لئے ملکیت کا ثبوت بھی اخراج الی دار الاسلام کے ساتھ مشروط ہے اور جب تک وہ دار الحرب میں رہے گا اس کو اکثر علما کے نزدیک حق ملکیت حاصل نہیں ہوتا اور یہی مذہب صحیح ہے۔

پس جو مسلمان حکومت انگلشیہ میں کسی کافر سے اس کے بچے کو خریدے گا اس کی یہ خرید و فروخت ناجائز ہوگی۔ کیونکہ یہ معاملہ اس حکومت کے ساتھ بدعہدی کے مترادف ہوگا جس کے قانون کے ہم پابند ہیں۔ اور جس کے قانون کی رو سے بردہ فروشی جرم ہے اور ہم نے اس قانون کی پابندی کو اپنے اوپر عائد کر رکھا ہے۔ اور نہ یہاں ملکیت حاصل ہو سکتی ہے۔ کیونکہ اخراج بالقہر کا وجود نہیں پایا جاتا جو حصول ملک کے لئے شرط ہے۔

اگر کفار ہند کے بعض قبائل اس قسم کی خرید و فروخت کو جائز سمجھتے ہوں اور کسی کو پوشیدہ طریقہ پر ایسا قبضہ و تسلط جو ان کے اعتقاد میں موجب ملکیت ہو حاصل ہو جائے تب بھی کوئی فائدہ نہیں کیونکہ اس معاملے میں حکومت کا عقیدہ و قانون معتبر ہوگا نہ کہ ہر کس و ناکس کا عقیدہ۔

اھل الامر ھو المعتبر لا اعتقاد کل احد۔

قال فی رد المحتار والغدر حرام الا اذا غدر بہ ملکھم فاخذ مالہ او حبسہ او فعل غیرہ بعلمہ ولم یمنعہ لانھم ھم الذین نقضوا العھد۔ انتھی۔

(رد المحتار ص ۲۵۴ ج ۳)

وایضا قد منا ان البیع انما کان لصحۃ نفی الغدر والغدر نقض العھد وعھدنا بالحکومۃ وعمالھم لا مع الکفرۃ الذین یعتقدون جواز البیع۔ فھذا البیع وان کان مع المجوزین لا یصلح لنفی نسبۃ الغدر وکذا القھر والغلبۃ جریمۃ عند الحکومۃ فلا یؤثر فی حصول الملک۔

فالحاصل ان ھذا البیع والشراء باطل ولا یدخل المبیع المذکور تحت التقویم ولا فی ملک المشتری۔ واللہ تعالی اعلم۔ کتبہ الراجی رحمۃ مولاہ محمد کفایۃ اللہ۔ مدرس مدرسہ امینیہ دھلی

یکم رجب ۱۳۳۳ھ

ردالمحتار میں ہے کہ کافر حکومت میں بھی بدعہدی وقانون شکنی حرام ہے سوائے اس صورت کے جب کہ بادشاہ خود ہی بدعہدی و پیمان شکنی کرے کہ مسلمانوں کا مال غصب کرے قید کردے یا کوئی دوسرا ظالم ان کے ساتھ ایسا کرے اور بادشاہ جاننے کے باوجود ان کی حفاظت و دادرسی نہ کرے۔

ہم اوپر واضح کر چکے ہیں کہ جواز بیع کا حکم محض اس لئے تھا کہ بدعہدی کا الزام مسلم مستامن پر نہ آئے۔ اور بدعہدی سے مراد قانون شکنی ہے اور ہمارا قانونی معاہدہ حکومت وعمال حکومت سے ہے نہ کہ (رعیت میں سے) ان کفار کے ساتھ جو اس قسم کی بیع کے جواز کا عقیدہ رکھتے ہوں۔ پس اس قسم کی بیع اگر ان کی طرف سے ہو تو مسلم مستامن کو الزام قانون شکنی سے بری نہیں کر سکتی۔ اسی طرح غلبہ وقبضہ بھی حکومت انگلشیہ کے قانون کی رو سے جرم ہے اس لئے وہ بھی حصول ملک کے لئے مفید نہیں۔

غرضکہ بیع وشرا مذکورہ فی السوال باطل ہے اور مبیع مذکورہ قابل خرید وفروخت نہیں ہے نہ مشتری کی ملکیت میں داخل ہو سکتی ہے۔ واللہ تعالی اعلم

سوال

ایک شخص نے ایک باندی خریدی۔ اس سے ہم بستری کرنا جائز ہے یا نہیں؟ اور اگر ہم بستری کی جائے اور اولاد ہو تو وہ اولاد حرامی ہوگی یا حلالی؟

(۱۶۱) **جواب** ہندوستان میں تو ایسی باندیاں نہیں ہیں جو شرعی قاعدے کے موافق باندیاں قرار دی جا سکیں

لہٰذا اس کی تفصیل معلوم ہونی چاہئے کہ باندی کہاں سے خریدی اور اس باندی کی حیثیت کیا تھی۔ جب جواب دیا جا سکتا ہے۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہٗ۔ دہلی۔

سوال

(۱) ایک مسلمان مرد نے ایک ہندو عورت کو اس کے شوہر سے چھڑا کر اپنے گھر میں لونڈی بنا کر رکھ لیا ہے اور اس سے ہم بستر ہوتا ہے اور کہتا ہے کہ باندی کے ساتھ صحبت جائز ہے اور نکاح کرنے سے انکار کرتا ہے۔
(۲) باندی کس عورت کو کہیں گے اور کتنی حیثیت کے لئے باندی جائز ہو سکتی ہے اور کہاں کے لئے؟
(۳) اگر کوئی ناجائز فعل کرے اور کہے کہ یہ جائز ہے تو ایسے شخص کو کیا کہا جائے؟

المستفتی نمبر ۱۵۳۴ حافظ محمد اسمعیل (گنجام) ۱۶ ربیع الثانی ۱۳۵۶ھ مطابق ۲۶ جون ۱۹۳۷ء

(۱۶۲) **جواب**۔ ہندوستان میں صحیح شرعی طریق پر باندی نہیں مل سکتی۔ کسی ہندو کی بیوی کو اوس کے شوہر سے چھڑا کر رکھ لینا اور اوس کو باندی سمجھنا جائز نہیں۔ اگر وہ عورت مسلمان ہو گئی ہو اور اوس کے خاوند نے مسلمان ہونا قبول نہ کیا ہو اور عدت گزر گئی ہو تو پھر کوئی مسلمان اوس عورت سے نکاح کر سکتا ہے۔ بغیر نکاح اوس سے صحبت کرنا حرام ہے۔ اور جو شخص ایسی عورت رکھے اور اوس کو حلال سمجھے وہ سخت فاسق اور گنہگار ہوگا۔ بلکہ ایمان جاتے رہنے کا قوی خطرہ ہے۔

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہٗ
۱۶ ربیع الثانی ۱۳۵۶ھ

سوال

ہندہ نے بہ سبب اپنی چند خاص ضرورتوں کے اپنے آپ کو فروخت کے لئے پیش کیا اور زید نے بالعوض زر نقد مطلوبہ اس کو خرید لیا۔ یہ خرید و فروخت جائز ہے یا ناجائز؟

المستفتی نمبر ۱۸۴۶ محمد مبین ضلع درگ ۲۸ رجب ۱۳۵۶ھ مطابق ۴ اکتوبر ۱۹۳۷ء

(۱۶۳) **جواب**۔ یہ خرید و فروخت قطعاً ناجائز ہے۔ کوئی آزاد شخص مرد ہو یا عورت اپنے نفس کو فروخت نہیں کر سکتا۔ اور نہ کوئی آزاد شخص کو خرید سکتا ہے۔ ہندہ زر خرید لونڈی کا حکم نہیں رکھتی۔ زید اس سے نکاح کر سکتا ہے اور دی ہوئی رقم کو مہر قرار دیا جا سکتا ہے۔ وہ آزاد عورت ہے۔ دوسرے شخص سے بھی اس کا نکاح جائز ہے۔ اور زید نے جو رقم قیمت کے طور پر دی ہے وہ واپس لے سکتا ہے۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہٗ۔ دہلی۔

سوال

(از الجمعیۃ سہ روزہ مورخہ ۲۶ اگست ۱۹۲۶ء)

ریاست نیپال، اگر تلہ منی پور وغیرہ میں لونڈیاں فروخت ہوتی ہیں. کیا کوئی مسلم ان جگہوں سے لونڈیاں خرید سکتا ہے؟

(۱۶۴) **جواب**۔ یہ لونڈیاں جو نیپال اور منی پور وغیرہ میں فروخت ہوتی ہیں اصول شریعت مقدسہ کے موافق لونڈیاں نہیں ہیں۔ لہٰذا ان کو خریدنا اور ان سے لونڈیوں کا کام لینا جائز نہیں ہے۔

محمد کفایت اللہ غفرلہٗ۔ مدرسہ امینیہ دہلی

چوتھا باب

متفرق

سوال

کلکتہ کے فساد کو بعض لوگ جہاد سے تعبیر کر رہے ہیں اور مسلمانوں کے مذہبی جذبات کو بھڑکا کر اس سے ناجائز فائدہ اٹھا رہے ہیں۔ جناب سے درخواست ہے کہ مذہبی اور اخلاقی نقطۂ خیال سے جہاد پر چند سطور اپنے دست مبارک سے تحریر فرمادیں۔ بچوں عورتوں اور بوڑھوں ناتوانوں کو بے خبری میں تلوار کے گھاٹ اتارنا کسی طرح بھی جائز ہے؟

المستفتی خادم میر مشتاق احمد دہلی ۲۲ اگست ۱۹۴۶ء

(۱۶۵) **جواب**۔ اس فساد کو جہاد بتانے والے کیا یہ تسلیم کرتے ہیں کہ اس کی ابتدا مسلمانوں نے بہ نیت جہاد کی تھی۔ اگر وہ تسلیم کرتے ہوں تو پھر ان مجاہدین کے امیر اور پیشوا پر یہ ذمہ داری عائد ہوگی کہ اس نے عورتوں بچوں بوڑھوں پر کیوں تعدی کرنے دی۔ کیونکہ جہاد میں عورتوں بچوں بوڑھوں سے تعرض نہیں کیا جاتا۔ ہمیں تو ابھی تک فساد کی صحیح نوعیت معلوم نہ ہو سکی۔ ہاں اس کی شخصی صورت کہ عورتوں بچوں بوڑھوں کو قتل کیا جلا دیا۔ ہاتھ پاؤں کاٹ دیئے۔ مکانوں کو جلا دیا یہ شرعی جہاد کی صورت نہیں ہے۔ اسے تو فساد ہی کہا جا سکتا ہے۔

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہٗ دہلی

مکتوب مولانا عبدالماجد دریاآبادی

۱۸ جون ۱۹۲۹ء ۔ دریاباد ۔ بارہ بنکی

مخدوم مکرم ۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ ۔ بحمد اللہ حج و زیارت سے واپس ہو کر ابھی دریاباد پہنچا ہوں عنقریب انشاء اللہ دہلی کا بھی ارادہ ہے ۔ زمیندار کے پرچے پڑھ پڑھ کر سخت تکلیف ہوئی ۔ الجمعیۃ کی موجودہ روش بہت بہتر معلوم ہوئی ۔ وائسرائے کی ملاقات والے معاملہ کا جو جواب الجمعیۃ نے نکات ولطائف میں دیا ہے وہ بہت پر لطف ہے (یعنی خود صاحب زمیندار کا سارا معاملہ دہرا دیا ہے) اس کی داد دیتا ہوں ۔ اللہ ہی ہم سب پر رحم فرمائے ۔ مدینہ منورہ میں بہت اطمینان سے قیام کا موقع مل گیا تھا ۔ اپنے سب جاننے والوں کے حق میں خوب دعائیں کیں ۔ اور سب سے زیادہ خود امت محمدیہ کے حق میں ۔

اس عریضے کا مقصود ایک مسئلہ کی تحقیق ہے :۔ میں اپنے مطالعہ سے اب تک اس نتیجے پر پہنچے ہوئے تھا کہ قتال کی اجازت کفر کے مقابلہ میں نہیں بلکہ حرب کے مقابلہ میں ہے ۔ یعنی صرف حربی کافروں کے خلاف ۔ نہ کہ محض کافروں کے خلاف ۔ ان کے عقائد کفریہ کی بنا پر ۔ چنانچہ سورۂ بقر اور سورۂ حج کی متعدد آیات (قاتلوا فی سبیل اللہ الذین یقاتلونکم ولا تعتدوا الخ ۔ اذن للذین ظلموا یُقتلون الخ ۔ وغیرہ) اپنی تائید میں رکھتا تھا ۔ نیز صاحب ہدایہ کی یہ تصریح یاد تھی کہ کافر عورتوں ، بچوں ، اندھوں وغیرہ سے قتال اس بنا پر جائز نہیں کہ وہ شریک جنگ نہیں ہوتے ۔ اپنے اس خیال میں بالکل مستحکم تھا ۔ مگر اثنائے سفر حج میں مولوی مناظر احسن صاحب نے اس کے بالکل برخلاف تقریر فرمائی اور یہ اصرار فرمایا کہ ہر کافر کا مجرد اس کے عقاید کفریہ کی بنا پر مباح الدم ہونا فقہ حنفی کا مسلم مسئلہ ہے ۔ نیز سورۂ توبہ کی بھی بعض آیات سے استناد کیا ۔ محاکمہ کے لئے جناب کو تکلیف دیتا ہوں ۔ مفصل جواب کی زحمت کی ضرورت نہیں ۔ مختصر اشارات مع فقہائے حنفی کے حوالہ جات کے کافی ہوں گے ۔ اگر ہر کافر محض اپنے عقائد کی بنا پر واجب القتل ہے تو آپ حضرات نے فتوی ترک موالاۃ میں نصاریٰ کے مظالم کا ذکر لاحاصل ہی کیا ۔ صرف اس قدر لکھ دینا کافی تھا کہ یہ کافر ہیں اور ان کے کفر کی بنا پر ان سے ترک موالاۃ لازم ہے ۔ والسلام

محتاج دعا عبدالماجد

جواب مکتوب بالا از حضرت مفتی اعظمؒ

۲۲ جون ۱۹۲۹ء مخدوم محترم دام فضلہم ۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

حرمین شریفین کی زیارت کی سعادت اور مع الخیر مراجعت پر مخلصانہ مبارکباد قبول فرمائیں تقبل اللہ منکم وجعلہ ذخرا لآخرتکم ۔ زمیندار کی عنایات طبعیہ کی مجھے کوئی شکایت نہیں ہے ۔ کیونکہ "تو پاک باش برادر مدار از کس باک" ۔ اور "مقتضائے طبیعتش این است" ۔ ھدانا اللہ وایاہ الی ما یحبہ ویرضاہ ۔

مولانا! مجھ جیسا ہیچ مداں کسی مسئلے پر کیا روشنی ڈال سکتا ہے۔ لیکن تعمیلاً للامر اپنا خیال ناقص عرض کرتا ہوں۔ یہ صحیح ہے کہ شریعت مقدسہ نے کفر کو فی حد ذاتہ اباحتِ دم کا سبب قرار نہیں دیا۔ ورنہ مقاتلہ میں عورتوں، بوڑھوں اور راہبوں کے قتل سے ممانعت نہ کی جاتی جب کہ ان کا کفر کے ساتھ متصف ہونا بھی یقینی ہے مگر اسی کے ساتھ شریعت مقدسہ نے یہ بھی قرار دیا ہے کہ کفر فی حد ذاتہ ملزوم اور حرب اس کو لازم ہے۔ یعنی اگر افراد کفار میں کوئی ایسے خاص حالات نہ ہوں جو حرب کے احتمال کو مرتفع کردیں یا کم از کم ضعیف بنادیں تو تمام کافر حربی ہی قرار دیئے جائیں گے۔ اس کا مقتضا یہ تھا کہ تمام کفار (اس نظریہ کے ساتھ کہ کفر مستلزم حرب ہے) مباح الدم ہوجاتے۔ مگر معاہدہ، استیمان نے حرب کا احتمال اٹھادیا۔ اور انوثیت، شیخوخۃ، رہبانیت نے احتمال حرب کو ضعیف کردیا۔ اس لئے ان پر سے مباح الدم ہونے کا حکم جاتا رہا۔

جو آیات کہ مطلقاً کفار کے ساتھ قتال اور ان کے قتل کے جواز پر دلالت کرتی ہیں ان کا یہی مطلب ہے کہ تمام کفار و مشرکین طبعاً اسلام و مسلمین کے دشمن اور محارب ہیں اور اسی وجہ سے ہر قوم کافر سے مسلمانوں کو ابتداءً بالقتال جائز ہے جبکہ ان سے کوئی معاہدہ نہ ہو۔ مذکورہ بالا معروضات سے یہ ثابت ہوا کہ اسلام نے اجازت قتال میں یہ شرط نہیں لگائی کہ جب کفار کی جانب سے ابتدا ہو لے جبھی مسلمان لڑیں ورنہ نہیں۔ بلکہ مسلمان ہجوم و مدافعت دونوں قسم کی جنگ کرسکتے ہیں۔ مگر صرف ان کفار سے جن کی حربیت کا حکم مرتفع یا ضعیف نہیں ہوچکا ہے۔ خلاصہ یہ کہ نفس کفر فی حد ذاتہ موجب اباحۃ الدم نہیں۔ مگر کفر کا ایک لازم یعنی حربیت موجب اباحۃ الدم ہے۔ اور جن صورتوں میں یہ لازم مرتفع یا مضمحل ہوجائے وہاں اباحتِ دم کا حکم نہیں ہوگا اگرچہ کفر موجود ہو۔ غالباً مولانا مناظر احسن صاحب کا یہی مطلب ہوگا اور انھوں نے لازم و ملزوم دونوں کو یکجائی کی نظر سے دیکھا ہوگا اور ارتفاع و اضمحلال لازم کو اپنے کلام میں واضح نہ کیا ہوگا۔ اور غالباً جناب نے بھی حربیت کو بالفعل محاربہ پر مقصور نہ قرار دیا ہوگا۔ بلکہ کفر و اسلام کی اس طبعی و جبلی محاربت کو جو وما نقموا منہم الا ان یؤمنوا باللہ العزیز الحمید الایہ سے ثابت ہے اور جس کا نتیجہ اسی آیت میں قتل اصحاب الاخدود النار ذات الوقود اذھم علیہا قعود وھم علی ما یفعلون بالمؤمنین شہود میں مذکور ہے، جواز ہجوم کے لئے کافی سمجھا ہوگا۔ اور اس صورت میں جناب کے اور مولانا مناظر احسن صاحب کے کلام میں فی الحقیقت تدافع نہیں ہوگا۔

اگر میری یہ پریشاں خیالی جناب کو صحیح معلوم ہو تو الحمد للہ۔ اور نہیں تو اس کے اسقام سے مطلع فرما کر ممنون فرمائیں۔ والسلام خیر ختام

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہٗ

کتاب الحدود والجنایات

پہلا باب
اقامت حدود شرعیہ

سوال

ایک شخص زنا کرتے ہوئے گرفتار ہوگیا۔ اس پر کیا کفارہ ہے۔ اور غریب شخص نے توبہ کرلیا تو اس کے لئے کیا حکم ہے؟

المستفتی ۱۸۲۹ شاہ محمد صاحب (ضلع اعظم گڈھ) ۲۴ رجب ۱۳۵۶ھ مطابق ۳۰ ستمبر ۱۹۳۷ء

(۱۶۶) **جواب**۔ اس شخص سے توبہ کرالینا کافی ہے کہ اجرائے حدود کے لئے اسلامی عدالت کا حکم ضروری ہے اور وہ موجود نہیں ہے۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہٗ دہلی

دوسرا باب
تعزیر

سوال

مدارس اور اسکولوں میں بہ سبب شرارت یا اسباق یاد نہ کرنے کے استاد یا ماسٹر لوگ بید یا قمچی یا ہاتھ سے اپنے شاگردوں کو تنبیہ اور تعزیر دیتے ہیں۔ اس کے متعلق شرع شریف میں کتنی حد مقرر ہے؟ کس حد تک تنبیہاً ان اشیاء کو استعمال کرسکتے ہیں؟ یا بالکل جائز نہیں؟ اور کس حد سے تجاوز کرنے سے استاد آثم ٹھیرے گا۔ اور آثم ٹھیرنے میں اس پر شرعاً کیا تعزیر لازم آئے گی؟ نیز اگر غصے کی حالت میں استاد کچھ درشتی کے الفاظ سب و شتم استعمال کرے تو کس حد تک استعمال کرسکتا ہے اور کس حد سے تجاوز حرام ہے؟ بینوا توجروا۔

(۱۶۷) **جواب**۔ چہرہ اور مذاکیر کے علاوہ سارے بدن پر تا وقتیکہ تجاوز عن الحد نہ ہو مارنا جائز ہے۔ یعنی اس طرح مارنا کہ بدن کہیں سے زخمی ہو جائے یا کہیں کی ہڈی ٹوٹ جائے یا بدن پر سیاہ داغ پڑ جائیں یا ایسی ضرب ہو جس کا اثر قلب پر پڑتا ہو جائز نہیں۔ اگر مارنے میں حد معلومہ سے تجاوز ہو یا چہرہ اور مذاکیر پر خواہ ایک ہی ہاتھ چلائے گنہگار ہوگا۔

استاد کو بشرط اجازت والدین اس قدر مارنے کا اختیار ہے جو مذکور ہوا۔ اور وہ بھی جبکہ مارنے کے لئے کوئی صحیح غرض تادیب یا تنبیہ یا کسی بری بات پر سزا دہی ہو۔ بے قصور مارنا یا مقدار قصور سے زیادہ مارنا جائز نہیں۔ بلکہ استاد خود مستحق تعزیر ہوگا۔ ضربہ علی الوجہ او علی المذاکیر یجب الضمان بلا خلاف ولو سوطاً واحداً لانہ اتلاف (رد المحتار) ضرب المعلم الصبی ضرباً فاحشاً (وھو الذی یکسر العظم ویخرق الجلد او یسودہ۔ (رد المحتار) فانہ یعزرہ ویضمن لومات۔ شمنی (در مختار) ضرب معلم صبیاً او عبداً بغیر اذن ابیہ او مولاہ فالضمان علی المعلم اجماعاً۔ وان ضرب باذنہما لا ضمان علی المعلم اجماعاً (در مختار) سب و شتم میں ایسے الفاظ جن کا تعلق صرف لڑکے تک محدود ہے مثلاً بیوقوف، گدھا، پاجی، نالائق، الو وغیرہ اور زیادہ فحش نہ ہوں استعمال کرنے کا مضائقہ نہیں۔ لیکن ایسے الفاظ جن کا تعلق لڑکے سے متجاوز ہو کر اس کے والدین یا اور کسی تک پہنچے مثلاً گدھے کا بچہ، سور کا بچہ، حرامی یا اور فحش الفاظ اور گالیاں استعمال کرنا ناجائز اور حرام ہے۔ والضابط انہ متی نسبہ الی فعل اختیاری محرم شرعاً و یعد عاراً عرفاً یعزر والا لا۔ ابن کمال (در مختار)

سوال

جو شخص منکوحہ لڑکی کو جو کہ عرصہ چار سال سے بالغ ہو رخصتی نہ کرے اس کے لئے تعزیر شرعی کیا ہے؟

المستفتی نمبر ۱۸۳ مولوی محمد بخش (ضلع جھنگ) ۱۴ رجب ۱۳۵۶ھ مطابق ۳۰ ستمبر ۱۹۳۷ء

(۱۶۸) **جواب** ۔ اگر وداع نہ کرنے کا کوئی معقول عذر ہو تو خیر ورنہ وہ شرعاً مواخذہ دار ہے۔ تعزیر قاضی شرعی کی رائے پر مفوض ہے۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہٗ۔ دہلی

تیسرا باب
تعزیر باخذ المال (جرمانہ)

سوال

ہماری قوم نجاران برادری میں ایک بھائی نے دوسرے سے یہ کہا کہ تو اپنی بیوی کو طلاق دے دے کیونکہ وہ غیر برادری کی ہے اور تیرا نکاح برادری میں کرا دیا جائے گا اور میں بھی کر لوں گا۔ بعد ازاں اس تحریک دہندہ نے بلا نکاح اس مطلقہ کو کچھ مدت تک اپنے گھر میں رکھا۔ اب پنچوں کو جو اس کی یہ ناجائز حرکت پایۂ ثبوت کو پہنچ گئی اور گواہوں سے اس کا قصور ثابت ہو گیا تو یہ فیصلہ دیا کہ مبلغ پچاس روپے تحریک دہندہ کے ذمہ جس نے بلا نکاح مطلقہ کو گھر میں رکھا تھا

احمقانہ کیے۔ اور مبلغ پچاس روپے طلاق دہندہ پر اس وجہ سے کہ تو نے اتنے دنوں تک اس کی ناجائز حرکت کا تذکرہ پنچوں کے سامنے کیوں نہیں کیا۔ اور ایک اور شخص پر بھی اسی معاملے میں بعد ثبوت قصور پانچ روپے احمقانہ نقد کیے۔

یہ احمقانہ برادری میں اس وجہ سے رائج کیا گیا ہے کہ حتی الامکان ان ناجائز طرق کا اصلاح ہوتا رہے۔ اگر اس قسم کا تدارک نہ کیا جائے گا تو برادری میں تفرقہ اور ناجائز طرق کا کھلم کھلا رواج ہو جائے گا جو موجب تباہی ہے۔ اب علما سے دریافت طلب یہ امر ہے کہ یہ احمقانہ کا روپیہ یا آئندہ جو اس قسم کے واقعات سے احمقانہ وصول ہو پنچوں کو اپنے استعمال میں لانا یا برادری میں صرف کرنا یا فی سبیل اللہ دینا درست ہے یا نہیں۔ اگر مذکورہ بالا مدات میں اس کا صرف کرنا درست نہیں تو اس کو کس مصرف میں لگایا کریں۔ بینوا توجروا۔

(۱۶۹) **جواب** یہ احمقانہ اگر تعزیر سمجھا جائے تو واضح ہو کہ بغیر نکاح کے کسی عورت کو رکھنا اور اس سے زنا کرنا شرعاً موجب حد ہے۔ اور جن گناہوں میں کہ کوئی حد شرعی مقرر ہے ان میں تعزیر نہیں ہے۔ التعزیر ھو التادیب دون الحد ویجب فی جنایۃ لیست موجبۃ للحد کذا فی النہایۃ (عالمگیری) اور نیز حرمت زنا حق اللہ میں داخل ہے اور حقوق اللہ میں تعزیر کرنا صرف حال مباشرت میں عامۂ مومنین کا حق ہے نہ بعد مباشرۃ قالوا لکل مسلم اقامۃ التعزیر حال مباشرۃ المعصیۃ واما بعد المباشرۃ فلیس ذلک لغیر الحاکم (عالمگیری) اور اگر زنا کرنا ثابت نہ ہو تاہم تعزیر بالمال امام ابو حنیفہ اور امام محمد رحمہما اللہ کے نزدیک ناجائز ہے۔ وعند ابی یوسف رحمہ اللہ تعالیٰ یجوز التعزیر باخذ المال للسلطان وعندھما وباقی الائمۃ الثلثۃ لا یجوز۔ کذا فی فتح القدیر (عالمگیری)۔ اور اگرچہ امام ابو یوسف نے تعزیر بالمال کو جائز فرمایا ہے، مگر اس سے مراد یہ ہے کہ بادشاہ اس کے مال کو ایک مدت مناسبہ تک روک لے اور جب سمجھے کہ اب زجر حاصل ہو گیا پھر واپس کر دے۔ نہ یہ کہ بالکل خود اپنے لئے یا بیت المال کے لئے ضبط کر لے۔ ومعنی التعزیر باخذ المال علی القول بہ امساک شیٔ من مالہ عندہ مدۃ لینزجر ثم یعیدہ الحاکم الیہ لا ان یاخذہ الحاکم لنفسہ او لبیت المال کما یتوھمہ الظلمۃ اذ لا یجوز لاحد من المسلمین اخذ مال احد بغیر سبب شرعی کذا فی البحر الرائق (عالمگیری) پس یہ احمقانہ لینا اور اس کا مصارف مذکورہ میں یا کسی اور مصرف میں صرف کرنا جائز نہیں۔ بلکہ جن سے لیا ہے ان کو واپس دینا لازم ہے۔ ہاں ایسے لوگوں کے زجر اور ایسی باتوں کو بند کرنے کے لئے یہ جائز ہے کہ ایسے لوگوں کو پنچایت اور برادری سے خارج کر دیا جائے۔ اور جب تک وہ اس فعل سے توبہ نہ کریں ان کے ساتھ برادری کے تعلقات نہ رکھے جائیں۔

کتبہ محمد کفایت اللہ عفا عنہ مولاہ

سوال

جرمانہ جو ہمارے دیار میں مروج ہے کیا شرعاً جائز ہے؟ اگر ہے تو اس روپے کا مستحق کون ہے؟ نیز جو شخص سربرآوردہ سرقہ و زنا وغیرہ کا جرمانہ کرکے خود کھالیا کرے تو وہ شخص کیسا ہے۔ بینوا توجروا۔

(۱۷۰) **جواب** ۔ مالی جرمانہ ناجائز ہے۔ اور امام ابو یوسف سے جو تعزیر بالمال کے جواز کی روایت ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ کچھ مدت کے لئے اس کا مال روک لیا جائے اور جب انزجار کی امید ہو جائے تو اس کا مال واپس کردیا جائے۔ (۲) یہ شخص ظالم اور فاسق ہے کہ لوگوں کا مال ناحق کھاتا ہے۔ کتبہ محمد کفایت اللہ عفا عنہ مولاہ

سوال

ایک عورت اور اس کی لڑکی نے اپنے باپ کو اور اپنے خصم کو تہمت زنا کی لگائی اور بعد میں وہ دونوں انکار کر گئیں اور کہا کہ ہم نے جھوٹ بولا تھا۔ اب مہربانی فرما کر زانی کی تعزیر اور تہمت زنا کی تعزیر سے مطلع کریں اور مالی تعزیر فرمادیں۔ المستفتی نمبر ۱۷۳ سید محمد حسین صاحب (ضلع جالندھر) ۱۴ رمضان ۱۳۵۴ھ مطابق یکم جنوری ۱۹۳۶ء

(۱۷۱) **جواب** ۔ شریعت میں مالی تعزیر نہیں ہے۔ اور زنا اور تہمت زنا کی جو سزا ہے وہ آجکل جاری نہیں ہو سکتی کیونکہ حکومت موجودہ کے قانون کے مطابق نہیں ہے اس لئے مسلمانوں کو زانی یا تہمت لگانے والوں کو سزا دینے پر قدرت نہیں۔ ہاں تنبیہ کرنے کے لئے اس کو اپنی پنچایت اور کھانے پینے سے علیحدہ کرسکتے ہیں اور جب تک وہ توبہ نہ کرے اس وقت تک اس کو علیحدہ رکھیں۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہٗ

سوال

ایک قوم کی دو پارٹیوں میں کچھ تنازع تھی۔ اب وہ اتفاق کے لئے دو ثالث مقرر کرتے ہیں اور ان سے بیان کرتے ہیں۔ دونوں ثالث مسجد میں جا کر فیصلہ سناتے ہیں کہ تین صاحب تو تین حصے دے دیویں اور تین صاحب مسجد میں پانچ پانچ بدھنے دے دیویں۔ ایک شخص کہتا ہے کہ یہ تاوان جو مجھ پر ڈالا گیا ہے میں بے گناہ ہوں اور پنچایت ان کا بے گناہ ہونا تسلیم کرتی ہے۔ آیا عند الشرع ان کا قصور معاف ہو سکتا ہے؟ اور یہ فیصلہ از روئے شرع ٹھیک ہے یا نہیں؟

المستفتی نمبر ۷۷۵ قیام الدین (جیپور) ۲۹ ذیقعدہ ۱۳۵۴ھ مطابق ۲۳ فروری ۱۹۳۶ء

(۱۷۲) **جواب** ۔ معاملہ جس کے لئے ثالثی مقرر کی گئی تھی ہمیں معلوم نہیں اور سوال میں یہ مذکور نہیں کہ اس نے دو فریقوں پر تاوان کس سلسلے میں عائد کیا اس لئے اس فیصلے کی صحت و عدم صحت کے متعلق کوئی رائے قائم نہیں کی جاسکتی اجمالاً اس قدر کہا جاسکتا ہے کہ تعزیر بالمال ہمارے نزدیک جائز و صحیح نہیں ہے۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہٗ

سوال

کیا شرعاً قاضی کسی معاملے میں جرمانہ کر سکتے ہیں؟ اور کیا وہ جرمانہ کا روپیہ اپنے ذاتی تصرف میں لا سکتے ہیں؟

(۱۷۳) **جواب** - جرمانہ کرنے کا قاضی کو حق نہیں ہے۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ،

سوال

ہمارے یہاں یہ دستور ہے کہ اگر کسی سے لڑائی جھگڑا ہو تو پنچ اور سرداران محلہ مل کر انصاف کرتے ہیں اور اسامی فریقین جانبین سے جھگڑا مٹانے کے بدلے کچھ روپیہ وصول کرتے ہیں اور اپنے تضییع اوقات کا بدلہ خیال کرتے ہیں۔ اور وہ لوگ اس روپے کو آپس میں تقسیم کرتے ہیں۔ آیا اس رقم کا لینا جائز ہے یا نہیں۔ اگر جواب جواز میں ہے تو اس روپے کو نیک کاموں میں یعنی مسجد و مدرسہ میں خرچ کرنا درست ہے یا نہیں۔ اور اس کے بعد کچھ جرمانہ بھی کرتے ہیں۔ اس کو بھی مسجد وغیرہ میں لگانا جائز ہے یا نہیں؟

المستفتی نمبر ۱۹۶۱ محمد انصار الدین صاحب (آسام) ۲۵ شعبان ۱۳۵۶ھ مطابق ۳۱ اکتوبر ۱۹۳۷ء

(۱۷۴) **جواب** - جبراً فیصلہ کرنے کی اجرت لینا یا جرمانہ وصول کرنا جائز نہیں۔ ایسے روپے کو مدرسہ مسجد اور نیک کام میں صرف کرنا بھی ناجائز ہے۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ، دہلی

سوال

ایک شخص امام مسجد بھی ہے اور اسکول میں معلم قرآن شریف بھی ہے اور نائب قاضی بھی ہے۔ بعدم موجودگی قاضی صاحب قصداً نکاح پڑھایا کہ جیسے اجرت نکاح کا مفاد ہو۔ ان سے اس معاملہ کی شکایت ہونے پر جواب طلب کیا گیا۔ وقت مقررہ تک کوئی جواب نہیں دیا۔ اور نہ اب تک دیا۔ لہذا مطابق قواعد انجمن جیسا کہ ملازمان انجمن کے لئے طے شدہ ہے ان پر مبلغ ۸ر آنے جرمانہ کیا۔ لہذا استدعا ہے کہ جواب باصواب مرحمت فرمائیں۔

المستفتی نمبر ۲۱۱۵ جناب پریزیڈنٹ صاحب انجمن اسلامیہ (بیتیا) ۱۱ شوال ۱۳۵۶ھ مطابق ۱۵ دسمبر ۱۹۳۷ء

(۱۷۵) **جواب** - مالی جرمانہ کرنا جائز نہیں ہے۔ یہ جرمانہ واپس کیا جائے اور ان کو تنبیہ کر دی جائے کہ اگر وہ آئندہ ایسا کریں گے تو ان کو نائب قاضی کے عہدے سے موقوف کر دیا جائے گا۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ، دہلی

سوال

کچھ رقمیں وصول شدہ جرمانہ و چندہ تنظیم کمیٹی کی جمع ہیں۔ ان رقموں کو کون سے مصرف میں لگانا جائز ہے؟ تنبیہاً جرمانہ یا تاوان لے کر کسی قسم کی تنبیہ کرنی جائز ہے یا نہیں؟

المستفتی نمبر ۱۱۳۱ نصیر الدین ضلع رنگپور ۲۶ جمادی الاول ۱۳۵۵ھ مطابق ۱۵ اگست ۱۹۳۶ء

(۱۷۶) **جواب** - جرمانے کی رقمیں تو واپس کی جائیں۔ اور چندہ جس کام کے لئے لیا گیا ہے، اس میں خرچ کیا جائے۔ مالی تعزیر یعنی جرمانہ کرنا جائز نہیں۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ،

سوال

(۱) جو مسلمان کسی مسلمان کو گناہ کی ترغیب دے اس پر اگر جرمانہ کیا جائے تو کیسا ہے؟ (۲) ایک شخص تہمت چوری یا ڈاکہ کی لگاتا ہے۔ اگر چند مسلمان دیندار اس پر جرمانہ کریں تو کیسا ہے؟

المستفتی ۱۸۲۹ شاہ محمد ضلع اعظم گڈھ ۲۴ رجب ۱۳۵۶ھ مطابق ۳۰ ستمبر ۱۹۳۷ء

(۱۷۷) **جواب** (۱) گناہ کی ترغیب دینا ایسا ہی گناہ ہے جیسے اس گناہ کا ارتکاب کرنا۔ مالی جرمانہ کرنا درست نہیں۔ (۲) تہمت لگانا بڑا گناہ ہے۔ مگر تہمت لگانے والے پر مالی جرمانہ کرنا درست نہیں۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ

سوال

(از اخبار الجمعیۃ دہلی مورخہ ۲۸ ستمبر ۱۹۳۴ء)

کچھ عرصہ ہوا مسمی میر بادشاہ نے اپنی حقیقی بہن ایک شیعہ کے نکاح میں دے دیا ہے۔ ان بھائی بہن کی اپنی ماں زندہ ہے جو محمد شیر کے نکاح میں ہے۔ اسی وجہ سے یہ بھائی بہن محمد شیر کے مکان میں رہتے ہیں۔ مسجد کے پیش امام ملا بلال صاحب اور خان زادہ غلام احمد خاں نے محمد شیر جو کہ لڑکی کا سوتیلا باپ ہے اس کے خلاف احتجاج شروع کیا اور روزانہ مسجد میں وعظ کرتے رہے اور اہل سنت والجماعۃ کو متنبہ کیا کہ آئندہ کے لئے محمد شیر سے جس نے لڑکی کو شیعہ کے نکاح میں دیا ہے ہر قسم کا بائیکاٹ کریں۔ کیونکہ یہ لوگ اسلام سے خارج ہو چکے ہیں۔ اس پر عمل درآمد شروع ہو گیا۔ محمد شیر نے تنگ آکر مولانا کے سامنے سر تسلیم خم کیا اور عرض کیا کہ میرا کیا قصور ہے اس کی تمام تر ذمہ داری اس کے بھائی میر بادشاہ پر عائد ہوتی ہے۔ اس پر دوبارہ جلسہ ہوا۔ اس میں یہ قرارداد پاس ہو گیا کہ اس معاملہ میں محمد شیر اور اس کی عورت کی ہاتھ ہے اس لئے اس پر مبلغ بیس روپے جرمانہ اور لڑکی اور لڑکی کے بھائی کے ساتھ کسی قسم کا تعلق نہیں رکھو گے ورنہ پھر بائیکاٹ کی جاوے گی۔ محمد شیر نے مبلغ بیس روپے ملا صاحب کو دے دیئے اور کہا کہ مسجد کی مرمت ہو رہی ہے یہ روپیہ اس میں لگا دیا جائے۔ ملا صاحب نے کہا کہ یہ روپیہ حرام ہے۔ دوسرے تمہارا ثواب جاتا رہے گا۔ اس لئے یہ مجلس جس نے یہ فیصلہ کیا ہے، اس کا پلاؤ کھائیں گے۔ محمد شیر نے اعتراض کیا کہ مسجد کے لئے حرام اور پلاؤ کے لئے حلال! یہ کیسا شریعت ہے؟

(۱۷۸) **جواب** یہ بیس روپے جو شیر محمد سے لیے گئے ہیں، ناحق لیے گئے ہیں۔ محمد شیر کو واپس دیئے جائیں پھر اگر محمد شیر اپنی خوشی سے مسجد میں دے دے تو مسجد میں لگانا جائز ہوگا۔ اس کی حقیقی اجازت اور رضامندی کے بغیر مسجد میں لگانا بھی جائز نہیں
محمد کفایت اللہ

سوال

(الجمعیۃ مورخہ ۲۲ اپریل ۱۹۳۵ء)

زید کی عورت کو بکر اغوا کر کے لے گیا۔ پنچایت نے بکر سے زید کی عورت زید کو واپس دلوادی۔ اور بکر پر زرِ نقد کا کچھ جرمانہ کیا۔ یہ جرمانہ انجمن اسلامیہ تھانیسر (ضلع کرنال) کے فنڈ میں مدرسہ اسلامیہ وغیرہ کے خرچ یعنی مرمت مکان مدرسہ کے لئے دیا جا سکتا ہے یا نہیں؟

(۱۷۹) **جواب** - جرمانہ کا روپیہ وصول کرنا ناجائز ہے۔ جس سے لیا گیا ہے اسے واپس دیا جائے۔ کسی نیک کام میں بدون رضامندی مالک کے خرچ نہیں ہو سکتا۔ ہاں اگر وہ شخص جس سے روپیہ وصول کیا گیا ہے خود اجازت دیدے اور بجائے واپس لینے کے مدرسہ میں لگا دینا پسند کرے تو پھر مدرسہ میں لگایا جا سکتا ہے۔ محمد کفایت اللہ غفرلہٗ

چوتھا باب

قصاص و دیت

سوال

متعلقہ قصاص

(۱۸۰) **جواب** - بسم اللہ سبحانہ۔ خاکسار نے احمد سعید مقتول اور جمیل احمد خاں قاتل کے مقدمۂ قتل کے متعلق حسب ذیل کاغذات بغور دیکھے۔ اول بیان مقتول۔ دوم بیان ڈاکٹر۔ سوم بیان تصدیق احمد عہدہ دار پولیس چہارم بیان نبی بخش گواہ۔ پنجم بیان رمضانی گواہ۔ ششم بیان اسمٰعیل خان کانسٹیبل۔ ان میں سے مقتول کا بیان تو صرف دعویٰ ہے۔ ڈاکٹر کا بیان ظن و تخمین سے زیادہ وقیع نہیں۔ تصدیق احمد کا بیان بھی شہادت معائنہ نہیں نبی بخش و رمضانی یہ دونوں واقعہ کے شاہد ہیں۔ اسمٰعیل خان بھی من وجہٍ واقعہ کا شاہد ہے۔ جمیل احمد خاں کا احمد سعید کی ناک کاٹنا تینوں کی شہادت سے بلا اختلاف ثابت ہے۔ اور باقی پیٹ اور رانوں وغیرہ پر چاقو وغیرہ سے زخم لگانا نبی بخش اور رمضانی کی شہادت سے مع تھوڑے سے اختلاف کے ثابت ہے۔ مثلاً نبی بخش کے بیان میں ہے کہ جمیل احمد نے احمد سعید کے پیٹ میں دو تین ضربیں لگائیں۔ حالانکہ ڈاکٹری معائنہ اور رمضانی کے بیان سے پیٹ میں متعدد ضربیں ثابت نہیں ہوتیں۔ لیکن یہ اختلاف مضر نہیں ہے۔ ممکن ہے کہ قاتل نے دو تین مرتبہ ہاتھ چلایا لیکن ایک ہاتھ لگا اور باقی وار خالی گئے۔ اور رمضانی نے صرف ایک وار دیکھا باقی نہ دیکھے ہوں۔ اسی طرح اور بھی بعض جزوی اختلافات ہیں، لیکن وہ بھی مضر نہیں۔ اور خصوصاً ایسے وقت اور ایسے واقعہ کی شہادت میں۔ مگر پھر بھی یہ شہادتیں اثباتِ قصاص

سوال

شخصے زمین خود بند وبست کرد شخصے دیگر گفت بہ صاحب زمین کہ من ایں بند را بستن نہ دہم۔ شخص صاحب زمین گفت بوے۔ یعنی بہ مدعی باطل بیا رویم من و تو نزد حکومت یا نزد قاضیش تا کہ فیصل منتظم پذیرد۔ مگر مدعیٔ باطل قبول نہ نمود۔ پس بعد انکارش صاحب زمین بستن زمین خود شروع کرد۔ آں مدعی باطل برآشفت و آمد برآں زمین و یک شخص دیگر ہمراہ و لعن طعن کردند۔ و چند طمانچہ زدند و بعدہٗ صاحبِ زمین کار خود گذاشت کہ طرف حکومت می رود و روانہ شد۔ پس پسران مدعیٔ باطل معہ شخصے دیگر رفتند و بزدندش۔ الحاصل ایں ست کہ صاحب زمین را کشتند و صاحب زمین ہم پسر مدعی باطل را کشت ازاں دو۔

ترجمہ:- ایک شخص اپنی زمین کا بند وبست کر رہا تھا ایک دوسرے آدمی نے مالک زمین سے کہا کہ میں بند وبست نہیں کرنے دونگا۔ مالک زمین نے مدعی باطل سے کہا کہ آؤ ہم تم حاکم کے پاس چلیں اور فیصلہ کرالیں۔ مگر وہ مدعی باطل اس پر راضی نہ ہوا اور مالک زمین نے پھر اپنی زمین کا بند وبست شروع کر دیا۔

اس پر مدعی باطل آمادۂ فساد ہو گیا۔ اور ایک اور آدمی کے ہمراہ مالک زمین سے مار پیٹ شروع کر دی۔ پھر مالک زمین نے اپنا کام چھوڑ کر حاکم کے پاس جانے کا ارادہ کیا۔ اس کے بعد مدعی باطل کے لڑکے اور ایک تیسرا شخص آئے اور مالک زمین کو قتل کر دیا۔

اور مالک زمین نے بھی مدعی باطل کے دو لڑکوں میں سے ایک کو قتل کر دیا۔

اس کا حکم شرعاً کیا ہے؟

المستفتی نمبر ۱۶۴۷ مولوی عبدالرحمان (کاٹھیاواڑ) ۲۲ جمادی الاول ۱۳۵۶ھ مطابق ۳۱ جولائی ۱۹۳۷ء

جواب۔ (از مولانا عبدالرحمٰن صاحب) اللّٰھم لا علم لنا الا ما علمتنا الخ خون پسر مدعی باطل ہدر و عاطل است۔ و خون صاحب زمین باقی و ثابت است بر کشندۂ معین مدعی باطل۔ چنانچہ منقول است

ترجمہ:- مدعی باطل کے لڑکے کا خون ہدر اور عاطل (رائیگاں) ہے۔ اور مالک زمین کا خون مدعی باطل کے ان مددگاروں پر باقی و ثابت ہے جو اس قتل میں شریک تھے۔ جیسا کہ ہدایہ میں ہے۔

در ہدایہ ومن شھر علی المسلمین فعلیھم ان یقتلوہ لقولہ علیہ السلام من شھر علی المسلمین سیفا فقد اطل دمہ ولانہ باغ فتسقط عصمتہ ببغیہ وفی سرقۃ (الجامع الصغیر) ومن شھر علی رجل سلاحا لیلا او نھارا او شھر علیہ عصا لیلا فی مصر او نھارا فی طریق فی غیر مصر فقتلہ

المشهور علیه عمداً فلا شئ علیه لما بینا وهذا لان السلاح لا یلبث فیحتاج الی دفعه بالقتل و العصا الصغیرة وان کان یلبث ولا کن فی اللیل لا یلحقه الغوث فیضطر الی دفعه بالقتل وکذا فی النهار فی غیر المصر فی الطریق لا یلحقه الغوث فاذا قتله کان دمه هدراً۔ قالوا فان کان عصا لا تلبث یحتمل ان یکون مثل السلاح عندھما۔ ھدایه باب القصاص۔ واللہ اعلم

بندہ عبدالرحمن ابن رمضان بلوچ باہوائی تاریخ ایران۔ سند یافتہ از مولانا برکات احمدؒ ٹونکی۔

(۱۸۲) **جواب** (از حضرت مفتی اعظمؒ) ہاں عین حملہ کی حالت میں اگر مظلوم نے حملہ کرنے والے ظالم کو قتل کر دیا تو ظالم مقتول کا خون ہدر ہوتا ہے۔ اور مظلوم کے خون کا قصاص یا دیت (جیسی صورت ہو) واجب ہے۔

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہٗ دہلی

سوال

اگر کوئی نابالغ بچہ کسی مربی استاد یا آقا کے خوف و دہشت یا ڈرانے دھمکانے سے یکایک خوف زدہ ہو کر جان دیدے یا خودکشی کرے یا فرار ہونے کی نیت سے نکل جائے اور راستہ میں لقمۂ اجل بن جائے تو اس کا عذاب کس پر عائد ہوگا۔ جبکہ مربی یا آقا کی نیت اس کی فلاح و بہبودی کی ہو۔ اگر یہ گناہ ہے تو اس کا کفارہ کیا ادا کرنا ہوگا۔ آیا ڈرانے دھمکانے والے اس سے مستثنیٰ ہوں گے؟

المستفتی نمبر ۱۶۸۶ محمد مظہر الدین صاحب (امبا) ۱۵ جمادی الثانی ۱۳۵۶ھ مطابق ۲۳ اگست ۱۹۳۷ء

(۱۸۳) **جواب** اگر مربی استاد آقا نے بچہ کو جائز حدود کے اندر تنبیہ کی ڈرایا دھمکایا مارا اور بچہ نے خوف زدہ ہو کر جان دے دی یا بھاگا اور اس میں لقمۂ اجل ہو گیا تو اس کا گناہ اس مربی استاد و آقا پر نہ ہوگا۔

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہٗ دہلی۔

پانچواں باب
قتل اور خودکشی

سوال

ایک شخص جو ایک مسلمان کو بے گناہ قتل کرنے کے جرم میں از روئے تعزیرات ہند انگریزی فیصلہ عدالت کے مطابق سات یا دس سال قید بھگت چکا ہو کیا شرعاً بھی اس کے لئے یہی سزا کافی سمجھی جائے گی۔

اور کیا وہ شخص مقتول کے وارثوں کو خون کا معاوضہ دیئے بغیر اس گناہ سے بری الذمہ سمجھا جائے گا۔ اور اگر مذکورۂ بالا سزا قاتل کے حق میں شرعی سزا نہ سمجھی جائے اور نہ ہی مقتول کے وارثوں کو خون کا معاوضہ دیا گیا ہو تو ایسی حالت میں وہ شخص (قاتل) امامت کے لائق ہے یا نہیں ؟

المستفتی نمبر ۲۶ سید شاہ محمود۔ کراچی۔ ۲۴ ربیع الثانی ۱۳۵۲ھ مطابق ۱۷ اگست ۱۹۳۳ء

جواب (از نائب مفتی) اگر درحقیقت یہ شخص قتل کے جرم کا مرتکب ہے تو مقتول کے ورثہ کا حق قصاص کا یا دیت یعنی خون کا معاوضہ ملنے کا ہوگا۔ اور یہ سزا مرقوم کافی نہ ہوگی۔ لہٰذا یہ شخص جب تک کہ ورثہ کے لئے حق خون کا ادا نہیں کرے گا یا معافی نہیں مانگے گا اور توبہ نہیں کرے گا اس کے پیچھے نماز مکروہ ہوگی۔ فقط واللہ اعلم۔

اجابہ وکتبہ حبیب المرسلین عفی عنہ نائب مفتی مدرسہ امینیہ

الجواب صحیح۔ بندہ محمد یوسف عفی عنہ۔ نائب مفتی مدرسہ امینیہ دہلی۔

(۱۸۴) **جواب**۔ (از حضرت مفتی اعظمؒ) جواب صحیح ہے مگر کسی شخص کو قاتل قرار دینے کے لئے ضروری ہے کہ وہ خود اقرار کرے یا کسی باقاعدہ شرعی عدالت میں اس کے اوپر شہادت شرعیہ سے جرم قتل ثابت ہوگیا ہو۔ اور اگر یہ صورت نہ ہو تو عام مسلمانوں کو اس امر کا یقین کرنا کہ فلاں شخص قاتل ہے اور اس کے ساتھ قتل کی طرح معاملات کرنا درست نہیں۔ فقط محمد کفایت اللہ کان اللہ لہٗ۔ مدرسہ امینیہ دہلی

سوال

زید نے قومی مفاد کے لئے اپنی جان کو بندوق چاقو یا زہر سے یا اپنی جان کو بھوک اور پیاس میں رک کر ہلاک کرنے کا ارادہ کیا۔ یہ فعل عمداً ہے۔ کیونکہ لوگ اس کو روکتے ہیں مگر وہ باز نہیں آتا۔ کیا ایسے شخص کو مرنے کے بعد شہید کہا جائے گا۔

المستفتی نمبر ۵۵۲ مولانا ابوالوفاق (ضلع ہزارہ) ۲۵ ربیع الثانی ۱۳۵۴ھ مطابق ۲۸ جولائی ۱۹۳۵ء

(۱۸۵) **جواب**۔ جو فعل براہ راست قتل ہے مثلاً اپنے ہاتھ سے چھری یا چاقو سے اپنا گلا کاٹ لیا یا پیٹ پھاڑ ڈالا یا بندوق یا پستول سے گولی مار لی یا خود کو کنوئیں میں گرا دیا یا تنور میں کود پڑا یہ تو خودکشی ہے اور یقیناً گناہ کبیرہ ہے۔ اور جو فعل کہ براہ راست قتل نہیں ہے بلکہ مفضی الی القتل ہو سکتا ہے۔ مثلاً تنہا ہزاروں دشمنوں پر حملہ کر دیا ان کی صفوں میں گھس گیا۔ یا کھانا ترک کر دیا کہ جب تک فلاں مطالبہ پورا نہ ہوگا کھانا نہ کھاؤں گا۔ ایسے افعال اچھی نیت سے اچھے اور بری نیت سے برے ہو سکتے ہیں۔ یعنی ان کو علی الاطلاق خودکشی قرار

دینا اور بہر صورت حرام اور گناہ کہہ دینا درست نہیں۔ محمد کفایت اللہ

سوال

ایک شخص نے عمداً اپنے نفس کو بذریعہ بندوق ہلاک کردیا۔ اور پوسٹ مارٹم ہونے کے بعد دفن ہوا۔ چونکہ آیہ کریمہ ولا تقتلوا النفس التی حرم اللہ الا بالحق ہے اور دوسری جگہ فرمایا ومن یقتل مؤمنا متعمدا فجزاءہ جہنم خالدا فیہا وغضب اللہ علیہ ولعنہ واعد لہ عذابا الیما۔ اس سے صاف ظاہر ہے کہ عذاب میں مبتلا ہوگا۔ اب اس کی تلافی کے لئے اس کے پسماندگان کیا کریں ؟

المستفتی نمبر ۸۹۳ نواب لئیق احمد خاں۔ پانی پت ۶ صفر ۱۳۵۵ھ مطابق ۲۸ اپریل ۱۹۳۶ء

(۱۸۶) **جواب**۔ دوسری آیت کا مضمون اس شخص پر عائد نہیں ہوتا جس نے خودکشی کرکے اپنی جان کو ضائع کردیا تاہم خودکشی ایک گناہ اور سخت گناہ ہے۔ اور اب متوفی کے وارث اس کی مغفرت کے لئے استغفار اور صدقہ ہی کرسکتے ہیں۔ ان کے اختیار میں اس سے زیادہ اور کچھ نہیں ہے۔ اس کے لئے دعائے مغفرت کریں۔ حق تعالیٰ غفار و رحیم ہے اور جو ممکن ہو صدقہ کرکے ایصال ثواب کریں۔ لیکن صدقہ ترکہ مشترکہ میں سے نہ کیا جائے اور اس کام کے لئے قرض بھی نہ لیا جائے۔ فقط محمد کفایت اللہ کان اللہ لہٗ دہلی۔

سوال

متعلقہ توبۂ قاتل

(۱۸۷) **جواب**۔ اگر قاتل کو اس کے جرم قتل میں پھانسی دے دی جائے۔ اور پھانسی پانے والا پھانسی سے پہلے توبہ بھی کرلے تو امید ہے کہ وہ آخرت میں نجات کا مستحق ہو۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہٗ دہلی

چھٹا باب

سرقہ

سوال

ایک سیٹھ جس کا بیوپار پردیس میں ہے۔ اس کے ہاں دو نوکر ہیں زید اور بکر۔ سیٹھ کی دکان سے زید اور بکر نے مل کر پوشیدہ طریقہ پر روپیہ چوری کیا۔ زید اپنی مدت ملازمت پوری ہونے پر روپیہ ساتھ لے کر وطن کی طرف روانہ ہوا۔ راستے میں بمبئی ٹھہرا اور وہاں کسی دکان پر چورایا ہوا روپیہ اپنے نام پر رکھتا چلا۔

شبہ ہونے پر اس سے روپیہ کی بابت سوال کیے گئے۔ آخر اس نے قبول کیا کہ ایک تہائی روپیہ خود نے اور باقی روپیہ بکر نے سیٹھ کی دکان سے چرایا ہے۔ بکر اس بات کا قطعی انکار کرتا ہے اور کہتا ہے کہ یہ سراسر الزام ہے فی الحال وہ روپیہ سیٹھ کے پاس ہے اور وہ ایسا روپیہ کسی کار خیر میں صرف کرنا چاہتا ہے۔ از روئے شریعت ایسا روپیہ کن کن کاموں میں صرف کیا جاسکتا ہے۔ اگر مسلمان میت خانہ تیار کرنے میں صرف کیا جائے تو جائز ہے یا نہیں؟

المستفتی نمبر ۳۵۶ حاجی رحمت اللہ (بانٹوا۔ کاٹھیاواڑ) ۱۷ ربیع الاول ۱۳۵۳ھ مطابق ۳۰ جون ۱۹۳۴ء

(۱۸۸) **جواب**۔ جس قدر روپے کا زید نے اقرار کیا ہے کہ اس نے سیٹھ کی دکان سے چرایا ہے۔ اس قدر روپیہ سیٹھ کی ملک ہے اور سیٹھ اس کو جس کام میں چاہے صرف کر سکتا ہے۔ میت خانہ بنانے میں بھی صرف ہو سکتا ہے۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہٗ

سوال

جواب فتویٰ ملا۔ شکریہ۔ بکر گو اس بات کا انکار کرتا ہے کہ اس نے سیٹھ کی دکان سے روپیہ چرایا ہے۔ مگر چونکہ زید اس بات کی کہ اس نے چرایا ہے گواہی دیتا ہے۔ اور بکر خود یہ منظوری دیتا ہے کہ دو تہائی چوری شدہ روپیہ (جو زید کہتا ہے کہ بکر نے چرایا ہے) کے لئے سیٹھ کو حق ہے چاہے جس طور پر استعمال کرے۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ بکر نے چرایا ضرور ہے مگر خود کو الزام سے بری رکھنے کے لئے انکار کرتا ۔ فی الحال وہ دو تہائی چوری کردہ روپیہ بھی سیٹھ کے پاس ہے۔ اور ایسی حالت میں جبکہ مشکوک بکر نے سیٹھ کو حق دے دیا ہے روپیہ کس طور پر استعمال کیا جائے؟ المستفتی نمبر ۳۵۷ حاجی رحمت اللہ (بانٹوا۔ کاٹھیاواڑ)

(۱۸۹) **جواب** جب بکر اس دو تہائی روپیہ کی بابت خود مدعی نہیں یعنی اپنی ملک ہونا بیان نہیں کرتا تو گویا زید اور بکر دونوں اس بات پر متفق ہیں کہ وہ روپیہ سیٹھ کی ملک ہے گو اس کے حاصل کرنے کی صورت میں باہم اختلاف ہے۔ اس لئے وہ روپیہ بھی سیٹھ کی ملک ہے اور سیٹھ کو اس کے خرچ کرنے کا بھی اختیار ہے خواہ اپنے صرف میں لائے یا کسی کار خیر میں صرف کردے۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہٗ

سوال

زید نے ڈاکہ اور چوریاں کیں۔ جن لوگوں کا مال کھایا اب تک وہ لوگ یا ان کی اولادیں زندہ ہیں۔ ان لوگوں سے مال مسروقہ خود وہ بخشوایا نہیں ہے۔ ایسی ہی سوکھی توبہ کی ہے تو کیا ایسی توبہ شرعاً مقبول ہے؟ ڈاکہ زن کا ذر جب ڈاکہ اور چوری پر نہ ہو سکے بوجہ مجبوری توبہ کرے اور پیری مریدی کرے تو ایسا

آدمی قابل بیعت ہے یا نہیں؟

المستفتی نمبر ۲۱۴ فقیر محمد (ضلع ہزارہ) ۲۹ جمادی الثانی ۱۳۵۳ھ مطابق ۹ اکتوبر ۱۹۳۴ء

(۱۹۰) **جواب** جن لوگوں کا مال ڈاکہ اور چوری سے لیا ہے ان کا مال واپس کرنا یا ان سے معاف کرانا تکمیل توبہ کے لئے ضروری ہے۔ توبہ تو ہر وقت لازم ہے اگر طاقت کے وقت توفیق نہیں ہوتی تو جس وقت ممکن ہو اسی وقت کرے۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہٗ۔ دہلی۔

سوال

زید ایک ریاست کا باشندہ ہے اور یہ ریاست مسلمانوں کی جان و مال کی حفاظت کرتی ہے۔ اور ہر طرح مذہبی آزادی دے رکھی ہے۔ اس حالت میں زید سرکاری جنگلات کی ان لکڑیوں کو جن کا کاٹنا اور فروخت کرنا قانوناً ممنوع ہے چوروں سے کم قیمت پر خرید کر بیوپار کرتا ہے۔ تو کیا اس قسم کی چوری کا مال خفیہ طریقہ سے خرید کر کے تجارت کرنا جائز ہے؟ اور کیا ایسی چوری کے مال کے تاجر کی امامت جائز ہے؟

المستفتی نمبر ۲۰۲۳ منشی رکن الدین صاحب (میسور) ۱۱ رمضان ۱۳۵۶ھ مطابق ۱۶ نومبر ۱۹۳۷ء

(۱۹۱) **جواب** قانونی چوری سے بچنا ناموس و حفاظت عزت کے لئے لازم ہے۔ جو لوگ چوری سے لکڑیاں کاٹ لاتے ہیں وہ سرکاری قانونی مجرم ہیں۔ اور اگر وہ جنگل خودرو اور مباح الاصل نہ ہوں تو شرعی جرم بھی ہے۔ پس ایسے مشتبہ مال کو خریدنا درست نہیں۔ تاہم کسی شخص خاص پر فرد جرم عائد کرنے کے لئے بہت باتوں کی تحقیقات لازم ہوگی۔ اس کے بعد کہیں امامت کے جواز یا عدم جواز کا معاملہ سامنے آئے گا۔

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہٗ۔ دہلی

سوال

تین بھائی ہندو آپس میں شریک ہیں۔ بڑا بھائی اندر باہر کا مالک ہے۔ چھوٹے بھائی نے اپنے دونوں بھائیوں سے چھپا کر اٹھارہ روپے کی سرسوں بدست حافظ عبدالرحمٰن فروخت کر دی۔ بعد خریدنے کے حافظ صاحب موصوف کو خیال ہوا کہ یہ چوری کا مال ہے۔ ہم پیسے بھی خرچ کریں اور پھر بھی حرام کھائیں اب اس سے واپسی کے لئے کہا تو اس نے کہا کہ ہمارے دونوں بھائی بھی ہم سے پوشیدہ طور پر فروخت کرتے ہیں۔ ہم نے بھی اپنا مال سمجھ کر فروخت کیا ہے۔ یہ چوری نہیں ہے۔ اب اگر اس سے زیادہ اصرار واپسی پر کیا جاوے تو اس شرط سے واپس ہوگا کہ ہمارے ہی مکان پر کسی دوسرے بنیے کے ہاتھ پوشیدہ طور سے فروخت

کرے گا، جب ہمارا روپیہ وصول ہوگا۔

المستفتی مولوی عبدالرؤف خان۔ جگن پور

(۱۹۲) **جواب**۔ اگر اس بات کا علم ہو کہ یہ شخص شرکت کا مال چوری سے بیچتا ہے اور رقم خود اڑا لیتا ہے تو خریدنا ناجائز ہے۔ اور خریدا ہوا مال واپس کرنا ضروری ہے۔ اگر وہ واپس نہ کرے تو اس سے کہا جائے کہ ہم تیرے شرکاء سے کہہ کر واپس کرائیں گے۔ اس مال کو لینا اور خود اس کی بیع کرنا یا اپنے کام میں لانا جائز نہیں۔ نیز اس کو موقع دینا کہ وہ خریدار کے مکان میں چوری سے بیع کرے ناجائز ہے۔

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہٗ

ساتواں باب

بدکاری وزنا

سوال

کوئی شخص اپنی محرمات یعنی بہن اور ماں اور خالہ وغیرہ سے مرتکب زنا ہو رہا ہے۔ ایسے شخص کے واسطے شرعاً کیا حکم ہے۔ کافر ہو گیا ہے یا مسلمان رہا؟ اس کے ذمہ کس درجہ کا گناہ ہے؟

(۲) ایک شخص ایک فاحشہ عورت سے مرتکب زنا ہے یعنی رنڈی سے۔ اس رنڈی کی ایک لڑکی ہے۔ نہیں معلوم کہ اس شخص کے نطفے سے ہے یا اور کسی شخص کے نطفے سے۔ غرضکہ شخص مذکور رنڈی مذکورہ سے بھی اور اس کی بیٹی سے بھی مرتکب زنا ہے۔ اس زانی کے واسطے شرعاً کیا حکم ہے۔ بینوا توجروا۔

(۱۹۳) **جواب**۔ گناہ کبیرہ کے ارتکاب سے کافر نہیں ہوتا فاسق ہوتا ہے۔ ہاں اگر ماں بہن وغیرہ محرمات کے ساتھ زنا کو حلال بھی سمجھے تو کافر ہو جائے گا۔ لیکن یہ بات مسلمان کی طرف بلا کسی قوی دلیل کے منسوب نہیں کر سکتے۔ اسی طرح دوسری صورت کا جواب ہے کہ ان دونوں صورتوں میں زانی مذکور فاسق ہے شریعت محمدیہ میں اس پر حد زنا لازم ہے۔ لیکن اقامت حدود کا زمانہ نہیں ہے۔ اس لئے مسلمانوں کو لازم ہے کہ زجراً و توبیخاً ایسے شخص سے تعلقات اسلامیہ سلام کلام مخالطت وغیرہ ترک کر دیں اور جب تک وہ توبہ نہ کرے اور اس کی توبہ کا خلوص قرائن سے معلوم نہ ہو جائے اس وقت تک اس سے مجانبت قائم رکھیں واللہ اعلم بالصواب۔

کتبہٗ محمد کفایت اللہ عفا عنہ مولاہ۔ مدرس مدرسہ امینیہ دہلی۔

سوال

ایک شخص نے ایک گائے اور ایک بکری سے زنا کیا۔ اب اس گائے اور بکری کو کیا کیا جائے۔ ان سے نفع حاصل کیا جائے یا نہیں۔ اور زانی کے لئے کیا حکم ہے۔ اور اس حیوان کا تاوان کس کو دینا پڑے گا۔؟

(۱۹۴) **جواب** جس گائے بکری سے زنا کیا گیا اس کو ذبح کر ڈالنا چاہئے۔ اس سے کسی قسم کا نفع اٹھانا جائز نہیں۔ اور زانی کو صرف زجر و توبیخ کی جائے گی۔ ولایحد بوطی بھیمۃ بل یعزر وتذبح ثم تحرق ویکرہ الانتفاع بھا حیۃ ومیتۃ (درمختار) قیمت کا تاوان زانی کے ذمہ ہوگا۔ قال فی الخانیۃ کان لصاحبھا ان یدفعھا الیہ بالقیمۃ (ردالمحتار) مگر یہ نہیں کہ مالک اپنے جانور کو خود ذبح کر دے اور زانی سے خواہ مخواہ قیمت لے لے۔ اگر خود ذبح کر دے گا تو زانی پر اس کی قیمت دینا واجب نہیں۔ بلکہ جانور کو اس کے حوالے کر کے اس سے قیمت لے لے۔

جواب دیگر۔ ثبوت وطی بہیمہ کے لئے اقرار واطی کافی ہے۔ اگر وہ اقرار نہ کرے اور مالک مدعی ہو تو شہادت سے اثبات ضروری ہوگا۔ تاکہ واطی سے قیمت دلوائی جا سکے۔ بہیمہ موطوءہ سے انتفاع مکروہ تحریمی ہے۔　　محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ

سوال

اگر محصن و محصنہ زنا کنند پس ثبوت رجم بحق شاں مبنی بر کیست دلیلش چیست نیز صورت ہذا اگر بدار الحرب وقوع آمد کہ دریں دیار اجرائے حکم شرعی یک قلم سلب است پس بدیں ہنگام مجبوری علماء دین را چہ حکم باید داد؟

ترجمہ:۔ اگر شادی شدہ مرد اور شادی شدہ عورت زنا کریں تو رجم کا ان پر نفاذ کس دلیل پر مبنی ہے؟ اور اگر دار الحرب میں ایسی صورت پیش آئے جہاں احکام شرعیہ کا اجرا ممکن نہیں تو علمائے دین کو کیا حکم نافذ کرنا چاہیئے؟

المستفتی ۱۱۱۲ محمد عبدالحکیم صاحب (مالدہ) ۱۷ جمادی الاول ۱۳۵۵ھ مطابق ۶ اگست ۱۹۳۶ء

(۱۹۵) **جواب**۔ تنفیذ حدود شرعیہ در دار الاسلام باشد۔ در دار الحرب بادشاہ اسلام نیز تنفیذ حدود شرعیہ نمی تواند کرد۔ پس در ہندوستان

ترجمہ:۔ حدود شرعیہ کی تنفیذ دار الاسلام میں ہو سکتی ہے دار الحرب میں بادشاہ اسلام بھی حدود شرعیہ کا نفاذ نہیں کر سکتا۔ پس ہندوستان جو دار الحرب ہے اس میں اقامتِ

کہ دار الحرب است امکان اقامت حدود معدوم. علماء امت را لازم کہ زانی وزانیہ را ایں قدر زجر کنند کہ در استطاعت ایشاں باشد ومصادم قانون حکومت نبود. مثلاً حکم بمقاطعہ کنند یعنی تا وقتیکہ زانی وزانیہ توبہ نکنند کسے با ایشاں تعلقات معاشرت ندارد۔

حدود ممکن نہیں. علمائے امت پر لازم ہے کہ زانی وزانیہ کو اپنی طاقت بھر زجر کریں جو قانون وقت سے متصادم نہ ہو۔ مثلاً مقاطعہ کا حکم دیں یعنی جب تک زانی وزانیہ توبہ نہ کریں اس وقت تک کوئی ان سے میل جول نہ رکھے۔

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہٗ۔ دہلی

سوال

زید نے اپنی بیوی کو دوسرے شخص سے زنا کرتے ہوئے اپنی آنکھ سے دیکھا تو زید زانی وزانیہ کو بلا فیصلہ قاضی قتل کرسکتا ہے یا نہیں۔ اور اگر نہیں کرسکتا۔ تو دونوں کو کیا سزا دی جائے۔ اگر بیوی توبہ کرتی ہے تو کیا جائز ہے کہ توبہ کرنے پر اس کو معافی دے دی جائے۔

المستفتی نمبر ۱۲۷۳ عبدالمحیط خاں صاحب (سندھ) ۱۴ شوال ۱۳۵۵ھ مطابق ۲۹ دسمبر ۱۹۳۶ء

(۱۹۶) **جواب** زانی کو اگر کوئی شخص اپنی بیوی کے ساتھ زنا کرتے ہوئے دیکھ لے تو اس کو خود قتل کرنا نہیں چاہئے کہ یہ قانون کا اپنے ہاتھ میں لینا ہے۔ قاضی کے سامنے پیش کرے۔ لیکن اگر جوش غضب میں خود قتل کردے تو وہ عنداللہ قتل پر ماخوذ نہ ہوگا۔ ہاں قانوناً مجرم قرار دیا جائے گا۔

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہٗ۔ دہلی

سوال

ایک شخص کا اپنے بیٹے کی بہو سے ناجائز تعلق ہے۔ اب اس نے اس الزام سے بچنے کے لئے اس عورت کا نکاح بھی کردیا ہے۔ مگر شوہر کے پاس نہیں بھیجتا۔ اس کے متعلق مسلمانوں کو کیا طرز عمل اختیار کرنا چاہیئے۔ یعنی اس کے ساتھ تعلقات رکھیں یا منقطع کردیں۔ اور شوہر بھی گنہگار ہے یا نہیں کہ وہ جانتے ہوئے بھی نہیں لے جاتا۔

المستفتی نمبر ۱۹۳۵ حافظ غلام حسین صاحب (ریاست جیند)

۲۰ شعبان ۱۳۵۶ھ مطابق ۲۶ اکتوبر ۱۹۳۷ء

(۱۹۷) **جواب** یہ شخص بدکار ہے جو بیٹے کی زوجہ سے ناجائز تعلق رکھتا ہے۔ لوگوں کو اس کا بائیکاٹ

کر دینا چاہیئے۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہٗ دہلی۔

سوال

ایک مسلمان بالغ نے ایک شیر دار بھینس کے ساتھ زنا کیا ہے۔ اسلامی حکومت ہو تو اس آدمی کو کیا سزا دی جائے۔ اور اس بھینس کو کیا کیا جائے۔؟

المستفتی نمبر ۲۸۰۲ محمد انعام الحق دہلی کینٹ ۸ رمضان ۱۳۵۶ھ

(۱۹۸) **جواب** بھینس کے ساتھ حرامکاری کرنے والا گنہ گار ہے۔ جانور تو غیر مکلف اور بے سمجھ ہے اس پر کوئی گناہ نہیں ہے۔ ہاں اس خیال سے کہ لوگ اس جانور کو دیکھ کر یہ کہا کریں گے کہ اس کے ساتھ فلاں شخص نے برا کام کیا تھا تو اس برے کام کا ذکر باقی رہے گا۔ اس جانور کو ذبح کر کے دفن کر دینے کا حکم کیا گیا ہے۔ جانور کا مالک کوئی اور ہے تو اس کو پوری قیمت حرامکار سے دلوائی جائے گی۔ اور یہ نہ ہو سکے تو وہ اپنے جانور کو کام میں لاتا رہے گا۔ حرام کار کو تعزیر کی جائے گی۔ انگریزی حکومت میں تعزیر یہی ہو سکتی ہے کہ اس سے میل جول اور کھانا پینا بند کر دیا جائے۔ یعنی لوگ اس کو کھلانے میں شریک نہ کریں۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہٗ۔ دہلی۔

سوال

کالو نے مولوی محمد سعید سے کہا کہ مجھے معافی دو۔ مولوی صاحب نے دریافت کیا کاہے کی معافی دوں؟ کالو نے کہا مجھے جو الزام لگایا ہوا ہے کہ میں نے ساس سے زنا کیا وہ جرم مجھ سے واقعی ہوا ہے اس کی معافی چاہتا ہوں۔ مجھے مسلمان کرو۔ بعد ازاں اس نے تین بار کہا کہ راجو (منکوحۂ کالو) میری ماں بہن۔ مولوی صاحب نے کہا تین طلاق دے۔ پھر کالو نے تین بار طلاق طلاق طلاق کہہ دیا۔

المستفتی نمبر ۱۶۷ معرفت مولوی محمد انور پنجابی ۔ ۶ جمادی الثانی ۱۳۵۶ھ مطابق ۱۴ اگست ۱۹۳۷ء

(۱۹۹) **جواب**۔ اقرار زنا سے ثبوت زنا کے لئے یہ شرط ہے کہ اقرار مجلس قاضی میں ہو۔ اور مقر چار مرتبہ چار مجلسوں میں اقرار کرے۔ مجلس قضا کے باہر اقرار ہو تو وہ معتبر نہیں۔ اور اقرار پر شہادت مقبول نہیں۔ ولا یعتبر اقرارہ عند غیر القاضی ممن لا ولایۃ لہ فی اقامۃ الحدود ولو کان اربع مرات حتی لا تقبل الشہادۃ علیہ بذلک کذلک فی التبیین ولا بد ان یکون الاقرار صریحا (عالمگیری) والاقرار ان یقر البالغ العاقل علی نفسہ بالزنا اربع مرات فی اربعۃ مجالس المقر کذا فی الھدایۃ

(عالمگیری) لیکن اقرار زنا کے لئے یہ شرائط ثبوت حد زنا کے لئے ہیں اور حرمت زوجہ یا ثبوت حرمت مصاہرۃ کے لئے یہ شرائط نہیں ہیں۔ بلکہ وہ ایک مرتبہ کے اقرار سے بھی ثابت ہو جائے گی۔ اور اس کے لئے مجلس قضا بھی شرط نہیں۔ قیل لرجل ما فعلت بام امرأتك قال جامعتها قال تثبت حرمة المصاهرة۔ قیل ان کان السائل والمسئول هازلین قال لا یتفاوت والاصدق انه کذب کذا فی المحیط (عالمگیری ج ۱ ص ۲۷۴) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ۔ دہلی۔

آٹھواں باب

متفرقات

سوال

یہاں گوآ میں ایک افسوس ناک واقعہ درپیش ہے جس کی تفصیل یہ ہے کہ ایک جنازہ گورستان پہنچنے پر بوقت نماز جنازہ شیخ یعقوب نامی ایک شخص نے جملہ حاضرین کے روبرو یہ اعلان کیا کہ حاضرین میں سے ایک شخص بنام شیخ حسین زانی ہے۔ اس لئے اگر وہ شخص نماز جنازہ میں شریک ہو تو ہم نماز میں شریک نہ ہوں گے۔ حاضرین میں سے اس کا ثبوت شیخ یعقوب سے طلب کرنے پر اس نے یہ جواب دیا کہ قاضی محمود صاحب (جو اس وقت حاضرین میں شریک نہیں تھے) نے چار اشخاص کے روبرو مذکور شیخ حسین زانی ہے ایسا کہا تھا۔ ان چار اشخاص میں سے جو تین حاضرین میں شریک تھے ان سے دریافت کیے جانے پر انھوں نے اس کی تائید کی۔ اس پر شیخ حسین نے یہ ظاہر کیا کہ یہ لوگ ذاتی اختلافات کی بنا پر مجھ پر یہ جھوٹا الزام عائد کر رہے ہیں۔ آخر الامر جب طرفین میں سخت گفتگو شروع ہوئی تو جھگڑے کا اندیشہ ہونے پر حاضرین نے شیخ حسین کو آئندہ فیصلہ تک صبر اختیار کرنے کے لئے سمجھوتہ کرتے ہوئے اور تسلی دیتے ہوئے نماز جنازہ میں شریک ہونے سے روکا۔

بعد ازاں جب قاضی محمود صاحب سے دریافت کیا گیا کہ آیا انھوں نے مذکور شیخ حسین کو کبھی زانی کہا تھا۔ مگر جناب قاضی صاحب نے صاف طور پر انکار کیے کہ میں مذکور شخص کو کبھی ہرگز زانی نہیں کہا ہوں۔ اس امر سے یہ ثابت ہو رہا ہے کہ شیخ یعقوب اور مذکورہ بالا گواہوں نے شیخ حسین کو تمام مسلمانوں

میں بدنام و رسوا کرنے کے لئے یہ جھوٹا الزام بذات خود اپنی ہی طرف سے اس پر عائد کیے ہیں جس کی کوئی اصل یا تصدیق ثابت نہیں ہے۔

اور مدعی شیخ حسین جماعت المسلمین سے اس انصاف کا خواستگار ہے۔ اس صورت میں اول دریافت طلب امر یہ ہے کہ مذکور شیخ یعقوب اور اس کی تائید کرنے والے تین اشخاص کے اس طرح جھوٹے الزام کے عائد کرنے کے جرم میں ان کے ساتھ شرعی قانون سے کیا کیا جائے؟

ثانیاً امر دریافت طلب یہ ہے کہ مذکورہ اعلان پر شیخ حسین کو نماز جنازہ سے روکنا شرعی قانون سے کہاں تک درست ہو سکتا ہے۔ چونکہ یہ فیصلہ آنجناب کے امر مبارک پر منحصر اور ملتوی رکھا گیا ہے اور تمام مسلمانوں کے دلوں میں ایک عجیب کشمکش پیدا ہوئی ہے۔ تمام مسلمان آنجناب کے امر کے لئے سخت منتظر ہیں۔

المستفتی نمبر ۲۳۴۷ شیخ ابراہیم شیخ محمود مجاور۔ نواگوآ۔

۲۸ ربیع الثانی ۱۳۵۷ھ مطابق ۲۸ جون ۱۹۳۸ء

(۲۰۰) **جواب**۔ اگر کوئی شخص زانی بھی ہو جب بھی وہ جماعت میں شریک ہو کر نماز پڑھ سکتا ہے یہ حکم نہیں ہے کہ زانی نماز میں شریک نہ ہو۔ یا زانی شریک ہو جائے تو اور لوگ شریک نہ ہوں۔ یہ بات جس نے کہی اس نے شریعت کا حکم صحیح نہیں بتایا۔ شیخ حسین کو جماعت کے روبرو زانی بتانے سے شیخ حسین کی بیعزتی ہوئی اور جب کہ قاضی محمود نے انکار کر دیا کہ میں نے نہیں کہا تھا تو الزام بھی بے بنیاد اور بے اصل ثابت ہو گیا۔ اب جماعت کے ان چاروں آدمیوں کو شیخ حسین سے معافی مانگنی چاہئے۔ ورنہ جماعت کو چاہئے کہ وہ اعلان کر دے کہ شیخ حسین پر الزام زنا کا ثبوت نہیں ہوا۔ اور یہ چاروں آدمی قوم کے سامنے شیخ حسین کے مجرم ہیں۔ جب تک معافی نہ مانگیں ان کی کوئی بات قبول نہ ہوگی۔

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ۔ دہلی

کتاب الاکراہ والاضطرار

پہلا باب
مجبوری میں ارتکاب کفر

سوال

کوئی مسلمان بوقت اکراہ واضطرار بذریعہ شرک وکفر اپنی جان بچا سکتا ہے یا نہیں ؟

المستفتی ۵ مولوی محمد حسن صاحب لائل پور ۔ ۲۴ ربیع الاول ۱۳۵۲ھ مطابق ۱۸ جولائی ۱۹۳۳ء

جواب (از مولوی عبدالحلیم شاہ) قانون محمدی کی رو سے بوقت مجبوری شرک وکفر کے مرتکب ہونے کی اجازت ہے بشرطیکہ دل مطمئن ہو ۔ ملاحظہ ہو آیت من کفر باللہ من بعد ایمانہ الا من اکرہ وقلبہ مطمئن بالایمان ۔ الآیۃ (سورہ نحل ع ۱۴) شرک وکفر از قسم حرام ہے اور حرام سے بچنا چاہئے ۔ مگر حالت اضطرار میں رخصت ہے ۔ ملاحظہ ہو آیت وقد فصل لکم ما حرم علیکم الا ما اضطررتم الیہ (سورہ انعام ع ۱۴) ۔ بخاری شریف صـ ۱۰۲۶ جلد ۲ میں ہے کہ مجبور ضعیف ہوتا ہے جو اپنے ضعف کے باعث امر الٰہی کو ترک کرتا ہے (یعنی حرام کا مرتکب ہوتا ہے) لہٰذا ضعیف کو اللہ تعالیٰ نے معذور فرمایا ہے ۔ مرقاۃ شرح مشکوۃ صـ ۱۱۱ ج ۱ میں ہے کہ اما باعتبار اصل الجواز فیجوز لہ ان یتلفظ وان یفعل ما یقتضی الکفر کسب الاسلام وسجود الصنم اذا ھدد ولو بنحو ضرب شدید او اخذ مال لہ وقع کما افاد ذلک قولہ تعالیٰ من کفر باللہ من بعد ایمانہ الا من اکرہ وقلبہ مطمئن بالایمان الآیۃ ۔ یعنی اگر کسی شخص کو دھمکی دی جائے اگرچہ ضرب شدید یا اخذ مال کی ہو تو اس کے لئے کلمۂ کفر کا تلفظ اور ایسے کام کا ارتکاب کہ جس سے کفر لازم آتا ہو جیسے کہ اسلام کو گالی دینا یا بت کو سجدہ کرنا جائز ہے اور اللہ تعالیٰ کے قول من کفر باللہ

من بعد ایمانہ سے بھی یہی بات ثابت ہوتی ہے۔ واللہ اعلم بالصواب۔ حررہ احقر عبدالحلیم شاہ
مقام بدھوانہ ڈاکخانہ قائم بھروانہ ضلع جھنگ

(۲۰۱) **جواب** (از حضرت مفتی اعظم) محرمات شرعیہ کئی قسم کے ہیں۔ ان میں سے بعض تو اکراہ واضطرار میں جائز ہو جاتے ہیں۔ اس طرح کہ اگر ان کو کام میں نہ لائے اور ہلاک ہو جائے تو گنہ گار ہو۔ جیسے خنزیر یا میتہ کو بوقت اضطرار یا اکراہ استعمال کرنا کہ اگر استعمال نہ کرے اور اپنے نفس کو ہلاک ہو جانے دے تو گنہ گار ہو۔ دوسری قسم وہ کہ اگر ان کو استعمال کرلے تو مباح ہو یعنی مواخذہ نہ ہو۔ اور استعمال نہ کرے اور جان دے دے تو موجب اجر و ثواب ہو۔ جیسے کلمۂ کفر کہنے یا بت کو سجدہ کرنے پر مجبور کیا جائے تو بشرطیکہ دل میں ایمان قائم رہے اور سجدہ میں اللہ تعالیٰ کو سجدہ کرنے کی نیت کرلے کلمۂ کفر زبان سے کہدینا اور بت کے سامنے سجدہ کرلینا مباح ہو جاتا ہے۔ لیکن اگر انکار کردے اور قتل کردیا جائے یا کوئی عضو کاٹ دیا جائے تو موجب اجر و ثواب ہے۔ تیسری قسم وہ ہے جو کسی حال میں مباح نہیں ہوتی، جیسے کسی پر اس کا اکراہ کیا جائے کہ اپنے باپ یا بیٹے یا بیوی کو یا اور کسی محقن الدم انسان کو قتل کردے تو اس کو ہرگز مباح نہیں کہ اس کو قتل کردے بلکہ اکراہ پر صبر کرے تو وہ خود قتل کردیا جائے۔ قرآن مجید کی آیت الا من اکرہ دوسری قسم کے متعلق ہے۔ اور فمن اضطر غیر باغ ولا عاد پہلی قسم کے متعلق ہے۔ ان دونوں میں ایک جان (مکرَہ) بچانے کے لئے شریعت مقدسہ نے ان امور کی اجازت دے دی ہے۔ مگر تیسری قسم میں ایک جان بچانے کے لئے دوسری جان کو ہلاک کرنا لازم ہوتا ہے جو کسی طرح جائز نہیں ہے۔ واللہ اعلم۔
محمد کفایت اللہ کان اللہ لہٗ

سوال

جب کسی تنہا مسلمان کو کفار گھیرلیں اور سر پر تلوار لے کر کھڑے ہو جائیں کہ کلمات کفر و شرک زبان سے کہو ورنہ ہم تجھے جان سے مار ڈالیں گے۔ اگر وہ اپنی جان بچانے کے لئے اپنے دل کو ایمان پر قائم رکھ کر ان کا کہا کردے تو کیا وہ شرعاً کافر و مشرک ہو جائے گا۔ بدلیل آیت الا من اکرہ وقلبہ مطمئن بالایمان۔ اور بدلیل عبارت درمختار و ردالمحتار جلد دوم کتاب الاکراہ ص ۹۲ و ۹۳ اور بحرالرائق جلد پنجم احکام المرتدین۔ و تفاسیر وغیرہ۔

المستفتی نمبر ۶۳۹ محمد اسحٰق دیوبندی۔ ۵ رجب ۱۳۵۴ھ مطابق ۷ اکتوبر ۱۹۳۵ء

(۲۰۲) **جواب** - ہاں اضطرار کی حالت میں زبان سے کلمۂ کفر و شرک کہہ دینے کی رخصت ہے۔ دل مطمئن بالایمان رہے۔ صرف زبان سے کلمۂ کفر و شرک ادا کر دیا جائے تو متلفظ کافر نہیں ہوتا۔ اور نہ کہے اور مارا جائے تو یہ عزیمت ہے۔ اور اس میں زیادہ ثواب اور شہادت کا اجر ہے۔

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ،

الجواب صواب۔ عبدالغفور غفرلہ مدرس مدرسہ امینیہ۔ دہلی

الجواب صواب۔ خدا بخش عفی عنہ۔ مدرس مدرسہ امینیہ۔ دہلی

سوال

(از اخبار الجمعیۃ دہلی مورخہ ۹ جولائی ۱۹۳۵ء)

ایک شخص نے کسی ضرورت کی وجہ سے مذہب اسلام ترک کیا لیکن حقیقت میں اس نے اسلام ترک نہیں کیا ہے صرف اپنی غرض کو حاصل کرنے کے لئے اس نے ایسا کیا اور اسلام کے تمام ارکان پر عمل پیرا ہے۔

(۲۰۳) **جواب** - ترک اسلام یا اجرائے کلمۂ کفر یا کوئی عمل کفر کرنا حالت اضطرار میں جبکہ جان کا خطرہ ہو جائز ہو جاتا ہے۔ اس کے علاوہ کسی حالت میں جائز نہیں۔ پس اگر شخص مذکور نے کسی اضطراری حالت میں ایسا کیا ہے اور قلب میں ایمان و ایقان بدستور ہے تو وہ خدا کے نزدیک مسلمان ہے۔ واللہ اعلم

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ۔ دہلی

دوسرا باب

بیچارگی میں ارتکاب حرام

سوال

سخت تکلیف پر کوئی مدد دینے والا نہ ہو اس وقت مجبوراً سود سے پیسے مارواڑیوں یا دیگر بنکوں کے ذریعے سے لے سکتا ہے یا نہیں؟

المستفتی نمبر ۲۲ مولوی محمد عبدالحفیظ (ضلع نیل گیری) ۱۶ جمادی الثانی ۱۳۵۳ھ م ۲۶ ستمبر ۱۹۳۴ء

(۲۰۴) **جواب** - اضطرار کی حالت میں جبکہ تین فاقے ہو چکے ہوں بقدر سد رمق سودی رقم حاصل کرنا مباح

ہے۔ اس سے زیادہ رقم لینا یا اس سے کم ضرورت میں لینا جائز نہیں۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ

سوال

اگر انگریزی ڈاکٹر یہ کہے کہ اس بیماری کا علاج سوائے شراب کے اور کوئی نہیں۔ یا کسی بیماری کے متعلق جو کہ خطرناک درجے تک پہنچ گئی ہو انگریزی ڈاکٹر یہ کہے کہ آخری علاج یہ ہے کہ چند قطرے شراب کے دیں۔ تو یہ استعمال کرنا درست ہے یا نہیں؟

المستفتی نمبر ۱۶۳۹ ابراہیم کادیہ نیلسپروئٹ۔ ایس افریقہ۔ ۱۸ جمادی الاول ۱۳۵۶ھ ۲۷ جولائی ۱۹۳۷ء

(۲۰۵) **جواب** شئ حرام نجس کے ساتھ علاج بالشرب کرنے کی اجازت اس شرط سے دی گئی ہے کہ کوئی مسلمان طبیب یا ڈاکٹر یہ کہے کہ بیمار کی شفا اسی میں منحصر ہے اور کوئی اور دوا اس کے لئے مفید نہیں۔ غیر مسلم ڈاکٹر کا قول کافی نہیں۔ یجوز للعلیل شرب البول والدم والمیتۃ للتداوی اذا اخبرہ طبیب مسلم ان شفاءہ فیہ ولم یجد من المباح ما یقوم مقامہ۔ وھل یجوز شرب القلیل من الخمر للتداوی فیہ وجھان انتہی مختصراً (رد المحتار)

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ

کتاب اللقیط واللقطہ

پہلا باب

پڑی ہوئی چیز پانا

سوال

رہگزر پر اگر کوئی ایک پیسہ پائے تو اس کو خود اپنے مصرف میں لائے یا مالک کو تلاش کر کے دے دے؟ یہاں ایک مولوی صاحب سے معلوم ہوا کہ ایک پیسہ حلال ہے۔ مالک کو دینے کی ضرورت نہیں ہے۔ ہاں اگر اس سے زیادہ رقم ہو تو مالک کو تلاش کرے۔

المستفتی ۱۲۴ حبیب اللہ صاحب ضلع غازیپور۔ یکم شعبان ۱۳۵۲ھ مطابق ۲۰ نومبر ۱۹۳۳ء

(۲۰۶) **جواب**۔ اگرچہ پائی ہوئی چیز ایک پیسہ ہی ہو اس کے مالک کو تلاش کیا جائے اور اگر مالک مل جائے تو اس کو دے دی جائے۔ ہاں کم قیمت چیز کے مالک کی تلاش زیادہ دنوں تک ضروری نہیں ہے۔ اگر مالک نہ ملے تو پانے والا اگر غریب ہو تو خود خرچ کر سکتا ہے۔ غنی ہو تو کسی فقیر کو دے دے۔

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ،

سوال

دوکان پر جو بیوپاری مال خریدنے کے لئے آتے ہیں اور وہ بازار کا خریدا ہوا مال لاتے ہیں ان میں سے وہ اکثر چیزیں بھول جاتے ہیں۔ وہ چیزیں امانت کر کے رکھ لی جاتی ہیں۔ یہ بھولی ہوئی چیزیں کب تک امانت کر کے رکھی جائیں اور ان بھولی ہوئی چیزوں کا کیا کیا جائے؟

المستفتی ۲۲۹۷ ایچ محمد اسماعیل۔ دہلی۔ ۱۵ جمادی الثانی ۱۳۵۷ھ مطابق ۱۳ اگست ۱۹۳۷ء

(۲۰۷) **جواب**۔ اگر ان بھولی ہوئی چیزوں کا مالک معلوم ہو تو اسے اطلاع کر دینی ضروری ہے۔ اور اگر مالک معلوم نہ ہو تو پھر اتنے دنوں تک انھیں محفوظ رکھا جائے جتنے دن مالک کو اس کی تلاش و فکر رہنے کا ظن غالب ہو اور پھر اس کے بعد ان اشیا کو اس نیت سے صدقہ کر دیا جائے کہ ان کا ثواب مالک کو پہنچے۔ صدقہ کرنے کے بعد بھی اگر مالک معلوم ہو جائے اور وہ طلب کرے تو اس کی قیمت ادا کرنی ہوگی۔ فقط

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ۔ دہلی

سوال

(از اخبار الجمعیۃ سہ روزہ دہلی مورخہ ۹ ستمبر ۱۹۳۶ء)

میری نابالغ بچی کو ایک کپڑے میں بندھا ہوا کچھ زیور نقرئی شارع عام پر پڑا ہوا ملا۔ جس کو وہ بجنسہ اٹھا کر لے آئی۔ مالک کی تلاش ہے۔ مگر اب تک کوئی مالک نہیں ملا۔ اب کیا کیا جائے؟

(۲۰۸) **جواب**۔ مالیت کے لحاظ سے اتنی مدت تک مالک کی تلاش جاری رکھی جائے جب تک اس بات کا گمان غالب ہو کہ مالک کو اس کی فکر ہوگی۔ اس کے بعد اگر پانے والا خود حاجت مند ہو تو خود خرچ کر لے اور خود غنی ہو تو فقرا پر صدقہ کر دے۔ اور دونوں صورتوں میں اس کی مخصوص علامتیں یاد رکھنا ضروری ہے تاکہ اگر مالک آجائے اور مخصوص علامتیں بتا کر باور کرا دے کہ اس کی چیز تھی تو اس کو قیمت ادا کی جائے۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ

کتاب الیمین والنذر

پہلا باب

عہد و پیمان اور حلف

فصل اول، حلف کی تشریحات

سوال

کسی دوسرے کے قسم دلانے سے قسم ہوتی ہے یا نہیں ؟ مثلاً زید نے عمرو سے یوں کہا کہ تم اپنے خدا کی قسم اس کام کو انجام دے دو تو اس زید کے قسم دلانے سے عمرو پر قسم آیا یا نہیں ؟ بینوا توجروا

(۲۰۹) **جواب** اس طرح کسی دوسرے کے قسم دلانے سے قسم نہیں ہوتی. لیکن اگر جس کو قسم دلائی گئی ہے اس نے حلف کی نیت سے ہاں یا اچھا کہدیا تو قسم ہو جائے گی۔ فان نوی الاستحلاف فلا شئ علی واحد منہما خانیہ وفتح۔ ای لان المخاطب لم یجبہ بقولہ نعم حتی یصیر حالفاً انتہی (رد المحتار ص۱۵ ج۳) الخامس ان یرید المبتدی الاستحلاف والمجیب الحلف والمجیب حالف لاغیر (ایضاً)

سوال

قرآن شریف کی قسم اگر کوئی شخص کھائے اور اس کام کو پورا نہ کرے تو اس کے ذمہ کفارہ واجب ہوگا یا نہیں ؟ اور یہ قسم ہے یا نہیں ؟

(۲۱۰) **جواب** جو شخص قرآن شریف کی قسم کھائے اور اس کام کو پورا نہ کرے وہ اپنی قسم میں حانث ہو جائے گا۔ اور اس پر کفارۂ قسم واجب ہوگا۔ قال الکمال ولا یخفی ان الحلف بالقرآن الآن متعارف فیکون یمیناً (در مختار) وقال محمد بن مقاتل الرازی انہ یمین وبہ اخذ جمہور مشائخنا اھ (رد المحتار)

سوال

کسی شخص نے یہ کہا کہ تیرے گھر کا کھانا اور پانی مجھ پر حرام ہے۔ اور پھر خائف و نادم ہوا۔ اس کہنے کے بعد اگر کھانا وغیرہ کھائے تو حانث ہوگا یا نہیں ؟

(۲۱۱) **جواب**۔ کسی کا یہ کہنا کہ تیرے گھر کا کھانا مجھے حرام ہے یمین ہے۔ اب اگر اس کے بعد کھا لیگا تو اپنی اس یمین میں حانث ہو گا اور قسم کا کفارہ ادا کرنا ہو گا۔ حرم علی نفسه شیئاً ثم فعله باکل او نفقة کفر لیمینه (درمختار ملتقطا)

سوال

زید نے عمرو سے کسی معاملے میں یہ عہد کیا کہ تم یہ کام کرو میں اس معاملے میں تمھاری پوری مدد کروں گا عمرو اچانک حادثہ کی وجہ سے مجبوراً کئی روز تک نہ مل سکا۔ زید کے پاس عمرو کے مخالفین آئے اور اس پر زور ڈالا کہ تم ہماری مدد کرو۔ زید نے مجبور ہو کر کہا کہ اگر عمرو نہ آیا تو میں تمھاری مدد کروں گا۔ اور اگر عمرو آیا تو نہ تمھاری مدد کروں گا، نہ عمرو کی مدد کروں گا۔ اب عمرو زید کے پاس آیا اور اس نے اپنی غیر حاضری کی وجہ اچانک حادثہ بیان کی۔ زید کہتا ہے کہ میں نے تمھارے مخالف سے غیر جانب دار رہنے کا عہد کر لیا ہے۔ عمرو کہتا ہے کہ تم نے مجھ سے پہلے عہد کیا ہے، میرا عہد پورا کرو۔ اگر میرے عہد کے بعد دوسرا عہد کیا ہے تو اس کا پورا کرنا ضروری نہیں ہے۔ لہٰذا زید علما سے دریافت کرتا ہے کہ مجھ پر کون سے عہد کی پابندی لازم ہے؟

المستفتی نمبر ۲۳۵ امین الدین صاحب دہلی ۲۰ ذی قعدہ ۱۳۵۲ھ مطابق ۷ مارچ ۱۹۳۴ء

(۲۱۲) **جواب** معاہدہ جبکہ وہ کسی معصیت اور خلاف شرع امر پر نہ ہو واجب الایفا ہے۔ اور ایک جائز معاہدہ کے بعد کوئی ایسا دوسرا معاہدہ کرنا جس سے پہلے معاہدہ کی خلاف ورزی ہوتی ہو صحیح نہیں اگر کسی شخص نے ایسے دو معاہدے کیے ہیں جن میں سے ہر ایک دوسرے معاہدہ کی نقیض ہے تو اس کو لازم ہے کہ وہ پہلے معاہدہ کو جبکہ اس میں کوئی بات خلاف شرع نہ ہو اور دوسرے معاہدہ کے مضمون سے پہلے معاہدہ کا مضمون خیر اور بہتر ہو پورا کرے۔ اور بغیر عذر معقول شرعی کے اس سے انحراف نہ کرے

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ

الجواب صحیح۔ حبیب المرسلین عفی عنہ۔ نائب مفتی

سوال

جو مسلمان لوگوں کے روبرو قرآن مجید کے ساتھ حلف اٹھانے کے باوجود اپنے معاہدے سے پھر جائے اس کے ساتھ دوسرے مسلمانوں کو دینی و دنیاوی تعلقات رکھنے جائز ہیں یا نہیں؟

المستفتی نمبر ۲۸۹ منظور علی (دہلی) ۷ صفر ۱۳۵۳ھ مطابق ۲۲ مئی ۱۹۳۴ء

(۲۱۳) **جواب**۔ حلف کرنے کے بعد اس سے بغیر کسی عذر شرعی کے پھر جانا سخت گناہ ہے۔ جن لوگوں نے حلف بلا وجہ توڑا وہ گنہ گار ہیں۔ اگر حلف کسی اہم امر کے متعلق تھا اور حلف شکنی سے مذہب یا قوم کو کوئی ضرر پہنچا تو مسلمانوں کو حق ہے کہ حلف توڑنے والوں سے مقاطعہ کریں۔ فقط

محمد کفایت اللہ۔ دہلی

سوال

زید کی بیوی اور زید کی والدہ ہر دو میں فساد ہوا۔ زید کی والدہ نے زید سے شکایت کی۔ زید نے سخت غصہ کی حالت میں اپنی بیوی کی غیر موجودگی میں کہا کہ "اگر میں اس سے زندگی کروں گا تو اسی کے نطفے سے پیدا ہوں گا۔" اس کا شرعاً کیا حکم ہے؟

المستفتی نمبر ۴۲ عیسیٰ خاں (ضلع امراؤتی) ۱۹ رجب ۱۳۵۳ھ مطابق ۲۹ اکتوبر ۱۹۳۴ء

(۲۱۴) **جواب**۔ اس قسم کا حکم یہ ہے کہ زید اپنی بیوی کے ساتھ میاں بیوی کے تعلقات اور خانہ داری کے تعلقات رکھ سکتا ہے۔ اور اس قسم کا کفارہ ادا کرنا لازم ہے۔ کفارہ یہ ہے کہ دس مسکینوں کو دونوں وقت پیٹ بھر کر کھانا کھلائے یا ہر مسکین کو پونے دو سیر گیہوں دے دے یا دس مسکینوں کو ایک ایک چادر دے دے۔ اس کی قدرت نہ ہو تو تین روزے متواتر پے در پے رکھ لے۔ فقط

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ۔ دہلی

سوال

زید نے یہ لفظ کہہ کر قسم کھائی ہے کہ اگر میں گوشت کھاؤں تو سؤر کھاؤں اور گوشت میں بکری بھیڑ گائے بھینس اور مرغ وغیرہ کی کوئی تخصیص نہیں ہے۔ اور اب زید اس قسم کی وجہ سے ہر ایک حلال جانور کا گوشت مطلق نہیں کھاتا ہے تو اس کا (زید کا) یہ فعل کیسا ہے۔ اور شرعاً ایسے شخص کے واسطے کیا حکم ہے؟

المستفتی نمبر ۱۹۸۲ قطبی　قصبہ لونی (ضلع میرٹھ) ۲۹ شعبان ۱۳۵۶ھ مطابق ۴ نومبر ۱۹۳۷ء

(۲۱۵) **جواب**۔ اگر زید مرغ بٹیر کھائے تو یہ اس کے لئے جائز ہے یعنی اس کی قسم نہیں ٹوٹے گی اور گائے بھینس بکری دنبہ بھیڑ کا گوشت کھائے تو اس کو قسم کا کفارہ ادا کرنا ہوگا۔ قسم کا کفارہ دس مسکینوں کو پونے دو سیر گیہوں دے دینے سے ادا ہو جائے گا۔ ایسی قسم کو توڑ کر کفارہ ادا کر دینا بہتر ہے۔

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ۔ دہلی

سوال

حلف بالقرآن جائز ہے یا نہیں۔ اور بصورت جواز کیا کفارہ ہے ؟

المستفتی نمبر ۲۲۳۳ میاں سراج الدین (ضلع گوجرانوالہ) ۲۵ صفر ۱۳۵۷ھ ۲۶ اپریل ۱۹۳۸ء

جواب (از نائب مفتی صاحب) (۱) حلف بالقرآن جائز ہے کیونکہ بمعنی کلام اللہ کے اللہ کی صفات میں سے ہے۔ اور اس زمانے میں حلف بالقرآن متعارف بھی ہے۔ قال الکمال ولا یخفی ان الحلف بالقرآن متعارف فیکون یمیناً (درمختار) اس کے علاوہ اسی کے متعلق علامہ شامی رد المحتار میں یہ لکھتے ہیں (قولہ قال الکمال الخ) مبنی علی ان القرآن بمعنی کلام اللہ فیکون من صفاتہ تعالٰی کما یفیدہ کلام الهدایة حیث قال ومن حلف بغیر اللہ تعالٰی لم یکن حالفاً کالنبی والکعبة لقولہ علیہ الصلوة والسلام من کان منکم حالفاً فلیحلف باللہ او لیذر وکذا اذا حلف بالقرآن لانہ غیر متعارف اھ فقولہ وکذا یفید انہ لیس من قسم الحلف لغیر اللہ تعالٰی بل ھو من قسم الصفات ولذا عللہ بانہ غیر متعارف ولو کان من القسم الاول کما ھو المتبادر من کلام المصنف والقدوری لکانت العلة فیہ النھی المذکور او غیرہ لان التعارف انما یعتبر فی الصفات المشترکة لا فی غیرھا وقال فی الفتح وتعلیل عدم کونہ یمیناً بانہ غیرہ تعالٰی لانہ مخلوق لانہ حروف وغیر المخلوق ھو الکلام النفسی منع بان القرآن کلام اللہ منزل غیر مخلوق الخ وفی آخر ھذہ القول" ونقل فی الهندیة عن المضمرات وقد قیل ھذا فی زمانھم اما فی زماننا فیمین وبہ ناخذ ونامر ونعتقد وقال محمد بن مقاتل الرازی انہ یمین وبہ اخذ جمھور مشائخنا فھذا مؤید لکونہ تعورف الحلف بہا کعزة اللہ وجلالہ (رد المحتار ج ۳ ص ۵۶)

(۲) بر تقدیر حانث ہو جانے کے وہی کفارہ اس پر لازم آئے گا جو حلف توڑنے والے پر لازم آتا ہے کہ غلام آزاد کرے یا دس محتاجوں کو کھانا دو وقتی کھلائے یا دس محتاجوں کو پوشاک دے دیوے۔ بجائے کھانا کھلانے کے اگر دس محتاجوں کو ساڑھے سترہ سیر گیہوں ہر ایک محتاج کو پونے دو سیر گیہوں دے دے گا تو جب بھی کفارہ ادا ہو جائے گا فقط واللہ اعلم۔ اجابہ وکتبہ حبیب المرسلین عفی عنہ نائب مفتی مدرسہ امینیہ دہلی۔

(۲۱۶) **جواب۔** (از حضرت مفتی اعظم نور اللہ مرقدہ) اصل مذہب تو یہی تھا کہ حلف بالقرآن معتبر نہیں لیکن فقہائے متاخرین نے اس تاویل کے ساتھ کہ قرآن سے مراد کلام اللہ جو صفت ہے حق سبحانہ وتعالیٰ کی حلف بالقرآن کو معتبر قرار دے دیا ہے۔ متاخرین کے قول کے موافق حلف بالقرآن پر حنث کی صورت میں کفارہ لازم آئے گا۔ اور کفارہ یہی ہے جو جواب بالا میں تحریر ہے۔ فقط

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ دہلی

سوال

(۱) میں قرآن شریف کی قسم کھاتا ہوں اور میری مراد وہ حروف منظومہ اور الفاظ ہیں جو کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک سے سنے گئے ہیں اور جو کہ حفاظ قرآن نماز تراویح میں ہمیں سناتے ہیں اور جو کلام اللہ الذی ھو صفۃ ازلیۃ ہے۔ وہ میری مراد نہیں ہے تو کیا یہ میری قسم ہو جائے گی۔ یا نہیں؟ علامہ کاشانی نے بدائع ج۳ میں اس کے متعلق جو کچھ لکھا ہے وہ صحیح ہے یا کہ نہیں؟

(۲) زید کہتا ہے کہ یہ حروف منظومہ اور آیات کہ جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنی گئی ہیں اور حفاظ قرآن ہمیں سنایا کرتے ہیں یہ کلام اللہ الذی ھو صفۃ ازلیۃ ہیں۔ اور بکر کہتا ہے کہ بے شک یہ کلام اللہ تو ہیں لیکن حادث ہیں۔ خدائے تعالیٰ کی صفت ازلیہ نہیں ہیں۔ اس لئے کہ علامہ تفتازانی نے شرح عقاید ص۴۹ میں کلام اللہ کو مشترک لکھا ہے اور ان آیات اور حروف منظومہ کو مخلوق اللہ اور حادث کہا ہے اور صفت ازلیہ نہیں کہا ہے۔ نیز بکر کہتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے یسمعون کلام اللہ ثم یحرفونہ (الآیۃ) اور جو کلام اللہ کہ خدائے تعالیٰ کی صفت ازلیہ ہے اور قائم بذاتہ تعالیٰ ہے اس کی تحریف اور اس پر تصرف ناممکن ہے۔ تو آپ فرمائیں کہ ان میں سے کون حق پر ہے۔ زید یا کہ بکر؟

(۳) آپ نے جو فتوی کے اندر کلام اللہ کا ذکر کیا ہے کہ (قرآن مجید سے مراد حالف نے کلام اللہ لی ہے تو یہ قسم ہو جائے گی) اس کلام اللہ سے آپ کی کیا مراد ہے۔ وہ کلام جو صفت ازلیہ باری تعالیٰ کی ہے قائم بذاتہ یا کہ یہ حروف منظومہ اور آیات جو کہ حفاظ قرآن نماز تراویح میں سنایا کرتے ہیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنے گئے ہیں۔؟

المستفتی نمبر ۲۲۴۶ مولوی محمد فاروق صاحب (ضلع گوجرانوالہ) ۱۱ ربیع الاول ۱۳۵۷ھ مطابق ۱۲ مئی ۱۹۳۸ء

(۲۱۷) **جواب۔** (۱) اگر کوئی حالف اس تفصیل سے قسم کھائے جو آپ نے فرض کی ہے تو وہ قسم نہیں

ہوگی۔ کیونکہ اس میں مخلوق بہ ایک ایسی متعین ہوگئی جو اللہ تعالیٰ کی صفت ازلیہ نہیں ہے۔ اور صاحب بدائع کی عبارت کا یہی مطلب ہے۔ اور ان کی یہ تحقیق مذہب متقدمین کے مطابق ہے۔

(۲) زید کا یہ قول کہ قرآن جو ہم پڑھتے ہیں اور سنتے ہیں یہ کلام اللہ ہے اس معنی سے صحیح ہے کہ یہ دال ہے اور اللہ کا کلام جو صفت ازلیہ ہے اس کا مدلول ہے۔ اور عوام چونکہ دال و مدلول کا فرق نہیں سمجھتے، اس لئے متاخرین نے قائل کے اس قول کو (میں قرآن کی قسم کھاتا ہوں) قسم قرار دیدیا ہے کیونکہ اس میں لفظ قرآن دال اور مدلول دونوں کا محتمل ہو سکتا ہے۔ لہذا انھوں نے زجراً و تغلیظاً مدلول پر حمل کر کے قسم ہو جانے کا فتویٰ دے دیا ہے" وھو الالیق للعوام"۔ ہاں اگر زید کا مطلب یہ ہو کہ یہ الفاظ اور حروف جو ہماری زبان سے ادا ہوئے اور یہ آواز جو ہمارے منہ سے نکلی یہی بشخصہ اللہ کی صفت ہے تو یہ بات ظاہر البطلان ہے (یسمعون کلام اللہ) میں کلام اللہ کا اطلاق اس معنی سے کیا گیا ہے جس معنی سے میں کسی کی زبان سے بنام جہاں دار جان آفریں سن کر یہ کہتا ہوں کہ میں نے فلاں شخص کی زبان سے سعدی کا کلام یا سعدی کا شعر سنا۔

(۳) میں نے کلام اللہ کا لفظ اسی لئے لکھا ہے کہ عوام سے جبکہ وہ قرآن کی قسم کھاتے ہیں اگر دریافت کیا جائے کہ قرآن سے تمہارا کیا مطلب ہے اگر وہ جواب میں کہیں کہ ہماری مراد کلام اللہ ہے تو یہ لفظ دال اور مدلول دونوں پر محمول ہو سکتا ہے اس لئے تغلیظاً اس کو قسم قرار دیا جائے گا اور اگر وہ جواب میں مصحف کو بتائیں کہ یہ مراد ہے تو اس کو قسم نہیں قرار دیا جائے گا کیونکہ مصحف یقیناً غیر اللہ اور حادث اور مخلوق ہے۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ۔ دہلی۔

سوال

(از اخبار سہ روزہ الجمعیۃ مورخہ ۲ ستمبر ۱۹۲۵ء)

کسی اسلامی انجمن کے کام کو نہایت اخلاص سے کرنے کے لئے آپس میں بدظنی کے خیال کو دور کرنے کے لئے کارکنوں کا حلف اٹھانا جائز ہے یا نہیں؟

(۲۱۸) **جواب** کسی مشروع کام کرنے کا معاہدہ یا حلف کرنا ناجائز تو نہیں ہے۔ لیکن بہتر نہیں ہے۔ کیونکہ وہ کام اگر ضروری (فرض یا واجب) ہے تو خود شریعت کا حکم اس کے لئے کافی ہے۔ اور مسنون یا مستحب ہے تو معاہدہ یا حلف سے ایک قسم کی پابندی اور سختی عائد ہو جاتی ہے۔ اور در صورت خلاف عہد شکنی

یا حلف شکنی لازم آتی ہے۔ محمد کفایت اللہ غفرلہٗ

سوال

(از اخبار سہ روزہ الجمعیۃ دہلی مورخہ یکم جون ۱۹۳۵ء)

جو شخص جھوٹی قسمیں کھاتا ہو اور خدا ورسول کی قسم کھا کر خلاف کرتا ہو اس کا کیا حکم ہے ؟

(۲۱۹) **جواب** زیادہ قسمیں کھانا اچھا نہیں ہے اور جو شخص زیادہ قسمیں کھاتا ہے اس سے اکثر خلاف ہو جاتا ہے۔ اگر اس نے خدا کی قسم کھا کر توڑی ہو تو اس کے ذمہ کفارہ دینا واجب ہے۔ اور کفارہ یہ ہے کہ دس مسکینوں کو دونوں وقت کھانا کھلائے یا کپڑا پہنائے۔ اور ان دونوں کی طاقت نہ ہو تو تین روزے رکھے۔ قرآن اور رسول کی قسم کھانا شریعت میں جائز ہی نہیں۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ

سوال

(از اخبار سہ روزہ الجمعیۃ دہلی مورخہ ۲۴ مئی ۱۹۳۷ء)

زید نے قسم کھائی کہ میں بکر کے یہاں کھانا پینا ہرگز نہیں کروں گا کیونکہ وہ برادری سے باہر ہے۔ اگر کھاؤں تو مجھے حشر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت نصیب نہ ہو۔ (دونوں مسلمان ہیں) ایک ماہ بعد زید نے بکر کے یہاں کھانا کھا لیا۔ اس کے متعلق شرعی حکم کیا ہے ؟

(۲۲۰) **جواب** ایسی قسم جس کا توڑنا شرعاً مطلوب ہو توڑ دینا جائز ہے اور اس کا کفارہ ادا کر دینا چاہئے۔ بکر کے یہاں کھانا پینا نہ کرنے کی قسم اگر کسی معقول وجہ پر مبنی نہ تھی تو اسے توڑ دینا بہتر تھا۔ اور اس کا کفارہ دس مسکینوں کو فی مسکین پونے دو سیر گیہوں دے دینے سے ادا ہو جائے گا۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہٗ

فصل دوم، قسم توڑنے کا کفارہ

سوال

ایک آدمی نے قسم کھائی مگر یاد نہیں کہ کس کا نام لے کر قسم کھائی تھی کہ جب تک منکوحہ عورت یعنی اپنی بیوی زبان سے فرمائش نہ کرے وہاں تک اس سے صحبت نہیں کروں گا۔ بعد اس کے بغیر کہے عورت کے صحبت کر لی اور قسم کھاتے وقت طلاق کی نیت بھی نہیں کی تھی تو اس شخص پر کفارہ کیا لازم ہو گا؟ وہ

ہمیشہ آج تک صحبت کرتا رہا اور کفارہ بھی نہیں دیا۔ اس کے لئے کیا حکم ہوگا؟ بینوا توجروا۔

(۲۲۱) **جواب**۔ اگر قسم خدا تعالیٰ کی ذات یا صفات کے ساتھ کھائی ہو تو اس کا خلاف کرنے سے کفارہ لازم ہوگا ورنہ نہیں اور جب کہ طلاق کو معلق نہیں کیا تو طلاق بھی نہیں ہوگی۔ کفارۂ قسم یہ ہے کہ یا ایک غلام آزاد کیا جائے یا دس مسکینوں کو کھانا کھلایا جائے یا ایک ایک جوڑا کپڑا دیا جائے۔ اگر ان تینوں میں سے کچھ نہ ہو سکے تو تین دن کے مسلسل روزے رکھے لیکن اگر کوئی شخص غلام کے آزاد کرنے یا دس مسکینوں کو کھانا کپڑا دینے پر قادر ہو اور پھر بھی روزے رکھ لے تو کفارہ ادا نہ ہوگا۔

سوال

ایک شخص ایک مجمع میں قسم کلام پاک کی کھا چکا کہ میں آیندہ آپ کے پاس نہیں آؤں گا۔ اور پھر اس جگہ آجاتا ہے۔ پہلے بھی ایسا واقعہ ہو چکا ہے۔ یہ شخص جھوٹی قسمیں کھانے کا عادی ہے۔

المستفتی نمبر ۱۶۷ چھوٹے۔ دہلی ۶ رمضان ۱۳۵۲ھ مطابق ۲۴ دسمبر ۱۹۳۳ء

(۲۲۲) **جواب**۔ زیادہ قسمیں کھانا اچھا نہیں ہے۔ اور جو شخص کہ زیادہ قسمیں کھاتا ہے اس سے اکثر خلاف ہو جاتا ہے۔ اگر اس نے خدائی قسم کھا کر توڑی ہو تو اس کے ذمے کفارہ دینا واجب ہے۔ اور کفارہ یہ ہے کہ دس مسکینوں کو دونوں وقت کھانا کھلائے یا کپڑا پہنائے۔ اور ان دونوں کی طاقت نہ ہو تو تین روزے رکھے۔ قرآن اور رسول کی قسم کھانا شریعت میں جائز ہی نہیں۔

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ

سوال

زید نے مسجد میں آنے سے قسم کھائی کہ میں اس مسجد میں نہیں آؤں گا۔ بعد چند روز کے چند آدمی جا کر اس کو لے آئے تو اس صورت میں قسم کا کفارہ زید پر ہوگا یا لانے والوں پر۔ کفارہ دس مسکینوں کو صبح و شام کھلانے سے ادا ہوگا یا اس طرح بھی گنجائش ہے کہ ایک غریب عاقل بالغ کو دس روز تک دونوں وقت کھلا دے۔ اور بچوں کے کھلانے سے بھی ادا ہوگا کہ نہیں؟

المستفتی نمبر ۱۳۴۹ محمد یونس صاحب (متھرا) ۲۷ ذی قعدہ ۱۳۵۵ھ مطابق ۱۰ فروری ۱۹۳۷ء

(۲۲۳) **جواب**۔ زید نے قسم کھائی تھی کہ میں فلاں مسجد میں نہ جاؤں گا۔ پھر لوگوں کے کہنے سننے سے

چلا گیا تو قسم کا کفارہ زید پر لازم ہوگا۔ ان لوگوں پر لازم نہ ہوگا جو زید کو سمجھا بجھا کر مسجد میں لے گئے۔

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہٗ دہلی

سوال

ایک شخص حاکم کی پیشی میں بحیثیت گواہ پیش ہوتا ہے۔ حاکم اس کو قرآن مجید پر ہاتھ رکھوا کر ان الفاظ سے قسم لیتا ہے کہ میں خدا تعالیٰ کو حاضر و ناظر جان کر اقرار کرتا ہوں کہ جو کچھ کہوں گا سچ کہوں گا۔ اس کے بعد وہ جو کچھ پوچھنا چاہتا ہے پوچھتا ہے اور اسی مجلس میں وہ شخص گواہی بیان کرتا ہے اس صورت میں اگر وہ گواہ خلاف واقعہ کے شہادت دے اور اس کا جھوٹ ثابت ہو جائے یا بعد میں وہ جھوٹ کا اقرار کرے تو آیا قسم مذکورہ بالا میں وہ حانث ہو جائے گا؟ یہ قسم منعقدہ کہلائے گی یا غموس؟ ان الفاظ سے قسم ہو جاتی ہے یا نہ؟ اور مذکورہ بالا قسم میں اور اس طرح قسم کھانے میں کہ اللہ تعالیٰ کی قسم (بجلد) یا کسی زبان میں کہو کہ میں اس کام میں شریک تھا اور فلاں فلاں آدمی بھی موجود تھا اور بات دراصل غلط اور بناوٹی تھی جو شہادت بیان یہ دے رہا ہے سب خلاف ہے۔ کیا فرق ہے۔ یمین اول منعقدہ ہے اور ثانی غموس ہے یا دونوں غموس ہیں۔ توبہ لازم ہے یا دونوں لغو ہیں۔ کیا فرق ہے اور ان کا کیا حکم ہے اور بصورت یمین غموس علاوہ توبہ و نادانستہ کے کوئی تعزیر شرعاً دی جا سکتی ہے کہ اس نے بے باکانہ حلف کذب پر کی ہے تاکہ آئندہ اسے اور دیگر لوگوں کو عبرت اور تنبیہ ہو کہ کوئی ایسی جرأت نہ کرے اور اپنی مذہبی قسم کو ہلکا اور معمولی کلام نہ سمجھے جس سے اغیار کی نظر میں حقارت ہو۔

المستفتی نمبر ۱۹۸۰ شریف احمد نئی چھاؤنی - دہلی - ۲۸ شعبان ۱۳۵۶ھ مطابق ۳ نومبر ۱۹۳۷ء

(۲۲۴) **جواب**۔ ہاں یہ قسم ہو جاتی ہے اور اگر جھوٹ بولے تو کفارۂ قسم ادا کرنا ہوگا۔ یہ قسم آئندہ سچ بولنے یا جھوٹ بولنے کے حق میں منعقدہ ہے اور دوسری قسم جو سوال میں مذکور ہے وہ غموس ہے۔ یمین غموس پر تعزیر و تنبیہ کی جا سکتی ہے۔

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہٗ دہلی

سوال

ایک شخص کسی بارے میں قسم کھا دے تو اس کو قسم مذکور کا کیا کفارہ دینا چاہئے۔ اور اسی بارے میں چند قسمیں کھا دے تو اس کا کفارہ کیا ہے۔

(۲۲۵) **جواب**۔ ایک امر پر چند قسموں سے ایک ہی کفارہ کافی ہو جاتا ہے۔ (وفی البغیۃ کفارات

الایمان اذا کثرت تداخلت ویخرج بالکفارۃ الواحدۃ عن عہدۃ الجمیع (کذا فی الشامی ص۵۵۲)
اور کفارہ غلام کو آزاد کرنا یا دس مسکینوں کو کپڑے پہنانا یا دس مسکینوں کو کھانا کھلانا ہے۔ اور اگر ان تینوں چیزوں پر قدرت نہ ہو تو تین متواتر روزے رکھے۔ کفارۃ الیمین عتق رقبۃ یجزئ فیہا ما یجزئ فی الظہار وان شاء کسا عشرۃ مساکین کل واحد ثوبا فما زاد وادناہ ما یجوز فیہ الصلوۃ وان شاء اطعم عشرۃ مساکین کالاطعام فی کفارۃ الظہار فان لم یقدر علی احد الاشیاء الثلثۃ صام ثلثۃ ایام متتابعات۔ واللہ اعلم بالصواب محمد کفایت اللہ غفرلہٗ۔ مدرسہ امینیہ دہلی

دوسرا باب
منت ماننا

سوال

ایک شخص مسمی زید نے مرض میں گرفتار ہونے کی وجہ سے نذر مانی کہ اگر شافی مطلق نے مجھے کامل صحت مرحمت فرمائی تو میں مقابل کی مسجد یا فلاں مسجد کے نمازیوں کو کھانا کھلاؤں گا۔ اب وہ شئی منذورہ زید نے صحت پاکر یا قبل صحت تمام نمازیوں میں تقسیم کرنے کا ارادہ کیا ہے۔ سوال یہ ہے کہ امراؤ اغنیاء جو نماز میں شامل ہوتے ہیں وہ اس نذر کی شیرینی کھا سکتے ہیں یا نہیں ؟ بینوا توجروا۔

(۲۲۶) **جواب**۔ فلاں مسجد کے تمام نمازیوں کو کھانا یا شیرینی کھلانا اگر بطور ہبہ یا اباحت مقصود تھا تو یہ قربت مقصودہ نہیں ہے۔ اور اگر بطور صدقہ مراد تھا تو چونکہ نمازیوں میں غنی اور محتاج دونوں شامل ہوتے ہیں اور تصدق علی الغنی صحیح نہیں ہوتا۔ لہٰذا یہ نذر صحیح یعنی لازم نہیں ہوتی۔ اب اگر وہ کھانا یا شیرینی کھلائے تو تبرع ہوگا اور اس تبرع میں نیت تصدق نہ ہو تو اغنیاء اور فقراء کو کھانا جائز ہے۔ نذر التصدق علی الاغنیاء لم یصح ما لم ینوا ابناء السبیل (درمختار) قلت ولعل وجہ عدم الصحۃ فی الاول عدم کونہا قربۃ الخ (ردالمحتار) ولو قال ان فعلت کذا فللّٰہ علی ان اضیف جماعۃ قرابتی فحنث لا یلزمہ شئ الخ (ہندیہ)

کتبہ محمد کفایۃ اللہ غفرلہ

سوال

ایک شخص نے یہ نذر مانی کہ میں بغداد میں حضرات پیران پیر شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ کے مزار پر ایک غلاف چڑھاؤں گا تو اس پر اس نذر کا ادا کرنا واجب ہے یا نہیں. اور اگر یہ شخص اس غلاف پر جتنا روپیہ لگتا ہے اتنا روپیہ حضرت پیران پیر کی روح مبارک کو ثواب پہنچانے کی غرض سے کسی مصرفِ خیر میں صرف کرے تو درست ہے یا نہیں؟ اگر وہ اس طرح کرے تو اس کی نذر ادا ہو گی یا نہیں؟

(۲۲۷) **جواب** اگر اس نذر سے نذر کرنے والے کا صاحب قبر کی نذر کرنا اور اس کی طرف تقرب مقصود تھا اور ظاہر یہی ہے تو یہ نذر ہی معصیت و حرام ہے. اور ایسی صورت میں نذر منعقد و صحیح نہیں ہوتی. اس نذر کا معصیت ہونا تو عبارت ذیل سے واضح ہے:-

وقد نص العلامة قاسم بن قطلوبغا فی شرح درر البحار ان النذر الذی یقع من اکثر العوام للاموات کان یقول یا سیدی ان رد غائبی او شفی مریضی فلک من الذہب والفضۃ کذا ومن الثیاب کذا او الطعام او الشمع والزیت کذا حرام وباطل لکونہ نذرالمخلوق وما یوخذ من الشمع والزیت والدراہم ونحوہا الی الضرائح الاولیاء تقربا الیہم حرام لایحل اکلہ لالغنی ولا لفقیر ولا یجوز لخادم القبور اخذہ. انتہی (عمدۃ الرعایۃ ومثلہ فی الدر المختار) اور نذرِ معصیت کا صحیح نہ ہونا بھی اسی عبارت مذکورہ سے واضح ہو گیا. نیز عبارات ذیل بھی ملاحظہ ہوں:-

لایلزمہ النذر الا اذا کان طاعۃ ولیس بواجب وکان من جنسہ واجب علی التعیین فلا یصح النذر بالمعاصی ولا بالواجبات الخ (الاشباہ والنظائر) اعلم انہم صرحوا بان شرط لزوم النذر ثلاثۃ کون المنذور لیس بمعصیۃ وکونہ من جنسہ واجب الخ (بحر الرائق). ہاں اگر نذر کرنے والے کا مقصود صاحبِ قبر کی نذر کرنا نہ تھا اور ان کی جانب تقرب منظور نہ تھا بلکہ غلاف کو صدقہ کرنا اور مجاوروں کو اس کی قیمت یا اس کے کپڑے سے نفع پہنچانا مقصود تھا تو اس کی بھی دو صورتیں ہیں اول یہ کہ جن پر تصدق مقصود ہے وہ غنی ہوں. اس صورت میں بھی نذر صحیح نہیں ہوئی. کیونکہ تصدق علی الاغنیاء قربت مقصودہ نہیں. نیز اس کی جنس سے کوئی دوسرا واجب شرعی بھی نہیں ہے. نذر التصدق علی الاغنیاء لم یصح مالم ینوا ابناء السبیل (رد المحتار) دوسری صورت یہ کہ وہ محتاج ہوں تو اس صورت میں نذر تو صحیح ہو جائے گی لیکن صرف اس طور سے کہ بقدر قیمت غلاف

صدقہ کر دیا جائے۔ اور اس صورت میں فقیر کی تعیین ضروری نہیں ہے۔ اور غلاف چڑھانا جائز نہیں ہے۔ کیونکہ فعل منذور اگر خود معصیت نہ ہو لیکن کوئی خارجی معصیت اسے عارض ہوتی ہو تو اس معصیت کا ترک لازم ہو جاتا ہے۔ ولو نذر ذبح ولدہ یلزمہ الشاۃ استحسانا (عالمگیری) قلت وجہ لزوم الشاۃ ان النذر بالذبح قد صح والذبح قربۃ مقصودۃ ومن جنسہ واجب شرعی وھو الاضحیۃ اما اضافۃ الذبح الی الولد فملغاۃ لکونہا معصیۃ وانما لم تؤثر فی ابطال النذر لکونہا عارضۃ عن مفہوم المنذور وھو الذبح ولما بطلت الاضافۃ الی الولد حکمنا بوجوب الشاۃ التی ھی ادنی الذبائح (کفایۃ اللہ) الحاصل اگر صورت مسئولہ میں مقصود نذر میں تقرب الی صاحب القبر ہو تو نذر صحیح نہیں اور اگر مقصود تقرب الی اللہ اور تصدق علی المجاورین ہو تو یہ بھی صحیح نہیں۔ کیونکہ مجاورین اکثر اغنیا ہوتے ہیں۔ ہاں اگر تقرب الی اللہ مقصود ہو اور فقراء پر تصدق تو نذر صحیح ہوئی اور ناذر کو جائز ہے کہ وہ قیمت غلاف فقراء و مساکین و طلبہ پر تقسیم کر دے۔ واللہ اعلم۔

کتبہ محمد کفایت اللہ غفرلہ۔ مدرس مدرسہ امینیہ دہلی

سوال

ما قول العلماء رحمہم اللہ تعالی فی ھذہ المسئلۃ رجل موسر اشتری شاۃ قبل ایام النحر قال عند شرائھا اذبح ھذہ الشاۃ فی ایام النحر للاضحیۃ التی اوجبہا اللہ علی عبادہ الموسرین ولم یقل للہ علیّ ان اضحی بہا ای لا اوجبہا علی نفسہ بل قال اضحی ما اوجب اللہ تعالی۔ افی ھذہ الصورۃ ان ضحی بہا فی ایام النحر تودی عنہ الاضحیۃ ام تصیر نذرا فیذبح للاضحیۃ شاۃ اخری؟ بینوا توجروا

ترجمہ۔ کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلے میں کہ ایک مال دار آدمی نے ایام نحر سے قبل ایک بکری خریدی اور خریدتے وقت یہ کہا کہ اس بکری کو میں ایام نحر میں اس قربانی کے طور پر ذبح کروں گا جو اللہ نے اپنے مالدار بندوں پر واجب کی ہے۔ اور یہ نہیں کہا کہ اس کا قربان کرنا مجھ پر واجب ہے۔ یعنی اس کو اپنے اوپر واجب نہیں کیا۔ بلکہ یہ کہا کہ وہ قربانی کروں گا جو اللہ نے واجب کی ہے۔ تو اگر اس نے اس بکری کو ایام نحر میں ذبح کیا اس کی واجب قربانی ادا ہو جائے گی؟ یا وہ بکری نذر ہو جائے گی؟ اور قربانی کی ادائگی کے لئے اس کو دوسری بکری خریدنی پڑے گی؟ بینوا توجروا۔

(۲۲۸) **الجواب**. لو ضحی بھذہ الشاۃ المشتراۃ بنیۃ التضحیۃ الواجبۃ علیہ تتادی بھا فریضۃ اللہ ویصیر فارغ الذمۃ ولایجب علیہ التضحیۃ بشاۃ اخری. وذلک لانہ لم ینو ولم یوجب علی نفسہ شاۃ مبتداۃ لتصیر نذرا. وانما عین الشاۃ المشتراۃ لاقامۃ الواجب الشرعی الذی کان علیہ قبل الشراء وبمثل ھذا الکلام لاینعقد النذر کرجل قال ان برئت من مرضی ھذا ذبحت شاۃ فبرئ لایلزمہ شئی الا ان یقول ان برئت فللہ علی ان اذبح شاۃ.

(کذا فی الھندیۃ ص ۲/۱)

وعلم منہ ان النذر لایصح حتی یاتی الناذر بصیغۃ الالتزام الایجاب علیہ للہ وھی غیر موجودۃ فی صورۃ السوال واللہ اعلم.

کتبہ محمد کفایت اللہ غفرلہ

سنہری مسجد مدرسہ امینیہ دھلی ۹ محرم ۱۳۳۵ھ

ترجمہ. **جواب** اگر اس شخص نے اپنی واجب قربانی کی ادائگی کی نیت سے اس خریدی ہوئی بکری کو قربان کیا تو اللہ تعالی کا فریضہ اس سے ادا ہو جائے گا اور وہ شخص بری الذمہ ہو جائے گا۔ اور دوسری بکری خرید کر قربانی کرنا اس پر واجب نہیں ہوگا۔ کیونکہ اس نے پہلی بکری خریدتے وقت اپنے اوپر خود واجب کرنے یا بطور خود اپنی طرف سے قربانی کرنے کی نیت نہیں کی تھی۔ اگر ایسا ہوتا تو وہ نذر بن جاتی۔ اور اس خریدی ہوئی بکری کو اس نے واجب شرعی کی ادائگی کے لئے متعین کیا ہے جو خریدنے سے پہلے اس کے ذمہ تھا۔ اور اس قسم کے کلام سے نذر منعقد نہیں ہوتی جیسے کہ ایک شخص نے کہا کہ اگر میں اپنی اس بیماری سے شفایاب ہو جاؤں تو ایک بکری ذبح کروں گا۔ پس اگر وہ شفایاب ہو جائے تو اس پر ذبح کرنا ضروری نہیں۔ ہاں اگر یہ کہے کہ اگر میں شفایاب ہو جاؤں گا تو اللہ کے لئے ایک بکری قربانی کرونگا تو وہ نذر ہو گی اور اس کی ادائگی ضروری ہو گی۔)

معلوم ہوا کہ نذر صحیح نہیں ہوتی جب تک کہ اللہ کے لئے اپنے اوپر واجب اور لازم کرنے کے الفاظ نہ بولے جائیں۔ اور اس قسم کے الفاظ صورت مسئولہ میں موجود نہیں ہیں۔

ردالجواب (از مولوی عبدالرحمن شکارپور۔ سندھ) درصورت مسئولہ بر غنی

ردالجواب

صورت مسئولہ میں غنی مذکور پر دو بکریاں لازم

مذکور دو شاۃ لازم خواہد شد یکے بہ نذر و دیگر بہ ایجاب شرع۔ چراکہ نذر مختص بہ لفظ للہ علی یا علی نیست۔ بلکہ اگر گوید ایں شاۃ را اضحی خواہم نمود یا ایں را اضحی کردم تاہم نذرہ خواہد شد۔ قال فی الکفایۃ تحت قول الماتن ان کان اوجب علی نفسہ الخ ای شاۃ بعینہا بان فی ملکہ شاۃ فیقول اضحی بھذہ الخ

وقال فی رد المحتار تحت قول الماتن ناذر لمعینۃ الخ فالمنذور بہ بان قال للہ علی ان اضحی شاۃ او بدنۃ او ھذہ الشاۃ او البدنۃ او قال جعلت ھذہ اضحیۃ۔ انتھی

باقی ماند اگر در ایام نحر ایں صیغہا بوقت شرا گوید و در قصدش اخبار عن الواجب الشرعی نیست تاہم دو شاۃ واجب خواہد گردید۔ و اگر در قصدش اخبار عن الواجب بود پس یک شاۃ لازم خواہد شد و اگر قبل از ایام نحر ایں صیغہا گوید بہر حال بر او دو شاۃ واجب خواہد گردید۔ برابر است کہ در قصدش اخبار عن الواجب بود یا نہ۔

قال فی رد المحتار باب الاضحیۃ واعلم انہ قال فی البدائع ولو نذر ان

ہو جائیں گی۔ ایک نذر کی وجہ سے اور دوسری واجب شرعی کی وجہ سے۔ کیونکہ نذر میں اللہ کے لئے اپنے اوپر واجب ولازم کرنے کے الفاظ ضروری نہیں ہیں۔ بلکہ اگر اس نے کہا کہ اس بکری کی قربانی کرونگا یا اس کی قربانی کردنگا تو نذر منعقد ہوجائے گی کفایہ میں ہے کہ اگر اس نے اپنے اوپر واجب کرلیا یعنی ایک جانور کو بعینہ واجب کرلیا مثلاً ایک جانور پہلے سے اس کی ملک میں تھا اس نے اس کے متعلق کہا کہ میں اس کی قربانی کروں گا۔ (تو وہ نذر ہوجائے گی) اور رد المحتار میں قول ماتن ناذر لمعینۃ کی تشریح میں کہا ہے۔ کہ منذور بہ اس طرح ہو گا کہ اس نے کہا کہ اللہ کے لئے مجھ کو ایک بکری یا اونٹ کرنا ہے۔ یا یہ خاص بکری یا اونٹ کہا۔ یا یہ کہا کہ میں نے اس کو قربانی کے لئے قرار دیا۔ انتھی

رہی یہ بات کہ اگر ایام نحر میں بوقت خرید الفاظ مذکورہ کہے اور اس کی نیت اخبار عن الواجب الشرعی کی نہ تھی تو بھی دو بکریاں واجب ہوں گی اور اگر بقصد اخبار عن الواجب کہے تو ایک بکری لازم ہوگی۔ اور اگر ایام نحر سے قبل الفاظ مذکورہ کہے تو اس پر دونوں صورتوں میں دو بکریاں واجب ہوں گی خواہ اس نے اخبار عن الواجب کی نیت کی ہو یا نہ کی ہو۔

رد المحتار باب الاضحیہ میں بحوالہ بدائع منقول

یضحی شاۃ وذلک فی ایام النحر وھو موسر فعلیه ان یضحی شاتین عندنا شاۃ بالنذر وشاۃ بایجاب الشرع ابتداءً الا اذا اعنی به الاخبار عن الواجب علیه فلا یلزمه الا واحدۃ۔ ولو قبل ایام النحر لزمه شاتان بلا خلاف لان الصیغة لا تحتمل الاخبار عن الواجب قبل الوقت۔ انتھی۔ وقال فی موضع اخرٰی قدمنا ان یضحی اذا قصد بالنذر الاخبار عن الواجب علیه وکان فی ایام النحر لزمه واحدۃ والا فشاتان انتھیٰ۔

پس ازیں عبارت واضح گردید کہ صیغۂ نذر مختص بہ للہِ علیَّ یا علیَّ نیست ودر صورتِ مسئولہ بر غنی مذکور دو شاۃ لازم خواہد شد۔ وانچہ قبل النحر اخبار عن الواجب نمود قطعاً معتبر نیست۔ پس انچہ مولنا مشتاق احمد صاحب ومولوی کفایت اللہ صاحب قلمی نمودہ اند کہ قول مذکور نذر نیست۔ ونہ بر غنی مذکور سوائے یک شاۃ مشتراۃ لازم خواہد گردید، در نظر فقیر از روایات فقہا معلوم نمی شود۔ کما عرفت۔ واللہ اعلم

حررہ الفقیر عبدالرحمن
شکارپوری

ہے کہ اگر اس نے ایام نحر میں منت مانی کہ ایک بکری کی قربانی کروں گا تو اگر وہ مالدار ہے تو اس پر دو بکریوں کی قربانی واجب ہو گی۔ ایک منت کی اور ایک ایجاب شرعی کی۔ لیکن اگر اس کی مراد اخبار عن الواجب تھی تو ایک ہی قربانی واجب ہو گی۔ اور اگر ایام نحر سے قبل نذر مانی تو بالاتفاق اس پر دو ہی قربانیاں واجب ہوں گی۔ کیونکہ الفاظ میں قبل از وقت اخبار عن الواجب کا احتمال نہیں ہے۔ انتہی دوسری جگہ لکھا ہے کہ ہم پہلے ذکر کر چکے ہیں کہ اگر نذر سے مراد اخبار عن الواجب ہو اور زمانہ قربانی کا ہو تو اس پر ایک بکری لازم ہو گی ورنہ دو بکریاں۔ انتہیٰ

پس اس عبارت سے واضح ہو گیا کہ نذر کا صیغہ للہِ علیَّ یا علیَّ کے ساتھ مخصوص نہیں ہے اور صورتِ مسئولہ میں غنی مذکور پر دو بکریاں لازم ہوں گی۔ اور ایام نحر سے قبل اخبار عن الواجب قطعاً غیر معتبر ہے۔

پس جو کچھ کہ مولنا مشتاق احمد صاحب اور مولنا کفایت اللہ صاحب نے تحریر فرمایا ہے کہ قولِ مذکور نذر نہیں ہے اور غنی مذکور پر ایک ہی جانور کی قربانی واجب ہوگی، فقیر کے خیال میں روایاتِ فقہیہ کے مطابق نہیں ہے۔ کما عرفت۔ واللہ اعلم

(نوٹ) اس کا جواب الجواب معلوم نہیں کہ حضرت مفتیٔ اعظمؒ نے لکھا تھا یا نہیں؟ مجھے دستیاب نہیں ہوا۔

(واصف عفی عنہ)

سوال

زید نے حالت بیماری میں یہ منت مانی کہ بعد صحت تین کام ان شاء اللہ ضرور کروں گا۔ اول یہ کہ لڑکی کا عقد جہاں تک ممکن ہوگا جلد کردونگا۔ دوم یہ کہ جائداد کل وقف علی الاولاد کردوں گا۔ سوم یہ کہ مسجد کی تعمیر تنہا بذات خود کروں گا۔ اب وہ مسجد تعمیر کرارہا ہے اور روپیہ بھی کافی ہے لیکن اثنائے تعمیر میں بکر نے کہا کہ ایک سو روپئے واسطے تعمیر مسجد ہمارا بھی جمع کیا جائے۔ علاوہ ازیں ایک سو روپیہ اور بھی دیں گے۔ ایسی صورت میں بکر کا روپیہ شامل تعمیر مسجد کرنا جائز ہے یا نہیں جبکہ منت والے کے پاس روپیہ بھی کافی ہے اور تنہا تعمیر کی منت بھی ہے۔؟

المستفتی ۱۷۶ حاجی عبدالرحمٰن جونا بلاسپور۔ ۱۶ رمضان ۱۳۵۲ھ مطابق ۳ جنوری ۱۹۳۴ء

(۲۲۹) **جواب**۔ مسجد بنانے کی منت واجب الادا نہیں ہوتی اس لئے زید کو جائز ہے کہ اپنے خالص مال سے مسجد بنادے یا دوسرے کو بھی شریک کرلے۔ اگر وہ چاہے کہ اپنی منت کو اسی صورت سے پورا کرے جس صورت سے اس نے مانی ہے تو یہ بھی کرسکتا ہے کہ مسجد کی عمارت اپنے روپئے سے بنادے اور بکر کے سو یا دو سو روپئے لے کر اس کی تکمیل یعنی استرکاری وغیرہ میں صرف کردے واللہ اعلم۔

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہٗ۔ مدرسہ امینیہ دہلی

سوال

کسی شخص نے منت مانی کہ اگر فلاں کام ہوگیا تو قربانی کرونگا۔ اس قربانی اور عید کی قربانی میں کیا فرق ہے؟

المستفتی ۱۰۴۱ مولوی عبدالقدوس امام (ترکمان دروازہ دہلی) ۱۶ ربیع الثانی ۱۳۵۵ھ مطابق ۷ جنوری ۱۹۳۶ء

(۲۳۰) **جواب**۔ قربانی کے جانور کی صفات اور اس نذر سے واجب ہونے والے جانور کی صفات یکساں ہونی ضروری ہیں اور اگر اس نے عید اضحیٰ کے زمانہ میں ذبح کرنے کی نیت کی ہو تو ۱۰۔ ۱۱۔ ۱۲ ذی الحجہ کے اندر ہی ذبح کرنا لازم ہوگا۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہٗ دہلی

سوال

زید نے یہ منت مانی کہ اگر میرا فلاں کام ہوگیا تو میں کسی کو حج کراؤنگا۔ زید کا کام ہوگیا۔ زید اگر اتنا روپیہ جتنا کہ حج میں خرچ ہوتا ہو کسی ایسے شریف نادار کثیر الاولاد کو کام کاج کے لئے

دے دے جس کی حالت ناگفتہ بہ ہو فاقوں پر نوبت ہو ایسے شخص کو روپیہ دینے سے زید کی منت ادا ہو جائے گی یا نہیں ؟

المستفتی نمبر ۱۰۹۸ محمد نذیر صاحب (دہلی) ۱۴ جمادی الاول ۱۳۵۵ھ مطابق ۳ اگست ۱۹۳۶ء

(۲۳۱) **جواب** ۔ یہ منت اس طرح لازم ہو جاتی کہ میں خود حج کروں گا۔ لیکن کسی کو حج کراؤں گا اس طریق پر لازم نہیں ہوئی اور اس لئے جائز ہے کہ زید بجائے حج کرانے کے یہ روپیہ کسی نادار تنگدست شخص کی امداد میں دے دے۔

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ، دہلی

سوال

میری والدہ ماجدہ صاحبہ بیمار ہوئی تھیں ۔ میں نے خدا تعالیٰ سے یہ منت مانی تھی اگر یہ تندرست ہو جائیں گی تو میں ایک ایسے شخص کو حج کراؤں گا جس نے حج نہ کیا ہو۔ اللہ پاک نے میری دعا قبول فرمائی اور میری والدہ ماجدہ صاحبہ کو تندرستی عطا کی ۔ اب میں نے ایک شخص کو تجویز کر کے یہاں سے دہلی لکھا۔ مگر انھوں نے یہ جواب لکھا ہے کہ ایک ایسے شخص کثیر الاولاد ہیں ۔ بوجہ افلاس کے فاقوں تک نوبت رہتی ہے۔ لہٰذا بجائے میرے حج کرانے کے ان کو روپیہ دے دیجئے تاکہ اس رقم سے یہ کچھ کام کاج کرلیں ۔ اپنی اور اپنے بچوں کی پرورش کر سکیں۔ مگر میری دلی تمنا یہ ہے کہ میں حج کراؤں ۔ شرعی حیثیت سے مجھے کیا کرنا چاہئے ؟

المستفتی نمبر ۱۱۲۶ سلطان احمد صاحب (کلکتہ) ۲۶ جمادی الاول ۱۳۵۵ھ مطابق ۱۵ اگست ۱۹۳۶ء

(۲۳۲) **جواب** ۔ اس منت کو آپ اس کی اصلی صورت میں بھی پورا کر سکتے ہیں یعنی کسی کو حج کرادیں۔ اور دوسری صورت اختیار کرنا یعنی کسی حاجتمند کو اس قدر رقم دے دینا جس قدر حج کرانے میں خرچ ہوتی تو یہ بھی جائز ہے۔ جو صورت آپ پسند کریں اس کی شرعی اجازت ہے۔ اولیٰ اور بہتر دوسری صورت ہے۔

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ دہلی

سوال

قربانی اور عقیقہ کی طرح نذر کے جانوروں میں عمر وغیرہ کی قیود و شروط ہیں یا نہیں ؟

المستفتی نمبر ۱۱۸۷ پروفیسر محمد طاہر صاحب ایم ۔ اے ۔ (ضلع میمن سنگھ) ۲۷ جمادی الثانی ۱۳۵۵ھ مطابق ۱۵ ستمبر ۱۹۳۶ء

(۲۳۳) **جواب** ۔ ہاں نذر کے جانور کے لئے بھی وہی شروط ہیں اور وہی عمر معتبر ہے جو قربانی کے

جانور کے لئے الآیہ کہ نذر کسی خاص مشخص جانور کے متعلق ہو تو پھر شرائط کا اعتبار نہ ہوگا۔

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ۔ دہلی

سوال

(۱) اگر کسی دوکاندار نے اپنی بکری پر ۵ر سیکڑا مسجد میں دینا کر لیا اور اس نے کچھ دے کر پھر نہ دیا تو کیا ہوگا؟ (۲) اگر کسی شخص نے اپنے دل میں سوچ لیا کہ اگر مجھ پر پانچ سو روپے ہو جائیں گے تو مسجد میں دو پیسے روز دیا کروں گا۔ اگر اس پر پانچ سو روپیہ ہو جائیں اور وہ دو پیسے روز مسجد میں نہ دے اور وہ ایک سال میں زکوۃ دے تو کیا ہوگا۔

المستفتی نمبر ۱۲۹۸ منشی عظمت اللہ خاں صاحب ضلع بجنور ۴ ذیقعدہ ۱۳۵۵ھ مطابق ۱۸ جنوری ۱۹۳۷ء

(۲۳۴) **جواب**۔ (۱) اگر مسجد میں دینے کا ارادہ کیا تھا اور پھر نہ دیا تو مضائقہ نہیں۔ لیکن اگر بطور نذر کے اپنے اوپر دینا لازم کر لیا تھا تو ادا کرنا واجب ہے۔ (۲) یہ تو نذر ہو گئی۔ جب پانچ سو روپے ہو جائیں گے تو ۰ر روز اس وقت تک دینا ہوں گے جب تک پانچ سو روپے رہیں۔ اور جب پانچ سو روپے سے کم ہو جائیں تو پھر دینا لازم نہ ہوگا۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ

سوال

ایک شخص نے منت مانی کہ اگر میرا فلاں کام پورا ہو جائے گا تو میں اپنی تمام زندگی کے اندر ہر جمعہ کا روزہ رکھا کروں گا۔ مگر بعض مجبوریاں ایسی ہیں جن کی وجہ سے اس کو پورا نہیں کر سکتا۔ اس کی مالی حالت بھی بہت کمزور ہے۔ کوئی معقول کفارہ بھی ادا نہیں کر سکتا۔

المستفتی نمبر ۱۳۶۹ ممتاز جہاں بیگم منیجر مسلم گرلس اسکول۔ کرلا بمبئی۔ ۲۶ ربیع الاول ۱۳۵۶ھ مطابق ۶ جون ۱۹۳۷ء

(۲۳۵) **جواب**۔ اگر نذر کی شرط پوری ہو گئی یعنی وہ کام پورا ہو گیا تھا تو وفائے نذر اس کے ذمہ لازم ہے۔ روزہ رکھے یا بصورت مجبوری روزے کا فدیہ ادا کرے۔ ہر جمعہ کا روزہ رکھنا لازم ہوا ہے جس جمعہ کو روزہ نہ رکھ سکتا ہو اس کا فدیہ پونے دو سیر گیہوں صدقہ کر دینا ہے۔ اگر مہینے کے چار جمعے ہوں تو سات سیر گیہوں مہینہ بھر کا فدیہ ہوا۔ اگر نہ روزے پر قادر ہو اور نہ فدیہ دینے کی قدرت ہو تو اللہ تعالی کی بارگاہ میں دعا کرے کہ وہ اس کی کوتاہی کو اپنی رحمت سے معاف کر دے۔

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ

سوال

(از الجمعیۃ سہ روزہ دہلی مورخہ ۶ ستمبر ۱۹۲۷ء)

اکثر لوگ یہ منت مانتے ہیں کہ اگر کوئی مراد پوری ہو جائے تو ہم مسجد میں چراغ جلائیں گے اور کچھ پکا کر مسجد کے اندر جا بجا رکھ دیں گے۔ اور ایسا کر کے چلے جاتے ہیں۔ صبح کو جو نمازی آتے ہیں وہ اٹھا کر کھا لیتے ہیں۔ آیا ایسا کرنا جائز ہے یا نہیں؟

(۲۳۶) **جواب**۔ یہ نذر کہ ہمارا فلاں کام ہو گیا تو مسجد میں چراغ جلائیں گے یا مسجد میں کھانا رکھ آئیں گے منعقد نہیں ہوتی۔ اور نہ اس کا پورا کرنا لازم ہے۔ اگر کوئی شخص اس کو پورا کرنا چاہے اور مسجد کی معمولی روشنی کے لئے تیل یا روپیہ دے دے اور اسی طرح مسجد میں کھانا دے آئے تو جائز ہے۔

محمد کفایت اللہ غفرلہٗ

سوال

(از اخبار سہ روزہ الجمعیۃ دہلی مورخہ ۱۳ مارچ ۱۹۳۷ء)

زید نے ایک بکرا اللہ واسطے کا چھوڑ رکھا ہے۔ بعد ازاں زید کے ایک لڑکا پیدا ہوا۔ اب زید اس بکرے کو اپنے لڑکے کے عقیقہ میں کر سکتا ہے یا نہیں؟ یا قربانی کے دنوں میں اس بکرے کی قربانی کر سکتا ہے یا نہیں؟

(۲۳۷) **جواب**۔ یہ بکرا تو مستقل طور پر نذر کا ہو گیا۔ اس کو عقیقہ میں یا اپنی واجب قربانی میں ذبح کرنا جائز نہیں بلکہ اس کو اپنی نیت کے موافق قربان کرنا چاہیئے۔ فقط محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ دہلی

سوال

(الجمعیۃ مورخہ ۱۳ جنوری ۱۹۳۶ء)

کسی عزیز کی بسلامت واپسی پر کسی جانور کو جو پانچ روپئے کا ہو دینے کی نیت کر کے عزیز کی واپسی پر بجائے جانور کے ان روپیوں کی دیگر اشیاء مثلاً ایک نمازی عورت کے لئے چادر یا یتیم بچوں کے لئے کپڑے خرید کر دینا جائز ہے یا نہیں؟

(۲۳۸) **جواب**۔ دینے سے اس عزیز کو دینا مراد ہے تو جو چاہے دے سکتے ہیں۔ اور اگر جانور کا قربان کرنا مراد ہے تو یہ نذر ہو گئی اور نذر تو اسی طرح ادا کرنا چاہیئے جس طرح مانی تھی۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہٗ۔

سوال

ایک شخص نے نذر کی کہ اگر میں تندرست ہو جاؤں تو اللہ کے واسطے ایک بکرا ذبح کر کے خیرات کرنا میرے ذمہ لازم ہے۔ یہ شخص اگر تندرست ہونے کے بعد بجائے بکرے کے بھیڑا قربان کر دے تو نذر پوری ہو جائے گی یا نہیں؟

(۲۳۹) **جواب** یہ تبدیلی جائز ہے کیونکہ قربانی اور نذر کا حکم ایک ہے۔ ولو قال للہ علی ان اذبح جزورا واتصدق بلحمہ فذبح مکانہ سبع شیاہ جاز (در مختار ص۷۶ ج۱)

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ۔ دہلی

کتاب القضاء والافتاء

پہلا باب
ثالث بنانا

سوال

شہر ساگر عملداری سرکار قیصر ہند (انگریزی) میں ایک پنچایت کے مجمع میں یہ پنچ لوگ برادری کے جھگڑوں زنا وغیرہ کے معاملات میں ڈنڈ یعنی جرمانہ وغیرہ کر دیتے ہیں اور بموجودگی قاضی شہر (قاضی شہر یہ ایک ایسا شخص ہے جس کو کہ شہر کے مسلمانوں نے اپنی رضامندی سے بعد وفات اس کے والد کے معاملات نکاح خوانی و طلاق وغیرہ کے واسطے پگڑی باندھ کر قاضی مقرر کر لیا ہے۔ اور نماز عیدین بھی اس کے پیچھے جماعتِ اہل اسلام ادا کرتی ہے) زید نے اپنی عورت مسماۃ ہندہ منکوحہ پر الزام زنا عمرو کے ساتھ لگایا اور چار مرتبہ روبرو حاضرین مجلس قسم کھا کر گواہی دی کہ میں نے اس کو عمرو کے ساتھ زنا کراتے دیکھا اور پانچویں مرتبہ کہا کہ لعنت خدا کی مجھ پر ہو اگر ہندہ سچی ہو اور ہندہ بھی اس پنچایت میں موجود تھی۔ پھر ہندہ نے اسی طرح چار مرتبہ قسم کھا کر کہا کہ خاوند میرا زنا کی تہمت لگانے میں جھوٹا ہے۔ اور لعنت خدا کی ہو مجھ پر اگر وہ سچا ہو۔ دریافت پر معلوم ہوا کہ اس عورت پر کبھی تہمت زنا کی نہیں لگائی گئی (یہ پنچایت تاریخ وقوعہ کے چار پانچ روز بعد جمع کی گئی تھی اور زید نے ہندہ کو اپنے مکان سے وقت شب نکال دیا تھا اور اس وقت سے اب تک ہندہ اور زید میں علیحدگی ہے)۔ اس واسطے قاضی مذکور الصدر نے بمشورہ پنچان موجودہ باہم زید و ہندہ کے مجمع پنچایت میں تفریق کرادی۔ اب قابل استفسار یہ امر ہے کہ کیا حالت مندرجہ بالا میں جو تفریق کہ قاضی مذکور نے

بمشورۂ پنچان کرادی ہے، وہ عملداری انگریزی میں جہاں کوئی شرعی حاکم نہیں ہے جائز قرار دی جائے گی یا ناجائز؟ اور قاضی مذکور کی یہ تفریق جو مجمع پنچایت میں کی اُس قاضی کے حکم کے مطابق جس کا کتب فقہ میں تذکرہ ہے سمجھی جائے گی یا نہیں؟ اور اس کارروائی سے جو زید و ہندہ کے باہم ہوئی اور زید نے ہندہ کو اپنے مکان سے وقوعہ کے بعد سے نکال دیا ہے کیا باہم زید و ہندہ کے طلاق ہو گئی یا نہیں؟ اور اب ہندہ کا نکاح زید کے ساتھ کسی طریقے سے ہو سکتا ہے یا نہیں؟ جو نکاح کہ ہندہ کا زید کے ساتھ ہوا کیا اس کارروائی سے فسخ ہو گیا؟

معاملات فسخ نکاح کے متعلق جناب مولنا مولوی ابو الکلام آزاد مدظلہ نے اخبار صداقت مورخہ یکم اکتوبر سنہ ۱۹۱۶ء پر یہ عبارت درج فرمائی ہے (اولاً تو جو عدالتیں آج موجود ہیں شرعاً ان کو قاضی و حاکم قرار نہیں دیا جا سکتا اور احکام شرعیہ میں جہاں کہیں قاضی یا حاکم کا لفظ آتا ہے اس سے موجودہ عدالتیں مقصود نہیں ہو سکتیں۔ پس بحالت موجودہ ہندوستان میں سوائے اس کے چارہ نہیں ہے کہ مسلمان اپنے شرعی مقدمات کے لئے یا علما کی طرف رجوع کریں یا پنچایتی طریقے سے کام لیں) اور جناب مولنا مولوی عبدالرؤف صاحب نے اخبار مذکور الصدر تاریخ ۲۰ اکتوبر سنہ ۱۹۱۶ء میں مولنا ممدوح کی اس طریقے پر تائید فرمائی ہے (لیکن اگر مسلمان ایک اجتماعی کوشش اس امر کی کریں کہ ایک قاضی اپنا یہاں مقرر کرلیں تو باتفاق فقہا یہ صورت جائز ہوگی اور دوسرے ایسے ممالک میں جہاں مسلمان عیسائی سلطنتوں کے ماتحت آباد ہیں یہی صورت کی گئی ہے) تو کیا ان عبارات کا فائدہ دیگر ایسے ہی امورات شرعی میں قاضی مذکور الصدر اور پنچان سے لیا جا سکتا ہے یا نہیں؟ اور اگر ان طریقوں سے مسلمان تفریق کرالیں تو کیا وہ تفریق جائز متصور ہوگی یا نہیں؟۔ جواب باصواب سے سرفراز فرمائیں۔ خادم محمد عبدالسلام۔ بر مکان قاضی محمد عبدالعزیز قاضی شہر ساگر۔ مورخہ ۲ اکتوبر سنہ ۱۹۱۷ء

(۲۴۰) **جواب**۔ یہ قاضی جو ہندوستان کے اکثر شہروں میں نکاح یا عیدین کی نماز پڑھاتے ہیں شرعاً وہ قاضی نہیں ہیں، جو احکام اور قضا کے اختیارات رکھتے ہیں اس لئے ان کا کوئی فیصلہ فیصلۂ قضا نہیں ہوگا۔ اور جن مسائل میں قضا کی ضرورت ہے ان میں ان کا حکم کافی نہ ہوگا جمعہ اور عیدین اور اسی قسم کے مسائل دینیہ میں تو مسلمان جسے قاضی بنالیں وہ قاضی ہو سکتا ہے، اور اس کا فیصلہ معتبر ہے۔ کیونکہ حکومت موجودہ نے مذہبی معاملات میں آزادی دے رکھی ہے۔

اور خود کچھ دست اندازی نہیں کرتی۔ لیکن فصل خصومات کی عدالتیں خود اپنے قبضہ واختیار میں رکھی ہیں۔ اس لئے رعایا کا فصل خصومات کے لئے کسی کو قاضی بنانا اس وقت تک معتبر نہ ہو گا جب تک حکومت سے انھیں یہ اختیار حاصل نہ ہو جائے۔

مگر صورت مسئولہ میں جب کہ زید وہندہ نے اپنا فیصلہ کسی شخص کے سپرد کر دیا اور اس کی تفریق پر فریقین راضی ہو گئے تو وہ شخص حَکَم ہو گیا اور اس کی تفریق صحیح اور معتبر ہو گی۔

سوال

زید وعابدہ زن وشوہر ہیں۔ دونوں میں ناچاقی ہوئی۔ اپنے نزاع کو رجوع ثالثی کیا گیا۔ ثالث نے گواہان طلاق کے بیان قلم بند کر کے واقعہ طلاق کو ثابت قرار دیا اور افتراق کا فیصلہ کر دیا۔ بالآخر فیصلہ ثالثی منجانب عابدہ عدالت میں بدیں مضمون پیش ہوا کہ "زید نے طلاق مغلظ دیا تھا۔ فریقین نے بادخال اقرار نامہ جات اپنے نزاعات طلاق کو رجوع ثالثی کیا۔ ثالث نے افتراق کا فیصلہ کر دیا۔ لہٰذا فیصلہ ثالثی عدالتی قرار دیا جائے۔" زید نے عابدہ کو طلاق دینے نیز ثالث کو طلاق کے تصفیہ کا اختیار تفویض کرنے سے انکار کیا۔ فیصلہ ثالثی پر زید کے دستخط نہیں ہیں۔ صرف اقرار نامہ پر دستخط ہیں۔ اور اقرار نامہ پر بھی اقربائے عابدہ نے بالجبر دستخط کروا لینے کی نسبت ایک فوجداری کارروائی بھی کی۔ غیر چونکہ یہ ایک شرعی معاملہ ہے جو ضابطہ کے تحت آگیا ہے۔ عدالت نے مقدمہ ہذا میں بعد سماعت بحث یہ تنقیح برائے تصفیہ قائم کی ہے۔ آیا اقرار نامجات بنائے نالش مورخہ ..... اگزبٹ نمبر ۲ و ۳ مابین فریقین شرعاً جائز و قابل نفاذ ہے؟ اور کیا ثالثی امر شرعی طلاق کے تصفیہ کی مجاز ہو سکتی ہے؟ بینوا توجروا

المستفتی نمبر ۲۱۴ محمد امیر (حیدر آباد دکن) ۴ ربیع الاول ۱۳۵۳ھ مطابق ۱۷ جون ۱۹۳۴ء

(۲۴۱) **جواب**۔ اگر اقرار نامہ میں اس امر کی تصریح ہو کہ ثالث کو طلاق کا فیصلہ کرنے کا حق نہیں ہے تو ثالث کا فیصلہ در بارۂ طلاق صحیح نہ ہو گا۔ اور اگر یہ تصریح نہیں اور جھگڑا یہی تھا کہ طلاق دینے نہ دینے میں اختلاف تھا اور یہ مقدمہ ثالث کے سپرد کیا گیا تھا تو اس کا فیصلہ باقاعدہ ہے فقط

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ

سوال

دو اقرار نامہ جات منسلکہ استفتائے ہذا کی بنا پر ثالث نے گواہان طلاق کے بیانات قلم بند کر کے طلاق ثابت قرار دیا اور افتراق کا فیصلہ کر دیا۔ یہ فیصلہ ثالثی عدالت میں بدین مضمون منجانب رحیم النسا پیش ہوا کہ فریقین نے بادخال اقرار نامہ جات اپنے تنازعات طلاق کو رجوع ثالثی کیا۔ ثالث نے افتراق کا فیصلہ کر دیا لہذا فیصلہ ثالثی عدالتی قرار دیا جائے۔ عدالت نے حسب ذیل تنقیح برائے مقدمہ بعد سماعت قائم کی:۔

آیا اقرار نامہ جات بنائے نالش مورخہ ۲۶ رمرداد ۱۳۴۱ف اگز بٹ ر ۳۹۲ مابین فریقین شرعاً جائز و قابل نفاذ ہے؟ اور ثالثی امر فیصلہ طلاق کی مجاز ہو سکتی ہے؟ واضح ہو کہ ہر دو اقرار نامہ جات پر فریقین کے دستخط ہیں اور فیصلہ ثالثی پر مدعا علیہ محمد امیر کے دستخط نہیں ہیں۔

المستفتی ۳۴۸ محمد امیر (حیدر آباد دکن) ۱۱ ربیع الاول ۱۳۵۴ھ مطابق ۲۴ جون ۱۹۳۴ء

(۲۴۲) **جواب**۔ اقرار نامہ جات منسلکہ کے دیکھنے سے معلوم ہوا کہ اس میں بالتصریح ثالثوں کو طلاق مہر جہیز اور اخراجات زچگی کے متعلق تصفیہ کرنے کا فریقین نے اختیار دیا ہے۔ اس لئے ثالثوں کو حق تھا کہ وہ طلاق کے متعلق فیصلہ کریں۔ اور ان کا فیصلہ متعلق طلاق ان کے حدود اختیارات کے اندر ہے اور فیصلہ ثالثی پر فریقین یا ان میں سے ایک فریق کے دستخط نہ ہوں تو کچھ حرج نہیں۔ اقرار ناموں پر دونوں فریقوں نے دستخط کیے ہیں جو ثالثی صحیح ہونے کے لئے کافی ہیں۔ (اقرار ناموں کی نقلوں پر میں نے سرخ روشنائی سے دستخط کر دیئے ہیں) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ،

سوال

(۱) عورت دعویٰ کرتی ہے کہ میرے شوہر نے میرے سامنے تین طلاق دی ہیں۔ اور شوہر کہتا ہے کہ میں نے ہرگز نہیں دیا۔ بلکہ صرف دو طلاق۔ گواہ کسی کے پاس نہیں۔ تو اس صورت میں کس کا قول معتبر ہوگا۔ نیز شوہر رجعت کر سکتا ہے یا نہیں؟

(۲) اگر کوئی دوسری صورت ایسی ہی پیش آجائے جس میں شوہر شک و تردد ظاہر کرتا ہو تو کیا حکم ہوگا؟

(۳) اگر کوئی عورت اپنے شوہر کو تین طلاق دیتے ہوئے سنے اور شوہر منکر ہو تو اس عورت

کو شوہر کے پاس رہنا جائز ہے یا نہیں ؟

(۴) فی زمانہ ہندستان میں شرعی قاضی کہیں بھی موجود نہیں تو رفع نزاع کے لئے شرعی فیصلہ کی کیا صورت ہوگی ؟ فریقین کسی کو حکم مقرر کر کے یا پنچایت سے اگر فیصلہ حاصل کریں تو معتبر ہوگا یا نہیں ؟

(۵) اگر پنچ یا حکم مسئلہ شرعی سے ناواقف ہوں تو وہاں کا مفتی یا اور کوئی شخص قضا کا حکم بتا سکتا ہے یا نہیں ؟ بینوا توجروا۔

المستفتی نمبر ۳۸۳ عبداللطیف قاسمی (ضلع اعظم گڑھ) ۲ جمادی الاول ۱۳۵۳ھ م ۱۴ اگست ۱۹۳۴ء

(۲۴۳) **جواب**۔ اگر زوجہ تین طلاق کی مدعی اور شوہر تین کا منکر اور دو کا مقر ہے تو اس صورت میں حکم دیانت (عنداللہ) یہ ہے کہ واقع میں تین طلاق دی ہیں تو طلاق مغلظہ ہوئی اور دو دی ہیں تو حق رجعت ہے۔ لیکن اگر فریقین حکم دیانت پر قانع اور عامل نہ ہوں تو حکم قضا یہ ہے کہ یا تو عورت تین طلاقوں کا ثبوت (بینہ عادلہ) پیش کرے ورنہ شوہر سے حلف لے کر اس کے موافق دو طلاق کا حکم دیا جائے گا۔ اور اس کو اس صورت میں ظاہر کے لحاظ سے رجعت کا اختیار ہوگا۔ (اگرچہ فی الحقیقت قسم جھوٹی ہونے کی صورت میں اسے رجعت کا کوئی حق نہیں رہا ہے) سوال دوم کا حکم بھی یہی ہے۔

(۳) اگر عورت نے خود شوہر کی زبان سے تین طلاقیں سنی ہیں تو اس کو شوہر کے پاس رہنا جائز نہیں۔ یعنی دیانۃً وہ اس کے لئے حلال نہیں رہی۔ استخلاص نفس کی سعی کرے۔

(۴) حکم اور ثالث اس مقدمے کا فیصلہ کر سکتا ہے اور عدالت کا مسلمان جج بھی قاضی کے حکم میں ہو سکتا ہے۔ اور جج یا سوال نمبر ۵ میں ذکر کیے ہوئے ثالث یا پنچایت جب خود مسئلہ سے ناواقف ہوں تو ان کا فرض ہے کہ کسی عالم سے دریافت کر کے اس کے موافق فیصلہ کریں۔ اور عالم ان کو قضا کی صورت شرعیہ بتادے۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ۔

سوال

زید و بکر کے برادری ہے اور سب کام شادی غمی وغیرہ کے برادرانہ طریق پر انجام ہوتے ہیں تو می پنچایت بھی بنی ہوئی ہے۔ اور شادی غمی زیر تحت رسومات مروجہ قبیحہ انجام پاتے ہیں۔ مثلاً برادری میں کسی

بچہ کی ختنہ ہیں تو اس میں علاوہ اور رسومات وغیرہ کے پاؤ پاؤ بھر گڑ فی گھر تقسیم ہوتا ہے اور اس کی یہاں تک پابندی ہے کہ اگر وہ تقسیم نہ کرے تو اس جرم میں برادری سے باہر کر دیا جاتا ہے۔ اور اگر اہل برادری میں سے کوئی شخص حصہ نہ لے تو اس کو بھی برادری سے باہر کر دیا جاتا ہے اور اگر وہ اپنے اس قصور یعنی گڑ تقسیم نہ کرنے یا حصہ نہ لینے کی معافی چاہے تو برادری اس پر جرمانہ کرتی ہے اور زر جرمانہ وصول کر کے پھر ان کو برادری میں شامل کیا جاتا ہے۔ زید کہتا ہے کہ رسومات مروجہ کو ترک کر دو بری ہیں۔ بکر کہتا ہے کہ اگر ان رسومات کو ترک کرتے ہیں تو برادری کا نظام بگڑتا ہے۔ زید کہتا ہے کہ اگر نظام بگڑتا ہے تو بگڑنے دو۔ بدعات سے تو بچیں گے۔ بکر کہتا ہے کہ یہ حرام تو نہیں ہیں۔ زید کہتا ہے کہ اس میں بوجہ بدعات قوم کی تباہی ہے۔ بکر کہتا ہے کہ ان کو ہم دین میں تھوڑا ہی داخل کر رہے ہیں۔

المستفتی نمبر ۴۲۴ منشی محمد اختر خاں (دہلی) ۲۸ رجب ۱۳۵۳ھ مطابق ۷ نومبر ۱۹۳۴ء

(۴۴۴) **جواب**۔ زید کا خیال صحیح ہے۔ اور جس قوم کی پنچایت بنی ہوئی اور قائم ہے وہ بڑی خوش نصیب ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کی ایک رحمت ہے کہ کسی جماعت کا شیرازہ بندھا ہوا ہو۔ مگر یہ خوش نصیبی اور رحمت اسی صورت میں ہے کہ پنچایت قوم کی دینی و دنیوی فلاح و بہبود پر نظر رکھے۔ اور فیصلے شریعت کے موافق کرے۔ بے شک فضول اور تباہ کن رسمیں اگرچہ فی ذاتہ مباح بھی ہوں مگر ان کے التزام کی وجہ سے قوم اور بالخصوص قوم کے بے مایہ افراد تباہ اور زیر بار ہوتے ہوں واجب الترک ہیں۔ قومی بہبود کے نقطۂ نظر سے ان کو ترک کرانا ضروری ہے۔ اور نظام کیوں بگڑنے لگا؟ جب پنچایت کا فیصلہ ہو کہ فلاں رسم نہ کی جائے اور قوم اس کے فیصلے کے ماتحت اس رسم کو ترک کر دے تو یہ تو نظام کی درستگی اور خوبی ہوگی۔ اس کو نظام کا بگڑنا کون کہہ سکتا ہے؟ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ (دہلی)

سوال

ایک لڑکی کا نکاح حالت نابالغی میں ایک لڑکے کے ساتھ لڑکی کے باپ نے کر دیا۔ عقد نکاح کے بعد لڑکا مجنون ہو گیا۔ اور ڈھائی سال سے مجنون ہے۔ لڑکے کا باپ کہتا ہے کہ اب وہ تزویج کے قابل نہیں۔ لڑکی فسخ نکاح چاہتی ہے۔ فریقین نے فسخ نکاح کے لئے ایک حکم مقرر کیا ہے۔ کیا حکم بغیر تاجیل کے فسخ نکاح کر سکتا ہے؟

المستفتی نمبر ۳۰۳ مولوی محمد عظیم (ضلع میانوالی) ۲۷ شوال ۱۳۵۲ھ مطابق ۱۲ فروری ۱۹۳۴ء

(۲۴۵) **جواب** حکم کو جب فریقین نے رضامندی سے حکم بنایا ہے اور اس کو فسخ نکاح کا اختیار دیا ہے اور زوج مجنون ہے تو حکم دونوں کا نکاح فسخ کر سکتا ہے۔ اور تاجیل کی حاجت نہیں کیونکہ جنون جبکہ ڈھائی سال سے ہے تو جنون مطبق ہے اس میں تاجیل کی ضرورت نہیں ہے۔

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ

دوسرا باب
عہدۂ قضاء اور قاضی کے فرائض

سوال

(۱) مسلمانانِ ہندستان پر مسلمان قاضی مقرر کرنا ضروری ہے یا نہیں اور ہندستان کے مسلمان اگر بطور خود قاضی مقرر کرلیں تو وہ قاضی شرعی ہوگا یا نہیں۔ موجودہ صورتِ حالات میں کہ ہندستان پر حکومت غیر مسلمہ متسلط ہے حکومت غیر مسلمہ سے مسلمان قاضی مقرر کرنے کا مطالبہ کر سکتے ہیں یا نہیں۔ اور حکومت غیر مسلمہ کے مقرر کیے ہوئے قاضی شرعی قاضی ہو سکتے ہیں یا نہیں؟

(۲) جن مسائل میں شرعی قاضی کا فیصلہ ضروری ہے ان میں غیر مسلم حاکم کا فیصلہ اگرچہ قانون شریعت کے موافق بھی ہو کافی ہو سکتا ہے یا نہیں؟

(۳) مثال کے طور پر چند مسائل جن میں مسلمان قاضی کا فیصلہ ضروری ہو بتادیئے جائیں

(۲۴۶) **جواب** (۱) مسلمانوں پر پہلا اہم اور مقدم فرض یہ ہے کہ وہ مسلمان والی مقرر کریں۔ کیونکہ بغیر والی مسلم کے بہت سی اسلامی ضروریات پوری نہیں ہوتیں۔

ثم الاجماع علی ان نصب الامام واجب. والمذھب انه یجب علی الخلق (شرح عقائد ص۱۱۰)

اس بات پر اجماع ہے کہ امام مقرر کرنا فرض ہے۔ اور مذہب اہل سنت کا یہ ہے کہ امام مقرر کرنا مخلوق (مسلمانوں) پر فرض ہے۔

والمسلمون لابد لھم من امام یقوم بتنفیذ احکامھم واقامة حدودھم و

مسلمانوں کے لئے ایک ایسا امام ضروری ہے جو احکام جاری کر سکے اور حدود قائم کر سکے۔ اور

سد ثغورهم وتجهيز جيوشهم واخذ صدقاتهم وقهر المتغلبة والمتلصصة وقطاع الطريق واقامة الجمع والاعياد وقطع المنازعات الواقعة بين العباد وقبول الشهادات القائمة على الحقوق وتزويج الصغار والصغائر الذين لا اولياء لهم وقسمة الغنائم ونحو ذلك من الامور التي لا يتولاها آحاد الامة (العقائد النسفية ص۱۱۱)

سرحدوں کا انتظام اور جیوش مسلمین کی تیاری کر سکتا ہو۔ اور صدقات وصول کرے اور متغلب لوگوں کو دبا سکے۔ چوروں اور ٹھگوں کو مقہور کر سکے۔ جمعہ اور عیدین قائم کرے۔ اور مقدمات کا فیصلہ کرے۔ شہادتیں قبول کرے نابالغوں کا جن کے ولی نہیں ہیں نکاح کر دیا کرے غنائم تقسیم کرے۔ اور اسی قسم کی بہت سی ضرورتیں ہیں جو افراد امت سے پوری نہیں ہو سکتیں۔

ونصبه اهم الواجبات فلذا قدموه على دفن صاحب المعجزات (در مختار) قوله اهم الواجبات اى من اهمها لتوقف كثير من الواجبات الشرعية عليه (رد المحتار ص۵۴۸ ج۱)

امام مقرر کرنا فرائض میں سے اہم فرض ہے۔ اسی وجہ سے صاحب رسالت کے دفن سے پہلے صحابہ کرام نے امام مقرر کر لیا۔ کیونکہ بہت سے واجبات شرعیہ امام پر موقوف ہیں۔

ولو فقد وال لغلبة كفار وجب على المسلمين تعيين وال وامام للجمعة فتح (در مختار)

اگر غلبۂ کفار کی وجہ سے والی مسلم نہ ہو تو مسلمانوں پر فرض ہے کہ ایک والی مسلم اور امام جمعہ مقرر کریں۔

قاضی مقرر کرنے کا اختیار بادشاہ اور امام کو ہے۔ لوگ اگر خود قاضی مقرر کر لیں تو وہ قاضی نہ ہو گا۔ کیونکہ ان کے مقرر کیے ہوئے قاضی کو تنفیذ احکام کا اختیار اور قدرت نہ ہو گی۔

واذا اجتمع اهل بلدة على رجل و جعلوه قاضيا يقضي فيما بينهم لا يصير قاضيا (عالمگیری)

جبکہ کسی شہر کے لوگ متفق ہو کر کسی کو قاضی بنالیں جو فیصلے کیا کرے تو وہ واقعی قاضی نہیں بن جائے گا۔

اذا قلد السلطان رجلا قضاء بلدة

جبکہ بادشاہ کسی شخص کو کسی شہر کا قاضی

كذا لا يصير قاضيا في سواد تلك البلدة مالم يقلد قضاء البلدة ونواحيها (عالمگیری)

مقرر کرے تو وہ شخص مضافات شہر کا قاضی نہ ہوگا جب تک کہ بادشاہ شہر اور مضافات کی قضا پر نہ کرے۔

الا اذا كان لم يصلح له الا رجل واحد تعين هو لاقامة هذه العبادة فصار فرض عين عليه الا انه لابد من التقليد فاذا قلد افترض عليه القبول۔ (بدائع باختصار)

جبکہ شہر میں قضا کے لائق ایک ہی شخص ہو تو فریضۂ قضا ادا کرنے کے لئے وہ متعین ہے اور قضا اس پر فرض عین ہے۔ مگر بادشاہ کی طرف سے قاضی بنایا جانا ضروری ہے۔ تو جبکہ اسے قاضی بنایا جائے تو قبول کرنا اس پر فرض ہے۔

واذا لم يكن سلطان ولا من يجوز التقلد منه كما هو في بعض بلاد المسلمين غلب عليهم الكفار كقرطبة۔ الآن يجب على المسلمين ان يتفقوا على واحد منهم يجعلونه واليا فيولى قاضيا ويكون هو الذى يقضى بينهم الخ (شامی نقلا عن النهر ناقلا عن الفتح)

اور جبکہ بادشاہ اسلام اور ایسا مسلم حاکم جو قاضی مقرر کر سکتا ہے نہ ہو جیسے کہ مسلمانوں کے بعض شہروں میں جن پر کفار غالب ہو گئے ہیں مثل قرطبہ کے آجکل ہے تو مسلمانوں پر واجب ہے کہ متفق ہو کر کسی مسلمان کو والی مقرر کریں اور وہ والی قاضی کا تقرر کرے اور قاضی مسلمانوں کے فیصلے کیا کرے۔

اگر بادشاہ مسلمان نہ ہو اور مسلمان بھی کوئی والی مسلم مقرر نہ کر سکیں تو بحالت مجبوری مسلمانوں کو حق ہے کہ غیر مسلم بادشاہ سے مسلمان قاضی مقرر کرنے کا مطالبہ کریں۔ ایسی حالت میں غیر مسلم بادشاہ کے مقرر کیے ہوئے مسلمان قاضی شرعی ہو سکتے ہیں۔ بشرطیکہ قاضی کو تنفیذ احکام کا اختیار ہو۔ اور مسائل شرعیہ کے موافق فیصلہ کرنے سے روکا نہ جائے۔

ويجوز تقلد القضاء من السلطان العادل والجائر ولو كافرا (در مختار) فى التتارخانية الاسلام ليس بشرط

منصب قضا قبول کرنا سلطان عادل اور ظالم کی طرف سے جائز ہے۔ اگرچہ بادشاہ کافر ہو (در مختار) تاتارخانیہ میں ہے کہ قاضی مقرر کرنے والے بادشاہ

فیہ ای فی السلطان الذی یقلد (ردالمحتار) الا اذا کان یمنع عن القضاء بالحق فیحرم (درمختار) ولکن انما یجوز تقلد القضاء من السلطان الجائر اذا کان یمکنہ من القضاء بحق ولا یخوض فی قضایاہ بشر ولا ینہاہ عن تنفیذ بعض الاحکام کما ینبغی اما اذا کان لا یمکنہ من القضاء بحق ویخوض فی قضایاہ بشر ولا یمکنہ من تنفیذ بعض الاحکام کما ینبغی لا یتقلد منہ (الفتاوی العالمگیریہ ص۳۰۷ ج۳) لکن اذا ولی الکافر علیہم قاضیاً ورضیہ المسلمون صحت تولیتہ بلاشبھۃ (ردالمحتار)

کا مسلمان ہونا (صحت قضاء کے لئے لازمی) شرط نہیں ہے۔ مگر جبکہ بادشاہ (خواہ غیر مسلم ہو یا ظالم) قاضی کو فیصلہ حق سے روکے تو حرام ہے۔ لیکن بادشاہ ظالم (خواہ غیر مسلم ہو یا مسلم) سے منصب قضا ایسی حالت میں قبول کرنا جائز ہے کہ بادشاہ قاضی کو حق کے موافق فیصلے صادر کرنے کی قدرت دے دے اور اس کے فیصلوں میں ناحق دخل نہ دے اور اس کو بعض احکام کی تنفیذ مناسب سے نہ روکے اگر بادشاہ قاضی کو حق فیصلہ کرنے دے یا اس کے فیصلوں میں ناحق دخل دے یا بعض احکام کی تنفید مناسب نہ کرنے دے تو قضا قبول نہ کرنا چاہیئے۔ لیکن جب کافر بادشاہ کوئی قاضی مقرر کردے اور مسلمان اس پر رضامندی ظاہر کردیں تو یہ تقرر بلاشبہ درست ہے۔

(۲) غیر مسلم کو قاضی بنانا درست نہیں۔ کیونکہ قضا کے شرائط میں سے یہ شرط بھی ہے کہ قاضی مسلمان ہو۔ پس غیر مسلم حکام قاضی شرعی کے قائم مقام نہیں ہوسکتے۔ اور ان کا فیصلہ ضرورت شرعیہ کو پورا نہیں کرسکتا۔

ولا تصح ولایۃ القاضی حتی یجتمع فی المولی شرائط الشھادۃ کذا فی الھدایۃ من الاسلام والتکلیف والحریۃ الخ (عالمگیری) الصلاحیۃ للقضاء لہا شرائط۔ منہا العقل ومنہا البلوغ و منہا الاسلام ومنہا الحریۃ الخ (بدائع)

قاضی کو قاضی بنانا صحیح نہیں جب تک اس میں شہادت کے شرائط نہ پائے جائیں۔ یعنی مسلمان ہونا مکلف ہونا۔ آزاد ہونا وغیرہ

صلاحیت منصب قضا کے لئے چند شرطیں ہیں۔ ان میں سے عاقل ہونا اور بالغ ہونا اور مسلمان ہونا اور آزاد ہونا الخ ہے۔ (بدائع)

یوں تو مسلمانوں کے تمام نزاعات کے لئے ضروری ہے کہ مسلمان حاکم ان کو فیصل کرے۔ لانہ لاولایۃ لکافر علی مسلم لیکن نزاعات کی ایک قسم تو ایسی ہے کہ ان کے لئے قاضی مسلم بااختیار کا ہونا اشد ضروری ہے جس کے نہ ہونے کی وجہ سے بہت سی اسلامی ضرورتیں معطل ہی نہیں بلکہ مسلمان سخت مواخذات شرعیہ میں مبتلا ہوتے ہیں۔ صرف مثال کے طور پر اس قسم کے چند مسائل ذکر کیے جاتے ہیں :-

(۱) آجکل بسا اوقات کسی عورت کا خاوند مفقود ہو جاتا ہے اور عورت بھی نوعمر اور محتاج ہوتی ہے۔ متاخرین حنفیہ کے فتوی کے بموجب اس کے لئے گنجائش ہے کہ وہ اپنی طبعی اور مالی مشکلات سے گلوخلاصی کی سبیل بہم پہنچائے۔ لیکن اس کی تکمیل بغیر قاضی مسلم کے فیصلے اور حکم کے نہیں ہو سکتی ہزاروں عورتیں اس مصیبت میں مبتلا ہیں اور موجودہ حکومت کا قانون ان کی مصیبت رفع کرنے کے لئے ناکافی۔ اور قاضی مسلم کا نہ ہونا ان تمام مصائب کا ذمہ دار ہے۔

(۲) بہت سی نابالغہ لڑکیوں کا نکاح ان کے ولی کر دیتے ہیں۔ نکاح شرعاً درست ہو جاتا ہے، مگر لڑکی کو بلوغ کے وقت اختیار ہوتا ہے کہ وہ نکاح کو باقی رکھے یا فسخ کرادے۔ مگر فسخ کے لئے قاضی کا حکم ضروری ہے۔ اور بغیر قاضی شرعی کے حکم کے نکاح منفسخ نہیں ہوتا موجودہ عدالتوں کے غیر مسلم حاکم اگر فسخ بھی کر دیں تو شرعاً ایسے فسخ کا اعتبار نہیں۔

(۳) بہت سے جاہل مسلمان اپنی بیوی پر بیجا زنا کی تہمت لگا کر اسے کس مپرسی کے عالم میں چھوڑ دیتے ہیں۔ شریعت مقدسہ اسلامیہ نے ایسی صورت میں اس کا علاج لعان مقرر کیا ہے لیکن لعان کے لئے قاضی مسلمان ہونا ضروری ہے۔ بغیر قاضی مسلمان کے لعان کرائے ہوئے اس مشکل کا کوئی حل نہیں۔

(۴) اسی طرح کوئی شریف اپنی بیوی کو بدچلنی میں مبتلا پائے، اس کی سبیل بھی لعان ہے جس کے لئے قاضی مسلم ضروری ہے۔

(۵) اگر کوئی جاہل اپنی ساس کے ساتھ ناجائز حرکت کرے تو اس کی بیوی اس پر حرام ہو جاتی ہے۔ لیکن ان دونوں میں تفریق قاضی شرعی کر سکتا ہے۔ اور اس کے نہ ہونے کی وجہ سے بسا اوقات عورتیں سخت گناہ میں مبتلا رہتی ہیں اور کوئی چارۂ کار نہیں پاتیں۔

(۶) بہت سی عورتوں کو ان کے خاوند معلقہ کر کے چھوڑ دیتے ہیں. نان نفقہ نہیں دیتے اور کسی طرح راہ راست پر نہیں آتے۔ ایسے وقت شرعاً بعض ائمہ کے مذہب کے موافق قاضی تفریق کر سکتا ہے. لیکن قاضی شرعی نہ ہونے کی وجہ سے ہزاروں عورتیں مبتلائے عذاب ہیں۔ اگر غیر مسلم تفریق کا حکم بھی کر دے تاہم نکاح منفسخ نہ ہوگا۔

(۷) اگر عورت کو مرد نے طلاق نہیں دی ہے مگر عورت نے طلاق دے دینے کا دعوی کر دیا اور گواہ پیش کر دیئے اور موجودہ عدالت نے طلاق تسلیم کر کے تفریق کا حکم کر دیا، تو یہ حکم شرعی عدالت نہ ہونے کی وجہ سے کالعدم ہے۔ البتہ شرعی عدالت ہوتی اور قاضی مسلم یہ حکم کرتا تو درست ہو جاتا اور عورت بعد عدت دوسرا نکاح کر لیتی تو زنا کے گناہ میں گرفتار نہ ہوتی۔

(۸) عنین کے معاملے میں اور مجنون کے معاملے میں قاضی شرعی کا فیصلہ ضروری ہے. غیر مسلم حاکم اگر نکاح کو فسخ بھی کر دیں جب بھی شرعاً وہ منفسخ نہیں ہوتا. اور زوجین یا دونوں میں سے ایک گناہ کے مرتکب ہوتے ہیں۔

(۹) رمضان شریف کے چاند دیکھنے عید کے چاند دیکھنے کی شہادت قبول کرنا اور صوم یا فطر کا حکم دینا قاضی مسلم کا کام ہے جس کے نہ ہونے سے بہت سے جھگڑے پیدا ہو جاتے ہیں۔

اسی طرح اور بہت سے مسائل ہیں جن کا شرعی فیصلہ مسلمان قاضی پر موقوف ہے. واللہ اعلم

محمد کفایت اللہ غفرلہٗ

سوال

قضاءت از روئے شرع شریف خاندانی حق یا ورثہ (ترکہ) ہے یا نہیں؟ (۲) اگر ورثہ ترکہ نہیں ہے تو شرعی قانون کے مطابق قاضی بنانے کا حق ہندوستان جیسے مقام میں کس کو ہے؟ (۳) کیا غیر مسلم حاکم بغیر رضامندی جماعت مسلمین قاضی کسی کو مقرر کر سکتا ہے؟ (۴) قاضی کیسے آدمی کو بنانا افضل ہے؟ اس کی افضلیت کے کیا کیا اوصاف ہیں؟ (۵) شرعی قاضی کی موجودگی میں منصب امامت صلوۃ جمعہ وغیرہ و اقامت جمعہ واعیاد وغیرہ دوسرے کو شرعاً حاصل ہے یا نہیں؟

المستفتی نمبر ۱۳۴۶ عبد المجید صاحب (مدراس) ۲۷ ذیقعدہ ۱۳۵۵ھ مطابق ۱۰ فروری ۱۹۳۷ء

(۲۴۷) **جواب** (۱) عہدہ قضا کا استحقاق صرف وراثت کے طور پر نہیں ہوتا بلکہ صلاحیت و

استعداد لازم ہے۔ ہاں صلاحیت اور استعداد رکھنے والے متعدد شخصوں میں سے اس کو ترجیح دی جائے جو قاضی سابق کا فرزند یا قریب ہو۔ لیکن قاضی سابق کے فرزند یا قریب میں صلاحیت اور اہلیت نہ ہو تو اجنبی کو جو صلاحیت اور اہلیت رکھتا ہو مقدم رکھا جائے گا۔

(۲) قاضی بنانے کا حق مسلمان حاکم کو ہے۔ اور مسلمان حاکم نہ ہو تو مسلمانوں کی جماعت کو۔ اگر غیر مسلم حاکم کسی کو بشرط رضامندی جماعت مسلمین قاضی بنادے تو یہ بھی درست ہے۔

(۳) جماعت مسلمین کی رضامندی کے بغیر اگر غیر مسلم حاکم کسی کو قاضی بنادے تو وہ قاضی صحیح قاضی نہ ہوگا اگرچہ قانوناً قاضی قرار دے دیا جائے۔

(۴) ہندوستان میں قاضی اپنے اصلی مفہوم کے لحاظ سے قاضی نہیں بنائے جاتے بلکہ صرف نکاح پڑھانے اور عیدین کی امامت وغیرہ جیسے کام ان کے سپرد ہوتے ہیں۔ اس لحاظ سے ہر نیک اور صالح پڑھا لکھا آدمی قاضی بنایا جاسکتا ہے۔

(۵) آجکل تو شرعی قاضی کی خدمات یہی ہیں۔ اور جب ایسا شخص موجود ہو جو شرعی طور پر ان خدمات کی اہلیت رکھتا ہے اور یہ خدمات اس کو تفویض کی گئی ہیں تو دوسرے کسی شخص کو اس کی اجازت کے بغیر یہ کام نہ کرنے چاہئیں۔ فقط محمد کفایت اللہ کان اللہ لہٗ دہلی

الجواب صحیح۔ فقیر محمد یوسف دہلوی۔

سوال

اگر زوجین میں تفریق کی ضرورت ہو تو اس ملک میں کون تفریق کرسکتا ہے؟ کیونکہ حاکم وقت نصاریٰ کی طرف سے کوئی قاضی مقرر نہیں ہے اور مسلمانوں کی تراضی و اتفاق سے بھی کسی کو منصب قضا نہیں ملا ہے۔ بعض علما حدیقہ ندیہ شرح طریقہ محمدیہ کی عبارت، واذا اخلا الزمان من سلطان ذی کفایۃ فالامور موکلۃ الی العلماء ویجب علی الامۃ الرجوع الیہم ویصیرون ولاۃ فاذا عسر جمعہم علی واحد استقل کل قطر باتباع علمائہ فان کثروا فالمتبع اعلمہم فان استووا اقرع بینہم سے ہر عالم کو قاضی تصور کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہر ذی علم اس وقت اس ملک میں تفریق کرسکتا ہے۔ حاکم وقت نصاریٰ کی طرف سے جو جج یا مجسٹریٹ یا اکسٹرا اسسٹنٹ ہیں اگر یہ علوم شریعۃ سے واقف ہوں اور مسلمان ہوں تو قاضی کے قائم مقام ہوسکتے ہیں

یا نہیں ؟ بینوا توجروا۔

(۲۴۸) **جواب** ہاں ضرورۃً انگریزی عدالتوں کے مسلم جج یا منصف قائم مقام قاضی شرعی کے ہو سکتے ہیں۔ کیونکہ ان کو حکومت کی طرف سے معاملات مخصوصۂ اہل اسلام مثل طلاق، نکاح میراث وغیرہ میں احکام شرعیہ کے موافق فیصلہ کرنے کا اختیار دیا گیا ہے۔ حدیقہ ندیہ کی جو عبارت سوال میں مذکور ہے وہ یا تو دیانات پر محمول ہے کہ دیانات میں آجکل علماء بضرورت قائم مقام قاضی کے سمجھے جا سکتے ہیں۔ لیکن فصل خصومات میں چونکہ گورنمنٹ کی طرف سے علما کو کوئی اختیار نہیں دیا گیا ہے اس لئے خصومات میں ان کا کوئی فیصلہ معتبر نہیں۔ یا اس عبارت کا مفہوم یہ ہوگا کہ جہاں مسلمان حکام نہ ہوں وہاں کے مسلمانوں پر واجب ہے کہ اپنے علماء کو اپنے فصل خصومات کے لئے والی بنالیں اور اگر مسلمان ایسا کرلیں تو بیشک ان علما کا فیصلہ معتبر ہوگا۔ لیکن جب تک مسلمان ایسا نہ کریں اس وقت تک علما قائم مقام ولاۃ احکام نہیں ہو سکتے۔ واللہ اعلم

سوال

(۱) جو اَن پڑھ خاندانی قاضی کہ عیدین کی نماز کے لئے مع باجے کے گھوڑے پر سوار ہو کر عید گاہ جاتا ہو اور ڈاڑھی منڈاتا ہو اور احکام شرعی پر آبائی رواج کو مقدم رکھتا ہو اور مسائل دینیہ سے بالکل نابلد ہو اور تارک صوم و صلوٰۃ ہو اور بدعت کے کاموں کو رواج دیتا ہو اور تعزیہ کے سامنے لوبان وغیرہ جلاتا ہو اور تعزیہ داروں کا حامی ہو ایسے شخص کو قاضی سمجھنا اور اس کے پیچھے نماز پڑھنا اور اس سے نکاح پڑھوانا اور اس کی حمایت کرنا کیسا ہے؟ (۲) ایسے قاضی کے مکان پر علماء کو امور شرعیہ کے تصفیہ کے لئے جانا درست ہے یا نہیں؟ (۳) اور اس کے مکان کو محکمۂ شرعیہ سمجھنا کیسا ہے؟ (۴) جو شخص کہ باوجود ذی علم ہونے کے مسلمانوں میں تفرقہ ڈالتا ہو اور محرم میں لونڈے نچانے والوں اور مرثیہ سنانے والوں کا معاون و مددگار ہو بلکہ خود اس مجلس میں شریک ہوتا ہو اور رنڈیوں کا ناچ دیکھتا ہو اور محرم الحرام میں عناصر الشہادتین جیسی غیر معتبر کتاب کا واعظ ہو اور اسے خوب منہ بنا بنا کر پڑھتا ہو کہ سننے والے خوب روئیں اور یہ سمجھتا ہو کہ سامعین جتنا روئیں گے زیادہ ثواب ملے گا۔ اور ہتک حرمت اہل بیت کا مرتکب ہو اور باوجود حکم شرعی دیکھ لینے کے بھی باز نہ آتا ہو اور علمائے محققین کے فتوی کو جو ادلۂ شرعیہ کے موافق ہو محض اپنی ضد اور نفسانیت سے نہ مانتا ہو

ایسے شخص کی گواہی شرعاً مقبول ہے یا نہیں؟ (۵) جو مولوی کہ بزرگوں کے عرس مروجہ فی العوام میں جہاں رنڈیوں کا ناچ وغیرہ لہو ولعب ہوتا ہو چندہ دے اور لوگوں سے چندہ وصول کرائے اور ترغیب دے وہ کیسا ہے؟ (۶) جو مولوی بایں خیال کہ عوام مجھ سے بدظن ہو جائیں گے۔ میری بے قدری ہوگی اور روزی میں نقصان پہنچے گا حق بات کو چھپائے اور معلوم ہو کر فتوی نہ دے، وہ کیسا ہے؟ اور ایسے شخص سے فتوی پوچھنا کیسا ہے؟ (۷) ممنوعات شرعیہ سے روکنے والے علما کو سخت سست کہنا اور ان کی ہتک عزت کے درپے ہونا کیسا ہے؟

المستفتی فقیر بلدار خاں المقلب بہ نبی بخش چشتی عفی عنہ (مالی گاؤں)

(۲۴۹) **جواب**۔ جس شخص میں یہ باتیں ہوں کہ ڈاڑھی منڈاتا ہو اور ناجائز باجے کے ساتھ عید گاہ کو نماز کے لئے جاتا ہو۔ احکام شرعیہ پر رواج کو مقدم رکھتا ہو تارک صوم وصلوۃ ہو۔ تعزیہ پر لوبان جلاتا ہو۔ تعزیہ داروں کی اس بدعت میں حمایت کرتا ہو وہ فاسق ہے اور ہرگز قاضی بننے کے لائق نہیں ہے۔ (۲ و ۳) ایسے شخص کو قاضی بنانا اور اس کے پاس فیصلے کے لئے جانا جائز نہیں اور اس کے مکان کو محکمۂ شرعیہ سمجھنا خطا ہے۔ (۴) یہ شخص بھی فاسق اور مردود الشہادۃ ہے۔ (۵) ایسے عرسوں میں جہاں رنڈیوں کا ناچ ہو اور محرمات و منکرات کا مجمع ہو جیسا آجکل اکثر عرسوں میں ہوتا ہے جائے اور چندہ دے دلائے وہ بھی فاسق اور دین کو تباہ کرنے والا ہے۔ (۶) ایسا مولوی بھی فاسق ہے۔ (۷) عالم باعمل متبع شریعت کو برا کہنا اور اس کی توہین کرنا سخت گناہ ہے اور بسا اوقات یہ بات کفر تک پہنچا دیتی ہے۔ واللہ اعلم

محمد کفایت اللہ غفرلہ مدرس مدرسہ امینیہ سنہری مسجد دہلی

الجواب صحیح۔ عزیز الرحمن عفی عنہ مفتی مدرسہ عربیہ دیوبند۔ ۷ر شعبان ۱۳۳۳ھ

تیسرا باب

دعوی اور گواہی

سوال

رمضان المبارک کی انتیس تاریخ کو ٹیلی فون پر چار معتبر عادل گواہوں نے شہادت دی

کہ ہم نے ہلال فطر دیکھا ہے۔ ان چار آدمیوں کو اور ان کی آوازوں کو میں خوب اچھی طرح جانتا اور پہچانتا ہوں۔ جبکہ تمام کاروباری اور خانگی امور میں ٹیلی فون پر ان لوگوں کا اعتبار کیا جاتا ہے تو چاند کی گواہی کیوں نہ معتبر سمجھی جائے۔ اور اب تو یہ معلوم ہوا ہے کہ آیندہ ٹیلی فون پر گفتگو کرنے والے کا فوٹو بھی سامنے آجایا کرے گا۔ اگرچہ اب تک رائج نہیں ہے۔ موجودہ شکل میں اور جو آیندہ آنے والی ہے کچھ فرق ہے یا نہیں؟

المستفتی ۲۸۶ مولنا حکیم محمد ابراہیم صاحب رانذیر ضلع سورت۔ ۶ صفر ۱۳۵۳ھ مطابق ۲۱ مئی ۱۹۳۴ء

(۲۵۰) **جواب**۔ ٹیلی فون کی حیثیت اگرچہ ٹیلی گراف سے مختلف ہے لیکن شہادت کے موقع پر دونوں کا حکم شرعی ایک ہے۔ جس طرح کہ تار کے ذریعے سے شہادت ادا نہیں کی جاسکتی اسی طرح ٹیلی فون بھی ادائے شہادت کے لئے مفید و مقبول نہیں۔ قانونی عدالتیں بھی تار یا ٹیلی فون پر شہادت قبول نہیں کرتیں۔ اگر آئندہ فون پر بات کرنے والے کا فوٹو بھی سننے والے کے سامنے آجائے جب بھی باب شہادت میں وہ ناقابل اعتبار رہے گا۔ تمام کاروبار کا اس پر مدار ہونا اور روزانہ لوگوں کا تجارتی اور نجی کاموں میں اس کو معتبر سمجھنا اس کے لئے کافی نہیں کہ شہادت میں بھی اس پر اعتبار کیا جائے۔ جیسے کہ حکومت ہند کے اہم سے اہم کام تار کے ذریعے سے انجام پاتے ہیں لیکن ایگزیکیوٹو (انتظامی) صیغہ میں تار پر بھروسہ کرنے کے باوجود جوڈیشل (عدالتی) صیغہ اس کو معتبر نہیں سمجھتا۔

ہاں جبکہ کثرت تار یا ٹیلی فون کی وجہ سے کسی کو خبر کا یقین ہو جائے تو وہ شخصی طور پر عمل کے لئے کافی ہو سکتا ہے۔ لیکن حکم کے لئے کافی نہیں۔ کیونکہ اس پر رویت ہلال یا افطار یا عید کا عام حکم نہیں دیا جاسکتا۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہٗ

سوال

ایک قوم قلیل التعداد تمام واقعات صحیحہ کے معلومات ہونے کے باوجود شہادت حقہ کا کتمان کرتی ہے اقرار صحیحہ سے سبکدوش نہیں ہوتی اور ایک مظلوم جو کہ عالمانہ حیثیت میں ہے فریب و دغابازی سے مبرا اور پاک ہے اس کی مظلومیت محفوظ نہیں رکھتی ایسی قوم کے لئے عنداللہ کیا سزا ہے اور باشندگان شہر کو از روئے شریعت ایسی قوم کے ساتھ کیسا برتاؤ رکھنا چاہیئے؟

المستفتی نمبر ۲۰۸۸ مولانا عبدالرحیم صاحب (چھاؤنی نیمچہ) ۲۹ رمضان ۱۳۵۶ھ مطابق ۴ دسمبر ۱۹۳۷ء

(۲۵۱) **جواب** ایسی شہادت کا کتمان کرنا جس سے حقوق العباد ضائع ہوں حرام ہے۔
محمد کفایت اللہ کان اللہ لہٗ دہلی۔

سوال

(۱) گورنمنٹ کسی شخص کو کسی کام کے لئے بلاتی ہے تو اس کو طلبانہ یعنی خوراک و کرایہ دیتی ہے اس کا لینا عند الشرع جائز ہے یا نہیں۔ اسی طرح اگر کوئی بھائی شہادت کے لئے لے جائے تو وہ بھی طلبانہ دیتا ہے اس کا کیا حکم ہے؟ (۲) اگر کوئی شخص کسی شخص کو شہادت کے لئے یا کسی اور کام کے لئے دوسری جگہ ضلع یا تحصیل میں لے جائے تو اس شخص کو اپنے کام کے چھوٹنے کا حرجانہ لینا جائز ہے یا نہیں؟ اگر لے سکتا ہے تو کس مقدار تک لے سکتا ہے؟ (۳) اگر کوئی نمبردار دیہی عدالت میں موجود ہو اور کوئی شخص اس سے چال چلن یا حیثیت کی تصدیق کرائے تو اس سے حیثیت یا چال چلن کی تصدیق کرانے کے عوض کرایہ خوراک لینا جائز ہے یا نہیں؟ (۴) رشوت کی مفصل تعریف کیا ہے کہ جس سے رشوت و غیر رشوت میں امتیاز ہو سکے۔ (۵) اگر کسی شخص کی صرف زبانی کوشش سے کسی کا کام ہو سکتا ہے تو اس کے عوض کچھ لینا جائز ہے یا نہیں؟

المستفتی نمبر ۲۱۰ عبد المجید خاں نمبردار روہتک ۷ شوال ۱۳۵۶ھ مطابق ۱۱ دسمبر ۱۹۳۷ء

(۲۵۲) **جواب** (۱) گورنمنٹ سے طلبانہ و خوراک لینا جائز ہے۔ شہادت اگر شرعی شہادت ہو تو اس پر اجرت و خوراک نہیں لینا چاہئے۔ (۲) صرف کرایہ آمد و رفت لے سکتا ہے بشرطیکہ شرعی شہادت ہو۔ (۳) نہیں چاہئے۔ (۴) جو کام کہ خود اس پر کرنا لازم ہے اس کے کرنے پر اجرت لینا یا حق کو رشوت لے کر ناحق کر دینا یہ رشوت ہے۔ (۵) اس میں تفصیل ہے۔ خاص صورت ظاہر کر کے اس کا حکم دریافت کرو۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہٗ دہلی

سوال

ہندو کی شہادت شریعت میں معتبر ہے یا نہیں؟ از روئے شریعت ہندو کی گواہی ماننا چاہئے یا نہیں؟ المستفتی نمبر ۲۳۰ عبد الشکور صاحب (الہ آباد) ۱۲ ربیع الثانی ۱۳۵۷ھ مطابق ۱۲ جون ۱۹۳۸ء

(۲۵۳) **جواب** ہندو کی گواہی ہندو کے لئے معتبر ہوگی۔ مسلمان کے خلاف ہندو کی گواہی مقبول نہ ہوگی۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہٗ۔ دہلی

سوال

اگر کوئی شخص اپنی بی بی کو طلاق دے یا خرید و فروخت کرے تو اس کی طلاق کی یا بیع کی شہادت دینا جائز ہے یا نہیں ؟

المستفتی نمبر ۲۶۳۹ محمد خاں صاحب (آگرہ) ۳ جمادی الثانی ۱۳۵۹ھ مطابق ۳۰ جولائی ۱۹۴۰ء

(۲۵۴) **جواب**۔ طلاق یا بیع کی شہادت دینا نہ صرف جائز بلکہ بعض صورتوں میں واجب ہے۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہٗ۔ دہلی۔

سوال

گواہ کو اپنی گواہی دینے کی اجرت لینی جائز ہے یا نہیں یعنی طلبانہ جو دیا جاتا ہے یا اور کسی قسم کی چیز بطور مزدوری وغیرہ۔

المستفتی نمبر ۲۶۶۶ مولانا محمد یوسف صاحب فقیر دہلوی۔ ۵ ربیع الثانی ۱۳۶۰ھ مطابق ۸ اپریل ۱۹۴۱ء

(۲۵۵) **جواب**۔ قانون شہادت انگریزی کے ماتحت جن گواہوں کے نام سمن نکلوائے جاتے ہیں اور عدالت میں طلب کرلیا جاتا ہے وہ سب شرعی طور پر شاہد نہیں ہوتے۔ تو جو گواہ شرعی طور پر شہادت کے لئے طلب کیا جائے اس کو شہادت کی اجرت لینا ناجائز ہے۔ لیکن وہ گواہ جس کو شرعی شہادت کے لئے طلب نہیں کیا گیا بلکہ خواہ مخواہ انگریزی قانون شہادت کے بل پر طلب کرلیا گیا ہے وہ شرعاً شاہد نہیں اور وہ اپنے وقت کی اجرت لے سکتا ہے۔

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہٗ دہلی

سوال

ڈاڑھی منڈانے والے کی شہادت یا وکالت شادی کے موقعہ پر جائز ہے یا نہیں ؟ اسی طرح ایسے شخص کی رمضان المبارک کا چاند دیکھنے کی گواہی لینا جائز ہے یا نہیں ؟

المستفتی نمبر ۲۴۷۲ شیخ اعظم شیخ معظم (دھولیہ ضلع مغربی خاندیس) ۸ صفر ۱۳۵۸ھ مطابق ۳۰ مارچ ۱۹۳۹ء

(۲۵۶) **جواب** ڈاڑھی منڈانے والے کی شہادت یا وکالت سے نکاح منعقد ہو جاتا ہے۔ مگر لازم ہے کہ ایسے لوگوں کو شاہد یا وکیل نہ بنایا جائے۔

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہٗ۔ دہلی۔

سوال

مشکور علی خاں بالغ بولایت اپنے باپ اسد علی خاں کے اپنا نکاح مسماۃ سلطان زمن بیگم نابالغہ کے ساتھ بولایت اس کے باپ محمد ظہیر الدین خاں کے ظاہر کرتا ہے۔ اور محمد عبدالغنی خاں بولایت اپنے باپ حاجی عبدالوہاب کے اپنا نکاح مسماۃ سلطان زمن بیگم کے ساتھ بولایت اس کے باپ محمد ظہیر الدین خاں کے ظاہر کرتا ہے۔ اور مسماۃ سلطان زمن بیگم کا باپ محمد ظہیر الدین خاں اپنے حلفیہ بیان میں رو بروئے عدالت بیان کرتا ہے کہ میں نے اپنی دختر مسماۃ سلطان زمن بیگم کا نکاح محمد عبدالغنی خاں ولد حاجی عبدالوہاب کے ساتھ کیا ہے۔ مشکور علی خاں کے ساتھ نہیں کیا۔

اب عبدالغنی خاں اثبات نکاح کا عدالت دہلی میں دعویدار ہے جس میں مشکور علی خاں مدعا علیہ ہے۔ اور مشکور علی خاں اثبات نکاح کا عدالت ریاست رامپور میں دعویدار ہے جس میں محمد عبدالغنی خاں مدعا علیہ نہیں ہے۔

سوال یہ ہے کہ عبدالغنی خاں کو ازروئے شرع شریف مدعا علیہ بنانا چاہئے یا نہیں؟ کیونکہ خوف یہ ہے کہ عدم موجودگی عبدالغنی خاں میں اگر مشکور علی خاں کامیاب ہو جائے تو اس نکاح کا کیا حال ہوگا جس میں عبدالغنی خاں کو مدعا علیہ ریاست رامپور نے نہیں بنایا۔

(۲۵۷) **جواب**۔ مشکور علی خاں کے دعوی کا تعلق صرف سلطان زمن کے ساتھ نہیں بلکہ نکاح کے دوسرے دعویدار عبدالغنی خاں سے بھی ہے۔ کیونکہ وہ بھی سلطان زمن کے نکاح کا مدعی ہے اس لئے مشکور علی خاں کو اپنے اثبات دعوی کے لئے ضروری ہے کہ وہ عبدالغنی خاں کو بھی مدعا علیہ قرار دے۔ اور اس کے ولی کے رو برو اپنی شہادت و ثبوت وغیرہ پیش کرے۔

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ۔ مدرس مدرسہ امینیہ دہلی

سوال

زید نے خالد کو یہ الزام دیا کہ اے خالد تو نے اپنی منکوحہ ہندہ کو میرے سامنے تین طلاقیں دیں۔ اور خالد و ہندہ سراسر انکار کرتے ہیں۔ زید اور خالد نے فیصلے کے لئے ایک قاضی صاحب پر اتفاق کیا مگر ہندہ نے سراسر انکار کیا اور کہا کہ یہ قاضی صاحب ضرور میرے خلاف فیصلہ کریں گے زید و خالد فیصلے کے لئے قاضی صاحب کے پاس حاضر ہوئے۔ زید نے بحیثیت مدعی ہونے کے

دعوی کیا کہ خالد نے میرے روبرو اپنی منکوحہ ہندہ کو تین طلاق دیں اور خالد نے اس دعوی سے انکار کیا۔ قاضی صاحب نے مدعی سے شہادۃ کا مطالبہ کیا۔ مدعی نے دو گواہ پیش کیے۔ قاضی صاحب نے خالد سے سوال کیا کہ ان دو گواہوں کی شہادۃ پر جو فیصلہ مرتب ہوگا وہ تجھے منظور ہے یا نہیں؟ خالد نے کہا اگر فلاں گواہ مسمی بکر حلف اللہ کہہ کر شہادۃ دے تو مجھے منظور ہے۔ قاضی صاحب نے گواہ مسمی بکر کو کہا کہ زید نے جو دعوی کیا ہے اس دعوی کے ثبوت کے لئے قسم اٹھا کر تو شہادۃ دینے کے لئے تیار ہے یا نہیں؟ بکر گواہ نے کہا کہ پہلے خالد قسم اٹھائے کہ میں نے ہندہ کو تین طلاق نہیں دیں۔ تب میں قسم اٹھاؤں گا۔ لیکن قاضی نے بکر کو کہا کہ مدعا علیہ کا حق قسم کھانے کا نہیں ہے لہذا قسم تمھیں ہی اٹھانی پڑے گی۔ بیان بکر ہے کہ واللہ باللہ تعالیٰ خالد نے میرے سامنے ہندہ منکوحہ کو تین طلاق دیں۔ بیان گواہ مسمی عمرو کہ خالد نے میرے سامنے منکوحہ کو تین طلاق دیں۔ اگر میری شہادۃ کاذبہ ہو تو میری منکوحہ مجھ پر طلاق ہے۔ قاضی صاحب نے فیصلہ سنا دیا کہ خالد کی منکوحہ ہندہ کو تین طلاق۔ خالد پر حرام ہے۔

اب علمائے اسلام کا آپس میں اختلاف ہو گیا اکثر علما کی یہ رائے ہے کہ قاضی صاحب کا فیصلہ نافذ نہیں ہوا۔ المستفتی نمبر ۱۷۵۱ مرزا خاں ۷ رجب ۱۳۵۶ھ مطابق ۱۳ ستمبر ۱۹۳۷ء

(۲۵۸) **جواب**۔ کسی شخص کا یہ کہنا کہ فلاں شخص نے اپنی بیوی کو طلاق دی ہے، جب کہ زوج اور زوجہ دونوں طلاق کے منکر ہوں، یہ دعوی نہیں ہے۔ کیونکہ دعوی اپنا حق طلب کرنے کا نام ہے۔ اور ظاہر ہے کہ یہ اجنبی اس اخبار میں اپنا کوئی حق طلب نہیں کر رہا بلکہ ایک حق اللہ یعنی حرمت زوجہ علی زوجہا کی خبر دے رہا ہے جو حقیقۃً شہادۃ ہے۔ پس اس کا یہ قول دعوی قرار نہیں دیا جا سکتا۔ اور اس بنا پر اس کا یہ قول غیر مجلس قضا میں لغو ہے۔ اور اس لغو قول کی وجہ سے یہ خصم نہیں بن سکتا۔ اور جب یہ خصم نہیں ہوا تو اس کی اور زوج کی جانب سے تحکیم صحیح نہیں ہوئی۔ کیونکہ تحکیم خصمین کی طرف سے ہوتی ہے۔ اور صورت مسئولہ میں خصمین کا وجود ہی نہیں ہوا پس حَکَم کے سامنے جو شہادتیں ہوئیں وہ بھی غیر معتبر اور حکم کا فیصلہ بھی غیر معتبر۔

ہاں اس معاملے میں یہ اجنبی بھی ایک شاہد ہے اور طلاق کی شہادۃ دینے کے لئے دعوی بھی شرط نہیں۔ مگر شہادۃ ادا کرنے کے لئے مجلس قضا شرط ہے۔ اگر یہ اجنبی قاضی شرعی کے سامنے

مجلس قضا میں جا کر شہادۃ دیتا کہ فلاں شخص نے اپنی بیوی کو طلاق دی ہے۔ اور قاضی اس شہادۃ پر کارروائی کرتا تو وہ درست ہوتی۔ بشرطیکہ شاہد کی طرف سے ادائے شہادت میں تاریخ طلاق سے غیر ضروری تاخیر نہ ہوئی ہوتی۔ کیونکہ قاضی شرعی کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ حقوق اللہ کی حفاظت کے لئے کارروائی کرے۔ اور حکم اوسی وقت قاضی کے قائم مقام ہو سکتا ہے جبکہ خصمین اوس کو اپنی طرف سے فیصلے کا حق دیں۔ اور جب تک خصومت متحقق نہ ہو تحکیم متحقق نہیں ہو سکتی۔ پس صورت مسئولہ میں لفظ قاضی صاحب سے مراد اگر حکم ہے، جیسا کہ ظاہر ہے، تو میرے نزدیک یہ تمام کارروائی عبث ہوئی۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔ دوسرے علمائے متبحرین سے بھی تحقیق کی جائے۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ۔ دہلی۔

(نوٹ) مکمل استفتائے مذکورہ بالا کتاب الطلاق باب متفرقات میں بھی درج کیا گیا ہے۔ وہاں اس کے ساتھ حضرت مولانا تھانوی کی رائے بھی تحریر ہے۔ (واصف عفی عنہ)

سوال

ہندہ نے خلاف واقعہ باغوائے چند اشخاص جو بدنیتی سے اپنے کسی عزیز کے ساتھ عقد کرنا چاہتے ہیں، اپنے شوہر پر مظالم و عدم ادائے حقوق زوجیت کا دعویٰ عدالت منصفی میں کر کے فسخ نکاح کی درخواست کی ہے۔ جبکہ عورت اس دعوی میں بالکل خلاف واقع اور جھوٹ کہتی ہو تو ایسی صورت میں کیا بحکم حاکم فسخ نکاح ہو سکتا ہے؟

المستفتی نمبر ۲۶۶۳ چودھری عبدالعزیز امروہہ۔ ۲۴ صفر سنہ ۱۳۶۰ھ مطابق ۲۳ مارچ سنہ ۱۹۴۱ء

(۲۵۹) **جواب** اگر عورت کا دعوی غلط اور خلاف واقع ہے تو شوہر کو لازم ہے کہ وہ حاکم پر یہ بات واضح کر دے اور عورت کے بیان کا غلط ہونا ثابت کر دے تاکہ حاکم عورت کو ڈگری نہ دے لیکن اگر حاکم پر عورت کے بیان کی غلطی واضح نہیں ہوئی اور اس نے عورت کو سچا سمجھتے ہوئے نکاح کو فسخ کر دیا تو قضاءً یہ فسخ صحیح ہو گا۔ مگر خدا کے نزدیک عورت اور جھوٹی گواہی دینے والے اور اغوا کرنے والے سب گنہگار ہوں گے۔ اور اگر فسخ کے بعد عورت عدت گزار کر کسی دوسرے شخص سے نکاح کرے گی تو نکاح بشرط کفاءۃ و مہر مثل صحیح ہو گا۔

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ۔ دہلی۔

سوال

جناب کے حافظے اور مجموعۂ فتاوی میں یہ سوال و جواب ہوگا کہ زید نے کہا "میں نے زمین و آسمان پیدا کیے وغیر ذلک" پھر آٹھ ماہ کے بعد شہادت ہوتی ہے اور زید کے دعوئ خدائی کا تذکرہ۔ جس پر تجدید ایمان اور تجدید نکاح کا سوال پیدا ہوا جس کی پوری تفصیل آپ کے پاس جا چکی ہے۔ اور جناب نے یہ جواب مرحمت فرمایا تھا کہ "زید کا قول معتبر ہوگا۔ ان لوگوں کا قول جو آٹھ دس ماہ کے بعد اس کا اظہار کرتے ہیں ناقابل التفات ہے۔"

لہذا گزارش ہے کہ جناب تھوڑی سی وقت کی قربانی دے کر شاہدین کی شہادت کا ناقابل التفات ہونے کی جو بنیاد ہے اور دلیل شرعی مع عبارات کتب مرحمت فرمائیں۔

المستفتی ۲۷۳۱ محمد سجاد (بنارس) ۲۷ جمادی الثانی ۱۳۶۱ھ مطابق ۱۲ جولائی ۱۹۴۲ء

(۲۶۰) **جواب**۔ زید کا قول معتبر ہونے کا مطلب یہ ہے کہ اس کا قول مع حلف کے معتبر ہوگا۔ اور شہود کی شہادت معتبر نہ ہونے کی وجہ یہ ہے کہ یہ شہادت دیانت اور حسبت یعنی للّٰہیت پر مبنی ہے۔ اور ایسی شہادت بلا وجہ معقول تاخیر کرنے سے نامقبول ہو جاتی ہے۔ ومتی اخّر شاھد الحسبۃ شھادتہ بلا عذر فسق فترد (درمختار) اس کے علاوہ یہ شہادت ردّۃ پر ہے۔ اور اس میں جب مشہود علیہ انکار کر دے اور شہادتین کا اقرار کرے تو شہادت شاہدین بے اثر ہو جاتی ہے۔ شھدوا علی مسلم بالردۃ وھو منکر لا یتعرض لہ (درمختار)
محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ۔ دہلی۔

سوال

(الجمعیۃ مورخہ ۱۶ اکتوبر ۲۹ء)

ایک شخص نے اپنا ایک قطعۂ اراضی (جو اس کی ملکیت میں صرف وہی قطعہ تھا) اپنے مرض الموت میں اپنے چار بیٹوں میں سے ایک بیٹے کے ہاتھ فروخت کیا۔ اور بیٹے نے بطور سند و حجت باپ سے ایک خط لکھوا کر اپنے پاس رکھ لیا۔ اب اس بائع کی وفات کے بعد بقیہ تین فرزندوں نے اپنے چوتھے بھائی کے ساتھ اس متروکہ قطعۂ اراضی پر شراکت کا دعویٰ کیا ہے۔ مگر وہ کہتا ہے کہ میں نے اپنے باپ سے یہ قطعۂ زمین قیمتاً خریدا ہے۔ جس کی شہادت میں وہی

خط پیش کرتا ہے جو بطور سند باپ سے لکھوالیا تھا. مگر قاضی اس خط کو بحکم الخط یشبہ الخط رد کرتا ہے. پھر وہی مشتری اپنی طرف سے دو گواہ پیش کرتا ہے ایک کاتب یعنی جس نے وہ خط لکھا تھا دوسرا گواہ جس کا نام بھی اسی خط پر مرقوم ہے. اب مندرجۂ ذیل سوالات پیدا ہوتے ہیں:-

(۱) مرض الموت میں ایک قطعۂ اراضی کو اپنے دیگر وارثوں کو محروم کرنے کی نیت سے فروخت کر دینا جائز تھا یا نہیں جبکہ وہی ایک قطعۂ اراضی کُل ملکیت تھی. (۲) جب بحکم الخط یشبہ الخط مرقوم شدہ بیعنامہ شرعاً رد کیا جا سکتا ہے تو پھر اس کا کاتب اور اس پر مرقوم شدہ گواہ کس طرح اور کس دلیل کی بنا پر شرعاً مقبول ہو سکتے ہیں. (۳) اگر بفرض محال ان گواہوں کو شرعاً تسلیم کیا جائے تو پھر ان کی شہادت بغیر حلف کے معتبر ہو سکتی ہے یا نہیں؟ اگرچہ قاضی ان کی شہادت بغیر حلف کے قبول کرتا ہو. (۴) جب الخط یشبہ الخط کے اصول کے مطابق مدعا علیہ کے خط کو بوجہ احتمال مشابہۃ الخط کے مسترد کیا جاتا ہے تو پھر اگر کاتب اور مرقوم شدہ گواہ کو تسلیم کیا جائیگا تو اس حالت میں ان ہر دو گواہوں کی زبانی شہادت میں احتمال کذب کا موجود ہے یا نہیں؟ اگر واقعی احتمال کذب موجود ہے تو پھر بروئے قانون اصولی اذا جاء الاحتمال بطل الاستدلال مذکورہ صورت میں بطل الشواھد کا حکم دیا سکتا ہے یا نہیں؟

(۲۶۱) **جواب** (۱) بیع جائز ہے. کیونکہ یہ تبرع نہیں ہے. عقد معاوضہ ہے. (۲) ان لوگوں کی گواہی مقبول ہو سکتی ہے. کیونکہ خط کا رد کر دینا اس وجہ سے تھا کہ اس کا ثبوت نہ تھا. تو اس کا ثبوت پیش کرنے اور ثابت کرنے سے کوئی چیز مانع نہیں. (۳) شہادت میں لفظ اَشْھَدُ کافی ہے. پس یہ لفظ ہی قائم مقام حلف کے ہے. اس کے علاوہ مزید حلف ضروری نہیں ہے. (۴) شاہدِ عادل کی زبانی شہادت میں کذب کا عقلی احتمال شرعاً عرفاً قابل اعتبار نہیں ورنہ باب شہادت ہی مسدود ہو جائے گا. محمد کفایت اللہ غفرلہٗ

سوال

مسمی امان خان یہ دعوی کرتا ہے کہ مسماۃ صاحبزادی نے حکیم محمد شریف سے نکاح کیا. اور یہ ہر دو یعنی مسماۃ صاحبزادی اور حکیم محمد شریف اس نکاح سے انکار کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہمارے درمیان انعقاد نکاح نہیں ہوا. امان خاں انعقاد نکاح کے دو گواہ پیش کرتا ہے. بیان

یہ ہے کہ مسماۃ صاحبزادی کا جس روز نکاح ہوا اس روز صرف جان محمد و نور محمد دو اشخاص موجود تھے اور مسماۃ صاحبزادی و حکیم محمد شریف تھے اور کوئی نہیں تھا۔ حکیم نے کہا کہ میں اس سے نکاح کرتا ہوں۔ اور مسماۃ صاحبزادی نے تین دفعہ کہا کہ میں نے تجھ کو اپنا تن بخشا۔ اب دریافت طلب یہ امر ہے کہ امان خاں جو ایک ثالث شخص ہے جس نے دعوی نکاح کیا باوجودیکہ مسماۃ صاحبزادی و حکیم محمد شریف انکار کر رہے ہیں۔ اس ثالث شخص کے پیش کیے ہوئے گواہوں کی شہادت سے نکاح ثابت ہوگا یا نہیں؟

(۲۶۲) **جواب**۔ نکاح پر بغیر دعوائے احد الزوجین شہادت مقبول نہیں۔ پس جب تک زوجین میں سے کوئی نکاح کا مقر نہ ہو کسی تیسرے شخص کا شہادت پیش کرنا غیر معتبر ہے۔ جن چیزوں میں شہادت بغیر دعوی مسموع ہو جاتی ہے وہ خالص حقوق اللہ ہیں۔ نکاح ان میں داخل نہیں واللہ اعلم۔

چوتھا باب
منصب افتا اور مفتی کے فرائض

سوال

ایک شخص نے اپنی منکوحہ کو طلاق مغلظہ دی اور طلاقنامہ لکھ دیا۔ چند روز کے بعد اس نے کہا کہ میں نے شرطی طلاق دی ہے۔ اور جھوٹے گواہ لے جاکر مفتی سے فتوی لاکر اس کو حلال سمجھ کے اپنے تصرف میں لاتا ہے۔

المستفتی نمبر ۳۷ ینگ مسلم نورانی کلب ڈیگون۔ ۲۶ ربیع الاول ۱۳۵۳ھ مطابق ۹ جولائی ۱۹۳۴ء

(۲۶۳) **جواب**۔ اگر شخص مذکور بلا شرط طلاق دے چکا ہے اور تین طلاقیں دی ہیں تو اس کی زوجہ اس کے لئے حرام ہو چکی ہے۔ جن لوگوں نے جھوٹی گواہی دی وہ سخت گنہ گار اور فاسق ہوئے۔ اور ان کی جھوٹی گواہی کی بنا پر اور مفتی کے فتوے سے وہ عورت اس شخص کے لئے حلال نہیں ہو جائے گی۔ کیونکہ مفتی کا فتوی تو بیان سائل پر ہوتا ہے۔ اگر بیان جھوٹا ہو تو مفتی اس کا ذمہ دار نہیں۔ اور

نہ اس کے فتوے سے حرام چیز حلال ہو سکتی ہے۔ محمد کفایت اللہ

سوال

زید نہ فقہ حدیث صرف ونحو کی عبارت پڑھ سکتے ہیں نہ سمجھ سکتے ہیں نہ قرآن صحیح پڑھ سکتے ہیں۔ ناحق فتوی دیتے ہیں اور لوگوں کو فتنے میں مبتلا کرتے ہیں۔ گویا پیشہ ہی یہ ہے۔ کسی سے قرض لیتے ہیں تو دینا نہیں جانتے۔ جھوٹ بول کر دغا و مکر سے لوگوں کا مال غصب کرتے ہیں۔ آیا ایسے لوگوں سے خلط ملط رکھنا جائز ہے یا نہیں؟

المستفتی نمبر ۵۳۲ عبدالرحمن (ضلع ناسک) ۱۱ ربیع الثانی ۱۳۵۴ھ مطابق ۱۳ جولائی ۱۹۳۵ء

(۲۶۴) **جواب** بغیر علم کے فتوی دینا حرام ہے۔ اور لوگوں کے حقوق غصب کرنا، جھوٹ بولنا گناہ کبیرہ ہے۔ محمد کفایت اللہ

(۲۶۵) **جواب ۵۵۳**۔ واقعہ مذکورہ فی السوال کے متعلق دو فتوے میں پہلے لکھ چکا ہوں۔ یہ تیسرا ہے۔ اور افسوس کہ پہلے فتووں کی نقل بھی نہیں رکھی گئی۔ اگر جوابوں میں کچھ اختلاف نظر آئے تو وہ بیان سائل کے اختلاف پر مبنی ہوگا۔ کیونکہ مفتی کے پاس اس بات کے معلوم کرنے کا کوئی ذریعہ نہیں ہے کہ کون سا بیان سچا اور واقعہ کے مطابق ہے اور کون سا جھوٹا اور واقعہ کے خلاف ہے۔

محمد کفایت اللہ ۲۳ ربیع الثانی ۱۳۵۴ھ مطابق ۲۵ جولائی ۱۹۳۵ء

سوال

مولانا محمد شفیع صاحب مفتی دارالعلوم جن کے رسالے (مساوات اسلامی) کی وجہ سے ہندوستان کی بہت بڑی مسلم آبادی کے قلوب مجروح ہوئے ہیں اور دارالعلوم کو ہزارہا روپے کا نقصان برداشت کرنا پڑا ہے، دارالعلوم میں رکھنے کے لائق ہیں یا نہیں؟

المستفتی نمبر ۶۶۳ ناظم جمعیۃ الطلبہ دارالعلوم دیوبند۔ ۲۰ شعبان ۱۳۵۴ھ مطابق ۳۱ اکتوبر ۱۹۳۵ء

(۲۶۶) **جواب** دارالعلوم کو ایسی باتوں سے محفوظ رکھنا جو اس کی حالت مالیہ و انتظامیہ اور وقار کے لئے مضر ہوں اہل شوریٰ کا فرض ہے۔ اور یہ فیصلہ کرنا کہ فلاں امر دارالعلوم کے لئے مضر ہے یا نہیں، یہ بھی اہل شوریٰ کا منصب ہے۔ میں اشخاص کے متعلق اظہار رائے بھی مفتی کے منصب سے خارج سمجھتا ہوں۔ چہ جائیکہ حکم شرعی لگانا۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ،

سوال

امام صاحب سے اگر کوئی مقتدی شرعی مسئلہ دریافت کرے تو کیا امام صاحب کو از روئے شریعت اسلام مقتدی کو یہ جواب دینا جائز ہوگا کہ جاؤ میں نہیں جانتا۔ اگر مقتدی اس پر اصرار کرے تو امام صاحب کا یہ کہنا کہ مجھے تمھاری پروا نہیں خواہ میرے پیچھے نماز پڑھو یا نہ پڑھو جائز ہے یا ناجائز؟

المستفتی نمبر ۸۴۲ عبدالمجید خاں (شملہ) ۱۶ محرم ۱۳۵۵ھ مطابق ۹ اپریل ۱۹۳۶ء

(۲۶۷) **جواب**۔ امام صاحب کو اگر وہ مسئلہ معلوم نہ ہو تو ان کا یہ کہنا کہ "میں نہیں جانتا" بجا ہے۔ مقتدی کو اصرار نہیں کرنا چاہئے۔ کیونکہ جو مسئلہ معلوم نہ ہو اس کے متعلق یہی جواب صحیح ہے کہ "میں نہیں جانتا"۔ محمد کفایت اللہ

سوال

کسی مفتی صاحب سے شرعی فتوی دریافت کیا جائے۔ اور وہ یہ کہہ دے کہ مجھ کو کتاب دیکھنے کی نہ فرصت ہے اور نہ قوت کسی اور جگہ تحقیق کر لیا جائے۔ نیز مستفتی اپنا پتہ لفافے پر لکھنا بھول گیا۔ مفتی صاحب کو پتہ لکھنا پڑا۔ اس پر ان کا یہ لکھنا کہ لفافے پر پتہ لکھنا ضروری تھا۔ ناحق مجھ کو تکلیف دی۔ ایسے مفتی کے لئے شرعاً کیا حکم ہے۔ مفتی کہلانے کا مستحق ہے یا نہیں؟ کیونکہ مسلمان تو علمائے اسلام سے ہی فتوی حاصل کریں گے۔

المستفتی نمبر ۸۴۲ عبدالمجید خاں (کوہ شملہ)

(۲۶۸) **جواب**۔ بھائی صاحب! عالم اور مفتی کے ذمہ اتنی بات ہے کہ جو مسئلہ اس کے علم میں مستحضر ہو اور کوئی دریافت کرے تو بتادے۔ اور مستحضر نہ ہو مگر کتاب دیکھ کر بتانے پر قدرت ہو اور اس میں اُسے کوئی کلفت نہ ہو تو دیکھ کر بتادے۔ لیکن کسی حال میں تحریری جواب دینا اس پر لازم نہیں۔ اور پھر مکتوب الیہ یعنی مستفتی کے نام کا خط اور لفافہ اور پتہ لکھنا کسی حال میں لازم نہیں۔ جو علما کہ یہ سب کام کرتے ہیں یعنی تحریری جواب دیتے ہیں (حالانکہ مستفتی مقامی علما سے زبانی دریافت کر لینے پر قادر ہیں) وہ محض تبرعاً اور بہ نیت ثواب یہ کام کرتے ہیں۔ لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ ان پر یہ بات فرض ہے۔ حالانکہ خدا نے یہ فرض نہیں کیا۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ

سوال

(۱) زید نے کسی دار العلوم دینی میں تعلیم دینیات باقاعدہ حاصل نہیں کی۔ نہ درسی کتابیں پڑھنے کے بعد سند حاصل کی ہے۔ نہ دستار فضیلت باندھی گئی ہے۔ مگر دینی امور میں بحیثیت مفتی فتوے صادر کرتا ہے۔ کیا ایسی ناقابل اطمینان صورت میں زید فتوی شرعی صادر کرنے کا مجاز ہے اور کیا زید کا فتوی قابل اعتماد ہے؟

(۲) کیا بصورت مذکور الصدر زید کے فتووں پر مسلمانوں کو صحیح سمجھ کر عمل کرنا چاہیئے؟

(۳) اگر کوئی مفتی غلطی سے عمداً کسی جلیل القدر مستند عالم متقی بزرگ امام کے خلاف غلط فتوی صادر کردے جس سے عالم موصوف کی عزت و حرمت خطرہ میں پڑجائے۔ اور مسلمانوں میں فتنہ وفساد جنگ و جدل کی آگ بھڑک جائے، ایسے متفنی مفتی کے لئے کیا حکم ہے؟

(۴) اگر کوئی نماز پڑھانے والا اجیر امام جاہل مسلمانوں کو اپنے ہاتھوں کی بوسہ بازی کرانے سے منع نہ کرے اور کبر و رعونت سے دیگر بزرگان دین کی عظمت و علو مرتبت کا لحاظ وادب نہ کرے اور اپنی شہرت و نمود کے لئے پوسٹروں اور اخبارات میں جاہل سازشی اشخاص کی طرف سے بڑے بڑے القاب اور خطاب جو انبیاء کرام و اولیاء اللہ کی شان کے لائق ہوں بلکہ اس سے بھی بڑھ کر ہوں طبع کرا کر عوام الناس کو اپنے دام تزویر میں لائے اور ایسی دھوکہ بازی و فریب کاری کے جال میں نادان مسلمانوں کو پھانسے گمراہ کرے، ایسے امام کے واسطے کیا حکم ہے؟

المستفتی ۱۴۹۵ مولوی موسی خاں صاحب، مدرس مدرسہ حسینیہ دہلی ۵ ربیع الثانی ۱۳۵۶ھ مطابق ۱۵ جون ۱۹۳۷ء

(۲۶۹) **جواب**۔ فتوی دینے والے کے لئے لازم ہے کہ وہ عالم، صاحب بصیرت، کثیر المطالعہ وسیع النظر، احوال زمانہ سے واقف ہو۔ جس شخص میں یہ اوصاف نہ ہوں وہ افتا کا اہل نہیں۔ اور اس کے فتوے پر بدون تحقیق و تصدیق کے عمل جائز نہیں۔ اور خود اس کو فتوی دینا جائز نہیں۔

اگر کوئی مفتی قصداً اور عمداً کسی مسلمان کے خلاف اس کے نام کی تصریح کے ساتھ غلط فتوی صادر کردے اور مقصود اس کو رسوا اور بدنام کرنا ہو تو ایسا مفتی سخت گنہ گار اور مفتری ہوگا اور اگر فتوے میں کسی نام کی تصریح نہ ہو بلکہ فرضی نام کے ساتھ مثلاً زید و عمر کے نام سے سوال کیا گیا ہو اور مفتی واقعات مندرجہ فی السوال پر حکم شرعی بتائے اور حکم شرعی صحیح ہو تو مفتی

پر کوئی الزام نہیں۔ اس میں مجرم وہ لوگ ہوں گے جو اس فتوی کو کسی خاص شخص پر چپکائیں گے۔ حالانکہ اس شخص میں وہ باتیں موجود نہ ہوں جو سوال میں مذکور ہیں اور جن پر فتوی دیا گیا ہے۔ اگر ریاد نمود کی نیت سے کوئی شخص اپنی تعریف خود شائع کرے یا کرائے تو وہ گنہگار ہے۔

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ دہلی

سوال

متعلقہ ذمہ داری مفتی

(۲۷۰) **جواب** مذہبی مسئلہ بغیر علم کے من گھڑت بتانا بڑا گناہ ہے۔ اس سے لوگوں کو مسئلہ نہیں پوچھنا چاہیئے اور اس کے بتائے ہوئے مسئلہ پر جب تک کوئی عالم تصدیق نہ کردے عمل نہیں کرنا چاہئے۔

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ دہلی

سوال

جو شخص فتوی کو نہ مانے اس کا کیا حکم ہے؟

المستفتی نمبر ۱۵۹۱ جلال الدین صاحب (حصار) ۲ جمادی الاول ۱۳۵۵ھ مطابق ۱۲ جولائی ۱۹۳۶ء

(۲۷۱) **جواب** جو شخص بلاوجہ فتوی کو نہ مانے وہ فاسق ہے۔ اور اگر وہ کوئی معقول وجہ بیان کرے تو پھر اس وجہ پر غور کیا جاسکتا ہے۔

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ

سوال

(الجمعیۃ مورخہ ۲۴ دسمبر ۱۹۲۵ء)

جو شخص علمائے اہل سنت والجماعۃ کے فتوے سے انکار کرے اس کے لئے کیا حکم ہے؟

(۲۷۲) **جواب** فتوی سے بغیر وجہ انکار کرنا فسق اور بسا اوقات موجب کفر ہو جاتا ہے۔ ہاں اگر انکار کی کوئی وجہ ہو، مثلاً فتوی غلط ہو تو غلط فتوی کا انکار ہی کرنا چاہئے۔

محمد کفایت اللہ غفرلہ

سوال

(الجمعیۃ مورخہ ۲ اکتوبر ۱۹۲۶ء)

جو شخص بغیر علم کے مسئلہ بتائے اس کا حکم ماننا چاہیئے یا نہیں؟

(۲۷۳) **جواب** بغیر علم کے مسئلہ بیان کرنا بتانا گناہ ہے۔ اور لوگوں پر بھی ایسے شخص کی بات ماننا ضروری نہیں۔ اگر صحیح مسئلہ بتائے تو مان لینا چاہئے۔ لیکن صحت میں شک ہو تو کسی عالم سے تصدیق کر لینی چاہئے۔ محمد کفایت اللہ غفرلہ

سوال

(الجمعیۃ مورخہ ۲۸ اکتوبر ۱۹۳۴ء)

اگر کوئی عالم صاحب کسی ایسے مسئلہ کا جواب جس کو اللہ تعالیٰ نے یا اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے بخوبی واضح کر دیا ہو، لکھیں اور آخر میں واللہ اعلم بالصواب لکھ دیں۔ یا زبانی جواب بتا کر آخر میں یہ کلمہ کہہ دیں تو کیا یہ سمجھا جائے کہ عالم صاحب کو اس مسئلے میں شک ہے۔

(۲۷۴) **جواب**۔ اللہ اعلم بالصواب لکھنا یا کہنا علمائے ربانیین کا طریقہ مسلوکہ ہے۔ اور اس سے ان کے لکھے ہوئے یا بتائے ہوئے مسئلے میں کوئی شک و شبہہ پیدا نہیں ہوتا۔ نہ یہ ثابت ہوتا ہے کہ خود عالم صاحب کو اس میں شک ہے۔ بہرحال یہ فقرہ اس لئے کہا جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا علم ہر چیز اور ہر صواب بات پر محیط ہے۔ اور اس کا اقرار مومن کا وظیفہ ہے۔

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ،

سوال

زید نے اپنی زوجہ کو طلاق دی تھی اور اس کے بعد اس کی زوجہ نے ایک مولوی صاحب کے پاس گواہ قائم کیے کہ مجھے زوج نے پہلے ہی سے طلاق دی ہوئی ہے۔ لیکن ان کی گواہی سے پہلی طلاق ثابت نہ ہو سکی۔ اس لئے مولوی صاحب نے فیصلہ کیا کہ پہلی طلاق ثابت نہیں۔ اس لئے جب تک عدت نہ گذرے نکاح جائز نہیں۔ اس فیصلے کے بعد اسی عورت نے اور گواہ اسی مولوی صاحب کے پاس پیش کیے کہ زید نے پہلے طلاق دی ہوئی ہے۔ اس کے بعد اسی مولوی صاحب نے دوبارہ یہ فیصلہ کیا کہ پہلی طلاق ثابت ہے۔ اور مدت جدا رہنے کی بھی درمیان میں موجود ہے۔ لہٰذا اب جدید عدت کی ضرورت نہیں۔ وہ جہاں چاہے نکاح کر سکتی ہے۔ اس پر دوسرے مولوی صاحب نے کہا کہ یہ ثانی فیصلہ غلط ہے۔ کیونکہ پہلے ایک دفعہ قضاء ہو چکی۔ اب ثانی فیصلہ سے قضاء اول کا ابطال لازم آتا ہے اور یہ جائز نہیں۔ اور درمختار کی اس عبارت کو پیش کیا:-

قضی القاضی ببینة فی حادثة ثم قال رجعت عن قضائی او بدا لی غیر ذلک او وقعت فی تلبیس الشھود او ابطلت کما لا یقع تو کیا اب مولوی اول کا فیصلہ صحیح ہے یا ثانی کا اعتراض صحیح ہے اور اس عورت کا نکاح بغیر عدت جدید کے ہو سکتا ہے یا نہیں؟ اور کیا موجودہ زمانہ کے علماء کے فیصلوں کو فقہ میں بیان کردہ احکام قضاۃ پر قیاس کر سکتے ہیں؟ اور اگر زوج خود بھی اس صورت میں بعد الطلاق جدید اقرار کرے کہ میں نے پہلے طلاق دی ہوئی ہے اور اس کی عدت گذر چکی تو کیا اس کے قول کا بھی اعتبار ہے یا نہیں؟

المستفتی ۱۵۰۶ حافظ محمد خلیل صاحب، مدرس مدرسہ ہاشمیہ سجاول (ضلع کراچی)

(۲۷۵) **جواب** اول تو مولوی صاحب قاضی نہیں کہ ان کے فیصلے کو قضا قرار دیا جائے دوسرے یہ کہ محض عورت کے گواہوں کو ناقابل اعتماد قرار دے کر یہ فیصلہ کر دینا کہ پہلی طلاق ثابت نہیں یہ فیصلہ ہی صحیح نہیں۔ کیونکہ گواہوں کے نہ ہونے یا قابل اعتماد نہ ہونے کی صورت میں مدعا علیہ یعنی زوج کی یمین پر فیصلہ کرنا تھا۔ اس کا سوال میں ذکر نہیں۔ پس مولوی صاحب کا یہ کہنا کہ پہلی طلاق ثابت نہیں قضا نہیں ہے۔ اور دوسری بار یہ کہنا کہ پہلی طلاق ثابت ہے یہ بھی قضا نہیں کیونکہ مولوی صاحب قاضی نہیں ہیں۔ پس یہ دونوں فیصلے محض ان کے خیال اور مشورے ہیں۔ عورت دیانۃً جس امر کو حق سمجھے اس پر عمل کر سکتی ہے۔

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ

سوال

ایک استفتا اور اس کا جواب غلام مصطفے شاہ ساکن راولپنڈی نے شائع کیا ہے۔ اس میں مسماۃ شاہجہاں بیگم دختر منشی عبدالرحمن سے اپنے نکاح کا جو ذکر مستفتی غلام مصطفے شاہ نے کیا ہے اس کی صحت سے شاہ جہاں بیگم اور اس کا والد منشی عبدالرحمن دونوں انکار کرتے ہیں۔ چنانچہ ان کے تحریری بیانات شائع ہو کر عوام الناس میں تقسیم ہو چکے ہیں۔ کیا شاہجہاں بیگم کا کسی دوسری جگہ نکاح نہیں ہو سکتا؟

(۲۷۶) **جواب** اس استفتا کی حیثیت بھی وہی ہے جو اُس استفتا و فتوی کی تھی جو غلام مصطفی شاہ کی طرف سے شائع کیا گیا تھا۔ اور باہر کے علما کے لئے اس کی بھی صحت معلوم کرنے کا وسیلہ

مسدود ہے۔ اور شخصی ناموں سے استفتا کرنا اور شخصیات کے متعلق جواب دینا آداب استفتا وافتا کے خلاف ہے۔ لہذا ہم غلام مصطفی شاہ اور شاہجہاں بیگم کے معاملے کے متعلق کوئی جواب نہیں دے سکتے۔ صرف اتنا کہہ سکتے ہیں کہ اگر غلام مصطفے شاہ کا بیان صحیح ہے تو نکاح ہو گیا ہے اور اگر منشی عبدالرحمن اور شاہجہاں بیگم کا بیان صحیح ہے تو غلام مصطفی شاہ کی طرف سے بہتان ہے۔ اور عزت و ناموس کی توہین کی گئی ہے۔ اس کا فیصلہ کسی ثالث مسلّم فریقین کے سامنے ہو سکتا ہے کہ کس کا بیان صحیح اور کس کا غلط ہے۔

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہٗ

مدرسہ امینیہ دہلی

کتاب الطهارة

پہلا باب
حوض اور کنویں کے احکام

سوال

ایک بکری کنویں میں گرتے ہی مرگئی۔ اور اس کی ناک سے خون وغیرہ بھی نکلا آدھ گھنٹے کے بعد نکالی گئی۔ اب کنویں میں سے کس قدر پانی نکالنا چاہیئے۔ بینوا بالدلیل

(۲۷۷) **جواب**۔ یہ کنواں ناپاک ہوگیا۔ اس کا تمام پانی نکالنا چاہیئے۔ بکری کا مرجانا ہی کنویں کی ناپاکی کے لئے کافی تھا۔ پھر خون کا نکلنا اور پانی میں مخلوط ہوجانا اور دوسرا اسباب بھی ناپاکی کا جمع ہوگیا۔ واللہ اعلم

محمد کفایت اللہ غفرلہٗ۔ سنہری مسجد دہلی

سوال

کنویں میں بکری یا اونٹ کی مینگنیاں گرجائیں اور ٹوٹ نہ جائیں تو کتنے عدد تک پانی پاک رہے گا۔ اور کب ناپاکی کا حکم دیا جائے گا؟ بینوا توجروا

(۲۷۸) **جواب**۔ کنویں میں اونٹ کی مینگنی گری ہو یا بکری کی۔ ٹوٹی ہو یا نہیں، سارا پانی نکالنا چاہیئے۔ واکثرھم علی انه موفیه ضرورة وبلوی لاینجس والا ینجس (ردالمحتار) البتہ اگر کسی جگہ ضرورت اور ابتلائے عام ہو جس سے حفاظت مشکل ہو تو وہاں دو چار مینگنیاں ثابت نکلنے سے ناپاکی کا حکم نہ دیا جائے گا۔ واللہ اعلم۔

سوال

مولنا الوری نے اپنی کتاب "رکن دین" میں لکھا ہے کہ جو کنواں سوت دار ہو کہ جس کا پانی کبھی ٹوٹتا نہ ہو اس کا تمام پانی نکالا جائے جو عالم اس کا یہ فتویٰ دے کہ اس کا پانی دو سو سے تین سو ڈول تک نکالا جائے وہ بڑی غلطی پر ہے کیونکہ یہ فتویٰ امام محمدؒ نے خاص کر بغداد کے کنووں کے بارے میں لکھا تھا بغداد کے کنوؤں میں عموماً دو سو سے تین سو ڈول تک پانی تھا۔ آیا مولنا الوری صاحب کا یہ حکم صحیح ہے یا نہیں؟

(۲۷۹) **جواب**۔ صحیح یہی ہے کہ تمام پانی نکالا جائے۔ دو تین سو ڈول نکالنا کافی نہیں ہے۔ واللہ اعلم

سوال

پیشاب کا ڈھیلا مسجد کے کنوئیں میں گر گیا۔ اور کنوئیں مذکورہ میں پانی ۲۵ گز نمبری ہے اور عرصہ ۴ ماہ سے بند پڑا ہے۔ نمازیوں کو سخت تکلیف ہے۔

(۲۸۰) **جواب**۔ صورت مسئولہ میں کنوئیں کا تمام پانی نکالنا ضروری ہے اور پانی توڑ دینا ضروری نہیں۔ بلکہ موجودہ پانی نکل جانا چاہئے۔ جس کی صورت یہ ہے کہ ایک خاص کیفیت سے ایک گھنٹہ اس کا پانی نکال کر دیکھا جائے کہ کتنا کم ہوا۔ پھر اسی کیفیت سے اتنے گھنٹوں تک پانی نکالیں کہ ۲۵ گز پانی اس حساب سے نکل جائے۔ واللہ اعلم۔

سوال

کنوئیں میں جوتا گر جائے تو کیا حکم ہے ؟

المستفتی ۵۶۹ مولوی رضی الحسن (ضلع بلیا) ۵ رجمادی الاول ۱۳۵۴ھ مطابق ۶ اگست ۱۹۳۵ء

(۲۸۱) **جواب**۔ کنوئیں میں پاک جوتا گر جائے تو کنواں پاک ہے۔ اور یقینی طور پر یا بظن غالب ناپاک ہو تو کنواں ناپاک ہو گیا۔ جوتا نکلے یا نہ نکلے کنواں حسب قاعدہ پاک ہو سکتا ہے۔ تمام موجودہ پانی نکال دیا جائے تو کنواں پاک ہو جائے گا۔ محمد کفایت اللہ

سوال

ایک مسجد کے قریب ایک کنواں ہے۔ اس کے قریب سٹا ہوا ایک گڈھا ہے، جس میں سب جائے ضرورت بھی کرتے ہیں۔ اور اسی کے سٹا ہوا برسات کے زمانے میں بہہ کر اسی گڈھا میں جمع ہوتا ہے۔ جب زیادہ بارش ہوتی ہے تو گڈھے سے جب زیادہ پانی ہوتا ہے تو تھوڑا بہت بہہ جاتا ہے ورنہ سب اسی گڈھے میں جمع رہا کرتا ہے بلکہ سیاہ پانی ہو جاتا ہے اور گندگی پھیلتی ہے۔ اور کنواں پٹا ہوا ہے جو اس کے اندر بھی اس کا سوت جاتا ہے۔ اس حالت میں اس کنویں کا پانی پاک ہے یا ناپاک ؟ اس سے وضو اور غسل کر سکتے ہیں یا نہیں ؟ بعض آدمی کہتے ہیں کہ مزہ میں بھی فرق معلوم ہوتا ہے۔

المستفتی ۶۰۶ عبد الغنی خاں (ضلع مونگھیر) ۱۱ رجمادی الثانی ۱۳۵۴ھ مطابق ۱۰ ستمبر ۱۹۳۵ء

(۲۸۲) **جواب**۔ اگر اس گڑھے کا نجس پانی کنویں میں جاتا ہے یا نجاست کا رنگ، بو، مزہ پانی میں ظاہر ہوتا ہے تو کنواں ناپاک ہے۔ اور اگر پانی کنویں میں نہیں جاتا۔ یا نجاست کا رنگ بو مزہ پانی میں ظاہر نہیں ہوتا تو کنواں پاک ہے۔

گڑھے کا کنویں کے قریب ہونا یا پانی کے مزے میں کچھ فرق معلوم ہو مگر وہ فرق ایسا نہ ہو کہ اس کو نجاست کا مزہ قرار دیا جاسکے تو اس سے کنویں کی ناپاکی کا حکم نہیں دیا جائے گا۔ فقط محمد کفایت اللہ کان اللہ لہٗ

سوال

جہاں ایک ہی کنواں ہو اور اس سے ہندو کھٹیک وغیرہ پانی بھرتے ہوں جو نجاست کا کوئی خیال نہیں رکھتے۔ ایسے کنوئیں سے مسلمان پانی بھریں یا نہیں ؟

المستفتی نمبر ۱۵۹۱ جلال الدین صاحب (ضلع حصار) ۲ جمادی الاول ۱۳۵۶ھ مطابق ۱۲ جولائی ۱۹۳۶ء

(۲۸۳) **جواب** جہاں ایک ہی کنواں ہو اور اس سے ہندو کھٹیک وغیرہ بھی پانی بھرتے ہوں تو وہاں بوجہ ضرورت اور عموم بلوی کے مسلمان بھی پانی بھر سکتے ہیں اور جب تک نجاست کا یقین نہ ہو جائے اس وقت تک پانی استعمال کر سکتے ہیں۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہٗ۔ دہلی۔

سوال

ریاست دوجانہ میں ایک باؤلی ہے جس کا طول ساڑھے گیارہ ہاتھ اور عرض ساڑھے گیارہ ہاتھ ہے (ہاتھ انگریزی گز کا نصف ۱۸ انچ کا مانا گیا ہے یعنی کہنی کی ہڈی سے وُسطی کے ناخن تک) گہرائی پانی کی بہت ہے یعنی ۱۵ ہاتھ کے قریب۔ تو یہ پانی مسلمان یا کسی غیر قوم کی جوتی گر جانے سے ناپاک ہو سکتا ہے یا نہیں؟ اور اس پیمائش کی باؤلی حوض کبیر کی حد سے بھی زیادہ ہے یا نہیں مکرر عرض ہے کہ باؤلی چوکور ہے۔ گول نہیں۔

المستفتی نمبر ۱۶۷۱ مرزا محمد حمید الدین صاحب (رہتک) ۱۱ جمادی الاول ۱۳۵۶ھ مطابق ۲۰ جولائی ۱۹۳۷ء

جواب (از نائب مفتی مولوی حبیب المرسلین) اس باؤلی مذکور کی مقدار دہ در دہ حوض سے بھی زیادہ ہے۔ لہٰذا باؤلی بوجہ گر جانے ناپاک جوتی وغیرہ کے ناپاک نہ ہوگی۔ بلکہ بدستور سابق پاک ہی رہے گی۔ فقط واللہ اعلم۔ اجابہ وکتبہ حبیب المرسلین عفی عنہ نائب مفتی مدرسہ امینیہ دہلی۔

بحضور اقدس عالیجناب مولانا مولوی کفایت اللہ صاحب مفتی اعظم ہند دام فیوضہم السلام علیکم۔ اس خطاکار سے گذارش کرنے میں بوجہ بیان ایک شخص کے صرف یہ غلطی ہوئی ہے کہ اس باؤلی کو چوکور لکھ دیا ہے، حالانکہ یہ باؤلی گول ہے جس کا قطر ½ ۱۱ ہاتھ ہے۔ حوض کبیر کا رقبہ ۱۰ در ۱۰ کے حساب سے ۱۰۰ ہاتھ ہوتا ہے اور گول ½ ۱۱ ہاتھ قطر کے حساب سے ⅓ ۱۰۳ ہاتھ رقبہ ہوتا ہے

یعنی سطح پانی کی۔ تو اس صورت میں بھی باؤلی مذکورہ بالا حوض کبیر کی حد سے زیادہ ہوگی اور پاک ہی رہے گی یا نہیں؟

(۲۸۴) **جواب**۔ (از حضرت مفتی اعظمؒ) جب پانی کی سطح کا رقبہ سو ذراع (ایک ذراع ۱۹ انچ کا ہے) کم نہ ہو تو وہ باؤلی دہ در دہ یعنی حوض کبیر کے حکم میں ہے۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہٗ دہلی

سوال

ایک حوض وضو کرنے کے لئے ہشت پہلو بنایا گیا ہے جس کا اندرونی رقبہ بھی پانی کا حصہ ساٹھ فٹ ہے۔ اور دہ در دہ حوض کا بھی پیمائش کی رو سے پانی کا حصہ ساٹھ فٹ ہی ہوا کرتا ہے۔ غرض پانی کا حصہ اس ہشت پہل حوض کا مربع حوض کے بالکل برابر بلکہ کچھ زائد ہے۔ ہشت پہل حوض کا ہر پہل ساڑھے سات فٹ طولاً اور مربع دہ در دہ حوض کا ہر ضلع پندرہ پندرہ فٹ ہوتا ہے۔ تو ایسی صورت میں اس ہشت پہل حوض سے وضو کرنا جائز ہے یا نہیں؟

المستفتی نمبر ۱۷۸ حافظ محمد یعقوب۔ پل بنگش دہلی۔ ۱۵ رجب ۱۳۵۶ھ مطابق ۲۱ ستمبر ۱۹۳۷ء

جواب۔ (از نائب مفتی مولوی حبیب المرسلین) حوض مربع دہ در دہ کے سوا اور اشکال کے حوض اگر مقدار میں حوض مربع دہ در دہ کے برابر ہوں تو ان کا حکم بھی مربع دہ در دہ کا ہی ہوتا ہے۔ لہٰذا ہشت پہلو حوض مرقوم سے وضو کرنا جائز ہوگا اور وقوع نجاست سے یہ حوض ناپاک نہ ہوگا۔ ولو له طول لا عرض لكنه يبلغ عشرا في عشر جاز تيسيرا۔ (درمختار) فتاوی شامی میں اس کے متعلق یہ ہے (قوله جاز تيسيرا) اي جاز الوضوء منه بناء على نجاسة الماء المستعمل اوالمراد جاز وان وقعت فيه نجاسة الخ (رد المحتار ج ۱ ص ۱۲۱) اجابه وکتبہ حبیب المرسلین۔

نائب مفتی مدرسہ امینیہ۔ دہلی

(۲۸۵) **جواب**۔ (از حضرت مفتی اعظم نور اللہ مرقدہ)۔ جبکہ حوض کا رقبہ دہ در دہ حوض کے رقبہ کے برابر ہو تو اس کا حکم دہ در دہ کے موافق ہوگا خواہ شکل کچھ بھی ہو۔ مربع حوض جبکہ اس کی ہر جہت ۱۵ فٹ ہو تو اس کا رقبہ ۲۲۵ مربع فٹ ہوتا ہے۔ اتنا ہی رقبہ جس شکل میں پورا ہو جائے اس کا حکم اس مربع حوض کے حکم کے موافق ہوگا۔ فقط

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہٗ دہلی

سوال

(۱) ایک عورت حاملہ ہے۔ اور حمل قریب آٹھ ماہ کا ہوا کہ اسی عرصہ میں بچہ پیٹ میں مر گیا جس کے صدمہ سے وہ زیادہ بیمار ہو گئی۔ یہاں تک کہ اس کے ہوش و حواس نادرست ہو گئے۔ رات کے وقت اُسے درد زہ شروع ہوا۔ وہ جا کر ایک کنویں میں برہنہ گر پڑی۔ معلوم ہونے پر وہ زندہ کنویں سے نکال لی گئی۔ کنویں سے نکالنے کے بعد ۲۴ گھنٹے کے درمیان میں مرا ہوا بچہ پیدا ہوا اور عورت مذکورہ تقریباً ۳۶ گھنٹے کے بعد انتقال کر گئی۔ ایسی حالت میں کنویں کا پانی کس طریق پر پاک ہو گا؟

(۲) اسی کنویں میں جس کا ذکر اوپر کیا گیا ہے، ایک دوسرا شخص جو دیوانہ اور پاگل ہے۔ پاگل پنے کی حالت میں اس نے کنویں میں پیشاب کر دیا اور آج قریباً آٹھ نو ماہ کے بعد جب وہ کچھ اچھا ہو گیا تو بتلاتا ہے کہ میں نے کنویں میں پیشاب کر دیا ہے تو ایسی حالت میں کنواں کس طریق پر پاک ہو گا؟

المستفتی ۱۹۸۹ بہادر خاں صاحب۔ یکم رمضان ۱۳۵۶ھ مطابق ۶ نومبر ۱۹۳۷ء

(۲۸۶) **جواب**۔ (۱) عورت کے گرنے اور زندہ نکال لینے سے تو کنواں ناپاک ہی نہیں ہوا۔

(۲) ہاں پیشاب کرنے کی وجہ سے (اگر پیشاب کرنا ثابت ہو) کنواں ناپاک ہوا۔ اور سارا پانی نکال دینے سے پاک ہو جائے گا۔ یعنی موجودہ تمام پانی نکل جانا کافی ہے۔

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہٗ دہلی

سوال

جس چاہ میں چھپکلی مر جائے تو کتنے ڈول نکالنے چاہئیں۔ اور اگر پھٹ جائے یا پھول جائے تو کُل پانی نکالا جائے گا یا نہیں کیونکہ صاحب قدوری یوں فرماتے ہیں۔ فان ماتت فیہا فارۃ او عصفورۃ او صعوۃ او سودانیۃ او سام ابرص (جس کے معنی سراج اللغات میں چلپاسہ و ہندی ٹکٹکی و چھپکلی کے لکھے ہیں) نزح منہا ما بین عشرین دلواً الی ثلثین یہ صرف اس کے لئے ہے جو مر جائے۔ اور اگر پھٹ جائے یا پھول جائے اس کے لئے صاحب مذکور یوں فرماتے ہیں۔ وان انتفخ الحیوان او تفسخ نزح جمیع ما فیہا من الماء صغر الحیوان او کبر۔ اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ بعض لوگ چھپکلی میں دَم سائل نہیں بتاتے۔ جب دم سائل نہیں تو چھپکلی کو چوہا اور چڑیا کے حکم میں کیوں رکھا۔ نیز چھپکلی میں اگر دم سائلہ نہیں تو نجس ہونے میں تو کوئی کلام نہیں۔ کیونکہ

سابق علما کیا محقق نہ تھے نیز جو سلف کے اقوال کو (جن کی بدولت ہم تک یہ علم پہنچا ان کے قول کو) یوں کہیں کہ ان کا قول اتمام حجت نہیں۔ یہ الفاظ ان کی شان میں بکنا گستاخی و توہین ہے یا نہیں نیز توہین و گستاخی کرنے والے کا کیا حکم ہے کیونکہ وہ یوں کہتے ہیں کہ حدیث میں دکھاؤ۔ امید ہے کہ مدلل و مفصل جواب سے مستفیض فرما کر عنداللہ ماجور ہوں گے کہ اس صورت میں چاہ کا کیا حکم ہوگا۔ المستفتی ۲۴۵ محمد احمد ولد نیاز احمد۔ (دہلی) ۱۲ ربیع الثانی ۱۳۵۹ھ مطابق ۲۱ مئی ۱۹۴۰ء

(۲۸۷) **جواب**۔ چھپکلی میں دم سائل نہیں ہے۔ اس لئے اس کے پانی میں مرنے یا پھولنے پھٹنے سے پانی ناپاک نہیں ہوگا۔ اس کی دلیل بھی فقہ کی کتابوں میں صاف طور پر لکھی ہے۔ وموت ما لیس لہ نفس سائلۃ لا ینجس الماء یعنی ایسے انور کا پانی میں مرجانا جس میں دم سائل نہیں پانی کو ناپاک نہیں کرتا۔ پس اس قاعدے کے ماتحت سام ابرص سے کوئی ایسا جانور مراد ہو سکتا ہے جس میں دم سائل ہو مثلاً گرگٹ جس میں دم سائل ہوتا ہے۔ سام ابرص میں گرگٹ چھپکلی دونوں شامل ہیں۔ جوہرہ نیرہ شرح قدوری میں سام ابرص کی تفسیر میں الوزغ الکبیر اسی لئے لکھا ہے یعنی بڑا گرگٹ جس میں دم سائل ہوتا ہے۔

جن جانوروں میں دم سائل نہیں وہ اگرچہ حرام ہوں مگر ناپاک نہیں جیسے مکھی جھینگر کہ اگر یہ پانی میں، شوربے میں گر جائیں، مر جائیں تو پانی یا شوربا ناپاک نہیں ہوگا۔

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ۔ دہلی

سوال

بمبئی جیل روڈ کھڈا باری میں ایک چھوٹی مسجد بہت پرانی ہے جس کے بعض حصے بوسیدگی کی وجہ سے گر گئے تھے، اب دوبارہ تعمیر ہو رہی ہے۔ اس کے حوض کی حالت یہ ہے کہ چوڑائی میں بارہ فٹ اور لمبائی میں ۲۵ فٹ اور گہرائی میں ۴½ فٹ ہے۔ اس پر بعض لوگوں نے اس وقت اعتراض کیا کہ یہ حوض دہ در دہ کے خلاف ہے۔ ۱۵ فٹ عرض میں اور ۱۵ فٹ طول میں ہونا چاہئے۔ بعض کہتے ہیں کہ ۱۷½ فٹ عرض میں اور ۱۷½ فٹ طول میں ہونا چاہئے۔ پس از روئے شریف حوض مذکورۂ بالا کی نسبت کیا حکم ہے۔ آیا اس میں وضو جائز ہے یا نہیں؟

المستفتی ۲۶۲۶ فتح محمد صاحب بمبئی ۲ ۲ جمادی الثانی ۱۳۵۹ھ مطابق ۹ جولائی ۱۹۴۰ء

(۲۸۸) **جواب**۔ ۱۵ فٹ طویل ۱۵ فٹ عریض حوض دہ دردہ ہوتا ہے۔ مگر اس کا مطلب یہ ہے کہ حوض کا رقبہ ۲۲۵ مربع فٹ ہونا کافی ہے۔ یہ لازم نہیں کہ پندرہ فٹ سے ۱۵ فٹ ضرور ہو یعنی اگر ایک جانب ۱۵ کے بجائے ۲۵ فٹ اور دوسری طرف صرف ۹ فٹ ہو تو یہ دہ دردہ ہوگا۔ کیونکہ رقبہ ۲۲۵ ہوگیا۔

پس صورت مسئولہ میں جو حوض کہ بارہ فٹ سے ۲۵ فٹ ہے اس کا رقبہ ۳۰۰ فٹ ہوتا ہے جو دہ دردہ کے مطلوب رقبے ۲۲۵ سے ۷۵ فٹ زیادہ ہے۔ تو اس کے جائز حوض ہونے میں کوئی شبہ نہیں۔ موجودہ مقدار تو ۱۷½ سے بھی تقریباً ۲ فٹ زیادہ ہے۔

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہٗ دہلی

سوال

کوئی غیر مسلم نہلا دھلا کر اور پاک کپڑا پہنا کر اگر کسی کنوئیں میں کسی ضرورت سے داخل کیا جائے تو اس سے کنواں نجس تو نہ ہوگا؟

المستفتی نمبر ۲۶۷۶ نجم الحسن رضوی سیتاپور ۱۳ جمادی الثانی سنہ ۱۳۶۰ھ مطابق ۹ جولائی سنہ ۱۹۴۱ء

(۲۸۹) **جواب**۔ غیر مسلم کا بدن ناپاک نہیں۔ اور صورت مسئولہ میں کنواں ناپاک نہ ہوگا۔

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہٗ دہلی۔

سوال

شرعی گز کتنا ہوتا ہے؟

المستفتی نمبر ۲۶۳۳ مولوی عبدالحق امام مسجد دھد ضلع پنج محل مورخہ ۱۳ جمادی الثانی سنہ ۱۳۵۹ھ م ۲۰ جولائی سنہ ۱۹۴۰ء

(۲۹۰) **جواب**۔ شرعی گز نمبری گز سے ساڑھے آٹھ گرہ کا ہوتا ہے۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہٗ۔ دہلی

سوال

ایک مسجد کے صحن میں ایک کنواں ہے۔ چونکہ اس کا پانی نہایت خوشگوار اور صاف ہے اس لئے چھ سات برس سے تقریباً دو سو ہندو مسلم اس کا پانی استعمال کرتے ہیں۔ زید کہتا ہے کہ اس کنوئیں کے پانی سے مسلمانوں کا وضو نہیں ہوتا۔ ہندوؤں کے لئے اس کا استعمال ممنوع کرنا چاہئے

المستفتی نمبر ۲۰۴۲ منشی سید الطاف حسین (ضلع گنٹور) ۱۲ رمضان سنہ ۱۳۵۶ھ مطابق ۱۷ نومبر سنہ ۱۹۳۶ء

(۲۹۱) **جواب**۔ مسلمانوں کا وضو نہ ہونے کی کوئی وجہ نہیں۔ ہندوؤں کو پانی سے بند کر دینا ٹھیک نہیں۔ ہاں ان کو یہ خیال رکھنا چاہئے کہ احتیاط سے پانی بھرا کریں۔
محمد کفایت اللہ کان اللہ لہٗ دہلی

سوال

(از اخبار الجمعیۃ مورخہ ۵ اکتوبر ۱۹۲۹ء)

موضع پالی میں ایک ناڈی بنام پانچولائی شہر سے ڈھائی سو قدم اور حلال خوروں کے مکانات اور پاخانے کی ٹٹیوں سے ڈیڑھ سو قدم کے فاصلے پر واقع ہے۔ جس میں برسات کا پانی شہر کی گلیوں سے بہہ کر آتا ہے۔ اور جنگل سے زیادہ مقدار میں پاک پانی اس میں نہیں آتا۔ البتہ کسی قدر راستوں اور قبروں کا پانی اس ناڈی میں ضرور آتا ہے۔ اور حلال خوروں کے مکانات کے پاس کوڑا اور غلاظت وغیرہ کا ڈھیر لگا ہوا ہے اور اس ڈھیر میں مردار جانور مثلاً کتے سور وغیرہ کی ہڈیاں پڑی رہتی ہیں اس کا پانی بھی اسی ناڈی میں جاتا ہے۔ اور رقبہ ناڈی کا دہ دردہ سے بہت زیادہ ہے۔ ایسے پانی سے وضو غسل وغیرہ جائز ہے یا نہیں؟

(۲۹۲) **جواب**۔ اگر اس تالاب کا رقبہ دہ دردہ سے زیادہ ہے اور اس کے پانی میں نجاست کا کوئی اثر نہیں ہے۔ صاف شفاف پانی ہے تو اس سے وضو اور غسل جائز ہے۔ محمد کفایت اللہ غفرلہٗ دہلی

سوال

(از اخبار الجمعیۃ مورخہ ۵ جون ۱۹۳۴ء)

ایک کنواں جس کا اسکوائر یعنی ایریا سولہ فٹ دو انچ ہے۔ اس میں ایک ڈھیلا جس کو کھرنو کہتے ہیں وہ بجائے اینٹ کے خشک تھا گر گیا۔ جس کی وجہ سے کنواں ناپاک ہو گیا۔ کنویں میں پانی کی آمد بہت ہے ٹوٹ نہیں سکتا۔ اس میں اٹھارہ فٹ پانی ہے۔ جگہ نہیں ہے مگر پھر بھی دو کوس جوتیں تو بھی چار فٹ پانی رہتا ہے۔ ہم نے تین سو ڈول نکال کر پانی کو استعمال کر لیا ہے۔

(۲۹۳) **جواب**۔ جب کہ پانی ٹوٹ نہ سکے تو موجودہ پانی نکال دینا کافی ہے۔ یعنی جتنا پانی موجود ہے وہ نکل جائے اور نیا پانی آتے رہنے کی وجہ سے نہ ٹوٹے تو مضائقہ نہیں۔ صرف تین سو ڈول نکالنا کافی نہیں ہے۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہٗ۔ دہلی

سوال

(از اخبار الجمعیۃ مورخہ ۱۶ر اکتوبر سنہ ۱۹۳۴ء)

حوض اوپر سے تنگ ہے اور اندر سے کشادہ ہے۔ ڈاٹ کھلی نظر نہیں آتی۔ بلکہ ڈھکی ہوئی ہے پانی اوپر ہے۔ تو اس حوض میں وضو ہو سکتا ہے یا نہیں ؟

(۲۹۴) **جواب** اگر کھلا ہوا پانی مقدار شرعی سے کم ہے تو اس سے وضو اس وقت تک کیا جا سکتا ہے، جب تک کوئی نجاست اس میں نہ پڑے۔ نجاست پڑنے سے وہ حوض ناپاک ہو جائے گا۔

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ

سوال

(اخبار الجمعیۃ مورخہ یکم اگست سنہ ۲۹ء)

ایک کتا زہر کی گولی ڈالنے سے مرگیا۔ اس کو کسی لڑکے نے مسجد کے کنوئیں میں ڈال دیا۔ تین روز کامل وہ کنوئیں میں پڑا رہا اور پھول گیا۔ کسی کو خبر نہ ہوئی۔ تین روز بعد وہ کتا کنوئیں سے نکالا گیا۔ مسجد کے پیش امام صاحب نے صرف پچاس ڈول جس میں چھ سیر پانی آتا ہے نکلوا دیئے پانی مسجد کے حمام وغیرہ میں اور محلے میں استعمال ہوتا رہا۔ پانچ روز بعد جب مولوی صاحب سے استفسار کیا گیا کہ صرف پچاس ڈول نکلوانے سے کنواں کیونکر پاک ہو گیا؟ تو انھوں نے اسّی ڈول اور نکلوا دیئے۔ اس کنوئیں کا پانی برابر استعمال ہو رہا ہے۔

(۲۹۵) **جواب** صورت مسئولہ میں کنوئیں کا تمام موجودہ پانی نکالنا ضروری تھا۔ پچاس ڈول اور اس کے بعد اسّی ڈول نکالنا کافی نہیں ہوا۔ ہاں اگر کنوئیں میں مثلاً دو سو ڈول پانی ہو تو ایک سو تیس ڈول جو نکالے جا چکے ہیں محسوب کر لیے جائیں گے۔ محمد کفایت اللہ غفرلہ

سوال

کنوئیں میں اگر مینڈک گر جائے تو کنواں ناپاک ہو گیا یا نہیں؟ اگر ناپاک ہو جاوے تو کتنا پانی نکالا جاوے ؟ المستفتی مولوی عبدالرؤف خاں۔ جگن پور ضلع فیض آباد

(۲۹۶) **جواب** مینڈک کے مرنے سے کنواں ناپاک نہیں ہوتا کیونکہ اس میں دم سائل نہیں ہے۔

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ

سوال

(۱) کنوئیں میں اگر سانپ زندہ یا مردہ نکلے تو کتنا پانی نکالا جاوے؟ (۲) بچے کھیلتے کھیلتے کنوئیں میں ڈھیلے یا ٹھیکری پھینک دیتے ہیں اور اس ڈھیلے یا ٹھیکری کے پاک یا ناپاک ہونے کا علم نہیں ہوتا۔ ایسی صورت میں کتنا پانی نکالا جاوے؟

(۲۹۷) **جواب**۔ (۱) سانپ اگر زندہ نکلے تو کنواں پاک ہے۔ اور مردہ نکلے اور سانپ آبی نہ ہو تو کنواں ناپاک ہے۔ اور اس کا حکم مرغی مردہ نکلنے کا ہے۔ (۲) ڈھیلے یا ٹھیکری کے ناپاک ہونے کا علم ہو تو کنواں ناپاک ہوگا۔ اور نجاست غلیظہ (پیشاب اور پاخانے) کی ناپاکی ہو تو سارا پانی نکالنا ہوگا۔ اور اگر گرنے والی چیز کا ناپاک ہونا معلوم نہ ہو تو کنواں پاک رہے گا۔

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہٗ

سوال

دہ دردہ حوض کی گہرائی کم از کم کتنی ہونی چاہیئے؟

(۲۹۸) **جواب**۔ گہرائی صرف اس قدر کافی ہے کہ دونوں ہاتھوں سے پانی اٹھایا جائے تو زمین یعنی پانی کے نیچے کی تہ نہ کھلے۔ فقط محمد کفایت اللہ کان اللہ لہٗ دہلی۔

دوسرا باب

انسان اور اس کے عوارض

فصل اول، بول و براز کے احکام

سوال

اگر چھ ماہ کی بچی کپڑے پر پیشاب کر دے تو وہ پاک ہے یا ناپاک۔ اور اگر شیر خوار لڑکا ۶ یا ۷ ماہ کا پاک کپڑے پر پیشاب کر دے تو پاک سمجھا جائے یا ناپاک۔ بعض کہتے ہیں کہ اگر شیر خوار لڑکا پیشاب کر دے تو اس کپڑے پر پاک پانی کا چھینٹا دینے سے وہ کپڑا پاک ہو جاتا ہے کیا یہ صحیح ہے؟

المستفتی نمبر ۲۰۹۳ حافظ محمد رفیق صاحب ضلع کھیڑا (بمبئی) ۳ شوال ۱۳۵۶ھ مطابق ۷ دسمبر ۱۹۳۷ء

(۲۹۹) **جواب.** حنفیہ کے نزدیک شیر خوار لڑکے اور شیر خوار لڑکی دونوں کا پیشاب ناپاک ہے ہاں لڑکے کے پیشاب کو زیادہ مبالغہ کے ساتھ دھونا ضروری نہیں۔ پانی بہا دینا اور نچوڑ دینا کافی ہے۔ فقط۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہٗ۔ دہلی

سوال

(از اخبار الجمعیۃ دہلی مورخہ ۲۰ فروری ۱۹۲۹ء)

آبدست کے پانی کی چھینٹ اڑ کر دو ایک قطرے اگر جسم پر یا کپڑے پر پڑ جائے تو اس سے نماز پڑھنا جائز ہوگا؟

(۳۰۰) **جواب.** آبدست کرتے وقت پانی کے قطرے کپڑوں پر گرنے کی دو صورتیں ہو سکتی ہیں ایک وہ پانی جو نجاست دھلنے اور نجس ہونے کے بعد گرتا ہے وہ تو ناپاک ہے۔ دوسرا وہ پانی جو لوٹے یا ہاتھ پر سے گر جاتا ہے قبل اس کے کہ نجاست سے مخلوط ہو وہ پاک ہے۔ پہلی صورت میں ایک درہم کی مقدار تک عفو اور اس سے زیادہ واجب الغسل ہے۔ محمد کفایت اللہ غفرلہٗ

سوال

(از اخبار الجمعیۃ مورخہ ۹ جنوری ۱۹۳۷ء)

پیشاب کی پاکی کے لئے کلوخ کا لینا سنت ہے یا پانی کا لینا؟

(۳۰۱) **جواب.** کلوخ لینا اس کے بعد پانی سے دھونا افضل ہے۔ اور اگر صرف پانی سے استنجا کرلے تو یہ بھی جائز ہے۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہٗ

فصل دوم، حیض ونفاس

سوال

اگر ایسے ایام ہوں جس میں حرام ہے کہ عورتیں ہاتھ لگائیں کلام پاک کو۔ کیا ایسی حالت میں ایسی کتاب کو بھی ہاتھ لگانا پڑھنا جائز ہے جس میں دس بارہ یا ایک دو آیات قرآن پاک کی ہوں؟

المستفتی نمبر ۱۰۸ میر عبدالغفور صاحب سابق جج شملہ۔ ۲۲ رجب ۱۳۵۲ھ مطابق ۱۲ نومبر ۱۹۳۳ء

(۳۰۲) **جواب**۔ حیض کی حالت میں قرآن مجید کو چھونا اور ایسی کتاب جس میں قرآن مجید کی آیتیں لکھی ہوں ان آیات کے ورق پر ہاتھ لگانا ناجائز ہے۔ کتاب کو چھونا اٹھانا جائز ہے۔

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہٗ۔

سوال

جس عورت کو حیض آتا ہو وہ درود شریف دلائل الخیرات پڑھ سکتی ہے یا نہیں ؟

المستفتی نمبر ۱۱۸۰ سید جلال الدین (ضلع آرہ شاہ آباد) ۲۲ جمادی الثانی ۱۳۵۵ھ مطابق ۱۰ ستمبر ۱۹۳۶ء

(۳۰۳) **جواب**۔ ہاں سوائے قرآن مجید کے تمام اذکار پڑھنا مباح ہے۔

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہٗ۔ دہلی

سوال

ایک عورت کو ہمیشہ مہینہ کے آخری ہفتہ میں حیض ہوا کرتا تھا۔ اس کی شادی مہینے کے دوسرے ہفتے میں ہوئی اول شب کو ہمبستر ہونے سے اسے حیض شروع ہو گیا۔ لیکن بے خبری کی وجہ سے خاوند دوبارہ ہمبستر ہوا۔ ایسی حالت میں دونوں میں سے کسی پر گناہ ہوا یا نہیں ؟ اگر گناہ ہوا تو اس کا کفارہ وغیرہ کتنا دینا چاہئے۔ شادی کے بعد سے حیض مہینہ کے دوسرے ہفتہ میں ہونے لگا ہے۔ المستفتی حاجی محمد داؤد صاحب تاجر چٹلا و کمر بند۔ بازار بلیماران۔ دہلی

(۳۰۴) **جواب**۔ بے خبری سے ایسا ہو گیا تو دونوں میں سے کسی پر گناہ نہیں ہوا۔

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہٗ دہلی

سوال

نفاس والی عورت جبکہ تلویث کا ڈر نہ ہو اس کے چھوئے ہوئے مٹی کے ظروف کو عقیدۃً ناپاک سمجھنا رسوماتِ کافرہ کی پابندی کرنا مثلاً لڑکے کے کان کسی بزرگ کے نام پر چھدوانا حقوق العباد کو تلف کرنا اور کھا جانا۔ بطلبِ حقوق شدت اور سختی سے پیش آکر بحلف انکار کرنا یہ فاسد عادتیں ایک سردار قوم کے اندر پائی جائیں تو ایسے شخص کو سردار از روئے شریعت تصور کرنا چاہئے یا نہیں۔ اور ایسے شخص سے مسلمانوں کو کیسا برتاؤ کرنا چاہئے ؟

المستفتی نمبر ۲۰۸۶ مولانا عبدالرحیم صاحب (چھاؤنی نیمچہ) ۲۹ رمضان ۱۳۵۶ھ مطابق ۴ دسمبر ۱۹۳۷ء

(۳۰۵) **جواب**۔ حیض و نفاس والی عورت کے ہاتھ جب کہ ان پر کوئی ظاہری نجاست نہ ہو پاک ہیں۔ اور ان کے لگنے چھونے سے مٹی تانبے وغیرہ کے برتن ناپاک نہیں ہوتے۔

کسی بزرگ کے نام پر بچوں کے کان چھیدنا حرام ہے۔ کسی کا حق مارنا اور کھاجانا بھی حرام ہے۔ ایسا شخص سرداری کے لائق نہیں جو لوگوں پر ظلم کرے اور ان کے مال مارے۔ فقط

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہٗ۔ دہلی۔

سوال

ایک عورت کو ۳۶ دن نفاس کا خون آیا اور بعد کی حالت یہ ہے کہ تین دن طہر پھر ایک دن خون۔ پھر تین دن طہر پھر دس دن خون۔ پھر ایک دن طہر پھر ایک دن خون۔ پھر نو دن طہر نو دن خون اور اس کے بعد سے اب تک طہر ہے۔ اس عورت کو پہلے ایک نفاس ہو چکا ہے جو ۳۵ یوم کا تھا پہلے عموماً اس کو آٹھ یوم کا حیض آتا تھا۔ مگر تاریخیں یاد نہیں۔ تو اب صورت مسئولہ میں اس کے نفاس کے یوم کتنے اور طہارت کے یوم کتنے اور حیض کے یوم کتنے شمار ہوں گے۔ اگر خدانخواستہ آیندہ ایسی ہی گڑبڑی کی حالت رہی تو طہارت و حیض کے دن کس طرح شمار کیے جائیں گے۔ اس کے لئے قاعدہ بتادیں۔ نفاس اور حیض کے درمیان طہارت کم از کم دن کتنے ہوتے ہیں؟

المستفتی نمبر ۲۸۱۷ سلیمان موسی حافظ جی بارڈولی ضلع سورت۔ ۱۸ ربیع الاول ۱۳۶۰ھ

(۳۰۶) **جواب**۔ نفاس کے چالیس دن ہوں گے اس کے بعد طہارت کا حکم ہوگا۔ اور کیا اس کو ایام رضاعت میں پہلے بھی خون حیض کا آتا رہا ہے۔ یا رضاعت کے ایام میں حیض نہیں آتا تھا۔ اس کا جواب دیا جائے تو آیندہ کا حکم بتایا جائے۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہٗ۔ دہلی

تتمۂ سوال۔ جواب میں جو بات دریافت فرمائی گئی ہے اس کا جواب یہ ہے کہ جی ہاں پہلے بھی ایام رضاعت میں اس کو حیض کا خون آتا رہا ہے۔ اور یہ وہی ہے جو سوال میں لکھا گیا ہے کہ اس کو پہلے عموماً آٹھ یوم کا حیض آتا تھا مگر اس کی تاریخیں یاد نہیں ہیں۔ تو اب باقی ایام میں طہارت کے دن کتنے اور حیض کے دن کتنے؟

حضرت والا! یہی مسئلہ میں نے جامعہ ڈابھیل کے مفتی اسمٰعیل بسم اللہ صاحب مدظلہ العالی پر بھی لکھا تھا۔ مگر سوال میں فرق صرف اتنا ہے کہ اس آپ کے سوال میں آخری طہر ۱۹ دن کا ہے اور ان کے سوال

میں پانچ دن کا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہوئی کہ ان پر سوال لکھا اور اس کا جواب آیا۔ اور پھر آپ پر سوال لکھا تو یہ جو ایام طہر کے گزرے وہ زیادہ کر دیئے گئے۔

انھوں نے جواب دیا ہے کہ حد فاصل دوم کے درمیان میں طہارت کے جو پندرہ دن ہونے چاہئیے وہ کہیں نہیں ہیں۔ لہٰذا اس کی نفاس کی عادت کے ۳۵ یوم نفاس شمار کر کے باقی ایام استحاضہ میں شمار ہوں گے۔ جس میں نماز روزے ادا کرنے ہوں گے۔ لہٰذا اس کو جن تاریخوں میں پہلے آٹھ یوم حیض آتا تھا عادت کا وہ اب ان تاریخوں میں آٹھ یوم حیض شمار ہوگا۔ اور باقی کا استحاضہ۔

حضرت والا! میرے ناقص مطالعہ کے لحاظ سے جو بات سمجھ میں آتی ہے وہ عرض کرتا ہوں۔ اگر چالیس دن نفاس کے شمار کیے جائیں تب بھی دو خون کے درمیان کی اقل مدت طہر پندرہ یوم وہ نہیں آتی ہے۔ لہٰذا آخری طہر جو ۱۹ یوم کا ہے اور اس وقت ۲۸ یوم کا ہوا ہے۔ اس کے علاوہ سب ایام استحاضہ کے ہیں۔ لہٰذا اس کی نفاس کی سابقہ عادت جو ۳۵ یوم کی ہے وہ عود کر آئے گی تو اس کا یہ نفاس بھی ۳۵ یوم کا ہوگا۔ اس کے بعد احتیاطاً ۱۵ دن کا طہر ہوگا۔ اس کے بعد اس کی سابقہ عادت کے مطابق آٹھ دن حیض کے ہوں گے۔ اور اس کے بعد اب تک کے ایام طہر کے ہونگے۔ اگر خدانخواستہ ان کو پندرہ دن کا طہر نہ آتا تو پھر ان کو بائیس دن طہر کے ہوتے۔ پھر آٹھ دن حیض کے۔ پھر بائیس دن طہر کے۔ پھر آٹھ دن حیض کے اور ایسے ہی حکم چلتا رہتا۔ اس لئے کہ عورتوں کو عموماً مہینے میں ایک بار دم حیض آتا ہے۔ ایام رضاعت میں حیض نہ آنے کو اس مسئلہ سے کیا نسبت ہے وہ بھی ارشاد فرمائیں۔

جواب۔ (از مولانا مفتی عبدالغنی صاحب۔ صدر مفتی دارالافتا مدرسہ امینیہ۔ بعد وفات حضرت مفتی اعظمؒ)

جبکہ نفاس کی ۳۵ دن کی پہلی عادت تھی لیکن اس دفعہ خلاف عادت ۳۶ دن خون آیا لیکن تین دن بند رہ کر پھر چالیسویں دن بھی خون آگیا۔ اس کے بعد کچھ دن بند رہا اس صورت میں نفاس کے چالیس دن شمار ہوں گے۔ البتہ اگر خون مستمر رہتا۔ یہاں تک کہ چالیس یوم سے متجاوز ہو جاتا تو بے شک عادت سے زائد کو استحاضہ میں شمار کیا جاتا۔ درمختار میں ہے۔ اما المعتادۃ فترد لعادتها وکذا الحیض۔ شامی میں ہے۔ اذا کان عادتها فی النفاس ثلاثین یوما فانقطع دمها علی راس عشرین یوما وطهرت عشرۃ ایام تمام عادتها فصلت وصامت ثم عاودها

الدم فاستمر بہا حتی جاوز الاربعین ذکرانہا مستحاضۃ فیما زاد علی الثلاثین۔ دوسری جگہ ہے۔ صورتہ فی النفاس کانت عادتہا فی کل نفاس ثلاثین ثم رأت مرۃ احدی وثلثین ثم طہرت اربعۃ عشر ثم رأت الحیض فانہا ترد الی عادتہا وہی الثلاثون ویحسب الیوم الزائد من الخمسۃ عشر التی ہی طہر۔ کیونکہ دم نفاس اور دم حیض میں کم از کم پورے پندرہ یوم کا فاصلہ ضروری ہے۔ اقل الطہر بین الحیضتین او النفاس والحیض خمسۃ عشر یوماً ولیالیہا اجماعاً۔ اگر عادت بھول گئی یعنی ایام حیض کے عدد یاد ہیں لیکن یہ بھول گئی کہ مہینے کے پہلے عشرہ میں حیض آیا ہے یا دوسرے عشرہ میں یا تیسرے عشرہ میں تو تحری کرکے ظن غالب پر عمل کرے گی۔ د من نسیت عادتہا اما بعدد او بمکان او بہما انہا تتحری الخ۔ فقط

محمد عبدالغنی غفرلہٗ (ذیقعدہ ۱۳۷۳ھ)

فصل سوم، آدمی کا جسم اور جھوٹا

سوال

بعض مسلمان عیسائیوں چماروں بھنگیوں وغیرہ کے ہاتھ کا پکایا ہوا کھانا یا ان کے ہاتھ کا پانی استعمال نہیں کرتے خواہ اپنا جسم ولباس پاک صاف رکھیں۔ برخلاف اس کے بعض ہندو اقوام مثلاً برہمن راجپوت، مہاجن مالی بڑھئی کہار وغیرہ کے ہاتھ کا پکایا ہوا کھانا یا ان کے ہاتھ کا پانی استعمال کرتے ہیں۔ ان مسلمانوں کا یہ فعل از روئے قرآن وحدیث جائز ہے یا ناجائز؟

المستفتی ۲۸ اللہ دیا صاحب ماسٹر (ضلع سہارنپور) ۲ صفر ۱۳۵۳ھ مطابق ۱۷ مئی ۱۹۳۴ء

(۳۰۷) **جواب۔** شریعت مطہرہ نے غیر مسلم کے بدن کو پاک قرار دیا ہے، خواہ وہ بھنگی ہو یا چمار یا اور کوئی کام کرنے والا ہو۔ اس میں کسی ذات یا پیشہ کی تخصیص نہیں ہے۔ ہاں بھنگی یا چمار یا ایسے لوگ جو نجاست کے کاموں میں رہتے ہیں، ان کا بدن یا لباس ظاہر کے لحاظ سے اکثر ناپاک رہتا ہے اس لئے اس ناپاکی کے غلبہ ظن کی بنا پر ان کا حکم ایسے لوگوں سے مختلف ہے جو نجاست سے ایسا تعلق نہیں رکھتے۔ مگر جبکہ کسی بھنگی یا چمار کو نہلا دھلا کر پاک صاف کر لیا جائے تو اس کے ہاتھ کی چیز اور کسی برہمن

کے ہاتھ کی چیز میں کوئی فرق نہیں رہے گا۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہٗ

سوال

(۱) ایک غیر مذہب بھنگی کے ساتھ مسلمان کو کھانا کھانا ایک پلیٹ میں کیسا ہے؟
(۲) ایک غیر مذہب بھنگی کو بلا کر مسجد میں جھاڑو دلوانا کیسا ہے؟

المستفتی ۱۳۳۶ شیخ عبد الغفور صاحب۔ دہلی۔ ۲۲ ذیقعدہ ۱۳۵۵ھ مطابق ۶ فروری ۱۹۳۷ء

(۳۰۸) **جواب** (۱) اسلام کا اصول یہ ہے کہ انسان کا بدن پاک ہے، خواہ وہ مسلمان ہو یا غیر مسلم۔ اس میں بھنگی اور چمار کا بھی سوال نہیں ہے۔ سوال میں غیر مذہب بھنگی کی تصریح کی گئی ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ اگر غیر مسلم بھنگی کو نہلا دھلا کر اس کا بدن اور ہاتھ پاک صاف کر لیے جائیں، تو اس کے ساتھ ایک برتن میں کھانے والا محض اس بنا پر کہ غیر مذہب کے ساتھ کھایا ہے ناپاک کھانے یا حرام کھانے کا مرتکب قرار نہ دیا جائے گا۔ کیونکہ اس مفروضہ صورت میں اس کے ہاتھ پاک کرا لیے گئے ہیں۔ رہی یہ بات کہ اس نے غیر مذہب اور بھنگی کو اپنے ساتھ کھانے میں شریک کیوں کیا۔ تو یہ بات مختلف حالات اور مختلف مصالح کے لحاظ سے بدل سکتی ہے۔ اگر کوئی معقول وجہ اپنے ساتھ کھلانے کی ہو تو پھر کوئی الزام اور اعتراض نہیں۔ اور کوئی معقول وجہ نہ ہو تو بلا وجہ غیر مسلموں کے ساتھ کھانے پینے کے تعلقات قائم کر لینے کا الزام ہوگا۔ مگر ناپاک یا حرام کھانے کا الزام نہ ہوگا۔ (۲) احاطہ مسجد میں نماز کی جگہ کے علاوہ باقی جگہ میں بھنگی سے جھاڑو دلوائی جائے تو کوئی حرج نہیں۔ اور اگر بھنگی کے پاؤں اور بدن پاک ہونے کا یقین ہو تو نماز کی جگہ میں بھی اس سے جھاڑو دلوائی جا سکتی ہے۔ کیونکہ انسان کا بدن فی حد ذاتہ اسلامی اصول کے لحاظ سے پاک ہے۔

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہٗ۔ دہلی

سوال

اگر کوئی شخص خاکروب (بھنگی غیر مسلم) کے ہاتھ دھوا کر اور خوب صاف کر کے اس کے ساتھ کھانا کھائے تو جائز ہے؟ سوال مذکور کی صورت اس وجہ سے پیش آئی کہ مولانا عطاء اللہ شاہ بخاری نے مجلس احرار سنبھل کے ایک بیان میں اسلام کی رواداری غیر مذاہب کے لوگوں پر واضح کرتے ہوئے اپنا یہ واقعہ بیان کیا کہ ایک جگہ میں نے خود بھنگی کے ساتھ بیٹھ کر کھانا کھلایا۔ اس

کے منہ کا آدھا کٹا ہوا آلو بھی ہیں نے کھالیا۔ اب ایک صاحب نے شاہ صاحب موصوف کی تقلید میں ایک بھنگی کے ساتھ بیٹھ کر کھانا کھالیا ہے۔ کچھ لوگ اس خیال پر چراغ پا ہو رہے ہیں۔ براہ مہربانی اگر ممکن ہو تو دو چار دلیل بھی جواب کے ساتھ ارقام فرما کر ممنون فرمائیں۔

المستفتی نمبر ۱۴۲۷ مولانا طاہر الانصاری صاحب فاضل دیو بند (سنبھل مراد آباد) ۲۷ صفر ۱۳۵۶ھ مطابق ۹ مئی ۱۹۳۷ء

(۳۰۹) **جواب** اسلام کا مسلمہ اصول ہے کہ انسان کا بدن پاک ہے۔ اور انسان کا جھوٹا پاک ہے، خواہ مسلم ہو یا کافر۔ اس اصول پر جبکہ کسی انسان کے ہاتھ پاک ہوں اور کھانا بھی حلال ہو برتن بھی پاک ہوں اور مسلمان اس کے ساتھ کھانا کھالے، تو اس میں کوئی اصولی غلطی نہیں ہے۔ اور اگر کسی موقعہ پر اسلامی اصول کی حقیقت واضح کرنے کے لئے کوئی شخص یہ کام کرے تو وہ قابلِ تحسین ہے نہ کہ محلِ الزام۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہٗ۔ دہلی

سوال

انجمن خدام اسلام جگراؤں کے زیر اہتمام ایک تبلیغی ہفتہ اوائلِ ستمبر میں منایا گیا جس میں علمائے کرام میں سے ایک نے اسلامی مساوات پر تقریر کرتے ہوئے کہا کہ اسلام سب بنی نوعِ انسان کو یکساں سمجھتا ہے۔ حتیٰ کہ ایک مسلمان ایک کافر کا جھوٹا کھا پی سکتا ہے۔ بلکہ اپنے دین کو ضرر پہنچائے بغیر ان کے گھر کا بھی کھا پی سکتا ہے۔ اچھوتوں میں سے ایک نے جو سب اجلاسوں میں حاضر رہا اور جو مائل بہ اسلام تھا اور اب بھی اس دعوے کی صداقت کو آزمانے کے لئے علماء و دیگر معززین کی دعوت کر دی جو قبول کر لی گئی۔ کھانا تیار کرنے میں یہ اہتمام مدنظر تھا کہ مسلمان سے گوشت خریدنے کے بعد مسلمان ہی پکائے چنانچہ بریانی مسلمان نائی نے پکائی۔ اور حلوا اچھوتوں نے تیار کیا۔ البتہ کھانا مہمانوں کے آگے رکھنے والے اچھوت تھے۔ علماء و اکابر کے اس فعل پر جو محض بنظر تالیفِ قلوب و بمقصد تبلیغ اس طور سے عمل میں لایا گیا کہ کھانا کھانے سے قبل محاسنِ اسلام پر ایک مبسوط تقریر اسی اچھوت کے گھر کی گئی۔ اور اس میں دعوت اسلام دی گئی۔ بعض معاندین نے بفحوائے انما المشرکون نجس فلا یقربوا المسجد الحرام بعد عامھم ھذا بطور استدلال پیش کیا۔ اور مشہور اہل سنت کا متفقہ مذہب کہ ان کے بدن نجس نہیں اعتقادات نجس ہیں، نظر انداز کر دیا گیا۔ اس شور و غل کی وجہ سے بہت سے اچھوت جو دائرۂ اسلام کے بہت قریب آگئے تھے اب خاموش ہو گئے ہیں۔

آپ از روئے شریعت ظاہر فرمادیں کہ طرفین میں سے کون حق پر ہے
المستفتی نمبر ۱۸۹۶ جناب صفی عبداللہ ایم ۔ اے ۔ صدر انجمن خدام اسلام جگراؤں ۔
۸ شعبان ۱۳۵۶ھ مطابق ۱۴ اکتوبر ۱۹۳۷ء

(۳۱۰) **جواب** اسلامی اصول کے بموجب کافر و مشرک کا بدن نجس نہیں ۔ بلکہ جب بدن پر کوئی نجاست نہ ہو تو بدن پاک ہے اور ان کے ہاتھ کا کھانا کھانا بھی جائز ہے اور تبلیغی مقصد کے پیش نظر جن مسلمانوں نے اچھوتوں کے ہاتھ کا کھانا کھایا وہ مستحق اجر ہیں ۔
محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ ۔ دہلی ۔

سوال

ہمارے یہاں ایک مولوی صاحب کچھ عرصہ سے فقہ شریف کا مسئلہ اپنی وعظوں میں اس طرح بیان فرماتے رہے ہیں کہ کافر کا جھوٹا پاک ہے ۔ چوہڑے بھی ہندوؤں کے مانند ہیں ۔ لہذا چوہڑوں کا کھانا بھی جائز ہے ۔ چنانچہ اب کی وعظ پر یعنی کل $\frac{9}{37}$ 6 کو ایک چوہڑے نے جو کہ اپنے آپ کو مذہبی سکھ کہلا رہا ہے اس نے مولوی صاحب کی معہ چند احباب دعوت کر دی ۔ مولوی صاحب نے نہایت خوشی سے بے چون وچرا منظور فرمالی اور بوقت روانگی یعنی جب دعوت کھانے کے لئے جانے پر تیار ہوئے اس وقت نعرۂ اللہ اکبر بلند آواز سے لگایا ۔ بعدہٗ مولوی صاحب معہ ایک جماعت کثیر کے نعتیں پڑھتے ہوئے اس چوہڑے کے گھر پہنچے ۔ اور چوہڑوں نے بدست خود ان کو کھانا اتارا اور اپنے گھر کا پانی وغیرہ بھی پینے کو دیا ۔ اور مولوی صاحب نے نہایت فراخدلی سے مع اپنے رفقاء کے دعوت کو نوش فرمالیا ۔

دعوت کے اہتمام کی کیفیت حسب ذیل ہے :۔

حلوے کو تو خود ان چوہڑوں نے اپنے گھر کے پانی وغیرہ سے تیار کیا ۔ اور پلاؤ کو ایک حجام نے تیار کیا ۔ حجام کہتا ہے کہ بجز پکانے کے باقی سب کام پانی وغیرہ کا ڈالنا غرضکہ سب اہتمام ان چوہڑوں ہی کا رہا ہے ۔ ہاں گوشت جو پلاؤ میں ڈالا گیا تھا ۔ ان کے ہمراہ میں نے قصاب کی دکان سے خرید کیا تھا جبکہ انہوں نے اپنے قبضے میں کر لیا میں بازار چلا گیا ۔ دو گھنٹے کے بعد میں بازار سے سودا سلف خرید کر کے جب ان چوہڑوں کے گھر پہنچا تو میں نے ان کے گھر سے منگوا کر دیگ میں پکا دیا ۔ عالیجاہا ہم نہایت ہی

ادب سے التماس کرتے ہیں کہ مولوی صاحب کے اس مسئلہ نے ہمارے یہاں ہر ایک مسلمان کے دل میں بے چینی پیدا کردی ہے۔ لہذا معروض ہے کہ مندرجہ ذیل سوالات سے آگاہی فرما کر عنداللہ ماجور ہوں

(۱) کیا فقہیہ کتب میں مذکور ہے کہ کافر کا جھوٹا پاک ہے اور اس کے یہی معنی ہیں جس پر مولوی صاحب نے عمل کیا ہے؟۔

(۲) کیا فقہاء عظام کے مسائل مستنبط من القرآن والاحادیث نہیں ہیں؟ اگر ہیں تو کیا فقہاء عظام کے مسائل کی مطابقت قرآن مجید واحادیث شریف سے ضروری نہیں؟

(۳) اللہ جل جلالہ ایک جگہ قرآن پاک میں فرماتا ہے کہ مشرک تو نرے گندے ہیں۔ اور دوسری جگہ فرماتا ہے کہ مسلمانوں تمہارے لئے اہل کتاب کا کھانا حلال ہے اور تمہارا کھانا ان کے لئے حلال ہے۔ کیا قرآن شریف کی ان آیات کی رو سے یہ نہیں پایا جاتا ہے کہ فقہائے کرام نے جو کافر کا لفظ بیان فرمایا ہے اس سے اہل کتاب مراد ہیں جو کہ عیسائی یہودی وغیرہ ہیں۔

(۴) کیا کفار کی دعوت کو قبول کرنا خلاف امر جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نہیں ہے۔ آنحضور علیہ الصلوۃ والسلام تو مشکوۃ شریف میں فاسقین کی دعوت سے بھی منع فرماتے ہیں۔

(۵) ذبیحہ کا گوشت جو تقریباً دو گھنٹے چوہڑوں کے گھران کے قبضے میں رہا، کیا شرع شریف ایسے گوشت کے کھانے کی اجازت دیتی ہے؟

(۶) اگر مولوی صاحب کی شرعاً اس میں کچھ گرفت ہو تو ان کے متعلق حکم شرع تحریر فرمایا جائے۔

المستفتی نمبر ۲۱۱۲ مستری نذیر احمد (ضلع لودھیانہ) ۱۰ شوال ۱۳۵۶ھ مطابق ۱۴ دسمبر ۱۹۳۷ء

(۳۱۱) **جواب** ۔ مسئلہ شرعیہ فقہاء حنفیہ کے نزدیک یہی ہے کہ کافر کا بدن پاک ہے جبکہ اس پر کوئی ظاہری نجاست نہ ہو۔ کافر کا جھوٹا بھی پاک ہے۔ پس اگر اس کا اطمینان کرنے کے بعد کہ کھانے میں کوئی ناجائز وناپاک چیز نہ تھی اور پکانے والے اور کھلانے والوں کے ہاتھ بھی کسی نجاست سے ملوث نہ تھے تو ان کے ہاتھ کے کھانے میں کوئی شرعی جرم نہیں ہے۔ اور اگر تبلیغی ضرورت یا اسلامی مساوات کی حقیقت ظاہر کرنے کے لئے ایسا کیا جائے تو موجب اجر وثواب ہے۔ آیت "انما المشرکون نجس" میں نجاست سے اعتقادی نجاست مراد ہے نہ کہ جسمانی۔

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ ۔ دہلی

سوال

(از اخبار سہ روزہ الجمعیۃ مورخہ ۱۰ مئی ۱۹۲۶ء)

زید[1] نے جان بوجھ کر کافر کا حقہ اپنا ہاتھ لگا کر پی لیا۔ یہ فعل کیسا ہے؟ کافر[3] و مشرک کا جھوٹا کھانا پینا کیسا ہے؟

(۳۱۲) **جواب** جبکہ[1] ناپاک ہونے کا ظن غالب نہ ہو تو اس صورت میں کوئی مواخذہ نہیں۔ فی حد[2] ذاتہ جائز ہے جبکہ نجاست کا ظن غالب نہ ہو۔ محمد کفایت اللہ غفرلہٗ۔

(۳۱۳) **جواب دیگر** کافر کے ہاتھ سے تر اور سیال چیز لینا فی حد ذاتہ جائز ہے۔ لیکن اگر کافر کی بے احتیاطی کی وجہ سے ملوث بالنجاستہ ہونے کا گمان ہو تو بچنا بہتر ہے۔ اور غالب گمان ہو تو لینا ناجائز ہے۔ اور پاک ہونے کا یقین ہو تو بلا کراہت جائز ہے۔ کیونکہ انسان کا بدن فی نفسہٖ اسلامی اصول کے لحاظ سے پاک قرار دیا گیا ہے۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہٗ

(از اخبار الجمعیۃ مورخہ ۲۲ ستمبر ۱۹۳۴ء)

فصل چہارم، وضو غسل اور تیمم

سوال

تیمم میں اعضا کو گرد لگانا فرض ہے؟ یا صرف ہاتھ پھیرنا فرض ہے؟ نیز یہ کہ تیمم دو ضرب سے ہوتا ہے۔ اب اگر کوئی عضو چھوٹ جائے تو اس کے لئے تیسری ضرب لگائی جائے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

(۳۱۴) **جواب** تیمم میں اعضائے تیمم پر غبار آلود ہاتھ پھیرنا فرض ہے۔ یہ ضروری نہیں کہ اعضا پر بھی غبار نظر آنے لگے۔ تیمم میں اگر کوئی عضو چھوٹ جائے تو اس کے لئے تیسری ضرب کی ضرورت نہیں۔ ویسے ہی اس جگہ ہاتھ پھیر دینا کافی ہے۔

سوال

پاجامہ اگر ٹخنوں سے نیچا ہو تو وضو ٹوٹتا ہے یا نہیں؟ بعض آدمی کہتے ہیں کہ مسلم شریف و

مشکوٰۃ شریف میں یہ حدیث شریف موجود ہے کہ پاجامہ ٹخنوں سے نیچے پہننے سے وضو باطل ہو جاتا ہے لہٰذا یہ حدیث شریف ہو تو اس سے مطلع فرمائیں۔

(۳۱۵) **جواب** اس امر کی کوئی معتبر دلیل نہیں کہ ٹخنے سے نیچا پاجامہ پہننے سے وضو ٹوٹ جاتا ہے۔ اس میں شک نہیں کہ ٹخنے سے نیچا پاجامہ رکھنا سخت گناہ ہے۔ لیکن ایسا کرنے سے وضو نہیں ٹوٹتا۔ اور جو حدیث کہ ابوداؤد شریف میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص کو جو ٹخنے سے نیچے کپڑا پہنے ہوئے تھا وضو کرنے کا حکم دیا۔ اول تو اس میں ایک راوی ابوجعفر ہے جو مجہول ہے۔ دوسرے اس سے یہ بھی ثابت نہیں کہ وضو ٹوٹ جانے کی وجہ سے حکم دیا تھا۔ ممکن ہے کہ اس کے گناہ کے کفارہ کے لحاظ سے یہ حکم دیا ہو۔ کیونکہ وضو سے اعضاء کے گناہ جھڑ جاتے ہیں۔

سوال

اگر سونے کا دانت لگوا لیا ہو تو کیونکر اس کے اندرونی حصہ یعنی جڑ اور برابروں میں غسل جنابت کے وقت پانی پہنچایا جا سکتا ہے۔ اور نہ پہنچے تو غسل ہو جاتا ہے یا نہیں؟

المستفتی نمبر ۲۹۶ ۱۵ صفر سنہ ۱۳۵۳ھ مطابق ۳۰ مئی سنہ ۱۹۳۴ء

(۳۱۶) **جواب** اندرونی حصہ میں پانی پہنچنا اس لئے ضروری نہیں کہ اب وہ دانت بوجہ لازم اور ثابت ہونے کے اصلی دانت کے حکم میں ہو جاتا ہے۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ،

جواب دیگر۔ (از نائب مفتی صاحب) جب اصلی وخلقی دانت پر سونے کا پترہ چڑھا دیا جائے گا تو یہ سونے کا خول بوجہ شدت اتصال کے کالجزء ہی ہو جائے گا۔ اور اس کے نیچے اصلی دانت کا غسل واجب نہ ہوگا۔ تنویر الابصار و در مختار میں ہے۔ (غسل ما فیہ حرج کعین) وان اکتحل بکحل نجس (وثقب انضم و) لا (داخل قلفۃ) الخ علی ھامش رد المحتار جلد اول ص ۱۱۳ سونے کا دانت ضرورۃً لگوایا ہو یا زینۃً دونوں صورتوں میں حکم مختلف نہ ہوگا۔ فقط

حبیب المرسلین عفی عنہ نائب مفتی مدرسہ امینیہ دہلی

الجواب صحیح۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ،

سوال

ہر نماز کے لئے پنج وقتہ وضو کیا جاتا ہے۔ اگر ایک ہی دفعہ وضو کر لیا جائے۔ اور چار وقت

نہ کیا جائے تو عقل سلیم طہارت کا حکم نہیں لگا سکتی اور طہارت ظاہری کا اثر طہارت باطنی پر پڑتا ہے یا نہیں؟ اور طہارت کے لئے ان اعضا کو کیوں خاص کیا گیا؟ اگر ان اعضا کے دھونے کے بجائے غسل کر لیا جائے تو کیا وضو ہو جائے گا؟۔

المستفتی نمبر ۶۷۴ ابو محمد عبدالجبار۔ (رنگون) ۱۰ ربیع الثانی ۱۳۵۴ھ مطابق ۱۴ مئی ۱۹۳۵ء

(۳۱۷) **جواب** نماز کے لئے طہارت کی ضرورت ہے۔ طہارت کے لئے ان اعضا کو اس لئے خاص کیا گیا کہ یہ اعضا اکثر حالات میں خارجی موثرات سے متاثر ہوتے رہتے ہیں۔ اور تلویث کا اثر ان اعضا پر بہ نسبت باقی اعضا کے زیادہ ہو سکتا ہے۔ اس لئے انھیں اعضا کو دھونے کے لئے مخصوص کیا گیا۔ وضو کی جگہ غسل کر لینا بدرجہ اتم کافی ہے۔ اور غسل کے اندر وضو خود بخود ہو جاتا ہے۔ لیکن اگر ہر نماز کے لئے غسل کا حکم عام دے دیا جاتا تو مسلمانوں پر اس کی تعمیل دشوار اور قریب ناممکن ہو جاتی، اس لئے حکم تطہیر میں لوگوں کی آسانی کا لحاظ بھی خدائے علیم و حکیم و خبیر کے احکام میں موجود ہے۔ طہارت ظاہر کا اثر طہارت باطن پر بیشک پڑتا ہے۔ اس لئے نماز جو طہارتِ باطن کا ذریعہ ہے، اس کے لئے طہارت ظاہری شرط کر دی گئی۔ اور طہارت ظاہری میں مکلفین کی آسانی کا بھی پورا لحاظ رکھا گیا ہے۔ کیونکہ بفحوائے الدین یسر اعمال دینیہ کا مبنی آسانی پر رکھا گیا ہے۔ واللہ اعلم۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ

سوال

اگر کوئی شخص بصحت و سلامتی اپنے دانتوں پر بغرض زینت سونے کا پترہ اس طرح چڑھائے کہ دو یا چار دانتوں پر یا ساری بتیسی پر سونے کا خول منڈھا دے کہ جس سے دانت اور مسوڑھے سب بند ہو جائیں تو وضو اور غسل ہو جائے گا یا نہیں؟ فقہائے کرام نے باب الغسل میں لکھا ہے کہ بدن کے جس حصے میں آٹا چپک کر سوکھ جائے یا چکنا میل ناخن کے اندر ہو جس کی وجہ سے پانی اس کے اندر نہ پہنچ سکے تو غسل نہیں ہوگا۔

المستفتی نمبر ۵۳۹ مولوی ظہور احمد (کاٹھیاواڑ) ۱۶ ربیع الثانی ۱۳۵۴ھ مطابق ۱۸ جولائی ۱۹۳۵ء

(۳۱۸) **جواب** دانتوں کی کسی خرابی کی وجہ سے سونے کا خول چڑھوانا ناجائز نہیں۔ اور محض تزیین کے لئے چڑھانا مکروہ ہے۔ اور ضرورۃً چڑھایا ہوا ہو یا بلاضرورت بہر صورت غسل و وضو کے لئے وہ

مانع نہیں کیونکہ وہ ایک جزء لازم کی حیثیت رکھتا ہے۔ بخلاف آٹے اور چکنے میل کے کہ وہ جزء لازم نہیں ہے۔ فقط محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ

ولا یشد سنہ المتحرک بذھب بل بفضۃ وجوزھما محمد رح تنویر الابصار و در مختار جلد ۵۔ الجواب صحیح۔ حبیب المرسلین عفی عنہ نائب مفتی۔

سوال

حالت جنابت میں کھانا پینا درست ہے یا نہیں ؟

المستفتی نمبر ۱۱۶ حکیم محمد قاسم (ضلع میانوالی) ۱۷ جمادی الثانی ۱۳۵۴ھ مطابق ۱۶ ستمبر ۱۹۳۵ء

(۳۱۹) **جواب** جنابت میں کھانا پینا درست ہے۔ بہتر یہ ہے کہ وضو کرکے کھائے پیے اور بغیر وضو کیے صرف ہاتھ منہ دھو کر کھا پی لے تو یہ بھی ناجائز نہیں۔ خلاف اولیٰ ہے۔

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ

سوال

انگریزی برش جو دانتوں پر استعمال ہوتا ہے، اس میں اگر سور کے بال ہوں تو استعمال کرنا جائز ہے یا نہیں؟ المستفتی نمبر ۱۱۶ حکیم محمد قاسم (ضلع میانوالی)

(۳۲۰) **جواب** اگر خنزیر کے بالوں کا برش ہو تو اس کا استعمال قطعاً ناجائز ہے۔

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ

سوال

(۱) وضو میں ہاتھوں کی انگلیوں کا خلال گٹوں تک ہاتھ دھونے میں کرے یعنی شروع وضو میں یا کہنیوں کے دھوتے وقت کرے؟ سیدھی طرف سے یا الٹی طرف سے؟

(۲) چوتھائی سر کا مسح یا تمام سر کا مسح کرتے ہیں؟ اس کی کیا دلیل ہے؟

المستفتی نمبر ۶۵۵ مجیدی دواخانہ بمبئی ۲۷ رجب ۱۳۵۴ھ مطابق ۲۶ اکتوبر ۱۹۳۵ء

(۳۲۱) **جواب** وضو میں انگلیوں کا خلال ابتدائے وضو میں ہاتھ دھوتے وقت کرنا چاہیے۔

(۲) حنفیہ کے نزدیک چوتھائی سر کا مسح فرض ہے اور پورے سر کا مسح سنت ہے۔ پورے سر کا مسح کرنا چاہیئے تاکہ فرض اور سنت دونوں ادا ہو جائیں۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ۔ دہلی

سوال

وضو میں مسواک سنت مؤکدہ ہے یا محض سنت ؟ المستفتی نمبر ۶۵۸ مجیدی دواخانہ بمبئی

(۳۲۲) **جواب** وضو میں مسواک سنت مؤکدہ ہے۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ

سوال

دانت صاف کرنے کا برش خنزیر کے بالوں کا ہو تو جائز ہے یا نہیں ؟

المستفتی نمبر ۸۳۱ محمد انور (ضلع جالندھر) ۱۳ محرم ۱۳۵۵ھ مطابق ۶ اپریل ۱۹۳۶ء

(۳۲۳) **جواب** ولایتی برش جس میں خنزیر کے بال ہونے کا شبہ ہو استعمال نہیں کرنا چاہئے۔

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ

سوال

زکام کے وقت میں جو پانی ناک سے جاری ہوتا ہے، ابتداً سفید ہوتا ہے بعد میں زرد اور بدبودار ہو جاتا ہے۔ یا آنکھوں میں درد ہونے کی صورت میں آنسو آتے ہیں یہ ناقض وضو ہیں یا نہیں؟

(۳۲۴) **جواب** ۔ ناک سے آنے والا پانی جب تک متغیر اللون والریح نہ ہو اسی طرح آنکھ سے آنے والے آنسو جب تک پانی کی طرح صاف ہوں نواقض وضو میں نہیں ہیں۔

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ

سوال

سونے کا دانت جیسا کہ آجکل لوگ بنواتے ہیں جس کی صورت یہ ہے کہ دوسرے دونوں طرف کے دانتوں پر بھی خول چڑھ جاتا ہے۔ غسل کی حالت میں خولوں کے اندر پانی نہیں پہنچ سکتا اور نہ یہ خول اتر سکتے ہیں۔ ایسے دانت لگوانے شرعاً جائز ہیں یا نہیں ؟ غسل ہو جائے گا یا نہیں ؟

المستفتی نمبر ۹۳۵ شیخ محمد ابراہیم (مانڈلے۔ برما) ۲۷ صفر ۱۳۵۵ھ مطابق ۱۹ مئی ۱۹۳۶ء

(۳۲۵) **جواب** ۔ ضرورت کی بنا پر یہ دانت لگوانا جائز ہے۔ محض زینت کے لئے لگوانا مکروہ ہے۔ غسل دونوں حالتوں میں درست ہو جائے گا۔ کیونکہ یہ دانت لگنے کے بعد جسم کا حکم لے لیتے ہیں۔

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ

سوال

عاجز بہت ضعیف ہونے کے علاوہ اور مختلف امراض میں بھی مبتلا رہتا ہے۔ بواسیر کا بھی خون اور کبھی کچھ اور مادہ کبھی کم کبھی زیادہ نکلتا ہے اور کپڑا ملوث ہو جاتا ہے۔ فتاوی شامی جلد ا ص۱۲ میں ایسے عذر کی حالت میں کپڑے کے ناپاک نہ ہونے کو مفتی بہ بتایا ہے۔ مگر سبیلین سے خارج ہونے کو شرح منیۃ المصلی کے ص۱۱ میں اس قاعدے سے مستثنیٰ کیا ہے کہ سبیلین کے خارج ہونے میں جو سیلان خون و پیپ ہو یا سیلان نہ ہو مجرد ظہور سے ناقض وضو قرار دیا ہے۔ غالباً نجس ہی ہوگا میری نظر بہت ضعیف ہو گئی۔ فتاوی پڑھا نہیں جاتا۔ میرا خیال یہ ہوتا ہے کہ سبیلین سے بول و براز کا اگر ظہور ہو تو یقیناً ناقض وضو اور نجس ہے۔ اور اگر علاوہ بول و براز کے خون یا پیپ نکلی تو موافق پہلے قاعدۂ مرقومہ کے شاید نجس اور ناقض وضو نہ ہو۔ جواب تحریر فرمائیں۔ آپ کی تحریر مجھے اطمینان دہ ہے۔ المستفتی نمبر ۱۳۲۷ (مولوی) محمد مشتاق احمد صاحب (ضلع کرنال)

۱۹ ذیقعدہ ۱۳۵۵ھ مطابق ۲ فروری ۱۹۳۷ء

(۲۲۶) **جواب** مخدوم مکرم حضرت مولانا دامت برکاتہم۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ مکرمت نامہ نے ممنون و مشکور فرمایا۔ حق تعالیٰ آپ کے سایۂ مکرمت و فیوض کو تا دیر مبسوط رکھے۔ آمین آپ کا وجود باعث برکات و خیرات ہے۔ سبیلین سے ہر خارج نجس و ناقض وضو ہے، کم ہو یا زیادہ سائل ہو یا نہ ہو۔ اور رطوبت دبر بہر صورت نجس ہے۔ وکذا الدود والحصاۃ اذا خرج من احد ھذین الموضعین لاستتباع الرطوبۃ وھی حدث فی السبیلین وان قلت (غنیۃ المستملی) اور کسی زخم سے خون یا پیپ کا تھوڑا تھوڑا نکلتا رہنا اور کپڑے کو لگتا رہنا بے شک بقول مفتی بہ نہ ناقض وضو ہے اور نہ اس سے کپڑا ناپاک ہوتا ہے۔ مگر یہ حکم سبیلین کا نہیں ہے۔ ہاں بواسیر میں مخرج سے باہر مسے اور مسوں کی جڑ میں قروح ہو جاتے ہیں۔ ان میں سے جو خون یا رطوبت نکلتی اور کپڑے پر لگتی رہتی ہے اس کا حکم دوسرے زخموں کا ہے۔ کیونکہ اس سے نکلنے والی رطوبت خارج من السبیلین میں داخل نہیں ہے۔ خارج من السبیلین میں وہی رطوبت داخل ہے جو مقعد کے اندر سے باہر آئے۔ اور جو حوالی مقعد کے بیرونی مسوں یا زخموں سے نکلے، اس کا حکم مثل دیگر اجزاء جسم سے نکلنے والی رطوبت یا خون و ریم کے ہوگا۔

امید کہ دعائے خیر میں خادم کو یاد فرماتے رہیں گے۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ۔ دہلی۔ ۱۹ ذیقعدہ ۱۳۵۵ھ

سوال

وضو یا غسل میں کوئی عضو یا جگہ بھولے سے خشک رہ جائے تو اسی عضو یا جگہ کو دھوئے یا دوبارہ وضو کرے۔ اگر اسی جگہ کا دھونا کافی ہے تو آیا یہ حکم جب تک ہے جب تک اعضاء تر ہیں یا اعضاء کے خشک ہونے کے بعد بھی ہے؟

المستفتی نمبر ۱۳۴۹ محمد یونس صاحب (متھرا) ۲۷ ذیقعدہ ۱۳۵۵ھ مطابق ۱۰ فروری ۱۹۳۷ء

(۳۲۷) **جواب** صرف خشک رہ جانے والے عضو کو دھو لینا کافی ہے۔ خواہ باقی اعضا کے خشک ہونے سے پہلے دھوئے یا خشک ہونے کے بعد۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ، دہلی۔

سوال

زوجہ پر جو کہ (بوجہ خامی کے) حظ مجامعت سے مبرا ہے غسل جنابت لازم ہے یا نہیں؟

المستفتی نمبر ۱۵۷۹ محمد خاں صاحب (ملک مالوہ) ۲۸ ربیع الثانی ۱۳۵۶ھ مطابق ۸ جون ۱۹۳۷ء

(۳۲۸) **جواب** بقدر دخول حشفہ موقع ہو اور دخول حشفہ ہو جائے تو عورت پر بھی غسل واجب ہوگا۔ ورنہ نہیں۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ

سوال

جنازہ کے لئے جو وضو کیا ہو کیا اس سے دوسرے فرض اور نفل نمازیں پڑھ سکتا ہے یا نہیں؟

المستفتی نمبر ۲۰۳۹ ولی محمد صاحب (کاٹھیاواڑ) ۱۲ رمضان ۱۳۵۶ھ مطابق ۱۷ نومبر ۱۹۳۷ء

(۳۲۹) **جواب** جنازہ کے لئے جو وضو کیا ہو اس سے فرض اور نفل ہر نماز پڑھی جا سکتی ہے۔

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ

سوال

(۱) آجکل عام طور پر دانتوں پر سونے اور چاندی کے خول پہنائے جاتے ہیں جو پورے دانت کو ڈھانک لیتے ہیں۔ اور پورا دانت خول میں پوشیدہ ہو جاتا ہے۔ اس طرح مرد کے لئے دانتوں پر چاندی اور سونے کا استعمال درست ہے کہ نہیں؟

(۲) یہ چاندی اور سونے کا خول غسل کے تو مانع نہیں ہوتا۔ غسل میں کلی کرنا فرض ہے۔ خول شدہ

دانت کی حالت میں غسل کا یہ فرض (کلی کرنا) ادا ہو جاتا ہے کہ نہیں ؟

المستفتی نمبر ۲۳۱۵ سکریٹری صاحب محمڈن ایجوکیشنل سوسائٹی (کولھاپور اسٹیٹ) ۱۴ ربیع الثانی ۱۳۵۷ھ مطابق ۱۴ جون ۱۹۳۸ء

(۳۳۰) **جواب** دانتوں پر چاندی یا سونے کے خول بلا ضرورت چڑھانا مکروہ ہے. لیکن اگر ضرورت کی وجہ سے چڑھائے جائیں تو مکروہ نہیں۔ اور بہر صورت چڑھانے کے بعد یہ خول وضو اور غسل کے جواز پر اثر انداز نہیں ہوتے۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ دہلی

سوال

وضو میں سر اور گردن کے مسح کے بعد ہاتھ کی انگلیوں کا خلال کرنا چاہئے یا نہیں ؟

المستفتی نمبر ۲۸۱۲ محمد عبدالشکور فیض آباد ۲۰ ذی الحجہ ۱۳۵۷ھ

(۳۳۱) **جواب** سر اور گردن کے مسح کے بعد انگلیوں کے خلال کرنے کا کوئی ثبوت نہیں ہے. اسے ترک کر دیا جائے۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ

سوال

متعلقہ احکام جنابت

(۳۳۲) **جواب** جس کو جنابت یعنی غسل کی حاجت ہو اس کو ناپاک کہہ سکتے ہیں. مگر یہ ناپاکی ایسی نہیں ہے کہ اس کے بدن پر ناپاکی کے احکام جاری ہوں۔ یہ ناپاکی حکمی ہے. یعنی نماز پڑھنے مسجد میں داخل ہونے. قرآن مجید کی تلاوت کرنے میں تو وہ ناپاک ہے. مگر کھانے پینے میں اُس کے ہاتھ کی پکائی ہوئی روٹی کھانے میں کوئی مضائقہ نہیں ہے۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ. دہلی

سوال

متعلقہ تیمم بوجہ ضعف و مرض

(۳۳۳) **جواب** بوڑھا کمزور آدمی جسے خوف ہو کہ اگر غسل کرے گا تو سخت بیمار ہو جائے گا اسے جائز ہے کہ غسل کے بجائے غسل کا تیمم کرکے اور وضو کرکے نماز پڑھ لے۔ پھر دھوپ کے وقت غسل کرے۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ۔ دہلی

سوال

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم. عن ابن عباس حضرت ابن عباس سے مروی ہے کہ ان سے تیمم کے

انه سئل عن التیمم فقال ان اللہ تعالیٰ قال فی کتابه حین ذکر الوضوء فاغسلوا وجوهکم وایدیکم الی المرافق وقال فی التیمم فامسحوا وجوهکم وایدیکم منه۔ وقال والسارق والسارقة فاقطعوا ایدیهما۔ فکان السنة فی القطع الکفین انما هو الوجه والکفین

مذہب حنفیہ این است کہ مرفقان داخل است در غسل وعند الشافعی داخل نیست۔ هذا القیاس فی التیمم و در قطع یدین مذہب حنفیہ این است کہ قطع تا رسغین باشد۔

از ابن عباس کسے سوال کرد کہ در تیمم کدام حکم مقرر است۔ آیا قیاس بر وضو است یا بر قطع ایدی۔ یعنی اگر قیاس بر وضو شود تا مرفقین مسح لازم می آید واگر بر قطع قیاس شود تا رسغین لازم می آید۔

الحال اگر قیاس بر وضو شود بالکل موافق باشد با مذہب حنفیہ واگر قیاس بر قطع شود چنانچہ از فکان السنة فی القطع الکفین الخ معلوم میشود بظاہر از مذہب حنفیہ مخالف باشد تاہم مضر نیست زیرا کہ ایں اجتہاد حضرت ابن عباس باشد۔ دیگر ایں

بارے میں پوچھا گیا تو آپ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں وضو کے متعلق فرمایا ہے کہ پس تم اپنے چہروں کو اور ہاتھوں کو کہنیوں تک دھوؤ اور تیمم کے متعلق فرمایا پس تم اپنے چہروں اور ہاتھوں کا مسح کرو۔ اور فرمایا چوری کرنے والے مرد اور عورت دونوں کے ہاتھ کاٹ ڈالو۔ تو قطع میں مسنون طریقہ کفین کا قطع ہے۔ تو تیمم میں بھی چہرہ اور کفین کا مسح ہے۔

حنفیہ کا مذہب یہ ہے کہ دونوں کہنیاں دھونے کے حکم میں داخل ہیں۔ اور امام شافعی کے نزدیک داخل نہیں ہیں۔ یہی قیاس تیمم میں بھی ہے۔ اور قطع یدین کے باب میں حنفیہ کا مذہب یہ ہے کہ قطع کلائی تک ہے۔

ابن عباس سے کسی شخص نے پوچھا کہ تیمم میں کون سا حکم مقرر ہے؟ آیا وضو پر قیاس کیا جائے گا یا قطع ایدی پر؟ یعنی اگر وضو پر قیاس ہو تو کہنیوں تک مسح ضروری ہوتا ہے اور قطع پر قیاس ہو تو صرف کلائیوں تک ہوتا ہے۔

اب اگر وضو پر قیاس کیا جائے تو مذہب حنفیہ کے موافق ہوگا۔ اور قطع پر قیاس کیا جائے جیسا کہ فکان السنة فی القطع الکفین الخ سے معلوم ہوتا ہے تو اگرچہ بظاہر حنفیہ کے مخالف ہے مگر مضر نہیں، کیونکہ یہ حضرت ابن عباس کا اجتہاد ہے۔ دوسری بات یہ ہے کہ اس حدیث صریح کے مخالف ہے جو

است کہ مخالف از حدیث صریح است کہ در باب تیمم ذکر شدہ ضربتین فرمود یک للوجہ و دیگر للذراعین۔ دیگر این کہ تیمم خلف وضو است۔ چنانچہ در وضو مرفقین داخل است در تیمم نیز داخل شود۔

امام الدین ۱۳۲۸ھ

(۲۳۴) **جواب** مطلب جواب ابن عباس نہ این است کہ مجیب فہمید۔ بلکہ ابن عباس تیمم را تا رسغین ثابت می کنند و گویند کہ اگر تا مرفقین بودے حق تعالیٰ الی المرافق ذکر نمودے چناں کہ در آیۂ وضو ذکر فرمود۔ و چناں کہ در آیۂ قطع ذکر غایت نیست و از یں وجہ دراں قصر بر رسغین سنت شد ہمچنیں عدمِ ذکرِ غایت در تیمم مستلزم قصر بر رسغین است۔

اما جواب حنفیہ پس قدرے ازاں ذکر کردید و قدرے ترک نمودید۔

محمد کفایت اللہ ۷ صفر ۱۳۲۸ھ

تیمم کے بارے میں آئی ہے کہ دو ضربیں ہیں۔ ایک چہرے کے لئے دوسری ذراعین کے لئے۔

پھر یہ کہ تیمم وضو کا قائم مقام ہے تو جیسے وضو میں کہنیاں داخل ہیں تیمم میں بھی داخل ہوں گی۔

(نوٹ) یہ امتحان کے پرچہ کا جواب ہے۔ حاصل کردہ نمبر ۵/۱۰۔ واصف

(ریمارک ممتحن۔ حضرت ابن عباسؓ کے جواب کا مطلب یہ نہیں ہے جو مجیب نے سمجھا ہے۔ بلکہ ابن عباس تیمم کو کلائیوں تک ثابت کرتے ہیں۔ اور فرماتے ہیں کہ اگر تیمم مرفقین تک ہوتا تو حق تعالیٰ الی المرافق بھی فرماتا جیسا کہ آیۂ وضو میں ذکر فرمایا ہے۔ اور جس طرح آیۂ قطع میں غایت کا ذکر نہ ہونے کی وجہ سے کلائیوں پر قصر کرنا مسنون ہوا اسی طرح تیمم میں عدمِ ذکرِ غایت قصر بر رسغین کو مستلزم ہے۔

لیکن حنفیہ کا جواب تم نے کچھ لکھا اور کچھ چھوڑ دیا۔ محمد کفایت اللہ ۷ صفر ۱۳۲۸ھ

سوال

(از الجمعیۃ دہلی مورخہ ۱۰ نومبر ۱۹۲۷ء)

دانتوں میں انگریزی دوائی لگانے کے لئے ان برشوں کا استعمال ہوتا ہے جن کے ڈبوں پر "برسلز" لکھا ہوتا ہے جس کے معنی "موئے خنزیر" ہیں۔ اور تجربہ کار واقف حضرات کہتے ہیں کہ اگر یہ برش بالوں کے ہیں تو ضرور خنزیر کے بال ہیں۔ کیونکہ وہی سخت ہوتے ہیں۔ ان کو جلایا جائے تو بال کی طرح

سکڑ جاتا ہے۔ اور بدبو دیتا ہے۔

(۳۳۵) **جواب** اگر برش کے متعلق یقین یا گمان غالب ہو کہ وہ خنزیر کے بالوں سے بنائے جاتے ہیں۔ تو ان کا استعمال مسلمانوں کے لئے حرام ہے۔ اور جبکہ ان پر ایسے الفاظ لکھے ہیں جن کا ترجمہ "موئے خنزیر" ہوتا ہے تو بہر صورت ان کا استعمال اسلامی غیرت و حمیت کے بھی منافی ہے۔ مسلمانوں پر لازم ہے کہ وہ ایسے برشوں کو جن پر لفظ "موئے خنزیر" کے ہم معنی الفاظ لکھے ہوئے ہوں اور ایسے برش جن میں خنزیر کے بالوں کا ہونا متیقن یا مظنون ہو ہرگز استعمال نہ کریں۔ محمد کفایت اللہ غفرلہٗ۔

سوال

(از اخبار سہ روزہ الجمعیۃ دہلی مورخہ ۲۲ جنوری ۱۹۲۶ء)

موزہ اگر پہنے ہو رات کو یا صبح کو نماز کے وضو کی ضرورت ہو تو بوجہ سردی کے موزہ اتار نہ سکے اس پر تیمم کرنا جائز ہے یا نہیں؟ موزہ سوت یا ریشم یا اون کا ہے۔

(۳۳۶) **جواب** چمڑے کے موزوں پر مسح جائز ہے۔ اگر اونی یا سوتی موزے بھی اس قدر دبیز اور موٹے ہوں کہ ان پر سے پانی نہ چھنے تو ان پر بھی مسح کرنا جائز ہے۔

محمد کفایت اللہ غفرلہٗ۔ مدرسہ امینیہ دہلی

سوال

(از اخبار الجمعیۃ مورخہ ۲۰ اکتوبر ۱۹۳۵ء)

جنابت کی حالت میں پاک تیل لگا کر غسل کر سکتا ہے یا نہیں؟

(۳۳۷) **جواب** ہاں غسل درست ہو جائے گا۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہٗ۔ دہلی

سوال

(الجمعیۃ مورخہ ۲۰ اکتوبر ۱۹۳۱ء)

دانت صاف کرنے کے لئے کئی قسم کے برش ملتے ہیں۔ کیا ان سے دانتوں کا صاف کرنا جائز ہے؟

(۳۳۸) **جواب** دانتوں کو مسواک سے صاف کرنا مسنون ہے۔ برش اگر پاک ہو تو اس کا استعمال اگرچہ طریقہ مسنونہ کے موافق نہیں، تاہم مباح ہوگا۔ مگر سنا ہے کہ دانت مانجھنے کے برش خنزیر کے بالوں سے بنائے جاتے ہیں۔ اگر یہ صحیح ہو یا اس کا شبہ بھی ہو تو ایسے برش کا استعمال قطعاً

ناجائز ہے۔ محمد کفایت اللہ غفر لہٗ

سوال

(الجمعیۃ مورخہ ۲۴ مارچ ۱۹۳۵ء)

تمباکو نوشی اور نسوار کشی سے وضو ٹوٹتا ہے یا نہیں ؟

(۳۳۹) **جواب** تمباکو نوشی اور نسوار کشی سے وضو نہیں ٹوٹتا۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہٗ

سوال

ایک شخص مرض بواسیر میں مبتلا ہے۔ ہر وقت مسے باہر نکلے رہتے ہیں گھڑی گھڑی انگلی سے دبا کر اندر کرتا رہتا ہے۔ اور نیز فوطہ پر پھوڑا نکلا تھا جو ٹوٹ گیا ہے۔ ایک سوراخ نیچے ہوا ہے اور دوسرا اوپر ہے۔ دونوں ہر وقت جاری رہتے ہیں۔ اور جب ہوا کھلتی ہے تو نیچے والے سوراخ سے بھی نکلتی ہے لونگی بدل کر نماز پڑھتا ہے۔ جب بھی نجاست سے کچھ نہ کچھ کپڑے آلودہ ہو جاتے ہیں۔ اور مریض کے پاس کوئی ایسا آدمی نہیں جو ہر وقت کپڑے دھو سکے۔ ایسی صورت میں مریض نماز کس طرح ادا کرے ؟

المستفتی مولوی عبدالرؤف خاں جگن پور۔ ضلع فیض آباد

(۳۴۰) **جواب** مریض کے پاس اگر کوئی آدمی نہیں ہے تو وہ جہاں تک خود صفائی اور پاکی پر قادر ہو وہاں تک کرے اس کے بعد خدا تعالیٰ کے عفو و کرم پر نظر رکھے۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہٗ

سوال

ایک شخص وجع مفاصل کی بیماری میں مبتلا ہے اور اس کو پانی نقصان کرتا ہے۔ اگر اس کو احتلام ہو جائے تو وہ بلا دھوئے نجاست حقیقیہ کے تیمم کر کے نماز پڑھ سکتا ہے ؟ یا نہیں ؟

المستفتی مولوی عبدالرؤف خاں جگن پور

(۳۴۱) **جواب** نجاست لگی رہے تو نماز نہیں ہوگی۔ نجاست زائل کرنا ضروری ہے۔

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہٗ

فصل پنجم، حدِّ بلوغ

سوال

لڑکی کس عمر میں بالغ ہوتی ہے؟

(۳۴۲) **جواب** جب لڑکی کو حیض آنے لگے یا پندرہ سال کی پوری ہو جائے بالغہ ہو جاتی ہے

محمد کفایت اللہ

سوال

(۱) لڑکی کے شرعی بالغہ ہونے کا قطعی معیار اور یقینی پہچان کیا ہے؟ (۲) کیا صرف موئے زیر ناف کا ظاہر ہونا لڑکی کے شرعی بالغہ ہونے کا کافی ثبوت ہے؟ (۳) اگر حیض کا آنا بالغہ ہونے کی دلیل ہو تو شبہ یہ ہے کہ بعض لڑکیوں کو محض آٹھ نو برس کے سن میں جبکہ نہ موئے زیر ناف کا پتہ ہوتا ہے نہ کسی اور علامت کا مگر حیض کا آنا شروع ہو جاتا ہے۔ پھر کیا ایسی لڑکیوں کو ہم بالغہ کہیں گے؟ (۴) یہ ظاہر ہے کہ بالغہ لڑکیوں کو اپنے نکاح میں اختیار ہے اور ان کی رضامندی کے بغیر نکاح درست نہیں ہوتا تو معاملۂ نکاح میں لڑکی کے بالغہ یا نابالغہ ہونے کی پہچان کیا ہے؟ (۵) خون حیض آنے کے بعد لڑکی باکرہ کہلائے گی یا نہیں؟ (۶) مراہق اور مراہقہ کی پہچان کیا ہے؟ (۷) معاملات میں شہادت بالغ ہونا شرط ہے تو اس وقت علامت بلوغ کون سی چیز قرار پائے گی؟ (۸) لڑکوں کے بالغ ہونے کی کیا کیا علامتیں ہیں۔

المستفتی نمبر ۹۳۰ محمد حسین۔ ضلع پٹنہ ۲۶ صفر ۱۳۵۵ھ مطابق ۱۸ مئی ۱۹۳۶ء

(۳۴۳) **جواب** (۱) حیض احتلام حمل علامات بلوغ ہیں۔ یا پندرہ سال کی عمر پوری ہو جانا (۲) نہیں۔ (۳) اگر نو سال کی عمر والی لڑکی کو باقاعدہ حیض آنے لگے تو وہ بالغہ قرار دی جائے گی (۴) باقاعدہ حیض یا پندرہ سال کی عمر پوری ہونا (احتلام یا حمل حیض کے بعد ہی واقع ہوتے ہیں) (۵) ہاں باکرہ کہلائے گی۔ یعنی حیض آنے سے بکارت زائل نہیں ہوتی۔ (۶) قریب البلوغ کو مراہق کہتے ہیں۔ لڑکیوں میں اس کی پہچان چھاتیوں کا ابھار وغیرہ ہے۔ (۷) وہی علامتیں جو اوپر مذکور ہوئیں۔ (۸) احتلام یا انزال یا پندرہ سال کی عمر پوری ہو جانا۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ

تیسرا باب
برتنوں اور کپڑوں کی پاکی

سوال

در مختار صفحہ ۲۱۳ پر ایک مسئلہ معذورین کے بیان میں آیا ہے جس کی عبارت یہ ہے۔ (و حکمہ الوضوء) لاغسل ثوبہ ونحوہ الخ اس میں شبہ یہ باقی رہا کہ غسل ثوب کا بالتفصیل کوئی عرصہ نہیں بتایا کہ کب تک نہ دھویا جائے اور ثوب معذورین کب تک پاک ہی کے حکم میں رہے گا
المستفتی نمبر ۲۳۳ وصی الحسن (کنجپورہ ضلع کرنال) ۱۶ رمضان ۱۳۵۳ھ م ۲۴ دسمبر ۱۹۳۴ء

(۲۴۴) **جواب** آپ نے در مختار کی عبارت وحکمہ الوضوء لاغسل ثوبہ کے متعلق دریافت فرمایا ہے کہ کپڑا کب تک نہ دھویا جائے اس میں تین قول ہیں۔ اول یہ کہ اگر دھونے کے بعد دوبارہ نجس ہونے کا اندیشہ نہ ہو تو دھونا واجب ہے۔ اور اگر دوبارہ نجس ہونے کا اندیشہ ہو تو دھونا واجب نہیں۔ دوسرا قول یہ کہ اگر دھو کر ادائے نماز کا موقعہ مل سکتا ہے یعنی دوبارہ ناپاک ہونے سے پہلے نماز ادا کر سکتا ہے تو دھونا واجب ہے ورنہ نہیں۔ تیسرا قول یہ کہ دھونے کے بعد نماز کے وقت کے اندر ناپاک ہو جانے کا اندیشہ نہ ہو تو دھونا واجب ہے اور نماز کے وقت کے اندر دوبارہ ناپاک ہو جائے تو دھونا واجب نہیں۔ در مختار نے قول ثانی کو مختار للفتوی کہا ہے اس کی تصریح وحکمہ الوضوء کے پانچ سطر کے بعد وان سال علی ثوبہ میں موجود ہے۔ فقط
محمد کفایت اللہ کان اللہ لہٗ۔ دہلی۔

سوال

جو کوٹ یا واسکٹ مستعمل شدہ نیلام میں خریدے جاتے ہیں جن کے اصلی استعمال کرنے والے کا کچھ پتہ نہیں، اس کو پہن کر نماز پڑھنا جائز ہے یا نہیں ؟

(۲۴۵) **جواب** ان کو دھو کر پہننا بہتر ہے اگرچہ جب تک نجاست کا یقین نہ ہو جائے دھونا واجب نہیں۔

محمد کفایت اللہ

سوال

پانی سے بھرے ہوئے مٹی کے مٹکے میں کتے نے منہ ڈال دیا تو پانی کے ساتھ اگر برتن بھی ناپاک ہو گیا تو اس کی پاکی کی کیا شکل ہو گی۔

المستفتی نمبر ۱۵۹ جلال الدین صاحب (ضلع حصار) ۳ جمادی الاول ۱۳۵۶ھ مطابق ۱۲ جولائی ۱۹۳۶ء

(۳۴۶) **جواب** مٹی کے پانی سے بھرے ہوئے مٹکے میں کتا منہ ڈالدے تو اس کا پانی بھی ناپاک ہو جائے گا۔ اور مٹکا بھی ناپاک ہو جائے گا۔ پانی پھینک دیا جائے اور مٹکا تین مرتبہ دھولیا جائے۔ ہر مرتبہ دھو کر اتنی دیر چھوڑ دیا جائے کہ پانی ٹپکنا بند ہو جائے۔

سوال

(از اخبار الجمعیۃ دہلی مورخہ ۲۲ نومبر ۱۹۳۶ء)

جھٹکہ اور خنزیر کھانے والے مشرکوں کو جھٹکہ پکانے کے لئے مسلمان اپنی دیگیں برتن وغیرہ دے دیں تو جائز ہے یا نہیں؟ اور ان کے ہاتھ جھٹکے کے واسطے بکرا فروخت کرنا کیسا ہے؟ جس برتن میں جھٹکہ پکایا جائے وہ پاک کس طرح کیا جائے؟

(۳۴۷) **جواب** کفار کو مسلمان اپنے تانبے پیتل لوہے کے برتن عاریۃً یا کرایہ پر دے سکتے ہیں اور اگر مشرکین و کفار ان برتنوں میں جھٹکہ یا میتہ یا خنزیر کا گوشت پکائیں تو یہ برتن دھونے سے پاک ہو جائیں گے البتہ مٹی کے برتن نہیں دینے چاہئیں کہ ان میں یہ چیزیں پکنے کے بعد (اگرچہ شرعاً وہ بھی پاک کیے جا سکتے ہیں) مسلمان کی طبیعت میں نفرت پیدا ہو جائے گی۔ اور ان کا استعمال کرنے پر قلب مطمئن نہ ہو سکیگا اسی طرح مسلمان کسی مشرک و کافر کے ہاتھ جانور فروخت کر سکتا ہے۔ بیع میں کوئی گناہ نہیں۔ جھٹکہ کرنا اس کا فعل ہے۔ اس فعل کا گناہ اس مسلمان بائع کے ذمہ نہیں ہے۔

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ،

سوال

(از اخبار الجمعیۃ مورخہ ۲۴ جولائی ۱۹۲۹ء)

کمیل پر اور کفار کے ہاتھ کے دھلے ہوئے کپڑے پہن کر نماز پڑھنی جائز ہے یا نہیں؟

(۳۴۸) **جواب** کفار کے دھوئے ہوئے کپڑے، جب تک کہ ان کے ناپاک ہونے کا ظن غالب نہ ہو

پاک قرار دیئے جائیں گے۔ اور ان میں نماز جائز ہوگی۔

محمد کفایت اللہ غفرلہٗ

سوال

(از اخبار الجمعیۃ دہلی مورخہ ۲۴ اپریل ۱۹۳۶ء)

یہاں سنی مسلمانوں کی ایک جماعت ہے جس میں کھانا پکانے کا دیگچہ وغیرہ برتن اور کئی قسم کا دیگر اسباب ہے وہ مسلمانوں کو کرایہ پر دیا جاتا ہے۔ یہ سامان ہندوؤں اور احمدی یا قادیانی جیسے لوگوں کو کرایہ پر دینا اور اس کی اجرت لینا شرعاً جائز ہے یا نہیں؟

(۳۴۹) **جواب** تانبے پیتل لوہے وغیرہ ایسی دھات کے برتن جس میں جذب کی صلاحیت نہیں ہے، مسلموں غیر مسلموں کو کرایہ پر دینے سے ان برتنوں کے ناپاک ہو جانے کا شبہ نہیں ہو سکتا۔ اگر جائز تقاریب میں کرایہ پر برتن دے دیئے جائیں تو مضائقہ نہیں ہے۔

سوال

(از اخبار سہ روزہ الجمعیۃ دہلی مورخہ ۱۶ مئی ۱۹۳۶ء)

حالت جنابت میں کپڑا جو ناپاک ہو گیا ہو اس کو غسل جنابت کے بعد پاک کرنا چاہئے یا غسل جنابت سے پہلے؟ اور حالت جنابت میں کپڑا دھونے سے پاک ہو جائے گا یا نہیں؟

(۳۵۰) **جواب** حالت جنابت میں ناپاک کپڑے کو دھو کر پاک کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں لوگوں کا یہ خیال کہ جنابت کی حالت میں ناپاک کپڑا دھوتے اور پاک کرنے سے کپڑا پاک نہیں ہوتا غلط ہے۔

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہٗ۔ دہلی۔

سوال

(الجمعیۃ مورخہ ۲۰ اکتوبر ۱۹۳۱ء)

کیا دھوبی کے دھوئے ہوئے کپڑے سے نماز جائز ہے؟

(۳۵۱) **جواب** دھوبی کے دھوئے ہوئے کپڑوں سے نماز جائز ہے۔

محمد کفایت اللہ غفرلہٗ

چوتھا باب

صابون

سوال

آجکل ولایتی صابون عموماً استعمال کیا جاتا ہے۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ اس میں خنزیر کی چربی پڑتی ہے۔ اس وجہ سے اس کے استعمال میں تردد پیدا ہو گیا ہے۔ شرعی حکم سے مطلع فرما کر ممنون فرمایا جائے۔ واجر کم علی اللہ۔

(۳۵۲) **جواب** اول تو یہ امر محقق نہیں کہ صابون میں خنزیر کی چربی پڑتی ہے۔ اگرچہ نصاریٰ کے نزدیک خنزیر کا استعمال جائز ہے اور ان میں اس سے کوئی پرہیز و اجتناب نہیں ہے، لیکن پھر بھی یہ ضروری نہیں کہ صابون میں اس کی چربی ضرور ڈالی جاتی ہو۔ ظاہر ہے کہ یوروپین کارخانے تجارت کی غرض سے صابون بناتے ہیں اور ایسے ذرائع مہیا کرتے ہیں جن سے ان کی مصنوعہ اشیاء کی تجارت میں ترقی ہو۔

آپ نے اکثر یوروپین چیزوں کے اشتہاروں میں یہ الفاظ ملاحظہ فرمائے ہوں گے کہ "اس چیز میں بنانے کے وقت ہاتھ نہیں لگایا گیا۔ اس چیز میں کسی مذہب کے خلاف کوئی چیز نہیں ڈالی گئی۔ اس چیز کو ہر مذہب کے لوگ استعمال کر سکتے ہیں" وغیرہ وغیرہ۔ ان باتوں سے اُن کا مقصود کیا ہوتا ہے؟ صرف یہی کہ اہل عالم کی رغبتیں اُس چیز کی طرف مائل ہوں۔ اور ان کے مذہبی جذبات اور قومی خیالات اُن اشیاء کے استعمال میں مزاحم نہ ہوں۔ اور ان کی تجارت ہر قوم میں عام ہو جائے۔ اور یہی ہر تجارت کرنے والے کے لئے پہلا مہتم بالشان اصول ہے کہ وہ اپنی تجارت کو پھیلانے کے لئے ان لوگوں کے مذہبی جذبات اور قومی خیالات کا لحاظ کرے جن میں اس کی تجارت فروغ پذیر ہو سکتی ہے اور اس کے مال کی کھپت ہے۔ اہل یوروپ جو ہندوستان اور اکثر اطراف عالم میں اپنا مال پھیلانا چاہتے ہیں اس بات سے بخوبی واقف ہیں کہ مسلمان ہر حصہ عالم میں بکثرت موجود ہیں اور یہ کہ مسلمان خنزیر اور اس کے اجزا کے استعمال کو حرام مطلق سمجھتے ہیں۔ پس موافق اصول تجارت ان کا اولین فرض یہ ہے کہ اشیاء تجارتی میں جن کی اشاعت و ترویج ان کا مطمح نظر ہے ایسی چیزیں

نہ ڈالیں جن کی خبر ہو جانے پر مسلمان ان چیزوں کے استعمال کو حرام سمجھیں اور ان کی تجارت کو ایک بڑا صدمہ پہونچے۔ میرا یہ مطلب نہیں کہ یوروپین اشیاء میں ایسی چیزوں کا استعمال جو مسلمانوں کے نزدیک حرام ہیں غیر ممکن ہے۔ بلکہ غرض صرف یہ ہے کہ یقینی طور پر معلوم نہ ہونے کی صورت میں گمان غالب یہ ہے کہ اصول تجارت کے موافق وہ ایسی چیزیں نہ ڈالتے ہوں گے۔ پس صرف اس بنا پر کہ یہ چیزیں یوروپ سے آتی ہیں اور اہل یوروپ کے نزدیک خنزیر حلال ہے۔ یہ خیال قائم کر لینا کہ ان میں ضروری طور پر خنزیر کی چربی پڑتی ہوگی یا پڑنے کا گمان غالب ہے، صحیح نہیں۔ ہندو جن کے ہاتھ میں ہندوستان کی اکثری تجارت کی باگ ہے بہت سی ناپاک چیزوں کو پاک اور پوتر سمجھتے ہیں۔ گائے کا گوبر اور پیشاب ان کے نزدیک نہ صرف پاک بلکہ متبرک بھی ہے۔ باوجود اس کے ان کے ہاتھ کی بنی مٹھائیاں اور بہت سی خوردنی چیزیں عام طور پر مسلمان استعمال کرتے ہیں اور استعمال کرنا شرعاً جائز بھی ہے۔ یہ کیوں، صرف اس لئے کہ چونکہ ہندو دکاندار جانتے ہیں کہ ہمارے خریدار ہندو مسلمان اور دیگر اقوام کے لوگ ہیں اور ہندوؤں کے علاوہ دوسرے لوگ گائے کے گوبر اور پیشاب کو ناپاک سمجھتے ہیں اس لئے وہ تجارتی اشیاء کو ایسی چیزوں سے علیحدہ اور صاف رکھتے ہیں تاکہ خریداروں کو ان سے خریدنے میں تامل نہ ہو اور خریداروں کے مذہبی جذبات ان کی تجارتی اغراض کی مزاحمت نہ کریں۔

یہ ایک قاعدہ کلیہ ہے جس پر بہت سے جزئیات کا حکم متفرع ہوتا ہے۔ اور نہ صرف صابون بلکہ یوروپ کی تمام مصنوعات کی طہارت و نجاست اسی قاعدے کے نیچے داخل ہے۔ ولایتی کپڑے اور بالخصوص رنگین کپڑے جو مسلمان عموماً استعمال کرتے ہیں، کسے خبر ہے کہ ان رنگوں میں کیا کیا چیزیں ملائی جاتی ہیں اور کن پاک یا ناپاک اشیاء کی آمیزش ہوتی ہے۔ لیکن قاعدۂ مذکورہ کی بنا پر ان چیزوں کا حکم بھی یہی ہے کہ جب تک یقینی طور پر یا بگمان غالب یہ ثابت نہ ہو کہ کوئی ناپاک چیز ملائی جاتی ہے ناپاکی کا حکم نہیں دیا جا سکتا۔

طہارت و نجاست کے باب میں کتب فقہیہ میں بہت سی ایسی نظیریں موجود ہیں جن میں محض گمان اور شک کا کوئی اعتبار نہیں کیا گیا ماہرینِ کتبِ فقہ پر یہ امر واضح ہے۔

ثانیاً۔ اگر اس امر کا ثبوت اور کوئی دلیل بھی موجود ہو کہ صابون میں خنزیر کی چربی پڑتی

ہے تاہم صابون کا استعمال جائز ہے کیونکہ صابون میں جو ناپاک تیل یا چربی پڑتی ہے وہ صابون بن جانے کے بعد پاک ہو جاتی ہے۔ روایات ذیل ملاحظہ ہوں:۔

ویطہر زیت تنجس بجعلہ صابونا۔ بہ یفتی للبلوی کتنور رش بماء نجس۔ لا باس بالخبز فیہ (در مختار) یعنی روغن زیتون ناپاک ہو جائے تو صابون بنا لینے سے پاک ہو جاتا ہے۔ اسی پر عموم بلوی کی وجہ سے فتوی دیا جاتا ہے۔ جیسے تنور میں ناپاک پانی چھڑک دیا جائے تو اس میں روٹی پکانے کا مضائقہ نہیں۔ جعل الدھن النجس فی صابون یفتی بطہارتہ لانہ تغیر والتغیر یطہر عند محمد و یفتی بہ للبلوی اھ (مجتبی کذا فی رد المحتار) یعنی ناپاک تیل صابون میں ڈال دیا جائے تو پاک ہو جاتا ہے۔ کیونکہ اس کی حقیقت پلٹ جاتی ہے۔ اور حقیقت کا پلٹ جانا امام محمدؒ کے نزدیک پاک کر دیتا ہے۔ اور عموم بلوی کی وجہ سے اسی پر فتوی ہے۔ قد ذکر ھذہ المسئلۃ العلامۃ قاسم فی فتاواہ وکذا ما سیاتی متنا و شرحا من مسائل التطہیر بانقلاب العین وذکر الادلۃ علی ذلک بما لا مزید علیہ وحقق ودقق کما ھو دابہ رحمہ اللہ فلیراجع۔ ثم ھذہ المسئلۃ قد فرعوھا علی قول محمد بالطہارۃ بانقلاب العین الذی علیہ الفتوی واختارہ اکثر المشائخ خلافا لابی یوسف کما فی شرح المنیۃ والفتح وغیرھما (رد المحتار) یعنی اس مسئلہ کو علامہ قاسمؒ نے اپنے فتاوی میں ذکر کیا ہے اور اسی طرح وہ مسائل جو متن و شرح میں آگے آتے ہیں جن میں انقلاب عین پر پاکی کا حکم دیا گیا ہے۔ اور علامہ قاسمؒ نے اس کے دلائل نہایت تحقیق و تدقیق سے بیان فرمائے جیسا کہ ان کا طریقہ ہے۔ خدا تعالی ان پر باران رحمت نازل فرمائے پھر سمجھنا چاہئے کہ یہ مسئلہ فقہا نے امام محمد کے قول پر متفرع کیا ہے کہ ان کے نزدیک انقلاب عین سے پاکی حاصل ہو جاتی ہے اور اسی قول پر فتوی ہے اور اسی کو اکثر مشائخ نے اختیار کیا ہے۔ امام ابو یوسف کا اس میں خلاف ہے۔ جیسا کہ شرح منیہ اور فتح القدیر میں مذکور ہے۔ "المرتب علیہا اھ (رد المحتار) یعنی فتح القدیر میں ہے کہ بہت سے مشائخ نے اس کو اختیار کیا ہے اور یہی مذہب مختار ہے۔ کیونکہ شریعت نے وصف نجاست اس حقیقت پر مرتب کیا تھا۔ اور حقیقت بعض اجزا کے منتفی ہو جانے سے منتفی ہو جاتی ہے تو بالکل پلٹ جانے سے کیوں منتفی نہ ہو۔ کیونکہ نمک گوشت اور ہڈی سے مغائر ہے۔ پس ہڈی اور گوشت جب کہ نمک بن جائیں تو ان کو نمک ہی قرار دیا جائے گا۔ اور

اس کی نظیر شریعت میں یہ ہے کہ نطفہ ناپاک ہے۔ پھر وہ علقہ یعنی خون بستہ بن جاتا ہے، وہ بھی ناپاک ہے۔ پھر مضغہ یعنی گوشت بن کر پاک ہو جاتا ہے۔ اور شیرۂ انگور پاک ہے۔ پھر شراب بن کر ناپاک ہو جاتا ہے۔ پھر سرکہ بن کر پاک ہو جاتا ہے۔ اس سے ہم نے جان لیا کہ حقیقت کا پلٹ جانا اس وصف کے زوال کو مستلزم ہے جو اس حقیقت پر مرتب تھا۔ یجوز اکل ذلک الملح (رد المحتار) الحمار والخنزیر اذا وقع فی المملحۃ فصار ملحا او بئر البالوعۃ اذا صار طینا یطھر عندھما خلافا لابی یوسفؒ کذا فی محیط السرخسیؒ (فتاوی عالمگیری) اس نمک کا کھانا جائز ہے۔ اھ۔ گدھا یا خنزیر کان نمک میں گر کر نمک بن جائیں یا نجاست کا کنواں بالکل کیچڑ ہو جائے تو پاک ہو جاتا ہے۔ یہ امام ابو حنیفہ اور امام محمد کا مذہب ہے اور امام ابو یوسف کا خلاف ہے۔ اھ۔

ولو احرقت العذرۃ او الروث فصار کل منھما رمادا او مات الحمار فی المملحۃ وکذا ان وقع فیھا بعد موتہ وکذا الکلب والخنزیر لو وقع فیھا فصار ملحا طھر عند محمدؒ. واکثر المشائخ اختاروا قول محمدؒ وعلیہ الفتوی لان الشرع رتب وصف النجاسۃ علی تلک الحقیقۃ و قد زالت بالکلیۃ فان الملح غیر العظم واللحم فاذا صارت الحقیقۃ ملحا ترتب حکم الملح حتی لو اکل الملح جاز۔ ونظیرہ النطفۃ نجسۃ وتصیر علقۃ وھی نجسۃ وتصیر مضغۃ فتطھر۔ وکذا الخمر تصیر خلا وعلی قول محمد فرعوا طھارۃ صابون صنع من دھن نجس وعلیہ یتفرع ما لو وقع انسان او کلب فی قدر الصابون فصار صابونا یکون طاھرا لتبدل الحقیقۃ انتھی مختصرا (غنیۃ المستملی شرح منیۃ المصلی) ترجمہ۔ اگر پاخانہ یا گوبر جلا کر راکھ کر دیا جائے یا گدھا کانِ نمک میں گر کر مر جائے یا مر کر گر جائے، اسی طرح کتا یا خنزیر گر جائے اور نمک بن جائے تو امام محمدؒ کے نزدیک پاک ہو جاتا ہے۔ اور اکثر مشائخ نے امام محمدؒ کے قول کو اختیار کیا ہے۔ اور اسی پر فتوی ہے۔ کیونکہ شریعت نے نجاست کا حکم اُس حقیقت پر لگایا تھا جو بالکلیہ زائل ہو گئی۔ کیونکہ نمک اور چیز ہے، ہڈی گوشت اور چیز ہے۔ پس جبکہ حقیقت نمک بن گئی تو نمک کا حکم اس پر لگ گیا۔ یہاں تک کہ اس کا کھانا بھی جائز ہو گیا۔ اور اس کی نظیر نطفہ ہے کہ وہ ناپاک ہے۔ پھر خون بستہ بن جاتا ہے وہ بھی ناپاک ہے۔ پھر گوشت کا لوتھڑا بن جاتا ہے اور پاک ہو جاتا ہے۔ اسی طرح شراب کہ نجس ہے، سرکہ بن کر پاک ہو جاتی ہے۔ اور امام محمدؒ کے اس قول پر اس صابون کی طہارت بھی متفرع ہے جو ناپاک تیل سے بنایا جائے۔ اور اسی قول پر یہ مسئلہ بھی

متفرع ہوتا ہے کہ انسان یا کتا صابون کی دیگ میں گر کر صابون بن جائے تو پاک ہو جائے گا کیونکہ حقیقت بدل گئی

ان روایات منقولہ سے امور ذیل بصراحت ثابت ہو گئے :۔

(۱) انقلاب حقیقت سے طہارت و نجاست کا حکم بدل جاتا ہے۔

(۲) یہ حکم طہارت بانقلاب حقیقت امام محمد کا قول ہے اور اسی پر فتوی ہے۔ اور اکثر مشائخ نے اسی کو اختیار کیا ہے۔

(۳) صابون میں روغن نجس، یا چربی کی حقیقت بدل جاتی ہے۔ اور انقلاب عین حاصل ہو جاتا ہے۔ (درمختار اور مجتبی کی مذکورہ بالا عبارتیں دیکھو)

پس اب سوال کا جواب واضح ہو گیا کہ صابون خواہ کسی چیز کی چربی یا روغن نجس سے بنایا جائے۔ صابون بن جانے کے بعد وہ پاک ہو جاتا ہے اور اس کا استعمال جائز ہے۔ کیونکہ انقلاب حقیقت کی وجہ سے وہ چربی چربی اور روغن روغن نہ رہا بلکہ صابون ہو کر پاک ہو گیا جیسے مشک اصل میں خون ناپاک ہوتا ہے لیکن مشک بن جانے کے بعد وہ پاک اور جائز الاستعمال ہو جاتا ہے۔ پس ولایتی صابون کے استعمال کے لئے اس تحقیقات کی کچھ ضرورت نہیں کہ اس کے اجزا کیا ہیں؟ وہ پاک ہیں یا ناپاک؟ کیونکہ حقیقت صابونیہ اس کی طہارت کی کفیل ہے، جیسے کہ حقیقت مسکیہ اس کی طہارت کی ضامن ہے۔

اگر کسی کو یہ شبہ ہو کہ روایات مذکورہ سابقہ سے روغن نجس کے صابون کا پاک ہونا ثابت ہوتا ہے، لیکن ممکن ہے کہ یہ حکم روغن کے ساتھ خاص ہو کیونکہ اصل اس کی پاک ہے۔ ناپاکی باہر سے اوسے عارض ہوئی ہے۔ پس اس سے خنزیر کی چربی کے صابون کا حکم نکالنا صحیح نہیں ہے، کیونکہ خنزیر اور اس کے اجزا نجس العین ہیں۔ تو اس شبہ کا جواب یہ ہے کہ انقلاب عین سے پاک ہو جانا نجس العین اور غیر نجس العین دونوں میں یکساں طور پر جاری ہوتا ہے۔ خون بھی نجس العین ہے۔ مشک بن جانے سے پاک ہو جاتا ہے۔ خود خنزیر کا انقلاب حقیقت کے بعد پاک ہو جانا بھی روایات ذیل سے ثابت ہے :۔

ولا ملح کان حمارا او خنزیرا ولا قذر وقع فی بئر فصار حماۃ لانقلاب العین بہ یفتی (در مختار)

یعنی وہ نمک ناپاک نہیں جو دراصل گدھا یا خنزیر تھا۔ اور وہ پلیدی بھی جو کنویں میں گر کر کیچڑ بن جائے

ناپاک نہیں۔ کیونکہ انقلاب حقیقت ہوگیا۔ اسی پر فتوی ہے۔ قولہ لانقلاب العین۔ علة للکل وھذا قول محمد رح۔ وذکر معه فی الذخیرة والمحیط اباحنیفة رح (حلیہ) یعنی مصنف کا قول کہ انقلاب عین موجب طہارت ہے، یہ گدھے اور خنزیر کے نمک اور پلیدی کے کیچڑ بن جانے کے بعد پاک ہوجانے کی دلیل ہے۔ اور یہ امام محمدؒ کا قول ہے۔ اور ذخیرہ اور محیط میں امام ابوحنیفہؒ کو بھی امام محمد کے ساتھ ذکر کیا ہے۔ قال فی الفتح وکثیر من المشائخ اختاروہ وھو المختار لان الشرع رتب وصف النجاسة علی تلک الحقیقة وتنتفی الحقیقة بانتفاء بعض اجزاء مفہومها فکیف بالکل فان الملح غیر العظم واللحم فاذا صارملحا ترتب حکم الملح ونظیرہ فی الشرع النطفة نجسة وتصیر علقة وھی نجسة وتصیر مضغة فتطھر والعصیر طاھر فیصیر خمرا فینجس ویصیر خلا فیطھر فعرفنا ان استحالة العین تستتبع زوال الوصف

ان نصوص فقہیہ سے امور ذیل ثابت ہوتے ہیں۔

(۱) گدھا۔ خنزیر۔ کتا۔ انسان۔ انقلاب حقیقت کے حکم میں سب برابر ہیں۔ کچھ تفاوت نہیں۔

(۲) یہ کان نمک میں گر کر مریں یا مرے ہوئے گریں، دونوں حالتوں میں یکساں حکم ہے۔ یعنی میتہ جو بنص قرآنی حرام اور نجس ہے وہ بھی اسی حکم میں شامل ہے۔

(۳) انسان جس کے اجزا سے بوجہ کرامت انتفاع حرام ہے۔ اور خنزیر و میتہ جن سے بوجہ نجاست انتفاع حرام ہے۔ انقلاب حقیقت کے بعد ان پر انسان اور خنزیر و میتہ کا حکم باقی نہیں رہتا۔ بلکہ بعد انقلاب حقیقت پاک اور جائز الانتفاع ہوجاتے ہیں۔ جبکہ انقلاب، حقیقت طاہرہ کی طرف ہو۔

(۴) کان نمک میں گرنے اور صابون کی دیگ میں گرنے کا حکم یکساں ہے کہ یہ دونوں صورتیں موجب انقلاب حقیقت ہیں جیسا کہ کبیری شرح منیہ کی عبارت میں صراحۃً مذکور ہے۔

ان امور کے ثبوت کے بعد کوئی وجہ نہیں کہ خنزیر یا میتہ یا کتے کی چربی سے بنے ہوئے صابون کے جواز استعمال میں تردد کیا جائے۔

اور یہ شبہ کچھ وقعت نہیں رکھتا کہ خنزیر بنص قرآنی حرام اور نجس ہے۔ پس صابون بن جانے کے بعد اس کی طہارت کا حکم کرنا نص قرآنی کا معارضہ ہے۔ جواب اس کا یہ ہے کہ یہ معارضہ

نہیں۔ نص قرآنی نے خنزیر یا میتہ کو نجس بتایا ہے۔ لیکن نمک یا صابون بن جانے کے بعد وہ خنزیر یا میتہ ہی کہاں رہے۔ دیکھو شراب بنص قرآنی حرام اور نجس ہے اور سرکہ بن جانے کے بعد بالاتفاق وہ پاک اور حلال ہو جاتی ہے۔ پس جس طرح کہ شراب منصوص النجاستہ پر سرکہ بن جانے کے بعد طہارت وحلت کا حکم کرنا نص قرآنی کا معارضہ نہیں۔ اسی طرح خنزیر کے صابون بن جانے کے بعد اس کی طہارت کا حکم نص قرآنی کا معارضہ نہیں۔

اصل یہ ہے کہ شریعت نے جس حقیقت پر نجاست کا حکم لگایا تھا، وہ حقیقت ہی نہیں رہی۔ اور بعد انقلاب جو حقیقت متحقق ہوئی وہ شریعت کے نزدیک پاک ہے۔ پس یہ حکم طہارت بھی حکم شرعی ہے نہ غیر۔

تنبیہ اول۔ یہ بات ضروری طور پر یاد رکھنے کے قابل ہے کہ اگرچہ خنزیر و میتہ وغیرہ کی چربی سے بنے ہوئے صابون کا استعمال جائز ہے لیکن کسی مسلمان کو یہ حلال نہیں ہے کہ وہ خنزیر وغیرہ کی چربی سے صابون بنائے کیونکہ قصداً ان چیزوں کو صابون بنانے کے لئے استعمال کرنا جائز نہیں۔ اور یہ جُدی بات ہے کہ غیر مسلموں کے بنانے اور صابون بن جانے کے بعد استعمال جائز ہو جائے۔

تنبیہ دوم۔ انقلاب حقیقت سے حکم بدل جانے کے متعلق جو کچھ لکھا گیا ہے اس میں اتنی بات تو یقیناً ثابت ہے اور فقہا کی تصریحات بھی اس کے متعلق آپ ملاحظہ فرما چکے کہ جب انقلاب حقیقت ہو جائے تو حکم بدل جاتا ہے۔ لیکن یہ بات ابھی تک قابل تحقیق ہے کہ انقلاب حقیقت سے مراد کیا ہے۔ تو واضح ہو کہ انقلاب حقیقت سے مراد یہ ہے کہ وہ شے فی نفسہ اپنی حقیقت چھوڑ کر کسی دوسری حقیقت میں متبدل ہو جائے جیسے شراب سرکہ ہو جائے یا خون مشک بن جائے یا نطفہ گوشت کا لوتھڑا وغیرہ وغیرہ کہ ان صورتوں میں شراب نے فی نفسہ اپنی حقیقت خمریہ اور خون نے اپنی حقیقت دمویہ اور نطفہ نے اپنی حقیقت منویہ چھوڑ دی اور دوسری حقیقتوں میں متبدل ہو گئے۔ حقیقت بدل جانے کا حکم اسی وقت دیا جا سکتا ہے کہ حقیقت اولی منقلبہ کے آثار مختصہ اس میں باقی نہ رہیں جیسا کہ امثلۂ مذکورہ میں پایا جاتا ہے کہ سرکہ بن جانے کے بعد شراب کے آثار مختصہ بالکل زائل ہو جاتے ہیں۔

بعض آثار کا زائل ہو جانا یا بوجہ قلت آثار کا محسوس نہ ہونا موجب انقلاب نہیں۔ جیسا کہ

فقہا نے تصریح کی ہے کہ اگر آٹے میں کچھ شراب ملا کر گوندھ لیا جائے اور روٹی پکالی جائے تو وہ روٹی ناپاک ہے۔ یا گھڑے دو گھڑے پانی میں تولہ دو تولہ شراب یا پیشاب مل جائے تو وہ پانی ناپاک ہے۔ حالانکہ روٹی یا پانی میں اس قلیل المقدار شراب کا کوئی اثر محسوس نہ ہوگا۔ لیکن چونکہ شراب نے ان صورتوں میں فی نفسہ اپنی حقیقت نہیں چھوڑی ہے اس لئے ناپاکی کا حکم باقی ہے۔ اور محسوس نہ ہونا بوجہ قلت اجزا کے ہے۔ چونکہ شراب کے اجزا کم تھے اور آٹے کے زیادہ اس لئے وہ روٹی میں محسوس نہیں۔ پس یہ اختلاط ہے نہ کہ انقلاب۔

اسی طرح حقیقت منقلبہ کی بعض کیفیات غیر مختصہ کا باقی رہنا مانع انقلاب نہیں۔ جیسے شراب کے سرکہ بن جانے کے بعد بھی اس کی رقت باقی رہتی ہے۔ یا صابون میں قدرے دسومت روغن نجس کی باقی رہتی ہے۔ کیونکہ رقت حقیقت خمریہ کے ساتھ اور دسومت حقیقت دہنیہ کے ساتھ مختص نہیں ہے۔ پس انقلاب عین کی وجہ سے تبدل احکام کا حکم کرتے وقت بہت غور و احتیاط سے کام لینا ضروری ہے کیونکہ بسا اوقات انقلاب و اختلاط میں اشتباہ پیش آجاتا ہے۔ اور انقلاب کو اختلاط یا اختلاط کو انقلاب سمجھ لیا جاتا ہے۔ واللہ الموفق۔

تنبیہ سوم۔ اس انقلاب و اختلاط کے اشتباہ کا ہمارے اس مسئلہ صابون پر کوئی اثر نہیں ہے۔ کیونکہ ہم نے تصریحات فقہا سے یہ بات ثابت کر دی ہے کہ کسی چیز کا صابون بن جانا انقلاب حقیقت ہے نہ کہ اختلاط۔ اس لئے اس میں کسی شبہ کی گنجائش نہیں۔ واللہ اعلم وعلمہ اتم۔ کتبہ الراجی رحمۃ ربہ محمد کفایۃ اللہ غفرلہ۔ مدرس المدرسۃ الامینیۃ الواقعۃ بدہلی۔ ۲۵ شعبان ۱۳۳۴ھ

ھذا التحقیق صحیح۔ عزیز الرحمٰن عفی عنہ۔ مفتی مدرسہ دیوبند۔ ۲۴ ذی الحجہ ۱۳۳۴ھ

الجواب صواب۔ محمد انور عفا اللہ عنہ۔ دارالعلوم۔ دیوبند

پانچواں باب
متفرق مسائل

سوال

(۱) ٹین کی سو فٹ کی نالی ہے۔ جس پر بیٹھے ہوئے بہت سے لوگ اپنے اپنے لوٹوں سے وضو کر رہے ہیں۔ اب اس کا پانی بہتا ہوا نالی کے باہر جاتا ہے۔ اگر کوئی شخص نالی کے اخیر میں بیٹھ کر وضو کرنے لگے اس خیال سے کہ یہ ماء جاری ہے تو کیا اس شخص کے لئے یہ فعل جائز ہوگا کہ نہیں؟

(۲) اگر اس پانی کے علاوہ دوسرا پانی بھی نہ ہو تو دوسرے لوگ کیا کریں؟ آیا وضو اور تیمم دونوں کریں یا صرف وضو اور صرف تیمم؟

المستفتی نمبر ۱۲۱۴ کریم اللہ خاں صاحب (ضلع بلاس پور) ۷ رجب ۱۳۵۵ھ م ۱۴ اکتوبر ۱۹۳۶ء

(۳۵۳) **جواب** اگر اس نالی میں صرف وہی پانی بہہ کر جاتا ہے جو لوگوں کے استعمال سے گرتا ہے تو وہ سارا پانی غیر مطہر ہے۔ اس سے وضو جائز نہیں۔ لیکن اگر پانی میں وضو کے استعمالی پانی کے علاوہ اور پانی بھی آتا ہو اور وہ غیر مستعمل پانی مقدار میں مستعمل سے زیادہ ہو تو وہ پاک اور پاک کرنے والا ہے اس سے وضو جائز ہوگا۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہٗ، دہلی

سوال

زمیندار جو دانہ و غلہ نکالنے کے وقت تھوڑے سے دانے دانوں کے انبار میں سے اللہ واسطے نکالتے ہیں اور کہتے ہیں کہ بیل جو پیشاب پاخانہ غلہ کو روندتے وقت کر دیتے ہیں ان کو یہ نکالے ہوئے کم و بیش دانے پاک کر دیتے ہیں جیسے کہ زکوٰۃ۔ تحریر فرمائیں کہ نکالنے چاہئیں یا نہیں؟ اگر نکالنے چاہئیں تو نکالنے کا کیا اندازہ ہو؟

(۳۵۴) **جواب** جو غلہ زمیندار اس نیت سے نکالتے ہیں کہ روندتے وقت بیلوں نے جو پیشاب پاخانہ کر دیا تھا اس کی طہارت ہو جائے تو زمینداروں کا یہ فعل درست اور ٹھیک ہے۔ اس ترکیب سے سارا غلہ پاک ہو جاتا ہے جو سائل کو دیا ہے اور جو باقی بچا ہے۔ اور غلہ کی اتنی مقدار نکالنا چاہئے جتنا کہ اندازاً بیلوں کے پیشاب پاخانے سے خراب ہوا تھا۔ ولو بالت الحمر علی الحنطۃ

حال الدوس فذھب بعض الحنطۃ فالباقی طاھر وکذا الذاھب ایضاً (کبیری مجتبائی ص
کما لو بال حمر علی نحو حنطۃ تدوسہا فقسم او غسل بعضہ او ذھب بھبۃ او اکل او
بیع حیث یطھر وکذا الذاھب لاحتمال وقوع النجس فی کل طرف (درمختار مختصراً)

سوال

راستوں کی کیچڑ اور ناپاک پانی معاف ہے یا نہیں؟

(۳۵۵) **جواب**۔ راستوں کی کیچڑ پر مواضع ضرورت میں پاکی کا حکم کیا جائے گا بشرطیکہ اس میں آثار نجاست ظاہر نہ ہوں۔

سوال

رمضان شریف میں سحری کے وقت کسی آدمی کو احتلام ہو اور اسے یقین ہے کہ غسل کرنے کے بعد کھانے کا وقت باقی رہے گا۔ مگر اس نے کاہلی کی وجہ سے غسل نہیں کیا اور کھانا کھالیا تو اس کا روزہ ہوگا؟ یا نہیں۔ اور حالت جنابت میں کھانا کھانے سے گنہگار ہوگا یا نہیں۔ اور حالت جنابت میں کھانا جائز ہے یا نہیں؟ اگر جائز ہے تو کس طرح کھائے، وضو کرکے یا ہاتھ دھو کے کھائے

(۳۵۶) **جواب**۔ حالت جنابت میں بغیر منہ دھوئے ہوئے یا وضو کیے ہوئے کھانا پینا خواہ رمضان میں ہو یا غیر رمضان میں خلاف اولی ہے بشرطیکہ ہاتھوں پر کسی قسم کی نجاست نہ لگی ہو۔ سحری کھاتے ہوئے مناسب تو یہ ہے کہ غسل کرڈالے یا وضو کرلے یا کم از کم ہاتھ دھو ڈالے واللہ اعلم

سوال

اللہ تبارک وتعالی نے اپنے کلام پاک میں رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے آخر عہد میں مشرک کو نجس العین فرمایا ہے۔ لہذا ان کا جھوٹا کھانا جائز ہے یا نہیں؟ اور رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے اس آیت کے نزول کے بعد کسی مشرک کے ساتھ کھانا کھایا ہے یا نہیں؟

(۲) بلی کا جھوٹا کھانا جائز ہے یا نہیں؟

المستفتی نمبر ۳۷ نذیر احمد۔ ضلع بلیا۔ ۱۲ جمادی الاولی ۱۳۵۲ھ مطابق ۴ ستمبر ۱۹۳۳ء

(۳۵۷) **جواب**۔ قرآن شریف میں مشرکوں کو نجس فرمایا ہے۔ اس سے اعتقادی نجاست مراد ہے۔ ورنہ انسان کا جسم ناپاک نہیں ہے۔ قرآن مجید میں نصاریٰ کو مشرک قرار دیا ہے۔ باوجود اس کے

طعام الذین اوتوا الکتاب حل لکم کا حکم بھی موجود ہے۔

(۲) بلی کا جھوٹا مکروہ ہے۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہٗ۔ مدرسہ امینیہ دہلی

سوال

آپ نے عنایت نامے میں ہر چند شرح وبسط کے ساتھ مسئلہ مستفسرہ پر روشنی ڈالی ہے۔ لیکن افسوس کہ ایک اہم ٹکڑا نظر انداز ہو گیا جس کی وجہ سے مسئلے کا جواب نامکمل رہ گیا۔

میں نے عرض کیا تھا کہ علاوہ نجاست بدنی کے غیر مسلم (اہل ہنود) اشیائے خوردنی کے تیار کرنے میں ایسے اجزا استعمال کرتے ہیں جو شرعی نقطۂ خیال سے پاکیزہ نہیں ہو سکتے۔ الجواب "لازمی طور پر نہیں۔ بلکہ امکانی طور پر کبھی کر گزرتے ہوں گے۔"

مثلاً ایک کنویں میں چوہا گر کر مر گیا۔ شریعت کی رو سے اس کنویں کا پانی پاک نہیں رہا اور ظاہر ہے کہ جب یہ پاک نہیں رہا تو کھانے پینے کے کام میں کیسے لایا جا سکتا ہے۔ اس کی نجاست حکمی ہی سہی عینی نہ سہی۔ الجواب "حکمی نہیں بلکہ حقیقی ہے۔"

اس پانی کو پیا تو نہیں جا سکتا؟ الجواب "پینا کھانا وضو کرنا سب ناجائز۔"

شریعت نے اسے پاک کرنے کا طریقہ تجویز کر دیا۔ لیکن اس میں بالتحقیق یہ معلوم ہے کہ غیر مسلم اس کنویں کو اس طریقہ سے پاک نہیں کریں گے۔ زیادہ سے زیادہ اس جانور کو نکال کر باہر پھینک دیں گے الجواب "بیشک وہ خود پاک کرنے کی فکر نہ کریں گے۔ لیکن اس کنویں سے مسلمان بھی پانی بھرتے ہیں تو مسلمان اس کو پاک کر لیں گے اور ہندو مزاحم نہ ہوں گے۔"

کلمہ شریف پڑھنا نہ سہی۔ الجواب۔ "یہ تو پاکی کا طریقہ شرعیہ نہیں۔"

پانی نکالنا تو ضروری ہے لیکن وہ ایسا نہیں کرتے۔ سوال یہ ہے کہ جن چیزوں میں یہ پانی پڑا ہو ان کا کھانا کیسا ہے الجواب "اگر مسلمانوں کو اس کا علم ہو جائے تو اس کا کھانا ناجائز ہے۔

نجاست بدنی کے لئے تو کہہ دیا کہ خود دیکھ لیجئے کہ اس کے ہاتھوں کی نجاست تو یہیں تک ہے۔ لیکن ایسے پانی کو کس طرح دیکھ سکتے ہیں کہ ایسے کنویں کا یا برتن کا ہے جو شرعی طور پر پاک نہیں ہے۔ الجواب "جب تک کسی پانی کا ناپاک ہونا معلوم اور متیقن نہ ہو جائے اس وقت تک وہ پاک ہے۔ جیسے نل کا پانی اور تمام ان کنووں کا پانی جو غیر مسلم بستیوں میں ہوں۔ اور وہاں مسلمان پہونچیں اور خود

کنویں سے نکالیں۔

اس میں قیاس ظن کی بھی ضرورت نہیں کیونکہ یہ چیز ہمارے تحقیقی علم میں ہے کہ یہ لوگ پانی کو اس طرح سے پاک نہیں کرتے۔ اسی طرح کتے کا جھوٹا ہمارے یہاں ناپاک ہے لیکن وہ اس کے استعمال سے کراہت بھی نہیں کرتے۔ یہی چیزیں وہ ان اشیا کے تیار کرنے میں استعمال کرتے ہیں تو یہ چیزیں مسلمانوں کے نزدیک کس طرح کھانے کے قابل ہو سکیں گی۔ اس میں ظن اور قیاس کو دخل نہیں۔ بلکہ مشاہدہ اس کا شاہد ہے۔ کم از کم ایک مسلمان جب پانی یا دودھ یا گھی استعمال کرے گا تو وہ خود کتنا ہی غلیظ کیوں نہ ہو لیکن ایسی چیزیں ہرگز استعمال نہیں کرے گا۔ جو شرعی معیار کے مطابق ناپاک ہوں۔

آپ نے فرمایا کہ "نجاست بدنی کو پانی سے صاف کرلیں تو کافر و مسلم دونوں پاک ہو جائیں گے" بالکل درست اور بجا۔ لیکن نجاست کو صاف کرنے کے لئے پانی بھی تو پاک ہونا چاہئے۔ نہ یہ کہ ظاہری نجاست کو تو پانی سے دھو دیا لیکن جو نجاست پانی کے اندر خود موجود تھی وہ سارے بدن پر چپک کر رہ گئی۔ اتنا فرق ضرور ہے کہ پہلی نجاست سامنے نظر آتی تھی یہ دوسری نظر نہیں آتی۔ میں یہ نہیں کہتا کہ ایک غیر مسلم محض اس لئے نجس ہے کہ وہ غیر مسلم ہے بلکہ یہ کہ غیر مسلم ان چیزوں کو بلا تکلف استعمال کرتا ہے جو مسلمانوں کے نزدیک نجس ہیں۔ جن میں سے بعض تو دیکھی جا سکتی ہیں لیکن اکثر دیکھی نہیں جا سکتیں۔ ان کا استعمال محض اس لئے تو جائز ہو نہیں سکتا کہ وہ نظر نہیں آتیں۔ جبکہ ہمارا تمدنی تجربہ اور عملی مشاہدہ اس پر دلالت کرتا ہے کہ وہ ان چیزوں کے استعمال سے دریغ نہیں کرتے جو مسلمانوں کے نزدیک نجس ہیں۔ الجواب "بیشک دریغ نہیں کرتے لیکن یہ لازم نہیں کہ روزانہ ان کا استعمال یہی ہے۔"

المستفتی نمبر ۸۸۲ چودھری غلام احمد خاں (شملہ) ۲۷ محرم ۱۳۵۵ھ مطابق ۲۰ اپریل ۱۹۳۶ء

(۳۵۸) **جواب** اگرچہ آپ کے سوالات میری گزشتہ تحریروں پر غور کرنے سے حل ہو جاتے ہیں تاہم مزید وضاحت کے ساتھ عرض کرتا ہوں۔

کنویں میں چوہا گر کر مرجائے یا مرا ہوا چوہا گر جائے تو یہ پانی اسلامی احکام کی رو سے ناپاک ہو گیا اور جب کسی مسلمان کو علم یا ظن غالب ہو جائے کہ کسی ہندو (بلکہ مسلمان) نے اس پانی سے کوئی

چیز بنائی ہے تو اس کا اس کو استعمال کرنا جائز نہیں۔ مگر یہ ناپاکی ایک ناپاک چیز کے ذریعہ سے پانی میں آئی ہے۔ اس میں کفر و اسلام کا تفاوت نہیں ہے۔ یہ صحیح ہے کہ ہندو اسے ناپاک نہیں سمجھتا اور اس لئے وہ اس کنویں کے پانی کو بے تامل استعمال کرے گا۔ لیکن ایسے واقعات کہ کنویں میں چوہا گر جائے کثیر الوقوع اور غیر مسلموں کے کنویں کے لئے لازم نہیں ہیں۔ اس قسم کے معاملات میں ظن غالب پر عمل کیا جاتا ہے اور کیا جا سکتا ہے۔

اس کے علاوہ اگر غیر مسلم کے ہاتھ کی بنائی ہوئی مٹھائی وغیرہ کے استعمال سے اس بنا پر پرہیز کیا جائے کہ وہ اس قسم کی ناپاکیوں سے احتراز نہیں کرتے گو ایسے واقعات شاذ و نادر ہی وجود میں آتے ہیں تو ہمیں کوئی اعتراض نہیں ہو گا کیونکہ اصل مسئلہ پر اس سے کوئی زد نہیں پڑتی اور یہ کہ اسلام نے غیر مسلم کے جسم کو (جب کہ اس پر کوئی حقیقی نجاست نہ ہو) پاک قرار دیا ہے۔ اور جبکہ ہم کسی ہندو کو اپنے سامنے بلا کر اپنے پاک پانی سے اس کے ہاتھ دھلوا کر اپنے سامنے اس پانی سے آٹا گوندھوا کر یا قند کا قوام بنوا کر اس کے ہاتھ سے روٹی پکوائیں یا مٹھائی بنوائیں تو وہ مٹھائی یا روٹی پاک ہے۔ محض غیر مسلم کے ہاتھ سے تیار ہونے کی بنا پر وہ ناپاک نہیں۔ میری سابقہ تحریرات کا مطلب اسی قدر تھا۔

جبکہ مسئلہ کی یہ نوعیت صاف ہو گئی کہ انسانی جسم پاک ہے خواہ مسلمان ہو یا کافر تو اب صورت مسئلہ آپ کی اس تحریر کے بموجب یہ ہوئی کہ جسم انسانی بحیثیت جسم انسانی ہونے کے پاک ہے۔ مگر چونکہ غیر مسلم بہت سی ایسی چیزوں کو استعمال کرتے ہیں جو اسلامی احکام کی رو سے ناپاک ہیں اور وہ انھیں ناپاک نہیں سمجھتے بلکہ پاک اور مقدس خیال کرتے ہیں (مثلاً گائے کا پیشاب) تو ان حالات میں مسلمانوں کو ان کی بنائی ہوئی چیزوں کا استعمال جائز ہے یا نہیں؟ بعض مرتبہ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ چونکہ ہندو مسلمانوں کے ہاتھوں کو ناپاک سمجھ کر ان کے ہاتھ کی تر چیزوں کے استعمال سے اجتناب کرتے ہیں۔ اور اپنی چیزوں میں مسلمانوں کا ہاتھ نہیں لگنے دیتے اور لگ جائے تو اسے پھینک دیتے ہیں۔ اور مسلمانوں کو کوئی چیز دیتے ہیں تو نہایت ذلت آمیز طریقے سے اوپر سے ان کے ہاتھوں میں ڈال دیتے ہیں۔ ان کے اس سلوک کو دیکھتے ہوئے اسلامی غیرت کس طرح اجازت دے سکتی ہے کہ ان کے ہاتھ کی

مٹھائی پوریاں کچوریاں مسلمان استعمال کریں۔

میں اس کے متعلق یہ عرض کرتا ہوں کہ جہاں تک ہندوؤں کے عقیدے اور اس سلوک کا تعلق ہے اس کا تقاضا یہی ہے کہ مسلمان بھی قومی غیرت اور خودداری پر عمل کریں اور جو ہندو ان کے ہاتھ کو ناپاک قرار دیتے ہیں اور ان کے ہاتھ کی چیزوں سے پرہیز کرتے ہیں وہ بھی بہ تقاضائے غیرت وخودداری ان سے پرہیز کریں۔ اس میں کوئی مضائقہ نہیں ہے۔ یہ جزاء سیئۃ سیئۃ مثلہا کے ماتحت قابل گرفت نہیں۔ مگر یہ یاد رہے کہ اگر مسلمانوں کے نزدیک ہندوؤں کا یہ فعل غلط اور خلاف عقل اور ذلیل ہے تو وہ خود اپنے اس فعل کو فی حد ذاتہ صحیح اور موافق عقل وشریعت قرار نہ دیں۔ بلکہ یہی کہیں کہ انسانوں کے درمیان اس قسم کا طرز عمل جاری کرنا غلط اور خلاف عقل اور مبتذل تو ضرور ہے مگر ہم فقط مجازاۃً کرتے ہیں۔ نہ یہ کہ یہ طرز عمل ہمارے نزدیک مستحسن ہے۔

اب رہی یہ بات کہ ہندوؤں کا ناپاکیوں سے احتراز نہ کرنا، اس کے متعلق عرض ہے کہ جبکہ کسی قوم یا جماعت کے متعلق یہ یقین یا ظن غالب ہو کہ وہ ناپاکی کا استعمال ضرور کرتی ہے تو اس سے احتراز لازم وفرض ہے۔ مگر محض کسی قوم کا یہ عقیدہ کہ چوہا گرنے سے کنواں ناپاک نہیں ہوتا یا کتے کا جھوٹا پاک ہے اس سے احتراز کرنے کو لازم نہیں کرتا۔ مثلاً مسلمانوں میں بھی ایسے لوگ ہیں جو منی کو ناپاک قرار نہیں دیتے۔ ماکول اللحم جانوروں کے پیشاب کو پاک سمجھتے ہیں تو محض اس وجہ سے ہم ان کے ہاتھ کے کھانے سے پرہیز کرنے لگیں کہ ممکن ہے جو پانی انہوں نے استعمال کیا ہے اس میں بکری کا پیشاب پڑ گیا ہو اور انہوں نے اسے پاک قرار دے کر وہی پانی استعمال کر لیا ہو اس لئے ہم اسے استعمال نہیں کر سکتے۔ یہ حکم عام طور سے صحیح اور قابل عمل نہیں۔ کوئی شخص بنا بر زہد وتقویٰ اپنے نفس کے لئے یہ طرز عمل اختیار کرے تو مضائقہ نہیں۔ مگر حنفی مسلمان عام طور پر اس کے پابند کر دیئے جائیں کہ شوافع ومالکیہ کے کھانے وغیرہ سے اس بنا پر احتراز کریں کہ ان کے نزدیک ماکول اللحم جانوروں کا پیشاب پاک ہے، یہ درست نہیں۔

بہر حال دیکھنا یہ ہے کہ غیر مسلم اگرچہ اس کنویں کے پانی کو استعمال کرلیں گے جس میں چوہا یا شراب گر جائے۔ مگر کیا روز مرہ کے واقعات میں یہ چیز کثیر الوقوع ہے؟ کیا ان کے پانی میں جس سے

روزانہ استعمال کرتے ہیں غالب گمان یہی ہے کہ ضرور وہ چوہا گرے ہوئے کنویں کا پانی ہوگا تو میں سمجھتا ہوں کہ اس کا التزام آپ بھی نہ کر سکیں گے۔ اور اگر التزام کرلیں تو میرا جواب یہ ہوگا کہ ہاں اگر روزانہ استعمال کے پانی میں نجس شے کی آمیزش کا گمان غالب ہے تو بیشک احتراز لازم ہے۔ مگر میں اس نظریہ کو تسلیم نہیں کرتا کہ ایسا گمان غالب ہے۔ بالخصوص ایسی حالتوں میں کہ اب اکثری طور پر شہروں میں نلوں کا پانی استعمال کیا جاتا ہے۔ اور نلوں کے پانی کا خزانہ یعنی وہ حوض جن میں سے نل میں پانی آتا ہے اکثری طور پر غیر مسلموں کی نگرانی میں ہوتے ہیں اور ان میں چوہے گھونس بلی کتے کے گر کر مر جانے کا اور نکال پھینکنے کا احتمال موجود ہے۔ اور اس بنا پر نلوں کے پانی کے استعمال میں بھی عدم جواز کا پہلو ہے جس سے احتراز عمومی آجکل تقریباً ناممکن ہے۔

اس اصول کے موافق سلف صالحین میں بہت سے نظائر موجود ہیں۔ بخاری میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا یہ اثر کہ "انھوں نے ایک سفر میں ایک نصرانیہ کے گھر سے پانی لے کر وضو کیا۔" اسی سلسلے میں لایا گیا ہے کہ غیر مسلم کے گھر کا پانی وضو کے لئے استعمال کیا جا سکتا ہے جب کہ خاص اس پانی کے ناپاک ہونے کا ظن غالب نہ ہو۔ اگرچہ یہ بات قطعی تھی کہ نصرانی خنزیر اور شراب عام طور پر استعمال کرتے تھے۔ مگر یہ عام استعمال اس خاص پانی کے ناپاک قرار دینے کے لئے کافی نہ تھا۔ امید ہے کہ اس گزارش کے بعد کوئی شبہ باقی نہ رہے گا۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ'

سوال

ایک صاحب کی عادت ہے کہ پیدل سفر کر کے کسی مقام پر پہونچ کر تولیہ یا رومال جو ان کے پاس موجود ہوا جوتا دریر پر مار کر جھٹک کر گرد صاف کر دیتے ہیں اور پھر اسی پر نماز پڑھتے اور وضو کر کے ہاتھ اور منھ پونچھ لیتے ہیں۔ اگر اعتراض کیا جاتا ہے تو جواب دیتے ہیں کہ خشک چیز ہے جو شرعاً پاک ہے اور جائز ہے۔ دوسروں کا خیال ہے کہ وہ پاک سہی مگر مکروہ ضرور ہے۔

المستفتی نمبر ۱۵۷۹ محمد خاں صاحب (ملک مالوہ) ۲۸ ربیع الثانی ۱۳۵۶ھ مطابق ۸ جون ۱۹۳۶ء

(۳۵۹) **جواب** تولیہ یا رومال سے جوتی اور پاؤں جھاڑنے کے بعد منہ پونچھنا یا اس پر نماز پڑھنا جائز ہے اور جبکہ رومال یا تولیہ پر غبار کا اثر نہ رہے تو کوئی کراہت بھی نہیں۔

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ'۔ دہلی

سوال

یہاں پر ایک ہسپتال ہے جس میں مخصوص طور پر تپ دق اور سل کا علاج ہوتا ہے اس ہسپتال میں بخار کے درجہ کو ناپنے کے لئے تھرمامیٹر بجائے منہ یا بغل میں رکھنے کے مقعد میں رکھا جاتا ہے۔ وجہ یہ بتلائی جاتی ہے کہ منہ یا جسم کے کسی اور جگہ کی گرمی قابل اعتبار نہیں ہے۔ بخار کا درجہ روزانہ اس طور سے کم سے کم چار دفعہ صبح دوپہر شام اور رات کو ناپا جاتا ہے۔

دریافت طلب امر یہ ہے کہ ایسی حالت میں مریض نماز کس طرح ادا کرے اور قرآن شریف کو کس طرح چھوئے۔ کیونکہ مریض دن میں چار چھ دفعہ کیسے نہائے۔ امید کہ جواب سے سرفراز فرمایئے گا۔ المستفتی ۲۴۳۵ محمد یونس صاحب۔ مدن پال۔ ۱۷ ذیقعدہ ۱۳۵۷ھ م ۹ جنوری ۱۹۳۹ء

(۳۶۰) **جواب** مقعد میں تھرمامیٹر لگانے سے غسل واجب نہیں ہوتا۔ پس مریض اس عمل کے بعد صرف وضو یا تیمم کر کے نماز پڑھ سکتا ہے اور قرآن مجید کو چھو سکتا ہے۔ فقط

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہٗ۔ دہلی۔

سوال

مسجد کی جانماز دری کی یا ٹاٹ کی جو نچڑ نہ سکے ناپاک ہو گئی۔ وہ کس طرح پاک ہو سکتی ہے؟

المستفتی ۲۲۹۵ عبدالحکیم (نارنول) ۶ ربیع الثانی ۱۳۵۵ھ مطابق ۲۶ جون ۱۹۳۶ء

(۳۶۱) **جواب** دری یا ٹاٹ کو دھو کر ڈال دو۔ جب پانی ٹپکنا بند ہو جائے تو دوسری بار دھوؤ اور پھر جب پانی ٹپکنا بند ہو جائے تو تیسری بار دھوؤ پاک ہو جائے گی۔

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ

سوال

(از اخبار سہ روزہ الجمعیۃ مورخہ ۲۶ اکتوبر ۱۹۲۵ء)

اگر جلتے ہوئے تنور میں کتا گرے اور جل کر مر جائے تو اس تنور کا کیا حکم ہے؟

(۳۶۲) **جواب** جلتے ہوئے تنور میں کتا گر کر مر جائے تو جب کتا جل کر راکھ ہو جائے یا اس کو نکال کر پھینک دیا جائے۔ اس کے بعد تھوڑا سا توقف کر کے روٹی پکانے میں کوئی حرج نہیں۔

محمد کفایت اللہ غفرلہٗ

کتاب الختان والخفاض

سوال

زید کے موضع اور نواح میں بوجہ نہ ہونے رواج سنت نبوی (ختنہ) اکثر معمر و جوان آدمی بے ختنہ ہیں۔ جبکہ وہ لوگ اس کوتاہی سے آگاہ ہوئے ہیں اس کمی کو پورا کرنا چاہتے ہیں۔ لیکن اول تو بہت سے لوگ بوجہ کمزوری دل خود ختنہ کرنے سے قاصر ہیں۔ دوم اگر موافق سنت شریف لونڈی سے کرادیں تو اس زمانے میں معدوم ہیں۔ اب یہی ہو سکتا ہے کہ یا تو وہ تارک فرض ہو کر کسی تجربہ کار شخص سے ختنہ کرادیں یا تارک سنت رہیں۔ اگر کوئی صورت امکان کی ہو تو مطلع فرمائیں۔

(۳۶۳) **جواب**۔ صورت مسئولہ میں اگر ایسے شخص خود ختنہ نہیں کر سکتے اور آجکل باندیاں بھی نہیں جو ختنہ کر سکیں تو وہ اپنا ختنہ کرا سکتے ہیں۔

سوال

اگر کوئی شخص اپنے لڑکے کے ختنے میں کسی کو دعوت نہ دے نہ کھانا کھلائے تو کیا حکم ہے؟ ایک شخص نے ایسا کیا تو لوگوں نے اس کا بائیکاٹ کر دیا۔ پھر اس نے قربانی کی تو لوگوں نے قربانی کا گوشت لینے سے انکار کر دیا اور دوسرے لوگوں کو بھی روکا۔ وجہ یہ بتائی کہ اس نے ختنہ کی تقریب میں ہم کو دعوت نہیں دی تھی۔

المستفتی ۲۶۹ شاہ محمد صاحب ۱۶ محرم ۱۳۵۳ھ مطابق یکم مئی ۱۹۳۴ء

(۳۶۴) **جواب**۔ ختنے کی تقریب میں دعوت دینا اور بستی کے لوگوں کو کھانا کھلانا لازم نہیں ہے۔ اگر کسی کو وسعت ہو اور وہ اپنی خوشی سے دعوت دے دے تو اسے اختیار ہے۔ لیکن لوگوں کو اس سے زبردستی دعوت لینے کا کوئی حق نہیں ہے۔ اور دعوت نہ دینے کی وجہ سے اس کا بائیکاٹ کر دینا اور قربانی کا گوشت نہ لینا۔ اور دوسروں کو بھی لینے سے باز رکھنا یہ سب ناجائز باتیں ہیں۔ یہ لوگ شریعت سے ناواقف ہیں۔ ان کو نرمی اور آہستگی سے تبلیغ کر کے واقف کرانا چاہئے۔ فقط محمد کفایت اللہ

سوال

زید کہتا ہے اور ایک کتاب کا بھی ثبوت پیش کرتا ہے کہ عورتوں کی ختنہ ہونا چاہئے۔ شرع شریف میں کیا حکم ہے؟

المستفتی ۳۲۹ محمد لال شاہ (ضلع متھرا) ۶ ربیع الاول ۱۳۵۳ھ مطابق ۱۹ جون ۱۹۳۴ء

(۳۶۵) **جواب** عورتوں کا ختنہ جس کو عربی میں خفاض کہتے ہیں، عرب میں اس کا رواج تھا۔ اور ایک حدیث میں یہ ذکر آیا ہے کہ ایک عورت سے جو عورتوں کا ختنہ کیا کرتی تھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا کہ اس میں مبالغہ نہ کیا کرو۔ بلکہ بہت تھوڑی سی مقدار قطع کیا کرو کہ اس میں مرد اور عورت دونوں کا فائدہ ہے۔ اور عورتوں کے ختنے کو بعض فقہا نے سنت اور بعض نے مکرمت یعنی ایک اچھی اور شرافت کی بات بتایا ہے۔ لیکن یہ سنت مؤکدہ اور ضروری نہیں ہے۔ اگر کیا جائے تو اچھا ہے۔ نہ کیا جائے تو کوئی شرعی الزام اور مواخذہ نہیں ہے۔ بخلاف لڑکوں کے ختنے کے کہ وہ سنت مؤکدہ ہے۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ

سوال

(۱) بے ختنہ بالغ مسلمان کی ختنہ کرانا جائز ہے یا نہیں؟ (۲) بے ختنہ بالغ مسلمان کا نکاح جائز ہے یا نہیں؟ (۳) بے ختنہ بالغ مسلمان کی اولاد سے با ختنہ بالغ مسلمان کی اولاد کا نکاح درست ہے یا نہیں؟ (۴) ایک بالغ ہندو مسلمان ہو کر ختنہ کرانا چاہتا ہے۔ کیا اس کا ختنہ کرنا جائز ہے؟ یا نہیں؟ (۵) بے ختنہ بالغ مسلمان کا نکاح اگر جائز ہے تو قریہ یا شہر کے غفلتی لوگ ختنہ سے بے پروا ہو جائیں گے۔ (۶) سنا گیا ہے کہ بے ختنہ بالغ مسلمان کی پیشاب کی پاکی نہیں ہوتی اور اس وجہ سے اس کی نماز بھی درست نہیں ہوتی۔ (۷) بالغ ہونے کے بعد بے ختنہ مسلمان کا ختنہ کرانا حرام ہے تو اگر ختنہ کرا لیا تو اس کی کیا سزا ہے؟ (۸) بے ختنہ بالغ مسلمان کا نکاح اگر جائز نہیں ہے تو کیا وہ ہمیشہ بے نکاح ہی رہے گا؟ (۹) بے ختنہ بالغ مسلمان با ختنہ مسلمانوں کی امامت کر سکتا ہے یا نہیں؟۔ المستفتی ۳۹۶ محمد حیات (ضلع بیجاپور) ۱۲ جمادی الثانی ۱۳۵۳ھ مطابق ۲۲ ستمبر ۱۹۳۴ء

(۳۶۶) **جواب** غیر مختون بالغ مسلمان کی ختنہ کرانا اگر کسی وجہ سے ضروری ہو جائے تو جائز ہے۔ مثلاً وہ ختنہ کی اہمیت سے عملاً محترز ہو یا اس کی وجہ سے دوسرے کے لئے یہ رسم قائم ہو جانے کا احتمال ہو۔ بے ختنہ مسلمان کا نکاح جائز ہے۔ بے ختنہ مسلمان کی اولاد کا نکاح ختنہ والے مسلمان کی اولاد کے ساتھ جائز ہے۔ اگر بالغ غیر مسلم مسلمان ہو جائے تو اس کا ختنہ کرا دینا بہتر ہے کہ اس سے خوف ارتداد نہیں رہتا یا کم ہو جاتا ہے۔ اتفاقی طور پر کوئی مسلمان غیر مختون رہ جائے تو اس کے لئے ختنہ کی اتنی سختی برتنی مناسب نہیں۔ ہاں اگر کوئی عناداً ختنہ نہ کرائے تو اس کو ختنہ کے لئے مجبور کرنے میں مضائقہ نہیں۔ بے ختنہ مسلمان کے ناپاک رہنے کا شبہ ضرور رہتا ہے۔ لیکن یہ مطلب نہیں کہ وہ پاک ہو نہیں سکتا۔ اور یہ کہنا بھی صحیح نہیں کہ غیر مختون ہمیشہ بے نمازی رہتا ہے۔ اوپر بتایا گیا کہ ضرورت اور مصالح شرعیہ کی بنا پر بالغ کا ختنہ کرانا جائز ہے۔

مطلقاً حرام نہیں ہے۔ نمبر ۲ ملاحظہ ہو۔ اگر وہ استنجا اور طہارت میں احتیاط کرتا ہو تو وہ ختنہ والے مسلمانوں کی امامت بھی کر سکتا ہے۔ بشرطیکہ وہ اتفاقی طور پر غیر مختون رہ گیا ہو۔ ختنہ کے سنت ہونے کا قائل ہو۔ محمد کفایت اللہ

سوال

میرا نواسہ ہے اور اس کی ختنہ ہو گئی ہے۔ اس کے دادا کہتے ہیں کہ میں اس کا کھانا کروں گا۔ اس میں اگر مجھے بلایا جائے تو میں شریک ہو جاؤں یا نہیں؟ کیونکہ میں فی الحال تو ختنے میں شریک نہیں ہوتا جب سے مجھے معلوم ہوا ہے۔ لیکن کھانے کے متعلق مجھے معلوم نہیں ہے۔

المستفتی ۸۵۷ محمد حیات (ضلع علی گڈھ) ۲۱ محرم ۱۳۵۵ھ مطابق ۱۴ اپریل ۱۹۳۶ء

(۳۶۷) **جواب** ختنہ کی تقریب میں شریک ہونا اور کھانے میں شریک ہونا فی حد ذاتہ جائز ہے بشرطیکہ ریا و شہرت کے لئے یہ کام نہ ہو۔ اور قرض ادھار لے کر یہ کام نہ کیا جائے۔ اور کوئی ناجائز کام مثلاً گانا بجانا نہ ہو۔

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہٗ

سوال

زید کا بیان ہے کہ عورت کا ختنہ سنت رسول اللہ ہے اور بلکہ زواجر ہندی آدم فی الحدیث میں یہ مسئلہ تحریر ہے۔ لیکن عمرو اس مسئلہ کے خلاف ہے اور کہتا ہے کہ عورت کا ختنہ سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نہیں ہے۔ اور نہ زواجر ہندی آدم فی الحدیث کو مانتا ہے۔ المستفتی ۱۴۲۳ مسماۃ فاطمہ بائی صاحبہ (بمبئی) ۲۱ صفر ۱۳۵۶ھ مطابق ۳ مئی ۱۹۳۷ء

(۳۶۸) **جواب** عورت کے ختنے کے بارے میں فقہاء کا اختلاف ہے۔ جیسے کہ شامی جلد خامس ص ۵۲۲ میں مذکور ہے بعض فقہاء اس کو سنت بعض مستحب کہتے ہیں۔ اور اس پر سب متفق ہیں کہ اس کی کوئی تاکید نہیں ہے۔ ختنہ نہ کرانے میں کوئی گناہ یا ملامت نہیں ہے۔ ابو داؤد میں حدیث ہے کہ مدینہ طیبہ میں ایک عورت عورتوں کا ختنہ کیا کرتی تھی تو حضور نے اس کو فرمایا تھا لا تنهکی یعنی ختنہ میں کھال زیادہ نہ کاٹا کرے۔ اور شامی میں ایک حدیث نقل کی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ختان الرجال سنة وختان النساء مكرمة۔ یعنی مردوں کا ختنہ سنت ہے اور عورتوں کا ختنہ مکرمت یعنی مردوں کی خوشنودی کے لئے ہے۔ مطلب یہ کہ مردوں کے ختنے کی طرح سنت مستقلہ مؤکدہ نہیں۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہٗ

سوال

ختنہ میں دعوت کرنی درست ہے یا نہیں؟ حدیث طبرانی الخرس والاعذار والتوکیر انت فیه

بالحیاء سے گنجائش معلوم ہوتی ہے اور حدیث مسند احمد ولیمۃ الختان لم یکن یدعی لہا سے ممانعت وبدعت ثابت ہوتی ہے۔ پس اس بارے میں کیا توجیہ ہوگی ؟

المستفتی نمبر ۲۳۶۶ محمد یٰسین صاحب اعظم گڈھ ۱۱ رجادی الاول ۱۳۵۷ھ مطابق ۱۰ رجولائی ۱۹۳۸ء

(۳۶۹) **جواب** ولیمۃ الختان لم یکن یدعی لہا کا مفہوم اسی قدر ہے کہ یہ معمول نہ تھا۔ ولیمہ کا لفظ اس کو شامل ہے۔ اس لئے فی حد ذاتہ اباحت ہے۔ ہاں آجکل کے مصالح اسلامیہ اس کے مقتضی ہیں کہ ایسی دعوتیں جس قدر کم ہوں بہتر ہے۔ فقط۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ۔ دہلی

سوال

ایک شخص اپنے لڑکوں کی ختنہ نہیں کراتا۔ اور اس بات سے انکار بھی کرتا ہے۔ اور اس کے چار لڑکے ہیں۔ جن میں ایک لڑکے کی عمر تئیس ۲۳ سال، اور دوسرے کی چھبیس سال اور تیسرے کی انیس سال اور چوتھے کی تیرہ سال ہے۔ مگر اس نے کسی کی ختنہ نہیں کرائی۔ تمام ویسے ہی ہیں۔ اب لوگ اس سے کراہت کرتے ہیں۔ کیا وہ اس سے قطع تعلق کر سکتے ہیں یا کہ نہیں ؟

المستفتی نمبر ۲۵۱۹ محمد اسلوب (بلند شہر) ۲۶ رجمادی الاول ۱۳۵۸ھ مطابق ۱۵ رجولائی ۱۹۳۹ء

(۳۷۰) **جواب** ختنہ سنت ہے مگر مسلمانوں کے لئے اسلامی شعار ہے۔ یہ شخص کس وجہ سے ختنہ نہیں کراتا۔ چار بچوں کا ختنہ نہ کرانا بظاہر کسی عذر پر مبنی نہیں ہے۔ مسلمانوں کو چاہئے کہ وہ اسے بچوں کے ختنے کرانے پر مجبور کریں اور نہ مانے تو اس کو حکمت اور موعظت حسنہ کے ساتھ سمجھائیں یہاں تک کہ وہ اپنی ضد سے باز آجائے۔ اگر مناسب حد تک اس کے ساتھ سختی بھی کی جائے تو مضائقہ نہیں ہے۔ سختی سے صرف یہ مراد ہے کہ مسلمان اس کو اپنی تقریبات شادی وغمی میں شرکت کی دعوت نہ دیں۔ اس کے یہاں تقریبات میں شریک نہ ہوں۔ فقط محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ دہلی

سوال

(الجمعیۃ مورخہ ۱۴ فروری ۱۹۲۸ء)

غیر مسلم ڈاکٹر (سکھ یا ہندو) سے لڑکے کی ختنہ کرانی جائز ہے یا نہیں ؟

(۳۷۱) **جواب** واقف کار غیر مسلم ڈاکٹر سے ختنہ کرانا جائز ہے۔ محمد کفایت اللہ غفرلہٗ

ختم شد